مناهل العرفان

اردو ترجمہ وتفسیر قرآن حکیم
مع حل الغات

احمدی احباب کے لئے

جلد اوّل
سورة الفاتحة تا سورة الانفال

کفیلہ خانم

فہرست سورتہائے تفسیر القرآن جلد اوّل

فہرست پارہ ہائے تفسیر القرآن جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

علومِ جدیدہ کی روشنی سے کائنات منوّر ہے۔کمپیوٹر کے ذریعے آج کا انسان کی بورڈ (Key Board)کے چند حروف کی مدد سے دنیا جہان کی خبروں اور نئے پُرانے علمی خزائن سے گھر بیٹھے مالا مال ہو رہا ہے۔اسی طرح قرآن مجید کے حروف مقطّعات علیم وخبیر خدائے بزرگ و برتر کے کلام کی چابیاں ہیں۔علوم ظاہری و باطنی سے پُر سخت ذہین وفہیم مصلح موعود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ علومِ قرآنیہ کے عظیم غوّاص تھے۔آپ نے فرمایا کہ حروفِ مقطعات میں بے پناہ علوم پوشیدہ ہیں۔کوئی دوسرا مقطع آنے تک کی سورتوں میں پہلے مقطع کے حروف ہی ان سورتوں کے علوم و معارف کھولتے چلے جاتے ہیں۔اسی طرح علومِ ارضی و سماوی کے حصول کے لئے یہ حروف قرآنی کمپیوٹر کی چابیاں ہیں۔کتنے اللہ والے مطہّرین کی مقدس انگلیوں نے انہیں چھو کر حقائق و معارف اور دقائق و لطائف تک رسائی حاصل کی۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوب فرمایا۔

الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

بے بہا علم رکھنے والے اھل اللہ نے ہر دور میں توجہ کی اور اللہ کے کلام نے ان کی مزید رہنمائی فرمائی۔یوں معرفت کے نئے سے نئے راستے روشن ہوتے چلے گئے۔عاشقانِ کلامِ الٰہی نے جہاں بھی اپنی توجہات مرکوز کیں وہاں سے بے مثال گنجینۂ معلومات کی ایک کونپل پھوٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے معارف کی ثمردار شاخوں سے بھرپور شجر سایہ دار میں بدل گئی۔

بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے

اس بُستانِ سدا بہار سے پھول کلیاں چُن کر دلکش ، جاذب نظر، زندگی بخش ، جانفزا مہکتا ہوا گلدستہ تیار کرنا ایک انتہائی نازک مگر عظیم الشان کارنامہ ہے۔مجھے خدا تعالیٰ نے سعادت بخشی کہ

اپنے قلب و رُوح کو ایک ایسے ہی گلدستہ سے معطّر کر پاؤں جس کا نام ہے" مناھل العرفان"!
لائقِ صد شکریہ بہن محترمہ کفیلہ خانم صاحبہ مداللہ ظلہا کے اس عظیم کارنامہ کو دیکھ کر محوِ حیرت ہوں کہ ایک مشتِ استخواں پیرانہ سال پھر صنفِ نازک کو یہ اعزاز و توفیق کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ،آپ کے خلفاء خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد فرمودہ نکاتِ قرآنیہ کو مقدم رکھتے ہوئے مآخذ و مصادر میں مذکور دوسری تفاسیر میں بیان مضامین سے انتہائی جانفشانی ، عرقریزی اور سالہاسال کی بھرپور محنت شاقہ سے مناھل العرفان کو مرتب فرمایا ہے۔یقیناً طالبان وعشاقِ قرآن کے لئے یہ ایک عظیم مثال ہے۔ فجزاھا اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ جہاں اس قرآنی گلدستہ سے تمام گلشن انسانیت کو مہکائے اور جویانِ علم قرآن کے لئے سامانِ تسکین کرے وہاں محترمہ کفیلہ خانم صاحبہ کی طرف سے اسے ایک عظیم خدمتِ قرآن کے طور پر اپنے حضور قبول فرمائے۔ آمین۔

خاکسار
محمد اعظم اکسیر ربوہ

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ/۲۴۔ نومبر ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرض حال

بیشک دنیا میں اب تک قرآن کریم کی اتنی تفاسیر لکھی گئی ہیں کہ شاید ان کا شمار نہ ہو سکے لیکن یہ وہ بحرِ بیکراں ہے جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا کسی کے بس میں نہیں اور جس قدر لعل و جواہر سے یہ پُر ہے وہ بھی انسانی فہم و قیاس سے بعید ہے۔ان میں سے میرے جیسی نالائق کے ہاتھ محض خدا کے فضل سے اگر چند ایک موتی بھی آ جائیں تو زہے قسمت۔

چونکہ میں دنیا کے جھمیلوں سے بفضلہٖ تعالیٰ قریباً فارغ ہوں اس لئے **فاذافرغت فانصب ٥ والیٰ ربک فارغب ٥** کے تحت میں نے قرآن کریم کو اپنا نصب العین بنایا اور بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

تفاسیر پڑھتے پڑھتے پڑھانے کا خیال آیا کہ بلاشبہ یہ میرے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا کیونکہ میرا قیام مستقل ایک جگہ نہیں۔ بہرحال میں اپنے خاندان کے ان چند نوجوان بچوں اور بچیوں کی ممنون ہوں جنہیں میرا پڑھایا ہوا قرآن پاک کا کچھ حصہ بہت پسند آیا اور میں نے ان کے لئے پندرہ سیپارے تک کے نوٹس لکھے۔پھر خیال آیا کہ ان چند نوجوانوں کے لئے ہی کیوں ہو۔کیوں نہ ہر اس نوجوان کے لئے لکھوں جو قرآن حکیم سیکھنا چاہے؟ چنانچہ پھر سے لکھنا شروع کیا۔اس طرح اس عاجزہ نے باوجود اپنی بے بضاعتی اور بے علمی کے محض توفیق الٰہی سے یہ جرأت کی ورنہ۔

من آنم کہ من دانم

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے جیسے نالائق انسان کے لئے تفسیر لکھنے کا خیال آنا بھی ناممکنات میں سے تھا۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان تھا کہ ایسے حالات پیدا ہوئے جن کے سبب اس کی دی ہوئی توفیق سے میں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کیا۔اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد نوجوان طبقہ کو قرآن حکیم کا ترجمہ سکھانا، قرآن کریم سے ان کی اجنبیت دور کر کے ان کے لئے قرآن کریم میں دلچسپی پیدا کرنا اور حسبِ استطاعت انہیں قرآنی علوم سے بہرہ ور کرنا ہے۔خدا کرے کہ میں اپنے اس مقصد میں کامیاب رہوں نیز اکثر نوجوانوں کو اپنی تعلیمی مصروفیات اور دیگر مشاغل کی وجہ سے اتنی فرصت

نہیں ہوتی کہ وہ تمام بزرگانِ سلسلہ کی تفاسیر پڑھ سکیں۔میری یہی کوشش ہے کہ ان کے لئے ''مناہل العرفان'' کی شکل میں ایک ایسی آسان اور مختصر تفسیر میسر ہو جس میں قریباً وہ تمام باتیں مختصر طور پر آجائیں جو ان بزرگوں نے الگ الگ بیان فرمائیں۔گویا یہ تفسیر میں نے خاص طور پر نوجوان طبقہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے لکھی ہے نہ کہ علماء کے لئے۔

اس تفسیر میں میں نے آئمہ سلف کے علاوہ بزرگانِ سلسلہ خاص طور پر اپنے پیارے مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام، خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت حکیم الحاج مولانا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ، خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تفاسیر اورحضرت مرزا طاہراحمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطباتِ جمعہ ، رمضان المبارک کے درس قرآن اور خاص طور پر M-T-A کی ترجمۃ القرآن کلاسز نیز آپ کا اردو ترجمۂ قرآن کریم سے بھرپور استفادہ کیا۔سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں تو بعض جگہ الفاظ بھی قریباً انہی کے ہیں ورنہ اکثر مفہوم ان کا ہے۔ہاں اگر کوئی نکتہ محض خدا کے فضل و کرم سے میرے ذہن میں آیا تو اپنے مولیٰ کا احسان سمجھتے ہوئے لکھ دیا۔اس تفسیر میں میرا اپنا حصہ بھی محض میرے مولا کی عطا ہے کہ اس نے اس عاجز بندی کو اپنے فضل و احسان سے اس عظیم کام کی توفیق بخشی۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ لغت کا زیادہ تر حصہ مفرداتِ راغب اورسلسلہ کی تفاسیر سے لیا گیا ہے۔

اس تفسیر کو لکھنے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے میں نے سالہا سال تک انتھک محنت کی ہے۔ میری اس محنت سے اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچ جائے اور فہم قرآن میں مدد ملے یا کوئی جذب عطا ہو تو میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی کہ میرا لکھنے کا مقصد پورا ہوگیا۔

اس تفسیر کے لکھنے میں میرے پیارے امام حضرت مرزا طاہراحمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا احسان بطور خاص شامل ہے جنہوں نے میری چھوٹی سی بچوں کے لئے لکھی ہوئی احادیث کی کتاب'' گلہائے چنیدہ'' کی تعریف کرکے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مجھے مزید لکھنے کا مشورہ دیا۔

میری عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمانیت کے صدقے ہمیں '' دین کی سمجھ دے اور کتاب و حکمت سکھادے'' اور محض اپنے فضل سے ہمیں اپنی پیاری کتاب کو پڑھنے پڑھانے سمجھنے، یاد رکھنے اور اس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، میری یہ عاجزانہ کوشش میرے مولیٰ کی جناب میں مقبول ہو اور وہ ہم سے راضی ہو جائے، ہماری دنیا اور آخرت سنوار دے اور انجام بخیر کرے۔ آمین

فی الحال سورۃ الانفال تک کی تفسیر'' مناہل العرفان'' جلد اوّل کے نام سے شائع کروا رہی ہوں۔دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و احسان سے مجھے احسن طور پر پورے قرآن کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رحمت سے ان بے جان حروف میں جان ڈال دے اور ان میں اثر پیدا کردے جنہیں پڑھ کر عُشّاقِ قرآن پیدا ہوں۔ آمین۔

آخر میں جناب محمد اعظم اکسیر صاحب کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ جنہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود وقت نکالا اور میرا مسودہ بنظرِ غور ملاحظہ فرمایا اور اس کی تصحیح فرمائی نیز جناب سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے بھی اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکالا، میرے مسودہ کو پڑھا،اس کی اصلاح فرمائی، مجھے مفید مشوروں سے نوازا اور میری رہنمائی فرمائی اور نظارت کی طرف سے مجھے اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی جزاءکم اللہ احسن الجزاء۔

آپ نے خاص طور پر مجھے حضرت مرزا طاہراحمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ترجمۃ القرآن کلاسز سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلہ میں میری مدد فرمائی اور میں نے حضرت مرزا طاہراحمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے جدید اور مفید تفسیری نکات کو حضور کے حوالہ سے اس تفسیر کی زینت بنایا۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو نیز میرے بچوں، بہن بھائیوں اور کرم فرماؤں کو جنہوں نے تفسیر کے تعلق میں کسی رنگ میں بھی میری معاونت کی بہترین اجر سے نوازے اور ان کے قرآن کریم کا عشق دور تک ان کی نسلوں میں سرایت کرتا چلا جائے۔ثم آمین۔

اصل تعریف اور دعا کے حقدار تو وہ تمام مفسرینِ کرام ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگیاں خدمتِ قرآن کے لئے وقف کیں۔ان کی حیات کا لحہ لحہ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا سب کچھ قرآن کریم کے تابع تھا۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کمزور خطاکاروں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان مقامات قرب کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۔

اس تفسیر میں قرآن کریم کا متن مع اردو ترجمہ حضرت میرمحمد اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مترجم قرآن مجید سے لیا گیا ہے۔ میں نے حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تفسیرِ صغیر کے تفصیلی انڈکس کے بعد کسی الگ انڈکس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہرعنوان کے لئے اس سے استفادہ کرسکتے ہیں اورمطلوبہ موضوع پرآیات نمبر ڈھونڈ کراس تفسیر سے دیکھ سکتے ہیں۔

میں اپنے پڑھنے والوں سے اپنے والد محترم شیخ تاج الدین صاحب اور والدہ محترمہ زہرہ خانم صاحبہ کے لئے دعا کی درخواست کروں گی جنہوں نے خدا کے فضل سے وقت کے امام کو پہچانا اور ہمیں اس راہ پر چلایا۔خدائے غفورالرحیم ان کی مغفرت فرمائے،ان پر رحم کرے،ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں رفعتوں سے نوازے۔ان سے، ان کی آل و اولاد اور نسلوں سے راضی ہوجائے اور قیامت تک ان کی نسلوں پر اپنی بے شمار رحمتوں اور فضلوں کی بارش نازل کرتا رہے۔آمین۔

محتاج دعا

عاجزہ کفیلہ خانم

نوٹ : ۔ اس تفسیر میں جن بزرگوں کی تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تفاسیر وغیرہ کا حوالہ نہیں دیا۔اس لئے کہ ماخذ و مصادر میں ان کی تفاسیر کے نام درج ہیں۔ان تفاسیر سے مطلوبہ حوالہ دیکھ سکتے ہیں۔اگر ان تفاسیر سے باہر کا حوالہ دیا تو کتاب اور صفحہ نمبر وغیرہ لکھ دیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حوالہ سے تمام مفید نکات آپ کی M-T-A کی ترجمۃ القرآن کلاسز سے لئے گئے ہیں۔جو تحریرات ترجمۃ القرآن کلاسز کے باہر سے لی گئیں ، ان کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔

تمام احادیث ،احادیث کی مستند کتابوں سے لی گئی ہیں اور حوالہ جات دئے گئے ہیں۔بعض حوالے تفسیر کے آخر میں دیئے ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ فاتحہ۔یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی سات آیات ہیں

جیسا کہ میں نے دیباچہ میں لکھا ہے سورۃ فاتحہ کی تفسیر بھی آئمہ سلف کی تفاسیر کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام،حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفاسیر اور حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ترجمۃ القرآن کلاسز اور اردو ترجمہ ''قرآن کریم'' کی روشنی میں لکھی گئی اور اکثر انہی کا مفہوم اور الفاظ ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم** پڑھنا حکم خداوندی ہے جو قرآن کریم ہی میں بیان ہے یعنی ہر قسم کے شر سے اللہ کی پناہ اور مدد چاہتا ہوں ۔ پھر **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** پڑھ کر تلاوتِ قرآن پاک شروع کی جاتی ہے جو ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ممیّز کرتی ہے۔

اس سورۃ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سمیت سات آیات ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ سورتوں کا حصہ ہے اور ہر سورۃ کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے سوائے سورۃ توبہ کے جو نفس مضمون کے لحاظ سے پہلی سورۃ سے الگ نہیں۔تاہم بعض مفسرین نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورتوں کا حصہ قرار نہیں دیا اور **صراط الذین انعمت علیھم ۵ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین ۵** کو دو آیتیں قرار دیا ہے۔یہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ ہے جو بوجہ عظمت سب سے پہلے رکھی گئی۔پوری سورۃ جو پہلے نازل ہوئی وہ یہی ہے (بیہقی) نہایت ابتدائی زمانہ میں مکہ میں نازل ہوئی، پھر مدینہ میں نازل ہوئی۔یہ واحد سورۃ ہے جس کا نزول دو دفعہ ہوا۔ابتدا سے نماز میں پڑھی جاتی ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ، خواہ الگ پڑھے یا جماعت سے (صحیحین) یہی سورۃ ہے جس کا ذکر تورات میں بھی ہے (مکاشفات باب ۱۰ آیت ۲)

اس کے کئی نام ہیں **الفاتحۃ** یعنی کھولنے والی۔(ترمذی) اس کو توجہ اور اخلاص سے پڑھنے والے پر قرآن کریم کے رموز و اسرار کھولے جاتے ہیں۔گویا قرآن کریم کا دروازہ اور کنجی ہے۔(حضرت مصلح الموعودؓ تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۳) '' الحمد'' ہے یعنی رب اعلیٰ کی حمد سے شروع ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کو بیان کرتی ہے۔''ام القرآن'' یا ''ام الکتاب'' ہے۔(قرطبی و ابوداؤد) قرآن کریم کی تمام تعلیم کا خلاصہ ہے گویا یہ متن ہے اور باقی قرآن تفسیر (شیخ محی الدین

ابن عربیؒ)''الشفاء'' ہے(بیہقی)یعنی روحانی اور جسمانی مریضوں کے لئے شفا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس سے مریضوں پردم کرتے تھے(بخاری) گویاہرمشکل کاحل اورشفاہے۔''کنز'' ہے جو تمام روحانی خزانوں کی جامع اورعرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے(بیہقی)'' سبع مثانی''(مسند احمد بن حنبل)سات آیتیں جوبار بار دہرائی جاتی ہیں اور ہرآیت کی قرأت ایک منزل کے برابر ہے۔ (حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اعجاز المسیح صفحہ۷۵تا۷۷) گویااسے پڑھنا کُل قرآن کریم کو پڑھنا ہے نیز جہنم کے سات دروازوں سے اور سات مہلک امورسے بچنے کا ذریعہ ہے جوجہنم میں جانے کا باعث ہیں، گویابندہ ان سات آیات کے حصارمیں داخل ہو جاتا ہے۔(اعجازالمسیح صفحہ۷۵تا۷۷)

دنیا کی عمرکی طرف بھی اشارہ ہے کہ سات ہزارسال ہے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام اعجازالمسیح صفحہ۷۵تا۷۷) صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔فاتحہ مجھ میں اور میرے بندے میں نصف نصف ہے۔پہلی تین آیات میں خدا تعالیٰ کی چارصفاتِ کاملہ ربوبیت،رحمانیت،رحیمیت اورمالکیت کاذکرہے۔جن سے باقی صفات باری تعالیٰ پیداہوتی ہیں۔ درمیانی آیت اللہ تعالیٰ اوربندے میں مشترک ہے۔آخری تین آیات میں بہترین دعا سکھائی گئی ہے تابندہ ہدایت پاکراور افراط وتفریط سے بچ کراعلیٰ سے اعلیٰ انعام کا وارث ہو اور کمالِ انسانی کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ جائے۔اس دعا میں تمام بنی نوع انسان کو شامل کرکے گویا اتحادِ انسانی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ ایک جامع دعاہے اس سے بڑھ کرکوئی وظیفہ نہیں۔قرآن کریم کی اصل غرض محامدِ الٰہی کوبیان کرنا ہے تا بندہ ان صفات میں رنگین ہو کرجنابِ الٰہی سے براہِ راست تعلق پیداکرے۔اس غرض کو یہ دعا ہر طرح پورا کرتی اوربندے کواپنے مولا سے ملاتی ہے۔اسی لئے قرآن کریم میں عظمتِ الٰہی سے کوئی رکوع خالی نہیں۔جب کہ احکام کی آیات اڑھائی سوکے قریب ہیں۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تشحیذ الاذہان جلد۶نمبر۹صفحہ۳۵۳) تفسیرکبیرمیں بیان کردہ حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ارشاد کو قدرے اختصار سے تحریر کرتی ہوں(تفسیرکبیرجلد اوّل صفحہ۴۷۔۴۸) کہ کسی کی اطاعت وفرمانبرداری یامحبت کی وجہ سے ہوتی ہے یاخوف کی وجہ سے۔اس سورۃ میں ہرانسان کی ہدایت کاسامان موجود ہے۔سب سے پہلے ان صفات کا ذکرہے جن پرغور کرنے سے دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو جاتا ہے۔اللہ ہی وہ ہستی ہے جس کا حسن و احسان میں کوئی نظیرنہیں وہ حسن و احسان کے اعلیٰ ترین نکتہ پرہے تالوگ اس کی طرف کھنچے آئیں۔وہ پیدا کرتا ہے ،پرورش کرتا ہے ، تمام سامانِ زیست بغیرمانگے عطاکرتا ہے۔جب کسی معاملہ میں خواہ دینی ہو یا دنیوی محنت اورکوشش کی جائے توبے انتہا نوازتا ہے جب

بندہ یہ حسن و احسان دیکھتا ہے تو فطری طور پربے اختیار اسی کی طرف جھکتا ہے لیکن جولوگ محبت کی زبان نہیں سمجھتے اورحسن و احسان سے آنکھیں بند کرنے کے عادی ہیں،ان کوسخت سلوک کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسے لوگ جب مالک یوم الدین پہ غورکرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ایک دن اسی مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوناہے اور سب حساب کتاب دینا ہے تو وہ بھی خوف کی وجہ سے بے اختیار اسی کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور ایاک نعبدُ وَایاّک نستعین پکار اٹھتے ہیں کہ تو ہی توفیق اور مدد فرما کہ حق عبادت ادا ہو۔جب ایک دفعہ مولاکریم کے پیار کی لذت سے آشنا ہوا تو پھر بندہ اس مقام پرٹھہرنا نہیں چاہتا بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کی تلاش میں رہتا ہے اورمنعم علیہ کے گروہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور آخر اپنے محبوب کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن ابھی بھی ایک خدشہ ہوتا ہے کہ الٰہی کچھ تیرے دربارسے دھتکارے ہوئے بندے بھی ہیں،میں اپنی شامت اعمال سے ان میں شامل نہ ہو جاؤں یاکہیں ایسا نہ ہوکہ میں ہی پھسل جاؤں۔ لہذا ان امورسے بچنے کی دعا بھی کرتاہے۔ گویاایسی کامل دعاہے کہ ہر مرض کاشافی علاج موجود ہے اور آخرکار بندے کواپنے محبوب سے ملا دیتی ہے ،جس کے بعد کوئی دوری نہیں بلکہ قدم آگے ہی آگے بڑھتاچلاجاتاہے۔

اس سورۃ میں سلوک کے نہایت باریک رموزسمجھائے گئے ہیں مثلاً بقول حضرت مصلح الموعودؓ (تفسیرکبیرجلداوّل صفحہ۲۷)مختصراً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف رجوع برحمت فرمائے گا تو اوپرسے نیچے آئے گااورجب بندہ اپنے مولا کے قرب کی تلاش میں سعی وکوشش کرے گا۔تونیچے سے اوپرجائے گا۔سوجب خداتعالیٰ بندہ پرنظرعنایت ڈالتاہے توپہلے رب العالمین کی صفت کا ظہور فرماتاہے اور ایسا ماحول مہیاکرتاہے کہ اس کے محبوب بندے کی صحیح نشوونما ہو۔پھر رحمانیت کے فیضان سے بغیراس کی کوشش اور مانگنے کے تمام ضروریات کاکفیل ہوجاتاہے۔جب وہ توفیق الٰہی سے صحیح مجاہدہ اور کوشش کرتاہے تو صفت رحیمیت کے طفیل بے شمار انعامات سے نوازا جاتاہے۔پھر پے درپے انعامات کے بعداپنے بندے کی کوششوں کاآخری نتیجہ پیداکرتاہے اوراپنی مالکیت کی چادرسے ڈھانپ لیتاہے اور اسے دنیامیں غلبہ دے دیتاہے۔اس کے برعکس جب بندۂ ناچیز خداتعالیٰ کی طرف جھکتاہے توسب سے پہلے مالکیت کامظہر بنتاہے گویانہ صرف عدل کرتا ہے بلکہ عفو و درگزر اور رحم وبخشش کی بارش بھی کرتاہے۔جب ترقی کے زینے پر دوسراقدم رکھتاہے اور رحیمیت کی چادر اوڑھتاہے توبندگانِ خداکی قدردانی کرتاہے اور ان کے حق سے زیادہ ان کوانعام واکرام سے نوازتاہے۔تیسرے مرحلے میں رحمانیت کے رنگ میں رنگاجاتاہے اور بغیرمانگے اور بغیرکسی عوض کے مخلوق خداسے حسن سلوک کرتاہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

مکیۃ

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اس کے بعد چوتھے اور آخری مقام پر پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ کی صفت رب العالمین کا پرتو بن جاتا ہے گویا دنیا کا نگران اور مربی بن جاتا ہے۔سورۃ فاتحہ کا ذکر توریت میں بھی ہے۔(مکاشفات باب ۱۰ آیت ۲)

۱۔**بسم اللّٰہ** یہاں بااستعانت کے لئے ہے یعنی پڑھنے والا اللہ کے نام کی برکت سے مدد طلب کرتا ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اللّٰــــہ ۔ وہ ذات ہے جو سب نقائص سے پاک اور سب کمالات اور خوبیوں کی جامع ہے۔اللہ خداتعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اسمِ اعظم ہے۔عربی کے علاوہ کسی زبان میں اللہ تعالیٰ کا اسم ذات نہیں۔قرآن کریم میں اللہ کا لفظ ۹۸۰ مرتبہ آیا ہے۔

الرحمٰن اور **الرحیم** ۔ رحم سے مشتق مبالغہ کے صیغے ہیں۔ رحمٰن بن مانگے دینے والا، بے حد رحم کرنے والا۔رحمانیت وہ رحمت ہے جو بطور احسان بغیر کسی سابق عمل کے بغیر مانگے جاری ہے۔انسان کے پیدا ہونے سے پہلے تمام سامان کا مہیا کرنا نیز دنیا میں جو کچھ بغیر محنت اور کوشش کے ملتا ہے، رحمانیت کا فیضان ہے جیسے ہوا، پانی اور آگ وغیرہ۔یہ سب مومن و کافر بلکہ ہر ذی روح کے لئے یکساں ہے۔شریعت اور نبوت کا عطا کرنا اور قرآن کریم کا سکھانا بھی صفت رحمانیت کے طفیل ہے اس لئے فرمایا۔**الرحمٰن ٥علم القرآن**۔(سورۃ الرحمٰن ۲۔۳)

الــــرحیــم ۔ بار بار رحم کرنے والا، محنت کا پھل دینے والا گویا سچی محنت پر بندے کی مدد کرنے والا اور اجر عظیم عطا کرنے والا ہے، خواہ دینی ہو یا دنیوی۔پس اللہ تعالیٰ اپنے پیدا کردہ اسباب سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے والوں کے لئے اعلیٰ ترین نتائج پیدا کرتا ہے۔یہ صفت بنی نوع انسان کے علاوہ خصوصاً مومنین کے لئے مختص ہے۔ان کی محنت ،عبادت اور مجاہدہ پر ثمرات مرتب کرتی ہے۔ ان کو مزید انعامات کا مستحق بناتی اور منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔رحیمیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا فرض ہے جیسے فرمایا **والذین جاھدوافینالنھد ینّھم سبلنا**ط(عنکبوت :۷۰) جو ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں یعنی ہمارے راستوں کی تلاش میں مقدور بھر کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور انہیں اپنی راہیں سجھا دیتے ہیں۔یہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے۔بغیر مجاہدہ کسی کو کچھ نہیں ملا۔رسمی دعائیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔جتنے خداتعالیٰ کے برگزیدہ بندے گزرے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے بڑے بڑے مجاہدے کئے اور خداتعالیٰ کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں (جو) رب ہے تمام جہانوں کا

مقرب ہوئے یہاں تک کہ الہامات اور مکاشفات الٰہیہ سے مشرف ہوئے اور اپنی مراد کو پہنچے۔

انسان رحیمیت کے طفیل دنیوی لحاظ سے بھی محنت و مشقت سے بے شمار پھل پاتا ہے۔ سائنس کی اعلیٰ ترین ایجادات سب اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کے طفیل ہیں۔

یہ دو صفات تمام صفات کاملہ کا خلاصہ ہیں گویا الرحمٰن اورالرحیم سورۃ فاتحہ کا اور سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔مسلمان تمام کاموں کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے ہیں۔اپنے تئیں نہایت حقیر، مفلس، مسکین اور عاجز سمجھ کر۔اپنے ہنر، عقل یا طاقت پر بھروسہ نہیں رکھتے بلکہ تمام امور میں اسی کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے شروع کرتے ہیں۔اس انکساری اور فروتنی سے بندہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ خدا کی قوت سے قوت اور خدا کے علم سے علم پائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جس خاص کام یا کلام (تقریر وغیرہ) کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے، بے برکت اور ناقص رہتا ہے۔(ابن ماجہ۔ابوداؤد) احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کھانا کھاتے ہوئے، لباس بدلتے ہوئے، دروازہ بند کرتے ہوئے، چراغ بجھاتے ہوئے، برتن ڈھانپتے ہوئے ، مشک کا منہ بند کرتے ہوئے، بیوی کے پاس جاتے ہوئے غرض ہر کام کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے (قرطبی) نیز احادیث میں آنحضرت ﷺ سے مختلف کاموں کے لئے مختلف دعائیں بیان ہیں جیسے کھانا شروع کرنے کی دعا **بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ** اور کھانا کھانے کے بعد کی دعا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَاوَجَعَلَنَامِنَ الْمُسْلِمِيْنَ** (ترمذی) مومن خدا کا نام لے کر کوئی غلط کام نہیں کرسکتا۔بسم اللہ اسے ہر غلط کام سے روکتی ہے۔حضرت موسیٰؑ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ مثیلِ موسیٰ خدا کا کلام سنائے گا تو کہے گا'' میں خدا کا نام لے کر یہ کلام سناتا ہوں۔پس جو میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے گا تو میں اس کا حساب لوں گا''(استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸) اسی کا ترجمہ بسم اللہ ہے جو ہر سورۃ کے شروع میں ایک عظیم الشان پیشگوئی کو نہ صرف پورا کرتی ہے بلکہ اسلام قبول نہ کرنے والوں کے لئے بطور انذار ہے۔

۲۔ **الحمد للّٰہ** ۔ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اپنے مولا کی رضا پر راضی رہنے کا سبق لفظ الحمدللہ سے ملتا ہے۔دکھ ہو سکھ ہو، خواہ آزمائشوں کی بھٹی میں جھونکا جائے بندے کے منہ سے الحمد للہ ہی نکلتا ہے۔وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور شکایت کا خیال تک اس کے

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؀

رحمٰن ہے رحیم ہے

دل میں نہیں آتا (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء سے استفادہ کیا گیا) ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات دن، اٹھتے بیٹھتے، شدید مصائب و مشکلات میں، غرض ہمہ وقت خداتعالیٰ کی حمد کی اوراحمد کہلائے۔اللہ تعالیٰ نے بھی مخلوق میں سے سب سے بڑھ کر اپنے محبوب کی حمد کروائی اور آپ محمد کہلائے۔ **اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد وبارک وسلم انک حمیدٌ مجیدٌ۔**

خدا کی تعریف بندہ کیوں کرتا ہے؟اس حسن اوراحسان کی وجہ سے جو ہر دم اس کے شامل حال ہے۔جب وہ دیکھتا ہے اور غورکرتا ہے کہ میرا کچھ بھی نہیں، سب کچھ خدا کی عطا ہے تو اس کا دل حمدالٰہی سے بھر جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔اس طرح بندہ غرور ونخوت سے پاک ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ فنا فی اللہ کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔کسی بھی انسان میں کوئی خوبی اور کمال اس کے وجود سے نہیں۔ اگر کوئی نادان یہ سمجھتا ہے کہ کوئی خوبی اور کمال میرے اندر ہے تو وہ بھی خدا کی ہی ودیعت ہے اور تعریف کاحقدار پھر بھی خدا ہی ہے نہ کہ وہ انسان۔**رب** پیدا کرنے والا۔پالنے والا، ترقی دینے والااور بتدریج کمال تک پہنچانے والا ہے خواہ مادی ہو یا روحانی۔صفت ربوبیت کے تحت ہی یہ کائنات ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچی ہے۔روحانی ترقی کا کمال قرب الٰہی اور الہامات و مکاشفات ہیں۔

ربّ العالمین ۔یعنی تمام جہانوں کا رب ہے۔ سب کا خیر خواہ ہے۔صرف مسلمانوں یا یہود و نصاریٰ کا نہیں بلکہ کفار کا بھی رب ہے۔اس دعا میں تمام نوع انسانی سے ہمدردی کا سبق ہے اور سب کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔گویا وحدت انسانی کی بنیاد رکھی اور طبقاتی امتیازات کو مٹادیا۔دین کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور انسانوں کی اخوت کو قائم کرے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا سبق دے۔اللہ تمام جہانوں کا رب ہے گویا جہان ایک نہیں اور بھی ہیں جن کی ربوبیت فرمارہا ہے اس طرح دوسرے سیاروں پر مخلوق کا وجود ثابت ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حمد اسی کو سزاوار ہے جس میں رب کی صفت ہے۔پس وہی انسان قابل ستائش ہوگا جس کی خدمت اور مہربانیوں کا دائرہ صرف اپنوں تک محدود نہ ہو بلکہ حسب استطاعت کل مخلوق تک وسیع ہو۔رب کا لفظ قرآن کریم میں ۹۷۳ مرتبہ آیا ہے کیونکہ دعائیں اس کے واسطہ سے سکھائی گئی ہیں یا اللہ کے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؀

مالک ہے وقت جزاسزا کا

واسطہ سے۔حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا! جب بندہ ''یارب یارب'' کہتا ہے تواللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہاں بندے ! سوال کر تجھے عطا ہوگا۔(بخاری)

۳۔ **الرحمٰن الرحیم** کے معنی پہلی آیت میں بیان ہوچکے ہیں۔ الرحمٰن الرحیم خداتعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو تمام صفات پرحاوی ہیں اس لئے ان کی اہمیت کے اظہار کے لئے ان کو دہرایا گیا۔

۴۔ **مالک یوم الدین**۔ یوم۔ دن۔کوئی مدت ایک لحہ سے لے کرلمبی مدت۔ خدا تعالیٰ کا دن پچاس ہزار سال ہے۔(سورۃ المعارج:۵) **دین**۔اصل معنی جزا کے ہیں۔شریعت کے معنی میں آتا ہے۔ جزا سزا کے دن کامالک ہے۔ یعنی اسی کے حکم سے کسی کو جزا یا سزا مل سکتی ہے۔یہ صفت اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سامانوں سے صحیح فائدہ نہ اٹھانے والوں اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلنے والوں کو سزا دیتی ہے۔یوم حساب کا مالک۔

اگرچہ ہر کام کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ساتھ ساتھ نکلتا رہتا ہے جیسے رحیمیت کا تقاضا ہے کہ جومحنت کرے گا،وہ پھل پائے گالیکن دنیا دارالجزا نہیں، یہاں بعض دفعہ پورا انصاف نہیں ہوتا۔اس لئے ایک اور جہان بھی ہے جہاں کلیتہً انصاف ہوگا۔وہ یوم آخر ہے۔وہاں وہ مالک ہے جس طرح چاہے اپنے بندے سے سلوک کرے۔چاہے توعمل بد کے عوض سزا دے اورچاہے تو مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔اس لئے فرمایا!میری رحمت میرے غضب پرحاوی ہے۔(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب وھوالذی حدیث نمبر۲۹۵۵) اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ دنیا میں مالک نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ بظاہر دنیامیں اوربھی مالک نظر آتے ہیں لیکن قیامت کے دن صرف اورصرف وہی مالک ہوگا یعنی تمام کائنات اور تمام امور کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی(کشاف)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فیضان کی بہترین ترتیب کو مدنظر رکھا ہے۔رب العالمین فرمایاکہ پیدا کیا۔پھر رحمٰن فرمایاکہ صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ہرضرورت کا خیال رکھا۔رحیم فرمایاکہ سچی محنت اور مجاہدہ کرنے والے کو اپنے انعامات سے نوازا پھر مالک یوم الدین کہاکہ ہوسکتاہے دنیامیں پورا عدل نہ ہو اس لئے ایک ایسا دن بھی مقرر کیاجس دن ہر کام کانہ صرف بدلہ دیاجائے گا بلکہ اس سے عفو و درگزر کا معاملہ کیاجائے گا اور اپنی جناب سے بہت کچھ زیادہ دیاجائے گا۔جب بندہ اپنے معبود کی

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں

ان چار صفات کا پرتو اپنے اندر لے کراسی کے رنگ میں رنگا جائے، حقوق اللہ اورحقوق العباد کو حسب استطاعت احسن طور پر ادا کرے تو وہ انشاء اللہ کمالِ انسانی کی معراج تک پہنچ جائے گااور یہی مقصودِ حیات ہے۔

مالک یوم الدین میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دعا کرنے والا عدل سے بلند مقام پر ہو۔اپنے حقوق کے معاملہ میں نرمی کرنے والا اور دوسرو ں سے بخشش کامعاملہ کرنے والا ہو۔عدل صرف عدالتوں تک محدود نہیں۔ زندگی کا ہرلمحہ عدل بلکہ عفو و درگزر اوربخشش و عطا کا تقاضا کرتا ہے۔

۵۔ایاک نعبد و ایاک نستعین۔نستعین استعانت سے ہے یعنی مدد طلب کرنا۔

عبد۔بندہ۔عبادت کرنے والا۔نقش قبول کرنے والا۔دوسرے کے رنگ میں رنگین ہونے والا۔

اب تک اللہ تعالیٰ کو غائب مان کر محامدِ الٰہی میں مصروف تھا۔اب اسے حاضرو ناظر جان کردعا کرتا اور پکارتا ہے۔پس پہلی سورۃ میں ہی دعا کا طریق بتلا دیاکہ پہلے حمد الٰہی ہے اور پھر مانگنا صرف خدا سے ہی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے وہ بندے کونظرنہیں آتی۔رب العالمین، رحمان، رحیم اورمالک یوم الدین کی صفات پرغور کرتے ہوئے اس کی روحانی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ روحانی طور پر خداتعالیٰ کے دیدار سے مشرف اور اس کی محبت سے مغلوب ہوکر پکار اٹھتا ہے کہ اے رب! ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔گویاتیری مدد کے بغیرہم کوئی عبادت نہیں کرسکتے توہی مدد فرما کہ عبادت کاحق ادا ہو۔پس وہ دفعۃً غائب سے حاضرِ جنابِ الٰہی ہو جاتا ہے۔یہاں سے جمع کاصیغہ شروع ہے اور اپنی تمام دعاؤں میں تما م بندگان خداکو شامل کرنے کی تلقین ہے گویاتبلیغ وتربیت کا کام ہربندے پر فرض ہے۔

عبادت کی حقیقت معبود کے رنگ میں رنگین ہونا ہے۔عبادت کامل درجہ کی محبت ،تعظیم ، نہایت تذلّل اور اطاعت کا نام ہے جب بندہ اللہ کی دی ہوئی توفیق، تدبیر اور دعا سے کام لے کر اور دنیا سے کٹ کر نہایت خشوع وخضوع سے اللہ تعالیٰ کی ہی طرف پوری طرح جھکتا ہے اور اس کی محبت میں فنا ہوجاتا ہے تو گویا اپنے اوپرایک موت طاری کرلیتاہے۔ تب اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرماتاہے اوراس کی طرف اپنے برکات و الہامات اور قبولیتِ دعا سے رجوع فرماتا ہے پس عبادت کا مقصد بندے کی اپنی ذات کی تکمیل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے اسے کسی کی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

دِکھا ہمیں راستہ سیدھا

عبادت یا تعریف کی کوئی حاجت نہیں۔

علاوہ مخصوص عبادت کے بندے کا ہرفعل اور ہر بات جس میں رضامندی جناب باری تعالیٰ کی مدنظرہو، خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ،عبادت ہے۔ مثلاً علم حاصل کریں تو اس لئے کہ کاروبار یا ملازمت کرکے حقوق اللہ اورحقوق العباد ادا کریں گے اور اپنے مولاکی رضا حاصل ہوگی۔کوئی بھی محنت اور کام کرنے کی غرض روپیہ کماکرصلہ رحمی کرنااور خدا کو راضی کرناہو۔لوگوں سے بات چیت اور میل ملاپ میں بھی خدا کا حکم ہی مدنظرہوکہ میرے بندوں سے حسن اخلاق سے پیش آؤ اوران کی دلجوئی کرو۔غرض زندگی کاہرلمحہ عبادت سے عبارت ہے اگرمدنظر اللہ تعالیٰ کی رضاہو۔تاہم اگر کوئی بندہ پیار ومحبت کی وجہ سے اپنوں یا غیروں کی حاجت روائی کرے یاان سے حسنِ سلوک کرے اور غفلت سے اسے رضائے الٰہی کاخیال نہ آئے توبھی وہ اجر سے محروم نہیں۔جیساکہ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں ’’آنحضرتﷺ نے فرمایا! جوشخص میری امت میں کسی کی حاجت کو پورا کرے اور اس کا منشا اس کوخوش کرنا ہوتو اس نے مجھے خوش کیااورجس نے مجھے خوش کیا اسُ نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیااورجس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا،اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔(البیہقی فی شعب الایمان)

ایّاک نعبد کاتعلق پہلی آیات سے ہے۔بندہ اقرار کرتاہے کہ وہی ذات عبادت کے لائق ہے جس کی حمد پہلی تین آیات میں مذکور ہے۔ **وایّاک نستعین** کاتعلق آخری تین آیات سے ہے جن میں اپنے معبود سے مناجات ہے کہ ہماری مدد فرماکہ ہم افراط وتفریط سے بچ کر ہدایت پاجائیں اور تیرے فضل سے منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

۶۔اھدناالصراط المستقیم۔اوپر کی آیات کے مطابق پہلے محامد الٰہی میں رنگین ہوکراپنے عقائد ، اخلاق، اعمال اورعادات کی اصلاح ہو پھراللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اسے مدد کے لئے پکارے ۔اس کے ساتھ **اھدناالصراط المستقیم** کی دعا کی جائے کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا جو چھوٹا اور آسان ہواور منزلِ مقصود تک پہنچادے۔آیت ۵ میں عبادت کے ذریعہ یہی مدد مانگی گئی تھی کہ سیدھے راستہ پرچلادے۔

ہدایت وحشی کو انسان بنانا ہے پھر اخلاق فاضلہ کے درجے تک پہنچانا، پھر اخلاق فاضلہ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

راستہ ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے جن پر نہ ان کا کہ غضب کیا گیا جن پر

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۟ ع

اور نہ گمراہوں کا۔

کے مقام سے اٹھا کرمحبت الٰہی کے مرتبہ تک پہنچانا ہے۔یہی قرب و رضا کا وہ مقام ہے جہاں وجود اور اختیار باقی نہیں رہتا یہی فنافی اللہ کامقام ہے اور آخری مقام ہے۔یہ کن لوگوں کامقام ہے یہ اگلی آیت میں ہے۔

۷۔ **صراط الذین انعمت علیھم** ۔اے خدا ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تونے انعام کیا اور اپنی خاص عنایات سے نوازا۔ یوں تو ہر احسان نعمت ہے لیکن یہاں بطور خاص ان انعامات کا ذکرہے جو اس کے برگزیدہ بندوں پر کئے گئے یعنی رسولوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین پر(سورۃ النساء:۷۰) جنہوں نے دعا اور مجاہدات سے خدا تعالیٰ کے فضل و احسان اور توفیق سے معارف و حقائق اور کشوف و الہامات کے انعام پائے اور معرفت تامہ کو پہنچے ۔یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی منزل کو پا لیا یا اس راستہ پر چلتے ہوئے ختم ہوئے۔

یہ دعا گناہوں سے بچنے اور صالحین میں داخل ہونے کی دعاہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے رنگ میں رنگین ہوکران کے وارث بنیں اور وہ تمام انعامات پائیں جو انہوں نے پائے۔انسان کامدعا و مقصود صرف یہ ہوکہ ایسے اعمالِ حسنہ اسے نصیب ہوں کہ مولا راضی ہو جائے اوروہ منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جائے۔دعاصرف اس مقصدکے لئے ہو باقی جتنی دعائیں ہیں وہ خود اس کے اندر آ جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ تو اپنے پیاروں پر اس درجہ تک مہربان ہے کہ سات پشتوں تک ان کی اولاد کی خبرگیری کرتا ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حقائق الفرقان)

جب برگزیدگان الٰہی کی راہ طلب کی تو پھر بلاؤں اور آزمائشوں کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے اور ثابت قدمی کے لئے خدا ہی سے مدد مانگنی چاہیئے کیونکہ جن سے خدا راضی ہوا وہ طرح طرح کی ابتلاؤں میں ڈالے گئے اور مصائب کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔

غیرالمغضوب علیھم ۔مغضوب جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے اس کے غضب کو بھڑکایا۔ پس یہ لوگ اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے دنیااور خدا کی طرف سے غضب کا نشانہ بنے حالانکہ یہ توحید پرقائم رہے۔**مغضوب علیھم** کون ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی

ہے کہ یہ یہود ہیں۔جنہوں نے خدا کے پاک بندوں اور راستبازوں کی تکذیب کی۔ بہتوں کوقتل کیا یا قتل کرنے کی کوشش کی بلکہ ایک فرقہ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوصلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار انعامات سے نوازا تھا یہاں تک کہ دینی اور دنیوی انتہائی انعام یعنی نبوت اور بادشاہت سے سرفراز فرمایا، لیکن انہوں نے ان انعامات کوبھلا دیا، خدا کی ناشکری کی اورظلم کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی شامت اعمال سے دنیا میں ہی ان پر بڑے بڑے عذاب نازل ہوئے۔ہزاروں طاعون ، قحط اور وباؤں میں مارے گئے ، ہزاروں قتل ہوئے اور اسیر ہو کر دوسرے ملکوں میں لے جائے گئے۔یہ مغضوب علیہم بنے حالانکہ پہلے یہ قوم منعَم علیہ تھی۔دنیا میں عذاب غلط عقیدوں کی وجہ سے نہیں آ تا بلکہ دنیاکاعذاب ہمیشہ شرارتوں، زیادتیوں اور ان مظالم و شدائد کی وجہ سے آ تاہے جو یہ لوگ خدا کی طرف سے آنے والے راستبازوں اور ان کے متبعین پرکرتے ہیں۔پس ان کا انکار اس عذاب کا محرک بن جاتاہے۔آنحضرتﷺ نے فرمایا! خدا کی قسم جس طرح جوتی جوتی سے ملتی ہے اسی طرح میری قوم کے لوگ ایک دن پہلی قوموں کے نقش قدم پر چلیں گے۔جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نیکوں کی تکذیب میں حدسے بڑھ گئے اسی طرح مسلمانوں پربھی ایک وقت آئے گا کہ وہ فسق و فجور میں حد سے بڑھ جائیں گے اورجن کاموں سے ان پرخدا کاغضب بھڑکا ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا کےغضب کے مورد بنیں گے(ترمذی بروایت عبداللہ بن عمرؓ)اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جب کبھی مامورمن اللہ آئے تو یہودیوں کےنقشِ قدم پر چل کر اس کے ایذا ،توہین اورتکفیر میں جلدی نہ کرنا۔اس میں جہاں آئندہ مسلمانوں کے انحطاط کی طرف اشارہ ہے وہاں مسیح و مہدی علیہ السلام کی خوشخبری بھی ہے اور اس کو ماننے والوں پرانعامات کے نزول کی پیشگوئی بھی ہے اورتنبیہ بھی کہ کہیں افراط میں نہ پڑجانا۔

ولاالضآلّین ۔عیسائی ہیں جوگمراہ ہوئے اور وہ راہیں اختیار کیں جو تیری مرضی کے موافق نہیں۔اللہ تعالیٰ کی محبت کو بھلا کرغیراللہ کی محبت میں کھوئے گئے اور گمراہ ہوئے۔

گویا دوسرا فتنہ نصاریٰ کاہے جس سے بچنے کی دعا کی گئی کہ الٰہی ہمیں بچاتاکہ ہم عیسائیوں کی طرح گمراہ نہ ہوں۔یا خدانخواستہ عیسائیت اختیار کریں۔آخری زمانہ میں عیسائیت جس طرح دنیا میں پھیلی ضروری تھا کہ اس مہلک فتنہ سے بچنے کی دعا سکھائی جاتی حالانکہ جب یہ دعا نازل ہوئی عیسائیت نہایت کمزور حالت میں تھی بلکہ مکہ میں عیسائی برائے نام ہی تھے۔یہ بھی عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ آخری زمانہ میں اسلام کو سب سے زیادہ خطرہ عیسائیت سے ہوگا جو

آہستہ آہستہ تمام دنیامیں چھاجائے گی۔**الضّآلّین** میں شدّ و مدّ ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ ان کا زمانہ لمبااور مضبوط ہوگااوران کو زیادہ ڈھیل دی جائے گی (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشحیذ الاذہان ماہ ستمبر۱۹۱۳ء) یہود کو دنیامیں سزا ملی نصاریٰ کو آخرت میں ملے گی کیونکہ ان کا فتنہ بہت بڑھا ہوا ہے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدر۹ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ۷۔۸ سے استفادہ کیا گیا) ضآلّین پر اس سورۃ کو ختم کیا۔یہ اس طرف اشارہ اور پیشگوئی ہے کہ قیامت ضآلّین پر آئے گی (حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحفہ گولڑویہ صفحہ۱۱۲ حاشیہ) آخر میں آمین کہتے ہیں جو قرآن کریم کا حصہ نہیں لیکن حدیث سے ثابت ہے۔ آمین کے معنی ہیں یااللہ ہماری یہ عرض قبول فرما۔یہود و نصاریٰ بھی اپنی دعا کے بعد آمین کہتے ہیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَتَانِ سَبْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا
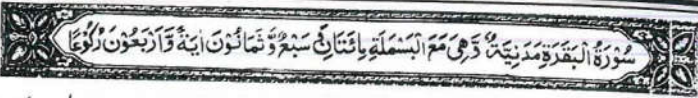
سورۃ بقرہ۔یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی دو سو ستاسی آیات ہیں اورچالیس رکوع ہیں

سورۃ بقرۃ کی تفسیر میں بھی آئمہ سلف کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ سورۃ بقرۃ۔یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی ابتدائی مدنی سورۃ ہے اور موجودہ ترتیب قرآن کی دوسری سورۃ ہے۔جو بہت سے احکام و قوانین پر مشتمل ہے۔بسم اللہ سمیت اس کی دو سو ستاسی (۲۸۷) آیات ہیں۔اس کا زیادہ تر حصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔یہ خاص طور پر جہاد کی ترغیب میں نازل ہوئی کیونکہ اب مزید نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔سب سے پہلے بتایا کہ قرآن کریم وہی ہدایت ہے جس کی دعا سورۃ فاتحہ میں مانگی گئی ہے۔شروع میں اسلام کے بنیادی اصول بتائے تاکہ ان پر عمل کرکے دینی اور دنیوی لحاظ سے انتہائی کمال حاصل کریں اور مفلحون میں شامل ہوں۔پھر منافقین کا ذکر ہے جن کا وجود مدینہ میں ہوا ، حضرت آدمؑ کا قصہ بیان فرمایا جس میں مسلمانوں کے لئے کئی عبرت آموز اسباق ہیں۔اس سورۃ میں بطورخاص یہودیوں کی نافرمانیوں کا ذکر ہے اور اِن کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی و دنیوی بے شمار انعامات سے نوازا۔نبوت بھی عطا کی اور بادشاہت بھی لیکن انہوں نے قدم قدم پر نافرمانیاں کیں اور جہاد سے انکار کیا۔ آخر خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آئے۔انہیں اس نبی کو ماننے کی دعوت دی جو ان کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا تا وہ دوبارہ خدا کے برگزیدہ بنیں اور خدائی نعمتوں کے وارث ٹھہریں۔ان کے ذکر میں مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ ان غلطیوں سے بچیں نیز ان کے اعتراضات کے جواب دیئے کہ نبی ان میں سے کیوں نہیں آیا اور یہ کہ اگر ان کی شریعت منسوخ ہوئی تو نئی اور بہتر شریعت دی گئی۔ حضرت ہاجرہ کے قصے میں صبرو استقلال کا درس دیا جس کی جہاد میں اشدّ ضرورت تھی۔نیز نئی شریعت کی تفصیلات بتائی گئیں جو نئی اسلامی ریاست کے لئے بے حد ضروری تھیں۔ان میں غذاؤں کے حلال اور حرام کے متعلق احکام ،قصاص کی تفصیل، وصایا کا بیان، روزوں کے احکام ،جہاد، حج، شراب ، جوأ اور یتامیٰ کے متعلق احکام، میاں بیوی کے حقوق،طلاق اور بیوگان کے مسائل کا تفصیلی ذکر ہے نیز لین دین کے صحیح طریق بتائے۔گویا بتایا کہ یہ تمام احکام شریعتِ موسوی سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں کیونکہ شریعت موسوی ایک خاص قوم،وقت اور علاقے کے لئے تھی جبکہ اسلام تمام دنیا اور قیامت تک کے لئے ہے۔غرض اس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ

الف۔ لام۔ میم — یہ (کامل) کتاب ہے — نہیں کوئی شک (کی بات) جس میں

الجزء ۱

سورۃ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تفصیلاً بیان فرمایا۔ اوامر و نواہی کھول کر بتائے۔ جہاد اور فتوحات کے ذکر میں باربار تقویٰ پر زور دیا کہ اصل مقصد (Target) مدِ نظر رہے۔ غرض یہ ایک جامع سورۃ ہے جس کا اصل مضمون جہاد ہے۔ جہاد کے ضمن میں جو جو ضرورتیں پیش آتی گئیں ان کے احکام نازل ہوتے گئے۔ احادیث میں اس سورۃ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! سورۃ بقرۃ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا برکت ہے، چھوڑنا حسرت و بدنصیبی ہے، اہل باطل اس پر قابو نہیں پاسکتے (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ برروایت ابوامامہ باہلی)

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۃ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ طوطے کی طرح رٹتے نہیں تھے بلکہ نہایت گہری نظر سے مطالعہ فرماتے تھے جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے امام عبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن صحابہؓ نے سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن پاک کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیتے تھے۔ دارمی میں ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ جو شخص سورۃ البقرہ کی دس آیتیں رات کے وقت پڑھے، صبح تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا یعنی سورۃ البقرہ کی ابتدائی چار آیات، آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۃ بقرہ کے آخر کی تین آیتیں جو **للّٰہ مافی السمٰوات** سے شروع ہوتی ہیں۔ (ابن کثیر)

دعا کے ساتھ اس سورۃ کو ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور فرمائے اور ہمیں کفار پر فتح و نصرت عطا فرمائے۔

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ الٓمّٓ "الٓمّٓ" کے معنی حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے **انا اللّٰہ اعلم** مروی ہیں یعنی میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں گویا اس کتاب کے متکلم و مصنف

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ

ہدایت ہے متقیوں کے لیے — وہ جو کہ — ایمان لاتے ہیں

کا پتہ دیا۔ جن سورتوں کو "الٓمّٓ" سے شروع کیا ان میں علمی نکتہ نگاہ سے بحث کی گئی ہے یہ کل چھ سورتیں ہیں۔ پہلی دو مدنی اور چار مکی ہیں۔ مدنی سورتوں میں سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران ہے۔ مکی میں سورۃ العنکبوت، سورۃ الروم، سورۃ لقمٰن اور سورۃ السجدہ ہیں یہ سب مدنی اور مکی سورتیں بالترتیب ہیں۔ آئمہ سلف نے بیان کیا کہ ابجد کے حساب سے مقطعات کے حروف میں قیامت تک کے لئے بے شمار پیشین گوئیاں مضمر ہیں نیز جن سورتوں کے شروع میں مقطعات نہیں آئے ان کے مضامین پہلی سورتوں کے مضامین کے تابع ہیں۔ (از تفسیر کبیر حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حصہ اوّل صفحہ ۶۵)

۳۔ **ذٰلک**۔ لفظی معنی "وہ" کے ہیں۔ کبھی مرتبہ کے لحاظ سے "یہ" کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی یہ وہ عظیم الشان کامل کتاب ہے جس کا وعدہ موسیٰؑ کو کتاب استثناء باب ۱۸ میں دیا گیا تھا نیز یہ وہی ہدایت ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں طلب کیا گیا ہے۔ (ابنِ جعفر بن ابراھیم بن الزبیر)

ریب۔ شک۔ یہ لفظ بُرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ **متقین**۔ متقی باب افتعال کا لفظ ہے اور یہ باب تصنع کے لئے آتا ہے گویا متقی کو بڑا مجاہدہ اور کوشش کرنی پڑتی ہے اور وہ نفس لوامہ کے نیچے ہوتا ہے یعنی خود کو گناہ سے بچانے والا۔

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ خداتعالیٰ کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ہر شک و شبہ اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں "! اگر شک ہو تو اپنے نفس کی اصلاح کرے اور دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شک کو دور کر دے گا بلکہ بہت سے شکوک قرآن ہی دور کر دے گا"۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) فرمایا یہ کتاب متقیوں کو ہدایت دیتی ہے گویا قرآنی علوم سمجھنے اور ہدایت پانے کے لئے پہلی شرط تقویٰ ہے جبکہ دنیوی علوم کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں۔ متقی کون ہیں؟ وہ جو باریک درباریک گناہوں سے بچتے ہیں۔ جس امر میں بدی کا شبہ بھی ہو اس سے کنارہ کرتے اور خدا سے ڈرتے ہیں اور قربِ الٰہی پانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں یہ ابتدائی حالت ہے۔ متقی کا ایمان بالغیب ہے۔ پہلے درجہ میں نیکی کرنے میں تکلیف سے کام لینا پڑتا ہے۔ احکامِ الٰہی کی بجاآوری نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں نہایت کوشش کرتا ہے اور حالت جنگ میں ہوتا ہے لیکن جب سعی مسلسل اور جدو جہد سے یہ درجہ گزر جاتا ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ تکلیف کا رنگ دور ہوجاتا ہے۔ امن میں آجاتا ہے اور ہرقسم کے خطرات سے مامون ہوجاتا ہے یعنی عبدِ صالح بن جاتا ہے اور غیب سے شہود میں آجاتا ہے اور مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتا ہے (مفہوم تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام البدر جلد ۶ نمبر ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲)

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

غیب پر | اور قائم کرتے ہیں | نماز | اور اس سے جو

دوسری جگہ فرمایا ''**هدى للناس**''۔ یعنی ہدایت کا راستہ سب کے لئے کھلا ہے۔جو کوشش کرے گا، پائے گا جو کھٹکھٹائے گا اس کے لئے کھولا جائے گا۔ متقیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ **من یتق اللّٰہ یجعل له مخرجاo** (طلاق۔۳) یعنی جو اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ کھول دیتا ہے۔ گویا ہر مشکل سے اس کو رہائی دے دیتا ہے۔ **اتقوا اللّٰہ ویعلمکم اللّٰہ** ' تقویٰ اختیار کرو اللہ تمہارا معلم ہوجائے گا۔

۴۔**یؤمنون**۔اب متقین کی صفات بیان فرمائیں کہ وہ ایمان لاتے ہیں،زبان سے کسی چیز کا اقرار ایمان کی ابتدا ہے یعنی ماننا۔فرمانبرداری کرنا اور عمل کرکے خداتعالی کی رضا حاصل کرنا ایمان کی انتہا ہے۔**بالغیب**۔غیب سے مراد وہ یقینی امور جو ہماری ظاہری آنکھوں سے مخفی ہیں جن کا علم انبیاء علیہم السلام دیتے ہیں۔ان پرایمان ابتدائی حالت ہے۔یعنی نظر نہ آنے کے باوجود یہ یقین کرنا کہ کہنے والا سچا ہے۔غیب الغیب اللہ کی ذات ہے نیز ملائکہ، بہشت، دوزخ، قیامت ، دوبارہ جی اٹھنا سب غیب میں شامل ہیں۔مفتی بصرہ حضرت قتادہ بن دعامہؒ نے **یؤمنون بالغیب** کی تفسیر میں فرمایا کہ متقی وہ ہیں جو بعث بعدالموت،حساب،جنت اورجہنم پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کے اس موعود کی تصدیق کرتے ہیں جس کا وعدہ قرآن میں دیا گیا ہے(تفسیر درمنثور جلد۱ص۶۴ ازجلال الدین سیوطی) گویا آپ نے **یؤمنون بالغیب** میں مسیح موعود و مہدی معہود کی بھی تصدیق فرمائی۔غرض پہلا ایمان غیب پر ہے پھر متقی توفیق الٰہی سے رفتہ رفتہ اس مومنانہ حالت سے ترقی کرتا اور معرفت اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کرتا ہے۔اس مقام پر وہ خدا کو غائب نہیں مانتا بلکہ اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے گویا غیب پر ایمان لاکر رؤیت کا درجہ حاصل کرتا ہے اور بینا ہو جاتا ہے۔

یقیمون الصلٰوۃ ۔ **یقیمون** ۔ وہ قائم رکھتے ہیں۔قائم رکھنا۔کھڑا رکھنا۔ **الصلٰوۃ** صلی جلنے کو کہتے ہیں۔جیسے کباب بھونا جائے۔اس لئے نماز میں سوزش لازمی ہے۔صلی کے معنی لکڑی کو گرم کرکے سیدھا کرنے کے بھی ہیں۔نماز سے بھی تمام کجی دور ہوجاتی ہے اور انسان سیدھا ہو جاتا ہے اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہا(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ البدر۲۳/۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء) لفظی معنی نماز، دعا اور برکت کے ہیں نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے لیکن عملی لحاظ سے پہلا ہے۔

اسلام میں کوئی عمل نماز کے برابر نہیں۔ نماز کو قائم رکھنا، یعنی پوری کوشش سے، تمام شرائط کے ساتھ، صحیح طریق سے نماز ادا کرنا ہے۔قرآن مجید میں صلوٰۃ کا لفظ مدح (تعریف) کے مقام پر اور

محض مصلین کا لفظ صرف منافقین کے لئے آیا ہے۔(مفرداتِ راغب) خدا کو پانے کا سہل ترین طریقہ نماز ہے۔حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی غم پہنچتا یا کوئی مصیبت پیش آتی تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے۔(ابوداؤد) بموجب حدیثِ قدسی نماز عاجزی، فروتنی زاری، درد مندی اور شرمندگی کا نام ہے۔غیب پر ایمان لانے کے فوراً بعد نماز کا حکم ہے گویا قول کے ساتھ ہی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ حکم ہے نماز کھڑی کرو۔ کھڑی وہی چیز ہوتی ہے جو گرنے کو تیار ہو۔(گویا کھڑی چیز کو گرنے کا خطرہ ہوتا ہے) یہ ابتدائی حالت ہے۔ نماز میں مختلف وساوس اور کمزوریاں اس کو گراتی ہیں۔ہرچند حضور و ذوق کے لئے لڑتا مرتا ہے۔ بندۂ مومن پوری تکلیف و مجاہدہ اور خدا کی مدد سے اس کو کھڑی کرتا اور بار بار کھڑی کرتا ہے ، یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں فضول خیالات اور وساوس کا سلسلہ ختم ہو کر اطمینان اور سکینت کا رنگ شروع ہوجاتا ہے اور نماز میں لذت اور شوق پیدا ہو کر خدا تعالیٰ سے پیار ہو جاتا ہے۔ جو رفتہ رفتہ عشق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔یہی وہ جنگ ہے جو متقی کو نماز میں نفس سے کرنی پڑتی ہے اور اسی پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ثواب اسی وقت تک ہے جب تک مجاہدات ہیں۔مجاہدات ختم ہوئے تو ثواب ساقط ہوجاتا ہے۔اب نماز ایک انعام ہے۔گویا نقد بہشت ہے۔مگر مومن کسی مقام پر ٹھہرتا نہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش میں ہمیشہ ترقی کی طرف گامزن رہتا ہے۔(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۴۴۔۴۷)

نماز دعا ہے جو محض دنیوی امور کے لئے نہیں بلکہ خداتعالیٰ کو پانے کے لئے ہے۔اس لئے اگر تمام حقوق و شرائط نہایت ادب، انکسار، تواضع، نہایت محویت اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو کر اس کی رضا چاہے گا تب تو وہ حقیقی صلوٰۃ ہے ورنہ محض ٹکریں۔

خدا تعالیٰ کسی کی دعا نہیں سنتا جب تک کہ دعا کرنے والا موت جیسی حالت تک نہ پہنچ جائے۔نماز کی شرائط بموجب قرآن کریم طہارتِ جسمانی یعنی حسبِ ضرورت غسل یا وضو، باجماعت ادا کرنا، مقررہ اوقات پرادا کرنا، پابندئ وقت کا لحاظ رکھنا، مداومت اختیار کرنا، خشوع و خضوع کا خاص خیال رکھنا، نماز کو سستی اور کسل سے بچانا ہے۔اگر ایسی نماز ہوگی تو یقیناً بدیوں اور ناشائستہ امور سے روکنے والی ہوگی بلکہ انسان کو مقبولِ حضرتِ احدیت بنا دے گی۔

نماز ایک خادمانہ حالت ہے۔غلام اپنے آقا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کرتا۔جب بیٹھنے کا اشارہ کرے ،بیٹھ جاتا ہے جب کھڑا ہونے کا حکم دے،کھڑا ہوجاتا ہے۔نہایت ادب سے جھکتا ہے۔آخر سجدے میں گرجاتا ہے اور اپنے تئیں مٹی میں ملا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ غلام غلام نہیں رہتا بلکہ دوست بن جاتا ہے تب اس کو تسلی دیتا،

رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝۴ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ

دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں اور وہ جو کہ ایمان لاتے ہیں

اس کے مصائب و حوائج کو سنتا اور اس کے ساتھ بولتا ہے(مفہوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدرجلدا نمبر۸ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ۴)(بدر جلد۶ نمبرا۔۲ مورخہ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ۱۲)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ بندہ نمازیں پڑھے۔حقیقت یہ ہے کہ نماز کی ضرورت خدا کو نہیں بلکہ بندے کو ہے کیونکہ نماز کا مقصد بندے کو خدا سے ملانا ہے۔ خدا اپنے بندے سے ملنے اور اس کی اصلاح کی خود خواہش رکھتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بندہ اس کی طرف جھکے اور ملاقات کی التجا کرے۔حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!جو شخص لقاء الٰہی کی آرزو رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اورجو لقاء الٰہی کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے(جامع ترمذی ابواب الزھد۔باب من احب لقاء اللہ حدیث نمبر۲۲۳۱) جب وہ نماز میں محسن حقیقی کی صفات کا علم پاکر خود اسی کا پرتو بن جانے کی کوشش کرے گا تو خدائے رحیم بھی بطور خارق عادت اپنے انوارِ خاصہ سے نوازے گا اور اپنا مقرب بنا کر دنیا میں ہی اسے جنت کا وارث بنا دے گا۔روحانی اور دینی فوائد کے علاوہ نماز کے دنیوی اور طبی فوائد بھی ہیں۔نماز پابندیٔ وقت کا عادی بناتی ہے۔ نماز باجماعت کی غرض وحدت پیدا کرنا اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا ہے۔وحدت کو عملی رنگ میں لانے کے لئے یہاں تک حکم ہے کہ پاؤں بھی مساوی ہوں، صف بھی سیدھی ہو، کندھے سے کندھا ملا ہوا ہو تا ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کرسکیں اور ایک دوسرے کی کمزوریاں دور ہوں نیز آپس میں تعارف بڑھے،پاک صاف رہنے اورپابندیٔ وقت کی عادت ہو۔طبیعت میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو۔صلوٰۃ کے معنی میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نماز ہلکی پھلکی ورزش بھی ہے۔ ایک مشہور یہودی ہارٹ اسپیشلسٹ نے کہا کہ دل کی بیماریوں میں بہترین ورزش مسلم نماز ہے۔ایک یورپین محقق Dr. R.J. Glass. کا مقولہ ہے : اگر کسی عورت کو یہ پتہ چل جائے کہ سجدہ سے اس کے چہرے کی خوبصورتی، تازگی اور رعنائی میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے تو وہ اکثر سجدہ میں پڑی رہے۔**رزقنا**۔ہم نے رزق دیا۔رزق غذا کے علاوہ ہرنعمت پر بولا جاتا ہے۔ دولت، مال،علم، ہنر، طاقت اور صلاحیت،غرض جو بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیا۔ **ینفقون**۔ **نفق** سرنگ کو کہتے ہیں، ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل آنا۔مال خرچ کرنے کو نفق اس لئے کہتے ہیں کہ مال ایک ہاتھ سے دوسرے میں جاتا رہتا ہے۔منافق بھی اسی سے ہے،جو دین میں ایک طرف داخل ہوتا اور دوسری طرف سے نکل

جاتا ہے۔یہ اسلام کا تیسرا اور عملی لحاظ سے دوسرا رکن ہے۔

پہلے نماز کا حکم دیا کہ حقوق اللہ ادا ہوں اب خرچ کرنے کا حکم ہے کہ حقوق العباد پورے ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں !’’ اگر کوئی یہاں یہ اعتراض کرے کہ (**ممارزقنٰھم**) کیوں فرمایا، مما کے لفظ سے بخل کی بوآتی ہے۔۔۔۔۔ اصل بات یہ ہے کہ اس سے بخل ثابت نہیں ہوتا۔قرآن شریف خدائے حکیم کا کلام ہے حکمت کے معنی ہیں شے را برمحل داشتن۔پس (**ممارزقنٰھم**) میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ محل اور موقع دیکھ کر خرچ کرو۔جہاں تھوڑا خرچ کرنے کی ضرورت ہے وہاں تھوڑا خرچ کرو اور جہاں بہت خرچ کرنے کی ضرورت ہے وہاں بہت خرچ کرو۔۔۔۔۔ پس یہی حکمت ہے (**ممارزقنٰھم**) میں۔ ہرایک مومن اپنے نفس کا مجتہد ہوتا ہے۔وہ محل اور موقع کی شناخت کرے اور جس قدر مناسب ہو خرچ کرے‘‘(الحکم۔جلد ۵ نمبر۱۴ بتاریخ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱) تاہم یہ ابتدائی حکم ہے انسانی فطرت آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے یہ پہلی اور ادنیٰ حالت ہے کہ خدا کے دیئے میں سے کچھ دیا لیکن یہ معمولی حالت نہیں زکوٰۃ، صدقہ اور خیرات کے علاوہ اپنے مال، علم و ہنر اور اپنی تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کو،اپنے نفس اہل و عیال، عزیزو اقارب اور حسبِ استطاعت تمام بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا اس میں شامل ہے۔جوں جوں اس کی روحانی آنکھیں کھلتی ہیں تو یہ حالت نہیں رہتی۔بندہ اپنی ہر چیز کو خدا کی ملکیت سمجھتا ہے۔اپنا کچھ بھی نہیں رہتا یہاں تک کہ جان بھی دینے کو تیار ہوتا ہے خود کو صرف ایک منتظم سمجھتا ہے۔جو کچھ خرچ کرتا ہے کسی پراحسان نہیں سمجھتا۔اس وقت اس کا وجود، اس کا ہرفعل، ہر حرکت وسکون محض اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ اسے خدا کی رضا ہر مال سے زیادہ پیاری لگتی ہے۔ پھر وہ زمین پر خزانے جمع نہیں کرتا بلکہ آسمان پر اپنی پونجی بھیجتا ہے۔یہ فنافی اللہ کا مقام ہے جب اپنا کچھ نہیں رہتا، سب مالک کا ہوجاتا ہے اور یہ اللہ والوں کا مقام ہے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کی روشنی میں رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ۴۴ تا۴۷) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں!جب خدا سے تعلق ہو تو پھر مال سے بے تعلقی دکھاوے۔پس جنابِ الٰہی سے تعلق ہو تو دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بے تعلق ہو جاوے۔جنابِ الٰہی کی راہ میں جان خرچ کرے۔ خداتعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کی پہلی راہ کیا ہے۔ نمازوں کا ادا کرنا۔ (خطبہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

۵۔ **انزل۔ نُزل** سے ہے یعنی نازل کیا گیا اوپر سے نیچے اتارا گیا۔عطا کرنے کے معنی

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ
اس پر جو اُتارا گیا تیری طرف اور جو اُتارا گیا پہلے تجھ سے
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۵ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں یہ لوگ

میں آتا ہے۔جیسے فرمایا! ہم نے لوہا نازل کیا، چوپائے نازل کئے، ظاہر ہے یہ سب چیزیں زمین میں ہی پیدا کی گئیں ،آسمان سے نہیں اتریں۔

اٰخرۃ ۔پیچھے آنے والی۔مراد قیامت۔وحی کا ذکر ہے اس لئے آئندہ مکالمہ الٰہیہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔(ریویو آف ریلیجنز جلد۱۴نمبر۴بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ۱۶۴ حاشیہ)

یوقنون۔ وہ یقین رکھتے ہیں۔علم الیقین ادنیٰ درجہ کا علم ہے جب کہ عین الیقین اور حق الیقین کا مرتبہ تقویٰ کے مراحل طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کمرے سے گرمی اور دھواں اُٹھ رہا ہو تو علم الیقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اندر آگ جل رہی ہے۔جب اندر داخل ہو کر دیکھ لے، تو عین الیقین ہے۔اگر آگ میں ہاتھ ڈال کر گرمی محسوس کرلی کہ واقعی اصلی آگ ہے جو ہاتھ کو جلا سکتی ہے،تو حق الیقین ہے۔یوں تو دنیا کا ذرہ ذرہ ایک خالق کے ہونے کا ثبوت دیتا ہے کہ کارخانۂ قدرت کا ضرور کوئی صناع ہے لیکن وحی الٰہی اسے حق الیقین تک پہنچاتی ہے۔یہ متقی کی تسلی کے لئے ہے کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔جو خدا ہمیشہ سے بولتا ہے وہ اب بھی اپنے بندے سے کلام کرے گا(حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کی روشنی میں رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۴۷۔۴۸)

متقین کی زندگی کا نقشہ کھینچا کہ پہلے ایمان بالغیب پر ایمان لاتے ہیں پھر نمازیں قائم کرتے اور خدا کے دیئے میں سے دیتے ہیں نیز جو وحی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو آپؐ سے پہلے اتاری گئی ،اس پر ایمان لاتے ہیں۔جب اس وحی پر ایمان لانے کا اقرار کیا جو سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی تو آپؐ پر ایمان لانا ضروری ہوا تا آپ کو سچا ماننے سے وحی کی صداقت پر یقین ہو۔پھر آخرت پر یا بعد کی وحی پر یقین رکھتے ہیں۔موجودہ اور گزشتہ وحی کے لئے ایمان لانے کا ذکر کیا اس لئے کہ وہ سامنے تھی۔آخرت یا آخری وحی کے لئے یقین کا لفظ آیا۔یقین کا تعلق مستقبل کی ان باتوں سے ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئیں گویا آخرت یا آخری وحی پر ایمان لانا غیب پر ایمان لانا ہے جیسا کہ **یؤمنون بالغیب**

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ
ہدایت پر ہیں اپنے رب کی اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں یقیناً جن لوگوں نے
كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا
کفر کیا برابر ہے اُن پر خواہ ڈرایا تُونے اُن کو یا نہ ڈرایا تُونے ان کو نہیں

کی تشریح میں قتادہ بن دعامہؒ کی تفسیر گزری۔(آیت:۴)پس غیب پر ایمان لانے کے لئے یقین کا مرتبہ چاہئے۔بتایا کہ وحی کوئی نئی چیز نہیں جو محمدؐ پر نازل ہوئی بلکہ پہلے بھی جب اصلاح کی ضرورت ہوئی آسمانی پانی سے ہی سیرابی ہوئی۔خدا ہمیشہ سے کلام کرتا آیا ہے۔اس میں اتحادِ انسانی کا سبق دیا کہ ہر مذہب اپنے وقت میں سچا تھا اور ہر زمانہ میں اصولی تعلیم ایک ہی تھی۔ہاں بعض وقتی ضروریات اور حالات کے تحت معمولی فرق نظر آتا ہے۔البتہ مرورِ زمانہ سے اصل کتابیں تحریف کا شکار ہو گئیں ، تراجم نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ لہٰذا بیشتر حصہ قابل عمل نہیں رہا ، جو اصل تعلیم ان کتابوں میں قابل عمل تھی، اسے قرآن کریم نے اپنے اندر شامل رکھا۔

گناہ کا صدور اسی وقت تک ہے جب تک یقینی علم گناہ کے بد نتائج پر نہ ہو لیکن متقی غیب پر ایمان لا کر یومِ آخر پر ایمان لے آتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے ہر عمل کا حساب کتاب ہوگا اور ہر نیک عمل پر ثمرات مرتب ہوں گے۔چنانچہ آخرت پر یقین ایمان کا حصہ ہے۔یہ قرآن کریم کے بالکل شروع میں چوتھا اصول ہے اور اعتقادی لحاظ سے دوسرا ہے۔

۲۔**المفلحون**۔فلح شق کرنا یا پھاڑنا ہے۔زمین میں ہل چلانے پر بولا جاتا ہے۔فلح مفلح کسان کو کہتے ہیں۔فلاح کامیابی اور مقصود کا پالینا ہے۔اس پر آئمۃ اللسان کا اتفاق ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے بڑھ کر دینی اور دنیوی دونوں بھلائیوں کو شامل رکھنے والا لفظ اور کوئی نہیں۔

متقین کی زندگی کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔غائب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز گرتی ہے اسے کھڑا کرتے ہیں۔خدا کے دیئے میں سے دیتے ہیں۔گزشتہ اور موجودہ کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور آخر فلاح کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں،جو قرب الٰہی کا انتہائی مقام ہے، جس میں انسان مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے نوازا جاتا ہے اور کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔یہ محض فیضانِ الٰہی ہے نہ کہ کسی کا حق۔

یہاں انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کا شمار مفلحون میں ہے؟ اگر ہے تو صد مبارک ورنہ اسے اپنی فکر کرنی چاہیئے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا اور کوشش کرنی چاہیئے کہ **مفلحین** میں

يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى

ایمان لاتے مہر کردی اللہ نے دلوں پر ان کے اور کان پر ان کے اور

اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ

آنکھوں پر ان کی پردہ ہے اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا اور بعض لوگ

ع ۱/۸

شامل ہو۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حقائق الفرقان جلداوّل تفسیر زیرآیت ِ ھٰذا)

۷۔**کفروا**۔انہوں نے انکار کیا۔کفرکسی چیز کو ڈھانپنا ہے۔ کفرانِ نعمت، نعمتوں کو چھپانا گویا ناشکری کرنا ہے۔عام استعمال نبی کے انکار پر ہوتا ہے لیکن معنی میں وسعت ہے۔ارکان شریعت میں سستی پر بھی بولا جاتا ہے جیسے نماز میں سستی پر کافر الصلٰوۃ کہا جاتا ہے لیکن وہ دائرہِ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کا قول ہے کہ ایک مسلمان میں اگر ننانوے(۹۹) باتیں کفر کی پائی جاتی ہوں لیکن وہ کلمہ سے انکاری نہیں ہے تو وہ پھر بھی مسلمان رہے گا۔اس کی کلمہ گوئی اس کی تمام کوتاہیوں پر حاوی ہے۔

انــذرت۔ نذر۔ اپنے نفس پہ کسی چیز کو واجب کرنا جیسے نذر ماننا۔ پیشگی ہوشیار کرنے کے مفہوم میں آتا ہے اسی سے ڈرانا ہے گویا پہلے سے ہوشیار کر دیا۔اَنْذرت۔ تونے ڈرایا۔

پہلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے قرآن کریم پر عمل کرکے ہدایت کے اعلیٰ ترین مدارج حاصل کئے۔مامور کا کام راستہ دکھانا ہے ایمان لانے یا نہ لانے میں کسی پر جبر نہیں۔ کفار میں سے ہی جو خدا سے ڈرتے اور طالب حق تھے دلائل سنتے ،غور وخوض کرتے اور خدا سے ہدایت چاہتے، انہیں ہدایت دی جاتی اور وہ مسلمان ہو جاتے لیکن یہاں وہ کفار مراد ہیں جو بے شمار دلائل مہیا ہونے کے باوجود آنکھیں بند کرلیتے ، صداقت کو قبول نہ کرتے اورکفر پہ اڑے رہتے،ان کے متعلق فرمایا کہ انْ کو ڈرانے یانہ ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ان پر اتمام حجت ہو چکی ہے۔یہ ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔

۸۔ **ختم** ۔ مہر ۔**خَتَمَ**۔اس نے مہرلگائی ۔**قلب**۔ پلٹنا۔ دل چونکہ خون کو الٹ پلٹ کرتا ہے اس لئے قلب کے معنی دل کے ہیں۔**السمع** ۔قوتِ سماعت۔ کان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ **الابصار** ۔ بصارت۔ آنکھ اورعلم کے معنی بھی دیتا ہے **غشاوۃ**۔ پردہ اسی سے غشی ہے جوحواس کو ڈھانپ لیتی ہے۔**عذاب**۔ سزا۔سخت تکلیف دینا۔

ہدایت پانے کے تین طریقے ہیں۔جوشخص صاف دل ہوکرسوچتا اورغورکرتا ہے ،وہ ہدایت

حاصل کرلیتا ہے۔جس میں سوچنے کا مادہ کم ہو ، وہ کسی سے حق بات اور دلائل سن کر ہی مان لیتا ہے۔اگر سننے کا موقع نہ ملے تو بعض دفعہ مامور کو دیکھ کر(جیسا کہ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا بحوالہ ترمذی) کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں نیز اس کے متبعین کو دیکھ کر کہ کس طرح ان میں پاک تبدیلی پیدا ہوئی، حالانکہ وہ پہلے ایسے نہ تھے نیز خدا تعالیٰ کے ان پر خارق عادت فضل اور احسان دیکھ کر مان لیتا ہے اور ہدایت حاصل کر لیتا ہے لیکن جوشخص ان تینوں طریقوں سے غور نہ کرے تو وہ یقیناً دکھوں میں پڑے گا۔اللہ تعالیٰ تو ہر بندے کو ہدایت دینا چاہتا ہے اور اپنے بندوں پر ماں سے ستر گنا زیادہ مہربان ہے لیکن ان لوگوں نے اپنی جانوں پر خودظلم کیا جب نور کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور حق بات سننے اور سمجھنے سے انکار کیا۔

امام راغبؒ نے دلوں اور کانوں پر مہر کی تشریح یوں کی ہے کہ جب ایک شخص ارتکاب گناہ میں اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ حق کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا اور گناہ کو اچھا سمجھنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے۔یہ انجام ان کا ہے جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہے، ہر کافر کا نہیں ، اور یہ انتہائی حالت ہے۔یہ معنی نہیں کہ مہر اللہ تعالیٰ لگا دیتا ہے بلکہ ان کے اپنے اعمال ہیں جن کے نتیجہ میں مہر لگ جاتی ہے کیونکہ ہر نتیجہ خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے مہر کو بھی خدا کی طرف منسوب کیا۔(مفہوم حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کتاب البریہ صفحہ۲۷)جس طرح انسان کسی عضو مثلا ہاتھ یا پاؤں وغیرہ سے کام لیناچھوڑ دے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح جب کفار نے دل، کان اور آنکھ سے سوچنا سمجھنا بغور سننا اور دیکھنا بند کر دیا تو یہ بے کار ہوگئے گویا مہر لگ گئی لیکن جس طرح ہاتھ یا پاؤں کو دوبارہ ہلانا جلانا اور ان سے کام لینا شروع کر دیا جائے تو آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔اسی طرح اگر عداوت اور ضد چھوڑ کر دل ، کان اور آنکھ سے تفکر و تدبر کرنا، حق بات سننا اور خدائی عجائبات دیکھنا شروع کر دے نیز توبہ و استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت دیتا ہے اور مہر ٹوٹ جاتی ہے۔یہ صرف کفار کے لئے نہیں بلکہ جب مسلمان بھی انہیں اطوار کو اختیار کرے گا تو اس پر بھی مہر لگ جائے گی اور اس کے لئے بھی عذاب عظیم ہو گا۔ (مفہوم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فصل الخطاب حصہ ۲ صفحہ۱۹۳۔۱۹۴) یہاں ایک عام اصول بھی بتادیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ قوتوں اور صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اللہ تعالیٰ یہ قوتیں اور صلاحیتیں واپس لے لیتا ہے اور وہ روحانی اور جسمانی طور پر ان سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۹۔ **مــن**۔سے۔ **مَــن** ۔بمعنی جو۔ وہ ۔کون ۔یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔

یــقــول ۔ قال۔ کہنا۔ زبان سے یا زبان حال سے۔ جیسے تحریر یا تقریر یا کسی اور ذریعہ سے بتادینا۔

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۹

ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ نہیں ہیں وہ ہرگز مومن

یقول۔ وہ کہتا ہے۔

پچھلے رکوع میں منعم علیہ گروہ اور کفار کا ذکر تھا۔یا تہ دل سے ماننے والے یا کلی طور پر انکار کرنے والے۔اس رکوع میں تیسرے گروہ یعنی منافقین کا ذکر ہے جو بظاہر تو ایمان لائے لیکن دل سے انکاری رہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ منافقین کا گروہ مدینہ میں پیدا ہوا۔آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو قوم خزرج کا ایک سردار تھا اپنا بادشاہ بنانے والے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی آمد سے حالات بدل گئے اور تمام قبائل نے مع یہود آنحضرت ﷺ کو اپنا سردار اور حکم و عدل تسلیم کرلیا اس پر عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی بظاہر ایمان لے آئے لیکن انہوں نے دل سے اسلام کو تسلیم نہ کیا اور ہمیشہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مشغول رہے۔ان کی اسلام میں شمولیت محض دنیوی فوائد اور جتھہ بندی کے لئے تھی۔کچھ ایسے کمزور بھی تھے کہ جب آزمائش کی گھڑی ہوتی تو ہمیشہ کمزوری دکھاتے، بعض زیادہ ہوشیار بنتے ، کفار میں جاتے تو ان کے ساتھ مل جاتے، مومنوں کے پاس آتے تو ان میں شامل ہو جاتے گویا دونوں طرف سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچاکر مظفر و منصور کیا۔اس آیت سے ان خیالات کی بھی تردید ہوتی ہے کہ اسلام جبر سے پھیلا۔جو جبر سے مسلمان ہوگا وہ بظاہر تو اسلام لے آئے گا لیکن دل سے کبھی ایمان نہیں لائے گا گویا منافق ہوگا اور منافق کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔

اس آیت میں صرف اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر ایمان کا ذکر ہے گویا ابتدا اور انتہا کا ذکر کر دیا اور اختصار کی وجہ سے درمیانی امور کو چھوڑ دیا۔قرآن کریم ایک مختصر لیکن مکمل لائحہ عمل ہے۔روحانی ، دینی اور دنیوی تمام امور میں مکمل رہنمائی کرتا ہے،اس لئے اکثر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والے کو مومن کہا ہے کیونکہ اسلام کے بنیادی عقائد تین ہی ہیں۔ توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت (تفصیل کے لئے آیت: ۶۳) قرآن کریم ہرگز کہانیوں کا مجموعہ نہیں۔ چاہیئے کہ پڑھنے والا ہر لفظ پر غور کرے اور اپنے دل کو ٹٹولے کہ وہ کس گروہ میں ہے اور اپنی کمزوریاں دور کرنے کی کوشش کرے۔

۱۰۔**یخدعون**۔خدع۔ دھوکہ دینا۔ خادع دھوکا دینے کا قصد کرنے والا۔ جب خدا تعالیٰ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ۔ اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

اور نہیں محسوس کرتے دلوں میں ان کے بیماری تھی پھر بڑھا دیا ان کو اللہ نے

مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۱ وَ

بیماری میں؛ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک بسبب اس کے کہ تھے وہ جھوٹ بولتے اور

کے لئے آئے تو مفہوم دھوکے کی سزا دینا ہے۔**یشعرون**۔شعر بمعنی بال جمع اشعار۔باریک علم کو کہتے ہیں۔اسی سے شعر ہے۔اسی سے شعور ہے گویا علم سے زیادہ باریک۔**یشعرون**۔وہ سمجھتے ہیں منافقین کے متعلق فرمایا کہ بظاہر ہوشیار بنتے ہیں، مادی فوائد کے لئے مسلمانوں میں خود کو مسلمان اور کفار میں کافر ظاہر کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی جاسوسی بھی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ فرمایا ان کا مسلمانوں کو دھوکا دینا گویا خدا کو ہی دھوکہ دینا ہے۔ خدا تو علیم وخبیر ہے۔ پس یہ دھوکہ انہی پر الٹ پڑنے والا ہے۔افسوس فی الحال انہیں علم نہیں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو دھوکے کی سزا دے گا۔انہی کو نقصان پہنچے گا اور یہی ذلیل و خوار ہوں گے۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب آنحضرت ﷺ نے نام لے کر بعض منافقوں کو مجلس سے نکال دیا۔جو بعد تک چھپے رہے ان کا انجام بھی نہایت دردناک ہوا۔

۱۱۔ **مرض**۔ روحانی اور جسمانی دونوں کے لئے آتا ہے۔ جسمانی تو عیاں ہیں، روحانی میں اخلاقی بیماریاں ہیں جیسے جہالت ،بخل اور نفاق وغیرہ ۔ چونکہ منافقین کا ذکر ہے اس لئے یہاں نفاق کو مرض کہا ہے یعنی قول وفعل میں تضاد۔

الیم ۔تکلیف دہ عذاب۔

قرآن کریم تو شفا ہے لیکن یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھا دی۔ حقیقت یہ تھی کہ جوں جوں اسلام کی شان و شوکت بڑھتی گئی، منافقین حسد کی آگ میں جلتے گئے اور انہیں مسلمانوں سے تعلق رکھنے میں مزید منافقت سے کام لینا پڑا۔اس طرح ان کی منافقت کی بیماری بڑھتی گئی (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہ جنوری ۱۹۰۷ء) اللہ تعالیٰ کا بیماری کو بڑھانا انہیں منافقت کی سزا دینا بھی ہے۔

حدیث میں منافق کی علامتوں میں سب سے بڑی علامت جھوٹ ہے۔آنحضرت ﷺ

اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ
جب کہا جاتا ہے ان کو کہ نہ فساد کرو زمین میں کہتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ ہم
مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا
اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ ہو جاؤ یقیناً یہ ہی مفسد ہیں و لیکن نہیں

فرمایا! کہ مومن میں کچھ کمزوریاں ہوسکتی ہیں مگر مومن جھوٹ نہیں بول سکتا (یہ ایک لمبی حدیث ہے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ متفق علیہ) یہ منافقین کے خصائل ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ دل میں اسلام کی سچائی کو مانتے ہیں لیکن کفار کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں۔ اس طرح انہیں بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اسی جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے درد ناک عذاب ہے جبکہ کفار کے لئے بڑا عذاب ہے۔

۱۲-۱۳۔ **لاتفسدوا** ۔ تم فساد نہ کرو۔ فساد کسی چیز کا حد اعتدال سے نکل جانا ہے زیادہ ہو یا کم۔ یہ صلاح کی ضد ہے۔ **ارض** کے معنی کانپنا یا چکر لگانا ہے۔ یہ اس وقت کہا گیا جب زمین کو ساکت سمجھا جاتا تھا۔ کسی چیز کے نچلے حصہ کو ارض اور اوپر کے حصہ کو سماء کہتے ہیں۔ لفظی معنی زمین یا زمین کا کچھ حصہ۔ **مصلحون** ۔ اصلاح کرنے والے۔ **الآ**۔ خبردار یا سنو۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں منافقین کی شرارتوں کا مفصل ذکر ہے۔ منافقین کئی طریقوں سے فساد ڈلواتے کبھی مہاجرین اور انصار میں غلط فہمیاں پیدا کرتے۔ کبھی محسنِ انسانیت آنحضرت ﷺ پر اعتراض کر کے لوگوں کو آپؐ کے خلاف بد دل کرنے کی کوشش کرتے۔ کبھی کفار اور یہود کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے۔ اگر جنگ میں تکلیف پہنچتی تو کہتے یہ ہمارے مشورہ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ہمیں تو پہلے ہی اندازہ تھا۔ اسی لئے جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ غرض فساد کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ اگر ان کو منع کیا جاتا تو کہتے ہم تو سب کام اصلاح کی غرض سے کرتے ہیں۔ ہمارا تو کسی سے جھگڑا نہیں۔ دونوں فریق سے صلح رکھتے ہیں اور دونوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ عموماً غلط کار لوگ اسی طرح اپنی غلطی نہیں مانتے اور کوئی نہ کوئی جواز نکال لیتے ہیں حالانکہ انہیں حقیقت کا علم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ان کی چالوں اور دھوکوں سے بچا لیا اور ان کی شرارتیں انہیں پر الٹ پڑیں، سب چالاکیاں دھری کی دھری رہ گئیں، خوب تضحیک کا نشانہ بنے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ فرمایا ان کے فساد کی وجہ ان میں شعور کی کمی ہے۔ جو فساد اور امن میں تفریق نہ کر سکے۔ اگر غور کرتے تو یقیناً اپنے منافقانہ طرزِ عمل سے آگاہ ہو جاتے اور سمجھ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فساد کو قتل

یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ
محسوس کرتے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو کہ ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لائے لوگ (تو)
قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
کہتے ہیں کیا ہم ایمان لادیں جیسا کہ ایمان لائے ہیں بے وقوف آگاہ ہو جاؤ یہ ہی
السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ
بے وقوف ہیں و لیکن نہیں جانتے اور جب یہ ملتے ہیں ان لوگوں کو جو
اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا
ایمان لائے کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کی طرف کہتے ہیں ہم
مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ
ساتھ ہیں تمہارے سوائے اس کے نہیں کہ ہم ہنسی کرنے والے ہیں اللہ ہنسی کی سزا دے گا انہیں

سے زیادہ شدید قرار دیا ہے۔ (۲-۱۹۲)

۱۴۔ **سفہآء** ۔ **سفیہ** کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہلکا پن کے ہیں۔ ایسا شخص جو دینی یا دنیوی طور پہ کم عقل ہو اور اپنا مال بے دریغ خرچ کرے۔ یعنی بیوقوف۔ نادان (النساء - ۶)

جب منافقوں کو کہا جاتا ہے کہ جس طرح مخلص مسلمان ایمان لائے تم بھی ایمان لاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرح بیوقوف نہیں جنہوں نے ایک معمولی انسان کے لئے عزیز و اقارب اور گھر بار چھوڑا۔ اب اپنی جان و مال اور اولاد کو بے دریغ جنگ کی بھٹی میں جھونک رہے ہیں۔ یہ مٹھی بھر بیوقوف انسان دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں سے مقابلہ کرنے نکلے ہیں جو ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گی اور ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ ان کے مقابلہ میں ہم عقلمند ہیں کہ دونوں فریق سے خوشگوار تعلقات ہیں۔ اپنا جان و مال اور اولاد ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے۔ اگر یہ ناکام ہوئے تو بھی ہمارا نقصان نہیں اگر کامیاب ہوئے تو بھی ہم گھاٹے میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً یہی لوگ بیوقوف ہیں۔ فی الحال نہیں جانتے مگر عنقریب جان لیں گے۔ جیسا کہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنی زندگی میں ہی اپنی تمام کوششوں کو ناکام و نامراد ہوتے اور اسلام کو کامیاب و کامران ہوتے دیکھ لیا اور جنگ تبوک کے دو ماہ بعد نہایت حسرت کی موت مرا۔

۱۵-۱۶۔ **خلوا**۔ خلا کے معنی ہیں گزر گیا۔ چلا گیا۔ اسی سے خلوت ہے یعنی علیحدگی۔ **شیطان** ۔ شطن سے ہے بمعنی دور ہوا۔ گویا شیطان وہ وجود ہے جو رحمت الٰہی سے دور ہوا۔ قرآن کریم کے بموجب شیطان کی خلقت نار سے ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے بقول شیطان ہر سرکش کا

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۶﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
اور مہلت دیگا ان کو اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے
اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَ
خریدی گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ نفع دیا تجارت نے ان کی اور

نام ہے جنوں سے ہو یا انسانوں سے لیکن شیطان کو انسان پر تصرف نہیں۔ تمام مفسرین کے نزدیک مع حضرت ابن عباسؓ، یہاں کافر سردار مراد ہیں جو شیطان صفت تھے۔ قرآن کریم میں شیطان کا لفظ اکثر شیطان صفت انسانوں کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔مجاہد بیان کرتے ہیں **واذاخلوا الٰی شیٰطینھم** میں **شیٰطین** سے مراد کافروں کے ساتھی یعنی منافقین و مشرکین ہیں۔(بخاری کتاب تفسیر القرآن باب سورۃ البقرۃ) **استھزاء** ۔ ایسے طریق پر تحقیر کہ ہنسی آ جائے۔**مدّ** کھینچنا یا پھیلانا۔ مراد مہلت دینا۔ **طغیان** ۔طغی سے ہے، بمعنی سرکشی۔ **یعمھون** ۔ وہ حیران پھرتے ہیں۔

منافقین مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور جب اپنے جیسے شیطانوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں،ہم توان سے محض مذاق کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے ہنسی کرے گا یہ عربی کا قاعدہ ہے کہ ایک ہی فعل جب خدا اور بندے کے لئے استعمال ہو تو خدا کی طرف صرف نتیجہ منسوب ہوگا۔جیسے یہاں ہے کہ اللہ ان سے ہنسی کرے گا یعنی ہنسی کی سزا دے گا اور انہیں ان کی سرکشیوں میں چھوڑ دے گا۔(تفسیر کبیر حضرت مصلح موعودؓ جلد اوّل صفحہ ۱۸۴)

اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے تا توبہ کریں، فوراً نہیں پکڑتا نہ مجبور کرتا ہے۔چنانچہ منافقین کو جنگِ تبوک کے بعد سزا دی گئی اور نام لے کر مجلس سے نکال دیا۔البتہ وعدہ خلافیوں اور ریشہ دوانیوں کی سزائیں ساتھ ساتھ ملتی رہیں۔ قرآن کریم میں بے شمار پیشگوئیاں ہیں۔ یہ بھی پیشگوئی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

۱۷۔**اِشتَرَاءٌ**۔ شراء کے معنی خریدنا۔ اس سے مشتری خریدنے والا۔ **البیع**۔ بیچنا۔ **شراءٌ** اور **بیع** کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں یعنی خرید و فروخت۔۔ **الرّبح** وہ فائدہ جو تجارت سے حاصل ہو۔یہاں حقیقی خرید و فروخت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ منافقین نے ہدایت ترک کر کے گمراہی اختیار کی یعنی دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کی اور بزعم خود نہایت فائدہ مند سودا کیا کیونکہ دین کی راہ میں تو بہت سی قربانیاں کرنی پڑتی تھیں اور بظاہر نقصان ہی نقصان تھا لیکن انہوں نے سب کچھ بچا کر دنیا کے لئے رکھ لیا۔ گویا دنیا کو دین کے بدلہ خرید لیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ دین بھی نہ ملا اور دنیوی فوائد سے بھی محروم

مَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۷﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ
نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے حالت ان کی مانند حالت اس شخص کی ہے جس نے جلائی
نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَ
آگ ، پھر جب روشن کیا اس (آگ) نے اسے جو اردگرد تھا اسکے لے گیا اللہ نور ان کا اور
تَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۸﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں کہ نہیں دیکھتے وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ

رہے۔اس کے برعکس مسلمانوں کو دین بھی ملا اور دنیا بھی۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک ہوئے۔ یہ بھی پیشگوئی تھی کہ جس دنیا کی خاطر دین کو چھوڑا وہ بھی نہ ملی۔فرمایا وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے گویا ان میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ان سترہ آیات میں تین گروہوں کا ذکر ہے یعنی متقی ،کافر اور منافق۔

۱۸۔ **استوقد نارًا** ۔ آگ کو روشن کیا۔ **اضآءت** اس (آگ) نے روشن کردیا۔

ظلمٰت۔ اندھیرے۔

منافقین نے کفار سے مل کر لڑائی کی آگ بھڑکائی تا مسلمان تباہ ہوں لیکن معاملہ الٹ ہو گیا۔ جنگ مومن اور منافق کی پہچان کا ایک واضح طریق ہے۔جنگ میں ان کی منافقتُ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی تو اللہ ان کا نور لے گیا یعنی ان کی غلط حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نورِ معرفت سے بالکل ہی محروم ہوگئے اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتے پھرے ۔انہیں کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ (مفہوم تفسیرِ کبیر خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جلد اوّل صفحہ ۱۹۰)

۱۹۔**صُمٌّ اَصَمٌّ** کی جمع یعنی بہرے ۔ **بُکْمٌ اَبْکَم** کی جمع یعنی گونگے۔**عُمْیٌ** ۔اعمٰی کی جمع یعنی اندھے۔

آیت ۸ کے مضمون کو دہرایا۔ منافقین میں تمام روحانی بیماریاں ہیں۔ایسے بہرے ہیں جو قرآن کریم سنتے ہیں مگر اس پاک کلام سے مستفید نہیں ہوتے۔ایسے گونگے ہیں کہ جھوٹی انا کی وجہ سے حق بات پوچھنا ہتک سمجھتے ہیں ورنہ صاف دل ہو کر پوچھنے سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور ہدایت مل جاتی ہے۔ اندھے ہیں کہ نور ہدایت ان کے چاروں طرف ہے مگر انہیں نظر نہیں آتا اور یہ اس سے محروم ہیں۔ گویا منافقت میں حد سے گزر گئے ہیں اور ان کی واپسی مشکل ہے۔

۲۰۔ **صیّب** ۔ بارش جو خاص طور پر فائدہ مند ہو ۔ **السمآء**۔ ہر چیز کا اوپر کا حصہ۔

لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ

نہیں رجوع کرتے یا مانند بارش کی بادل سے کہ اس میں اندھیرے ہیں

وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

اور کڑک اور چمک ہے ڈالتے ہیں انگلیاں اپنی کانوں میں اپنے

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

بجلیوں کے سبب ڈر سے موت کے اور اللہ گھیرنے والا ہے کافروں کو

آسمان۔ بلندی ۔ بادل۔ **ظلمٰت** اندھیرے ۔تمثیلاً شدت و تکلیف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
رعدٌ۔ کڑک۔ **برقٌ**۔ بجلی۔چمک۔ **یجعلون**۔ جعل ۔ کرنا۔ بنانا۔ وہ کرتے ہیں۔ **الصواعق**۔ صعق۔صاعقہ کی جمع ، بجلیاں۔وہ ہولناک آواز جو بجلی گرنے کے بعد یا زلزلہ کے ساتھ آتی ہے اور عذاب یا موت کا باعث ہوتی ہے۔ **حذر**۔ ڈرنا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح مختصراً اس طرح ہے کہ یہاں دو مثالیں دی ہیں۔ پہلی مثال ان منافقین کی تھی جو حد سے گزر گئے اور ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں لیکن یہاں ان منافقوں کا ذکر ہے جو بالکل دوراہے پر کھڑے ہیں کبھی اِدھر جھکتے ہیں کبھی اُدھر اور امید ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں گے۔ بارش جو رحمت خداوندی ہے جب زور سے برستی ہے تو وقتی طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اندھیرا چھا گیا۔گرج اور چمک سے انسان پریشان ہوتا ہے اور صاعقہ کے گرنے سے تو واقعی دل دہل جاتا ہے۔اکثر نقصان بھی کرتی ہے لیکن انجام بخیر ہی ہوتا ہے اور زمین رحمت خداوندی سے ہری بھری ہوجاتی ہے۔

اسی طرح وحی الٰہی آسمانی بارش سے مشابہ ہے جس کا نتیجہ روحانی سیرابی اور فیض عام ہے لیکن ضروری ہے کہ اس کے ساتھ بھی اندھیرے گرج اور چمک ہو۔اندھیرے یعنی مصیبتیں اور آزمائشیں۔ گرج کی ہولناکی کو جنگوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ بجلی بھی چمکتی ہے یعنی خدائی انوار ظاہر ہوتے ہیں اور بندے قدم آگے بڑھاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہولناک کڑک ہے جو بجلی گرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے یعنی قدرے جانی و مالی نقصان بھی ضروری ہے اس کے بعد تو بالکل ہی لرز جاتے ہیں اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں حالانکہ کڑک تو بجلی گرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور نقصان تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہوتا ہے ، پھر ڈرنا کیسا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کفار کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے بلکہ ان کو تباہ کرنے کے لئے ہی یہ سب کچھ ہوا اور مسلمانوں نے ان تمام آزمائشوں

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ

قریب ہے چمک کہ اچک لے آنکھیں ان کی جب کبھی وہ روشن ہوتی ہے ان کے لیے

مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

چل پڑتے ہیں اس میں اور جب اندھیرا کرتی ہے ان پر ٹھہر جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

تو لے جاوے کان ان کے اور آنکھیں ان کی یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت

قَدِيْرٌ ﴿۲۱﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

رکھنے والا ہے ۔ اے لوگو عبادت کرو رب اپنے کی وہ جس نے پیدا کیا تم کو

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

اور انہیں جو پہلے تھے تم سے تاکہ تم متقی بنو وہ جس نے بنایا تمہارے لیے

ع ۳ ۲ ۲

میں روحانی اور مادی فوائد ہی حاصل کئے۔ (تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلد اوّل صفحہ ۱۹۷۔۱۹۸)

۲۱۔ **یخطف** ۔ خطف ۔ اچکنا۔ **شآء** ۔ چاہنا۔ **قدیر** مبالغہ کا صیغہ ہے قادر ہونا۔ اس چیز کو کرنے والا جسے وہ چاہے۔اسم الٰہی ہے۔

فرمایا قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے ، یہ بھٹکتے پھریں اور راہ نہ پاسکیں۔ ہوتا یہ تھا کہ جب بجلی چمکتی یعنی اسلامی کامیابیاں روز روشن کی طرح نظر آتیں تو فوراً آگے قدم بڑھاتے اور اخلاص دکھاتے لیکن جونہی مصیبتوں کے اندھیرے چھاتے تو بے وفائی کرتے۔ فرمایا اگر یہی حالت رہی اور ہر آزمائش میں پیچھے ہی ہٹتے رہے تو عنقریب روحانی طور پر بالکل ہی بہرے اور اندھے ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہاں بتایا کہ کمزوری پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے۔اگر وہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔وہ اسلام کو کامیاب و کامران اور کفار کو ناکام و نامراد کرے گا تو وہ ہرگز تذبذب میں نہ پڑتے اور نہ کفار سے باوجود ان کی ظاہری قوت و شوکت کے ڈرتے۔اِن کا ڈرنا اور منافقت اس چیز کا ثبوت ہے کہ انہیں خدا کے قادر ہونے میں شبہ ہے۔

۲۲۔اس رکوع میں باری تعالیٰ کی توحید و عظمت اور اس کے احسانات کا ذکر ہے جو بنی نوع انسان پر ہیں اور انسان کو اپنے رب کی کامل فرمانبرداری کا حکم ہے۔قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں یہ پہلا حکم ہے جو قرآن کریم نے تمام بنی نوع انسان کو دیا۔چونکہ قرآن کریم متقیوں کو بہترین انعامات سے نوازنا چاہتا ہے۔اس لئے پہلا حکم یہی دیا کہ اپنے رب کی عبادت و فرمانبرداری

الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اُتارا بادل سے پانی

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ

پھر نکالے اس کے ذریعہ پھلوں سے رزق تمہارے لیے، پس نہ بناؤ اللہ کے

اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا

شریک اور تم جانتے ہو اور اگر ہو تم کسی شک میں متعلق اسکے

کرو تا تم دکھوں سے بچو کیونکہ اپنے رب سے تعلق پیدا کر کے ہی ہم پورا فائدہ اٹھا سکتے اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔عبادت کے معنی کمالِ تذلل اور اتباع کے ہیں۔ یعنی اپنی تمام طاقتوں کو انتہائی درجہ تک رضائے الٰہی کے تحت کام میں لانا۔گویا ہر سستی اور کام چوری کی نفی ہے۔ عبادت تکمیل روحانیت کے لئے ہے ورنہ خدا تعالیٰ کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔عبادت یہ ہے کہ خدا سے پیار کی طرح پیار کسی دوسرے سے نہ ہو۔اگر اولاد ، بیوی یا کسی اور سے اتنا پیار ہو کہ ہر وقت اسی کا خیال رہے تو یہ بھی ایک طرح کی عبادت اور شرکِ خفی ہے۔

انسان ہمیشہ اس کا احسان مانتا ہے جس نے اس پر یا اس کے آباء و اجداد پر احسان کیا ہو اس لئے فرمایا کہ اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے باپ دادا کو بھی۔ **اتّقی** ڈھال کو بھی کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنالو۔وہ ہر حملہ اور ہر تباہی سے تمہیں بچالے گا۔جیسا کہ متقیوں سے اس کا ہمیشہ سے سلوک رہا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب اور رب سمجھے گا وہ یقیناً اس کے بندوں کا بھی خیر خواہ ہوگا۔ گویا خدا کی عبادت اوراس کے بندوں سے حسن سلوک اسے کمال حقیقی تک پہنچا دے گا۔

۲۳۔ **فرش**۔ پھیلائی ہوئی چیز۔ امام راغبؒ کے مطابق جس پر انسان قرار پکڑ سکے۔ **بناءً**۔ بنائی گئی چیز۔ بنیاد، عمارت یا چھت۔ **سمآء**۔ بلندی ۔ زمین کے اوپر کی فضا جس میں سورج چاند اور ستارے وغیرہ ہیں۔

اس رب کے کس قدر احسانات ہیں کہ نہ صرف تمہیں پیدا کیا بلکہ تمہارے باپ دادا کو بھی پیدا کیا۔ تمہارے لئے زمین بنائی جس پر آرام کرتے اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہو۔آسمان تمہارے سروں پر بطور چھت ہے گویا حفاظت کرنے والا ہے کئی آفات سے۔آج سائنس ثابت کر رہی ہے کہ انسان کی نالائقیوں سے اوزون (Ozone) کی تہ میں سوراخ ہوگیا ہے اور انسان کو نقصان پہنچ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے آسمان کی افادیت بتا

نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

جو اتارا ہم نے بندہ پر اپنے تو لاؤ کوئی سورۃ مانند اس کی اور بلاؤ

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ فَاِنْ

معبودوں کو اپنے سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے پھر اگر

لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا

نہ کیا تم نے (ایسا) اور ہرگز نہیں کروگے تم (ایسا) تو ڈرو اس آگ سے ایندھن جس کا

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَبَشِّرِ

آدمی اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور بشارت دے

رہا ہے کہ کس طرح آسمان یعنی سورج ،چاند ، ستارے انسان کو فائدے پہنچا رہے ہیں اور ان کی تاثیریں انسان پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔پھر آسمان سے پانی برستا ہے اور رنگ برنگ کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں جس کو انسان بطور غذا کھاتا ہے۔اسی طرح روحانی پانی برس کر تمام دنیا کو سیراب کرتا اور فائدہ پہنچاتا ہے پس یہ سب جاننے کے باوجود اس محسنِ حقیقی کا شریک تم کیونکر بناؤ گے جبکہ زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ، اس کی بناوٹ اور ترتیب ،پکار پکار کر ایک مدبر بالارادہ ہستی کے خَلق و احسان کی گواہی دے رہی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ تمہاری روحانی اور زمینی زندگی کی بقا کی بنا آسمان پر رکھی۔روحانی اور زمینی پانی جب تک آسمان سے صاف ہو کر نہ آئے تمہارے لئے کارآمد نہیں۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۴۔۲۵۔ **سورۃ**۔یہ لفظ بزرگی کے لئے اور کسی مکمل شے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔لفظی معنی ہیں بلندی پر کودنا۔اونچی اور خوبصورت عمارت کو بھی کہتے ہیں۔اسی سے سور شہر پناہ یعنی فصیل شہر ہے جیسے **تَسَوَّرُوا**۔انہوں نے دیوار پھاندی ۔(سورۃ ص:۲۲) اسی مادہ سے اساور یعنی کڑے ۔ عرف عام میں قرآن کریم کے مقررہ حصوں کو کہتے ہیں جو بجائے خود ایک کامل کتاب ہیں۔ تمام سورتوں کے نام الہامی ہیں جن کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ممیز کرتی ہے کل سورتیں ۱۱۴ ہیں۔سورۃ التوبہ کے شروع میں بعض حکمتوں کی بنا پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں آئی۔سورۃ النمل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دو مرتبہ آئی۔اس طرح سورتوں کی تعداد بھی ۱۱۴ رہی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ۱۱۴ دفعہ آئی۔

شهدآء۔ شہید کی جمع۔ عینی شاہد ۔ مدد گار ۔**وقود**۔ ایندھن ۔ **الحجارة**۔ الحجر۔ پتھر امام راغبؒ نے پتھر دل لوگ معنی کئے ہیں۔ جن پر صداقت کا قطعاً اثر نہیں ہوتا۔پتھر کی آگ گرمی کے لحاظ سے سب سے گرم ہے۔اس سے جہنم کی شدید حدت کی طرف اشارہ ہے۔**النار**۔ آگ۔

قرآن کریم تمثیلی زبان میں ہے ورنہ وہاں کا عذاب یاانعام انسانی فہم سے بعید ہے۔یہ سزا بطور علاج وقتی ہوگی تاانسان پاک صاف ہو کر جنت میں جائے اور دیدارِالٰہی کے قابل ہو جائے۔ آخر جہنم کو فنا ہے۔

جس طرح خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی نظیر لانا ناممکن ہے اسی طرح اس کے بنائے ہوئے قرآن کریم کی مثل لانا بھی ناممکن ہے۔ منکرین کو قیامت تک کے لئے چیلنج ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن کریم کے بارہ میں خدا کا کلام ہونے میں شک ہے اور تم سمجھتے ہو کہ اسے محمدﷺ نے خود بنایا یا بنوایا ہے تو اس کی مثل ایک سورۃ ہی لے آؤ جو ظاہری اور باطنی کمالات میں اس کے ہم پایہ ہو۔اس کے لئے جسے چاہو مدد کے لئے بلا لو۔اگر تم ایسا نہ کرسکو اور تم ہرگز ایسا نہیں کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن شریر لوگ اور ان کے معبودانِ باطل ہوں گے۔جب انہوں نے انسان ہو کر پتھروں کو خدا بنایا تو ضرور تھا کہ پتھر ہی ان کے عذاب کا موجب بنتے کیونکہ جہنم میں جانے کی بڑی وجہ شرک ہی ہے۔اس قرآنی چیلنج کا آج تک کوئی مقابلہ نہ کرسکا بلکہ بڑے بڑے متعصب لکھنے والے اس معاملہ میں عاجز ٹھہرے اور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک زبردست پیشگوئی تھی جو قیامت تک کے لئے ہے۔یہ دعویٰ عرب کی سرزمین میں اس وقت کیا گیا جب اہل عرب کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا لیکن وہ قرآنی صفات کے ہم پلہ ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی پیش نہ کرسکے۔قرآن فصاحت و بلاغت کے علاوہ حقائق و معارف کا مجموعہ ہے۔ ایسا معجزانہ کلام ہے جس میں قیامت تک کے لئے لاتعداد پیشین گوئیاں ہیں۔انسانی فطرت کے مطابق ایک مکمل ضابطۂ قوانین ہے جو تمدن و معاشرت کے بہترین اصولوں پر مشتمل ہے۔کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے نہیں کرتا۔تمام مذاہب کی صداقتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور تمام دنیا کے لئے آیا ہے۔اس نے انسان کو وحشیانہ حالت سے نکال کر مہذب اور باکمال انسان بنا دیا تاوہ قوانین خداوندی کے تحت زندگی گزار کر باخدا انسان بنے۔گویا قرآن کریم الہامِ الٰہی کا دروازہ کھولتا اور بندے کو اپنے رب سے ملاتا ہے جو اس کا مقصودِ حیات ہے۔ پس کوئی انسان ایسی ایک سورۃ بنانے کا بھی دعویدار نہیں جس میں یہ تمام قرآنی صفات ہوں۔اگر کوئی خدا کا مقابلہ کرے گا تو سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار ہوجائے جو خدا کی طرف سے آنے والی صداقتوں کا مقابلہ کرنے والوں کو ملتی ہے۔مسیلمہ نے بھی قرآن کریم بنانے کی کوشش کی اور ذلیل ہوا۔

۲۶۔**بشِّر**۔بشارت دے۔ **البشرہ**۔انسان کی جلد کی اوپر کی سطح ہے۔ چونکہ خوشخبری

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کیں انہوں نے نیکیاں کہ ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

نیچے جن کے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے ان (باغات) سے کوئی پھل بطور

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

رزق کے کہیں گے یہ وہ ہے جو دیا گیا ہمیں پہلے (بھی) اور ان کو دیا جاوے گا

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا

وہ (رزق) ملتا جلتا، اور ان کے لیے ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور وہ ان میں

خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا

وہ پڑنے والے ہیں۔ یقیناً اللہ نہیں رُکتا کہ بیان کرے مثال کوئی سی

سے چہرے پر نمایاں اثر پڑتا ہے اس لئے خوشخبری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اچھی اور بری دونوں خبروں پر بولا جاتا ہے۔عذاب کے تعلق میں بشریٰ کا لفظ بطور تہکم (بطور استہزا) استعمال ہوا ہے۔ (مفردات) **بَشَرۃ** کی جمع **بَشَر** ہے۔اس لئے انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔**الصالحات**۔ الصالح۔ فساد سے پاک۔ مناسب حال۔ نیک ۔**جنّٰت**۔جنۃ کی جمع ہے۔ یعنی نظر نہ آنے والی، اسی سے جن ہے۔جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین درختوں کی کثرت سے نظر نہ آئے نیز جنت، کی نعمتیں ظاہری حواس سے مخفی ہیں اس لئے اسے جنت کہا۔

جب کفر و شرک سے آگ پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی بجاآوری سے باغ، نہریں اور دوسرے نعما بنتے ہیں۔ جنت اور جہنم انسان اپنے ساتھ ہی لائے گا اور اس کے اعمال کے پرتو ہوں گے۔قرآن کریم میں اکثر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے اور ۳۵ دفعہ آیا ہے۔ پس جنہوں نے ایمان کی کھیتی کو اعمالِ صالحہ سے سینچا تو خدائے قدیر بھی ان کے ایمان کو اشجار اور اعمال صالحہ کو انہار سے متمثل کردے گا ۔بیشک یہ سب روحانی امور ہیں لیکن قیامت کو جسمانی شکل میں نظر آئیں گے اور جس رنگ کے اعمال ہوں گے اسی رنگ کی عنایاتِ الٰہیہ ہوں گی۔ مومنین ِکامل اعمالِ صالحہ کے ثمراتِ حسنہ اور وصلِ الٰہی کا لطف روحانی طور پر کسی حد تک دنیا میں ہی چکھ لیتے ہیں اس لئے ان کے لئے وہاں کی نعمتیں جانی پہچانی ہوں گی۔ حضرت ابن اعباسؓ سے روایت ہے کہ جنت اور اس کی نعماء سوائے ناموں کی مماثلت کے سب تمثیلی رنگ میں ہیں۔(ابن کثیر) بخاری میں ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں

بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ

مچھر کی (دیا) پھر اسکی جو زیادہ ہو اس سے پس جو لوگ ایمان لائے تو جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

کہ وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے، اور جو لوگ کافر ہوئے تو کہتے ہیں

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ

کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ساتھ بطور مثال کے گمراہ کرتا ہے ساتھ اسکے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے

بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ

ساتھ اسکے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو وہ جو کہ

کے لئے جوکچھ تیار کیا ہے اس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر وہ گزرا۔(بروایت ابوہریرہؓ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب فی صفۃ الجنتہ۔حدیث نمبر ۳۰۰۵)

ماسوئ ذات باری کے ہرچیز جوڑے کی محتاج ہے چنانچہ جنت میں بھی پاک جوڑے ہوں گے جو ایک دوسرے کی تسکین کا باعث ہوں گے اور ہر آلائش سے پاک ہوں گے۔وہ ہمیشہ کے لئے وہاں رہیں گے۔ مکی زندگی میں کفار مسلمانوں کو غریب، فقیر اور ہرنعمت سے محروم ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔یہ آیت ایک زبردست پیشگوئی کے طور پر بھی ہے کہ عنقریب تمہیں تمہاری قربانیوں اور ابتلاؤں کے صلہ میں ریگستانِ عرب کے بدلہ نہروں اور باغوں والے ملک عطاہوں گے۔چنانچہ یہ سچے متبعین ان ملکوں کے مالک ہوئے جن میں دجلہ، فرات،جیحون ،سیحون، یردن ، نیل اور گنگا جمنا بہتے تھے(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نور الدین صفحہ ۱۳۹ ، ۱۴۰)نیز نعمائے اخروی ان کے علاوہ تھیں۔

۲۷۔ **یستحیٖ** ۔ حیٰ۔اسی سے حیات ہے۔حیا کا لفظی معنی کسی امر سے رکنا ہے۔شرم کا مفہوم دیتی ہے کیونکہ شرم بری باتوں اور گناہ سے روکتی ہے ۔ **لایستحی** ۔ وہ نہیں جھجکتا ۔ **یضرب** ۔ضرب۔ مارنا۔بیان کرنا۔**مثلاً** ۔مثال۔ بات۔ **بعوضۃً**۔ بعض سے ہے۔یعنی بہت چھوٹا۔ مچھر کے معنی میں ہے۔**فوقھا**۔زیادہ بڑا یازیادہ چھوٹا۔**الحق**۔سچ۔**الفاسقین**۔**فسق**۔ اللہ کے حکم کو رد کرنا۔نافرمانی ۔فاسقین جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے معاہدوں کو توڑا۔

کوئی بات بظاہر کیسی ہی معمولی ہو اگر فائدہ مند ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور بیان کرتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترجمۃ القرآن کلاس میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں مچھر ہو یااس سے بھی بہت چھوٹی مخلوق جیسے جراثیم وغیرہ۔وہ جس کی بھی مثال بیان کرے حق ہے۔اگر ان کی تخلیق پرغور کرو تو ان کو ایسے ایسے کمالات عطاہوئے ہیں کہ عقل

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ

توڑتے ہیں عہد اللہ کا بعد اس کے پختہ کرنے کے اور کاٹتے ہیں اسے

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

(تعلق) کو کہ حکم کیا اللہ نے جسکے متعلق کہ وہ جوڑا جاوے اور فساد کرتے ہیں زمین میں

دنگ رہ جاتی ہے اور شرمانے کی کوئی وجہ نہیں۔مچھر کی تخلیق پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ایک امریکن سائنسدان نے تحقیق کی کہ مچھر کے لعاب میں وہ مادہ ہے جو Anticlot ہے اس سے خون پتلا ہو جاتا ہے اور Suck کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔کاٹنے سے پہلے یہ لعاب لگاتا ہے۔سونگھنے کی حیرت انگیز قوت ہے یہ اندھیرے میں جان جاتا ہے کہ بوڑھے کا خون ہے یا بچے کا۔اندھیرے میں آواز ٹکرا کر واپس آتی ہے تو فاصلے کا صحیح اندازہ کرتا ہے۔غرض اس قادرِ مطلق کے عجائبات بے شمار ہیں۔ حدیث نبوی ہے کہ اگر خداتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا(ترمذی) گویا دنیا اور اس کی نعمتوں کو مچھر سے کم تر کہا۔ پچھلی آیت میں اخروی نعمتوں کا ذکر تھا جن کے مقابلہ میں دنیوی نعمتوں کو مچھر کی طرح یا اس سے بھی کم کہا گیا۔گویانہایت حقیر(مظہری)مومنوں نے دنیا میں روحانی لذتوں سے حِظ اٹھایا ہوتا ہے اس لئے وہ اخروی نعمتوں کا کسی حد تک اندازہ لگالیتے ہیں اور ہدایت پا جاتے ہیں۔کفار محض قصے کہانیاں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ان مثالوں سے کیا فائدہ۔پس وہی باتیں ان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں ، کیونکہ وہ فاسقانہ طریق اختیار کرتے ہیں اور ہدایت پانا ہی نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے گمراہ ٹھہرائے جاتے ہیں۔یہ بھی معنی ہیں کہ معبودانِ باطلہ کی مثالیں قرآن کریم مکڑی ،مکھی اور یہاں مچھر سے دیتا ہے جسے کفار برا مناتے ہیں اور مومن برحق سمجھتے ہیں۔پس ان مثالوں سے مومن تو ہدایت پاتے ہیں اور فاسق گمراہ ہوتے ہیں۔غرض قرآن کریم نے فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیز کی طرف انسانی ذہن کو متوجہ کیا اور بتلایا کہ اس کائنات میں کوئی چیز بھی بے فائدہ پیدا نہیں کی گئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فوقھا کے معنی یہ بھی بیان کئے کہ ”جو اِس کے اوپر ہے“ آپ نے فرمایا کہ لفظ فوق میں ان جراثیم کی طرف بھی اشارہ ہے جو مچھر اپنے ساتھ اٹھائے پھرتا ہے۔(قرآن کریم اردو ترجمہ صفحہ ۱۳ حضرت مرزاطاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

۲۸۔ **عہد اللّٰہ** ۔ بقول امام راغبؒ اللہ کا عہد یہ ہے کہ ایک بات ہماری عقل میں

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۸ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ

یہ لوگ ہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ کس طرح انکار کرتے ہو تم اللہ کا حالانکہ تھے تم

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ

بے جان پھر اس نے زندہ کیا تم کو پھر موت دے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم پھر طرف اس کی

ودیعت کر رکھی ہے۔کبھی اللہ تعالیٰ کے رسول علمِ الٰہی سے ایک بات کا حکم دیتے ہیں۔کبھی انسان کوئی بات خود ہی اپنے اوپر واجب کرلیتا ہے جیسے نذر ماننا۔عہد بادشاہ کا فرمان ہے جس پر عمل واجب ہوتا ہے۔

پچھلی آیت میں جن فاسقین کا ذکر ہے،یہاں ان کی تین صفات بتائیں۔حقوق اللہ ادا نہ کرنا، حقوق العباد ادا نہ کرنااور فتنہ و فساد پیدا کرنا۔ انسانی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ اس کا ضمیر اسے پکار پکار کر کہتاہے کہ اللہ اس کا رب ہے۔جب انسان اپنی اس فطری آواز کو دبا کرشرک میں مبتلا ہوتاہے تو گویا اس نے خداکے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا۔دوسرا عہد رسولوں سے لیا جاتاہے۔ ہر رسول خدائی احکام کے علاوہ اپنے بعد آنے والے رسول کو ماننے نیز نبیؐ آخرالزماں کو ماننے کاعہد لیتاہے لیکن فاسقین آنے والے کی مخالفت کرکے اس عہد کو توڑ دیتے ہیں۔دوسری پہچان فاسقین کی یہ ہے کہ جن سے تعلق قائم کرنے کاخدا ان کوحکم دیتاہے ان سے قطع تعلق کرتے ہیں۔اس میں حقوق اللہ کے علاوہ خاص طور پر صلہ رحمی اور تمام بنی نوع کے حقوق شامل ہیں، ان کو ادا نہ کرنااور توڑنا بھی فسق ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتے، جس کے نتیجہ میں مخلوقِ خدا سے بھی پیار ہوتا لیکن یہ مخلوقِ خدا کی تباہی و بربادی کے درپے رہے اور دنیا میں ظلم کرتے اور فساد مچاتے پھرے۔پس یہ لوگ دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے اور نقصان اٹھائیں گے۔

۲۹۔فرمایا تم کس طرح خدا کاانکارکروگے جبکہ تمہاری زندگی اور موت ہرپل خداکے ہاتھ میں ہے اورتم بالکل عاجزہو۔قرآنی لحاظ سے انسان پر پانچ ادوار آتے ہیں۔پہلی حالت نیستی کی ہوتی ہے جب کہ وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔پھر دنیوی زندگی ہے۔پھرجسمانی موت ہے۔پھر ایک قسم کی زندگی ملتی ہے جو قبرسے تعلق رکھتی ہے خواہ کسی کی ظاہری قبرہو یا نہ ہویہ زندگی بہرحال گزارناہوتی ہے، جس میں ایک نامکمل سلسلہ ثواب و عذاب کاجاری ہوتاہے۔آخرمیں ایک ابدی زندگی ہے جو حشر کے بعد ہے گویا ہرموت کے بعد زندگی ہے۔پس جن لوگوں نے اس فانی زندگی میں اپنے

تُرْجَعُوْنَ ۝۲۹ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ

لوٹائے جاؤ گے تم وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَ

پھر قصد کیا آسمان کا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا انہیں سات آسمان اور

هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۰ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ

وہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو ، کریں

ع ۳

مولاکی رضا کو ہر امر میں مقدم رکھا، مجاہداتِ شاقہ سے فنافی اللہ کے مقام پر پہنچے اور **موتوا قبل ان تموتوا** والی کیفیت سے گزرے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل و کرم اور موہبت کے طور پر انہیں بقاباللہ کے مقام تک پہنچایا یعنی اس زندگی میں ہی انہوں نے موت اور دائمی بقا کامزا چکھ لیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمۃ القرآن کلاس میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء زندگی میں بھی انسان کے کام آتی ہیں اور مرکر بھی۔جیسا کہ تمام جانور اور درخت وغیرہ کوئلہ یاتیل میں تبدیل ہوگئے۔اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے یعنی جن کی خاطر کائنات تخلیق ہوئی ان سے جواب طلبی بھی ہوگی۔

۳۰۔**استوٰی** ۔ صلہ الیٰ ہوتو معنی توجہ کرنا کے ہیں۔عام معنی برابرکرنا، ٹھیک کرنا، کمال کو پہنچنا اور غالب آنا ہے۔ **سوّٰی** ۔ **تسویۃ**۔ ٹھیک کرنا۔ ایسا بنانا کہ اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا ہو۔

وہی ہے جس نے دنیامیں ہر چیز سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گویاحقیر سے حقیرچیز کابھی فائدہ اٹھایاجاسکتاہے۔یہاں سائنس دانوں کو ایک کھلا چیلنج ہے کہ ہرشے انسانی فائدے کے لئے ہے اگرتم فائدہ حاصل کرنے کی بجائے تباہی کے لئے تیار کروگے تو یہ خدائی منشا کے خلاف ہوگااور اس تباہی کے تم خود ذمہ دار ہوگے نیز ہرشے کل بنی نوع انسان کی مشترکہ وراثت ہے اورکسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔تمام انسانوں کو ان خداداد اشیائے کائنات سے فیض یاب ہونے کا پیدائشی حق ہے۔گویا اس آیت نے موجودہ نظام سرمایہ داری کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔جب تمام ارضی خزائن انسان کی ملکیت ہیں تو کیااس نے ان سے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا؟ مخاطب تو مسلمان ہیں جبکہ فائدہ اٹھایاغیرمسلم اقوام نے۔فرمایاپھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان مکمل بنا دئے۔یہ معنی نہیں کہ پہلے زمین بنائی اور پھر آسمان کیونکہ قرآن کریم خود پہلے آسمان کی اور پھر

جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن
بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ انہوں نے کہا کیا تُو بناوے گا اس میں جو
يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ
فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں
بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾
ساتھ تیری حمد کے اور ہم تقدیس کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا یقیناً میں خوب جانتا ہوں جو نہیں تم جانتے

زمین کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے۔سات اور ستر وغیرہ کا ہندسہ عربی میں کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔(ابن کثیر)یعنی جنہوں نے زمینی فوائد میں تمام انسانوں کو شامل کیا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بے شمار آسمانی اور روحانی ترقیات سے بھی نوازتا۔ پس جب مادی زمین و آسمان مکمل ہوگئے تو روحانی آسمانوں کی تخلیق فرمائی اور ان کے سات مدارج مقرر فرمائے۔وہ ہرشے کی حقیقت کو جانتا ہے۔

آسمان محض بلندی کو بھی کہتے ہیں۔دوسری جگہ دخان یعنی دھواں کہا ہے(حم السجدہ:۱۲) گویا ایتھر ہے۔جس میں سیارے یاستارے وغیرہ ہیں۔سات سے سات آسمانی طبقات بھی مراد ہو سکتے ہیں۔اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے زمین کے علاوہ سات بڑے سیارے ہیں اور بہت سے امور حفاظتِ دنیا کے ان پر موقوف ہیں۔گویا زمین و آسمان انسانی فوائد کے لئے ہیں۔اس رکوع میں خداتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا۔ آخر میں خداتعالیٰ کے علم کامل کا ذکر فرمایا۔

۳۱۔ **ملٰٓئکة**۔وہ نورانی ہستیاں جن کو عام آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور جو خداتعالیٰ کے ارادے کا اجرا اس دنیا میں کرتی ہیں۔یعنی وسائط ہیں۔یہ داعی الی الخیر روح القدس اور جبریلؑ وغیرہ ہیں جبکہ داعی الی الشر شیطان و ابلیس ہیں۔**خلیفة**۔ خلف سے ہے۔پیچھے آنے والا۔قائم مقام۔ **یسفک** ۔سفک۔بہانا۔خون یا آنسو بہانے پر بولا جاتا ہے۔**الدّماء** ۔الدم۔خون۔**نسبّح** ۔ہم تسبیح کرتے ہیں۔ **سبّح**۔لفظی معنی ہوا یاپانی میں تیزی سے گزرنا جیسے **کل فی فلک یسبحون** (یٰسٓ:۴۱) یاعمل میں تیزی سے گزرنا**ان لک فی النھار سبحاً طویلا** (المزمل:۸) تسبیح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیزی سے گزرنا۔اللہ تعالیٰ کا تنزیہہ کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو جملہ نقائص سے پاک سمجھنا۔پاکی بیان کرنا۔نقدّس۔قدس۔طہارت اور پاکی۔تمام عیوب سے پاک ہونا۔تسبیح تنزیہہ

ہے اور تقدیس علاوہ تنزیہہ کے تعظیم بھی ہے۔نقدس۔ہم پاکی بیان کرتے ہیں۔

اس رکوع میں حضرت آدمؑ کے ذکر میں آنحضرتﷺ کو تسلی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں کو ہدایت دیتا آیا ہے۔ حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے اس لئے سب سے پہلے ان کے حالات بیان کئے۔جن میں ہرمسلمان کے لئے نصائح اور سامانِ عبرت ہے۔اس سورۃ کے علاوہ جس سورۃ میں آدمؑ و ابلیس کا ذکر ہے ،مکی ہے۔آنحضرتﷺ نے فرمایا!کہ آدم سے پہلے بھی آدم تھا اور اس سے پہلے بھی آدم تھا جیسا کہ ابن عربیؒ کے کشف سے ثابت ہے۔گویا خداتعالیٰ ہمیشہ سے خَلق کرتا آیا ہے اور انسان کو شروع سے ہی انسان پیدا کیا گیا ہے۔البتہ حضرت آدمؑ سے پہلے نسل انسانی دماغی لحاظ سے ترقی پذیر تھی نہ اصولِ تمدن سے واقف تھی اور نہ قانون کی پابند۔پھر آہستہ آہستہ ارتقائی منازل طے کر کے آدم کی شکل میں کامل انسان وجود میں آیا جو الہامِ الٰہی کا مورد بنا۔حضرت آدمؑ قریباً چھ ہزار سال پہلے مبعوث ہوئے اور قیامت قریباً ایک ہزار سال بعد آئے گی۔جب کہ دنیا ارب ہا ارب سال سے ہے۔فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں نہ کہ جنت میں، جہاں مرنے کے بعد جانا ہے۔آپ پہلے خلیفہ تھے نہ کہ پہلے بشر۔خلیفہ جانشین ہوتا ہے گویا پہلے مخلوق تھی جس کے خلیفہ بنے۔بائبل کی رو سے یہ بات واضح ہے کہ آدم سے قبل زمین میں ایک مخلوق کا وجود تھا جیسا کہ حضرت ابن عربیؒ کے کشف سے بھی ظاہر ہے کہ بہت سے آدم گزر چکے ہیں۔غرض انسان کی پیدائش حضرت آدمؑ سے بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔حضرت داؤدؑ کے ذکر میں خلیفہ کا کام انصاف قائم کرنا اور بندوں کو شریعت کے تابع کرنا بیان ہوا ہے۔گویا حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے جنہوں نے خدائی احکام و قوانین کے مطابق متمدن معاشرے کی بنیاد ڈالی۔خلیفۃ اللہ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔فرشتوں کا یہ کہنا کہ آدم یا ابن آدم زمین میں فساد کرے گا اورخون بہائے گا۔یہ اعتراض تھا نہ مشورہ اور نہ پیشگوئی، کیونکہ ملائکہ اس کے مجاز نہیں اور ضروری نہیں کہ سوال و جواب کئے ہوں بلکہ یہ زبانِ حال سے ایک بیان ہے کیونکہ پہلے ایسی مخلوق گزر چکی تھی اور یہ حالات گزر چکے تھے چونکہ ملائکہ کو آئندہ کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ یہ نہ جان سکے کہ اب آدمؑ کی وساطت سے بنی نوع انسان پر ایک شریعت اور قانون نافذ ہوگا جو فساد اور خونریزی پر قدغن لگائے گا۔جو لوگ اس کے باوجود ان جرائم کے مرتکب ہوں گے انہیں اس ضابطہ اور قانون کے تحت سزا ہوگی۔یہ بھی ممکن ہے کہ ملائکہ نے خلیفہ کے لفظ سے استنباط کیا ہو کہ حاکم کی ضرورت تبھی ہوگی جب لوگ نافرمان ہوں اور فساد و خون ریزی کرنے والے ہوں۔ملائکہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ
اور سکھائے اس نے آدم کو نام سب کے سب پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾
پھر فرمایا بتاؤ مجھے نام ان کے اگر ہو تم سچے
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
انہوں نے کہا پاک ہے تُو نہیں کوئی علم ہم کو سوائے اس کے جو سکھایا تونے ہمیں یقیناً تو ہی
الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۳﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ
خوب جاننے والا حکمت والا ہے فرمایا اے آدم بتا انہیں نام ان کے

کہتے ہیں کہ ہم حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تنزیہہ کرتے ہیں۔ گویاجب ہم تیری تسبیح کرنے والے موجود ہیں تو پھر فساد کر کے تسبیح کروانے کی کیا ضرورت۔حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمة القرآن کلاس میں) فرماتے ہیں کہ بیشک فرشتے تسبیح وتہلیل کرتے تھے لیکن یہاں آدم کے صُلب سے اس انسانِ کامل کی پیدائش کی تیاریاں تھیں جس کی تسبیح کا تصور فرشتے نہیں کر سکتے تھے۔آپؐ ہی وہ مقربِ جنابِ الٰہی تھے جو معراج کی شب ساتویں آسمان سے بھی آگے نکل گئے جہاں جاتے ہوئے جبریل امین کے پر جلتے تھے۔قرآن کریم میں اکثر تسبیح کے ساتھ حمد کا لفظ آیا ہے گویا تیری ذات صرف عیوب سے پاک نہیں بلکہ بے شمار فضل و احسان کی وجہ سے تعریف کی مستحق بھی ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک یہ سب ہوگا لیکن انسانی وجود میں جو کمالات پوشیدہ ہیں ان کا علم ابھی تمہیں نہیں۔وہ میں ہی جانتاہوں۔

۳۲-۳۳-**اٰدم**۔ اس سے مراد پہلے خلیفہ اوراس کی نسل ہے۔ اُدَمہ سے ہے یعنی ملانا جلانا۔ گویا آدم مختلف خواص اورمختلف قویٰ کامالک ہوگا۔ حدیث میں لڑکی کودیکھ لینے کی ہدایت ہے اور وجہ یہ بتائی کہ **یؤدم بینکما**۔یعنی آپس میں محبت و اتفاق ہو۔گویا آدم کے لفظ میں محبت و اتفاق بھی ہے۔فضیلت کے معنی میں بھی ہے۔امام راغبؒ کہتے ہیں آدم کو آدم اس لئے کہاکہ اس کو عقل وفہم یعنی روح دے کر تمام مخلوقات پر فضیلت دی۔خداتعالیٰ نے آدم کو اسمائے الٰہی سکھائے یعنی صفات باری تعالیٰ کاعلم دیاقرآن کریم میں ہمیشہ صفاتِ الٰہی کے لئے اسماء الٰہی کا لفظ آیاہے۔ کہیں بھی صفاتِ الٰہی کالفظ نہیں آیا۔اس لئے کہ اسم میں اس چیز کی صفت،حقیقت اور ذات سب کچھ شامل ہوتی ہے(کلیاتِ ابوالبقاء) گویا خداتعالیٰ خود آپ کامعلم بنا۔ تاان صفات میں رنگین ہو کر آپ وصالِ الٰہی حاصل کریں اور بندگانِ خدا کی صحیح تربیت فرمائیں اوران کو بھی اسی رنگ میں رنگین کر کے

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ
پھر جب بتائے انہیں نام ان کے فرمایا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں
اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
جانتا ہوں غیب آسمانوں کا اور زمین کا اور میں جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو تم
وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
اور جو ہو تم چھپاتے اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو

محبوب حقیقی سے ملائیں۔یہی نبی کے آنے کا مقصد ہے۔ہرفرشتہ کے ذمہ ایک یا چند مخصوص کام ہوتے ہیں۔وہ خدا کی اسی خاص صفت کا علم رکھتا ہے۔جیسے موت کا فرشتہ پانی نہیں برسا سکتاجبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔اسے صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بننے کا علم دیاگیا۔ ملائکہ اس سے محروم ہیں کیونکہ علم الٰہی میں انہیں اس کی ضرورت نہیں، اسی لئے انہوں نے اپنی عاجزی اور لاعلمی کااظہارکیا۔اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ مختلف اشیا کے اسماء یاخواص سمجھنے کی صلاحیت انسان میں رکھ دی۔اسی صفت کی بدولت انسان نے دنیا کی ہر نعمت حاصل کی اور اس سے صحیح فائدہ اٹھایا۔اسی بنا پر انسان متواتر اعلیٰ ترین تحقیق اور ایجادات کر رہاہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ نام سکھانے سے مراد زبان کا علم دینا بھی ہے کیونکہ عربی میں اسماء کے معنی صفات و خواص کے بھی ہیں اور یہ عربی زبان ہی ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر نام اس شے کی خصوصیت کی بنا پر رکھا جاتاہے۔دوسری کسی زبان میں یہ صفت نہیں۔ تمام الفاظ بامعنی ہیں۔ سب سے پہلی زبان ہونے کی وجہ سے دوسری زبانوں کی ماں ہے۔ تمام زبانیں اسی سے نکلی ہیں۔ (تشریح سورة الزمر:۲۹) ملائکہ تمام کارخانۂ عالم کو بحکم خداوندی چلا رہے ہیں لیکن انسان کو ان سے بڑھ کرعلم وکمال دیا اور اشرف المخلوقات بنایا۔سو اِسے بھی اپنی اس فضیلت کو قائم رکھناچاہیئے۔عرضھم میں جمع کاصیغہ لاکر تمام بنی آدم کوشامل کیا۔

۳۴۔ **تبدون** ۔تم ظاہر کرتے ہو۔ **تکتمون** ۔ **کتم**۔تم چھپاتے ہو۔

ضروری نہیں کہ آدم نے نام ہی بتائے ہوں بلکہ حکم خداوندی سے آدمؑ نے صفاتِ خداوندی کا یا ان امور کا جن کاان کوعلم دیاگیا تھا بزبان حال اظہار کرنا شروع کیاہو اور ملائکہ پر انسانی کمال اور اس کی روحانی ترقیات کی حقیقت کھل گئی ہو۔ فرمایاکہ میں تمہاری ظاہری اور چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہوں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری صفات کی حد بندی کو خوب جانتا ہوں کہ کس حد تک تم سے صفاتِ الٰہیہ کاظہور ممکن ہے اورکس حد تک تم اس پرقادر نہیں۔چنانچہ اس نے

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ ٭۫ وَ کَانَ
آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور ہوگیا

مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۵﴾ وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ
کافروں میں سے اور کہا ہم نے اے آدم رہ تو اور بیوی تیری

ایسے وجود کو پیدا کیا جو اس کی صفات کا مظہرِ کامل بننے کے لائق تھا۔خداتعالیٰ کا کلام استعاروں میں ہوتا ہے اس لئے اس کے کلام کو انسانوں کے کلام کی طرح گمان کرنا غلط ہے۔

۳۵۔ **سجدۃ** ۔اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔**ابلیس**۔ ابلس۔ وہ شدتِ ناامیدی سے مغموم ہوا یعنی رحمت الٰہی سے سخت مایوس ہوا۔

آدمؑ کو نام سکھائے گئے اور وہ صفاتِ الٰہی کے مظہر بنے تو فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔ آپ صفاتِ الٰہی کے مجازی طور پر حامل تھے اس لئے سجدہ بھی مجازی تھا۔ سورۃ الحجر:۳۰ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی تو سجدہ کا حکم ہوا۔ گویا الہامِ الٰہی اور نبوت سے نوازے گئے تب فرشتوں کو حکم سجدہ ہوا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ سجدہ صرف خدا کے لئے ہے اور نماز کا ایک اہم رکن ہے۔پس یہ بھی مراد ہے کہ آدم کی خاطر سجدہ کریعنی آدم کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اظہار کے لئے سجدہ کرلیکن ایک سجدہ وہ ہے جو قرآن کریم میں ہے کہ ہر مخلوق اپنے خالق کو سجدہ کرتی ہے گویا قانونِ خداوندی کے تحت ہے۔یہاں محض آدم کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔کائنات کی حکمران ہستیوں کو فرمانبرداری کے لئے کہنا آدم کو کُل کائنات کا حکمران بنانا ہے گویا آدم کا مقام ملائکہ سے افضل ہے اسی وجہ سے ملائکہ کو فرمانبرداری کا حکم ہوا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تم سب کو پیدا کیا پھر ہم نے تم سب کو صورتوں میں ڈھالا پھر ہم نے ملائکہ کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو(الاعراف:۱۲)اس سے ثابت ہوا کہ آدم کے لئے وہی ہوا جو نسلِ آدم کے لئے ہوا۔آدم پر پہلا فضل و احسان باری تعالیٰ کا یہ تھا کہ اسے خود علم سکھایا گویا استعدادِ علم کا مادہ اس میں رکھ دیا، جب وہ کامل ہوگیا اور تاجِ خلافت سے سرفراز کر دیا گیا تو ملائکہ کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا یعنی ملائکہ کو یہ حکم دیا کہ آدم کے نیک ارادوں کی تکمیل میں لگ جائیں لیکن ابلیس نے انکار کیا، یہ تکبر کی وجہ سے تھا پس ابلیس کا پہلا گناہ جو قرآن کریم سے ثابت ہے تکبر ہے جس سے وہ بارگاہ الٰہی سے راندہ گیا گویا وہ خود کو بڑا سمجھتا تھا۔نیکی کے ساتھ انکساری اور فروتنی پیدا ہوتی ہے جبکہ کفر کے ساتھ انکار اور تکبر پیدا ہوتے ہیں۔جو فیضانِ الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔دوسری جگہ فرمایا کہ **کان من الجن** (کہف:۵۱) وہ

الْجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنْہَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا
اس باغ میں اور کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جہاں چاہو تم اور نہ قریب جانا

ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَاَزَلَّہُمَا
اس درخت کے ورنہ ہوجاؤ گے ظالموں سے پھر پھسلایا ان کو

جنوں میں سے تھا۔گویا ناری فطرت تھا۔اگرچہ یہ حکم کار خانۂ قدرت کی مدبر ہستیوں کو دیا گیا تھا لیکن ادنیٰ مخلوق بوجہ ملائکہ کے تابع ہونے کے خود بخود اس میں شامل تھی۔آدم کو سجدہ نہ کرنے کے ذکر میں ہمیشہ ابلیس کا نام آیا ہے جبکہ شیطان کا لفظ شیطان صفت لوگوں اور ارواحِ خبیثہ کے لئے آیا ہے اور ہمیشہ ورغلانے کے ذکر میں ہے چونکہ نفس انسان کو بُرائی کا حکم دیتا ہے اور بغاوت پر آمادہ کرتا ہے اس لئے ہر انسان کا شیطان اس کا نفس امارہ بھی ہے۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ شیطان ہر شخص کے خون میں دوڑ رہا ہے۔صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا آپؐ کے خون میں بھی؟ فرمایا ہاں! لیکن میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے وہ مجھے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کہتا۔(مسلم) پس جو شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتے اور اسے لگام دیتے ہیں ان کا شیطان ان کے تابع ہوجاتا ہے لیکن جو شیطان کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔وہ ابلیس بن جاتے ہیں اور ابلیس کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

انسان کو خیر و شر کی قدرت دی گئی ہے۔ملائکہ خیر کی تحریک کرنے والی ہستیاں ہیں تا انسان روحانیت اور اخلاق کے بلند مقام کو حاصل کرلے جبکہ ابلیس و شیطان شر کے محرک اور ترقی کی راہ سے روکنے والے ہیں۔ لیکن انہیں انسان پر کوئی اختیار و تسلط نہیں۔انسان فطرتاً نیک پیدا کیا گیا ہے لیکن خود غلط ماحول اور غلط تحریک قبول کرکے ہلاک ہوتا ہے۔انسان کو مدارج عالیہ تک پہنچانے کے لئے دونوں تحریکوں کا ہونا ضروری تھا تا وہ نیکی کی تحریک قبول کرکے اور بدی کی تحریک رڈ کرکے افضالِ الٰہی کو حاصل کرتا اور انعامات کا مستحق بنتا۔انسان کو ملائکہ پر فضیلت کا سبب یہی ہے کہ وہ بدی پر قدرت رکھتے ہوئے بدی سے اجتناب کرتا ہے۔

۳۶۔**اسکن** ۔تو سکونت اختیار کر۔سکون، حرکت و اضطراب نہ ہونا۔ٹھہر جانا۔سکونت اختیار کرنا۔**رغدا**۔ضروریاتِ زندگی سہولت اور کثرت سے ملنا۔ بافراغت ملنا۔**الظالمین**۔ظلم کرنے والے۔ظلم کے معنی حق سے تجاوز کرنے کے ہیں۔دوسروں کے حقوق دبانے یا کم کرنے، ظلم و زیادتی، کفر و شرک کرنا، اپنے نفس کے حقوق ادا نہ کرنا اور نقصان پہنچانا، یہ سب ظلم میں شامل ہیں۔

آدم کو علم و عرفان سے نواز کر، تمام کائنات پر حکمرانی کے جوہر عطا کرکے، اب جنت ارضی

سے نوازا (امام بن قیم) جہاں آرام و سکون کی زندگی تھی۔راحت و سکون کے لئے نیک ساتھی کی ضرورت تھی سو وہ بھی عطا ہوئی۔جنت کے ساتھ ہی بی بی کا ذکر کیا گویا جنت بی بی کے بغیر ادھوری تھی۔تمام مخلوق جوڑے کی محتاج ہے۔سکون و راحت کے لئے بی بی کا ہونا ضروری تھا۔اس میں اشارہ باقاعدہ نکاح کی طرف ہے جو پہلے رائج نہ تھا(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۳۰۴) چونکہ آدم زمین میں پیدا ہوئے اس لئے یہ جنت بھی ارضی ہے (امام ابو حنیفہؒ) پہلے دوسرے خطۂ زمین میں رہتے تھے اب باغ عدن عطا ہوئے جو عراق میں تھے۔(منذر بن سعید) دوسری جگہ جنت کی تشریح کی کہ اس میں تو بھوکا رہے نہ ننگا، نہ پیاسا رہے اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھائے۔ (سورۃ طٰہٰ:۱۱۹۔۱۲۰) یہاں بتلایا کہ بافراغت کھائے پیئے۔گویا انسان کی جنت ارضی یعنی ایسی متمدن زندگی کا آغاز ہوا جس میں شریعت کے ابتدائی اور موٹے موٹے اصول بتائے گئے کہ ستر پوشی کرے، اس معاشرہ میں کوئی بھوکا پیاسا نہ رہے، دھوپ سے بچاؤ کے لئے مکان وغیرہ بنا کر اکٹھے رہنے کی ترغیب دی ۔گویا روٹی پانی کپڑا اور مکان ہی زندگی کی ابتدائی ضروریات ہیں۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ عوام کے لئے یہ سب مہیا کریں اور انصاف کی فضا پیدا کریں کیونکہ وہ دنیا میں خدا کے نائب ہیں۔ حکومت تو خدا کی ہی ہے اگر اس ابتدائی حکم پر عمل ہوتا تو دولت چند ہاتھوں میں سمٹ نہ جاتی اور دنیا کی بڑی آبادی بھوک و ننگ کا شکار نہ ہوتی۔بعض نام نہاد لیڈروں نے روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے لگائے اور عوام کو بیوقوف بنایا لیکن زندگی کی اہم ترین ضرورت پانی کو بھول گئے جبکہ دنیا کا ایک بڑا حصہ صاف پانی سے محروم ہے۔

حیث شئتما میں بتایا کہ ساری دنیا سارے انسانوں کے لئے ہے جہاں سے چاہے فائدہ اٹھائے ۔مخصوص فوائد کو مخصوص قوموں اور انسانوں تک محدود کرنا خدائی منشا کے خلاف ہے۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عرب میں دوسرے مذاہب والوں کا داخلہ بند ہے حالانکہ اسلام نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔آنحضرتﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی یہاں رہتے تھے چونکہ انہیں یہاں کوئی دنیوی کشش نظر نہیں آئی اس لئے آہستہ آہستہ نکل گئے۔وجہ یہی ہے کہ وہ بے آب و گیاہ جگہ ہے دنیوی فوائد وہاں نہیں۔وہاں رہنے کا مقصد دینی فوائد حاصل کرنا ہے۔یہ اللہ کا احسان ہے کہ آنحضرتﷺ کی پیشگوئی کے مطابق BlackGold کی شکل میں تیل نکل آیا جس سے دوسری اقوام نے فائدہ اٹھایا۔تاہم عربوں کی خوشحالی کا باعث بھی ہوا۔ اب سونے کے ذخائر بھی دریافت ہو چکے ہیں۔ فی الحال ان پر کام شروع نہیں ہوا۔اس طرح

الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا

شیطان نے اُس سے پھر نکالا ان کو اُس سے کہ تھے وہ جس میں اور کہا ہم نے

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

اُترو بعض تمہارا بعض کے لیے دشمن ہے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۷﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ

اور فائدہ اُٹھانا ہے ایک مدت تک۔ پھر سیکھے آدم نے رب اپنے سے چند کلمات پھر فضل کے ساتھ

آنحضرتﷺ کی پیشگوئی ظاہر طور پر بھی پوری ہوگئی کہ اس سرزمین سے سونا نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور آپ کے ساتھی کو جنت کی بے شمار نعماء سے نوازا، لیکن تنبیہ کردی کہ اس ایک درخت کے قریب نہ جانا۔ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا جبکہ ابلیس نے انکار کیا اور وہاں سے نکالا گیا۔اس نے کہا کہ میں نسل انسانی کو سیدھی راہ سے پھیروں گا۔ان کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں سے آؤں گا تا وہ شکر گزار نہ بنیں۔یعنی بدیوں میں مبتلا کروں گا۔ (اعراف:۱۷۔۱۸) قرآن کریم میں بدی کو شجر سے تشبیہ دی ہے کیونکہ بدی بھی درخت کی طرح پھیلتی ہے۔پس اس شجر ممنوعہ سے مراد بدی کا درخت ہے۔گویا شیطان انسان کو بدی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے گا اور گمراہ کرے گا۔ فرمایا اگر تم سے غلطی ہوگئی اور کسی بدی میں مبتلا ہوگئے تو خود پر ظلم کرنے والے ہوگے اور روحانیت اور سکون قلب سے محروم ہوجاؤ گے۔گویا یہ سمجھا دیا کہ دنیوی آسائشوں سے سکون قلب نہیں ملتا۔یہ خدا کی رضا پر چلنے سے ملتا ہے جبکہ بدی کے ارتکاب سے انسان اس روحانی جنت سے محروم ہوجاتا ہے۔

۳۷۔ **ازلّ ۔ زلّ**۔ بغیر ارادہ پاؤں پھسل جانا۔بھولے سے غلطی کرنا۔**شیطٰن**۔ شطن۔ بمعنی دوری ہے۔رحمت الٰہی سے دور۔ **اهبطوا** ۔ ھبط۔اترنا۔امام راغبؒ نے لکھا کہ ھبط استخفاف کے رنگ میں اور نزل اکرام کے رنگ میں آتا ہے۔ خداتعالیٰ نے اپنے بندے کی پردہ پوشی کی اور اس کی غلطی کو ظاہر نہیں کیا۔ صرف یہ بتایا کہ آدمؑ سے کوئی لغزش ہوئی یعنی کوئی ممنوع بات تھی جو ان سے بھولے سے سرزد ہوگئی اور وہ جنت سے نکالے گئے۔یہاں جمع کا صیغہ ہے صرف آدم اور حوا نہیں بلکہ ان کے تمام متبعین نکلے اور بلندی سے پستی کی طرف آگئے اور ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ سوال یہ ہے کہ جب ان کو ہوشیار کر دیا گیا تھا تو وہ کیسے دھوکا کھا گئے۔قرآن کریم کہتا ہے کہ شیطان نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔(اعراف:۲۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ

عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۸﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا

متوجہ ہوا وہ اس پر یقیناً وہ ہی فضل کیساتھ متوجہ ہونیوالا بہت رحم کرنے والا ہے کہا ہم نے اترو

کوئی شیطان صفت منافقت کالبادہ اوڑھ کران سے آملا۔انہوں نے اعتبار کرلیا،اس کی باتوں میں آگئے اور دھوکا کھاگئے۔حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے۔اس قسم کی مثالیں عبرت کے لئے موجود نہیں تھیں۔ممکن ہے منافقین کی چالوں سے آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی ہوجس سے فائدہ اٹھا کرکسی جابرحکمران نے آپ کو وہاں سے نکال دیا ہوکیونکہ خداتعالیٰ کسی کو دھکے دے کرنہیں نکالتا۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام الحکم جلد۸ نمبر۱۸مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ۵) حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مجبوراً ملک چھوڑنا پڑتا ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ جب آدمؑ سے غلطی ہوئی اورالہامی سلسلہ وقتی طور پر بند ہوا تو وہ اس روحانی جنت سے نکالے گئے جس میں رہتے تھے۔اس سے انسانی اخلاق پر بھی اثرپڑا، بجائے پیار ومحبت کے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اورکئی ایک کمزوریوں کاشکار ہوگئے اور اُسی طرح کی زمین میں واپس آئے جہاں الہام پانے سے پہلے تھے تاوقتیکہ خدا کی طرف سے ہدایت آئی۔اس قصہ میں بتایا کہ اس دنیا کی زندگی میں شیطان تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔تمہیں خود کو اور اپنے اہل و عیال کو ہر وقت اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔اگربھول کربھی اس کے فریب میں آگئے اور گناہ کاارتکاب کرلیاتو روحانی جنت سے نکالے جاؤ گے پھر **مَعِيْشَةً ضَنْكًا** ۔(۲۰۔۱۲۵)یعنی تنگی کارزق ہوگا کیونکہ اس میں آسمانی پانی نہیں ہوگا گونعمائے دنیا ہوں مگرسکون قلب نہیں ہوگا۔

۳۸۔ **تلقّٰی**۔ لقّٰی۔کسی چیز کا پالینا۔اسی سے ملاقات ہے۔ **تاب** ۔توب۔رجوع کرنا۔ اپنے فضل سے متوجہ ہونا ۔توبہ سے مراد ضروری نہیں کہ پہلے کوئی غلطی ہوئی ہو بلکہ پہلے سے بہتر حالت کی طرف رجوع بھی توبہ ہے۔جب خدا کے لئے ہوتو مراد بندے کی طرف مغفرت کے ساتھ متوجہ ہوناہے۔اسی سے خدا کا نام تواب ہے جو مبالغہ کاصیغہ ہے۔قرآن کریم مختصر کتاب ہے۔اکثر غیرمتعلق تفصیلات چھوڑکر بندوں کی ضرورت اور مطلب کی بات بیان کرتاہے۔یہاں بھی ان بارہ سال کا ذکرنہیں جس میں حضرت آدمؑ اور بی بی حوا الگ رہے اور ابتلا کازمانہ توبہ و استغفار سے گزارا۔جب آدمؑ خداکے حضور توبہ بجالاتے رہے تو خداتعالیٰ نے انہیں کچھ دعائیہ کلمات سکھائے جن کا ذکرسورۃ اعراف رکوع ۲ میں ہے جس کے مطابق انہوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی طرف متوجہ ہوا۔یقیناً وہ مصیبت کے وقت بندوں پر بہت ہی توجہ کرنے والا اور رحم کرنے والاہے۔گویا وحی الٰہی سے دوبارہ فیضیاب ہوئے۔غلطی حضرت آدمؑ اور حوا

مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

اس سے سب کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت سو جنہوں نے پیروی کی

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ

میری ہدایت کی تو نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

کفرکیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہ لوگ آگ والے ہیں وہ

دونوں سے ہوئی لیکن کلمات سے آدمؑ کونوازا۔گویا وحی کامورد ہرانسان نہیں ہوتالیکن اتباع سب پرفرض ہے۔

۳۹۔یہاں دوبارہ اھبطوا کالفظ آیاہے جوچلے جانے کے معنی میں ہے گویا پھر آدم کو ہجرت کاحکم ہوا۔پہلے زمین میں پیدا ہوئے پھرنبوت و خلافت کے بعد جنتِ ارضی عطا ہوئی۔ایک بھول کی وجہ سے اس جنت سے نکالے گئے۔بعض آئمہ کے خیال میں بارہ ۱۲سال تک کسی خطہ زمین میں بی بی حوا سے الگ رہے۔آخراللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ کو قبول فرمایااور رجوع برحمت ہوا۔اب پھر یہاں سے جانے کاحکم ہے۔گویا پھرآپ کوفردوسِ گم گشتہ کی طرف لوٹایاگیا کیونکہ توبہ کی قبولیت کے بعدحکمِ ہجرت بطورسزانہیں بلکہ ترقیٔ درجات کے لئے ہے۔

حضرت جابرؓ ،ابن عمرؓ اور سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ آپ ھند بلکہ سراندیپ جسے آجکل سری لنکا کہتے ہیں،میں چلے گئے تھے۔یقیناً وہاں کوئی ایسی قوم آباد ہوگی جسے تبلیغ و تربیت اور ہدایت کی ضرورت ہوگی جس کی وجہ سے آپ وحی الٰہی کے تحت وہاں تشریف لے گئے۔ویسے بھی وہ خطہ اپنی سرسبزی اور شادابی میں باغِ عدن سے کم نہیں۔آدمؑ کے آثار اب بھی وہاں ملتے ہیں جیسے کوہِ آدم ،جس پر آدمؑ کے پاؤں کانشان ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہجرت کرکے مکّہ تشریف لے گئے ہوں جہاں آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی کیونکہ حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیرحضرت آدمؑ نے کی۔

یہاں نسلِ انسانی کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک قانون بنا دیاکہ خداتعالیٰ کے فرستادہ اور انبیاء ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے رہیں گے۔جو لوگ ان کی پیروی کریں گے انہیں کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔گویاغم سے بچنے کایہی طریق ہے کہ جو قوم قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے گی وہ مامون رہے گی۔ بیشک مومنوں کوبھی غم پہنچتے ہیں مگر وہ وقتی

ع٤ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۴۰ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ

اس میں رہ پڑنے والے ہیں اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمت میری

الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ‌ۚ

وہ جو انعام کی میں نے تم پر اور پورا کرو میرے (ساتھ کئے ہوئے) عہد کو میں پورا کرونگا تمہارے (ساتھ کئے

وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝۴۱ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا

ہوئے) عہد کو اور مجھی سے پس ڈرو اور ایمان لاؤ اس پر جو اُتارا میں نے مصدق بنا کر

ابتلا ہیں اور خدا کا وعدہ ہے کہ ضرور میں ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا۔

۴۰۔اس رکوع میں حضرت آدمؑ کا قصہ بیان ہوا ہے۔ہر قرآنی قصہ میں انسان کے لئے متعدد نصائح اور پیشین گوئیاں ہیں۔ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے آدم ہے۔ملائکہ جو نیکی کے محرک ہیں وہ ہر انسان کے لئے نیکی کے ممد و معاون ہیں۔پس جو لوگ ہدایت پا جاتے ہیں اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں وہ سکون اور اطمینانِ قلب حاصل کرتے ہیں اور جنتِ ارضی کے وارث بن جاتے ہیں لیکن ہر انسان کے ساتھ شیطان بھی لگا ہوا ہے جو اسے ورغلانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خواہ انسانی روپ میں ہو یا شیطانی روپ میں۔پس جو اس کے بہکاوے میں آ گیا وہ اپنی روحانی جنت کو کھو دیتا ہے۔مگر جو آدمؑ کی طرح طالبِ معافی ہوتا ہے اور اپنے رب کی طرف جھکتا ہے۔وہ اسے راضی کر کے ابدی جنت کا وارث بن جاتا ہے لیکن جو شیطان سے صلح کر لیتا ہے اور جس کی اصلاح نبوت و ہدایت سے نہیں ہو سکی، وہ واصل جہنم ہوتا ہے۔جس طرح ایک بیمار شفاخانہ سے علاج و جراحت سے ٹھیک ہوتا ہے یا کوئی گستاخ و شریر شاگرد جو پیار و محبت کی زبان نہیں سمجھتا اُس کے لئے تعزیری کاروائی ضروری ہوتی ہے۔اسی طرح ایسے کافرین کے لئے جہنم میں کچھ عرصہ گزارنا ضروری ہوتا ہے تا ان کی اصلاح ہو اور وہ جنت میں رہنے اور دیدارِ خداوندی کے قابل ہو سکیں۔حدیث میں ہے کہ دوزخ میں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی نہیں ہوگا اور نسیمِ صبا اس کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔(صحیح بخاری) بیشک جہنمیوں کا تکلیف کا دور آخر ختم ہو جائے گا لیکن وہ ان مدارج کو حاصل نہیں کر سکیں گے جو مومنین نے حاصل کئے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۴۱۔ اسرائیل۔یہ عبرانی لفظ ہے۔اسر فرمانبردار یعنی عبد اور ایل بمعنی اللہ۔ یعنی اللہ کا بندہ یا عبداللہ۔یہ حضرت یعقوبؑ کا الہامی نام ہے۔عربی میں اسر کے معنی قید کرنا ہے اسی سے اسیر ہے۔

حضرت آدمؑ کے قصہ کے فوراً بعد اس رکوع میں بنی اسرائیل مخاطب ہیں اور چودھویں

رکوع تک زیادہ تر انہیں سے خطاب ہے اور انہیں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد بنی اسمٰعیل کہلائی۔ان میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ ہوئے۔ آپ اور آپ کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔یہ دو بھائی بھائی قومیں تھیں جن کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ حکمِ خداوندی سے حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ کے قریب چھوڑ آئے تھے۔ان کی نسل عرب میں ہی رہی جبکہ بنی اسرائیل کچھ عرصہ کنعان یعنی موجودہ فلسطین میں رہے۔ حضرت یوسفؑ انہیں مصر لائے جہاں قریباً چار سو سال رہے پھر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ فرعون کے چنگل سے نکلے۔ آخر حضرت یوشعؑ کی قیادت میں فاتح کی صورت ارض مقدس میں داخل ہوئے اور ایک لمبے عرصہ تک بیت المقدس کے وارث رہے۔آنحضرت ﷺ کے ظہور سے کئی سو سال پہلے بہت سے یہودی عرب میں آ کر آباد ہو گئے تھے کیونکہ ان کی پیشگوئیوں کے مطابق نبی آخرالزمان یہیں آنے والے تھے۔ان میں بنونضیر ، بنو قینقاع اور بنو قریضہ مدینہ میں آباد تھے۔ خیبر میں یہود کی حکومت تھی اور ان کے قلعے تھے۔

قرآنِ کریم کا ہر قصہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور متعدد پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔بنی اسرائیل کے حالات میں مسلمانوں کے آئندہ حالات کا نقشہ ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ تم بھی پہلی قوموں کے قدم بقدم چلو گے۔دریافت کیا گیا یارسول اللہ! کیا یہود و نصاریٰ؟ فرمایا تو اور کون؟(ترمذی بروایت عبداللہ بن عمرؓ) جو لوگ تاریخ سے ذرا بھی مس رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ سب سے جلیل القدر صاحبِ شریعت نبی ہوئے۔ان کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ سے علیٰ روحانی اور مادی نعمتوں سے نوازا۔ان کی امت میں لاتعداد نبی ہوئے جو ان کی شریعت کے تابع بمنزلہ خلیفہ تھے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے صاحبِ مرتبہ انبیاء ہوئے جنہیں ایک عظیم الشان سلطنت سے بھی نوازا گیا لیکن اس قوم نے خداتعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے نبیوں کو جھٹلایا، انہیں دکھ دئے، بعض کو قتل کرنے کی کوشش کی، بلکہ بعض کو بزعمِ خود قتل بھی کر دیا۔آخر ان کی گستاخیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا۔اس طرح وہ قوم جو پہلے منعم علیہ تھی مغضوب علیہ بن گئی اور ان سے نبوت اور حکومت دونوں چھن گئے۔

اب مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالیے مسلمانوں نے خدائی آواز پر لبیک کہا اور قرآنی ہدایات کے مطابق ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کی۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے عملاً ایسا

کر کے دکھایا، قیصر و کسریٰ جیسے حکمرانوں کو زیر کیا اور دینی و دنیوی بے شمار نعمتوں سے نوازے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مشابہ ہیں (مکتوب امام ربانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ ۳۳ مکتوب ۲۳۴) چنانچہ آپؐ کی امت میں اَن گنت اولیاء، اقطاب اور مجددین آئے جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی اصلاح اور تربیت فرمائی لیکن آہستہ آہستہ ماسویٰ چند بنی اسرائیل کے علماء کی طرح خدائی احکام کو بُھلا کر رسم و رواج اور دنیا پرستی میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ روحانیت سے بالکل عاری ہوگئے۔ضروری تھا کہ مسیح ناصری کا مثیل بھی اسی طرح قریباً تیرہ (۱۳) سو سال بعد آتا جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے قریباً ستر احادیث میں بیان فرمائی تھی لیکن انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جھٹلا کر بالکل ہی یہود کی مشابہت اختیار کی۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا عہد کتاب استثناء ۔۲۶۔۱۷،۱۸،۱۹ میں ہے۔'' تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا اور اس کی شرعوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ تو اس کا خاص گروہ ہووے اور تو اس کے سب احکام کی محافظت کرے اور تجھے سارے گروہوں سے جنہیں اس نے پیدا کیا صفت اور عزت اور نام میں بالا کرے''۔ خدا کے شنوا ہونے کے معنی نبی آخرالزمان کو ماننے کے تھے لیکن انہوں نے انکار کرکے وعدہ خلافی کی اور تمام احکام کو توڑا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی محافظت اور حکومت کے عہد سے دست برداری اختیار کی۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بھی عہد لیا تھا کہ اللہ نے ان کے مالوں اور جانوں کو خرید لیا ہے جس کا معاوضہ جنت ہے''۔(التوبہ :۱۱۱) افسوس مسلمان بھی ہر عہد کو بھلا کر قعرِ مذلت میں گرے۔

قبولِ حق میں بڑی بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں خصوصاً غرباء کو بڑے لوگوں کا خوف ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ کسی کی پرواہ نہ کرو نہ ان سے ڈرو۔مجھ سے ہی ڈرو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام و تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روشنی میں) (شہادۃ القرآن بار دوم صفحہ ۲۹)۔(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۰ تا ۳۹۰)

۴۲۔ **ثَمَنًا** ۔ قیمت ۔ معاوضہ ۔یہود کو ہمیشہ سے تین نبیوں کا انتظار تھا حضرت الیاسؑ جو ان کے خیال میں دوبارہ آئیں گے۔ان کے بعد حضرت عیسیٰؑ پھر'' وہ نبی'' جو مثیلِ موسیٰ ہوگا۔ چنانچہ حضرت یحییٰؑ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے پوچھا! کیا تو الیاس ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر دریافت کیا کیا تو مسیح ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔پھر پوچھا کیا تو '' وہ نبی'' ہے؟ انہوں نے کہا

لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا
اُس کا جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ پہلے کافر اُس کے اور نہ خریدو
بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۖ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۲﴾ وَلَا تَلْبِسُوا
بدلے میری آیتوں کے مول تھوڑا اور مجھی سے پس ڈرو اور نہ ملاؤ
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾
حق کو ساتھ باطل کے اور (نہ) چھپاؤ حق اور تم جانتے ہو

نہیں۔یہاں '' وہ نبی'' کے لئے بائبل کی تمام کتابوں میں استثناء ۱۸۔۱۸ کا حوالہ موجود ہے یعنی مثیلِ موسیٰ نبی۔جن تین نبیوں کا انتظار تھا ان میں سے حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یحییٰؑ کو الیاس کا آنا قرار دیا۔مسیح کا دعویٰ خود کیا مگر تاریخ میں مثیلِ موسیٰ کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا۔حالانکہ نبیؐ آخرالزماں کی خبر ہر مذہب نے دی۔تورات اس نبی کے متعلق لاتعداد پیشین گوئیوں سے بھری پڑی ہے۔تاکستان والی مثال کہ جب بیٹے کو ماریں گے تو مالک خود آئے گا،سوائے رسولِ عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر صادق نہیں آتی اور نہ آج تک کسی نے ان پیشگوئیوں کا مصداق ہونے کا دعویٰ کیا۔اگر آنحضرت ﷺ مثیلِ موسیٰ کا دعویٰ نہ کرتے تو ان کی تمام پیشگوئیاں غلط ٹھہرتیں۔اس لئے بالکل ابتدائی سورۃ یعنی سورۃ مزمل میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مثیلِ موسیٰ کہا۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نبی پر کیوں ایمان نہیں لاتے جو تمہاری پیشگوئیوں کو سچا ثابت کرتا ہے۔تمام انبیاء کی پیشگوئیاں اور خصوصاً تورات کی پیشگوئیاں سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی پر چسپاں نہیں ہوتیں سوائے آپؐ کے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔حضرت موسیٰ کی پیشگوئی '' اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔''(استثناء باب ۳۲ آیت ۲) آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے فاران کی وادی سے ہی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ آتشی شریعت صرف آپ کو دی گئی۔حضرت سلیمانؑ نے آپ کا نام غزل الغزلات میں '' محمدیم'' لکھا جس کا ترجمہ اب سراپا عشق انگیز کیا گیا ہے اور اصل نام چھپا دیا۔حالانکہ اسم خاص کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔عبرانی میں یم بزرگی اور عزت کے لئے آتا ہے۔احمد کا ترجمہ فارقلیط کیا گیا۔حضرت داؤد کی پیشگوئی '' وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا ، کونے کا سرا ہوگیا۔یہ خداوند سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجیب ہے''(زبور ۱۱۸ آیت ۲۲۔۲۳) حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کے آنے کو خداوند کا آنا کہا۔پھر یہ

کہ ’’وہ جس پر گرے گا پیس دے گا اور جو اس پر گرے گا چور چور ہوگا‘‘ (متی باب ۲۱۔آیت ۳۳تا۴۳)
اس میں آپؐ کی جنگوں کا نقشہ ہے اور حضرت موسیٰؑ کی طرح آپؐ کو جلالی نبی ظاہر کیا گیا ہے۔آپؐ کو اَن گھڑا پتھر کہا کیونکہ آپؐ اُمّی تھے۔آپؐ نے خود کو کہا کہ میں ہی وہ کونے کا پتھر ہوں جسے معماروں نے رد کیا۔حضرت عیسیٰؑ کی انگورستان والی مثال میں ہے کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کا پھل لائے گی دے دی جائے گی۔(متی باب۲۱ آیت ۳۳۔۳۴) حضرت موسیٰؑ کی پیشین گوئی کہ ’’میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔‘‘ (استثناء ۱۸۔۱۸) غرض حضرت دانیالؑ حضرت یسعیاہؑ اور دیگر بہت سے انبیاء کی پیشگوئیاں آنحضرتﷺ کے لئے موجود ہیں۔اگر آنحضرتﷺ کا ظہور نہ ہوتا تو یہ سب پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوتیں۔پس قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے بائبل کی پیشگوئیاں سچ ثابت ہوئیں۔ مصدقاً میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بائبل نے بہت سی باتیں بڑھا دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس پر ایمان لے آؤ جو میں نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اتارا ہے جو تمہارے پاس ہے۔

مشرک بیشک اوّل ایمان نہیں لائے لیکن وہ جاہل تھے، تم سب کچھ جانتے ہو ،عالم ہو، اگر تم ایمان نہ لائے تو تم اوّلِ نمبر کافر ہوگے۔یعنی ایسے کافر ہوگے کہ دوسرے تمہارا اقتدا کریں گے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور دنیا کی شان و شوکت حقیر ترین شے ہے۔اسی لئے فرمایا کہ دین کے بدلے دنیا نہ لو۔قوم کی سرداری ، مادی مفادات، دنیوی عزت یا انا کے بدلے دین کو چھوڑنا گھاٹے کا سودا ہے۔دنیا کی تکالیف سے نہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

۴۳۔**تلبسوا۔لبس** ۔لباس پہنا۔کپڑے سے خود کو چھپانا۔**لاتلبسوا**۔مت ملاؤ۔

آنحضرتﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں یہودی علماء پڑھے لکھے اور متمدن تھے جبکہ عوام جاہلِ مطلق۔یہ علماء بنی اسرائیل میں نبیٔ آخرالزماں کے منتظر تھے۔یہ عوام کو توریت کی پیشین گوئیاں بتاتے۔ جب آنحضرتﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو عوام یہودی علماء سے پوچھتے جو ہمیشہ انہیں غلط راہ دکھاتے۔کبھی پرانی پیشگوئیوں کو جو دوسرے انبیاء پر پوری ہو چکی تھیں ، نبی اکرمﷺ کی پیشگوئیوں سے ملا دیتے اور کہتے کہ آپؐ پر صادق نہیں آتیں۔ بعض پیشگوئیاں وضاحت طلب ہوتی ہیں اور استعارہ کا رنگ رکھتی ہیں ان کو خلط ملط کرتے،کہتے نبی نے مقدس مقام پہ آنا ہے اور وہ بیت المقدس ہے۔کبھی کہتے بنی اسرائیل میں آنا ہے۔اس طرح حق کو باطل سے ملاتے۔جو پیشگوئیاں روزِ روشن کی طرح عیاں تھیں جو یہاں آیت ۴۲ کی

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ
اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
جھکنے والوں کے کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۵﴾
اپنے آپ کو اور تم پڑھتے ہو کتاب پھر بھی نہیں عقل کرتے تم

تفسیر میں لکھی ہیں ان کو بالکل ہی چھپا دیتے یہاں تک کہ بعض دفعہ عملاً ہاتھ رکھ کر چھپا دیتے ۔ تا عوام پر آنحضرتﷺ کی سچائی ظاہر نہ ہو اور وہ اسلام نہ لے آئیں۔حالانکہ دل میں پوری طرح آپؐ کو ہی تمام پیشگوئیوں کا مصداق سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ان کا قول درج ہے **قالوا اتحد ثو نهم بما فتح اللّٰه عليكم** (البقرہ:۷۷) کیا تم ان کو وہ باتیں بتاتے ہو جن کا علم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔ اس طرح حق کو چھپاتے۔

۴۴۔**الزکوۃ**۔ زکا۔ سرسبز ہونا۔ بڑھنا۔ اس سے زکی پاک ہے۔زکوٰۃ وہ مال جو امراء سے لے کر غرباء اور ضرورتمندوں کو دیا جاتا ہے تا باقی مال میں برکت ہو، پاک ہو، بڑھے اور آفات سے بچے۔ **ارکعوا**۔ رکع ۔جھکنا۔ارکانِ نماز میں سے ہے۔ عاجزی کرنا۔احکامِ خداوندی کے آگے گردن جھکا دینا۔ موحدانہ زندگی گزارنا۔ ارکعوا۔ تم جھکو۔ تم رکوع کرو۔

بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت کے بعد عملی احکام یعنی نماز اور زکوٰۃ کی طرف بلایا تا حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کریں جو اسلام کا اصل ہے۔ بیشک وہ اپنے طریق پر یہ احکام ادا کرتے ہوں لیکن نبیٔ آخرالزمان کے آنے کے بعد تورات کے مطابق ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور وہ نئی اور بقول ان کے آخری آتشی شریعت کے تابع ہوگئے۔ نماز کے حکم میں تمام ارکان شامل ہیں یہاں رکوع سے مراد خالص موحدانہ زندگی ہے جس کا حکم حضرت ابراہیمؑ نے دیا تھا تا ابراہیمی انعامات کے وارث ٹھہریں۔ نماز باجماعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔رکوع اسلامی نماز سے خاص ہے۔ کسی اور مذہبی عبادت میں ثابت نہیں۔

۴۵۔**اَلْبِرّ**۔ بر۔ نیکی میں وسعت ۔ عام معنی بھلائی کے ہیں۔ **تنسون۔ نَسِیَ**۔ بھولنا اسی سے انسان بھولنے والا ہے۔**تتلون**۔تلیٰ ۔ پڑھنا۔ تلاوت کرنا ۔ **تعقلون** ۔عقل۔ روکنا۔ باندھنا۔ عقل کو عقل اس لئے کہا کہ گناہوں اور بُرائیوں سے انسان کو روک دیتی ہے۔حدیث میں

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ

اور مدد مانگو بذریعہ صبر اور نماز کے اوریقیناً یہ بات البتہ شاق ہے

اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۶﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

مگر ڈرنے والوں پر (نہیں) جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ملنے والے ہیں

رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ع ۵

اپنے رب سے اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں اے بنی اسرائیل

ہے **اعقل وتوکل** ۔یعنی اونٹ کا گھٹنا باندھ پھر توکل کر۔ یعنی ظاہری حفاظت کا پورا انتظام کرپھر توکل کر۔یہاں ایک عام اصول بتایا کہ دوسروں پر نصیحت بھی اسی وقت اثر کرے گی جب نصیحت کرنے والا خود اس پر عمل پیرا ہو۔ علمائے بنی اسرائیل کو خطاب ہے جو لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرتے تھے لیکن خود مختلف قسم کی برائیوں میں ملوث تھے حالانکہ تورات پڑھتے تھے جس میں تفصیلاً نیکی کا ذکر ہے اور نبی آخرالزماں کی پیشگوئیاں ہیں۔بنی اسرائیل کے قصے میں مخاطب آجکل کے وہ علمائے سوء ہیں جو قرآن کریم کو پڑھتے ہیں لیکن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا۔دوسروں کو لمبی چوڑی نصیحتیں کرتے ہیں ، خود عمل ندارد۔ مفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کی نگاہ میں انسان سے زیادہ عزت والی ہو۔ انسان عقل کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہے لیکن جاہل ملا مذہب کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا قائل نہیں۔حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!
العقلُ اصلُ دینی ۔یعنی عقل میرے دین کی بنیاد ہے(الشفاء۔ قاضی عیاض۔ جلداوّل صفحہ۸۵)
غرض قرآن کریم ہمیشہ عقل سے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔اسلام فطرتِ انسانی اورعقل کے عین مطابق ہے۔ اگرعقل سے کام لیتے تو دینِ اسلام کی خوبیاں اورسچائیاں ان پرعیاں ہوجاتیں۔اسی طرح اس دورمیں بھی علمائے قوم اگرعقل سے کام لیتے توانہیں مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی صداقت میں کوئی شبہ نہ ہوتا۔

۴۶۔**استعینوا** ۔استعانت۔ مدد چاہنا۔**الصبر**۔صبر کے معنی ہیں مصیبت کے دکھ کا شکوہ خداتعالیٰ کے سوا کسی سے نہ کرنا۔بدیوں سے رکنا اورنیکیوں پہ ثابت قدم رہنا۔ **خاشعین** ۔ خاشع کی جمع۔خشوع یعنی عجزو انکساری اختیار کرنے والے۔قرآن کریم میں صرف خدا سے ڈرنے والوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہُواہے۔ آواز اور نگاہ کے پست ہونے پرخصوصاً بولا جاتا ہے۔
بنی اسرائیل سے خطاب ہے کہ جب تم پرحق کھل چکا تو مخالفتوں اورمصیبتوں کے ڈرسے حق قبول نہ کرنا جوانمردی نہیں۔اس کاایک ہی طریقہ ہے کہ خداتعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا مانگو ،

اپنے موقف پہ ڈٹے رہو اور ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ ، پھر خدا کے حضور گرجاؤ کہ بغیراس کے فضل کے نہ دکھوں کی برداشت ہے نہ دعا کی توفیق۔ صبر مصیبتوں میں ثابت قدمی کانام ہے ، نماز عاجزی اور انکساری کا۔گویاشدید تکالیف اور ابتلاؤں میں اصول حقہ پرچٹان کی طرح جمے رہنا عزت کی پرواہ کرنانہ قبیلے کی نہ کسی اور کی۔ صبر کے ساتھ ہی صلوٰۃ ہے یعنی خدا کے سامنے لاشئ محض کی طرح گر جاناکہ تو ہی صبروصلوٰۃ کی توفیق دے۔یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔سخت دشوار امر ہے۔سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے خدا کو ہی اپنا مولا و کارساز سمجھا ،اسی سے ڈرتے رہے اور دنیا کی کوئی پرواہ نہ کی۔
ھا کی ضمیر جو مونث ہے صلوٰۃ کی طرف جاتی ہے کیونکہ یہاں ایمان لانے کا ذکر ہے اس لئے صبر وصلوٰۃ کی تلقین کرکے صلوٰۃ کے حکم کو جاری رکھا۔آیت ۱۵۴ میں جنگوں کا ذکر ہے جنگ میں صبرمقدم ہے اس لئے یہی حکم دے کرصبر کے بیان کو جاری رکھا۔
جیساکہ اس صورت میں زیادہ ترخطاب بنی اسرائیل سے ہے تاہم مسلمانوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب بھی حق و باطل کی جنگ میں تم نے حق کو قبول کیا تو لازماً زمانے کے فرعونوں سے دشمنی مول لینا پڑے گی۔ تب نامساعد حالات میں دکھوں سے نہ گھبرانا ،نہ جزع وفزع کرنا۔ دلیری کامظاہرہ کرنا، صبر کا دامن پکڑے رکھنا۔بیشک ظلم وستم کے پہاڑتم پہ توڑے جائیں۔ صبر و صلوٰۃ سے اس گھاٹی کو عبور کرنا۔یہ سب کہنا آسان ہے لیکن جن پر گزرتی ہے وہی جانتے ہیں ، سوائے خداکے خاص بندوں کے جوصرف خداسے ہی ڈرتے ہیں ، دنیا سے قطعاً نہیں ڈرتے۔پس خدا بھی ان کے لئے آسانی پیدا کر دیتاہے۔

۴۷۔**ظن**۔ شک اور یقین دونوں کے لئے بولا جاتاہے۔عام معنی غالب خیال کے ہیں۔ کبھی شک کے لئے بھی بولا جاتاہے۔نیکیوں کی طرف رغبت اوربرائی سے نفرت کی سب سے بڑی وجہ اپنے رب سے ملاقات کایقین ہے۔ گویا وہ دنیا میں بھی اپنے رب سے ملاقات کایقین رکھتے ہیں اور آخرت میں بھی لقائے الٰہی کے امیدوارہیں۔یہ خاشعین کی تعریف ہے جن کی نظر میں دنیا اور دنیا کی رنگینیاں ،عزتیں اور دولتیں حقیر ترین شے ہیں اور وہ دنیامیں ہی اپنے رب کی لقا کو پالیتے ہیں۔

۴۸۔**عالمین** ۔عالم کے معنی تمام دنیاکے علاوہ اپنی معلوم دنیاکے بھی ہیں۔یعنی جس محدود دنیامیں وہ رہتے تھے اورجس میں نبی مبعوث ہوا۔ پہلے ان کی پیشگوئیوں کی طرف ان کو توجہ دلائی۔اب وہ لاتعداد انعامات یاد دلائے جوایک لمبے عرصہ تک ان پر ہوتے رہے۔وہ اپنے زمانہ

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ
یاد کرو نعمت میری وہ جو انعام کی تھی میں نے تم پر اور یہ کہ

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ
فضیلت دی تھی میں نے تم کو تمام دُنیا پر اور ڈرو اس دن سے کہ نہیں کام آئے گا

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا
کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس سے سفارش اور نہ

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ
لیا جاوے گا اس سے معاوضہ اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے اور جب نجات دی ہم نے تم کو

کی اعلیٰ ترین قوم تھی جو بندگانِ خدا کی امامت و ہدایت کے لئے چنی گئی۔انہیں نبوت بھی ملی اور حکومت بھی۔ ہرطرح کے صاحبِ کمال لوگ ان میں پیدا ہوئے لیکن ایک لمبے عرصہ بعد بگڑتے بگڑتے یہاں تک قعرِ مذلت میں گری کہ جب ان کی اپنی پیشگوئیوں کو سچا ثابت کرنے والا خداتعالیٰ کا فرستادہ آیاتواس کو جھٹلا دیا۔اگر آپؐ پر ایمان لے آتے تو اپنی پیشگوئیوں کے مطابق دوبارہ انعامات سے نوازے جاتے، جس طرح بہت سے ایمان لائے اور نوازے گئے۔عادت اللہ یہی ہے کہ بنی اسرائیل کو کہتا اور مسلمانوں کو سناتا ہے۔یہاں بھی مسلمانوں کو خداوندتعالیٰ کی بے حساب نعمتیں یاد دلائیں،جن کو گننا چاہو تو گن نہ سکو۔ مسلمانوں نے جب تک کتابِ الٰہی کو اپنا رہنما بنائے رکھا تمام دنیا پر حکمرانی کی لیکن جب کتاب اللہ سے منہ موڑ کر دنیا پر جھپٹے تو دنیا ملی نہ دین رہا۔ جب ان کی اپنی ہی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود و مہدیٔ دوراں آیاتو اس کی تکذیب کرکے موردِ غضبِ الٰہی ہوئے۔

۴۹۔ **تجزی** ۔ جزا ۔ بدلہ دینا۔کام آنا۔**شفاعة**۔ شفع کے اصل معنی ایک چیز کو ویسی ہی دوسری چیز سے ملا دینا یا دوسرے سے اس کی مدد کرتے ہوئے مل جانا ہے۔اکثر استعمال یہ ہے کہ اعلیٰ عزت والا ادنیٰ درجہ والے کے ساتھ اس کی مدد کے لئے مل جائے۔قیامت کو شفاعت اسی رنگ میں ہوگی۔ **عدل** ۔ انصاف ۔بدلہ۔ معاوضہ کے لئے بھی آتا ہے۔

فرمایااللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے زمانہ میں بے حد فضیلت سے نوازا۔بجائے اس کے کہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے،تم نے گناہوں پر دلیری کے لئے طرح طرح کے بہانے تراش لئے۔بنی اسرائیل میں قربانی کا حکم تھا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ بھیڑ،بکری یا کسی اور جانور کی قربانی سے نفس کی قربانی کی طرف توجہ دلائی جائے لیکن انہوں نے محض ظاہری قربانی کو ہی

کافی سمجھا،اور قربانی کی روح کو بھول گئے اوراس عقیدہ پر قائم ہوگئے کہ یہ قربانیاں ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں۔مختلف انبیاء نے ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ خلوص دل سے توبہ اور آئندہ اعمال کی درستگی ہی گذشتہ گناہوں کو معاف کرنے کا ذریعہ ہے۔نصاریٰ ان سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے اور مسیحؑ کی صلیب پر موت کو تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ مان لیا۔قرآن کریم نے ان کے باطل عقائد کی تردید کی کہ کوئی جان کسی جان کا بدلہ نہیں ہوسکتی اور نہ قیامت کو کوئی کسی کے کام آسکتا ہے۔دوسرا ان کا غلط عقیدہ شفاعت کے متعلق تھا۔ان کا دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر نبی کی اولاد ہیں اور بے شمار اولیاء و انبیاء ہمارے آباء و اجداد میں سے گزرے ، اس لئے اوّل تو ان کی شفاعت سے بخشے جائیں گے ورنہ چند روزہ سزا ہوگی۔اس عقیدے نے انہیں گناہوں پر دلیر کردیا۔اسلام شفاعت کا قائل ہے لیکن ایسی شفاعت نہیں جس کے نتیجہ میں گناہوں کی راہ ہموار ہو۔آنحضرتﷺ کی شفاعت اس رنگ میں ہوگی کہ اِذنِ الٰہی سے بعض مومنین کے نیک اعمال کی کچھ کمی پوری کر دی جائے گی۔گویاشفاعت کے لئے بھی اعمال چاہئیں۔

تیسری غلط فہمی یہ تھی کہ گنہگار اپنے گناہوں کا کفارہ دے کر اخروی سزا سے بچ سکتا ہے۔ کسی گناہ کے سرزد ہونے پر پادری ان کے لئے کچھ سزا یا روزے وغیرہ مقرر کر دیتا اور وہ اس سزا کو بھگت کر اپنے زعم میں گناہوں سے پاک ہوجاتے۔اسلام نے بعض غلطیوں کا کفارہ مقرر کیا ہے لیکن یہ وہ غلطیاں ہیں جو عبادت کی ظاہری شکل میں کسی بھول کی وجہ سے ہیں۔خدا یا خدا کے بندوں کی حق تلفی کے معاملہ میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ مثلاً حج میں کوئی رکن رہ گیا تواس کے بدلہ میں کسی اور نیکی کا حکم دے دیا تا آئندہ بھول چوک سے بچے مگر قاتل کے لئے کوئی رعایت نہیں۔ غرض بتایا کہ ان باطل عقیدوں سے گناہ معاف نہیں ہوں گے۔ اسلام نے ابدی نجات کا ایک ہی راستہ بتایاہے کہ سچے دل سے اس صداقت کو قبول کریں ،پچھلے گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ ہرگناہ سے بچنے کی پوری پوری کوشش کریں۔انہوں نے دنیامیں بھی یہ نظارہ دیکھ لیا کہ کوئی ان کے کچھ کام نہ آیا۔ سفارش سنی گئی نہ معاوضہ قبول ہوا اور نہ کوئی مدد پہنچی۔ پہلے عرب سے پھر ملک ملک سے ذلیل وخوار ہوکر در بدر ہوئے۔بعینہٖ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے دعوے کو بھلا کر مسلمانوں کوکبھی سپین سے اور کبھی اپنی باقی مملکتوں سے بذلت ہزار نکلناپڑا یا دست بردار ہوناپڑا۔

۵۰۔**نجّینا**۔ نجات۔ہم نے نجات دی۔ **اٰل** معزز لوگوں کے لئے اور اہل معزز اور غیرمعزز دونوں کے لئے استعمال ہوتاہے۔ **فرعون** ۔مصر کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے۔

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

فرعونیوں سے (وہ) پہنچاتے تھے تم کو بُرا عذاب ذبح کرتے تھے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

بیٹوں کو تمہارے اور زندہ رکھتے تھے عورتوں کو تمہاری ، اور اس میں ابتلاء تھا تمہارے

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

رب کی طرف سے بڑا اور جب پھاڑا ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھر نجات دی ہم نے تم کو اور

اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا

غرق کر دیا ہم نے فرعونیوں کو اور تم دیکھ رہے تھے اور جب وعدہ کیا ہم نے

یہ فرعون رعمسیس ثانی تھا۔ **یسومون۔السّوم** پہنچانا۔اکثر دکھ اور تکلیف پہنچانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔**یذبّحون** ۔ ذبح ۔ ہلاک کرنا۔ **بلآءٌ**۔آزمانا۔ رنج وخوشی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ دونوں طرح اللہ تعالیٰ آزماتا ہے۔ **سوٓء العذاب**۔ شدید دکھ۔

بنی اسرائیل پر خداتعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات میں سے یہ بھی ایک تھا کہ فرعون کے ظلم وستم سے نجات بخشی۔ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے وقت رعمسیس ثانی فرعونِ مصر تھا۔بنی اسرائیل وہاں غلامانہ زندگی بسر کرتے تھے۔اس نے خاص طور پر یہ ظالمانہ حکم دیا کہ ان کے بیٹے ہلاک کئے جائیں اور بیٹیاں زندہ رکھی جائیں تا انہیں کبھی سراٹھانے کی جرأت نہ ہو اور ان کی نسل تباہ ہو۔ان سے کھیتوں میں اور عمارتیں بنانے میں بیگار کام لیتا۔اہرامِ مصر اِن فراعنہ کے بیگار اور ظلم وستم کی منہ بولتی تصاویر ہیں۔غرض ان کی زندگی انتہائی تلخ تھی۔ظاہر ہے یہ خدا کی طرف سے بنی اسرائیل پر کڑی آزمائش کا وقت تھا۔

۵۱۔ **فرقنا**۔ فرق ۔علیحدہ ہونا۔ **تنظرون**۔ نظر ۔دیکھنا۔

قرآن کریم مختصر کتاب ہے اکثر لمبے عرصہ کے واقعات چھوڑ کرنتیجہ بیان کرتا ہے۔یہاں بھی لمبے عرصہ کے دکھ اور وعظ چھوڑ کرنتیجہ بتایا کہ حضرت موسیٰؑ بحکم وحی اپنی مظلوم قوم کو رات کے وقت مصر سے نکال کر یروشلم کے لئے روانہ ہوئے۔وہ ہزاروں تھے۔اس وقت کے فرعون منفتاح نے اپنے امراء و وزراء اور فوج کے ساتھ آپ کا تعاقب کیا اور خلیج سویز پر آپ کو آلیا۔اس پر اسرائیلی گھبرائے کہ ہم تو پکڑے گئے آپ نے سمندر پر اپنا سونٹا مارا۔بحکم خدا سمندر پھٹ گیا۔ پانی دونوں طرف ٹیلوں کی طرح بلند ہوگیا اور درمیان میں خشک راستہ نکل آیا۔اس جگہ جہاں سے حضرت موسیٰؑ گزرے یہ نظارہ عموماً نظر آتا رہتا ہے۔ مدّ وجزر کی وجہ سے لہریں بیس بیس فٹ اوپر

مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ

موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنایا تم نے بچھڑا (معبود)

بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

پیچھے اس کے اور تم ظالم تھے پھر درگذر کیا ہم نے تم سے بعد

ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

اس کے تاکہ تم شکر کرو اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور

الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

فرقان تاکہ تم ہدایت پاؤ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو

اٹھ کر پیچھے ہٹتی ہیں تو ریت نظر آنے لگتی ہے۔جب واپس آتی ہیں تو پانی مل جاتا ہے۔غرض آپ اپنی قوم کو اس خشکی کے راستہ سے نکال لائے۔فرعون نے بھی اپنے گھوڑے اور رتھ وغیرہ اس میں ڈال دیئے لیکن دلدل میں پھنستے پھنساتے درمیان تک ہی پہنچے تھے کہ سمندر مل گیا اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے غرق ہوا۔خلیج سویز انتہائی شمال میں قریباً ایک کلومیٹر چوڑی ہے۔قریباً نصف میں پہنچ کر ڈوبے ہوں گے۔ظالم و جابر لوگوں پہ خدا کا عذاب نازل ہوتا ہی رہتا ہے لیکن جس طرح فرعون اپنے ساز و سامان اور لاؤ لشکر سمیت ان بے بس اور کمزور مظلوموں کی آنکھوں کے سامنے کیفرکردار کو پہنچا، تاریخ میں ایسے عبرت آموز واقعات کم ہی گزرے ہوں گے۔سمندر جوار بھاٹا سے پھٹا ہو یا بقول تورات آندھی سے ،یہ ایک بہت بڑا معجزہ اور الٰہی تقدیر تھی جو فرعونیت تباہ ہوئی۔ورنہ یہ کسی انسان کے بس میں نہ تھا۔(خروج باب ۱۴ آیت ۲۱ تا ۳۱)۔(تفسیر کبیر حضرت مصلح الموعودؓ صفحہ ۴۱۸۔۴۱۹ سے استفادہ کیا گیا) مثیلِ موسیٰ آنحضرت ﷺ کو بھی ہجرت کے موقع پر خداتعالیٰ نے آندھی ہی کی وجہ سے کافروں کے نرغہ سے رات کو بسلامت نکالا۔جنگ بدر میں بھی مٹھی بھر کنکریاں مارنے پر خداوند کریم کی طرف سے آندھی ہی چلائی گئی جس سے جنگ کا پاسا پلٹا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی ۔بالآخر جب تمام عرب اکٹھے ہوکر جنگ خندق میں چڑھ آئے تو بھی آپؐ مع مومنین بظاہر آندھی کی وجہ سے ہی بفضلہٖ تعالیٰ بچائے گئے۔

۵۲تا۵۴۔ **وٰعدنا**۔باب مفاعلہ کا لفظ ہے۔یعنی ایک دوسرے سے وعدہ کیا۔ **موسیٰ**۔ عبرانی لفظ ہے۔ **مو**۔بمعنی پانی۔ شے بمعنی چیز یعنی پانی کا بیٹا۔ **فرقان**۔فرق کرنے والا۔حق و باطل میں تمیز کرنے والا۔دلائل وبرہان اور کھلے کھلے نشان۔

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے صاحب شریعت اور نہایت بلند مرتبہ نبی تھے۔والد عمران اور بڑے بھائی ہارونؑ نبی تھے جو آپ سے تین سال بڑے تھے۔بڑی بہن مریم تھیں۔والدہ ملہمہ

تھیں۔ آپ ساڑھے تیرہ سو سال قبل مسیح رعمسیس ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے آپ کا سب سے بڑا کارنامہ خدائی حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا اور انہیں ایک شریعت دینا تھا۔ آنحضرت ﷺ آپ کے مثیل تھے اِس لئے قرآن کریم میں آپ کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ کنعان کے راستہ میں دشتِ سینا سے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس دن کیلئے کوہ طور پر جانے کا حکم دیا۔ آپ حضرت ہارونؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کو دامنِ کوہ میں چھوڑ کر خود اوپر گئے تا خدا کے احکام سنیں آپ تیس دن کا بتا کر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بڑھا کر چالیس دن کر دیئے۔ عبادت کے لئے راتیں مخصوص ہوتی ہیں اس لئے چالیس راتیں کہا۔ یہ وہ عبادت و خلوت کا زمانہ تھا جب تورات کے احکام نازل ہوئے۔ تاہم پوری توریت نازل نہیں ہوئی۔ کوہ سیناء، جسے آجکل جبلِ موسیٰؑ کہتے ہیں، کی چوٹی پر وہ غار آج بھی مرجع خلائق ہے جہاں آپ نے سوا ماہ کی چلہ کشی فرمائی۔ جب تیس دن بعد آپ واپس نہ آئے تو آپ کی قوم گھبرائی کہ یا تو موسیٰؑ فوت ہوگئے ہیں یا کوئی اور خطرناک مسئلہ درپیش ہے۔ بنی اسرائیل چار سو سال تک مصریوں کے ساتھ رہے تھے جو گائے کی پوجا کرتے تھے۔ لہٰذا کئی غلط عادات کا شکار تھے۔ سامری نامی ایک سنار نے قوم کے زیورات اکھٹے کئے اور سونے کا ایک بچھڑا بنایا جس میں سے آواز نکلتی تھی اور کہا کہ یہی موسیٰؑ کا رب ہے۔ چنانچہ لوگ اس کے فریب میں آگئے اور اس کو پوجنے لگے۔ حضرت ہارونؑ نے انہیں ہر طرح سمجھایا اور منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور واپسی کا حکم دیا۔ آپ احکامِ الٰہی لے کر لوٹے اور سخت ناراض ہوئے۔ خداتعالیٰ بھی شدید ناراض ہوا لیکن حضرت موسیٰؑ کی دعا و الحاح سے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا تا شکر گزار بندے بنیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس قوم کو ہدایت دینا چاہتا تھا لیکن اپنی پے درپے نافرمانیوں سے یہ قوم بار بار ظلم و شرک میں مبتلا ہوتی رہی۔ افسوس! کتاب و فرقان کا نزول بھی ان کی ہدایت کا موجب نہ بنا۔ فرقان میں حضرت موسیٰؑ کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔

۵۵۔ **نفس** ۔روح ۔خود انسان ۔بھائی بند۔ **باری**۔ اللہ تعالیٰ کا نام۔ اس طرح پیدا کرنا جس کا پہلے نمونہ نہ ہو۔ عام طور پر باری روح کو پیدا کرنے والا ہے اور خلق عام ہے۔

اس وقت جبکہ تورات نازل ہو رہی تھی بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کر کے خداتعالیٰ کی سخت نافرمانی کی۔ بجائے اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرنے کے، اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اے میری قوم یقیناً تم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر بسبب اپنے بنانے کے بچھڑا

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

پس توبہ کرو آگے اپنے خالق کے پھر قتل کرو اپنی جانوں کو یہ بہتر ہے تمہارے لیے

عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۵﴾

نزدیک تمہارے خالق کے پھر اس نے فضل کیساتھ توجہ کی تم پر یقیناً وہ ہی بہت فضل سے متوجہ ہونیوالا بہت رحم کرنیوالا ہے

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم تجھ پر یہاں تک کہ دیکھیں ہم اللہ کو

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ ثُمَّ

آمنے سامنے تب پکڑا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے پھر

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَظَلَّلْنَا

اٹھایا ہم نے تم کو بعد تمہاری موت کے۔ تاکہ تم شکر کرو اور سایہ کیا ہم نے

بے جان بچھڑے کی پرستش کی۔ حضرت موسیٰؑ نے صورت حال دیکھی تو سخت ناراض ہوئے۔ اس پر ان کی قوم نادم ہوئی اور معافی کی خواستگار ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ نے خداتعالیٰ سے معافی کی درخواست کی تو مجموعی طور پر ان کو معافی مل گئی۔ ہاں آئمۃ الکفر پر فردِ جرم عائد ہوئی اور قتل کئے گئے تا آئندہ گناہوں پہ دلیری نہ ہو۔ **فاقتلوا انفسکم** کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنوں کو قتل کرو۔ چنانچہ وہ اپنوں کے ہاتھوں سے قتل کئے گئے تا ایسا نہ ہو کہ قبیلوں میں انتقام کا سلسلہ شروع ہوجائے۔ دینی جرائم میں ہمیشہ اکابرِ قوم، سردار یا علمائے دین ہی عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ عوام اپنی جہالت کی وجہ سے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ لہٰذا سزا کے مستحق بھی وہی ہیں۔ بیشک قتل نفس اپنی خواہشوں کو مارنا، گناہوں کو ترک کر کے خود پر ایک موت طاری کرنا بھی ہے جس کے بعد ایک نئی روحانی زندگی عطا ہوتی ہے لیکن حقیقت میں بھی بنی اسرائیل کے چند آئمۃ الکفر بطور سزا قتل کئے گئے۔ فرمایا! یہ امر تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ جب انہوں نے بحکم الٰہی معاشرے کو ان گندے ناسوروں سے پاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی تمام لغزشوں سے درگزر فرمایا۔

۵۶۔۵۷۔ **جھرۃ** ۔کھلم کھلا ۔ظاہر۔ **بعثنا۔ بعث** کا لفظ نیند، بیہوشی اور موت سے اٹھنے پر بولا جاتا ہے۔ **الصّٰعقۃ**۔ ہولناک آواز جو بجلی گرنے کے بعد یا زلزلہ یا بادتند سے پیدا ہوتی ہے۔ خطرناک عذاب۔

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا

تم پر بادل کا اور اُتارا ہم نے تم پر من اور سلوٰی (اور کہا) کھاؤ

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

پاکیزہ چیزوں سے جو دیں ہم نے تمکو اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر ولیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ہی

يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

ظلم کرتے اور جب کہا ہم نے داخل ہو جاؤ اس بستی میں پھر کھاؤ

قوم کے منتخب ستر احبار کو لے کر حضرت موسیٰؑ دامنِ کوہ طور میں گئے۔کوہِ سینا کی یہ چوٹی ہمیشہ بادلوں سے ڈھکی رہتی ہے اور ۷۳۶۰ فٹ بلند ہے۔اسی لئے بائبل میں ہے کہ موسیٰؑ بادلوں میں غائب ہوگیا۔اس وقت آتش فشانی ہو رہی تھی بجلیاں چمک رہی تھیں۔انہیں اوپر جانے کی اجازت نہ ملی۔وہ اپنی پرانی گستاخانہ روش پر اتر آئے کہ تمہارے کہنے سے کہ خدا تم سے کلام کرتا ہے ، ہم نہیں مان سکتے ۔ہمیں کھلم کھلا خدا دکھاؤ۔یہ گستاخی اور شرارت کی انتہا تھی۔وہ ہزاروں بار خدا کے فضل واحسان کا مشاہدہ کر چکے تھے۔فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰؑ کا مع اپنے ساتھیوں کے بچ نکلنا خدا کے وجود پر کوئی کم شہادت نہیں تھی۔اس بے آب و گیاہ صحرا میں سامانِ زیست کا مِل جانا کیا خدا کے ثبوت کے لئے کافی نہ تھا۔بیشک حضرت موسیٰؑ نے بھی خدا کو دیکھنا چاہا لیکن وہ محض پیار اور عشق کی انتہا تھی جیسے ایک عاشق پردے کے پیچھے سے رازو نیاز کی باتیں کرتا کرتا اپنے معشوق کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب ہو جائے لیکن یہاں سراسر گستاخی تھی کہ جب تک خدا نظر نہ آئے، ایمان نہیں لائیں گے۔خداوند تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی۔ شدید زلزلہ سے ایک ہولناک آواز آئی اور وہ قہرخداوندی کو دیکھ رہے تھے۔اس کڑکے اور زلزلے سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہے۔فرمایا پھر ہم نے تمہیں موت کے منہ سے نکال کر زندگی عطا فرمائی اور تم ہوش میں آگئے تا تم شکر کرو۔یہ بھی معنی ہیں کہ بجلی ان پر گری ، وہ موت کے مشابہ ہوگئے اور امیدِ زیست نہ رہی۔جن پر بجلی گرتی ہے ان پر اکثر گہری بیہوشی طاری ہوجاتی ہے۔پھر خدا کا فضل ہوا کہ بچ گئے۔ مجمع البحار میں ہے جس پر صاعقہ گرے اس پر غشی ہو یا اچانک مرجائے تو دفن میں جلد بازی نہ کی جائے بلکہ تین دن تک دفن نہ کیا جائے جب تک سڑ جانے کا ڈر نہ ہو۔

۵۸۔ **منّ**۔ بھاری نعمت۔عرف عام میں شبنم کی طرح کی میٹھی چیز جو عراق اور عرب وغیرہ میں رات کو پتھروں اور جھاڑیوں پر گر کر شہد کی طرح گاڑھی ہو کر جم جاتی ہے۔ بطور مقویؑ اور لذیذ

غذا ، لوگ آجکل بھی اسے کھاتے ہیں۔گنے کی شکر سے پہلے مٹھائیوں وغیرہ میں استعمال ہوتی تھی۔ اس کی افادیت مسلّم ہے۔ اَطبّاء اسے کاربوہائیڈریٹ سے بھرپور غذا تسلیم کرتے ہیں۔اسے ترنجبین بھی کہتے ہیں۔ کھمبی ، بیر اور پیلو وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ غرض وہ چیز جو بغیر محنت ملے۔ **سلوٰی** بٹیر کی مانند سفید پرندے۔ **ظللنا** ۔ظِل۔ سایہ ۔جہاں سورج نہ پہنچے ۔فَیٔ۔وہ سایہ جو دھوپ سے رکاوٹ ہو۔ **غمام**۔ **غمہ** سے ہے۔ معنی ڈھانپنا ۔جس طرح غم خوشیوں کو ڈھانپتا ہے اسی طرح بادل کو غمام کہا جو آسمان کو ڈھانپتا ہے۔ **طیب**۔پاکیزہ ۔جو سڑا بسا نہ ہو۔شرعی لحاظ سے طیب طعام وہ ہے جو جائز طریقے، جائز انداز اور جائز جگہ سے لیا جائے نیز حفظان صحت کے لحاظ سے ٹھیک ہو۔ہر حلال چیز ہر انسان کے لئے طیب نہیں۔

قرآن کریم بنی اسرائیل کو دو ہزار سال پہلے کے واقعات یاد دلاتا ہے حالانکہ ان عرب کے یہود نے حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کی نہ ان پر بجلی گری نہ انہوں نے گوسالہ پرستی کی اور نہ ان پر عذاب نازل ہوا۔پس ان واقعات کو یاد دلانے کا مقصد ایک تو بنی اسرائیل کو ان کوتاہیوں سے روکنا تھا جو ان کے آباء و اجداد ایک نبی کے معاملہ میں کر چکے تھے۔تا یہ اس نبی کے ساتھ ان کوتاہیوں کو نہ دہرائیں۔دوسرا چونکہ آپؐ مثیلِ موسیٰؑ تھے اس لئے ان تمام قصوں میں پیشگوئیاں مضمر تھیں۔ کہ آپؐ اور آپؐ کی امت کو بھی یہی حالات پیش آنے والے ہیں۔چنانچہ آپؐ کے لئے بھی خداوند تعالیٰ نے بوقت ضرورت غزوہ بدر اور غزوہ احزاب میں بارش اور آندھی سے مومنوں کو ہلاکت سے بچایا۔آپؐ کی دعا سے قحط بھی دور ہوا۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو فرعون کے مظالم سے رہائی دلائی اسی طرح آنحضرتﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنے متبعین کو اہل مکّہ کے ظلم وستم سے رہائی دلائی۔آپؐ کی بہت سی مماثلتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم مماثلت ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی پیشین گوئیوں کے مطابق یہود کی اصلاح کے لئے حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے۔اسی طرح امتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے بھی آنحضرتﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔جس طرح حضرت عیسیٰؑ اپنے گاؤں ناصرہ کی نسبت سے ناصری کہلائے۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اپنے گاؤں قادیان کی نسبت سے قادیانی کہلائے۔غرض ان واقعات کو دہرانا عبرت کے لئے تھا کہ سبق حاصل کریں۔

فرعون کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جنگل وصحرا کی کھلی فضا میں رکھا تا ان میں جرأت و بہادری پیدا ہو اور سپاہیانہ زندگی گزار کر اس قابل ہوں کہ فلسطین کو فتح کرسکیں۔

مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ

اُس سے جہاں چاہو تم بافراغت اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور

قُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ‌ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۹﴾

کہو گناہ جھڑ جائیں ہم بخش دیں گے تمہارے لیے غلطیاں تمہاری اور ضرور زیادہ دیں گے محسنوں کو

فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ

پھر بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو خلاف اس کے جو کہی گئی تھی ان کو

فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا

پس اتارا ہم نے ان پر جنہوں نے ظلم کیا عذاب آسمان سے بسبب اسکے کہ تھے وہ

يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ

اطاعت سے نکلتے اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے اپنی قوم کے تو کہا ہم نے کہ مار

ع ۶ ۶

شدید گرمی میں وہ پانی اور خواک کے بغیر بھوکوں مرجاتے لیکن خداتعالیٰ کے حکم سے بادل آتے اور بارش ہوتی جس سے نہ صرف پانی کی ضروریات پوری ہوتیں اور گرمی میں کمی ہوتی بلکہ کھمبی وغیرہ کی قسم کی مختلف خودرو جنگلی سبزیاں اگتیں اور شبنم کی صورت من بھی نازل ہوتا۔ ہریالی پر بٹیر کی قسم کے پرندے آتے جن کا شکار کرتے ۔ عام خوراک میں انسان کو پانی ، گوشت ، سبزی، شکر اور کاربوہائیڈریٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سلویٰ بطور گوشت ، من اور کھمبی وغیرہ بطور سبزی، شکر اور کاربوہائیڈریٹ مہیا کیا ۔ گویا گرمی بھوک اور پیاس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیااور ایک لمبے عرصہ تک غذائی ضروریات کا انتظام فرمایا۔ مگر انہوں نے ظلم کیا۔ تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں ذخیرہ کرنے سے روکا تھا تا توکّل بڑھے اور تازہ و طیب غذا سے صحت بھی اچھی رہے لیکن انہوں نے ذخیرہ کیا، بے تحاشا کھایا اور پھر ذخیرہ کی ہوئی باسی اور سڑی بُسی چیزوں کو کھایا۔ بٹیر میں طبی لحاظ سے طاعون کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے نافرمانی سے غیر طیب سڑی ہوئی غذا کھائی تو ان نافرمانیوں کی سزا طاعون کی صورت میں ظاہر ہوئی اور قوم کا خاصہ حصہ طاعون سے ہلاک ہوا۔ یہ ان کا اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم تھا۔ آج بھی مہینوں کے ذخیرہ کئے ہوئے کھانے اور بے تحاشہ کھانے کی عادتیں جن سے بیماری اور مٹاپا لازم ہے ، ان احکام کے خلاف ہیں۔

۵۹-۶۰ - **القرية** - قری۔ جمع کرنا۔ قریہ بستی کو کہتے ہیں جہاں لوگ اکھٹے رہتے ہوں۔ **حطّةٌ** - بوجھ ہلکا کرنے کی درخواست - مفردات میں ہے ہمارے گناہوں کو معاف کرکے ہمارے بوجھوں کو اتار۔ **رجزًا**- عذابِ شدید۔

بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ؕ

اپنا سونٹا پتھر پر پس پھوٹ پڑے اس سے بارہ چشمے -

قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ

یقیناً جان لی سب آدمیوں نے اپنے (پانی) پینے کی جگہ (تب انہیں کہا گیا) کھاؤ اور پیو رزق سے

اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۱﴾ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ

اللہ کے اور نہ فساد کرو زمین میں مفسد بن کر اور جب کہا تم نے

مصر سے کنعان جاتے ہوئے راستہ میں کئی بستیاں آتی ہیں۔ انہی میں سے کسی بستی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کی اجازت دی تا وہ کچھ دیر شہری زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں لیکن تاکیداً کہا کہ فرمانبردار ہو کر داخل ہوں۔ ایسے اخلاق دکھائیں جو ایک نبی کی امت کے شایانِ شان ہوں اور نقصِ امن کے مرتکب نہ ہوں۔ **حطّةٌ** کہتے ہوئے جاؤ۔ یعنی معافی مانگتے ہوئے عاجزی سے داخل ہو ، تا مزید انعامات سے نوازے جاؤ ۔ مگر افسوس انہوں نے خدائی احکام کو تمسخر میں اڑادیا اور **حنطةٌ** یعنی گندم کی رٹ لگائی گویا استغفار کرکے آسمانی مائدہ مانگنے کے بجائے ان کی نظر زمینی چیزوں پہ ٹک گئی اور خدا سے تعلق توڑ کر معمولی روٹی کا مطالبہ کرنے لگے جس کے نتیجہ میں مختلف قسم کی بدکاریوں میں مبتلا ہوئے اور آسمانی عذاب کو دعوت دی جو طاعون کی شکل میں نازل ہوا اور بے شمار ہلاک ہوئے۔ ابتدائی مذاہب میں زیادہ تر کھانے پینے کی ہی دعائیں ہیں۔ عیسائیت میں بھی سب سے بڑی دعا روزانہ روٹی کے لئے ہی ہے۔

۶۱ - **استسقٰی** - اس نے پانی مانگا۔ اسی سے سقّہ ہے۔ **ضرب** - مارنا۔ چلنا۔ **عصا** - سونٹا۔ جماعت۔ **فجرت** - فجر۔ پھٹ جانا۔ اسی سے فاجر اور فجور ہے۔ دیانت کے پردے کو پھاڑنے والا۔ **فجرت**۔ پھوٹ نکلے۔ **عينًا** - **عين**۔ آنکھ۔ پانی نکلنے کی جگہ - چشمہ۔ **تعثوا** - عثٰی - فساد میں حد سے گزرنا۔

بنی اسرائیل دشتِ سینا میں ایسے علاقے سے گزرے جہاں بادل یاپانی نہ تھا۔ پانی کی سخت ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت موسیٰؑ نے خداتعالیٰ سے پانی کے لئے دعامانگی۔ خداوندتعالیٰ نے الہام کیا کہ فلاں پتھر پر اپنا سونٹا مار۔ تب قدرتِ خداوندی سے معجزانہ طور پر بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور بغیر کسی جھگڑے کے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے اپنے اپنے گھاٹ تجویز کرلئے۔ حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمة القرآن کلاس میں فرماتے ہیں کہ بعض چیزوں کا

يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اے موسیٰ ہرگز نہیں ہم صبر کریں گے ایک ہی کھانے پر سو دُعا کر ہمارے لیے رب اپنے سے

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَ

کہ نکالے وہ ہمارے لیے اس سے جو اُگاتی ہے زمین یعنی سبزی اس کی اور ککڑیاں اس کی اور

فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ

گندم اس کی اور مسور اس کے اور پیاز اس کے فرمایا کیا بدلہ میں لیتے ہو تم وہ چیز

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا

جو ادنیٰ ہے بجائے اس کے کہ جو بہتر ہے اترو کسی شہر میں تو یقیناً تمہارے لیے

سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَ

ہوگا جو مانگا تم نے اور ماری گئی ان پر ذلت اور مسکنت اور

بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

لوٹے وہ ساتھ غضب کے اللہ کی طرف سے، یہ اس لیے (ہوا) کہ وہ تھے کفر کرتے

تعلق Para-Psychology سے ہے جو بظاہر ناقابلِ فہم ہے۔اسے سائنس وغیرہ سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔اس میں ایک فن یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو قدرت کی طرف سے ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہے اور وہ زمین میں پانی کا پتہ چلا لیتے ہیں۔بہت سی مسلمان ریاستوں میں پانی کی کمی تھی۔اس زمانہ میں ایسا شخص ایک عصا لے کر چلتا جو آگے سے دو شاخہ ہوتا تھا۔کسی خاص مقام پر اسے محسوس ہوتا کہ عصا زمین کی طرف جھکا ہے۔اکثر وہاں سے پانی نکل آتا۔لکڑی ، پانی اور زمین کی ہی پیداوار ہے شاید اسی کشش کا نتیجہ ہو۔ بہرحال یہ ایک فن ضرور تھا۔ ممکن ہے حضرت موسیٰؑ میں یہ صلاحیت ہو۔حورب کی چٹان میں بارہ چشموں کے نشان ملتے ہیں۔(القرآن مصنفہ سیل صفحہ ۸)جس سے قرآنی بیان کی تائید ہوتی ہے جو عیونِ موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔حضرت موسیٰؑ کی قوم اکھٹی نہیں رہ سکتی تھی۔اس لئے حضرت موسیٰؑ کی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹے اور قوم کو بارہ حصوں میں تقسیم کر دیا جبکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ایڑیوں کی ضرب سے ایک ہی چشمہ پھوٹا جو پیشین گوئی کے رنگ میں ملتِ واحدہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ پس آپ کی نسل سے وہ انسانِ کامل پیدا ہوا جس نے کُل عالم کو ایک ہاتھ پر جمع کرنا تھا۔

بنی اسرائیل ہی مخاطب ہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر تمہارے لئے ضروریاتِ زندگی مہیا کیں۔ خدا کے انعامات واحسانات کا شکر ادا کرو ، خدا کا رزق کھاؤ پیؤ مگر کسی ناجائز طریقہ سے دوسروں کا مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو جس کے نتیجہ میں فساد و خونریزی کرتے پھرو۔

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

اللہ کی آیات کا اور (تھے) قتل کرتے نبیوں کو ناحق یہ اس لیے (ہوا) کہ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

نافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ حد سے بڑھتے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو

۶۲۔**بقل** ۔ترکاری۔ بقال سبزی فروش ۔ **فوم** ۔لہسن ۔ **القثّاء** ۔ککڑی ۔ **بآءو ا**۔ (باء) ۔ وہ لوٹے۔

فرعون کی غلامی میں بنی اسرائیل جسمانی لحاظ سے کمزور ہوگئے تھے اور غلامانہ زندگی کی وجہ سے حریّت و بہادری کی روح مفقود ہو چکی تھی۔اس لئے جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں میں رکھا گیا۔ بغیر محنت سامانِ خورد و نوش ملا تا صحت و قویٰ مضبوط ہوں نیز نبی کی صحبت میں رہ کر روحانیت اور اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں۔مصریوں کے ساتھ رہنے سے جو غلط عادات ان کی طبیعت میں راسخ ہو چکی تھیں ان کو چھڑایا جائے۔آزاد ماحول میں بہادرانہ سپرٹ پیدا ہو۔تا یہ قوم جہاد اور بارِ حکومت سنبھالنے کے قابل ہو سکے لیکن انہوں نے ایک اور ناشکری اور نافرمانی کی اور کہا کہ ایک جیسا کھانا کھاتے کھاتے ہم تنگ آ چکے ہیں۔دعا کریں کہ ہم کھیتی باڑی کریں کیونکہ وہ مصر میں یہی کام کرتے تھے۔خاص ترکاریاں، ککڑیاں اور مسور وغیرہ ان کا مقصد نہ تھا بلکہ وہ بدوی زندگی چھوڑ کر شہری زندگی گزارنا چاہتے تھے جہاں ہر قسم کی اشیائے خورد و نوش بافراغت میسر ہوتی ہیں۔ فرمایا اعلیٰ کو ادنیٰ سے بدلنا چاہتے ہیں۔بیشک اناج ، دالیں اور سبزیاں وغیرہ انسانی صحت کے لئے مفید ہیں لیکن یہاں انہیں ادنیٰ خوراک کہا۔اس لئے کہ اگرچہ شہری زندگی میں یہ تمام سہولتیں میسر آئیں گی لیکن اس شہری زندگی کے نتیجہ میں ذلت و مسکنت ان کا مقدر ہو جائے گی کیونکہ پھر اسی غلامی کی زندگی پر قانع ہو جائیں گے جس سے نکال کر حضرت موسیٰؑ انہیں لائے تھے۔ حضرت موسیٰؑ ان کی تربیت اس انداز سے فرما رہے تھے کہ ان میں حریت کا جذبہ پیدا ہو اور وہ فلسطین فتح کر کے ایک آزاد زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔حقیقت میں بھی زمیندارہ ، حکومت و بادشاہت کے مقابلہ میں معمولی ہے۔ایک نافرمان اور ہٹ دھرم قوم تھی، نہ مانی تو ایک شہر میں رہنے اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دے دی۔ فرمایا ان پر ذلت و مسکنت کی مار پڑی اور موردِ غضبِ الٰہی ہوئے۔اس لئے کہ ان کے اصل گناہ یہ تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور نبیوں کے قتل کے درپے رہے۔یہ گناہ ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کی وجہ سے ان میں پیدا ہوئے۔ بیشک ایام

صحرانوردی میں انہوں نے خدا کی آیات کا بھی انکار کیا اور انبیاء کو قتل کرنے کے بھی درپے رہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور حضرت یوشعؑ ان میں موجود تھے۔جن میں سے حضرت ہارونؑ کو انہوں نے قتل کرنے کی کوشش کی جب انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد گوسالہ پرستی سے منع کیا۔حضرت موسیٰؑ سے کئی ایک گستاخیوں کے بعد یہ کہنا کہ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں، ان کی سرکشی کی انتہا تھی۔ ذلت و مسکنت کیا یہ کم تھی کہ ایک معمولی فاصلہ طے کرنے کے لئے چالیس سال صحراؤں میں بھٹکتے پھرے۔راہبر راستے میں ہی وفات پا گیا۔ آخر حضرت یوشعؑ کی قیادت میں یروشلم فتح کیا۔

یہاں ہلکا سا نقشہ اگلے دوہزار سالوں کا دکھایا ہے۔ورنہ ان کی حکم عدولیاں اور حد سے بڑھ جانا حضرت موسیٰؑ کے زمانہ سے شروع تھا لیکن بعد میں ان کی بداخلاقیاں جو رنگ لائیں اس پر بائبل گواہ ہے۔ حضرت الیاسؑ خدائی حکم سنانے کے جرم میں جلاوطن کئے گئے۔(سلاطین باب ۱۹ آیت ۲۶۔۲۷) یرمیاء نبی نے ان کے انسانیت سوز ظلم و ستم سے سسک سسک کر جان دی(یرمیاہ۔ باب ۱۵۔۱۸۔۲۰۔۴۰ آیت ۱۰۔۲۰۔۱۸) حضرت یحییٰؑ کا سر قلم کیا گیا۔(مرقس باب ۶ آیت ۱۷۔۱۹) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ثابت کیا(ترجمۃ القرآن کلاس MTA) کہ حضرت یحییٰؑ کا قتل ان کے قتل کے درپے ہونا اور ان کے مقاصد کا قتل ہے۔یہود حضرت یحییٰؑ کو قتل نہیں کرسکے۔ بلکہ وہ خفیہ طور پر ایک جزیرہ میں ہجرت فرما گئے جہاں انہوں نے مکاشفات لکھی۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ نیز دیگر متعدد انبیاء ان کا نشانۂ ستم بنے۔آخر حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا اور ایک ڈاکو کو آپ پر فضیلت دی (متی باب ۲۷ آیت ۲۰ تا ۲۶) یہ ظلم و بربریت کی ایک لمبی اور شرمناک داستان ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔آخر خدا کے غضب کے نیچے آئے۔ بیشک خدائی وعدوں کے مطابق انہیں حکومت ملی لیکن بار بار کی گستاخیوں اور خدا کے پیاروں پر زیادتیوں کی وجہ سے ان کا انجام عبرت آموز تھا۔ طاعون، قحط اور جلاوطنیوں کے علاوہ ملک ملک سے ذلیل و خوار کرکے نکالے اور قتل کئے گئے۔ آخر رومی ملوک نے یہودیہ ریاستوں کو بالکل ہی تباہ و برباد کردیا۔ پھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔**فاعتبروایااولی الابصار**۔

۶۳۔**ھادوا**۔ہدایت پائی۔ یہودی ہوئے۔ یہ لفظ یہود کے لئے خاص ہے۔**نصارٰی**۔ مسیحؑ ناصری کو ماننے والے۔حضرت مسیحؑ ناصرہ نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔اس نسبت سے ناصری کہلائے اور آپ کے ماننے والے نصارٰی کہلائے۔**الصّابِئین** یہود و نصارٰی کے علاوہ کوئی

هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِـِٔیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ
یہودی ہوئے اور عیسائی ہوئے اور صابی غرض جو بھی ایمان لائے اللہ پر اور آخری

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
دن پر اور اس نے کی نیکی تو ان کے لیے اجر ہے ان کا پاس انکے رب کے اور نہیں

خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ
خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے

اہل کتاب فرقہ۔

قرآن کریم انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔جہاں بھی انذاری آیتیں ہیں ساتھ ہی مبشر آیات ہیں تا انسان مایوس نہ ہو۔جہاں بھی مایوسی کا خطرہ ہوا فوراً امید و رجا سے تسلی دی۔ پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی پے درپے نافرمانیوں کا ذکر تھا جنہیں پڑھ کر یقیناً مایوسی پیدا ہوسکتی تھی کہ اس قوم کی ہدایت کی کوئی امید نہیں۔اس لئے انہیں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے برابر ہیں۔ نجات کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے۔ یہود اب بھی ایک ممتاز قوم بن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اسلام قبول کریں۔**ایمان باللّٰہ والیوم الاٰخرۃ** کو قرآن کریم نے مسلمان ہونے کے قائم مقام رکھا ہے جیسا کہ شروع میں ہی آیت:۹ میں بیان فرمایا اور بھی کئی جگہ اسی معنی میں آیا ہے۔ سورۃ نساء آیت:۱۵۱ و ۱۵۲ میں تفصیلاً درج ہے کہ کسی ایک نبی پر بھی ایمان نہ لانا جہنم کا مصداق بناتا ہے جبکہ اس نبی کا مِن جانب اللہ ہونا وہ دل سے تسلیم کرچکا ہو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر ہے“(درِمنثور) اس آیت سے بعض نادانوں کو غلطی لگی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں حالانکہ یہ معنی قرآن کریم کے سراسر خلاف ہیں اور قرآن کریم میں قطعاً اختلاف نہیں۔اس آیت میں تو نام کے مسلمانوں کو یہود و نصارٰی اور صابئین کے ساتھ رکھ کر تنبیہ فرمائی گئی ۔ہے کہ منہ سے ایمان لانا یا خود کو یہود و نصارٰی یا صابئین کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک دلی طور پر اسلام قبول کرکے اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہ ہو اور اعمال صالحہ بجا نہ لاؤ۔ایمان کی ابتدا ایمان باللہ اور انتہا ایمان یوم الآخرۃ ہے۔اس لئے کہ انسانی زندگی کا قبلہ درست رکھنے کے لئے عقیدۂ آخرت کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔باقی تمام اعمال اس کے اندر آجاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ تم کوئی بھی ہو اگر سچے دل سے اسلام قبول کرکے اعمال صالحہ بجا لاؤ گے تو قرب الٰہی سے نوازے جاؤ گے جہاں نہ آئندہ کا خوف ہے نہ گزشتہ کا غم اور یہی جنت ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ

اور بلند کیا ہم نے اوپر تمہارے طُور کو ، (اور کہا) پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور

اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ

یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم متقی بنو پھر پھر گئے تم

الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیزاس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ خواہ کسی مذہب کے پیرو ہوں اگر ان تک پیغام حق نہیں پہنچا یا پہنچانے والا قائل نہیں کر سکا اور وہ اپنے اپنے دائرے میں اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ بجالانے والے ہیں تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔گویایہ فتویٰ دیناکسی کا کام نہیں کہ سب اہل کتاب جہنمی ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے ساتھ جو سلوک بھی فرمائے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس عرفان میں اس آیت کی مزید تشریح فرمائی کہ جو بھی اپنے مذہب پر عمل کرے گا،اللہ اور آخرت پر ایمان لائے گا ، شرک نہیں کرے گا کیونکہ کوئی مذہب بھی شرک کی تعلیم نہیں دیتااورعمل صالحہ بجالائے گا، بخشا جائے گا۔یہاں غیرمذاہب کے پیروکاروں کے انفرادی ایمان اور انفرادی عمل کا ذکر ہے کہ ان کے نیک عمل ان کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے چونکہ ان کوایسا کوئی موقع نہیں ملا کہ اسلام سے آگاہی حاصل کرتے۔اس لئے وہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنے مذہب پرعمل کر رہے ہیں لیکن وہ لوگ جن پر اسلام کی حقانیت کھل جائے اور وہ سمجھ جائیں کہ اسلام سچا مذہب ہے لیکن پھر بھی اپنے مذہب پر ڈٹے رہیں وہ قابلِ معافی نہیں اور نہ وہ کسی اجر کے مستحق ہوں گے۔ان کے لئے آیا کہ **ومن يّبتغ غيرالاسلام ديناًفلن يُقبل منه**(ال عمران ۸۶:)ان لوگوں پر اسلام کی سچائی خوب واضح ہوگئی تھی پھر اسلام قبول نہیں کیا۔اس لئے اسلام کے سوا کسی دوسرے دین پرمصر رہنا ان سے قبول نہیں کیاجائے گا اور ان کے لئے کوئی اجر نہیں ہوگا۔

۶۴۔ **میثاق**۔عہد۔پکا عہد۔

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کولے کر طور سیناء کے دامن میں گئے۔خداتعالیٰ نے ان سے پختہ عہد لیا۔یہ پختہ عہد نبیٔ آخر الزمان پر ایمان اور وہ دس احکام تھے جو انہیں وہاں ملے جبکہ وہ دامن کوہ میں کھڑے تھے۔ان احکام کو ہمیشہ یاد رکھنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کا وعدہ لیاتاکہ وہ ہرقسم کے مصائب سے بچائے جائیں خروج باب ۲۰ میں ان کی تفصیل یہ ہے۔ ا۔ شرک نہ کرنا۔۲۔بت پرستی نہ کرنا۔۳۔خدا کی لغوقسم نہ کھانا۔۴۔سبت کے دن کام نہ کرنا۔۵۔ ماں باپ کی

بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ

بعد اس کے پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی تو ہوتے تم

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ

گھاٹا پانے والوں میں سے اور یقیناً یقیناً جان لیا تم نے ان لوگوں کو جو حد سے بڑھے تم میں سے

فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۶﴾

سبت کے بارے میں کہا ہم نے ان کو ہوجاؤ بندر ذلیل

عزت کرنا۔٦۔ خون نہ کرنا۔۷۔زنا نہ کرنا۔۸۔ چوری نہ کرنا۔۹۔پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔۱۰۔ پڑوسی کے گھر بیوی اورمال و اسباب کالالچ نہ کرنا۔حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ۷۰ احبار کو لے کر کوہِ طور کے دامن میں ایک دفعہ ہی گئے ۔قرآن کریم نے اس واقعہ کومختلف مقامات پرمختلف انداز سے بیان کیا۔

۶۵۔**تولّٰی** ۔ پیٹھ پھیر کر چلے جانا۔**تولّیتم**۔تم نے پیٹھ پھیری۔تم حاکم ہوئے۔

تورات سے پتہ چلتاہے کہ اس وقت آتش فشاں پھٹا اور شدید زلزلہ آیا۔وہ لوگ ڈر کر بھاگے اور خداتعالیٰ سے ملنے اور اس کاکلام سننے سے انکار کردیا۔فرمایااگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو اسی وقت تم خدا کے غضب کے مورد ہو جاتے۔استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸و۱۹ سے ثابت ہے کہ کلام الٰہی سننے سے انکار کی وجہ سے وہیں خداتعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ مثیلِ موسیٰؑ نبی ان میں سے نہیں بلکہ ان کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔

۶۶۔۶۷۔**اعتدوا**۔ عدا۔ حد سے تجاوز کرنا۔ **سبت** ۔لفظی معنی کاٹنا یاآرام کرناکے ہیں۔ہفتہ کوسبت اس لئے کہتے تھے کہ اس دن آرام کرنے اور کاروبار قطع یعنی بند کرنے کاحکم تھا۔
نکالاً ۔عبرتناک سزا۔عبرت۔

طور سیناء پر جو دس احکام ملے ، ان میں سے ایک حکم سبت منانے کا بھی تھا کہ ہفتہ کا دن تمہاری عبادت ،آرام اور چھٹی کادن ہے جس میں لونڈی غلام اور جانوروں تک کو چھٹی ہوگی اور ان سے کوئی کام نہیں لیاجائے گا۔مگر انہوں نے اس مقدس دن میں بھی زیادتی کی مچھلیاں وغیرہ پکڑیں ، تجارتی فوائد کو ترجیح دی اور نافرمانیوں کے مرتکب ہوئے۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ ان میں بندروں کی سی خصلتیں پیداہوگئیں۔امام مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے دل مسخ کر دیئے گئے، وہ خود مسخ نہیں کئے گئے۔اللہ تعالیٰ نے یہ بات صرف مثال کے طور پر بیان کی ہے(ابن کثیر جلدا صفحہ ۱۷۹)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ

پس کردیا ہم نے اس (بستی) کو عبرت واسطے ان (بستیوں) کے جو آگے تھیں اسکے اور جو پیچھے تھیں اس کے اور

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ

(بنایا) نصیحت واسطے متقیوں کے اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یقیناً

اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

اللہ حکم دیتا ہے تم کو یہ کہ ذبح کرو تم ایک گائے انہوں نے کہا کیا تُو بناتا ہے ہم کو

هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

مذاق اس نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی کہ میں ہو جاؤں جاہلوں میں سے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ

انہوں نے کہا دُعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے واسطے کیا ہے وہ؟ کہا اس نے یقیناً

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ

وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہیں بوڑھی اور نہ بچہ پلوری جوان ہے درمیان

ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اس کے پس کرو جو حکم دیئے جاتے ہو انہوں نے کہا دعا کر واسطے ہمارے اپنے رب سے کہ

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ

کھولکر بیان کرے ہمارے واسطے کیا ہے رنگ اسکا؟ اس نے کہا یقیناً وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے زرد

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

گہرا ہے رنگ اس کا اچھی لگتی ہے دیکھنے والوں کو انہوں نے کہا دُعا کر واسطے ہمارے اپنے رب سے

عربی میں زنا کی کثرت کی وجہ سے بھی کسی کو بندر کہا جاتا ہے۔ان کی اس بدعادت پر بائبل گواہ ہے نیز نقالی کے لئے بھی بندر کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ ان میں عبادت کی روح ختم ہوگئی تھی، محض رسوم اور نقالی رہ گئی تھی۔ فرمایا یہ ان لوگوں کے لئے نیز بعد میں آنے والوں کے لئے باعث عبرت ہے کہ کس طرح ایک منعم علیہ قوم حکم خداوندی سے منہ موڑ کر اور بندروں کی سی خصلتیں اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنی۔اس واقعہ میں متقین کے لئے نصیحت ہے کہ وہ انعاماتِ خداوندی کی قدر کریں ، اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور نافرمانیوں سے بچیں۔

۶۸۔۷۲۔**بقرة**۔ گائے اور بیل دونوں کے لئے آتا ہے۔لفظی معنی پھاڑا۔ ہل چلانے کی وجہ سے بقر کہا جو زمین کو پھاڑتا ہے۔باقر۔جو علوم کے دقائق کو پھاڑے۔**هزوًا**۔ نشانہ تمسخر۔**فارض** ۔ فرض۔سخت چیز کا کاٹنا۔ قطعی حکم۔ **فارضٌ**۔ بوڑھا بیل۔**بکر**۔دن کا پہلا حصہ۔ پہلا بچہ۔مراد وہ

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ

کہ کھول کر بیان کرے واسطے ہمارے کہ کونسی ہے وہ؟ یقیناً گائیں مل جل گئی ہیں ہم پر اور ہم اگر

شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

چاہا اللہ نے ضرور ہدایت پانیوالے ہیں اس نے کہا یقیناً وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے

لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

نہیں جوئے کے نیچے لائی گئی کہ پھاڑے زمین اور نہ پانی دیتی ہے کھیتی کو صحیح سلامت ہے

لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا

نہیں کوئی داغ اس میں انہوں نے کہا اب لایا ہے تو حق کو پس ذبح کیا انہوں نے

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ

اسے حالانکہ نہ قریب تھے کہ وہ کرتے اور جب قتل کیا تم نے ایک جان کو پھر اختلاف کیا تم نے

ع ۸

جس نے بچہ نہ جنا ہو۔باکرہ اسی سے ہے۔**عوان**۔عون یعنی مدد۔جو آدھی عمر کو پہنچ چکا ہو۔جوان۔ **فاقعٌ** ۔ نہایت خوبصورت گہرا زرد رنگ۔ گہرا سنہری رنگ ۔ **ذلول** ۔ ذل۔ اسی سے ذلیل ہے۔ ماتحت ۔ وہ بیل جو جوئے کے نیچے آیا ہو۔ **تثیر** ۔ ثار۔ اوپر نیچے ہونا۔ زراعت ۔ **شیة**۔ داغ ۔ **کادوا**۔ کرنے کے قریب تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ مصری ایک خاص بیل کی پوجا کرتے تھے ان کی صحبت میں رہ کر بنی اسرائیل بھی ایسے بیل کو خاص عزت و عظمت دینے لگے۔حضرت موسیٰؑ کے طُور پر جانے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑا ہی بنایا اور اس کی پوجا کی۔تاریخ سے ثابت ہے کہ مصری Apis نامی بیل کو دیوتا مانتے تھے جو نہایت خوبصورت ، شوخ زرد رنگ کا بے داغ بیل ہوتا تھا۔ایسا بیل کم ہی پیدا ہوتا۔ایسے بیل کی پیدائش کی خوشی میں قومی تعطیل ہوتی، مرنے پر قومی سوگ منایا جاتا اور احترام سے دفن کیا جاتا۔اس کے اعزاز کی وجہ سے اس سے کسی قسم کا کوئی کام نہ لیا جاتا اور بڑے مندر میں رکھا جاتا۔خیال ہے کہ اس قسم کا بیل ان کے گلّے میں پیدا ہوا ہوگا۔جس کے غیر معمولی احترام کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کو خطرہ محسوس ہوا کہ بچھڑے کی طرح اس کی پوجا نہ شروع ہو جائے۔چنانچہ حکمِ خداوندی کے تحت اسے ذبح کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے ہر طور اسے بچانے کی کوشش کی اور بہت حیل و حجت کی کہ اس کے بدلہ میں کوئی دوسرا بیل ذبح کر دیا جائے لیکن نبی کا کام شرک کا قلع قمع کرنا اور خدائے واحد کی پرستش کروانا ہوتا ہے۔اس لئے بار بار اسی خاص بیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا تا ان کے دل سے اس کی عظمت و توقیر نکلے اور شرک کی جڑ کاٹی جائے۔آخر انہوں نے

فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا

اس میں حالانکہ اللہ نکالنے والا تھا جسے تھے تم چھپاتے پس کہا ہم نے

اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ

مارو اسے ساتھ اس کے بعض کے اسی طرح زندہ کرتا ہے اللہ مُردوں کو اور

يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

دکھاتا ہے تم کو آیات اپنی تاکہ تم عقل کرو پھر سخت ہو گئے دل تمہارے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ

بعد اس کے پس وہ مانند پتھروں کے ہیں یا زیادہ ہیں سختی میں اور یقیناً

بادل نخواستہ اسے ذبح کیا۔ یہ انشاء اللہ کی برکت تھی کہ انہیں ذبح کرکے خدائی احکام کی بجاآوری کی توفیق ملی۔

۷۳۔۷۴۔ **قتل** ۔ جان سے مارنا یا مشابہ قتل۔ **فادّرء تم**۔ درء کے معنی دور کرنا۔ جیسے **ویدرواعنھاالعذاب**۔(النور:۹) اپنے سر سے الزام دور کرکے دوسرے کے سر ڈالنا۔ اختلاف و جھگڑا کرنا۔ **نفسًا**۔تنوین عام طور پر عظیم الشان چیز کے لئے آتی ہے۔ کبھی غیر معروف کے لئے بھی آتی ہے۔ یہاں کسی عظیم شخصیت کے لئے ہے۔

اس آیت سے پہلے جو آیت بھی **واذ** سے شروع ہوئی ہے اس میں الگ واقعہ کا ذکر ہے۔اس سے پہلے بیل کے واقعہ کو **واذ** سے شروع کیا۔اب یہاں ایک اور واقعہ کو **وَاِذْ** سے شروع کیا اور بتایا کہ ایک بیل کے ذبح کرنے پر تم نے اتنی حیل وحجت کی جب کہ ایک جلیل القدر انسان کو قتل کرنے کے لئے تمہاری قوم فوراً تیار ہوگئی۔ پچھلی آیتوں میں بنی اسرائیل کی حکم عدولیوں کا ذکر تھا لیکن نبی کے قتل کا کوئی واقعہ بیان نہیں ہوا جبکہ یہ بتایا کہ تم نبیوں کو قتل کرتے رہے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رائے میں انبیاء کے قتل سے مراد ان کے قتل کے درپے ہونا اور ان کے مقاصد کا قتل ہے یعنی انہیں ان کے مقاصد میں ناکام کرنے کی کوشش ہے۔ چنانچہ یہاں ایک عظیم الشان نبی حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کا ذکر ہے کہ تم نے ایک عظیم نبی کو اپنی دانست میں تو قتل ہی کر دیا اور صلیب دے کر لعنتی موت مار دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حقیقت ظاہر کرکے اپنے نبی کو لعنتی موت سے بچالیا ''کہ نہ وہ قتل ہوا نہ مصلوب ہوا بلکہ ان پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا''۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں یہ واحد واقعہ ہے جس میں اختلاف ہوا اور اُس وقت بھی ایک

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا

بعض پتھر البتہ ایسے ہیں کہ بہتی ہیں ان میں نہریں اور یقیناً بعض ان میں

لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

سے البتہ ایسے ہیں کہ پھٹتے ہیں تو نکلتا ہے ان سے پانی اور یقیناً بعض ان میں سے البتہ

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ایسے ہیں کہ گرتے ہیں ڈر سے اللہ کے اور نہیں اللہ ہرگز بےخبر اس سے جو

دوسرے پر الزام قتل عائد کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج تک یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان یہ واقعہ باعثِ نزاع ہے کہ مسیح صلیب پر فوت ہوئے یا صلیب سے اتر کر یا یہ کہ قبر سے زندہ نکل کر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں چلے گئے۔اللہ تعالیٰ جو کچھ تم چھپاتے ہو ظاہر کرنے والا ہے یعنی ایک وقت آئے گا کہ قبر مسیح مل جائے گی اور صلیب کے بعد کی سوانح حیات بھی۔ بعض حصہ کو مارنا بھی حضرت عیسیٰؑ کے صلیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ انہیں بعض ضربیں پہنچیں۔ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونکے گئے۔لیکن ان کی ہڈیاں توڑی نہیں گئیں۔وہ صرف تین گھنٹہ صلیب پر رہے اتنے کم عرصہ میں کوئی شخص صلیب پر نہیں مرسکتا۔ پس اسی طرح اللہ قریب المرگ لوگوں کو زندہ کرتا ہے ورنہ قرآن کریم کی رو سے جو مر جاتے ہیں وہ قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہوتے۔ تا تم عقل سے کام لو اور سمجھ جاؤ کہ اللہ جس شخص یا قوم کو زندہ رکھنا چاہتا ہے اسے تمام دنیا مل کر بھی نہیں مار سکتی۔اس آیت اور دیگر کئی آیات کی تفاسیر میں کئی اسرائیلی قصے داخل ہوچکے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔انہیں بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں (قرآن کریم اردو ترجمہ صفحہ ۲۲) یہاں جرائم کی شناخت کا ایک عام اصول بتایا۔ ضَرَب مثال بیان کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ **اضربوہ ببعضھا** یعنی اگر کوئی قتل ہوا یا کوئی جرم ہوا تو اس سے ملتی جلتی مثال ڈھونڈو۔ جرم سے ملتی جلتی مثالوں کی مدد سے جب مجرم تک پہنچ جاؤ گے اور عدل کے تقاضے پورے کرو گے تو گویا مقتول کی حیات کا باعث بنو گے۔یہی قوموں کی حیات ہے۔ گویا مردہ قومیں زندہ ہوجائیں گی۔

۷۵۔ **قَسَت**۔وہ سخت ہوئی۔

ثم کا لفظ پہلی آیات کے ساتھ تعلق ظاہر کرتا ہے یعنی مسیحؑ کو صلیب دے کر تو تم بالکل ہی پتھر دل ہوگئے لیکن مایوسی کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں اگر بعض پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں، تو پتھر دلوں

تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ

کرتے ہو تم — کیا پھر بھی تم طمع رکھوگے کہ ایمان لاویں گے وہ تم پر حالانکہ یقیناً ہے

فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ

ایک فریق ان میں سے (جو) سنتے ہیں کلام اللہ کا پھر تحریف کرتے ہیں وہ اس میں

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِذَا لَقُوا

بعد اس کے کہ انہوں نے سمجھ لیا تھا اسے اور وہ جانتے ہیں اور جب وہ ملتے ہیں

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی

ان سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوتے ہیں بعض ان کے طرف

بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ

بعض کے تو کہتے ہیں بیان کرتے ہو تم ان سے وہ جو کھولا اللہ نے تم پر

لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَوَلَا

تاکہ جھگڑیں وہ تم سے ساتھ اس کے پاس تمہارے رب کے کیا پس نہیں عقل کرتے تم کیا نہیں

سے علم و عرفان کے چشمے کیوں نہ پھوٹیں گے۔ یقیناً ان سے روحانی نہریں جاری ہوگی جو ایک عالم کو سیراب کریں گی۔ان سے کم درجہ سخت دلوں کو ایسے پتھروں سے تشبیہ دی کہ جب وہ پھٹتے ہیں تو پانی بہہ نکلتا ہے یعنی اگر دنیا کو نہروں کی طرح سیراب نہیں کرتے تو کم ازکم تھوڑا بہت فائدہ تو پہنچا ہی دیتے ہیں اور کسی حد تک لوگوں کی روحانی تشنگی دور کر دیتے ہیں۔ پھر بعض پتھر ایسے ہیں جو خدا کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ گویا یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کم ازکم اپنی ذات میں ہی عجز و انکساری سے خدا کا قرب حاصل کرلیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں قدم قدم پر مسلمانوں کے لئے نصائح ہیں کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔تمہارے دل اگر پتھروں کی طرح بھی سخت ہو جائیں تو بھی ان میں خشیت اللہ رہتی ہے۔

۷۶تا۷۸۔ **یحرّفون**۔حرف۔تحریف کرنا۔ بدل دینا۔ **تحدّثون**۔حدث۔ بیان کرنا۔ اسی سے حدیث ہے۔ **یحآجّوکم۔ حجّة**۔دلیل۔ **یحاجوکم**۔ ایک دوسرے کی دلیل کو رد کرنا جھگڑنا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل علمائے یہود لوگوں کو تورات کی وہ پیشگوئیاں جو نبی آخرالزمان کے متعلق تھیں سناتے تھے کہ وہ عنقریب ظہور کرے گا اور تمام دنیا پر چھاجائے گا اور خود کو اہل عرب سے بہت عظیم اور برتر سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ انہی میں سے نبی آئے گا حالانکہ

یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَ

جانتے وہ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور

مِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ

بعض ان میں سے اَن پڑھ ہیں نہیں جانتے کتاب کو سوائے آرزوؤں کے اور نہیں وہ

اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۷۹﴾ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ

مگر گمان کرتے ہیں پس ہلاکت ہے واسطے ان لوگوں کے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

پھر کہتے ہیں یہ (کتاب) اللہ کی طرف سے ہے تاکہ خریدیں بدلہ میں اس کے مول

قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ

تھوڑا ، پس ہلاکت ہے واسطے انکے بسبب اس کے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہے واسطے انکے

مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا

بسبب اس کے جو کماتے رہے وہ اور انہوں نے کہا ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر دن

النصف

خداتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو طورسیناء پر ہی بتا دیا تھا کہ وہ نبی ان میں سے نہیں ہوگا۔(استثناء باب۱۸ آیت ۱۸تا۲۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیاتم ان سے امید رکھتے ہوکہ ایمان لے آئیں گے جب کہ ان میں علماء کا گروہ جب قرآن سنتا ہے تو اس کی آیتوں کو سیاق و سباق سے الگ کرکے اور غلط معنی پہنا کر لوگوں کو سناتا ہے۔حالانکہ خوب اچھی طرح جانتاہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ مگر جان بوجھ کر اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ تعجب کی بات اس لئے نہیں کہ وہ پہلے بھی یہی سلوک کلام اللہ سے کرتے آئے ہیں۔ قرآن کریم کے ساتھ تو یہ سلوک ہے اورمنافقت کا یہ حال ہے کہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں تورات کی پیشگوئیوں کامصداق نبی آیا اورجب اپنے دوستوں کی محفل میں جاتے ہیں تو ایک دوسرے کو الزام دیتے ہیں کہ تورات کی وہ پیشگوئیاں جن کا علم صرف تمہیں ہے،ان کوکیوں بتاتے ہو۔ان پیشگوئیوں کو بتاکرتم دنیا میں بھی ذلیل ہوگے اور آخرت میں بھی۔دنیامیں تو ظاہر ہے لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور قیامت کو ان پیشگوئیوں کو حجت بنا کرمسلمان خداکے حضورتم سے جھگڑیں گے کہ جب ان کوسن کرہم ایمان لے آئے تو تمہیں کیا چیز مانع تھی۔ بہتر ہے کہ ان کاذکرسنا ہی نہ کرو تا اسلام کی طرف لوگوں کو رغبت ہی نہ ہو۔ فرمایا جب خداتعالیٰ کو ہرچھپی اور ظاہربات کاعلم ہے توچھپاتے کس سے ہیں۔ کیااللہ ان کے افعال سے بے خبر ہے۔

۷۹تا۸۱۔ **امّیّون**۔ امّی کی جمع ۔ اُمّ سے منسوب ہے کہ جیسا کورا پیدا ہوا ویسا ہی ہے

مَّعْدُوْدَةً ۔ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ
گنتی کے تو کہدے کیا لیا ہواہے تم نے اللہ کے پاس سے کوئی عہد تب تو ہرگز نہیں خلاف کرے گا

اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ بَلٰى
اللہ اپنے عہد کے یا کہتے ہو تم اللہ پر جو نہیں تم جانتے کیوں نہیں

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
(چھوئیگی تم کو آگ کیونکہ) جس نے کمائی بُرائی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطاؤں نے سو یہ لوگ

خودعلم حاصل نہیں کیا۔گویا ان پڑھ۔**امانیٌ** **امنیّة** کی جمع ہے۔ جس کی تمنا کی جائے۔امام مجاہد نے **امانیّ** کے معنی جھوٹ کے کئے ہیں۔ یعنی جھوٹی تمنائیں۔ بغیر معنی جانے رٹ لینا۔

یہاں عوام کا ذکر ہے یعنی یہود عوام میں کچھ لوگ ان پڑھ ہیں۔ کتاب اللہ کے معانی نہیں جانتے، صرف تک بندیاں کرتے ہیں۔ مطالب سمجھتے ہیں نہ گہرائی میں جاتے ہیں۔ گویا کتاب اللہ کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنے والا ان پڑھ کے مترادف ہے۔یہود علماء جو کچھ عوام کو بتاتے اسی پر وہ عمل کرتے۔خود دین کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتے۔یہ اس دور کے مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے قرآن کریم جن کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ قرآن کریم صرف طوطے کی طرح پڑھتے ہیں۔ مطالب کا علم ہے نہ گہرائی میں جانے کا شوق ،بلکہ افسوس بعض ترجمۂ نماز تک سے نابلد ہیں۔ علمائے بنی اسرائیل کی حالت عوام سے بھی بدتر تھی۔ وہ کتاب اللہ میں اپنے ہاتھ سے رد و بدل کرتے اور اسے خدا کی طرف منسوب کرتے تا کہ معمولی دنیوی فوائد حاصل کریں۔ تحریف کا کام حضرت عیسیٰؑ سے قبل کا شروع تھا لیکن عوام بے خبر تھے۔اسلام نے اس کا انکشاف کیا۔آج چودہ سو سال بعد یہود و نصاریٰ نے بہت تحقیق کے بعد اعتراف کیا۔(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا جلد۴ زیرلفظ Golden Calf جلد۱۵ زیرلفظ Moses)ان کو مزید تحریف سے منع کیا کہ اب بھی بائبل میں سینکڑوں صداقتیں ہیں۔ جن پر اپنی طرف سے حاشئے چڑھانے اور دنیا کمانے پر افسوس ہے۔یہ ساری زیادتیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ نبیوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں۔اوّل تو ان کو آگ چھوئے گی ہی نہیں۔اگر جہنم میں ڈالے بھی گئے تو چند روزہ عذاب ہوگا۔عیسائی ان سے بھی بازی لے گئے کہ عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھنا ان کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے خداتعالیٰ سے ایسا کوئی عہد لے رکھا ہے ،جس کا خدا کو لحاظ ہے کہ جو مرضی کرو تمہیں معافی ہے۔ کیا تم خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہو جن کا تمہیں خود علم نہیں کیونکہ تورات میں ایسا کوئی عہد درج نہیں۔

۸۲۔۸۳۔**سیّئة** ۔سوء ۔ بدی۔ جو طبیعت کو گراں لگے اس کے مقابلہ میں **حسنة** یعنی

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
انہوں نے کیں نیکیاں یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا
رہ پڑنے والے ہیں اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ بنی اسرائیل سے کہ نہ

ع ۹ / ۹

نیکی ہے جو طبیعت کو ہلکی لگے۔ **خطیئة**۔ خطا ۔گناہ۔ جمع **خطیّات**۔ **خالدون** ۔خُلد کے معنی بہت لمبا عرصہ کے ہیں۔ ہمیشگی کے معنی بھی دیتا ہے۔قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ جہنم ہمیشہ کے لئے نہیں۔آخر ختم ہوجائے گی جبکہ جنت کے ختم ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔پس جنت کے لئے ہمیشہ کے معنی لئے جاتے ہیں اور جہنم کے لئے ایک لمبا عرصہ کے معنی کئے جاتے ہیں

جو شخص عمدًا یا سہوًا بدی کا مرتکب ہوتا ہے لیکن فورًا سنبھل جاتا ہے اس کا ذکر یہاں نہیں کیونکہ اس نے ضمیر کی آواز کو سنا اور وقتی بدی کے غلبے کو دبایا۔اسے بہرحال معافی ہے۔ یہاں ان کا ذکر ہے جو بدی کرتے ہیں پھر اس پر مصر رہتے ہیں اور نیکی کی فطری تحریک کو دبادیتے ہیں یہاں تک کہ انہیں بدیاں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں اور وہ نکلنے کی کوشش ہرگز نہیں کرتے۔ان کی بدیاں ان کی نیکیوں پر غالب آجاتی ہیں، وہ جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں اور ایک لمبے عرصہ تک اس میں رہنے والے ہیں۔ان کے برعکس جن کا عقیدہ صحیح ہو اور اعمال صالحہ بجا لانے والے ہوں وہی جنت کے وارث اور اس میں ہمیشہ کے لئے رہنے والے ہیں لیکن وہ شخص جو خوب علم ہونے کے باوجود ایمان نہیں لایا البتہ نیک کام ضرور کئے۔ جیسا کہ حضرت ابو طالب نے باوجود علم ہو جانے کے اسلام قبول نہ کیا اور نیک اعمال بجالائے توان کے لئے بھی آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا! کہ انہیں کسی نہ کسی حد تک جہنم کا مزا چکھنا ہوگا۔ پھر معافی ہوگی اور اعمال کے بدلہ جنت ملے گی۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) گویا ایمان نہ لانے کی سزا ضرور ملے گی۔جبکہ دل میں اسلام کی سچائی کا یقین ہو۔ تاہم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے وہ انصاف بھی کرے گا اور اپنے بندوں کو رحمت و مغفرت سے بھی نوازے گا۔

۸۴۔ **تولّٰی**۔ پیٹھ پھیردی۔ **معرضون** ۔ **اعرض**۔عرض سے ہے یعنی چوڑائی جو طول کی ضد ہے۔ مخالف سمت جانا۔ یعنی سچائی کو چھوڑکر باطل اختیار کرنا۔ منہ پھیرنے والے۔

تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى

عبادت کروگے تم سوائے اللہ کے اور ماں باپ سے احسان (کروگے) اور رشتہ داروں

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا

اور یتیموں اور مسکینوں (سے بھی) اور کہو لوگوں کو اچھی بات اور قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ

نماز اور دو زکوٰۃ پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور

اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

تم اعراض کرنیوالے تھے اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤگے

پچھلی آیات میں بھی میثاق کا ذکر تھا۔ یہاں میثاق میں تفصیلاً بنیادی احکام بتائے جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔ یہ تمام عہد بائبل میں الگ الگ جگہ درج ہیں۔ کوئی خاص ترتیب نہیں۔ قرآن کریم نے نہایت خوبصورت ترتیب سے یکجا کیا۔ سب سے پہلے توحید پر پختگی سے قائم رہنے کا عہد لیا۔ یہ پہلا اور بنیادی حکم ہے جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ یعنی شرک سے کلی اجتناب۔ پھر والدین سے حسنِ سلوک کا حکم ہے کیونکہ وہ بطورِ حق نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کے بعد تمام قریبی رشتہ دار حسبِ مراتب احسان اور نیک سلوک کے حقدار ہیں۔ ان کے بعد یتامیٰ کا حق ہے جو خود اپنی خبرگیری نہیں کر سکتے۔ پھر مساکین ہیں جو امداد کے محتاج ہیں۔ ان کے بعد عام حکم ہے کہ کل بنی نوع انسان آپ کے حسن سلوک کے حقدار ہیں۔ ان سے خوش معاملگی کرنا اور نیکی کرنا اس میں شامل ہے گویا کل بنی نوع انسان سے حتی المقدور حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ پھر نماز کا حکم ہے۔ جس کے ارکان میں انتہائی تعظیم اور عجز و انکساری ہے۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ جیسی محبت و فرمانبرداری کسی دوسرے سے نہ ہو۔ زکوٰۃ میں حقوق العباد ہے۔

یہود کو ان کے عہد یاد دلائے جن سے وہ منہ موڑ چکے تھے۔ عزیرؑ کو ابن اللہ قرار دے کر شرک کے مرتکب ہوئے۔ اخلاقی لحاظ سے بھی سوائے چند کے نہایت درجہ گر گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُنہیں اُنہی کے عہد کی طرف بلایا کہ مجھے سچا نہیں سمجھتے یا عیسیٰؑ کو جھوٹا قرار دیتے ہو تو کم از کم اپنے عہد کا خیال ہی رکھو جو تم نے خدا سے باندھا تھا اور جو ہم سب میں قدرِ مشترک ہے۔ اگر وہ ان توریت کے احکام پر عمل کریں تو یہی اسلام ہے اور ان کے لئے اسلام قبول کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عہدوں کو توڑا نہیں جاتا بلکہ کسی نہ کسی بہانے ان سے غفلت برتی جاتی ہے۔ پس یہی وہ احکام ہیں جن پر عمل کرکے تم نے خدائی انعامات کا

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

خون اپنے اور نہ نکالوگے اپنے لوگوں کو گھروں سے اپنے پھر اقرار کیا تم نے

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

اور تم گواہ ہو پھر تم وہ لوگ ہوکہ قتل کرتے ہو اپنے لوگوں کو

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ

اور نکالتے ہو ایک فریق کو اپنے میں سے گھروں سے ان کے تم ایک دوسرے کی مدد

عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى

کرتے ہو خلاف انکے ساتھ گناہ اور زیادتی کے اور اگر آئیں وہ تمہارے پاس قیدی بن کر

حقدار بننا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بنیادی احکام تمام مذاہب میں ایک ہی ہیں اور تمام مذاہب اپنے اپنے وقت میں سچے تھے۔ مسلمان بھی ماسوئے چند تمام احکام کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ قبر پرستی اور شرک عام ہے۔ عبادت ایک چھلکا ہے جس میں سے مغز غائب ہے۔ اگر حقوق العباد کا احساس ہوتا تو بحیثیت قوم اس حالتِ زار کو نہ پہنچتے۔

۸۵۔۸۶۔ **تظٰهرون**۔ ظٰہر۔ پیٹھ۔ مراد ایک دوسرے کی مدد کرنا گویا ایک دوسرے کی پیٹھ سے ٹیک لگانا ہے۔ **اثم**۔ گناہ جو اپنی ذات سے ہے جبکہ **عُدوان** دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے۔ **اسارٰی**۔ اسیر کی جمع۔ اسر بمعنی زنجیر سے باندھنا۔ مراد قیدی ہے باندھا جائے یا نہ۔ **الدنیا** ۔ دنو ۔ قریب۔ گویا دنیا آخرت کے مقابلہ میں قریب کی زندگی یا منفعت ہے **القیامة**۔ قیام۔ قامَ ۔کھڑا ہونا۔ مخلوق کا خدا کے سامنے کھڑا ہونا۔ مفردات میں ہے کہ قیامت تین قسم کی ہے۔ پہلی قیامت کبریٰ۔ یعنی یوم آخرت دوسری وسطیٰ یعنی ایک نسل کا گزر جانا۔ تیسری صغریٰ جو ہر انسان کی موت ہے نیز دنیا کی بڑی بڑی تباہیوں کو بھی قیامت کہا گیا ہے۔

یہاں اس معاہدہ کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ نے مدینہ آتے ہی یہود سے کیا اور بائبل کے عہد کو دہرایا۔ (سیرت حلبیہ جلد۲) تورات میں اس عہد کی تفصیل خروج باب ۲۱،۲۲ میں درج ہے۔ ایک امیؐ نے یہود سے دنیا کا پہلا تحریری معاہدہ کیا جس میں اس عہد کو دہرایا۔ یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو قینقاع، اور بنونضیر مدینہ کے نواح میں اس خیال سے آباد ہوگئے تھے کہ موعود نبی اسی سرزمین میں آئے گا۔ مشرک قبائل اوس اور خزرج کی آپس میں جنگ رہتی تھی۔ یہودی قبائل آپس میں اتفاق سے رہنے کی بجائے بنو قریظہ اور بنو قینقاع ، اوس کے حلیف بن گئے اور بنو نضیر ، خزرج کے۔ جنگ میں اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتے، اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے، انہیں گھروں سے نکالتے اور غلام بناتے، جیسا کہ جنگ کا دستور تھا۔ پھر خود ہی چندہ کرکے ان یہود غلاموں کو آزاد

تُفْدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

تو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو انکو حالانکہ وہ حرام ہے تم پر نکالنا ان کا کیا پس ایمان لاتے ہو تم

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

ایک حصہ کتاب پر اور انکار کرتے ہو ایک حصہ کا پس نہیں بدلہ اس کا جس نے

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

کیا ایسا تم میں سے سوائے ذلت کے ورلی زندگی میں اور بروز

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

قیامت وہ لوٹائے جاویں گے طرف سخت ترین عذاب کے اور نہیں ہے اللہ ہرگز بے خبر

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

اس سے جو تم کرتے ہو یہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدی زندگی

کرواتے کیوں کہ بائبل کی روسے کوئی یہودی غلام نہیں رہ سکتا۔یہاں انہیں واقعات کاذکر ہے۔ کہ بائبل کی رو سے ایک دوسرے کا خون بہانااور گھروں سے نکالنا منع ہے لیکن تم ان تمام احکام کو پس پشت ڈال کر نہ صرف آپس میں جنگ و جدل کرتے ہو بلکہ گھروں سے نکالتے اور غلام بناتے ہو۔اپنوں کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے ہو جو گناہ بھی ہے اور زیادتی بھی۔یہودیوں کو غلامی سے چھڑاکر بیشک کتاب اللہ کے ایک حصہ پر عمل کرتے ہولیکن اپنوں سے جنگ کرکے ، خود ہی انہیں غلام بنا کر دوسرے حصہ پر عمل نہیں کرتے۔ان تمام نافرمانیوں کا آخری نتیجہ یہی نکلے گا کہ دنیا میں ذلیل ہوں گے اور آخرت میں بھی اشدّ العذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

یہاں یہود کے متعلق دو پیشگوئیاں ہیں پہلی یہ کہ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔دوسری یہ کہ آخرت میں عذابِ شدید ہوگا۔جہاں تک دنیا کا تعلق ہے۔اس وقت یہود مدینہ میں ایک صاحب ثروت اورصاحبِ علم قوم تھی۔مدینہ اور اس کے نواح میں باغوں، زمینوں اور زبردست قلعوں کے مالک تھے۔تجارت بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر یہود آپؐ کے دشمن ہوگئے کیونکہ موعود نبی کا ان میں سے نہ آنا ان کی برداشت سے باہر تھا۔(یہود کو یہ اعتراض تھا کہ نبی ہم میں کیوں نہیں آیا۔آج مسلمانوں کو یہ غم ہے کہ نبی ہم میں کیوں آیا عیسائیوں میں کیوں نہیں آیا)۔غرض وہ دن رات اسلام کے استیصال کی کوشش کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوقتل کرنے کی کئی سازشیں کیں۔خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت

نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملادیا۔آپؐ نے لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کوخبردے دی اور آپؐ نے تھوک دیا۔لیکن جس صحابیؓ نے ایک لقمہ کھالیاتھاشہید ہوگیا(ابن شام جلد۲) آنحضرت ﷺ پر اس زہر کا اثر دیر تک رہا۔ایک دفعہ بھاری پتھر گرا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی جس سے چند ایک صحابہؓ شہید ہوئے اور آپؐ معجزانہ طور پر بچ گئے یہ واقعہ جنگ خیبر میں پیش آیا۔قیصروکسریٰ تک کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی گئی۔ہمیشہ اہل مکہ کو مدینہ پر حملہ کی ترغیب دی۔جنگ بدر ، جنگ احد اور متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد آخر اہل مکہ قریباً تمام عرب قبائل کی معیت میں مدینہ پر چڑھ آئے۔یہ جنگ احزاب کہلائی۔لمبے محاصرہ کے بعد محض خدائی معجزہ تھا کہ یہ جم غفیر بغیر لڑائی کے معمولی آندھی سے گھبرا کر بھاگ گیا۔اس مصیبت کے وقت میں بھی یہود نے وعدہ خلافی کی اور حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔قبل ازیں اس زمانہ کے دستور کے خلاف آنحضرت ﷺ نے نہایت نرم سزا دی تھی یعنی بنو قینقاع اور بنونضیر کو متواتر وعدہ خلافیوں کی وجہ سے جنگ بدر اورجنگ احد کے بعد جلاوطنی کی سزا دی تھی لیکن جنگ احزاب کے بعد بنو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کو حَکم ماننے سے انکار کیااور حضرت سعد بن معاذؓ کوجو اسلام سے قبل یہود قبیلہ بنو قریظہ کے حلیف تھے، حَکم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔سعد بن معاذؓ نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا۔چنانچہ اس دِن قریباً اڑھائی تین سو یہودی قتل ہوئے اور بعض کو معافی اور پناہ دی گئی۔باقی خیبر میں جا کر آباد ہوگئے جہاں یہودیوں کی بستیاں اور مضبوط قلعے تھے اور جنگ خیبر کا باعث بنے۔ تمام مغربی ممالک اوریہود اس قتل کوظلم و بربریت قرار دیتے ہیں لیکن جس قدر مظالم انہوں نے لاکھوں بے گناہ مسلمانوں پر کئے اور کر رہے ہیں، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حال ہی میں بوسنیا چیچنیا ،سربیا اور فلسطین کے مسلمانوں پر اِن امن کے دعویداروں نے جو مظالم توڑے اسے ساری دنیا جانتی ہے لیکن کوئی ان کا ہاتھ روکنے کو تیار نہیں۔ افغانستان اورعراق کی تباہی ان کی وحشت اور درندگی کی تازہ مثال ہے۔پہلی جنگِ عظیم میں تین کروڑ اور دوسری میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان ہلاک کرچکے ہیں۔یہ سب یہود کے ایما پر ہواہے۔اگر یہود کاپیسہ نہ لگتاتو یہ جنگیں اتنا طول نہ پکڑتیں۔ یہود کے قصہ میں مسلمانوں کے لئے بھی زبردست پیش گوئی تھی کہ عنقریب تم پر بھی یہی حالات آنے والے ہیں۔ مسلم تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان دکھ نہ اٹھائیں (متفق علیہ بروایت عبداللہ بن عمرؓ) مگر مسلمانوں نے یہود کی تاریخ کو دہرایا۔ہاتھوں سے دکھ تو اس طرح دیا کہ اپنے دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کو ہی تہ تیغ کیا۔مسلمانوں سے سپین اور ہندوستان جیسی

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
ورلی بدلے آخرت کے پس نہ ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا
وہ مدد دیئے جاویں گے ۔ اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پیچھے بھیجا

ع ۱۰

مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
ہم نے بعد اس کے رسولوں کو اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۡ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ
کھلے کھلے نشانات اور تائید کی ہم نے اس کی بذریعہ روح القدس کے کیا پس جب کبھی لایا تمہارے پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا
کوئی رسول وہ جو نہیں چاہتے تھے نفس تمہارے تکبر کیا تم نے پھر ایک گروہ کو

كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ
جھٹلایا تم نے اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے تم ۔ اور کہا انہوں نے کہ دل ہمارے غلافوں میں ہیں (نہیں)

عظیم الشان حکومتوں کا چھن جانا مسلمانوں کی غداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔حال ہی میں عرب عراق جنگ میں سوفی صد یہی نقشہ تھا۔اپنوں کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور تمام دنیامیں ذلیل ہو رہے ہیں۔ علمائے قوم بجائے اپنی اور قوم کی اصلاح کرنے اور تبلیغ کرنے کے مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں۔زبان سے دکھ دینے میں بھی پیچھے نہیں۔مسلمانوں کو کافر بنانا ان کا شیوہ ہے ۔

ملت کو چھانٹ ڈالا کافر بنابنا کر اسلام اے فقیہو ممنون ہے تمہارا

۸۷۔بنی اسرائیل ایک نہایت ذہین،اللہ تعالیٰ کی محبوب،برگزیدہ اور انتہائی نیک قوم تھی۔ جسے لمبے عرصہ تک نبوت اور بادشاہت سے نوازا گیا۔ افسوس!انہوں نے روحانیت کو پس پشت ڈال کراپنی تمام ذہانت و قابلیت کو دنیاکے لئے وقف کر دیا۔باوجود اس کے کہ ظلم وستم کے پہاڑان پر ٹوٹے اور انہیں ہرطرح سے کچلنے(Crush کرنے) کی کوشش کی گئی وہ اب بھی اقتصادی طور پر دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں اور دنیا کی سیاست میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ایک زمانے کے بعد بیت المقدس ان کے قبضے میں ہے،چاہے عارضی ہو۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے دنیاکو آخرت کے بدلہ خریدلیا۔ یعنی دنیامیں عیش وعشرت اور آخرت میں عذاب ہے۔ایسا عذاب جوکم نہیں کیاجائے گااور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرسکے گا۔

۸۸۔**قفّینا۔ التقفا**۔ سر کے پچھلے حصہ یعنی گدی کو کہتے ہیں گویا پیچھے چلنا۔ **عیسیٰ** ۔

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا
بلکہ لعنت کی ان پر اللہ نے بسبب ان کے کفر کے پس کم ہی ایمان لاتے ہیں اور جب

عربی میں ہے ۔سریانی میں الیسوع ،انجیل میں یسوع ہے۔سید یامبارک۔ **مریم**۔ عبرانی میں عابدہ و خادمہ ۔ کنواری ۔**البیّنٰت۔ بیّنة** ۔ صداقت کے واضح اور کھلے کھلے نشان و دلائل۔روح القدس ۔ پاک کلام۔ جبریلؑ ۔خداتعالیٰ کی طرف سے ایسی پاکیزگی کاعطا ہونا جو انسانی نفس کو ہر پلیدی سے دور کر دے۔

بنی اسرائیل کے پہلے عظیم المرتبت اور صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کاذکر کیا پھر ان کے بعد پے درپے آنے والے رسولوں کا ذکر کیاپھر اس سلسلہ کے آخری نبی کا ذکر کیا جسے بینات اور روح القدس سے نوازا گیا۔چونکہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خطرناک الزام لگاتے تھے اس لئے ان کی فضیلت ظاہر کرناضروری تھا ورنہ بینات اور روح القدس کی تائید سب انبیاء کے لئے ہے نیز یہ ان تمام انبیاء سے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے افضل تھے۔یہ تمام انبیاء مع حضرت عیسیٰؑ شریعت موسوی کے تابع تھے اور اسی پر لوگوں کوعمل کروانے آتے تھے۔ہاں وقتی طور پر بحکم الٰہی بعض احکام میں کچھ فروعی تبدیلیاں کرلیتے تھے۔

بنی اسرائیل کومخاطب کرکے کہاکہ تم نے ہمیشہ انبیاء کی تکذیب کی ،ان کے قتل کے درپے رہے اور اب بھی اسی کوشش میں ہو ، حالانکہ وہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے آئے۔ اگر اب بھی موعود نبی بنی اسرائیل سے آتاتو اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا،یہ محض بہانہ ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں آیا۔پہلے جب بھی وہ رسول آئے جن کوتمہارے دل نہیں مانتے تھے توتم نے انہیں حقیر سمجھا، جھٹلایا اور ان کےقتل کے درپے ہوئے۔آباء و اجداد کی مثالیں اس لئے دیں کہ اگر ان کے وقت میں تم ہوتے تو بھی یہی کچھ کرتے جو اَب کر رہے ہو۔ہزاروں سالوں کے وقفہ کے باوجود نظریہ ایک ہی ہے کہ ہماری منشاء کے خلاف نبی کی تعلیم ہوگی تو نہیں مانیں گے۔

۸۹۔ **غلف**۔ اغلف اور غلاف کی جمع ہے۔پردے ۔ **لعن** ۔عربی اورعبرانی میں اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے رحمت ،نیکی، نجات اور خداتعالیٰ کی نظرمحبت سے محروم ہوا۔ جس کانتیجہ ہلاکت و تباہی ہے۔شیطان مردود کے لئے آیاہے۔یہود کہتے ہیں ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ آپ جو مرضی کہتے جایئے کچھ اثر نہ ہوگا۔پردوں کی وجہ سے نہ حق سمجھ سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔متواتر انبیاء کے انکار کی وجہ سے ان پر خداتعالیٰ کی لعنت ہے۔ یعنی ہرقسم کی

جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ
آئی ان کے پاس کتاب پاس سے اللہ کے تصدیق کرنے والی اس کی جو پاس ہے ان کے
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا
حالانکہ وہ پہلے سے فتح مانگتے تھے خلاف ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا سو جب
جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾
آئی (کتاب) انکے پاس جسے پہچان لیا انہوں نے تو انکار کردیا اس کا پس لعنت ہے اللہ کی کافروں پر
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
کیا ہی بُرا ہے وہ کہ بیچا انہوں نے عوض میں جس کے جانوں اپنی کو (یعنی) یہ کہ کفر کرتے ہیں اس کا جو اُتارا اللہ نے

بھلائی ،رحمت و برکت اور قرب الٰہی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے ہیں۔ہلاکت و تباہی اور محرومیاں دنیا اور آخرت میں ان کے مقدر کردی گئیں۔پس وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔

۹۰۔**یستفتحون** ۔فتح چاہنا یا مانگنا۔ وہ فتح چاہتے ہیں۔

یہود مدینہ کے کفار کو بائبل کی پیشگوئیاں سنایا کرتے تھے کہ ہم میں عنقریب وہ نبی آنے والا ہے جو کفر کا خاتمہ کردے گا اور تمام دنیا پر غالب آجائے گا۔ ان کے علماء و راہب کفار پر فتح حاصل کرنے کی دعا مانگا کرتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ وعدہ تھا کہ اگر وہ موعود نبی پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ممتاز قوم بنادے گا۔(استثنا ۱۲:۲۸۔۱۸:۱۸)چونکہ تکذیب انبیاء کی وجہ سے ذلیل ہوچکے تھے اس لئے شدت سے منتظر تھے۔ایک دفعہ حج کے موقع پر مدینہ کے چند مشرکین تک آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہود ایک نبی کے منتظر ہیں جس کے منکر تباہ ہوجائیں گے۔ایسا نہ ہو کہ یہود جو ایک عالم امیر اور عقلمند قوم ہے، آپؐ کو مان کر ہم پر غالب آجائیں۔چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کو اطلاع دی جس پر بہت سے اہل مدینہ ایمان لے آئے لیکن یہود نے باوجود اس کے کہ آپؐ کو اچھی طرح پہچان لیا تھا آپؐ کا انکار کیا۔اللہ تعالیٰ نے تو وہ کتاب بھیجی جو اس تعلیم کی جو ان کے پاس تھی تصدیق کر رہی تھی نیز تمام پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی اور تمام نبیوں کی مصدق تھی۔مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ صرف آپؐ نے کیا تھا جو آپؐ کی خاص نشانی تھا۔یہاں ان یہود پر لعنت ہے جنہوں نے ہر طرح آپؐ کی صداقت کو جان لیا، پھر انکار کیا۔اس کی شہادت ام المومنین حضرت صفیہؓ نے دی جو مشہور یہودی سردار کی بیٹی تھیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو میرے والد اور چچا ان کو مل کر آئے۔میں نے اپنے کانوں سے ان کی گفتگو سنی کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے لیکن جب تک

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ
بسبب سرکشی کے اس بات پر کہ اتارتا ہے اللہ اپنا فضل جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے
فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۱﴾
پس لوٹے وہ ساتھ غضب کے غضب پر اور کافروں کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ
اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ اس پر جو اُتارا اللہ نے کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں
بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ
اس پر جو اُتارا گیا ہم پر اور وہ کفر کرتے ہیں اس کا جو سوائے اسکے حالانکہ وہ حق ہے

زندہ ہیں اس کی مخالفت کرکے اس کی بات چلنے نہ دیں گے۔(ابن ہشام جلد دوئم صفحہ ۱۶۵ طبع جدید) گویا جب اللہ تعالیٰ نے یہود کی فتح کا سامان کر دیا تو انکار کرکے اس کے انعامات سے محروم رہے اور لعنت کے مورد بنے۔

۹۱۔**بئسما**۔ بوس ۔ بُرا۔نعم کی ضد۔**بغیًا۔ بغی**۔اسی سے بغاوت ہے۔سرکشی ۔ضد ۔حسد ۔**مھین ۔ اھان**۔ ذم کے مقام پہ ہوتو ذلت، مدح کے مقام پر عاجزی وانکساری کے معنی دیتا ہے ۔اردو میں بھی مھین بہت باریک اور چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے (توبہ آیت: ۱۱۱) فرمایا اس کی بجائے یہود نے کتنا بُرا سودا کیا کہ اپنی جانوں کے عوض کفر خرید لیا جو نہایت گھاٹے کا سودا ہے۔ان پر صداقت واضح طور پہ کھل چکی تھی۔ان کا انکار صرف اس حسد کی وجہ سے تھا کہ موعود نبی ہم میں سے کیوں نہیں آیا اور یہ کہ خداتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس پر اپنا فضل کیوں نازل کرتا ہے۔اس کا جواب قرآن کریم میں ہی ہے کہ خداتعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی نعمت کا اہل ہے۔ خدا تعالیٰ کا غضب پر غضب یہ ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرکے مغضوب بنے اب نبیؐ آخرالزماں کا انکار کرکے دوہرے غضب کے مورد بنے۔ صداقت کا عمداً انکار کرنے والے ہمیشہ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ عذاب مہین علاوہ عذاب آخرت کے یہ بھی ہے کہ نبوت اور حکومت سے محروم ہوئے اور دوسروں کے زیرنگیں رہیں گے۔

۹۲۔یہود نے کہا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نبی آئے تو ہم نہیں مانیں گے۔ فرمایا یہ وحی تو ایک دائمی صداقت ہے جو تمہاری تمام پیشگوئیوں کو سچا ثابت کرتی ہے۔بائبل کی پیشگوئیاں جو آنحضرت ﷺ کے متعلق تھیں، تصرفِ الٰہی سے محفوظ رہیں۔قرآن کریم نے جو حق و

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
تصدیق کرنے والا اُس کا جو پاس ہے ان کے تو کہدے پھر کیوں قتل کرتے تھے تم اللہ کے نبیوں کو

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى
پہلے سے اگر ہو تم مومن اور یقیناً یقیناً لایا تمہارے پاس موسیٰ

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
کھلے کھلے نشان پھر (بھی) بنایا تم نے بچھڑے کو پیچھے اس کے (معبود) اور تم

ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
ظالم تھے اور جب لیا ہم نے پکا وعدہ تم سے اور بلند کیا ہم نے اوپر تمہارے

الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا
طور کو (اور کہا کہ) پکڑو اُسے جو دیا ہم نے تم کو ساتھ مضبوطی کے اور سنو انہوں نے کہا

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ
سنا ہم نے اور نافرمانی کی ہم نے اور پلایا گیا ان کے دلوں میں بچھڑا

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
بسبب ان کے کفر کے تو کہدے کیا ہی بُرا ہے وہ کہ حکم دیتا ہے تم کو جس کا تمہارا ایمان اگر ہو تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ
مومن تو کہدے اگر ہے تمہارے لیے ہی گھر آخرت کا

صداقت پر مبنی ہے ، بائبل کے اسی حصہ کی تصدیق کی جو تحریف سے پاک تھا۔ حق اس حصہ کی تصدیق کیسے کرسکتا ہے جس میں باطل کی ملونی ہو۔ فرمایا اگر تم واقعی مومن تھے تو ان تمام انبیاء کا جو تم میں سے ہی آئے کیوں انکار کیا اور کیوں ان کے قتل کے درپے رہے۔

۹۳۔ پچھلی آیت میں یہود نے کہا کہ اگر ہم میں نبی آتا تو مان لیتے اس کا جواب دیا کہ اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو کہ موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی سے تمہارا کیا سلوک تھا۔ تمام معجزات دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد تم نے بچھڑا بنایا اور شرک کے مرتکب ہوئے۔

۹۴۔ یہود کو ان کی عہد شکنی یاد دلائی کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم سے دامنِ طور جیسے مقدس مقام پر ایک عہد لیا تھا کہ جو احکام تمہیں ملیں ان پر مضبوطی سے قائم رہو گے اور ان پر عمل درآمد کرو گے لیکن تمہاری نافرمانیوں کی حد یہ ہے کہ وہیں کہا کہ بیشک ہم نے یہ سن لیا لیکن عمل نہیں ہوگا۔ ضروری نہیں کہ انہوں نے زبان سے ہی انکار کیا ہو۔ زبان حال سے بھی نیتیں عیاں ہو جاتی ہیں جیسا کہ صاعقہ وغیرہ سے گھبرا کر بھاگے۔ (خروج باب ۲۰ آیت ۱۹)۔ (کتاب استثناء باب ۲۶

اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ
اللہ کے پاس خاص طور پر (تمہارے لیے) سوا اور لوگوں کے تو آرزو کرو موت کی اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ
ہو تم سچے اور ہرگز نہیں آرزو کریں گے وہ اس کی کبھی بھی بسبب اسکے جو آگے بھیجا

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ
ان کے ہاتھوں نے ۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور ضرور ہی تو پائے گا انکو

اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛ يَوَدُّ
زیادہ حریص تمام لوگوں سے زندگی پر اور ان لوگوں سے بھی (زیادہ) جنہوں نے شرک کیا چاہتا

اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ
ایک ان میں سے کہ کاش اُسے عمر دی جائے ہزار سال حالانکہ نہیں ہے ہرگز بچانے والا اپنے تئیں

آیت ۱۷۔۱۸۔۱۹) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زبانی سمعنا کہا ہو اور دل میں عصینا کہا ہو یا عملاً عصینا کا اظہار ہو۔ ان کے انکار کی وجہ سے ان کے دل میں بچھڑے کی محبت رچائی گئی۔ کیا تمہارا ایمان یہی ہے کہ تمہارا نبی تمہارے لئے احکام و شریعت لینے چند دن کے لئے جائے تو تم صبر نہ کرسکو اور شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ۔ ابھی خداتعالیٰ سے یہ گلہ ہے کہ موعود نبی ہم میں سے کیوں نہیں آیا۔ طور کا ان پر بلند ہونا یہ تھا کہ کوہِ طور کے دامن میں جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں پہاڑ سائبان کی طرح آگے کو جھکا ہوا تھا اور یہ اس کے نیچے کھڑے تھے۔ میثاق کے بعد ان پر طور کو بلند کرنے سے یہ بھی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو طور کی تجلیاں دکھائیں۔

۹۵۔۹۶۔ یہود کے ساتھ خاصی طویل بحث کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں آخری فیصلہ کی طرف بلاتا ہے کہ اگر تم خداتعالیٰ کے ایسے ہی پیارے ہو کہ نبی تم سے باہر آسکتا ہے نہ نجات تمہارے سوا کسی کو مل سکتی ہے تو آؤ مباہلہ کرلیں کہ جو جھوٹا ہے اسے موت آجائے۔ یہاں یہود کو مباہلہ کی دعوت دی۔ سورۃ آل عمران آیت ۶۲ میں عیسائیوں کو مباہلہ کے لئے بلایا۔ اس لئے کہ آخری فیصلہ یہی ہے تا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ خداتعالیٰ کس کی سنتا ہے اور کون حق پر ہے۔ پھر فرمایا کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ ان کے دل جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سچے ہیں اور یہ بھی کہ ان کا انجام اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۹۷۔ **مزحزح**۔ زحزح ۔ زح سے ہے۔ کسی چیز کو ہٹانا۔ دور کرنا۔ اسی سے مزاحمت ہے۔

الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ مَنْ
عذاب سے (اس طرح) کہ عمر دیجائے اسے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں تو کہدے جو

كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰي قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
شخص ہے دشمن جبرائیل کا پس یقیناً اس نے اتارا ہے اُس (قرآن) کو دل پر تیرے ساتھ اللہ کے حکم کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۸﴾
مصدق بنا کر اس (کتاب) کا جو پہلے ہے اس کے اور ہدایت اور بشارت بنا کر ایمانداروں کے لیے

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ
جو شخص دشمن ہے اللہ کا اور فرشتوں کا اس کے اور رسولوں کا اس کے اور جبرائیل کا

وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اور میکائیل کا تو یقیناً اللہ دشمن ہے کافروں کا اور یقیناً یقیناً اُتاری ہم نے

فرمایا یہ مباہلہ کے لئے آنے کی جرأت کس طرح کرسکتے ہیں؟ یہ تو دنیا کی زندگی کے معاملہ میں اتنے حریص ہیں کہ ہر بندہ ہزار سال سے کم عمر نہیں چاہتا۔ یہی حال بعض مشرکوں کا بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ خداتعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے تو دنیا دارالابتلا ہے اس لئے انہیں دنیا کی کوئی حرص نہیں ہوتی۔ وہ تو وہی کام کرتے ہیں جن سے آخرت سنور جائے۔ مشرکین عام طور پر آخرت پر یقین نہیں رکھتے اس لئے چاہتے ہیں جو عیش ہو سکے یہیں کرلیں۔ یہود آخرت پر یقین ہونے کے باوجود اپنے اعمال کی وجہ سے دنیا سے جانا نہیں چاہتے اور تمام لوگوں سے بلکہ مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے لئے حریص ہیں۔ فرمایا! ہزار سالہ زندگی کا ہونا بھی انہیں عذاب سے نہیں بچاسکتا کیونکہ خداتعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ جس کی سزا انہیں بہرحال بھگتنی ہوگی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے اعمال کی فکر کرتے لیکن اس طرف سے آنکھیں بند کرکے لمبی زندگی کے شدید خواہاں ہیں اور دنیا سے جانا نہیں چاہتے۔ یہ حال اس وقت تھا اور آج بھی ہے۔

۹۸۔۹۹۔**جبریل** ۔ بخاری میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جبرائیل ، میکائیل اور اسرافیل سب کے معنی عبداللہ کے ہیں۔ جبر بمعنی عبد۔ ایل بمعنی اللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ وہ فرشتہ جو انبیاء پر وحی لے کر آتا ہے۔ آپ کا رتبہ سب ملائکہ سے افضل ہے۔ آپ کو جبرائیل امین کہا۔ آپ اس امانت کا حق پورا ادا کرتے ہیں اور وحی پہنچانے میں ذرہ برابر غلطی نہیں کرتے۔ دوسرے برگزیدہ بندوں پر جبریلؑ کے تابع فرشتے اترتے ہیں۔ پچھلے رکوع میں آنحضرت ﷺ سے یہود کی عداوتوں کا ذکر تھا اب فرمایا کہ ان کی دشمنی خداتعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتوں تک پہنچ چکی ہے۔ فرشتے تو

اس کارخانۂ قدرت میں خداتعالیٰ کے حکم کے تحت صرف کارکن ہیں۔ جن میں سے کچھ نیکی کے محرک فرشتے ہیں۔ جب وہ کسی کے دل میں نیکی کی تحریک کرتے ہیں تو اگر وہ اس نیکی کی طرف مائل ہو جائے تو بار بار تحریک کرتے ہیں اور دوسرے قریبی فرشتوں کو اس قلبِ سلیم کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ بھی نیکی کی تحریکیں کرتے ہیں اس طرح تمام ملائکہ حتّٰی کہ ملائکۂ اعلیٰ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں اور وہ خداتعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے۔ تمام نیکی کی تحریکوں کے افسرِ اعلیٰ جبریل امین ہیں جو انبیاء پر وحی لے کر آتے ہیں۔ اس لئے کہا کہ جبریلؑ کا دشمن کون ہو سکتا ہے جبکہ وہی تمام نیکی کی تحریکوں کا سرچشمہ ہے اور ایسی وحی باذنِ خدا لاتا ہے جو تمہاری کتابوں کی مصدق ہے اگر جبریلؑ تمہارا دشمن ہوتا تو قرآن کریم بائبل کی پیشگوئیوں کو جھوٹا قرار دیتا۔ اگر قرآن کریم محمدؐ پر نازل ہوا تو جبریلؑ کو تم سے دشمنی نہیں تھی بلکہ خداتعالیٰ کی نظر میں جو اس عظیم امانت کا زیادہ اہل تھا اس پر نازل ہوا یہود اپنے تنزل کے زمانہ سے جبریلؑ کو عذاب کا فرشتہ سمجھنے لگے۔ جب نافرمانیوں سے عذاب آتا تو ذمہ دار جبریلؑ کو گردانتے۔ یا اس لئے کہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب کی پیشگوئیاں لے کر آتا ورنہ بائبل میں یہی ہے کہ ملائک کے سردار ہیں اور وحی لانے پر مامور ہیں۔ جبریلؑ تو وہ قرآن لایا جو نہ صرف بائبل کی پیشگوئیوں کا مصدق ہے بلکہ جو ہدایتیں پہلی کتابوں میں نہیں تھیں وہ قرآن کریم میں ہیں۔ علاوہ ازیں مومنوں کے لئے بشارتیں ہیں کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو انعاماتِ الٰہی سے نوازے جاؤ گے اور دنیا کے فاتح بن جاؤ گے۔ صحابہؓ کی ذات میں یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔

کلام الٰہی کا نزول دل پر ہوتا ہے اس لئے وہ انسان کو پاک کرتا ہے۔ فرمایا جبریلؑ نے اس قرآن کریم کو تیرے دل پر نازل کیا یعنی جسم اور روح کے ذرہ ذرہ میں داخل کردیا یہاں تک کہ تو مجسم قرآن ہوگیا جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا **کان خلقہ القراٰن** یعنی آپؐ کا خلق قرآن کے عین مطابق تھا۔ (ابوداؤد جلد۲ صفحہ۸۸) جبریلؑ اور آپ کے تابع ملائکہ کا کام روحانیت سے تعلق رکھتا ہے جبکہ میکائیلؑ کا کام دنیاوی انعامات اور ترقیات سے ہے۔ جیسے بارش، رزق اور دنیوی علوم آپ کے ذمہ ہیں۔ دنیوی علوم کا تعلق دماغ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے دنیوی علوم اور نعمتوں کو بھی رضائے الٰہی کے تحت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں اور برکات سے نوازے جاتے ہیں۔ یہود میکائیل کو اپنا دوست فرشتہ سمجھتے تھے۔ (دانیال ۱۲-۱) شاید اس لئے کہ دنیوی لحاظ سے ممتاز تھے۔ فرمایا اگر خداتعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتوں اور رسولوں پر ان کو اعتراض ہے، ان

إِلَيْكَ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ إِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ أَوَ

تیری طرف آیتیں کھلی کھلی اور نہیں انکار کرتے ان کا سوائے فاسقوں کے کیا

كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

(یہ درست نہیں) کہ جب کبھی عہد کیا انہوں نے کوئی عہد پھینک دیا اُسے ایک فریق نے ان میں سے بلکہ اکثر ان میں سے

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

نہیں ایمان لاتے اور جب آیا ان کے پاس رسول طرف سے اللہ کی

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا

تصدیق کرنے والا اس کی جو پاس ہے انکے پھینک دیا ایک فریق نے ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے

الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا

کتاب کتاب اللہ کو پیچھے اپنی پیٹھوں کے گویا کہ وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ

نہیں جانتے اور پیروی کی انہوں نے جسکی پیروی کرتے تھے شیاطین برخلاف سلطنت

کی ہدایتیں انہیں اپنی مرضی کے خلاف لگتی ہیں اور انہیں دشمن سمجھتے ہیں تو خداتعالیٰ بھی ایسوں کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ دشمنی سے پاک ہے مراد یہ ہے کہ انہیں ان کی دشمنی کی سزا دے گا۔

۱۰۰۔ فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم نے کھلے کھلے نشانات و معجزات نازل کئے جس کی نظیر کسی پہلے نبی کے معجزات میں نہیں ملتی ۔مگر فاسقین ہی انکار کرتے ہیں۔فاسق عہد سے پھر نے والے کو کہتے ہیں۔یہاں یہود کو فاسق کہا کہ وہ اِس عہد سے پھر گئے جو نبیؐ موعود کو ماننے کا ان سے لیا گیا تھا۔

۱۰۱-۱۰۲۔**نبذ** ۔کسی چیز کو بیکار سمجھ کر پھینک دینا۔**نَبَذَ**۔اس نے پھینکا۔

یہود نے کبھی بھی اپنے عہد کا پاس نہیں کیا ہمیشہ ہی ایک فریق نے بدعہدی کی بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے۔اس طرح اگر اب خداتعالیٰ کی طرف سے ایک رسول ان کی اپنی کتابوں کا مصدق آیا تو اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا انہیں وہ تمام عہد بھول گئے جو نئی شریعت کو ماننے کے لئے ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی کتاب یعنی تورات کو پس پشت ڈال دیا اور اس کی پیشگوئیوں سے آنکھیں بند کرلیں۔مصدق میں بتایا کہ یہ رسول اُس کلام اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں نہ کہ تحریف شدہ حصہ کی۔

۱۰۳۔**تتلوا**۔ تلا۔اسی سے تلاوت ہے۔پڑھنا۔ پیچھے چلنا۔ جیسے **والقمر اذا تلاھا** ٥

سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

سلیمان کی حالانکہ نہیں کفر کیا تھا سلیمان نے ولیکن شیطاطین نے کفر کیا

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

وہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور جو اُتارا گیا دو فرشتوں پر

بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ

بابل میں ہاروت اور ماروت پر اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو

حَتّٰى يَقُوْلَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ

یہاں تک کہ وہ کہدیتے تھے کہ محض ہم آزمائش ہیں پس نہ کفر کیجیو تو پس سیکھتے تھے وہ

(الشمس-۳)بعض دفعہ اس کے معنی جھوٹی باتیں منسوب کرنے کے بھی ہیں۔مفردات راغب میں **ماتتلوا الشیطین** میں شیاطین سے مراد سرکش لوگ ہیں۔**خلاق**۔ حصہ ۔بھلائی کا پورا حصہ۔

حضرت سلیمانؑ ، حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ان کا زمانہ ۹۷۷ قبل مسیح ہے گویا حضرت موسیٰؑ سے تقریباً پونے چار سو سال بعد مبعوث ہوئے۔بنی اسرائیل میں اتنی شان و شوکت والی وسیع مملکت کسی بادشاہ کی نہیں ہوئی۔آپ ہی نے بیت المقدس کا مشہور معبد بنوایا۔بابل ایک نہایت قدیم اور عظیم الشان شہر تھا۔ایک مدت تک عراق کا پایۂ تخت رہا۔بخت نصر کے عہد میں بہت عروج پر تھا۔بعد میں تباہ ہوا۔اب بھی دریائے فرات کے دونوں طرف اس شہر کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔یہود کے بعض فرقوں کو حضرت سلیمانؑ سے خدا واسطے کا بیر ہوگیا تھا۔انہوں نے آپ پر کفر و شرک کے علاوہ شرمناک الزامات لگائے (سلاطین ۱۱-۴) لیکن قرآن کریم نے جس طرح ہر نبی کو اس پر لگائے گئے الزامات سے بری فرمایا اسی طرح آپؑ کی بھی ان تمام الزامات سے بریت فرمائی۔

اس آیت کی تفسیر میں بہت سے اسرائیلی قصے تفاسیر میں داخل ہوگئے ہیں۔جن کی کوئی حقیقت نہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس مشکل آیت کی نہایت آسان تشریح فرمائی۔آپ نے پوری آیت کا تعلق حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے کیا۔ پیچھے سے آنحضرت ﷺ کے خلاف یہود کی منصوبہ بندیوں اور عہد شکنیوں کا ذکر جاری ہے۔اسی تعلق میں اس واقعہ کا ذکر کیا کہ یہود نے آنحضرت ﷺ کے خلاف وہی طریق اختیار کیا جو ایک عظیم نبی حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے خلاف اُس زمانہ کے باغیوں نے اختیار کر رکھا تھا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

یہود کا پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت یوشعؑ کی قیادت میں فلسطین پر قابض عمالقہ قوم کو شکست دے کر فلسطین پر قبضہ کیا۔ان کے بارہ قبائل نے بارہ ریاستیں قائم کرلیں۔عمالقہ

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا

ان دونوں سے وہ بات کہ جدائی ڈالتے تھے اس کے ذریعہ درمیان مرد اور بیوی کے اس کی اور نہیں

هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

تھے وہ ہرگز نقصان پہنچانے والے اسکے ذریعہ کسی کو بھی سوائے اللہ کے حکم کے اور سیکھتے ہیں یہ لوگ

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ

جو نقصان دے گی انہیں اور نہ نفع دے گی انہیں اور جان لیا انہوں نے کہ جس نے لیا اُسے

مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ

نہیں ہے اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ اور کیا ہی بُرا ہے وہ کہ بیچ دی ہیں انہوں نے عوض میں

ایک قدآور، مضبوط، جفاکش اور باغیانہ مزاج کی قوم تھی۔ قرآن کریم میں انہیں شیاطین کہا گیا ہے۔ (سورۃ الانبیاء ؛۸۳)ان کے سرداروں نے اطاعت قبول نہ کی بلکہ اردگرد کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہوگئے اور بنی اسرائیل سے برسرپیکار رہے۔ اکثر شبخون مارتے اور لوٹ مار کرتے۔ یہود ریاستیں آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئیں اور عمالقہ زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو ان علاقوں سے قریباً بے دخل کردیا اور وہ پہاڑوں پر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ آخر حضرت داؤدؑ ایک زبردست کمانڈر کے طور پر ابھرے، بلندقامت ہونے کی وجہ سے آپ کا صفاتی نام طالوت تھا۔ آپ نے بنی اسرائیل کی متفرق ریاستوں کو اکٹھا کیا اور اردگرد کے تمام باغی قبائل کو جنہیں قرآن کریم میں جالوت کہا گیا ہے، شکست دے کر اپنی سلطنت میں مدغم کیا، ان کی قوت کو سختی سے کچل دیا اور ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ حضرت سلیمانؑ فطری طور پر نرم مزاج تھے۔ آپ کے تخت نشین ہوتے ہی باغیوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ آپ کے خلاف خفیہ منصوبے بنائے اور آپ کی کردارکشی کی چونکہ جادو کا زمانہ تھا اس لئے لوگوں کو جادو کے زور سے بھی آپ کے خلاف بھڑکاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سلیمانؑ کی مدد کے لئے دو فرشتہ سیرت بزرگ ہاروت اور ماروت کو مقرر فرمایا۔ انہوں نے ان باغیوں کا استیصال کرنے کے لئے ’’ان پر جو اتارا گیا‘‘ یعنی انہیں جو خدائی ہدایات ملیں، ان کے مطابق خفیہ تنظیمیں تشکیل دیں۔ یہ بزرگ ان تنظیموں کے ممبرات کو خدائی احکام دینے سے پہلے خوب واضح کر دیتے کہ ہمارے احکام کا انکار نہ کرنا۔ ہم تو آزمائش کے طور پر مقرر ہیں۔ اس میں ہمارا ذاتی فائدہ ہرگز نہیں۔ باغیوں کے خلاف جوابی کاروائی میں اپنے مشن کو صیغۂ راز میں رکھتے اور عورتوں کو اس میں شامل نہ کرتے۔ قومی مفاد کے لئے اکثر قومی راز اور منصوبہ بندیاں بیویوں سے چھپانی ضروری ہوتی ہیں تا راز فاش نہ ہوجائے۔ ان بزرگوں کی جوابی

اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ

اپنی جانیں کاش ہوں وہ جانتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور

اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا

تقویٰ اختیار کرتے تو بدلہ اللہ کے پاس سے بہتر ہو کاش ہوں وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ ع ۱۲

جانتے اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ کہو رَاعِنَا اور

کاروائیوں کا نشانہ وہی بنتے، جن کو اللہ تعالیٰ ضرر پہنچانا چاہتا ورنہ ان کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ایسی خفیہ تنظیمیں اچھے مقاصد کے لئے بنائی گئیں لیکن یہود کے روحانی زوال کے دور میں شریر لوگوں نے ان کو بھی نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنالیا۔ جیسا کہ بعد میں Free Mason قسم کی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ اس آیت میں یہود کو یہی بتانا مقصود تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے باغیوں کی پیروی نہ کرو۔ بیشک حضرت سلیمانؑ آنحضرت ﷺ کی طرح نرم خو تھے لیکن جس طرح ان کے باغی خداتعالیٰ کے مقرر کردہ دو بزرگوں کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے، تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ ممکن ہے ان دو بزرگوں کے ذکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان دونوں عظیم المرتبت بزرگوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کے عہد خلافت میں بھی بہت سے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا قلع قمع ہوا اور اسلام کو غیر معمولی تقویت اور وسعت حاصل ہوئی۔ ان بزرگوں کا مقام اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! تم دونوں شیخین (ابوبکرؓ اور عمرؓ) کسی بات پر متفق ہوجاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔ (ابن کثیر بحوالہ مسند احمد بن حنبل)

۱۰۴۔ **مثوبة** اور ثواب ثوب سے ہے یعنی جزا، بدلہ۔

یہود کی تمام تر سرکشیوں اور نافرمانیوں کے بعد بھی خداتعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کا اتنا خواہشمند ہے کہ فرمایا! کاش وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً بہترین بدلہ ہوتا۔ قرآن کریم میں محض زبانی ایمان کی اہمیت نہیں جب تک تقویٰ یعنی عمل صالحہ نہ ہو۔ فرمایا کاش انہیں ان نعماء کا اندازہ ہوتا جو ایمان لانے والے متقین کو دنیا اور آخرت میں ملنے والی ہیں۔

۱۰۵۔ **راعنا**۔ راع ۔ جس کے معنی ہیں رعایت و نرمی سے ہماری طرف توجہ کیجئے۔ جیسے

قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾
کہو اُنظُرنا (دیکھ ہمیں) اور سنو اور کافروں کے لیے عذاب ہے دردناک ۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ
نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا اہل کتاب میں سے اور نہ مشرک

کہتے ہیں کہ ذرا بات سمجھ لینے دیجئے۔ چونکہ یہ باب مفاعلہ کالفظ ہے جس کے معنی ایک دوسرے کی رعایت کرنے کے ہیں۔گویا اگر تم رعایت و نرمی کروگے تو ہم بھی کریں گے۔اس طرح یہ ذومعنی لفظ تھا اور گستاخی کے رنگ میں تھا اس کو بگاڑکر **رَاعینا** کہتے یعنی ہمارا چرواہا۔ راع کے معنی بیوقوفی کے بھی ہیں۔ **انظرنا۔ نَظِرَة** سے ہے۔ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم بات سمجھ لیں۔ یا یہ کہ ہم پر نظرِ رحمت کیجئے۔

راعنا اور**انظرنا** کے ایک ہی معنی ہیں لیکن راعنا سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ ذومعنی لفظ تھااور یہود شرارت سے کہتے تھے۔پچھلے رکوع میں یہود کی خفیہ شرارتوں اورمنصوبوں کا ذکرتھا کہ بظاہر بڑے ہمدرد بنے رہتے ہیں لیکن درپردہ مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔اس رکوع میں ان کی ظاہری گستاخیوں کا ذکر ہے جن میں انہوں نے آنحضرتﷺ کا بھی لحاظ نہیں کیا۔بھری محفل میں ایسا لفظ کہہ جاتے جس سے تحقیروتمسخر مدنظر ہوتا۔اس طرح مسلمانوں کے دل سے آپؐ کا احترام کم کرنے کی کوشش کرتے اور اشتعال بھی دلاتے۔ذومعنی ہونے کی وجہ سے کوئی روک بھی نہ سکتا۔ خداتعالیٰ نے آنحضرتﷺ کے معاملہ میں چھوٹی سے چھوٹی گستاخی کو بھی نظرانداز نہیں کیا اور فوراً تنبیہ کی تا فتنہ کو بڑھنے کا موقع نہ ملے کیونکہ اس طرح کی بظاہرمعمولی باتوں کے نتائج بہت دوررس ہوتے ہیں۔مومنوں کو کہاکہ آنحضرتﷺ کی شان میں صرف وہ الفاظ استعمال کرو جو آپؐ کے شایانِ شان ہوں اور ہر لحاظ سے قابل تحسین ہوں۔یہاں تو ایک مثال دی ہے ورنہ اکثر آنحضرتﷺ سے ایسے سوالات کرتے کہ مسلمانوں کو مایوسی ہو اور آنحضرتﷺ سے بدظن ہو جائیں۔صرف گستاخی ہی نہ کرتے بلکہ نعوذ باللہ تذلیل پر بھی اتر آتے۔السلام علیکم کو السام علیکم کہتے جس کے معنی تباہی و بربادی کے ہیں(بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء علی المشرکین) **واسمعوا** فرمایایعنی آنحضرتﷺ کے خطبات کو پوری توجہ سے سنو تاکہ باربار یہ کہنا ہی نہ پڑے کہ ہمیں سمجھ نہیں آئی۔پس اگر یہ اپنے گستاخانہ رویہ سے باز نہ آئے تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۶۔**یودُّ** ۔وُدّ۔محبت رکھنا۔ پسند کرنا۔وہ پسند کرے گا۔ آرزو کرے گا۔

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ
کہ اُتاری جاوے تم پر کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے حالانکہ اللہ خاص کرتا ہے ساتھ

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۶﴾ مَا
اپنی رحمت کے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے جو بھی

نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ
منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلوادیتے ہیں ہم اُسے تولاتے ہیں ہم بہتر اس سے یا مانند اس کی

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۷﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
کیا نہیں جانا تُونے کہ اللہ ہربات پر خوب قادر ہے کیا نہیں جانا تُونے کہ

اہل کتاب ہوں یا مشرکین ان میں سے جو بھی رسول کا انکار کرنے والے ہیں، وہ کبھی یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں خیر و بھلائی ملے اور تم وحی الٰہی سے نوازے جاؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے۔وہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔یہاں کافروں کی حالت کا اندازہ لگایاجاسکتاہے کہ جب آنحضرتﷺ پر خداتعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش ہوتی ہوگی اور ہر روز تازہ بتازہ وحی سے نوازے جاتے ہوں گے تو وہ کس طرح انگاروں پہ لوٹتے ہوں گے۔اس لئے فرمایاکہ ان کے چاہنے سے کیا ہوتاہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اورجسے نوازتاہے وہی اس کی نظرمیں اس کرم کا حقدار بھی ہوتاہے۔

۱۰۷۔**ننسخ**۔ نسخ ۔منسوخ کرنا ۔**ننس**۔نسی۔ نسیان۔ بھولنا ۔**نُنسِ**۔ہم بھلاتے ہیں۔ **آیة** کے معنی تاج العروس میں رسالت یاپیغام الٰہی ،دلیل، معجزہ اور نشان کے ہیں۔

پچھلی آیت میں تھا کہ یہود کو پسند نہیں کہ خدا تعالیٰ کی وحی بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور پر نازل ہو اور اس طرح ان کی شریعت منسوخ ہو۔یہاں فرمایاکہ اگر ہم شریعت موسوی میں سے کچھ احکام منسوخ کر دیں یافراموش کر دیں تو اس سے بہتر یا اس کے مثل احکام قرآن کریم میں لاتے ہیں۔گزشتہ کتبِ سماوی تو اپنی اصل حالت میں اس وقت موجودنہیں کیونکہ بخت نصرنے بیت المقدس پرحملہ کرکے تمام قدیم صحائف کو جلا دیا تھا۔(انسائیکلوپیڈیاببلیکا صفحہ ۶۵۳،۶۵۴)یرمیاہ نبی کے وقت یعنی چارسو سال قبل مسیح کوئی آسمانی صحیفہ نہ تھا۔ان کے بعد عزرا نبی نے خداتعالیٰ سے صحائف پائے۔بعد میں بھی بے شمار رد و بدل کئے گئے اور ذاتی خیالات و تجربات ، قصے کہانیوں اورسنی سنائی باتوں کو ان میں شامل کیاگیا۔یہود کو نئی شریعت دینے کاوعدہ بھی تھا چنانچہ پرانی شریعت موسوی کے کچھ حصے منسوخ کردیئے گئے جو وقتی ضرورت کے تحت خاص قوم کے لئے خاص وقت تک قابل عمل تھے اور ان سے بہتر تعلیم دے دی جو ایک مکمل ضابطۂ حیات اور قیامت تک

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

اللہ وہ ہے کہ اس کے لیے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں تمہارے لیے سوائے

اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۸﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا

اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار کیا چاہتے ہو تم ۔پوچھو اپنے

رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ

رسول سے جیسا کہ پوچھا گیا موسیٰ (اس سے) پہلے اور جو بدلہ میں لیتا ہے

کے لئے تمام دنیا کے لئے قابل عمل ہے۔بائبل کے بعض حصے مرور زمانہ سے لوگوں کو بھول گئے تھے اور ان کتب سے بھی محو ہوگئے تھے۔ان کو دوبارہ شریعت میں داخل کیا گیا۔فرمایا یہ سب کچھ خداتعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔بعض مفسرین نے اس آیت سے بعض قرآنی آیات کا منسوخ ہونا مراد لیا حالانکہ نہ سیاق و سباق سے اور نہ قرآنی تعلیم سے یہ معنی نکلتے ہیں۔خداتعالیٰ تو فرماتا ہے ''ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''(حجر آیت ۱۰)۔طبری کا قول ہے کہ نسخ کی روایات ضعیف ہیں کوئی بھی آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتی۔احادیث سے ثابت ہے کہ وہ تمام صحابہؓ جنہوں نے قرآن کریم کو جمع کیا جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت زیدؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر بلند پایہ اصحابِ رسول سب کے سب اس بات کے قائل تھے کہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ میور (Muir) جیسے شدید ترین دشمن اسلام نے تسلیم کیا کہ یہ وہی کتاب ہے جسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔(لائف آف محمد صفحہ :۲۸)

۱۰۸۔یہود کو نسخ شریعت پر اعتراض تھا اس لئے ان کی توجہ صحیفہ کائنات کی طرف مبذول کرائی کہ کیا زمین و آسمان پر خدائی اقتدار کے تم قائل نہیں اور دیکھتے نہیں کہ ہر شے تغیر پذیر ہے؟ کیا کائنات میں یہ قانون جاری نہیں کہ جب کوئی چیز مفید نہیں رہتی تو مٹادی جاتی ہے؟(رعد آیت ۱۸)۔زمینی بادشاہتیں ہمارے سامنے عروج و زوال کا شکار ہیں۔خداتعالیٰ نااہل بادشاہوں سے حکومت اہل اور قابل بندوں کو منتقل کر دیتا ہے جو پرانے قوانین میں ضروری ترامیم کر کے ایک نیا قانون عوام کی بہبود کے لئے نافذ کرتے ہیں۔یہی قانون آسمانی بادشاہت میں کار فرما ہے کہ جب ایک دو ہزار سالہ تحریف شدہ قانونِ شریعت جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہا تو اپنی مخلوق پہ رحم کرتے ہوئے اپنے وعدوں کے مطابق ایک نیا اور آخری قانون عطا کیا جس نے پہلی تمام ابدی صداقتوں کو قائم رکھا اور جو صداقتیں مرور زمانہ سے انسانی اغراض کی بھینٹ چڑھ گئی

الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۹﴾ وَدَّ كَثِیْرٌ

کفر بعوض ایمان کے تو یقیناً وہ بھٹک گیا درست راستے سے چاہا بہت سوں نے

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ

اہل کتاب میں سے کاش پھر کردیں وہ تم کو بعد تمہارے ایمان لانے کے

كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ

کافر بسبب حسد کے (جو) جانوں میں ہے ان کی بعد اس کے کہ خوب کھل گیا

لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

ان کے لیے حق پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ لاوے اللہ اپنا حکم

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قادر ہے اور قائم کرو نماز اور دو

تھیں انہیں بھی شامل کیا اور وہ باریک حقائق بھی شامل کئے گئے جن کا متحمل ابتدائی انسان نہیں ہوسکتا تھا۔ہاں جو احکام وقتی ضرورتوں کے لئے تھے انہیں منسوخ کردیا۔اللہ تعالیٰ کے سوا کون تمہارا دوست و مددگار ہوگا جسے تمہاری تمام روحانی اور مادی ضروریات کا خیال ہو۔

۱۰۹۔یہاں سوال کرنے سے نہیں روکا بلکہ ایسے گستاخانہ سوالات سے روکا جیسے یہود حضرت موسیٰؑ سے کرتے تھے جن کی وجہ سے ایمان کو چھوڑ کر کفر و شرک میں مبتلا ہوئے اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ان سوالات کی لمبی فہرست قرآن کریم اور بائبل میں موجود ہے جو ان کی گستاخیوں پر گواہ ہے۔

صحابہ کرام تو آنحضرت ﷺ کے احترام کی وجہ سے سوال تک نہ کرتے اور اس انتظار میں رہتے کہ اگر کوئی اعرابی سوال کرے تو ہم بھی سن لیں۔(بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فضل النفقة فی سبیل اللہ حدیث نمبر۲۶۳۰) یہاں ایسے ہی اعرابی مخاطب ہیں۔ اسلام بحث برائے بحث اور سوال برائے سوال کا قائل نہیں۔پس ایسا سوال جس سے نبیؑ کی تحقیر یا تضیعِ اوقات ہو یا لغو ہو، خداتعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور انحطاطِ ایمانی کا موجب ہے، اس سے منع فرمایا۔ورنہ عام تحقیق طلب سوالوں سے منع نہیں فرمایا جو ازدیاد ایمان کا موجب ہوں۔ ایسے سوالات قابل تحسین ہیں۔ اسلام نے تو کائنات کے ذرے ذرے پر غور کرنے کی تلقین کی ہے۔

۱۱۰۔ **حسد** ۔کسی کی نعمت کا زوال چاہنا جس کا وہ مستحق ہو۔کبھی کوشش بھی شامل ہوتی ہے جبکہ غِبطہ یا رشک یہ ہے کہ بغیر کسی کا زوال چاہے اس جیسا بننے کی آرزو کرنا۔یہ قابلِ تحسین ہے۔ **عفو**۔معاف کرنا۔ **اصفحوا۔صفح**۔ درگزر کرنا یہ عفو سے بڑھ کر ہے۔

الزَّكٰوةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

زکوٰۃ اور جو آگے بھیجو تم اپنی جانوں کے لیے کوئی نیکی تو پاؤ گے تم اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١١﴾ وَقَالُوْا

اللہ کے پاس ، یقیناً اللہ اس کو جو کرتے ہو تم خوب دیکھنے والا ہے اور انہوں نے کہا

یہود کی حالت زار کا حال یہ ہے کہ اسلام کی تمام صداقتیں روز روشن کی طرح ان پر کھل چکی ہیں اور دل سے اسلام کو سچا سمجھتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ خود ماننے کو تیار نہیں بلکہ مومنوں کو اسلام سے منحرف کر کے کفر میں گھسیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ محض ان کے حسد کی وجہ سے ہے کہ یہ معمولی لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہم پر سبقت کیوں لے جا رہے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب دل سے سچا سمجھتے تھے تو اسلام قبول کر کے روحانی ترقیات سے حصہ لیتے لیکن اپنی اصلاح کی بجائے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے۔ ہر طرح کے لالچ دیئے ، تکالیف اور جنگوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ مسلط کیا جبکہ مسلمانوں کا جنگوں میں حصہ لینا محض دفاع کے طور پر تھا اور جنگ میں بھی عفو و درگزر کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد دشمن پر غلبہ پانے کے باوجود **لاتثریب علیکم الیوم** ط کہہ کر عفو و درگزر کی ایک درخشندہ مثال قائم کی۔ فرمایا ان کی حرکات سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ ان کی زیادتیوں کو معاف کردو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر ظاہر ہو ، وہ اپنا فیصلہ نافذ کرے اور تیری مصیبتوں کے دن ختم ہوں۔ یہ صرف اسلامی حکومت کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر تمہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔ ابھی تو یہ سب ناممکن نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو ہر قدرت حاصل ہے۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بھی مشکل نہیں۔ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔

١١١۔ جب تک خدا کی طرف سے کھلی کھلی فتح نصیب نہیں ہو جاتی، مشکل ترین وقت ہوگا۔ ان پر آشوب دنوں میں اپنے نفس پر قابو رکھنا۔ مصائب و مشکلات کا حل صبر و صلوٰۃ کے سوا نہیں۔ جیسے کہ فرمایا صبر و صلوٰۃ سے مدد چاہو۔ عفو و درگزر صبر کے قائم مقام ہیں، جبکہ ہر پریشانی کا حل نماز ہے۔ ابوداؤد میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت یا پریشانی ہوتی تو نماز پڑھتے جیسے کوئی شخص مشکلات سے سخت گھبرا کر اپنے کسی جگری دوست کے پاس دل ہلکا کرنے جاتا ہے۔ جب تمام دروازے بند ہوں اور مصائب سے نکلنے کا کوئی دروازہ نہ ہو تو ایک دروازہ کھلا ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ وہ دعا کا دروازہ ہے۔ دعا اور نماز

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ

ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر جو شخص ہوا یہودی یا عیسائی

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

یہ آرزوئیں ہیں ان کی توکہدے لاؤ دلیل اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿١١٢﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

سچے کیوں نہیں (جنت میں جاویگا) جس نے سونپ دی اپنی توجہ اللہ کے لیے اور وہ محسن ہو

ایک ہی ہے ، قرآن کریم میں ہمیشہ نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے کہ مختلف خیالات اسے بار بار گراتے ہیں۔ اپنی توجہ کو خدا تعالیٰ کی طرف رکھنا نماز کو قائم کرنا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں۔ قرب الٰہی کی پہلی منزل یہی ہے۔ پس اپنے آقا کے قدموں میں گر جاؤ، پھر اس کے بندوں کی طرف لوٹو۔ اس لئے کہ ان کی رضا میں مولا کی رضا ہے۔ زکوٰۃ امارت سے مشروط نہیں ایک فقیر بھی اپنے نفس کا تزکیہ اور کوئی نیکی کرتا ہے تو یہ زکوٰۃ ہے لیکن یہاں خاص طور پر اس زکوٰۃ کا حکم ہے جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں جمع کرائی جاتی ہے۔ جو رقم خود مساکین وغیرہ پر خرچ کی جائے وہ صدقہ ہے۔ یاد رکھو تمام نیکیوں کا اجر خدا تعالیٰ کے قانون مکافات کے مطابق تمہیں مل کر رہے گا۔ تمہارا کوئی عمل بھی رائیگاں نہیں جائے گا اس لئے کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اگر تمہاری عبادات یا مالی قربانیوں میں کوئی کھوٹ شامل ہوگیا ہے تو اسے اس کا بھی علم ہے۔

١١٢۔ **امانیّ**۔ واحد **اُمنیّة**۔ آرزو۔ **برهان**۔ بَرہ۔ روشن دلیل ۔ دعویٰ کو روشن کرنے والا ثبوت۔

یہود و نصاریٰ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اور اب بھی ہیں کہ ان کا عقیدہ اختیار کرنے والوں کے لئے ہی نجات مختص ہے۔ بیشک دنیا میں ہر فرقہ اس بات پر قائم ہے کہ وہی راہِ راست پر ہے۔ **کل حزب بمالدیهم فرحون** ٥ (٢٣۔٥٤) اسی لئے اگلی آیت میں وہ کسوٹی پیش کی جس سے ہر فرقہ خود جانچ لے کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب کون ہے۔ فرمایا یہ محض ان کی آرزوئیں ہی ہیں جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ فرمایا اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی ثبوت پیش کرو ، جس سے پتہ چل جائے کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہے ، تم سے کلام کرتا ہے ، خارق عادت تم پر اپنے برکات و افضال نازل کرتا ہے اور تم جنت کے حقدار ہو۔ یہی معیار ہے جس سے کسی مذہب کی سچائی

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

تو اس کے لیے ہے اجر اس کا اسکے رب کے پاس اور نہیں خوف ان پر اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى

غمگین ہوں گے اور کہا یہود نے نہیں ہیں عیسائی

ع ١٣ ١٤

پرکھی جاتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔اس کا جواب اگلی آیت میں دیا کہ صرف اسلام ہی اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

۱۱۳۔**وجهه** ۔منہ ۔وجود۔ ذات ۔توجہ۔

پس یہی وہ مذہب ہے جو دعویٰ کے ساتھ ہی ثبوت پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف اسلامی اصولوں پر چل کر ہی خدا کو پایا جاسکتا ہے۔ ایک مومن اس دنیا میں ہی خدا کو دیکھ لیتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔ اس کی جنت اس دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے جہاں آئندہ کا خوف ہوتا ہے نہ گزشتہ کی پشیمانی ۔اسلام میں سینکڑوں اولیاء اور مجددین ان دعووں کا زندہ ثبوت ہیں جبکہ ان کے راہب اور احبار اگر ساری عمر ماتھے رگڑتے رہیں تو بھی وہ قربِ الٰہی کے اس مقام پر نہیں پہنچ سکتے جہاں کشوف و الہامات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔اس نعمت کے لئے اب صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہے ۔ وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔

بلٰی ق من اسلم وجههٗ للّٰه ___ تفصیل طلب ہے تا سالکانِ قربِ الٰہی کے لئے یہ راہ آسان ہوجائے۔فرمایا جو خود کو خدا کے لئے وقف کر دے اور اپنی پوری توجہ خدا کی فرمانبرداری میں لگا دے ، خدا کو ہی اپنا معبود و مقصود و محبوب قرار دے ،اپنی جان،مال،عزت ،آبرو، آل و اولاد خداتعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کو ہردم تیار رہے۔اس کا جینا مرنا خدا تعالیٰ کے لئے ہی ہوجائے، اس کی مرضی خدا کی مرضی ہوجائے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف اس طرح کھنچا جائے گویا اس کی محبت اور عشق کے بغیر ایک پل جی نہ سکے تو اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ خداتعالیٰ کے عشق میں فنا ہے۔ یہی فنا کا درجہ ہے جو استقامت ، عبادت، جدوجہد اور قربانیوں سے ملتا ہے۔اس راہ کی صعوبتیں اور مشقتیں فنا کی حد تک ہی ہیں۔ آگے سب کچھ وہبی ہے۔جس بندے کا خدا سے یہ تعلق ہو اور اس کی مخلوق کے لئے مادر مشفق کی طرح مہربان ہو ، دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھائے ، بنی نوعِ انسان کو سچی ہمدردی اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے نفع پہنچائے ، ان کی دنیا اور آخرت سنوارنے کی فکر میں ہردم کوشاں ہو ، حصول دنیا میں غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی

شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ

کسی بات پر (بھی) اور کہا عیسائیوں نے نہیں ہیں یہودی کسی بات پر (بھی)

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

اور وہ پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا تھا ان لوگوں نے جو نہیں

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

علم رکھتے تھے مانند انکی بات کے سو اللہ فیصلہ کریگا ان کے درمیان بروز

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٤﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

قیامت اس بات میں کہ تھے وہ جس میں اختلاف کرتے اور کون زیادہ ظالم ہے

ہو، جس میں کسی صلہ کی امید نہ ہو ، تو اس بندے کی بہشتی زندگی اس دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے۔وہ خدا کو دیکھتا ہے ،اس سے ہمکلام ہوتا ہے جبکہ یہ مزا حقیقی طور پر مرنے کے بعد چکھنا ہے۔ یہی وہ دلیلِ قاطع تھی جو یہود و نصاریٰ کو دی گئی کہ اگر تم سچے ہو تو خداتعالیٰ سے وہ تعلق دکھاؤ جو مومن کو ہے۔ اگر مومن بھی اس مقام تک نہیں پہنچا اور دنیا میں اندھا رہا تو قیامت کو بھی اندھا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمانیت کی چادر میں ڈھانپ لے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۔۷۳) اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفاسیر کی روشنی میں)(تفسیر کبیر حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر زیر آیت ھٰذا)

۱۱۴۔پچھلی آیت میں نجات کا طریقہ بتادیا۔اب ان کے اس غلط عقیدہ کی اصلاح کی کہ یہود و نصاریٰ کو ایک دوسرے کے مذہب میں کوئی صداقت اور خوبی نظر نہیں آتی حالانکہ دونوں ہی بائبل پر ایمان رکھتے اور اسے پڑھتے ہیں۔جب ایک عمل ایک فرقہ کے لئے باعث ثواب ہے تو دوسرے کے لئے کیوں نہیں؟ جب اہل کتاب کی یہ حالت ہے تو عوام اور جاہلوں پر کیا افسوس کہ جنہیں دوسروں کے مذاہب میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔حالانکہ بنیادی صداقتیں تمام مذاہب میں ایک ہی ہیں۔ کوئی مذہب صداقت سے خالی نہیں۔ تعصب اور ضد سے ایک دوسرے کی مذمت کرنا اور کافر قرار دینا خدائی تعلیم کے خلاف ہے۔اگر ایک دوسرے کی خوبیوں پر نظر رکھیں تو یقیناً دنیا میں صلح و آشتی کی فضا پیدا ہو ، مذہب کے نام پہ جو ظلم وستم ہو رہا ہے ، وہ ختم ہو ،ایک دوسرے کے مذہب پر غور و خوض کرنے کا مادہ پیدا ہو جو سعید روحوں کی ہدایت کا موجب ہو۔مذہبی عقائد کے اختلاف کا فیصلہ دنیا میں نہیں ہوتا کہ جھوٹے کو خداتعالیٰ فوراً تباہ کردے یا ہلاک کردے بلکہ یہ فیصلہ قیامت کو ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے تو یہود و نصاریٰ کے مذہبی اختلافات کے فیصلہ کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے لیکن آج یہ فیصلے عدالتوں میں ہوتے ہیں جہاں ایک کلمہ گو فرقہ کے بے گناہ افراد کو صفائی کا

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى
اس شخص سے جس نے روکا مسجدوں سے اللہ کی کہ یاد کیا جائے ان میں نام اُس کا اور کوشش کی

فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا
ویران کرنے کی ان کو یہ لوگ وہ ہیں کہ نہیں مناسب تھا ان کے لیے کہ داخل ہوں ان میں مگر

خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
ڈرتے ہوئے ان کے لیے دُنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا
عذاب ہے بڑا اور اللہ کے لیے ہیں مشرق اور مغرب پس جدھر منہ

موقع دیئے بغیر کافرقرار دے کر غیر معینہ مدت کے لئے جیلوں بلکہ کال کوٹھریوں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔یا یہ فیصلے سڑکوں پر ہوتے ہیں۔انہیں تپتی ہوئی سڑکوں پر گھسیٹا جاتا ہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے ، ان کے گھروں اور مال و اسباب کو لوٹا اور جلایا جاتا ہے، کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔یہاں تک کہ جان سے مار دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

۱۱۵۔فرمایا جو مساجد میں خداتعالیٰ کا نام لینے اور عبادت کرنے سے روکے تو گویا اس نے خدا تعالیٰ کا گھر ویران کرنے کی کوشش کی ہے ،وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تو نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دے کر تمام دنیا کے لئے مذہبی اتحاد و رواداری کی بنیاد ڈالی اور تمام مذہبی جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔(زرقانی۔تفصیل آیت ۶۲) پچھلی آیت میں ایک دوسرے کے جذبات کے احترام کا سبق تھا۔اس میں عبادت گاہوں کی تعظیم و تکریم کا حکم دے کر عالمی اخوت اور وسعتِ حوصلہ کا درس دیا۔اُس وقت مشرکین مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ایک وقت تھا کہ رومیوں نے بیت المقدس مسمار کر دیا تھا۔آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کو اپنی مسجدوں میں آنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ایک دوسرے کی مساجد مسمار کرنے ،یہاں تک کہ کلمہ تک مٹانے میں فخر محسوس کرتے ہیں جبکہ اسلام میں تو جنگوں میں بھی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا منع ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں تو چاہیئے تھا کہ نہایت عاجزی سے ڈرتے ہوئے خدا کے گھر میں داخل ہوتے نہ یہ کہ دوسروں کو محض تکبر کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیں۔ فرمایا یہ جرم ایسا ہے کہ اس کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور ان کے گھر تباہ و ویران ہوں گے۔ان کے لئے آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب مقدر ہے۔یہ پیشگوئی فتح مکہ کے موقع پر حرف بحرف پوری ہوئی۔ خداتعالیٰ کے گھر سے روکنے یا اسے تباہ کرنے

تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا
کرو تم تو ادھر ہی توجہ ہے اللہ کی یقیناً اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے اور کہا انہوں نے

والوں کا انجام آج بھی عبرتناک ہے۔ **فاعتبروا یآاولی الابصار۔**

۱۱۶۔**ثَمَّ**۔ ادھر۔وہاں۔**واسع**۔وسعت وفراخی دینے والا ۔ اسمِ الٰہی ہے۔بقول سائنسدانوں کے کائنات نہایت تیزی سے وسیع ہورہی ہے۔یعنی روشنی کی رفتار سے جو ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے ، وسعت پذیر ہے۔قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کو واسع اس وقت کہا جب کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا۔

تم جدھرمنہ کروادھرہی اللہ تعالیٰ کی توجہ پاؤ گے۔پچھلی آیت میں مساجد کی بے حرمتی کرنے والوں کو دنیامیں ہی تباہ و برباد کرنے اورمسلمانوں کو ان کاوارث بنانے کی طرف اشارہ تھا۔یہاں مسلمانوں کوعظیم الشان فتوحات کی بشارتیں دیں کہ جدھرتم منہ کرو گے اور اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑو گے ،ادھرہی خداتعالیٰ کے فضل سے فتح و نصرت سے ہمکنارہوگے کیونکہ تمہارا مقصد دنیاطلبی نہیں بلکہ اپنا دفاع، خداتعالیٰ کی خوشنودی، اس کانام بلند کرنا،صرف اس کی عبادت کرنا اور اس کے بندوں کوجن پر مذہب کے نام پرظلم ہو رہا ہو ، ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانا اور مذہبی آزادی دلوانا ہوگا۔مساجد کی حفاظت کی طرف بھی اشارہ ہے۔یہ اس وقت کہاجب مٹھی بھرمسلمان مصائب و آلام میں گھرے ہوئے تھے۔ جلدہی فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں اسلام کاجھنڈا لہرایا بلکہ صدی کے اندر اندر تمام معلوم دنیا اسلامی جھنڈے کے نیچےتھی۔ **وللّٰہ المشرق والمغرب** میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس وقت اسلام مشرق میں پھیلا،مسیح موعود و مہدی معہود کے وقت مغرب میں پھیلے گاانشاء اللہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا !'' مجھے دوخزانے دیئے گئے ہیں ایک سرخ اور ایک سفید ،'' آپؐ کے خزانے آپؐ کی امت ہے۔اسلام پہلے سرخ لوگوں میں یعنی مشرق میں پھیلا۔ اب سفید لوگوں میں یعنی مغرب میں پھیلے گا انشاء اللہ۔جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی۔پھرآپ کے خلفاء نے تبلیغ کا کام جاری رکھا۔حضرت خلیفۃالمسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے لندن تشریف لے جانے سے مغربی اقوام میں تبلیغ و ہدایت کے کام میں شدت پیدا ہوئی اور سفید اقوام اسلام کی سچائی کو قبول کرکے بفضل تعالیٰ حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہی ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کاکشف بھی اسی طرف اشارہ کر رہاہے جس میں آپ نے سفید کبوتر پکڑے۔حضرت علیؓ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں ! جب ال محمدؐ آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اہلِ مشرق ومغرب کو جمع کردے گا۔(ینابیع المودہ جلد۳صفحہ ۹۰ ازشیخ سلمان

اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
بنالیاہے اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ (نہیں) بلکہ اسی کا ہے جو (کچھ) آسمانوں اور

الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
زمین کا سب اسکے ہیں فرمانبردار موجد ہے آسمانوں اور زمین کا

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۸﴾ وَقَالَ
اور جب فیصلہ کرتا ہے کسی معاملہ کا تو صرف کہتا ہے اُسے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے اور کہا

بن ابراہیم طبع دوئم مکتبہ عرفان۔ بیروت) اللہ تبارک و تعالیٰ واسع ہے جب نوازتا ہے تو حد بندیاں نہیں کرتا۔ علیم ہے جانتا ہے کہ کون اس کے انعام و اکرام کا اہل اور بندگان خدا کا حقیقی ہمدرد و غمگسار ہے تا اسے حکومت و سلطنت سے نوازے۔

۱۱۷۔۱۱۸۔ **قانتون**۔ کامل فرمانبردار۔ تابعداری کرنے والے۔ **بدیع** ۔**بِدعٌ**۔ نیا بنانا۔ بغیر آلہ و مادہ کے بنانا۔ اسی سے بدعت ہے۔ یعنی شریعت میں نئی بات داخل کرنا۔ **بدیع**۔ نیا بنانے والا۔ تخلیق کا آغاز کرنے والا۔ **قضٰی** ۔ فیصلہ کرنا۔ لفظی معنی اس نے فیصلہ کیا۔ اسی سے قاضی ہے۔ **امر**۔ حکم ۔ کام ۔ امر بمعنی حکم جمع اوامر۔ امر بمعنی کام جمع امور۔

پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد کا رد ہے۔ اب نصاریٰ کے سب سے بڑے غلط عقیدے کی بیخ کنی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنالیا ہے۔ جب بھی عیسائیوں کے اس خطرناک عقیدہ کا ذکر آیا ساتھ ہی سبحان اللہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو ان عیوب سے پاک ہے۔ ان دو آیات میں پانچ مرتبہ ابنیت کی تردید ہے۔ فرمایا جب زمین و آسمان میں سب کچھ خداتعالیٰ کے لئے ہے تو بیٹے سے اس کی سلطنت میں کیا اضافہ ہو جاتا۔ بیٹے کی ضرورت تب لاحق ہوتی اگر اسے اپنی سلطنت پر کنٹرول نہ ہوتا۔ یہاں تو ہر چیز خداتعالیٰ کی مطیع و فرمانبردار ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز طبعی قوانین میں جکڑی ہوئی اور اس کے تابع ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) کلٌّ میں ہر اعلیٰ وجود جو شمار کے لائق ہے شامل ہے۔ خواہ ایسے وجود قیامت تک ہوتے رہیں۔ نافرمان کسی شمار میں نہیں۔ گویا کالعدم ہیں۔ نیز خداتعالیٰ کا تعلق اپنی مخلوق سے بیٹوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو اپنے بندوں سے ماں سے ستر گناہ زیادہ پیار کرتا ہے۔ تو بیٹے کی کیا ضرورت۔ فرمایا زمین و آسمان کو بغیر آلہ و مادہ کے پیدا کرنے والا ہے۔ اُس وقت اسے کسی معاون و مددگار کی حاجت نہ ہوئی تو اب بیٹے کی ضرورت کیوں پیش

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ
ان لوگوں نے جو نہیں علم رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا (کیوں نہیں) آتا ہمارے پاس کوئی نشان

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ
اسی طرح کہا تھا ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے مانند انکی بات کے

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
ایک جیسے ہوگئے ہیں دل ان کے یقیناً کھول کر بیان کیں ہم نے آیتیں ان لوگوں کے لیے

يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ
جو یقین کرتے ہیں یقیناً ہم نے بھیجا تجھے ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا

آئی۔ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بھی اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوتا اس کا کُــن کہنا ہی کافی ہوتا ہے اس کے کُن کہنے سے وہ چیز بننے لگتی ہے اور آخر اپنی تکمیل کے مراحل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب زمین و آسمان بنانے کا ارداہ کیا تو حکم کن سے وہ عظیم دھماکہ ہوا جو Big Bang کہلاتا ہے۔ زمین و آسمان کی تکمیل میں بیس بلین سال لگے ۔غرض بیٹے سے اس کی ذات پاک میں نقص تو ہو سکتا ہے لیکن اس کی شان میں زیادتی نہیں ہوسکتی۔ یہ پانچ دلائل مسیح کے ابن اللہ ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ جامع جمیع صفات کاملہ ہے تو اس کا بیٹا تجویز کرکے اس کی طرف کمزوریوں کو منسوب کیوں کرتے ہو۔

۱۱۹۔ یہود و نصاریٰ کے اعتراضات کے بعد بتایا کہ جاہل بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خداتعالیٰ ان سے اسی طرح کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح آنحضرت ﷺ سے کرتا ہے حالانکہ ہر شخص اس مقام پر نہیں ہوتا کہ اس سے کلام ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں ’’جس طرح دنیوی طور پر ہر شخص کا مقام الگ ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر ہے۔ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالی تک پہنچنے کے لئے محمدؐ بنو۔ مجاہدہ و قربانی کو اس مقام تک پہنچاؤ تو کلام کیا دیدار بھی ہوگا۔ (حقائق الفرقان جلد اوّل تفسیر زیر آیت ھٰذا) ہاں بعض سعید فطرت لوگوں پر رویاء و کشوف سے نبی کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر یہ اعتراض کہ اگر آپؐ سچے ہیں اور ہم آپؐ کے منکر تو پہلی قوموں کی طرح ہم پر ہلاکت کا نشان کیوں نازل نہیں ہوتا۔ منکرین نے جب بھی نشان مانگا، عذاب کا مانگا۔ البتہ اللہ، رسول یا مومنین نے نشان کا ذکر کیا تو مراد برھان و دلائل یا عذاب ہوتا ہے۔ دونوں باتوں کا جواب اگلی آیت میں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں پر بے حد رحیم ہے۔ وہ عذاب فوراً نہیں بھیجتا بلکہ مہلت دیتا ہے تا اس کے بندے ایمان لے آئیں۔ اتمام حجت

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۲۰﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ

اورنہیں پوچھا جاویگا تو دوزخ والوں کے متعلق اور ہرگز نہیں راضی ہونگے تجھ سے

الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

یہودی اور عیسائی یہاں تک کہ پیروی کرے تو انکے مذہب کی توکہدے یقیناً

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

ہدایت اللہ کی ہی (اصل) ہدایت ہے اوریقیناً اگر پیروی کی تونے ان کی خواہشات کی

بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ

بعداس کے جو آچکاہے تیرے پاس علم تونہیں ہوگا تیرے لیے مقابل اللہ کے کوئی

وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ

دوست اورنہ مددگار وہ لوگ کہ دی ہم نے انہیں کتاب پڑھتے ہیں اُسے

کے بعد عذاب آتا ہے۔جس طرح انبیاء کا طریق عمل ایک سا ہوتا ہے اسی طرح مخالفین کا طریق عمل بھی قریباً ایک سا ہوتا ہے ، جہاں تک نشانات کا تعلق ہے یقین سے کام لینے والوں کے لئے تو بہت نشان ہیں البتہ جو شک و شبہ میں گھرے ہوئے ہیں انہیں کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

۱۲۰۔ پچھلی آیت میں منکرین نے کہا کہ ہم پر کیوں کلام نازل نہیں ہوتا۔اس کا جواب ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے اس قانون حق کے ساتھ بھیجا ہے۔اس نعمت کا حقدار تو ہی تھا ، تو بشیر ہے ماننے والوں کو بشارتیں دیتا ہے کہ وہ بھی آپؐ کی اتباع کامل سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں اورکلام الٰہی سے مستفیض ہوسکتے ہیں۔تو نذیر بھی ہے یعنی عذاب الٰہی کی خبر بھی دیتا ہے۔یہاں دوسرے اعتراض کا جواب ہے کہ ہم پر ہلاکت کا نشان کیوں نہیں آتا۔فرمایا تو نذیر ہے اگر نہیں مانیں گے تو عذاب ان کا مقدر ہے ،لیکن اے محمدؐ تیرا کام تبلیغ ہے، تو نے تبلیغ کا حق ادا کردیا ہے، اب اپنی جان ان کے پیچھے ہلاک نہ کر کہ سب ایمان کیوں نہیں لاتے۔جو شقی ازلی ہیں اورجن پر فرد جرم عائد ہو چکی ہے ان کے متعلق تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ وہ بہرصورت دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

۱۲۱۔ یہود و نصاریٰ کو اسلام کی سچائی کے بے شمار دلائل دے کر فرمایا کہ ان کا منشا ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ صرف اعتراض کرنا ہی ہے۔حالت یہ ہے کہ بجائے اس ہدایت کامل کو قبول کرنے کے چاہتے ہیں کہ مومنین بھی گمراہ ہوں اور ان کا مذہب اختیار کریں۔ان کا مذہب ان کی چند گری ہوئی خواہشات ہیں جبکہ قرآن کریم جس ہدایت کی طرف بلا رہا ہے وہ ایک کامل ہدایت

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

حق اس کے پڑھنے کا یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر اور جو کفر کرے گا اس کا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا

تو ایسے لوگ ہی نقصان پانیوالے ہیں اے بنی اسرائیل یاد کرو

نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

نعمت میری جو انعام کی میں نے تم پر اور یہ کہ فضیلت دی تھی میں نے تم کو

ع ۹ ۱۴

اورمکمل ضابطہ حیات ہے۔ان کو خوش کرنے کے لئے کون ہدایت پانے کے بعد گمراہی اختیار کر سکتا ہے آنحضرتﷺ کے خطاب میں مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصود تھا کہ اگر کسی نے اس علم کامل کے آنے کے بعد ان کی گری ہوئی خواہشات کی پیروی کی تو اسے جان لینا چاہیئے کہ پھر خداتعالی کی طرف سے اس کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا یعنی وہ کسی خدائی مدد کی امید نہ رکھیں۔گویا جواللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوست اور مددگار ضرور ہوں گے۔

۱۲۲۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی الہامی کتابوں میں اپنی دنیوی خواہشات و خیالات کو شامل کرکے بگاڑ دیالیکن مومنین اپنی الہامی کتاب قرآن کریم کو طوطوں کی طرح نہیں پڑھتے بلکہ اس کی تلاوت کا حق پوری طرح ادا کرتے ہیں۔خوب غور و خوض سے تلاوت کرتے ،اسے یادکرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اس طرح وہی اس کو حقیقی طور پہ مانتے ہیں۔صحابہؓ نے قرآن کریم کے ایک ایک حکم پر عمل کرکے دکھایااور اپنی پوری پوری زندگیاں ان احکام پر عمل کرنے اور کروانے میں گزار دیں اور تلاوت کا حق ادا کیا۔کوئی آیت ایسی نہیں اتری کہ ساتھ ہی عمل نہ ہوا ہو۔یہ قرآن کریم کا ہی کمال تھا کہ انتہائی غلط رسوم و رواج اور عادات و خصائل کو یکسر بدل دیا۔دنیا کی کسی آسمانی کتاب پر اس کے ماننے والوں نے اس طرح عمل کر کے نہیں دکھایااور نہ وہ اس طرح پڑھی گئیں۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ قرآن کریم ہی پڑھاجاتا ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرکے کوئی گھاٹے میں نہیں رہا۔دین بھی ملااور دنیابھی۔ قرآن نے بندوں کو خدا سے ملادیا اور دنیا کے خزانے ان کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے۔ جس نے قرآن کریم کاانکارکیا اور اسے پس پشت ڈال دیا۔اس سے دنیابھی چھن گئی اور دین بھی ،جو آجکل کے مسلمانوں کی حالت ہے قرآن کریم پڑھتے ہیں عمل ندارد اور خاسرون کے زمرے میں آتے ہیں۔الا ماشاء اللہ۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

تمام دُنیا پر — اور ڈرو — اس دن سے کہ نہیں کفایت کریگا — کوئی نفس — کسی — نفس سے

شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا

کچھ بھی اور نہ — قبول کیا جاویگا اس سے — معاوضہ — اور نہ — نفع دے گی اُسے — سفارش — اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

وہ — مدد دیئے جائیں گے — اور جب — آزمایا — ابراہیم کو — اس کے رب نے — ساتھ چند باتوں کے

۱۲۳۔ بنی اسرائیل کو تین دفعہ خطاب کیا۔ پہلے اسلام کی دعوت دی تھی کہ اسلام کو قبول کرکے وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرسکتے ہیں۔ دوسری دفعہ حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی پیشگوئیاں یاد دلائی تھیں۔ اب تیسری دفعہ پھر انہیں خطاب کیا اور موسیٰؑ سے بھی پہلے کے واقعات یاد دلائے یعنی وعدہ ہائے ابراہیمی یاد دلائے۔ دو نعمتیں یاد دلائیں۔ ایک نعمت نبوت اور دوسری یہ کہ نبوت و بادشاہت سے تمام دنیا پر فضیلت دی۔ عالمین اُس معلوم دنیا کو کہا جو نبی کی مخاطب تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے لئے وعدے تھے۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل بنی اسرائیل میں تمام انبیائے بنی اسرائیل آئے۔ دیگر بادشاہوں کے علاوہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے عظیم الشان حکمران ہوئے جو بادشاہت کے علاوہ نبوت سے بھی نوازے گئے۔ جب بنی اسرائیل پر تمام انعامات مکمل ہوگئے تو ضروری تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے جو وعدہ تھا وہ بھی پورا ہو۔ اس رکوع اور اگلے رکوع میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر آئے گا اس لئے ان کے حالات کا مختصر علم ہونا ضروری ہے۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ اور ان کے بعد حضرت ابراہیمؑ وہ جلیل القدر نبی ہیں جن کو تمام معلوم دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے خداتعالیٰ نے چنا۔ آپ جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے اڑ (UR) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کا زمانہ قریباً ۲۱۰۰ سال قبل مسیح ہے۔ آپ کے چچا بت پرست تھے۔ وہیں آپ کی بت شکنی کا مشہور واقعہ وقوع پذیر ہوا جس کی پاداش میں آگ میں ڈالے گئے۔ اس کے بعد آپ کنعان موجودہ فلسطین کی طرف ہجرت کر آئے۔ آپ کے دو بیٹے حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت سارہ سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ خدائی حکم کے تحت آپ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ کے قریب چھوڑا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو نبوت ملی اور انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ ان کے ساتھ آپ نے خانہ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر فرمائی۔ انہیں کی اولاد میں فخرِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا

فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَ

پس پورا کیا اس نے انہیں — فرمایا — میں — بنانے والا ہوں — تجھے — لوگوں کا — امام — اس نے کہا اور

مِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ

میری اولاد میں سے (بھی) — فرمایا — نہیں — پہنچے گا — عہد میرا — ظالموں کو — اور جب

ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ نے شام، عراق اور فلسطین میں تبلیغ حق کا فریضہ ادا کیا۔ ان کے لئے آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چھتیس ۳۶ سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کی۔ ان کی اولاد میں تمام انبیائے بنی اسرائیل آئے۔ آپ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کو شرق اردن میں تبلیغ کا کام سپرد ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تمام زندگی فلسطین، شام، عراق، مصر اور ریگستانِ عرب میں خداتعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے وقف رکھی۔ ان تمام علاقوں میں متعدد سفر کئے اور اقوام عالم کو خدائی احکام کے تابع زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ آپ کے یہ سفر انتہائی دشوار گزار اور سینکڑوں میل پر محیط تھے۔ جو پیرانہ سالی میں آپ نے اپنے مولا کی رضا اور اس کے بندگان کی ہدایت کے لئے طے کئے۔

۱۲۴۔ یہ آیت معمولی تبدیلی کے بعد دوبارہ بیان ہوئی۔ قرآن کریم کا دستور ہے کہ اہمیت کے مدِنظر جو بات زیادہ ذہن نشین کروانی ہو، اسے حالات کے مطابق تھوڑی تبدیلی سے دوبارہ لاتا ہے آیت:۴۹ میں شفاعت کا پہلے اور عدل کا بعد میں ذکر تھا اس لئے کہ ابھی بنی اسرائیل کی کسی نافرمانی کا ذکر نہیں تھا۔ وہ خود کو شفاعت کا حقدار سمجھتے تھے اس لئے شفاعت کو مقدم رکھا لیکن چھٹے سے پندرھویں رکوع تک ان کی تمام نافرمانیاں اور عیوب ظاہر ہوگئے تو شفاعت کی امید کم ہوگئی۔ اس لئے شفاعت کو بعد میں رکھا۔ فرمایا اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی دوسرے کے کام نہیں آسکے گا، نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا کہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جائے اور نہ وہ اس قابل ہوگا کہ کوئی نبی یا ولی اس کی شفاعت کرے۔ نہ انہیں کہیں سے مدد پہنچے گی۔

۱۲۵۔ **کلمات** ۔ احکام۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے حضرت ابراہیمؑ کو بعض احکام دے کر آزمایا لیکن وہ ہر آزمائش میں پورا اترا۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری اس کی بیوی اور بچے ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنی چہیتی بیوی اور پہلوٹھے بیٹے کو جو تمام عمر کی دعاؤں کا ثمر تھا اور انتہائی بڑھاپے میں عطا ہوا تھا، بے آب وگیاہ ریگستان میں صرف خداتعالیٰ کے حکم سے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا پھر اسی بیٹے کو جب وہ کچھ بڑا ہوا، حکم خداوندی سے ذبح تک کرنے سے گریز نہیں کیا۔ یہ تو بیوی اور بچے کے معاملہ

میں آپ کی قربانی کی انتہا تھی۔اپنی جان کو بھی خداتعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ساری عمر تیار رہے۔آگ میں پھینکے گئے۔ہجرت کی صعوبتیں سہیں، سخت بڑھاپے میں تبلیغی مشن کے لئے ملک ملک کی خاک چھانی۔جب ان تمام آزمائشوں میں سرخرو ہوئے تو ہمیشہ کے لئے دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے۔چنانچہ آج تک تمام اقوام میں خصوصاً مسلمانوں میں بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔مسلمان عید الاضحیٰ اور حج میں آپ کی اور آپ کی مقدس زوجہ محترمہ کی قربانیوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔ دن میں کئی بار آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے وقت آپ پر اور آپ کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔

جب خداتعالیٰ کی طرف سے انعامات کا وعدہ ہوا تو آپ نے اپنی اولاد کو بھی ان وعدوں میں شامل کرنے کی درخواست کی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تیری اولاد ان انعامات اور امامت کی وارث ہوگی لیکن یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔یعنی ظالم ان انعامات سے مستثنیٰ ہوں گے۔لہٰذا جب تک بنی اسرائیل نے خود کو ان وعدوں کا اہل ثابت کیا ان میں نبوت اور حکومت رہی لیکن جب احکام خداوندی سے منہ موڑا، ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوئے اور ان انعامات کے اہل نہ رہے تو خداتعالیٰ نے انہیں محروم کرکے انعامات بنی اسمٰعیل میں منتقل کر دیئے۔بنی اسرائیل کو جن تیس احکام پر عمل کرنے کو کہا وہ ان کی مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے جنہیں قرآن کریم نے نہایت اعلیٰ ترتیب سے مومنوں کی صفات میں(دس سورۃ برأت میں دس سورۃ احزاب میں اور دس سورۃ معارج میں) کجا کئے۔ان سے دوسرا عہد اولاد نرینہ کا ختنہ تھا۔مسلمان اس ابراہیمی سنت پر ہمیشہ سے قائم ہیں جبکہ یہود ان دونوں عہدوں کو کلیتہً ترک کرکے ظالموں میں شمار ہوئے اور انعامات سے محروم ہوئے۔ ظاہری طور پر بیشک ان احکام پر عمل پیرا ہیں لیکن ان کی روح سے قطعاً بے خبر ہیں۔(تفسیر کبیر حضرت مصلح موعودؓ جلداوّل صفحہ ۳۶۲) حضرت ابراہیمؑ سے یہ بھی وعدہ تھا کہ کنعان کا ملک ہمیشہ کے لئے تیری نسل کو دوں گا۔بنی اسرائیل کی تاریخ میں دو دفعہ بیت المقدس ان کے قبضے سے نکلا پہلی دفعہ بخت نصر نے تباہ کیا دوسری دفعہ رومیوں نے تباہ کیا لیکن رومی بعد میں عیسائی ہوگئے۔مسلمانوں نے بھی پہلی دفعہ عیسائیوں سے بیت المقدس فتح کیا اب خدا کرے کہ دوسری دفعہ وہاں کے حاکم اسلام قبول کرلیں۔

۱۲۶۔**بیت** ۔رات گزارنے کی محفوظ جگہ ۔گھر۔ بیّت ۔ رات کومشورہ کرنا۔ **البیت**۔ خانہ کعبہ۔پہلی اورقدیم عبادتگاہ۔**مثابۃ** ۔جمع ہونے کی جگہ۔ مرکز۔مرجع عالم۔**مصلٰی**۔جائے نماز ۔**عاکف**۔ بیٹھنے والا اسی سے اعتکاف ہے۔عبادت کے لئے بیٹھنے والا۔ **مقامِ ابراهیم**۔

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا
بنایا ہم نے کعبہ کو جمع ہونے کی جگہ لوگوں کے لیے اور امن اور بناؤ

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ
مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ اور تاکید کی ہم نے ابراہیم اور

اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَ
اسمٰعیل کو کہ صاف رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور

الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
رکوع کرنیوالوں (اور) سجدہ کرنیوالوں کے اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو

خانہ کعبہ میں معروف مقام ہے جو چھ ستونوں پر قائم ہے اور آٹھ فٹ بلند ہے جہاں طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ۔ **اسمٰعیل**۔ سمع اور ایل یعنی خداتعالیٰ نے سن لیا۔خانہ کعبہ دنیا کا قدیم ترین معبد ہے جو منہدم ہو چکا تھا۔حضرت آدمؑ نے حکم الٰہی سے تعمیر کیا پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خدائی حکم کے تحت انہی بنیادوں پر اس کی تعمیر فرمائی ۔ولیم میور جیسے مخالف اسلام نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب اس معبد کی تعظیم کرتے تھے اور ہر سال حج کے لئے آتے تھے۔ ڈیوڈویسوس (David Vaseos)نے عرب کے تذکرہ میں ساٹھ سال قبل مسیح کے حالات میں بھی ایک قدیم معبد کا ذکر کیا ہے۔ سرولیم میور نے تسلیم کیا کہ اس نے مکہ کے مقدس گھر کے متعلق ہی لکھا ہے۔ فرمایا میرا گھر مرجع عالم ہے۔ تمام دنیا کے لئے اس کے دراز ے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں اور لوگ حج و عمرہ کے لئے آتے رہیں گے۔ گویا ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد ڈالی۔یہ ہمیشہ مسلمانوں کا مرکز اور ان کے قبضہ میں رہے گا، دشمن اس پر قبضہ نہیں کرسکے گا۔

فرمایا یہ امن کا مقام ہے یعنی حرم ہے ہر قسم کا لڑائی جھگڑا یہاں منع ہے۔انسان تو کیا جانور اور چرند پرند تک یہاں محفوظ ہیں بلکہ درختوں کو کاٹنا تک منع ہے۔ہر دشمن سے محفوظ ہے ابرھہ نے قبضہ کی کوشش کی تو تباہ و برباد ہوا۔طاعون اور دجال اس میں داخل نہیں ہوسکتے۔نہ صرف ظاہراً امن کی جگہ ہے بلکہ سکون قلب کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ دنیا کے جھمیلوں سے نکل کر جب بندہ حاضر ہوتا ہے تو اسے سوائے خداتعالیٰ کے کچھ یاد نہیں رہتا۔فرمایا مقام ابراہیم کو مصلّٰی بناؤ۔ خیال ہے حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد یہاں دو رکعت نفل بطور شکرانہ پڑھے ہوں گے۔اس لئے آپ کی اتباع میں وہاں دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم دیا۔حج

بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

شہر امن والا اور رزق دے اسکے باشندوں کو پھلوں میں سے (یعنی) اُسے جو ایمان لائے ان میں سے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا

اللہ پر اور روزِ آخر پر فرمایا اور جس نے کفر کیا تو فائدہ پہنچاؤں گا اُسے بھی تھوڑا سا

کے لئے کچھ لوگ جاتے ہیں اور پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ساری دنیا کے لوگ مقام ابراہیم کو مصلّٰی نہیں بنا سکتے۔ دراصل یہاں ظاہری حکم کے ساتھ باطنی حکم بھی ہے کہ جس تقویٰ کے مقام پر ابراہیمؑ کھڑے تھے اس مقام پر کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔حضرت ابراہیمؑ کی طرح زندگی اور زندگی کی ہر آسائش اور ہر محبوب ترین شے خداتعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ خدا تعالیٰ سے اسی طرح پیار کرو جس طرح اس کے بندے ابراہیمؑ نے کیا تھا اور اسی طرح بندگا ن خدا کی ہدایت کے لئے تمام دنیا کے مربی و مبلغ بن جاؤ نیز خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی طرف بھی اشارہ ہے فرمایا ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکیدی حکم دیا تھا۔ گویا اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ بھی نبوت کے مقام پر فائز تھے، کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک و صاف رکھنا۔اس میں ایک تو ظاہری حکم ہے کہ نہ صرف خانہ کعبہ بلکہ ہر مسجد کو کہ وہ بھی خدا کا گھر اور بیت اللہ کی ظل ہے ہر گندگی سے پاک و صاف رکھنا۔ مساجد اللہ تعالیٰ کی برکات اور انوار کی تجلی گاہیں ہیں اور مومنین کو ایک مرکز پر متحد رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ان کی عظمت و تقدس کو برقرار رکھنا چاہیئے۔مساجد میں بلند آواز سے بولنا، اِدھر اُدھر کی فضول باتیں کرنا، بیع کرنا یا گمشدہ چیز کا اعلان کرنا، سخت ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ کثرت سے ذکر الٰہی کرنا چاہیئے۔دعائیں کرتے ہوئے داخل ہوں اور دو نفل **تحیۃ** المسجد ادا کریں۔باطنی حکم یہ ہے کہ جو میرے بندے عبادت الٰہی اور داعی الی اللہ کے لئے عارضی وقف (طوافین) کریں یا اپنی زندگی مستقل وقف (عاکفین) کریں، خداتعالیٰ ہی کی طرف جھکنے والے (راکعین) اور انتہائی فرمانبردار (ساجدین) ہوں، ان کے لئے خدا کے گھر کی صحیح تطہیر کرنا اور ہر قسم کے عیبوں اور خرابیوں سے بچائے رکھنا۔یہ ابتدائی مدنی سورت ہے جب مسلمانوں پر حج بند تھا۔اس میں پیشگوئی ہے کہ عنقریب تمام دنیا سے لوگ حج کے لئے آئیں گے اور تم خانہ کعبہ کو ہمیشہ کے لئے بتوں کی نجاست سے پاک کرو گے اور اس کی صحیح تطہیر تیرے ہاتھ سے ہوگی۔

۱۲۷۔**اُمتّع ۔متاع**۔تھوڑا فائدہ .. **اُمتّعُ** ۔ میں فائدہ دوں گا۔ **اضطر** ۔ اضطرار

ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ

پھر مجبور کردونگا اُسے آگ کے عذاب کی طرف اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا اور

مجبور و بے بس کرنا۔**اضطرُّ**۔میں ناچار کروں گا۔ **مصیر**۔لوٹنے کی جگہ ۔ٹھکانا۔

جب اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے لئے امن کا وعدہ فرمایا تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے درخواست کی اے میرے رب ! جب ساری دنیا اس گھر کی طرف امڈی چلی آئے گی تو ظاہر ہے کہ یہ چند جھونپڑیوں پر مشتمل گاؤں ایک شہر کی صورت اختیار کر جائے گا۔تو اے میرے مولیٰ! اس شہر کو بھی اپنے گھر کی طرح امن والا بنا دیجیو۔دوسرے شہروں کی طرح یہاں لڑائیاں ہوں نہ دنگا فساد ہو اور نہ کوئی سرکش باہر سے اس پر حملہ آور ہو۔یہ شہر خالصتاً تیری عبادت کے لئے مخصوص رہے۔روحانی غذا اور امامت کے فوراً بعد آپ نے اہل بلد کے لئے دنیوی نعمتوں کی دعا کی۔رزق کی دعا نہیں کی، روٹی اللہ سب کو دیتا ہے بلکہ بہترین پھلوں کی دعا کی جو انہیں بطور رزق ملیں۔ایک ویران صحرا میں جہاں گھاس تک پیدا نہیں ہوتی تھی دوسرے ملکوں سے ذرائع آمد و رفت نہایت دشوار تھے۔ تازہ پھلوں کا پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔اس ابراہیمی دعا کی برکت سے اس وقت وہاں دنیا کا بہترین پھل دستیاب ہونا آپ کی قبولیت دعا کا زندہ ثبوت ہے۔اس لئے کہ وہاں کے باسی دنیوی نعمتوں سے بھی محروم نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امامت کے لئے ظالموں کو شامل نہیں کیا تھا۔اس لئے خلیل اللہ نے بھی ثمرات کی دعا اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والوں کے لئے مختص رکھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصحیح فرمائی کہ بیشک امامت و پیشوائی میرے مخلص بندوں کا ہی حق ہے لیکن میرے رزق و ثمرات اور دنیوی نعمتوں میں میری تمام مخلوق شامل ہے۔ ثمرات کا مطلب محنت کا پھل بھی ہے۔گویا جو خدا کے لئے کوشش کرے گا، اسے خدا ملے گا۔جو دنیا کے لئے محنت و کوشش کرے گا، اسے دنیا ملے گی جو محض چند روزہ فائدہ ہے۔ بالآخر اسے عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔اس آیت سے عیاں ہے کہ نبی کا انکار دنیوی عذاب کا موجب نہیں ہوتا بلکہ اسے آخرت پر ملتوی رکھا جاتا ہے۔ دنیا میں عذاب کا موجب بندگان خدا پر ظلم، شرارت اور فساد میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

۱۲۸۔۱۲۹۔**الرّفعُ** کے معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں۔**یرفعُ** مضارع ہونے کے باوجود یہاں ماضی کے معنی دے گا۔یعنی وہ بلند کرتا تھا۔**قواعد**۔ قاعدہ کی جمع۔بنیاد۔قعد سے ہے جس کے معنی بیٹھنا کے ہیں۔**تقبّل**۔قبل۔پہلے۔ **تقبّل**۔تو قبول کر۔ **مسلم**۔کامل فرمانبردار۔

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ
جب اونچی کرتا تھا ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (وہ کہتے جاتے تھے)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ
اے رب ہمارے قبول کر ہم سے یقیناً تُو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اے رب ہمارے اور

اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
بنا ہم کو فرمانبردار اپنا اور (بنا) اولاد ہماری سے ایک اُمّت فرمانبردار

لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
اپنی اور دکھا ہمیں عبادت کے راستے ہمارے اور فضل کیساتھ توجہ فرما ہم پر یقیناً تو ہی بہت فضل کیساتھ

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
توجہ فرمانیوالا بہت رحم کرنیوالا ہے اے رب ہمارے اور مبعوث فرما ان میں ایک رسول انہی میں سے کو

جس نے خود کو کلیتہً خداتعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ **مناسک**۔منسک کی جمع ہے۔طریق عبادت۔حج سے تعلق رکھنے والی عبادات۔ **توّاب**۔اسم الٰہی۔مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت توبہ قبول کرنے والا۔

حضرت ابراہیمؑ اورحضرت اسمٰعیلؑ نے بحکم الٰہی خانہ کعبہ کی بنیادیں وہیں سے اٹھائیں جہاں سے وہ منہدم ہوگیا تھا۔ان جلیل القدر انبیاء نے معماروں کا کام کیا اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی جاری رکھیں کہ اے ہمارے رب ہماری یہ معمولی سی خدمت قبول فرمانا، تو ہی دعاؤں کا سننے والا اور دلوں کو جاننے والا ہے۔یعنی اس معمولی اینٹ اور پتھر کے گھر کو اپنا گھر بنا لینا جس میں تو بس جائے اس میں ہم گنہگاروں کے لئے لاتعداد اسباق ہیں۔تازندگی میاں ، بیوی سے اور بچہ ، باپ سے الگ رہا۔اپنی مرضی مرضی نہیں ،جو مولیٰ کی مرضی ہے وہی ان کی مرضی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔حضرت ہاجرہ اوران کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے بھی وہی راہ اپنائی۔گلہ ہے نہ شکوہ ، بس یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے ورنہ پیش کرنے کے قابل تو کچھ بھی نہیں۔دست بکار دل بیار والا معاملہ ہے۔اینٹیں اور پتھر لگا رہے ہیں اور اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے قیامت تک کے لئے دعائیں کررہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں مسلم بنادے اور ہماری نسلوں سے ایک گروہِ مسلمین بنا دے۔اسلام تمام انبیاء اوران کے متبعین کا دین ہے۔ہر نبی نے اسلام ہی پیش کیااور خود بھی مسلم ہی تھے لیکن نبیٔ آخرالزمان کے ماننے والے ہی مسلم کہلائے ۔یہ بھی پیش گوئی تھی کہ مسلمان تمام دنیا میں پھیل جائیں گے پھر نہایت الحاح سے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ! ہمیں اپنی عبادتوں اور قربانیوں کے طریق سکھا، تیری عبادت و فرمانبرداری

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ
پڑھے ان پر آیات تیری اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور

يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ
پاک کرے ان کو یقیناً تو ہی بڑائی والا بہت حکمت والا ہے اور نہیں بے رغبتی کرتا

۱۵ ع ۸ ۱۵

میں اگر کوئی غلطی ہم سے سرزد ہو جائے تو درگزر فرمانا بیشک تو ہی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔اس سے قبل کتنی دفعہ اس کی تعمیر ہوئی اور کتنی دفعہ منہدم ہوا ، تاریخ اس معاملہ میں خاموش ہے۔آپ کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے یہ گھر تعمیر کیا۔آنحضرت ﷺ نے بعثت سے قبل اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور حجر اسود اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب فرمایا پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے اوران کے بعد حجاج نے تعمیر فرمایا۔ دنیا کے بہترین معمار بیت اللہ کے لئے مقرر ہوئے جبکہ بیت المقدس حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ سے چھتیس سال بعد تعمیر کیا بعد ازاں حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر نہایت عالیشان فرمائی قریباً چھ سو سال قبل مسیح بخت نصر نے بیت المقدس تباہ کیا اور بنی اسرائیل کے دس قبیلوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔ستر برس بعد ذوالقرنین شاہ فارس کی مدد سے وہ آزاد ہوئے۔اس زمانہ کے نبی نے ذوالقرنین کی مدد سے بیت المقدس کی نہایت شاندار تعمیر فرمائی۔واقعہ صلیب کے قریباً ستر سال بعد رومیوں نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی ، تورات کے تمام نسخے جلا دیئے اور بیت المقدس منہدم کردیا۔ حضرت عمرؓ نے یروشلم فتح کیاتو بیت المقدس کی بنیادیں تلاش کیں جن پر مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔یہاں یہ بھی بتایا کہ مناسک حج حضرت ابراہیمؑ کے قائم کردہ ہیں۔یہ مشرکین کے ایجاد کردہ نہیں۔

۱۳۰۔**الحکمة**۔حکمت۔حکم۔دانائی۔معرفتِ دینی۔تفصیلاتِ شریعت۔**العزیز**۔ **عزہ**۔جو غالب ہے اور اس پرکوئی غالب نہیں۔کامل غلبے والا۔اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ **الحکیم**۔صاحبِ حکمت۔اسمائے الٰہی میں سے ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے کسی دنیوی حکومت یاباد شاہت کے لئے دعا نہیں کی۔ اگر کی تو یہ کہ اے ہمارے رب ہماری اولاد میں ایک رسول مبعوث فرما جو انہی میں سے ہو اور انہیں تیری آیات پڑھ کرسنائے۔اس میں اشارہ تھا کہ قرآن کریم اکٹھا نازل نہیں ہوگا بلکہ کچھ آیات اترا کریں گی جن کی تلاوت وہ کردیا کرے گا۔اس کا دوسرا کام یہ ہو گا کہ انہیں صرف پڑھ کر

عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

مذہب سے ابراہیم کے سوائے اُس کے جس نے بیوقوف بنایا اپنے تئیں اور یقیناً یقیناً برگزیدہ کیا تھا ہم نے اسے

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِذْ قَالَ

دُنیا میں اور یقیناً وہ آخرت میں ضرور نیکوں میں سے ہوگا جب کہا

ہی نہیں سنائے گا بلکہ انہیں کتاب اللہ کے حقائق و معارف سکھائے گا اور اسرارِ شریعت سے آگاہ کرے گا۔ تیسرا کام حکمت کا سکھانا ہوگا گویا معرفت ِ دینی اور حکمت و دانائی سکھانا بھی رسول کے فرائض میں سے ہے۔ چوتھا اور سب سے اہم کام تزکیہ نفس ہے یعنی اپنی قوت قدسی اور پاک نمونہ سے مومنین کو پاک و مطہر کرے گا۔اس میں اخلاق و عادات کا سنوارنا، ظاہری و باطنی صفائی اور تزکیۂ مال شامل ہے کیونکہ زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے۔یہی چار کام ہیں جو ہر رسول، خلیفہ،امام اور ہرمومن حسب توفیق بجالاتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کو قبول فرمایا(پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰،۲۱)اور اپنا رسول مبعوث فرمایا جس نے یہ چاروں کام احسن طریق سے انجام دیئے۔آپؐ کے تمام صحابہؓ نے کتاب وحکمت سیکھی اور تمام دنیا کے معلم و مزکی بنے۔پھر اگلی نسلوں نے یہ بیڑا اٹھایا اور یہ سلسلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا تاآنکہ ان تمام احکام کو پس پشت ڈال کر عالم اسلام زوال پذیر ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے ان آیات میں مانگی گئی حضرت ابراہیمؑ کی سات دعاؤں اوران کی قبولیت کی نشاندہی فرمائی ہے۔(نورالدین صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰)اس سے ظاہر ہوا کہ بعض دفعہ قبولیت دعا کے لئے ہزاروں سال درکار ہوتے ہیں۔دعاؤں سے تھکنا نہیں چاہیئے کیونکہ دنیا کی اصلاح ایک دن کا کام نہیں۔(الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۴) فرمایااللہ غالب ہے۔یہ سب اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔حکیم بھی ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔گویا ہر کام موقع ومحل کی مناسبت سے موزوں و مناسب طریق سے انجام پاتا ہے۔

۱۳۱۔**یرغب** ۔ رغب ۔ رغبت کامفہوم دیتا ہے۔ جب صلہ **عن** ہوتو معنی متضاد ہوں گے یعنی بے رغبتی۔ اعراض کرنا۔ **سَفِہ**۔وہ نادان ہوا ۔ اسی سے سفیہ جمع سُفھاء ہے ۔احمق ۔کم عقل ۔نادان۔ہلکا۔ **اصطفینٰہ۔ اصطفٰی**۔صفو۔ خالص ہونا۔ پاک و برگزیدہ ۔صالح ۔جس میں صلاحیت پائی جائے۔درست ۔نیک۔**اصطفینٰہُ** ۔ہم نے اسے چن لیا۔

حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء تھے۔تمام اہل کتاب بلکہ مشرک تک آپ کو خداتعالیٰ کا برگزیدہ سمجھتے تھے۔آپ کا دین عین دین فطرت تھا۔اس لئے فرمایا کہ کوئی احمق ہی آپ کے دین سے منہ موڑ

لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَوَصّٰى

اسے اُسکے ربنے فرمانبردار ہوجا اس نے کہا فرمانبردار ہوا میں تمام دُنیا کے رب کا اور تاکید کی

بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اس (فرمانبرداری) کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے (بھی کہا) اے میرے بیٹو یقیناً اللہ نے چُن لیا ہے

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ اَمْ

تمہارے لیے اس دین کو پس ہرگز نہ مرنا تم مگر ایسے حال میں کہ تم فرمانبردار ہو کیا

كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ

تھے تم موجود جب آئی یعقوب کو موت جب کہا اس نے اپنے بیٹوں کو

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ

کس کی عبادت کروگے تم بعد میرے انہوں نے کہا ہم عبادت کرینگے تیرے معبود کی اور معبود کی

سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں بھی کامیاب کیا۔اپنے قرب،عزت اور ذکر خیر سے نوازا اور آپ کی اولاد میں جلیل القدر انبیاء اورعظیم الشان حکمران ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اولاد سے تھے۔آخرت میں بھی وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا

۱۳۲۔۱۳۳۔اسلام کسی نئے دعوے کا نام نہیں ہر نبی کا اصل الاصول یہی تھا کہ اپنی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو خداتعالیٰ کے سپرد کردے۔ مسلمان بننے کا نمونہ ابراہیمؑ کی زندگی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کہا **اسلم** تو فرمانبردار ہوجا۔انہوں نے کچھ نہیں پوچھا ،بے ساختہ یہی کہا کہ میں تو پہلے ہی تمام جہانوں کے رب کی فرمانبرداری اختیار کرچکا ہوں۔ میرا تو پہلے بھی اپنا کچھ نہیں ،سب کچھ تیری راہ میں قربان ہے۔ یہی تاکیدی نصیحت تھی جو انہوں نے اپنی اولاد اور ان کی اولاد نے اپنی اولاد کو کی۔ یہاں تک کہ آپ کے پوتے حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنی اولاد کو یہی نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو چن لیا ہے۔پس تم ہر وقت اسی کی فرمانبرداری میں لگے رہنا۔ موت کا تو کوئی وقت مقرر نہیں پس تمہیں ایسے وقت میں موت آئے کہ اللہ تم سے راضی ہو۔

۱۳۴۔حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ تھے۔حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی خدا کے پہلوان کے ہیں۔ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ تھے۔معنوی لحاظ سے تو ہر نبی مسلم اور اس کی امت مسلمان ہے لیکن حقیقتاً یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کو ملا جو قیامت تک رہنے والی تھی۔امت محمدیہ کا نام قرآنِ کریم میں بھی اور صحفِ اُولیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمان رکھا۔(سورۃ الحج آیت ۷۹)

اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ

تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے (جو کہ) معبود ہے ایک ہی اور

نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

ہم اسی کے فرمانبردار ہیں یہ جماعت یقیناً گزر چکی ہے اس کیلئے ہے جو

حضرت یعقوبؑ کو توحیدِ الٰہی سے جو عشق تھا اس کا اندازہ اسی سے ہوجاتا ہے کہ انہیں اپنی موت کے وقت بھی کوئی دنیوی خیال نہ تھا۔ڈر تھا تو یہی کہ کہیں میرے بعد میرے بیٹے خدائے واحد کی عبادت سے غافل نہ ہو جائیں۔ مصر میں بت پرستی عام تھی اور وہ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں کوتاہی بھی کر چکے تھے۔اس لئے آپ نے بیٹوں سے پوچھا کہ میری زندگی میں تو تم نے میری پیروی کی لیکن میرے بعد کسی کی عبادت کروگے؟اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بیشک ہم سے کوتاہیاں ہوئیں لیکن اب ہم خدائے واحد کی عبادت سے کسی وقت غافل نہیں ہوں گے۔ عسر میں ، یسر میں غرض زندگی کے ہر لمحے میں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں گے جو ہمارے باپ، دادا اور پردادا کا خدا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں! حضرت یعقوبؑ کے استفسار پر آپ کے بیٹوں کا اپنے دادا سے پہلے سوتیلے دادا کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی وفات کے وقت برادرانِ یوسف کی اصلاح ہوچکی تھی اور سوتیلوں والی بات نہیں رہی تھی۔ممکن ہے انہیں ابراہیمی دعاؤں کی قبولیت کا علم ہو اور نبیؐ آخرالزمان کا بنی اسمٰعیلؑ میں سے ہونا جانتے ہوں اور احتراماً ایسا کہا ہو۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

قرآن کریم کی جس آیت میں بھی حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کا اکھٹے ذکر آیا، حضرت اسمٰعیلؑ کو پہلے رکھا۔عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں بلکہ رتبہ کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے لیکن ان دونوں کے ذکر میں ہمیشہ موسیٰؑ کو پہلے رکھا۔سوائے سورۃ طٰہٰ آیت :۷۱ کے ، جب فرعون کے ساحروں نے **اٰمنّا بربّ ھٰرون وموسیٰ** کہا۔ اس لئے کہ وہ اُسی وقت ایمان لائے تھے اورحضرت موسیٰؑ کے رُتبہ جلیلہ سے ابھی واقف نہیں تھے۔یہاں یہود پر اتمام حجت کی ہے کہ تمہارے آباء و اجداد کا کیا مسلک تھا اورتم کس مسلک پر ہو نیز یہ کہ انبیاء کا ورثہ مال و دولت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس کی عبادت و فرمانبرداری ہے جس کی نصیحت تازندگی کرتے ہیں اور دم آخر بھی یہی وصیت ہے۔

۱۳۵۔پچھلے تمام انبیاء کی امتوں کو ایک ہی امت کہا کیونکہ وہ ایک ہی مسلک پر قائم تھیں۔

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

کمایا تھا اس نے اور تمہارے لیے جو کمایا تم نے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے کہ جو تھے وہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ

کیا کرتے اور کہا انہوں نے ہوجاؤ یہودی یا عیسائی تو ہدایت پاؤ گے تم

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ

تو کہدے کہ (نہیں) بلکہ (اختیار کرو) مذہب ابراہیم موحد کا اور نہ تھا وہ

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

مشرکوں میں سے تم کہو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر جو اُتارا گیا ہماری طرف اور

اگر چہ بعض احکام میں ضرورتِ زمانہ کے تحت کچھ فروعی تبدیلیاں ضرور ہوئیں لیکن اصل الاصول ایک ہی تھا اور اپنے اپنے زمانہ میں وہ سب سچے دین تھے۔

یہاں بتایا کہ اس بھول میں نہ رہنا کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اس لئے سزا سے بچ جائیں گے۔ جس نے جو عمل کیا اسی سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔کوئی کسی دوسرے کے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوگا اور نہ کسی کا حسب ونسب وہاں کام آئے گا۔

۱۳۶۔**حنیف**۔ یک سو۔ خدا کی طرف جھکنے والا۔ راست رو۔

فرمایا ان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ یہود و نصاریٰ ہونے سے ہی ہدایت ملتی ہے حالانکہ ہدایت کا طریق صرف یہ ہے کہ دینِ ابراہیم پر چلو جو حنیف تھا۔ ابو قلابہؓ مشہور مفسر قرآن کے بقول حنیف وہ ہے جو تمام اوّل تا آخر انبیاء پر ایمان لائے۔یہود و نصاریٰ تو دونوں حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی کے قائل ہیں۔پس وہ کیوں اس طریق کو اختیار کرکے آنے والے رسولوں کو نہیں مانتے۔ فرمایا وہ مشرک نہیں تھا۔نبی کے لئے یہ کہنا بظاہر اس کی شان کے خلاف ہے آپ کی ذات میں تو شرکِ خفی کی بھی کلیتہً نفی تھی۔دراصل ہر نبی کے بعد یہ عقیدہ زور پکڑتا ہے کہ اب خداتعالیٰ نبی نہیں بھیجے گا، نہ ہدایت کا سامان کرے گا۔(سورۃ المومن :۳۵) اسی عقیدہ کو شرک کہا اور بتایا کہ ابراہیم حنیف تھا۔وہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری سمجھتا تھا۔آپ کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم بھی شرک سے سخت بیزار تھے۔ حضرت عبداللہ بن صامتؓ حضرت ابودرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا!اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اگر چہ تمہارے ٹکڑے کردئے جائیں یاتمہیں سولی پر چڑھا دیاجائے یا تمہیں زندہ جلا دیاجائے۔(مسنداحمد) آپؐ شرکِ خفی سے اس قدر بچتے کہ ایک شخص نے آنحضرتﷺ کو کہا **ماشاء اللّٰہ وشئت** یعنی جو

مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
جو اتارا گیا طرف ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ
اور (ان کی) اولاد اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دیئے گئے (دیگر) نبی
مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ
اپنے رب کی طرف سے نہیں ہم فرق کرتے درمیان کسی کے بھی ان میں سے اور ہم اس (خدا) کے
مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ
فرمانبردار ہیں پھر اگر ایمان لاویں وہ مانند اس کے کہ تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ

اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔ آپؐ نے فرمایا **اجعلتني لله ندا** ۔کیا تم مجھے اللہ کا شریک کرتے ہو۔ صرف ماشاء اللہ کہو کیونکہ اس کی مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے۔

۱۳۷۔**اسباط** واحد سبط پوتا۔ یہاں **اسباط** سے مراد اولاد اور قبائل ہیں۔اب ساتھ ہی تشریح فرمادی کہ خداتعالیٰ پر ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ جو ہدایت تمہیں دی ، جو تم سے پہلے عظیم المرتبت انبیاء حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسمٰعیلؑ ،حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کو دی اور جو یہود و نصاریٰ کے دونوں بڑے نبیوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دی اور جو ہدایت دنیا کے سب انبیاء کو دی۔خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، ہم ہر ہدایت کو مانتے ہیں اور کسی نبی میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانا اور کسی کو نہ مانا۔ ہم تو سب کو ماننے والے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

۱۳۸۔شقاق۔شق۔ پھٹنا۔ اسی سے شقاق بمعنی مخالفت ہے۔ دشمنی۔ضد۔شق بمعنی مشقت جیسے **الا بشق الانفس** (سورۃ النحل۔۸) **سيكفيكهم الله ۔ كفاية** ۔ اللہ تیرے لئے کافی ہوگا ان کے مقابلہ میں۔

ملحقہ آیت میں ایمان کی تشریح ہے کہ بغیر تفریق ہر نبی کو ماننا نیز یہ کہ قیامت تک خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کا سامان کرتا رہے گا۔ جس طرح موسیٰ کی شریعت کے تابع انبیاء ہوئے۔ اسی طرح اس شریعتِ کاملہ کے تابع بھی ہادی و مرسل آئیں گے۔

فرمایا کہ اگر وہ ان تمام انبیاء پر اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ان سب پر ایمان لائے ہو ، تب تو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔اگر وہ نہ مانیں تو یہ صرف ضد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ان کے تمام انبیاء اور تمام دنیا کے انبیاء کی تصدیق کرنے والے کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔تمہیں ان سے

اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ
ہدایت پا گئے اور اگر پھر جاویں وہ تو سوائے اس کے نہیں وہ مخالفت میں ہیں
فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۸﴾ صِبْغَةَ
پس کافی ہوگا تجھے ان کے مقابلہ میں اللہ اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (اختیار کرو) طریق
اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
اللہ کا اور کون ہے زیادہ اچھا اللہ سے طریق میں اور ہم اس کے عبادت گذار ہیں
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ
تو کہدے کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے اللہ کے بارے میں اور وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ اَمْ
لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے مخلص ہیں کیا

ڈرنے کی ضرورت نہیں وہ سب مل کر بھی تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ ان کے مقابلہ میں اللہ تجھے کافی ہے۔وہی ان کی ایذا رسانیوں سے تمہیں بچائے گا۔اسی پہ کامل توکل کرو۔ ہر مصیبت میں اسی کو پکارو وہی دعاؤں کو بہت سننے والا اور تمہارے حال سے خوب واقف ہے۔

۱۳۹۔**صبغة**۔رنگ۔ **صبغ الا كلين** میں صبغ سالن کو کہا اس کے رنگ کی وجہ سے انسانی فطرت ہے کہ اس پر کسی نہ کسی کا رنگ چڑھتا ہے۔ فرمایا اللہ کا رنگ پکڑو۔اس کے رنگ میں رنگین ہوجاؤ۔ اللہ کے اخلاق و صفات اپناؤ ، اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہے۔ جس قدر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے اخلاق و صفات کو اپنے اندر جذب کرنے والا ہوگا۔اتنا ہی وہ مقربِ الٰہی ہوگا۔ ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کامل طور پر اخلاقِ الٰہی میں رنگے گئے اور قرب کا انتہائی مقام پایا۔ فرمایا یہ رنگ اس کی بندگی سے چڑھتا ہے پس ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

۱۴۰۔ تمام انعامات صرف بنی اسرائیل تک محدود کرکے یہ کہنا کہ وہ صرف تمہارا رب ہے، اصولاً غلط ہے۔جس طرح وہ تمہارا رب ہے، ہمارا بھی رب ہے۔ جس طرح ایک لمبے عرصہ تک تمہاری روحانی ربوبیت فرمائی اور تم میں نبوت و ولایت جاری رہی اسی طرح اب جبکہ تم اس انعام کے اہل نہیں رہے ،وہی ربوبیت بنی اسمٰعیل میں آئی اور دنیا کی روحانی ربوبیت کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی۔خداتعالیٰ کے متعلق جھگڑنا بے معنی ہے کیونکہ اس کی نظر میں کوئی معزز ہے نہ ذلیل۔یہ تو اعمال ہیں جو کبھی انعمت علیہم کے مصداق بناتے ہیں اور کبھی مغضوب علیہم کے۔پس تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو اور ہم اپنے اعمال کے ۔ہم تو اپنے رب سے ہی پیار کرتے ہیں اگر اس نے کچھ

تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
تم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ
اور (اس کی) اولاد تھے یہودی یا عیسائی تو کہدے کیا تم زیادہ

اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے چھپائی گواہی (جو)

عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾
اسکے پاس ہے اللہ کی طرف سے اور نہیں اللہ ہرگز غافل اس سے جو تم کرتے ہو

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ
یہ ایک جماعت ہے یقیناً گذر چکی ہے اس کیلئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے

مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ ع ۱۶/۱۲/۱۶
جو کمایا تم نے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس کی نسبت جو تھے وہ کرتے

نہیں دیا تو بھی ، اگر اب تمام انعامات سے نوازا تب بھی۔ ہم تو اسی کے اطاعت گزار ، مخلص اور وفادار ہیں۔

۱۴۱۔۱۴۲۔ یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسمٰعیلؑ ،حضرت اسحاقؑ ، حضرت یعقوبؑ اور اس کی اولاد کو یہودی یا مسیحی کہنا سراسر زیادتی اور حماقت ہے۔کیونکہ یہ تمام انبیاء یہودیت اور مسیحیت سے بہت پہلے گزرے ہیں۔فرمایا تم زیادہ جانتے ہو یااللہ۔ اللہ تعالیٰ نے تو تازہ وحی سے ہربات کھول دی کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لانے والے موحد انبیاء تھے۔ تمہارے پاس تورات ہے جس میں ہر چیز عیاں ہے لیکن تم ان تمام پیشگوئیوں کو چھپاتے ہو جو تمہیں پسند نہیں۔ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو اس گواہی کو چھپائے جو خدا کی طرف سے اس کے پاس گویاامانت ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔ تم لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہو خداتعالیٰ کو نہیں۔

فرمایا انبیاء کا یہ گروہ جو اپنے اپنے زمانہ میں اپنا فرض منصبی پورا کر کے گزر گیا۔ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔ان کی عظمت تمہیں فائدہ نہیں دے سکتی کہ تم ان کی اولاد ہو۔تم جو ان کے طریق سے ہٹ گئے ،تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔تمہارے آباء و اجداد کے اعمال کا حساب تم سے نہیں ہوگا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ ۔ ربع ۳
ضرور کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیرا ان (مسلمانوں) کو

قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ
ان کے قبلہ سے کہ تھے وہ جس پر تو کہدے اللہ ہی کے ہیں مشرق اور

الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۳﴾
مغرب وہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے طرف سیدھی راہ کے

۱۴۳۔**سفہآء**۔واحد **سفیه** انتہائی ردی چیز۔عرف عام میں بیوقوف شخص ہے جو دینی و دنیوی عقل عمدہ نہ رکھتا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ اورخانہ کعبہ کے ذکر کے بعد ان آیات میں تحویل قبلہ کاذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جبکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس رہا۔ مکہ میں آنحضرتﷺ خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کو سامنے رکھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپؐ نے سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ خانہ کعبہ آپؐ کی پیٹھ کے پیچھے تھا۔اس سے یہود بہت خوش تھے۔احادیث میں واضح طور پر ہے کہ آپؐ کا دل چاہتا تھا کہ آپؐ کا قبلہ ابراہیمی قبلہ ہو جن کی دعاؤں کے آپؐ مظہر تھے۔ حضرت عمرؓ کا بھی یہی مشورہ اورخواہش تھی لیکن آپؐ کو وحی الٰہی کاانتظار تھا۔ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ مسجد قبا میں لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے اطلاع دی کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کاحکم آچکا ہے۔ لوگوں نے حالت نماز میں ہی شام سے مکہ کی طرف منہ پھیرلیا۔(بخاری ابواب القبلہ۔بروایت حضرت ابوہریرہؓ)اس سے ان لوگوں کارد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ وحی آنحضرتﷺ کے دلی خیالات تھے۔اگر ایسا تھا تو قریباً ڈیڑھ سال تک کس کا انتظار تھا۔ان کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرق اور مغرب خدا ہی کے ہیں۔تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی خدا کو پاؤ گے۔عبادت رب کعبہ کی ، کی جاتی ہے نہ کہ کعبہ کی۔ عبادت کے لئے کسی نہ کسی سمت تو رُخ کرنا ہی تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جو قبلۂ اوّل تھا وہی قبلۂ آخر بھی ہو یہ سفہاء کاکام ہے کہ ہر بات پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔حالانکہ ایک ہی سمت رُخ کرنے میں اتحاد ، یکجہتی اور اطاعت کا سبق تھا۔ یہاں بتلایا کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت پانا ہے۔

۱۴۴۔**وسطًا** ۔ درمیانی لیکن عرب اعلیٰ کو بوجہ افراط وتفریط سے بچنے کے وسطی کہتے تھے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو ایک جماعت اعلیٰ درجہ کی تاکہ ہو جاؤ نگران

عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا

اوپر لوگوں کے اور ہو یہ رسول تم پر نگران اور نہیں

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

بنایا ہم نے وہ قبلہ کہ ہے تو جس پر مگر تاہم جان لیں اسے جو

يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ

پیروی کرتا ہے اس رسول کی بمقابل اس کے جو پھر جاتا ہے اپنی دونوں ایڑیوں پر اور یقیناً ہے یہ

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

ضرور مشکل بات مگر ان لوگوں پر (نہیں) جنہیں ہدایت دی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ (ایسا)

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۴﴾

کہ ضائع کرے ایمان کو تمہارے یقیناً اللہ لوگوں پر ضرور مہربان بہت رحم کرنیوالا ہے

جیسے **خیر الامور اوسطھا** ۔(الحدیث) بہترین امور وسطی ہوتے ہیں۔ اس لئے اصل معنی بہترین کے ہیں۔ **شھدآء** ۔ شہید کی جمع ہے یعنی گواہ ۔نگران۔ اللہ تعالیٰ کا نام شہید ہے کیوں کہ اس کے علم سے کچھ چھپا ہوا نہیں۔انبیاء اپنی امتوں پر شہید ہیں گویا ان کے پیشرو ،نگران اور مربی ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے شہید ہیں اس لئے کہ انہوں نے جان کا نذرانہ دے کر اپنے عمل کی شہادت دی ۔ مبطون اور غریق وغیرہ کو بھی شہید کہا گیا ہے۔

فرمایا جس طرح ہم نے تمہیں ہدایت دی اسی طرح یہ بھی احسان کیا کہ تمہیں افراط و تفریط سے بچا کر بہترین امت بنایااور قرآنِ حکیم کی صورت بہترین تعلیم دی۔قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم موقع شناسی اور میانہ روی کا سبق دیتی ہے جبکہ تورات میں انتقامی امور پر زور اور سختی ہے اورانجیل عفو و درگزر میں حد سے تجاوز کر گئی ہے کیونکہ اس زمانہ میں ایسی ہی تعلیم کی ضرورت تھی۔ یہ بہترین تعلیم تمہیں اس لئے دی کہ اب امامت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کو منتقل ہو گئی ہے۔اب اقوام عالم کی ہدایت اور رہنمائی کا ذمہ تم پر ہے اور تم دنیا کے امام و مزکی اور نگران ہوگویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تربیت فرمائیں گے اور ان کے نقش قدم پر چل کرتم دوسروں کی تربیت کرو گے۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی اس وقت کی جب مدینہ میں نہایت کسمپرسی کا زمانہ تھا اور یہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ چونکہ ایک بڑی بھاری ذمہ داری پڑنے والی تھی اس لئے ضروری تھا کہ چھانٹی کی جاتی اور

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

یقیناً دیکھتے ہیں ہم پھرنا تیرے رُخ کا آسمان میں پس ضرور پھیریں گے ہم تجھے ایسے قبلہ کی طرف

تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ

کہ تو پسند کرتا ہے اسے سو پھیر اپنا رُخ طرف مسجد الحرام کی ، اور جہاں کہیں

مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ہو تم پس پھیرو چہروں کو اپنے طرف اس کی اور یقیناً وہ لوگ جو دیئے گئے

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ

کتاب یقیناً جانتے ہیں کہ وہ حق ہے طرف سے ان کے رب کی اور نہیں ہے اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ہرگز بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں اور یقیناً اگر لادے تو ان لوگوں کے پاس جو دیئے گئے

کھوٹے اور کھرے کی تمیز کی جاتی۔ تحویل قبلہ میں یہ بھی مقصد تھا کہ تابعین رسول نافرمانوں سے الگ ہو جائیں اور کُھل جائے کہ خدا اور رسول سے محبت کرنے والے کون ہیں اور آباء و اجداد کے قبلہ سے محبت کرنے والے کون ہیں۔ یہ ایک بھاری آزمائش تھی جس میں مومنین اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کے فضل سے سُرخرو ہوئے۔ابتلاؤں سے ایمان ضائع نہیں ہوتا بلکہ روحانیت میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۱۴۵۔**تقلُّب وجھک فی السَّمَآء** ۔ تیری توجہ کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا۔ دعا کرنا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں۔ جنابِ الٰہی سے کام کروانے کے لئے بڑی توجہ کی ضرورت ہے جیسا کہ یہاں فرمایا۔(تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ۴۴۰) **حرام** ۔حرم کے معنی ہیں روکا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں بہت سی باتوں سے روکا گیا ہے، جو دوسری جگہ جائز ہیں۔اسی سے محروم ہے جس سے کوئی چیز روک دی گئی ہو۔ **المسجد الحرام** ۔ اس وسیع احاطہ کا نام ہے جس کے اندر قریباً وسط میں خانہ کعبہ ہے۔جو شمالاً جنوباً ۴۴ فٹ اور شرقاً غرباً ۳۳ فٹ ہے۔اونچائی ۴۵ فٹ ہے ۔ شمال مشرقی کونہ میں حجراسود نصب ہے۔حدیث میں ہے کہ جب پہلی بار اللہ تعالیٰ کا گھر بنا تو یہ پتھر آسمان سے بھجوایا گیا تھا۔اس وقت یہ سنگ مرمر کی طرح سفید تھا لیکن زمین کی حدود میں داخل ہونے کے دوران زمین کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہوگیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز وضاحت فرماتے ہیں(ترجمۃ القرآن کلاس MTA) کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ جب اس زمین میں خدائے واحد کی پرستش کے لئے پہلا گھر بنایا جانے لگا

الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

کتاب ہر قسم کے نشان (تو بھی) نہیں پیروی کریں گے وہ قبلہ کی تیرے اور نہیں ہے تو ہرگز پیروی کرنیوالا

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ

قبلہ کی ان کے اور نہیں ہے بعض ان کا ہرگز پیروی کرنیوالا قبلہ کی بعض کے اور یقیناً اگر

تواس علاقہ میں یہ پتھر Meteorites کی بارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لئے اتارے ہوں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ خلا سے جب کوئی چیز زمین کی حدود میں داخل ہوتی ہے تو شدید رگڑ (High Friction) کی وجہ سے داخل ہوتے وقت جلتی ہے۔اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ زمین کی حدود میں داخل ہونے سے پیشتر پتھر کا رنگ سفید ہو۔حجر اسود کا بوسہ لینے سے یہ مراد لینا کہ اس کی پرستش ہو رہی ہے۔ہرگز درست نہیں۔بوسہ کا مطلب کبھی بھی پرستش کرنا نہیں۔بوسہ محض محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔اکثر اپنے پیارے کی کوئی نشانی دیکھ کر بے اختیار اس دوست کی یاد آتی ہے اور انسان بوسہ لے لیتا ہے۔اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پتھر آسمان سے اس پہلی عبادتگاہ میں نصب ہونے کے لئے بھجوایا ہے ، انسان بے اختیار اپنے رب کی اس نشانی کو بوسہ دیتا ہے۔بعض دفعہ مسجد حرام کل حرم پر بولا جاتا ہے جس کے اندر مکہ مکرمہ ، میدان منیٰ اور عرفات واقع ہیں اور جس کے اندر جنگ کرنا، ہتھیار اٹھانا، شکار کرنا یا گھاس وغیرہ (سوائے اذخر کے) کاٹنا منع ہے۔

کعبہ کے قبلہ ہوجانے کے بعد یہ دعا کیسی! درحقیقت یہ دعا آئندہ کے لئے ہے کہ خانہ کعبہ جومشرکین کے قبضہ میں ہے مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے اور بتوں سے پاک ہوجائے۔ فرمایا ہم ضرور تجھے کعبے کا متولی بنائیں گے جسے تو پسند کرتا ہے پس اپنی توجہ کعبہ ہی کی طرف مرکوز رکھنا۔ دوبارہ **فولّوا وجوھکم** فرمانے سے مقصد یہ ہے کہ عنقریب جنگوں کا زمانہ آنے والا ہے۔ اس وقت جہاں بھی جاؤ اپنی توجہات کا مرکز کعبہ ہی رکھنا اور فتح مکہ ہی تمہارا مطمحِ نظر ہو۔ اہل کتاب یعنی علمائے یہود جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم برحق ہے کیونکہ توریت کے بموجب جب ابراہیمی دعاؤں کا مظہر نبی آنا تھا تو قبلہ بھی ابراہیمی ہی مقرر ہونا تھا۔(: ۱۲ باب پیدائش۔یسعیاہ : ۴۲ ، ۴۵ ، ۶۰) اللہ ہرگز ان کے افعال سے غافل نہیں۔وہ جانتا ہے کہ یہ سچائیوں کو چھپانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

۱۴۶۔فرمایا اہل کتاب ہر قسم کے واضح نشان دیکھنے کے بعد محض تعصب اور ضد کی وجہ سے تیرے دین اور قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والا ہے۔تیرے قبلہ کی پیروی تو بڑی بات ہے ، یہود و نصاریٰ تو ایک کتاب کے پیرو ہونے کے باوجود

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

پیروی کی تونے ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آیا تیرے پاس علم

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

یقیناً تُو تب تو ظالموں میں سے ہوگا وہ لوگ کہ دی ہم نے جنہیں کتاب

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

پہچانتے ہیں وہ اُسے جیسا کہ پہچانتے ہیں وہ اپنے بیٹوں کو اور یقیناً ایک گروہ (کے لوگ) ان میں

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا

سے ضرور چھپاتے ہیں حق کو حالانکہ وہ جانتے ہیں (یہ) حق ہے تیرے رب کی طرف سے پس نہ

ایک دوسرے کے قبلہ کے پیرو نہیں۔یہود بیت المقدس کی طرف اور عیسائی مشرق کی طرف منہ کرکے عبادت کرتے ہیں اس لئے کہ مسیح کا ستارہ مشرق سے نکلا جبکہ باوجود بے شمار اختلافات کے مسلمانوں کا قبلہ ایک ہی ہے الہامی کتابوں کا یہی طریق ہے اور قرآن کریم کا بھی یہی اسلوب ہے کہ گو بظاہر مخاطب آنحضرت ﷺ ہی ہوں لیکن اصل خطاب عام مسلمانوں سے ہی ہوتا ہے۔جیسے فرمایا کہ اے نبی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو یا یہ کہ والدین کو اف تک نہ کہو۔حالانکہ نہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دی نہ آپؐ کے والدین حیات تھے۔اس لئے یہاں عام مسلمان ہی مخاطب ہیں کہ اگر ہر قسم کا علم آجانے کے بعد بھی تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہوگے۔

۱۴۷۔آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت بہت سے راہب جو تورات کا علم رکھتے تھے وہ نبیٔ آخرالزمان کے ظہور کی بشارتیں سنایا کرتے تھے ۔چنانچہ انہیں آپؐ کو شناخت کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی۔وہ آپؐ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو۔یہود و نصاریٰ انبیاء کو خداتعالیٰ کے روحانی بیٹے کہتے تھے اور جانتے تھے کہ جس طرح بیٹے میں باپ کی خوبو ہوتی ہے اسی طرح انبیاء میں صفاتِ الٰہی جلوہ گر ہوتی ہیں۔آنحضرت ﷺ تو خدائی صفات کے مظہر کامل تھے۔ پس وہ آپؐ کی صفات کو دیکھ کر پہچانتے تھے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں نیز تمام پیشگوئیاں جو آنحضرت ﷺ کے متعلق تھیں وقوع پذیر ہوچکی تھیں۔ آپؐ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے تھے جن کی یادگاریں عرب میں موجود تھیں۔ بیت عتیق سوائے عرب کے کہیں نہ تھا۔ خانہ کعبہ کے سوا کوئی بیت اللہ نہ تھا۔ان کے نوشتوں میں آنحضرت ﷺ کا نام اور عرب کا نام تک موجود تھا۔(غزل الغزلات حضرت سلیمان علیہ السلام) یہاں تک کہ ہجرت کی پیشگوئی بھی تھی۔(یسعیاہ نبی باب ۱۔ ۳۰) وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم ایک امّی کا کلام نہیں ہو

ع ۱۷/۱

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا

ہو تو شک کرنیوالوں میں سے اور ہر ایک کے لیے توجہ ہے کہ وہ پھیرتا ہے اُسے

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

پس تم ایکدوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں ، جہاں کہیں ہوگے تم لاوے گا تم کو اللہ

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ

سب کو یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قادر ہے اور جہاں سے

خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ

نکلے تو توپھیر رُخ اپنا طرف مسجد عزت والی کی اور یقیناً یہ

سکتا۔ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اب یہ اس سچائی کو صرف اس لئے چھپاتے تھے کہ وہ نبی ان میں سے کیوں نہیں آیا۔

نیز بیوی کی عفت و پاکدامنی بیٹے کی شناخت کا ذریعہ ہوتی ہے کیا محمدؐ کی عفت و پاکیزگی قرآن عظیم کی شناخت کا ذریعہ نہیں اوراس کی صداقت پرگواہ نہیں۔اس لئے فرمایا کہ کیا یہ ایک مدت تک تمہارے درمیان نہیں رہا۔ جسے امین و صدیق کہتے ہو اورجس نے چالیس سال تک انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا۔وہ خداتعالیٰ سے کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔

۱۴۸۔**ممترین ۔ مریة**۔ کسی امر میں تردد یا شک ہے۔

فرمایا جب یہ خداتعالیٰ کی طرف سے حق ہے اور ہو کر رہنا ہے تو اے لوگو تم شک کیوں کرتے ہو۔ یہاں بھی وہی اصول ہے جو تمام الہامی کتابوں کے تعلق میں ہے کہ بیشک بظاہر مخاطب آنخضرت ﷺ ہوں لیکن اصل خطاب تمام لوگوں سے ہوتا ہے ورنہ آنخضرت ﷺ نے تو فرمایا! **لااشکُ و لااسـألُ** (تفسیر ابن کثیر) کہ میں شک کرتا ہوں نہ سوال۔ یہ حق یعنی آنخضرت ﷺ کا ظہور یا قرآن کریم کا نزول یا فتح مکہ یہ سب وہ حقائق ہیں جن کو جھٹلا کر صرف ذلالت ہی حاصل ہوگی جیساکہ فتح مکہ کے وقت ہوئی۔ تم ان سچائیوں سے کیوں منہ موڑتے ہو اور جانتے بوجھتے ہوئے شک میں کیوں پڑے ہو۔

۱۴۹۔ **وِجهة**۔ جس کی طرف توجہ رکھی جائے۔ مقصود۔ مطمحِ نظر۔ **سبق** آگے نکلنا۔ **فاستبقوا**۔پس تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

یہاں بتایا کہ قبلہ صرف ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی قبلہ بھی ہے۔ ہر قوم کا ایک مطمحِ نظر ہوتا ہے جو عام طور پر دنیوی خواہشات تک ہی محدود رہتا ہے لیکن اے مسلمانو! تم خیرات میں ایک

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ضرور حق ہے طرف سے تیرے رب کی اور نہیں ہے اللہ ، ہرگز بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور جہاں سے نکلے تو تو پھیر رخ اپنا طرف مسجد

دوسرے سے آگے بڑھنے کو اپنا نصب العین بناؤ۔ خیرات میں بڑا وسیع مضمون ہے ہر بھلائی ، نیکی ، اخلاق، دینی اور دنیوی علوم اس میں شامل ہیں اور ان سب میں سبقت حاصل کرنا مسلمان پر فرض ہے یہی حقیقی قبلہ ہے۔ کس طرح اللہ تعالیٰ ظاہر سے باطن کی طرف توجہ پھیرتا ہے کہ تحویل قبلہ کی بحث بند کرو اور اصل مقصدِ حیات کی طرف لوٹ آؤ۔ ایک ہی قبلہ اور ایک ہی مقصدِ حقیقی کہہ کر عالمگیر اخوت کی بنا ڈالی۔ لہٰذا مسلمان دنیا کے جس کونے میں ہوں گے ان میں یکجہتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کو ہر نیک مقصد کے لئے اکٹھا کر دے گا خاص طور پر حج کی طرف اشارہ ہے جب تمام دنیا سے مسلمان اکھٹے ہوتے ہیں۔ آخری زمانہ کے لئے بھی پیشین گوئی ہے جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اختلافات دور کرکے انہیں ایک ہاتھ پر اکٹھا کردے گا، انشاء اللہ۔ یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر شے پر پورا پورا قادر ہے۔

۱۵۰۔ مسلمان کسی جگہ سے نکلے یا داخل ہو ظاہر ہے نماز میں خانہ کعبہ کی طرف ہی منہ ہوگا لیکن سفر کے دوران نماز میں خانہ کعبہ کی طرف ہمیشہ رخ ہونا ممکن نہیں۔اس لئے اجازت ہے کہ اگر دورانِ سفر قبلہ کی طرف رخ ممکن نہ ہو تو جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف نماز پڑھ لیا کرو۔ یہاں عام سفر کے لئے نکلنے کا ذکر نہیں بلکہ خروج کا لفظ ہے جو لڑائی کے لئے نکلنے پر بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عنقریب تمہیں جنگ کے لئے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن جب بھی لڑائی کے لئے نکلو تمہارے مدنظر بیت اللہ کو فتح کرنا ہو۔ بنظر غور دیکھیں تو تمام غزوات فتح مکہ کی راہ ہموار کرنے کے لئے ہی تھے تا خدائی نوشتے پورے ہوں اور تمام عرب اسلامی جھنڈے تلے جمع ہو۔ یہ اس وقت کہا گیا جب بظاہر یہ ناممکن نظر آتا تھا۔ فرمایا یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے یعنی ہو کر رہے گا۔ فتح مکہ کی پیشگوئی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں سے بے خبر نہیں۔ وہ انہیں ضائع نہیں ہونے دے گا اور عنقریب تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔

۱۵۱۔ حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں (ترجمة الفرقان کلاس MTA) **ومن حیث خرجت** کو دہرا کر جہاد کی اہمیت اور اس میں پیش آمدہ بعض اہم مسائل

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ

عزت والی کی ، اور جہاں کہیں ہو تم تو پھیرو رُخ اپنے طرف اس کی

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت مگر جن لوگوں نے ظلم کیا

مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِيْ

ان میں سے تو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے تاکہ پوری کروں میں نعمت اپنی

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا

تم پر اور تاکہ تم ہدایت پاؤ جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول

کی طرف متوجہ کیا کیونکہ ایک مجاہد کی معمولی سی کوتاہی یا کمانڈر کا بروقت صحیح فیصلہ نہ کر پانا قوموں کی تباہی کا موجب ہوسکتا ہے جو اسے ثواب کی بجائے عذاب کا اہل بناسکتا ہے جیسا کہ مالِ غنیمت کا لالچ، دشمن پر زیادتی ، کمانڈر کے حکم سے انحراف اور بزدلی وغیرہ ۔ جب مطمح نظر مسجد الحرام کی فتح ہوگا تو وہ ان کمزوریوں سے بچ کر جہاد کی ذمہ داریاں کماحقہٗ ادا کرے گا اور اجرِعظیم کا مستحق ہوگا خواہ غازی ہو یا شہید۔ یہاں دوقسم کے لوگوں سے خطاب ہے اوّل مجاہدین جو جنگ کے لئے نکلیں تو ان کا نصب العین فتح مکہ ہو۔ دوئم وہ لوگ جو کسی معقول عذر، جیسے بیماری یا بڑھاپا وغیرہ کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہوسکیں۔ انہیں فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو بغیر لڑائی بھی جہاد میں شریک ہوسکتے ہو اور ثواب و انعام کے مستحق ہوسکتے ہو۔اس کا بھی وہی طریق ہے کہ تم کہیں بھی ہو قبلہ رخ ہو جاؤ اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ جوانوں اور بہادروں کی قوت و ہمت اور کمزوروں کی دعائیں اکٹھی ہوں گی تو خداتعالیٰ کے فضل سے فتح مکہ میں دیر نہیں لگے گی ، تورات و قرآن کریم کی بیشمار پیشگوئیاں پوری ہوجائیں گی اور یہود و نصاریٰ کا تم پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہے گا کہ دعائے ابراہیمی کا موعود نبی آیا اور خدائی نوشتوں کے مطابق کعبہ کی تطہیر ہوئی اور نہ وہ اس پر قابض ہوا۔ بیشک کچھ ظالم لوگ اتمام حجت کے بعد بھی اعتراض کرتے ہی رہیں گے لیکن ان کے بیہودہ اعتراضات سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرنا تو صرف اللہ سے ہی چاہیئے ۔ اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا یعنی دینی طور پر تو دنیا کی امامت و پیشوائی تمہارے سپرد ہوگی اور دنیوی طور پر فتح مکہ کے ساتھ ہی تمام نعمتوں کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور اسلام عرب کے علاوہ تمام معلوم دنیا میں پھیل جائے گا اور تم دنیوی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے۔ دنیوی نعمتوں میں بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب کا ملنا بھی ہے۔ اپنے پیاروں کی رفاقت ازسرنو میسر آجائے گی اور

مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

تم میں سے کہ پڑھتا ہے تم پر آیات ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو نہیں تھے تم جانتے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۳﴾ ع ۱۸ ۵ ۲

سو یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تم کو اور شکر کرو میرا اور نہ ناشکری کرو میری -

تمام کدورتیں اور تفرقے ختم ہوجائیں گے۔ ان دینی اور دنیوی نعمتوں سے تمہیں اسی لئے نوازا کہ ہدایت پا جاؤ۔ دیکھنا! کفرانِ نعمت کرکے عیش و عشرت میں نہ پڑ جانا کہ بندگان خدا پر ظلم کرنے لگو۔

۱۵۲۔ آیت :۱۳۰ والی دعائے ابراہیمی کو معمولی فرق کے بعد دہرایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے متبعین ترقی اور روحانیت کے ابتدائی منازل پر تھے۔ اس لئے انہیں پہلے آیات پڑھ کر سنائیں پھر کتاب و حکمت سکھائی تا ان کا تزکیہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہی پر آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کو قیاس کیا اور ان کے لئے دعا فرمائی لیکن آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو آیات الٰہی سنانے کے ساتھ ہی اپنی قوت قدسی سے ان کا تزکیہ نفس فرمایا۔ جب ان کی روحانی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اخلاق الٰہی کے مظہر بن گئے تو پھر کتاب و حکمت اور شریعت سکھنا اور اس پر عمل کرنا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ رہا اور انہیں وہ تعلیم دی جس کا ذکر پہلی شریعتوں میں نہیں تھا۔ بیشک بنیادی تعلیم تمام مذاہب میں قدر مشترک تھی لیکن قرآن کریم کے مضامین اس شان کے ہیں جو کسی مذہبی کتاب میں بیان نہیں ہوئے۔ **کمآ ارسلنا** یعنی اسی واسطے ہم نے رسول بھیجا تا ایک مزکّی گروہ پیدا ہو۔

۱۵۳۔ **ذکر**۔ یاد کرنا۔ تعریف کرنا۔ بزرگی دینا۔

ذکر کی بہترین صورت نماز ، تلاوتِ قرآن کریم اور ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکرِ الٰہی کے بے شمار فضائل ہیں۔ اوّل یہ کہ جس کے دل میں ہر وقت اس کا ربّ بستا ہو اس سے کوئی گناہ کیسے سرزد ہوسکتا ہے؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا! کہ انسان کا کوئی عمل اس کو خداتعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکرِ الٰہی کے برابر نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ (ترمذی ابواب الدعوات) حضرت ابوعثمان نہندیؒ فرماتے ہیں میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ فرمایا اس لئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مدد مانگو بذریعہ صبر اور نماز کے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ

یقیناً اللہ ساتھ ہے صبر کرنیوالوں کے اور نہ کہو متعلق ان کے جو قتل کئے جائیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

راہ میں اللہ کی کہ (وہ) مُردے ہیں نہیں بلکہ (وہ) زندہ ہیں مگر نہیں محسوس کرتے تم

کہ قرآن کریم کے وعدہ کے مطابق جب کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ پس جب ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں یاد کرتا ہے۔

فرمایا! تم مجھے یاد کرو یعنی میری عبادت کرو، میرے نام کو دنیا میں پھیلاؤ اور تبلیغ کرو تو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا، اپنا مقرب بناؤں گا اور دینی و دنیوی انعامات سے سرفراز کروں گا۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ آرام اور خوشحالی کے وقت تم مجھے یاد رکھو میرا قرب حاصل کرو تا مصیبت میں میں تمہیں یاد رکھوں۔ (ترمذی ابواب صفۃ القیٰمۃ) خداتعالیٰ کے احسانات کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ عظیم الشان رسول آیا، اس کی تعلیم و تربیت سے تم روحانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے۔ اقوام عالم کی امامت تمہارے سپرد ہوئی پس تم خدا کا شکر کرو ناشکری اور کفران نعمت نہ کرو گویا شکر سے غفلت کفر ہے پس جو دم غافل سو دم کافر۔ جیسے فرمایا **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ** ٥ (ابراہیم :۸) یعنی شکر کا نتیجہ تو لازمی یہ ہوگا کہ تمہیں بے حد نوازا جائے گا لیکن کفر یعنی ناشکری کا نتیجہ انعامات سے محرومی ہی نہیں بلکہ عذاب شدید بھی ہے۔

۱۵۴۔ **الصّبر**۔ صبر سے مراد بدیوں سے رکنا۔ نیکیوں پر استقامت۔ مصیبت میں صرف خدا سے فریاد کرنا ہے۔ روزہ۔ **صلٰوة**۔ دعا۔ نماز۔ استغفار۔ لاحول۔ درود اور الحمد شریف کا وِرد ہے

پچھلی آیات میں تبلیغ اور جنگوں کا ذکر تھا۔ بتایا کہ اس راہ میں ازحد تکالیف کا سامنا ہوگا لیکن صبر و صلوٰۃ سے یہ راہ آسان ہوجائے گی۔ اس لئے صبر و صلوٰۃ سے خداتعالیٰ سے مدد مانگنے کا گر بتایا۔ تبلیغ کا میدان ہو یا میدان کارزار یا کوئی اور تکلیف و ابتلا درپیش ہو دنیا کے سامنے تو ایک مضبوط چٹان بن جاؤ اور خدا کے حضور عاجزی و تذلّل سے گر جاؤ۔ کمالِ انسانی تک پہنچنے کے لئے یہی دو ہتھیار کافی ہیں۔ یہ نسخہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو اس وقت بتایا جب ایک نہ ختم ہونے والا دکھوں اور جنگوں کا سلسلہ جاری تھا اور بظاہر کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ یہاں ایک عام اصول بھی

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

اور البتہ ہم ضرور آزمائیں گے تم کو ساتھ کچھ خوف اور بھوک کے اور (ساتھ) کمی کے

الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

مالوں اور جانوں اور پھلوں کی اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ

وہ جو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم

بتادیا کہ جب کوئی دکھ اور تکلیف پہنچے یا رنج و ابتلاء درپیش ہوں، تو بدیوں سے بچ کر اور روزہ رکھ کر جناب الٰہی میں گر جاؤ، خدا خود تمہارا حامی و ناصر ہوگا اور مصیبتوں سے نکال لائے گا۔ یہ اہل اللہ کا آزمودہ ہے۔ **الصابرین** کہہ کر صبر کے ذکر کو جاری رکھا کیونکہ آئندہ جنگیں درپیش تھیں۔ **صابرین** کو تو خود خداتعالیٰ نے اپنی معیت کی خوشخبری دی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا چاہیئے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تفسیر کی روشنی میں)۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

۱۵۵۔ **فی سبیل اللّٰہ**۔ اللہ کی راہ میں۔ اللہ کو پانے کی راہ میں۔

صبر کی تلقین اور جنگوں کا ذکر تھا۔ ضرور تھا کہ جہاں کفار قتل ہو کر واصل جہنم ہوں وہاں مومنین صبر کا اعلیٰ نمونہ دکھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا رتبہ پائیں۔ فرمایا انہیں مُردہ نہ کہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور انہیں ایک اعلیٰ درجہ کی حیات حاصل ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ شہید تین دن کے اندر اندر زندہ ہو جاتا ہے اور اس کمال کو حاصل کرلیتا ہے جسے دوسرا شخص لمبے عرصہ تک حاصل نہیں کرسکتا اور ان کی ترقیٔ درجات ہمیشہ ہوتی رہتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ شہید جو نیک اعمال دنیا میں بجالاتا تھا، وہ اس کے بعد از شہادت بھی لکھے جاتے رہیں گے۔ (قرطبی) گویا کہ وہ زندہ ہے اور وہی اعمال بجا لا رہا ہے۔ اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے وہ زندہ ہے نیز شہید کے پسماندگان کی طرف سے اسے خوشخبریاں ملتی رہیں گی (اٰل عمران :۱۷۱) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔ شہید کو ایک چیونٹی کے برابر بھی درد محسوس نہیں ہوتا اور میں نے اس کی نظیریں خود دیکھی ہیں۔ (البدر ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۶۹) یہ شرک ہے کہ شہید واقعی زندہ ہے کیونکہ فرمایا **انک میت وانهم میتون** (الزمر:۳۱) پس شہید بہترین روحانی زندگی گزار رہے ہیں اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ہاں! تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ غرض انہوں نے جان کا نذرانہ پیش کیا اور زندہ جاوید ہوگئے اور جنت کے حقدار ٹھہرے جبکہ کفار ناکامی اور نامرادی کی موت مرے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

۱۵۶ تا ۱۵۸۔ صلوٰۃ کے معنی دعا اور نماز کے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں

اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں | یہ لوگ وہ ہیں کہ | ان پر | برکتیں ہیں | انکے رب کی طرف سے

وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الصَّفَا وَ

اور رحمت ہے | اور یہ لوگ | ہی | ہدایت پانے والے ہیں | یقیناً | صفا | اور

کے لئے ہوتو مغفرت اورگناہوں سے پاک کرنا ہے۔

جنگ اور تبلیغ حق میں صبر وصلوٰۃ کا مضمون جاری ہے۔یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آنحضرت ﷺ اورصحابہ کرامؓ دکھوں سے چُور تھے۔مدینہ میں آکرآپ سب نے کسی قدر سکھ کا سانس لیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ ابھی امتحان ختم نہیں ہوا جس طرح دنیا میں دنیوی اعلیٰ مراتب پانے کے لئے امتحان ہیں اسی طرح خداتعالیٰ کے حضور بلندیٔ درجات حاصل کرنے کے لئے بھی امتحان اور ابتلاء ہیں۔فرمایا وہ یقیناً تمہیں آزمائے گا۔کبھی خوف و ہراس ہوگا،کبھی فقرو فاقہ کی نوبت آئے گی،کبھی جان و مال کے نقصان سے آزمائے جاؤگے،کبھی محنتوں کے نتائج حسبِ منشاء حاصل نہیں ہوں گے،کبھی اولاد اللہ کو پیاری ہوجائے گی یاثمرات کانقصان ہوگا اور ضائع ہوں گے۔پس ایسے لوگوں کوخوشخبری ہے جو تمام ابتلاؤں کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہیں اورجب کوئی مصیبت یاکسی عزیز ترین شے سے مفارقت ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم تواللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی دنیا کی چیزیں توخداتعالیٰ کی امانتیں ہیں جب چاہتا ہے اپنی امانتیں واپس لے لیتاہے۔(بقیہ سورۃ کے آخر میں) یہ رضا بالقضا کااعلیٰ ترین مقام ہے کیونکہ مومن کااصل تعلق صرف خداتعالیٰ سے ہوتاہے باقی سب تعلق عارضی ہیں۔مصائب پرصبر کرنے والوں کو تین انعامات کاوعدہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ یعنی مغفرت ہوتی ہے اور قربِ الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے۔وہ انعام و احسان فرماتاہے اور آخر کارہدایت یافتہ ہوکرانجام بخیر ہوتاہے۔

رضائے الٰہی حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں اوّل احکام شرعی پرعمل کرکے،جس میں بشری کمزوریوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے۔اسی کسر کوپورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا طریقہ یعنی آزمائش رکھی ہے اس بھٹی سے بندہ کندن بن کرنکلتاہے۔صدمہ جتنا شدید ہو گااجراتنا ہی زیادہ ہوگا۔جس مقصد کو زندگی بھر کی ریاضت سے حاصل نہیں کرسکتا چندلمحوں میں مدارجِ ترقی طے کرکے انتہائی کمال تک پہنچ جاتاہے۔لہٰذا مومن کے مصائب و ابتلا ترقیٔ درجات

الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ

مروہ | نشانیوں میں سے ہے اللہ کی | پس جس نے | حج کیا | کعبہ کا | یا | عمرہ کیا

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ

تو نہیں کوئی گناہ | اس پر | کہ | طواف کرے | ان دونوں کا | اور جس نے دلی خوشی سے کی کوئی نیکی

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

تو یقیناً | اللہ | قدر دان (اور) خوب جاننے والا ہے۔ | یقیناً | جو لوگ | چھپاتے ہیں

اور قربِ الٰہی کا موجب ہوتے ہیں نہ کہ کسی گناہ کا نتیجہ۔اس کاانجام ہمیشہ بخیر ہوتاہے جبکہ بدکاروں کو ان کے شامت اعمال کی سزا ملتی ہے جو ان کو تباہ کرتی ہے اورجہنمی عذاب کامورد بناتی ہے۔

عدل کاتقاضا بھی یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اکثر ان کی خواہشات کے مطابق اور بن مانگے اپنی بے شمارنعمتیں عطا فرماتاہے جن کو وہ گن بھی نہیں سکتے اور ہر کام عموماً ان کی مرضی کے مطابق کرتاہے۔تو جب کبھی وہ اپنی مرضی منوانا چاہے تو اس کی رضا پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامعاملہ تو اپنے بندوں کے ساتھ دوستی کا ہے اکثر مانتاہے لیکن کبھی منواتا بھی ہے۔

۱۵۹۔**شعائر**۔شعر سے ہے جس کے معنی باریک علم کے ہیں۔شعائر اللہ۔اللہ کے نشان۔اللہ کے محترم نشان جن کے معاملہ میں بے حرمتی بہت بڑا گناہ ہے۔**جناح**۔جناح پرند کے بازو اورکسی چیز کے دو اطراف کو کہتے ہیں۔مائل ہونا۔گناہ کو کہتے ہیں کہ حق سے ایک جانب مائل کرتا ہے۔**تطوّع**۔طوع خوشی سے فرمانبرداری۔اسی سے اطاعت ہے۔

صبر کے ساتھ ہی صفا اور مروہ کاذکر کیاجوصبر کی بہترین مثال ہے۔صفا و مروہ کی سعی کیا ہے؟ایک صابرہ و شاکرہ بی بی کے افعال کی اتباع ہے۔میرے مولیٰ نے اس کی ہرحرکت کو امرکر دیا۔جہاں سے بچہ نظرنہیں آتاتھا اور وہ تیزی سے دوڑی،وہاں حجاج کرام تیز دوڑتے ہیں۔جہاں بچے پرنظر پڑتی تھی اور وہ آہستہ ہوجاتی تھیں،تمام حجاج بھی آہستہ ہوجاتے ہیں۔جتنے چکر جس انداز میں لگائے،وہی فرض ہوگئے۔جس نے صرف اپنے مولیٰ کی خاطر اور رضا کے لئے تمام عیش وآرام تج دیا۔بغیر ساز و سامان کے ایک تھیلا کھجور اور ایک مشکیزہ پانی کے ساتھ چھوٹے سے بچے کولے کر بے آب وگیاہ زمین میں ٹھکانا کیا۔ایک یا دو دن کے لئے نہیں بلکہ تا زندگی۔اللہ تعالیٰ نے بھی ان دوپہاڑیوں کو جن پر وہ شہزادی شدید گرمی میں اپنے بچے کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑتی پھری،نشان قرار دیا اور اس کے صبر کو قیامت تک کے لئے یادگار بنا دیا۔اگرچہ حج

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ
اُسے جو اُتارا ہم نے دلائل اور ہدایت میں سے بعد اس کے کہ کھول کر بیان کر دیا ہم نے اُسے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
لوگوں کے لیے (اس) کتاب میں یہ لوگ وہ ہیں کہ لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر

اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا
لعنت کرنے والے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھولکر بیان کر دیا

فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۱﴾ اِنَّ
تو یہ لوگ وہ ہیں کہ میں فضل کیساتھ توجہ کروں گا ان پر اور میں فضل سے توجہ کرنیوالا بہت رحم کرنے والا ہوں یقیناً

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے جاری ہے لیکن چودہ سوسال سے خاص طور پر کروڑوں مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے دن رات سعی کر کے اس عظیم ماں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ اس نے انتہائی کس مپرسی میں اپنی کوشش اور دعا کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چشمۂ زم زم زمین پھاڑ کر ابل پڑا۔ جس نے آئندہ بنی اسمٰعیل کی روحانی اور جسمانی سیرابی کا باعث بننا تھا۔ جس وقت بنی اسرائیل آسمانی پانی سے محروم کئے جانے تھے۔ پس ہم سب کو اور خصوصاً حجاج کرام کو اپنی دعاؤں اور مجاہدہ کو اس مقام تک پہنچانا چاہیئے کہ اپنے مولیٰ کی رضا کے پانی سے سیراب ہو جائیں۔ ایک صابرہ وشاکرہ قابلِ احترام بی بی کے صبر و استقامت سے مکہ مرجعِ عالم بنا تو فرمایا ہاجرہ کی بھی خصوصیت نہیں۔ جو بھی مولیٰ کی راہ میں تکالیف اٹھائے گا اور صبر کرے گا اجر پائے گا۔

حج اور عمرہ میں طواف کعبہ کے بعد صفا و مروہ کی سعی کی جاتی ہے یعنی سات چکر لگائے جاتے ہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انصار سعی میں کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس لئے ان کی غلط فہمی کو دور فرمایا۔ **لاجناح** بطور محاورہ ہے یعنی ایسا کرنے میں گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ یہ ارکان حج میں سے ہے جو بھی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو قدردان ہے، وہ جانتا ہے کہ کون اس قدر کا اہل ہے۔

۱۶۰۔ **یکتمون۔ کتم** ۔ چھپانا۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کے ان کھلے نشانوں، پیشگوئیوں اور ہدایت پر مبنی تعلیم کو جو ہم نے کتاب میں خوب کھول کر بیان کردی ہے، لوگوں سے چھپاتے ہیں اور تبلیغ کا حق ادا نہیں کرتے، ان پر خدا تعالیٰ کی اور سب لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ فتح مکہ اور جنگوں کی پیشگوئیاں کفار کو بتاتے تا کہ ان پر اتمام حجت ہوتی لیکن منافقین کو چونکہ خود بھی پورا یقین نہیں ہوتا اس لئے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ
جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے ایسے حال میں کہ وہ کافر تھے تو ان لوگوں پر

لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ خٰلِدِيْنَ
لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی رہ پڑنے والے ہیں

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۳﴾
اس (لعنت) میں نہیں ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۴﴾ ع ۱۹
اور معبود تمہارا معبود ہے ایک (یعنی اللہ) نہیں کوئی معبود مگر وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔

وہ ہمیشہ چھپاتے ہیں کہ کفار کو خواہ مخواہ ناراض کیوں کریں اور اپنا دشمن کیوں بنائیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یہ ہے کہ وہ رحمت الٰہی سے دور ہوجائیں گے۔ ملائکہ کی لعنت نیکی کی توفیق کا جاتے رہنا ہے کیونکہ تمام پاک تحریکیں جن کا انجام بخیر ہو بحکم الٰہی ملائکہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ لوگوں کی لعنت، جلاوطن، ذلیل اور دربدر ہونا ہے۔

۱۶۱ تا ۱۶۳۔ وہ لوگ جو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور نہ صرف اپنی اصلاح کر لیتے ہیں بلکہ دوسروں کی اصلاح کے لئے بھی کوشاں رہتے ہیں، احکام الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے نشانات کو خوب کھول کر بیان کرتے ہیں اور تبلیغ کا حق ادا کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ رجوع برحمت فرماتا ہے اور اپنے فضل وکرم کی بارشیں برساتا ہے۔ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔ مگر جو کفر پر اڑے رہے اور اسی حالت میں مرگئے ان پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی، ملائکہ کی، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس لعنت میں وہ ایک لمبا عرصہ تک رہیں گے۔ نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مہلت دئے جائیں گے۔ **الناس اجمعین** میں وہ سارے لوگ شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں انسان کہلانے کے حقدار ہیں۔ باقی گویا کالانعام ہیں۔

۱۶۴۔ بتایا کفار تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان سے بچنے کا یہی نسخہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاؤ جو اپنی ذات و صفات میں یگانہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بن مانگے احسان کرتا ہے اور مانگنے والوں کو سوال اور محنت پر بے حد و حساب عنایات فرمانے والا ہے۔ رکوع کی اس آخری آیت میں توحید الٰہی کا ذکر کر کے اشارہ کیا کہ اگلے رکوع میں توحید الٰہی کا بیان ہے۔

۱۶۵۔ **بثّ** ۔ پھیلانا۔ پراگندہ کرنا۔ **فُلک** ۔ کشتی۔ جمع اور واحد دونوں کے لئے ہے۔ **فَلک** آسمان جمع افلاک جو کشتی نما ہے اور جس میں سورج، چاند اور سیارے وغیرہ چکر لگا رہے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

یقیناً پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی اور آگے پیچھے آنے میں رات اور دن کے

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ

اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں ساتھ اس (مال) کے جو نفع دیتا ہے لوگوں کو

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

اور (اس میں) جو اتارا اللہ نے بادل سے یعنی پانی پھر زندہ کیا اس کے ذریعہ زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ

بعد اس کی موت کے اور پھیلائے اس میں ہر قسم کے جانور اور چلانے میں

الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ

ہواؤں کے اور بادل میں جو کام میں لگایا ہوا ہے درمیان آسمان اور زمین کے یقیناً نشانات ہیں

لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۱۶۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ

لوگوں کے لیے جو عقل کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بناتے ہیں سوائے

ہیں۔ **ریاح** ۔ واحد ریح ہے یعنی ہوا۔ قرآن مجید میں عام طور پر واحد عذاب کے لئے اور ریاح بصورتِ جمع رحمت کے لئے آیا ہے۔

سحاب۔ سحب ۔ کھینچنا۔ بادل کے معنی دیتا ہے پانی کو کھینچنے کی وجہ سے۔ **یوم یسحبون فی النار علٰی وجوھھم** ط۔ (القمر :۴۹) **مُسخّر۔ ‹سخر›** تسخیر کیا ہوا۔ تابع کیا ہوا۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک صبح بیدار ہوئے تو فرمایا آج رات مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے۔ افسوس ہے اس پر جو اسے پڑھے اور غور نہ کرے اس پر دوبارہ سہ بارہ افسوس ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیفۂ کائنات پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم اور سائنس میں کمال حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن افسوس غیر اقوام نے اس قرآنی حکم پر عمل کر کے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بے شمار مفید ایجادات کیں اور دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا جبکہ مُلا ایک مدت تک ان علوم کو سیکھنا کفر کے مترادف گردانتا رہا۔ مطالعہ کائنات کی اہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ اس ضمن میں سات سو چھپن آیات ہیں جبکہ وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، طلاق اور قرض وغیرہ کے لئے ڈیڑھ سو آیات ہیں۔

اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا

اللہ کے ہمسر محبت کرتے ہیں وہ ان سے مانند اللہ کی محبت کے اور وہ لوگ جو ایمان لائے

أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ

زیادہ ہیں محبت میں اللہ کے اور اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا (اس حالت کو) جبکہ

الْعَذَابَ ۙ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ

وہ دیکھیں گے عذاب کو (تو جان لیں) کہ قوت اللہ کے لیے ہے ساری اور یقیناً اللہ سخت

الْعَذَابِ ۱۶۶ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ

عذاب دینے والا ہے جبکہ بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں

وجود باری تعالیٰ کے ثبوت کے لئے بھی مناظرِ قدرت کو بطور شہادت پیش کیا ہے کیونکہ بظاہر کتنا بھی اختلاف نظر آئے، بنظر غور دیکھنے سے ہر کام ایک ترتیب اور تنظیم کے تحت ہوتا نظر آتا ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش، رات اور دن کا مختلف انداز میں وقوع پذیر ہونا، کشتیوں کا انسانی فائدہ کے لئے سمندروں میں دوڑتے پھرنا۔ یہ سب قادر مطلق کی صناعی کے نادر نمونے ہیں۔ پھر اسی کھاری سمندر کو میٹھا پانی برسانے کا ذریعہ بنایا جس سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ اٹھتی ہے اور انواع و اقسام کی سبزیاں اگتی ہیں جو جانوروں کی حیات کا باعث بنتی ہیں جو طرح طرح سے ہمارے کام آتے ہیں۔ ہوائیں اور بادل جو زمین و آسمان کے درمیان ایک قانون کے تحت کام پر لگے ہوئے ہیں، یہ سب وجودِ باری تعالیٰ اس کی توحید اور اس کے مدبر بالارادہ ہونے کے ان گنت نشانات اور دلائل ہیں۔ گویا صحیفۂ قدرت کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود وقوع پذیر نہیں ہوا، نہ یہ کوئی اتفاقی امر ہے بلکہ ہر چیز ایک قانون، ترتیب اور حکمت کے مطابق انسانی فائدے کے لئے اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور زبان حال سے پکار پکار کر اس کے موجد اور صانع کا پتہ دے رہی ہے۔ ان پر غور کرنا اور صحیح فائدہ اٹھانا صرف عقلمندوں کا کام ہے۔

۱۶۶۔ **حب** ۔ بیج۔ محبت دانہ کی طرح پھولتی پھلتی اور بڑھتی ہے اس لئے حب کہتے ہیں۔

مناظر فطرت پر غور کرنے کا حکم تھا کہ جب کُل کائنات انسان کو منفعت پہنچانے پر مقرر ہے تو انسان اس محسنِ حقیقی سے کیوں پیار نہ کرے، جس نے اس کے لئے یہ تمام انتظام کیا لیکن افسوس مشرک خداتعالیٰ کے احسانات سے آنکھیں بند رکھتے ہیں اور غیر اللہ سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں حالانکہ حقیقی محبت صرف خداتعالیٰ کے لئے ہے باقی تمام محبتیں مجازی اور غیر حقیقی ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت علیؓ سے ان کے بیٹے امام حسنؓ نے پوچھا۔ کیا آپ مجھ سے محبت

کرتے ہیں ؟ انہوں نے فرمایا!ہاں۔ امام حسنؓ نے پوچھا! کیاآپ خداتعالیٰ سے بھی محبت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا!ہاں۔ یہ سن کرامام حسنؓ نے فرمایا! کیایہ شرک نہیں کہ آپ خداتعالیٰ کی محبت میں میری محبت کوبھی شریک کرتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا!اے میرے بیٹے !یہ شرک نہیں کیونکہ اگر خداتعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں تیری محبت آجائے تو میں اسے اٹھا کر پرے پھینک دوں گا۔ پس کامل محبت کاتقاضا یہی ہے کہ اس کے سامنے تمام محبتیں ہیچ ہوں اور انسان اس کے لئے ہر قربانی کو تیارہو۔اس لئے بندۂ مومن خداتعالیٰ سے بڑھ کر کسی سے دل نہیں لگاتا، خواہ بیٹاہو ، بیوی ہویا دوست۔گویااللہ تعالیٰ جیسا مستقل پیار جو محبت الٰہی پر حاوی ہو کسی اور سے کرنا خداتعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔حقیقی محبت اللہ تعالیٰ کاحق ہے جو اس کاحق دوسرے کو دے گا تباہ ہوگا۔محبت کی حقیقت یہی ہے کہ انسان سچے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل و اخلاق پسند کرے اور ہردم ان میں رنگین ہونے اور فنا ہونے کی سعی کرے۔محبت کی انتہا عبادت ہے۔اس رکوع میں توحید باری تعالیٰ کاذکر ہے اس لئے قربِ الٰہی کاپہلا طریقہ بتایا **والذین امنوآ اشدُّ حبًّاللّٰہ** ط۔یہ خادم و مخدوم کی مثال ہے ایک خادمِ باوفا و بااخلاص اپنے مالک کے بے انتہا احسانات کو دیکھتاہے اور اپنے وجود سے بکلّی فناہوجاتاہے۔اِس کی مرضی اُس کی مرضی ہوجاتی ہے۔جہاں بٹھادیتاہے بیٹھا رہتا ہے جہاں کھڑا کیا کھڑا رہتاہے گویا اپنے مولا کے رنگ میں کلیتہً رنگا جاتاہے ، انعام کا لالچ نہ ترقی کا۔یہ رنگ نماز میں نمایاں ہوتاہے جہاں تذلّل اور اقرارِ عبودیت کی انتہا ہے یہاں تک کہ خیالات بھی اسی کے تابع ہوتے ہیں۔نماز میں خیالات کویکسو رکھنا کوئی معمولی بات نہیں۔قربِ الٰہی پانے کاپہلا زینہ یہی ہے کہ نماز درست ہوجائے۔غرض انسان نماز سے اپنے کمالِ حقیقی کو پہنچ سکتاہے جو اس کامقصودِ حیات ہے۔دوسرا زینہ **فاذکروا اللّٰہ کذکر کم اٰبآء کم او اشدَّ ذکــرا** ط (آیت: ۲۰۱) ہے یعنی اپنے رب کو اس طرح دلی جوش سے یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو کرتے ہو۔جس طرح ایک بیٹا عام طور پر شکل وصورت ، خو بو ،رفتار وکردار میں بہت حد تک اپنے باپ سے مشابہ ہوتاہے گویا اس کا ظل نظرآتاہے۔اسی طرح بندۂ خداکی ہرحرکت سے اندازہ ہوجاتاہے کہ یہ خدا کا بندہ ہے کیونکہ وہ اسی کے رنگ میں رنگین ہوتاہے۔ تیسرا درجہ انتہائی قرب کا ہے۔ایک شخص آئینہ میں اپنی شکل دیکھتاہے تو وہ ہو بہو اس کی تشبیہ ہوتی ہے لیکن بہرحال ظل ہے۔یہی حال اس کاہے کہ تمام صفاتِ الٰہیہ اس کے وجود میں تمام تر منعکس ہوجاتی ہیں اور وہ قاب قوسین کے مقام پر پہنچ جاتاہے یہ مقام ہمارے پیارے آقاحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۷﴾

نے پیروی کی اور دیکھیں گے عذاب کو اور کٹ جاویں گے اُن سے تعلقات

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ

اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہمارے لیے لوٹنا ہوتو ہم بیزاری ظاہر کریں گے ان سے

كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ

جیساکہ بیزاری ظاہر کی انہوں نے ہم سے ، اسی طرح دکھائے گا انہیں اللہ اعمال ان کے

حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۸﴾ ع

حسرتیں بناکر ان پر اور نہیں وہ ہرگز نکلنے والے آگ سے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا

اے لوگو کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) طیب اور نہ

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۹﴾

پیروی کرو قدموں کی شیطان کے یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے کھلا کھلا

کا ہے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام (سرمہ چشم آریہ حاشیہ صفحہ۲۰۴۔۲۱۶) اورحضرت مصلح موعودرضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (تفسیر کبیرتفسیر زیرآیت ھذا) کی روشنی میں)

فرمایااگر یہ ظالم ، اِس وقت اُس عذاب کاتصورکرسکتے جو شرک کی وجہ سے ان کو ملنے والا ہے،جسے اُس وقت وہ دیکھیں گے تو یقیناً جان لیتے کہ تمام تر قوت ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عذاب میں بہت سخت ہے۔

۱۶۷۔۱۶۸۔**تبرّا۔ براء** ۔ بری ہونا۔ بیزاری۔**تبرّا**۔ وہ بیزار ہوا۔**الاسباب**۔واحد سبب۔جس کے ذریعہ دوسری چیز تک پہنچا جائے۔ سیڑھی۔ رسی۔ تعلقات۔

توحید باری کے تعلق میں فرمایاکہ مقربین الٰہی تو اپنے رب سے شدید محبت رکھتے ہیں اور ہرکام میں رضائے الٰہی مقدم رکھتے ہیں لیکن جنہوں نے خداتعالیٰ کی محبت اور رضا کو بھلا کرکبھی اہل وعیال کی محبت میں جان کی بازی لگائی کبھی آئمہ کفر اور افسران بالا کی خوشنودی کو مقدم رکھا اور ان کی اتباع میں ہر غلط کام کر گزرے۔فرمایاجن کی خوشنودیاں مدنظرتھیں اور جن کی خاطر خداتعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے وہی قیامت کو ان سے بیزار ہوں گے۔اس طرح ان کے تمام تعلقات منقطع ہوجائیں گے اورسارے سہارے جاتے رہیں گے۔ان کے اعمال کانتیجہ صرف حسرتیں ہوں گی اور وہ جہنم سے نکل نہیں سکیں گے۔قیامت کو تو یہ نقشہ کھلا کھلا نظر آئے گا لیکن دنیا میں بھی اکثر نظر آتاہے کہ جس اولاد یا پیاروں کے لئے غلط کام کئے انہوں نے یہیں آنکھیں پھیرلیں نیز غلط

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

سوائے اس نہیں کہ وہ حکم دیتا ہے تم کو برائی اور بے حیائی کا اور یہ کہ کہو تم اللہ پر

مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ

وہ جو نہیں جانتے تم اور جب کہا جاتا ہے ان کو کہ پیروی کرو اس کی جو اتارا اللہ نے

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ

وہ کہتے ہیں (نہیں) بلکہ پیروی کرتے ہیں اس کی کہ پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو کیا اگرچہ ہوں

آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۱﴾ وَمَثَلُ

ان کے باپ دادا (ایسے) کہ نہ عقل رکھتے ہوں کچھ اور نہ ہدایت پاتے ہوں اور حالت ان

کاموں سے سکون قلب نہیں ملتا اور فطرت کتنی ہی مسخ کیوں نہ ہو ملامت کرتی ہے۔پس ان کی جہنم دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے۔

۱۶۹تا۱۷۱۔ **حلٰلاً**۔ حل بمعنی گرہ کھولنا۔جس کی اجازت شریعت دے وہ حلال ہے گویا وہ چیز کھول دی گئی۔**طیّبًا۔ طیّب۔ طاب**۔ پسندیدہ، لذیذ ،پاکیزہ ، صاف ستھری جو مضرصحت نہ ہو۔ **خُطُوٰت ۔خُطوَۃ** کی جمع ہے۔لفظی معنی ہیں دونوں قدموں کا درمیانی فاصلہ ۔عام طور پر قدم کے معنی لئے جاتے ہیں۔**الفحشآء** ۔فحش۔ وہ برائی جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑے۔بے حیائی۔

پچھلے رکوع میں توحید اور ہدایت کا ذکر تھا۔اس رکوع میں ہدایت کی کسی قدر تفصیل بیان فرمائی جس میں سب سے پہلے غذا کو لیا ہے کیونکہ غذا کا انسان کے جسم کے علاوہ اخلاق اور روحانیت دونوں پر اثر پڑتا ہے۔اصل مضمون صبر کا ہے جو اکتیسویں رکوع تک جاری ہے۔فرمایا حلال اور طیب غذا کھاؤ۔ہر حلال چیز طیب نہیں۔گویا حلال کے ساتھ طیب کی شرط ہے۔جس کو خدا نے حلال قرار دیا ہو نیز صاف ستھری ہو۔باسی اور مضرصحت یا ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہوا کھانا طیب نہیں جو جسمانی صحت کے علاوہ روحانی صحت پر بھی برا اثر ڈالے گا۔جیسا کہ حدیث میں سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے انہوں نے آنحضرتﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں کس طرح مستجاب الدعوات بنوں؟آپؐ نے فرمایا! ”طیب کھانا کھاؤ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے“۔ پھر فرمایا! شیطان کی پیروی نہ کرو۔اس ایک جملے میں ہر برائی سے منع فرمادیا گویا غذا بھی اچھی کھاؤ، اخلاق بھی اچھے دکھاؤ کیونکہ شیطان تو بداخلاقی یعنی بدی اور بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے جو حرام غذاؤں کا نتیجہ ہے اور یہ بھی کہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھو۔یعنی خود حرام یا حلال قرار دے کر خداتعالیٰ کی طرف منسوب کرو نیز یہ کہ جھوٹے کشوف و الہام بناؤ۔گو حلال کے لئے بڑی بڑی آزمائشیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا

لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا مانند حالت اس شخص کی ہے جو پکارتا ہے اُسے جو نہیں سُنتا سوائے

دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۲﴾

بلانے اور پکارنے کے بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں سمجھتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاک چیزوں سے جو دیں ہم نے تم کو اور

اشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ

شکر کرو اللہ کا اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے صرف حرام کیا ہے اس

عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ

(خدا) نے تم پر مُردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور وہ چیز کہ پکارا گیا ہو اس پر

رزق حلال چاہنے والوں کو غیر معمولی صبر اور حوصلہ دیتا ہے ، کسی نہ کسی حیلے سے رزق حرام سے بچا لیتا ہے اور اپنی جناب سے طیب رزق عطا فرماتا ہے۔

قران کریم نے اکثر کفار کا نقشہ پیش کر کے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ اندھی تقلید نہ کریں جیسا کہ آج کے دور میں انتہائی غلط عقائد اور رسوم و رواج کو اپنے بزرگوں سے منسوب کرکے ہرگز چھوڑنے کو تیار نہیں۔مختصر یہ کہ حلال و طیب کھاؤ ،بدیوں اور فحشا کو چھوڑ دو ، خداتعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ، اندھی تقلید نہ کرو اور عقل اور ہدایت کی راہوں پر چلو۔

۱۷۲۔ **ینعق**۔ وہ آواز جو چرواہا بھیڑ بکریوں کو بلانے کے لئے لگاتا ہے۔**دُعآء** قریب سے پکارنا۔**ندآء** دور سے بلند آواز سے بلانا۔

اس میں آنحضرتﷺ کو راعی اور کفار کو جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔فرمایا نبی کی پکار جانوروں کی طرح سنتے ہیں۔معنی، غرض اور حکمت سے بے خبر ہیں۔گویا رسول اللہﷺ کے بلانے کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے نہ کوئی روحانی تغیر، چونکہ باپ دادا کی روش چھوڑنا نہیں چاہتے اور تعصب نے تمام حواس معطل کردیئے ہیں اس لئے بہرے ، گونگے اور اندھے ہیں۔حق سنائی دیتا ہے نہ حق کہنے کی جرأت ہے اور نہ حق دکھائی دیتا ہے۔گویا جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور ہرگز عقل نہیں رکھتے۔

۱۷۳۔۱۷۴۔ **اُھِلَّ** ۔ھلال پہلی رات کا چاند ہے۔ھلال دیکھ کر بلند آواز سے نئے ماہ کا اعلان کیا جاتا تھا۔پھر ہر آواز پر بولا جانے لگا۔ **اضطُرّ۔ ضرّ**۔باعث ضرر یا ناپسندیدہ چیز پر مجبور کرنا۔ مجبوری ۔**غیرباغٍ**۔باغی نہ ہو یعنی دل سے چاہنے والا نہ ہو۔ **عادٍ** ۔ عدو۔ تجاوز کرنا۔

لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ

اللہ کے غیر کا (نام) پھر جو لاچار ہوا سوائے (دل سے) چاہنے والے اور سوائے حد سے بڑھنے والے کے تو نہیں کوئی

عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

گناہ اس پر یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ چھپاتے ہیں

عادٍ۔حد سے تجاوز کرنے والا۔

مسلمانوں کا تو ایمان ہی یہ ہے کہ جسے خداتعالیٰ نے حلال کہا، حلال ہے جسے خداتعالیٰ نے حرام قرار دیا حرام ہے، اسی میں انسان کے روحانی اور جسمانی فوائد وابستہ ہیں۔فرمایا اے ایمان والو! طیب کھانا کھاؤ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شکر گزار بندے بن جاؤ گے۔جب طیب کھانے کا ذکر کیا تو ان چیزوں کا ذکر بھی ضروری تھا جو صحت ،اخلاق اور روحانیت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ مردار، خون اور خنزیر یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی حرام تھے، گو عیسائیوں نے بعد میں خنزیر کو اپنی پسندیدہ غذا بنالیا۔اسلام نے ان تینوں کے علاوہ چوتھا حکم دیا کہ ذبح کرتے وقت اگر غیراللہ کا نام پکارا جائے تو وہ بھی حرام ہے اور اسے فسق کہا۔اس طرح شرک کا قلع قمع کیا۔آجکل اطبا تسلیم کرتے ہیں کہ خوراک کا اثر صحت جسمانی پر پڑتا ہے۔چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے یہ اطلاع دی۔خون میں بیماریوں کے جراثیم اور کئی قسم کے نقصان دہ اجزا ہوتے ہیں۔جن سے تشنج ، فالج ، یرقان، ایڈز اور دیگر کئی قسم کی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں۔ مردار جانور اکثر بیمار ہوکر ، بہت بوڑھا ہو کر یا زہر خوردنی سے مرتا ہے نیز خون بھی اندر ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں زہریلا اور نقصان دہ ہوتا ہے اسی لئے ذبح کرنا ضروری قرار دیا۔ مچھلی میں خون برائے نام ہے اس لئے ذبح کی ضرورت نہیں۔سؤر نجاست خور جانور ہے۔ پلیدی ،بے حیائی، لالچ اورگندگی اس کی فطرت ہے۔اس کا گوشت کئی بیماریاں پیدا کرتا ہے نیز قوتِ شہوت و غضب بڑھاتا ہے۔اس کی بُری خصلتوں میں ہم جنس پرستی ہے۔باوجود سبزی خور ہونے کے درندگی کی یہ حالت ہے کہ اگر اپنا بچہ مرجائے تو کھاجاتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں(ترجمۃ القرآن کلاس MTA) اس کے درندوں کی طرح چیر نے پھاڑنے والے دانت ہیں جن سے حملہ کرتا اور درندگی دکھاتا ہے۔اس کے ذیل میں ہر قسم کے درندے حرام ہیں۔ درندے ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں اور زیادہ نقصان نہیں کرتے لیکن یہ واحد جانور ہے جو کھیتوں کے کھیت اجاڑ دیتا ہے۔یہ انسانوں پر وحشیانہ انداز سے حملہ کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس زمانہ کے علما کو بندر اور سؤر کہا(ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۱۷۹ بروایت امام مجاہدؒ) کیونکہ باغِ محمدی کی حفاظت کرنے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ

اسے جو اتارا اللہ نے کتاب میں سے اور لیتے ہیں بدلہ میں اس کے مول تھوڑا

اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

یہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے اور نہیں کلام کرے گا ان سے

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اللہ بروز قیامت۔ اور نہیں پاک ٹھہرائے گا ان کو اور ان کے لیے عذاب ہے

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ

دردناک یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور

الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۶﴾ ذٰلِكَ

عذاب کو بدلے مغفرت کے پس کیسے ہی صابر ہیں وہ آگ پر یہ

اور نئے نئے پودے لگانے کی بجائے اسے اجاڑنے کے موجب ہیں۔ان میں ان کی دوسری خصوصیات بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔پس اگر اضطراری صورت پیش آجائے۔دل سے چاہنے والا ہو نہ حد سے گزرنے والا، تو ان حرام چیزوں سے بس اتنا ہی کھانا جائز ہے کہ زندگی کی ڈور بندھی رہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔تمہاری اس مجبوری کو معاف فرمائے گا۔

۱۷۵۔حرام چیزوں کے معاً بعد کتمانِ ہدایت کا ذکر کیا گویا کتاب اللہ کی تعلیم کو چھپانا یعنی خود عمل کرنا نہ لوگوں تک پہنچانا بھی کسی طرح حرام کھانے سے کم نہیں۔فرمایا جو لوگ دنیوی عارضی فوائد کے لئے یعنی جھوٹی انا، عزت، ملازمت، تجارت یا برادری وغیرہ کے ڈر سے اپنا دین چھپاتے ہیں اور دنیوی معمولی فوائد کو دینی فوائد پر فوقیت دیتے ہیں وہ گویا اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں چونکہ دنیا میں غذا مال حرام تھی اسی نسبت سے آخرت میں غذا آگ ہوگی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو پاک کرے گا نہ ان سے کلام کرے گا۔ گویا جن کو دنیا میں گناہوں سے پاک کرتا ہے ان سے کلام بھی کرتا ہے اس طرح وہ اسی عالم میں جنت میں داخل ہوجاتے ہیں۔جہنم میں گنہگار پاک کرنے کے لئے ڈالے جائیں گے لیکن وہ جلد پاک نہیں ہوں گے اور لمبا عرصہ اس میں رہیں گے۔

۱۷۶۔ان لوگوں کو حرام خوری سے کیا فائدہ ہوا سوائے اس کے کہ گھاٹے کا ہی سودا کیا یعنی گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدا۔پس نارجہنم پر ان کی برداشت تعجب انگیز ہے۔ان کا آگ پر صبر بھی ظاہر کرتا ہے کہ آگ میں لمبا عرصہ رہیں گے۔

۱۷۷۔اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کتاب حق یعنی قرآن کریم میں اختلاف کرتے ہیں۔

بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۷﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

اس سبب سے ہوگا کہ اللہ نے اُتاری کتاب ساتھ حق کے اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں ضرور مخالفت میں ہیں دُور کی نہیں ہے (اعلیٰ) نیکی یہ کہ پھیرو تم اپنے رُخ طرف مشرق اور مغرب کی ولیکن (اعلیٰ) نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر

رکوع ۵

اختلاف خدائی احکام کی خلاف ورزی اور ان کو رد کرنا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ضد میں آ کر نیکی سے دور ہوگئے ہیں (مفردات)

۱۷۸۔**الرقاب**۔**رقبة** کی جمع۔گردن۔مراد غلام اور لونڈی جن کی گردن غلامی کے جوئے کے نیچے ہوتی ہے۔**فی الرّقاب**۔گردنوں کو آزاد کرانے کے لئے یعنی ان کی آزادی کے لئے۔

اس رکوع میں بھی تفصیلات شریعت کا بیان جاری ہے۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرق و مغرب اللہ کا ہی ہے۔جدھر تم رخ کروگے ادھر ہی اللہ کا رخ ہوگا۔گویا مسلمانوں کی فتح اللہ کی فتح ہوگی۔یہاں فرمایا کہ بیشک یہ ایک بڑا انعام ہے لیکن کامل نیکی محض جہاد اور فتوحات سے وابستہ نہیں کہ تم مشرق و مغرب کو فتح کرنا ہی کافی سمجھو بلکہ اس کے لئے بہت سی دیگر قربانیوں کی بھی ضرورت ہے۔سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو کہ وہ تمام صفات کاملہ کا مالک اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔پھر تمام اخلاق الٰہیہ اپنے اندر لینے کی کوشش کرے نیز آخرت پر ایمان ہو کیونکہ جب خداتعالیٰ کی تمام صفات کا علم ہوگا کہ وہ عادل ،علیم و خبیر اور قادر مطلق ہے جو نیکی پر انعام اور بدی پر سزا دیتا ہے تو یقیناً آخرت پر ایمان ہوگا اور بدیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ فرشتے جو نیکی کے محرک ہیں ان پر ایمان یہ ہے کہ نیکی کی تحریک کو مان لے۔ کتابوں میں سب سے جامع اور کامل کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم پر ایمان تمام احکامِ قرآن پر عمل ہے۔ نبیوں پر ایمان یہ ہے کہ ان سب کو سچا سمجھے۔تمام کمالاتِ انبیا کے جامع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں آپؐ کی حیات قدسی احادیث سے جاننے کی کوشش کرے اور آپؐ کے نقشِ قدم اور نمونہ پر چلے۔قرآن کریم پر عمل اور سنتِ رسول کی اتباع دنیا و آخرت سنوارنے کے لئے کافی ہے۔اس کے بعد عملی حصہ ہے جس میں سب سے پہلے مالی قربانی ہے گویا خدا پر ایمان یہ ہے کہ اس کی محبت کی وجہ سے

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اور اس نے دیا مال باوجود محبت کے اسکی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور (دیا) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قائم کی نماز اور دی زکاۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب عہد کرتے ہیں وہ اور صبر کرنے والے سختی میں اور تنگی میں اور بوقت

اس کی مخلوق کی خدمت میں مشغول ہوجائے چونکہ خداتعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس کی مخلوق سے بھی محبت کرے اور باوجود مال کی محبت کے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے لئے اپنا مال ضرورت مندوں کی بہبود پر خرچ کرے۔**حبّہ** ۔کی ضمیر مال لینے والے کی طرف بھی جاتی ہے گویا اسے اپنا پیارا اور بھائی سمجھ کر دیتے ہیں ، ذلیل سمجھ کر نہیں دیتے۔پہلا حق قریبیوں کا ہے۔جتنا قریبی رشتہ ہوگا اتنا ہی حق زیادہ ہوگا۔بعض اوقات لوگ اپنوں کو معمولی ناراضگیوں کی وجہ سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہاں حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ناراضگیاں دور کرنے کا بھی حکم ہے۔پھر یتیم ہیں جس کا کوئی خبر گیر نہیں، جن پر خرچ کرنا محض خوشنودئ خدا ہے۔ان سے کسی بدلہ کی امید نہیں۔ان کے بعد مساکین ہیں جن میں معذور، غریب اور مقروض آتے ہیں،بے روزگار بھی ان میں شامل ہیں جنہیں ملازمت نہیں ملتی یا جن کے پاس کام کرنے کا سامان نہیں اور وہ بیکار ہیں۔ان کی مالی مدد کرنا بھی اس میں شامل ہے۔**وابن السبیل** یعنی مسافر بھی بعض دفعہ غریب الوطنی میں امداد کے مستحق ہوتے ہیں، کبھی بیمار ہوگئے یا مال چوری ہوگیا۔ان کی مالی امداد بھی ضروری ہے۔ **والسّآئلین** ۔مانگنے والوں کو بھی دینے کا حکم ہے۔یہ خیال کرلینا کہ عادتاً مانگ رہا ہے صحیح نہیں۔دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔مسلمانوں کو حتی الوسع مانگنے والے کی مدد کرنی چاہیئے۔ہاں مانگنے کو آنحضرت ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے (احمد بروایت حضرت ابوذرؓ) اس لئے خود مانگنے سے گریز کرنا چاہیئے۔سائلین سے مراد علاوہ فقرا کے علم و معرفت سیکھنے والے بھی ہیں۔وہ بھی سوالی ہیں ان کو صحیح علم دینا اور معرفت سکھانا بھی تقویٰ ہے۔**فی الرّقاب**۔ غلام جو جنگوں میں پکڑے جائیں یعنی دشمن قیدی۔ یہاں ان کو آزاد کرنے اور کروانے میں مدد کرنے کا حکم ہے۔جب دشمنوں سے حسن سلوک اور ان کی آزادی کی فکر کرنے کا حکم ہے تو وہ مسلمان جو غلامی کی چکی میں پس رہے ہیں،ان کو غلامی سے

الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
جنگ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سچ بولا (عہد بیعت کے وقت) اور یہ لوگ ہی

الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
متقی ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو فرض کیا گیا ہے تم پر

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
برابر کا بدلہ لینا مقتولوں میں آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے

وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ
اور عورت بدلے عورت کے پھر وہ شخص کہ معاف کر دیا جائے اُسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ

نجات دلانے کے لئے کوشش کرنا، ان کی تعلیم و ترقی کے لئے تجاویز زیر غور لانا اور ان پر خرچ کرنا بھی از بس ضروری ہے۔ مقروض کو قرضہ ادا کرنے میں مدد دینا بھی گویا گردن آزاد کرنا ہے۔ بقول حضرت خلیفة المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (بدر ۲۹ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲) یہ موجودہ زمانے کے لئے ہے۔ اب نماز کا حکم ہے کہ غفلتوں، سستیوں اور ناکامیوں میں اسے قائم رکھے جو تکمیل نفس کے لئے ضروری ہے۔ زکوٰۃ میں مقرر کردہ مال دینا اور تزکیہ نفس دونوں شامل ہیں۔ اب تمام دعدوں کو ایفا کرنے کا حکم ہے خواہ یہ وعدے خدا سے ہوں یا بندوں سے۔ کافر سے ہوں یا مسلمان سے، خواہ اس میں کتنا ہی نقصان ہو۔ **والصّابرین فی الباسآء والضّرّآءِ** ۔ **باسآء** غریبی، بھوک اور تنگدستی ہے **الضّرّاء** بیماری، دکھ اور تکلیف ہے۔ **حین الباس** مشکلات اور جنگ کے وقت۔ بیشک پوری آیت میں صادقین اور متقین کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں لیکن فقر و فاقہ، دکھ، بیماری، مشکلات اور جنگوں کے وقت صبر و استقلال دکھانے والے اور وفادار رہنے والے خاص طور پر صادق اور متقی ہیں۔ قوموں کی کامیابی کے یہی گر ہیں کہ وہ مشکلات کے وقت گھبراتی نہیں بلکہ ترقی کی طرف گامزن رہتی ہیں۔ پیچھے سے صبر کا مضمون جاری ہے جو سورۃ کے آخر تک ہے۔

۱۷۹۔۱۸۰۔ **قصاص** ۔ **قص** ۔ پیچھے پیچھے چلنا۔ یعنی خون کا اس طرح پیچھا کرنا کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔ خون کا بدلہ۔ **کُتب علیکم القصاص** میں مراد حکام ہیں نہ کہ لوگ۔ مسلمانوں کو تو صبر کی تلقین جاری ہے لیکن حکام کا فرض ہے کہ بلا امتیاز قصاص لیں سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثاء ہی رعایت یا معافی دیں۔ اگر معاف کرنا فریقین کے لئے بہتر ہو تو معاف کرنے میں بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ حضرت موسیٰؑ نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا! اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ
تو پیروی کرنا ہے مناسب طور پر اور ادا کرنا ہے (فدیہ) اس (معاف کرنے والے) کی طرف ساتھ احسان کے یہ

تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ
تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے پھر جس نے زیادتی کی بعد

ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ
اس کے تو اس کے لیے عذاب ہے دردناک اور تمہارے لیے برابر کا بدلہ لینے میں زندگی ہے

يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٠﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا
اے عقل مندو تاکہ تم بچو فرض کیا گیا ہے تم پر جب

کون تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا! وہ شخص کہ (انتقام کی) قدرت رکھنے پر بھی لوگوں کو معاف کردے۔ (بیہقی) **حر** ۔ آزاد۔ مرد یا عورت۔ **عُفیَ له من اخیه** ۔ قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے۔ مقتول یا اس کے ورثا کو بھائی کہہ کر دلی رنجشوں کو دور کرنے کی کوشش کی کہ وہ بہر حال تمہارے دینی بھائی ہیں۔ **فاتّباع بالمعروف** یعنی وارثانِ مقتول کو عام رواج اور قانون کے تابع ہونا چاہیئے۔ چونکہ قتل کا بدلہ نہیں لیا گیا اس لئے قاتل یا وارثان قاتل دیت کو خوبی سے ان کا احسان سمجھتے ہوئے ادا کریں۔ **ذٰلک تخفیف من ربکم ورحمةٌ** ط ۔ یہ تیرے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ عرب میں ایک کے بدلے سینکڑوں قتل کردیئے جاتے تھے لیکن اسلامی قانون میں ایک کے بدلے ایک یعنی صرف قاتل کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ **الحرّ بالحرّ** ۔ اگر قاتل آزاد ہے تو اسی آزاد کو قتل کیا جائے گا خواہ مقتول آزاد ہو یا غلام۔ عورت ہو یا مرد وہ اپنے بدلے میں پرانے رواج کے مطابق غلام نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ امرا بدلے میں ایک یا زیادہ غلام دے کر بچ جاتے۔ آج بھی اُمرا بڑے سے بڑے جرائم سے عام طور پر دولت، سفارش یا دیگر غلط ذرائع سے بچ جاتے ہیں۔ اس طرح تمام امتیازات کو مٹا دیا یہاں تک کہ عورت ہونے کی وجہ سے بھی قتل کے معاملہ میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ **فمن اعتدٰی** پس اگر زیادتی کروگے اور پرانے رواج دہراؤ گے تو تمہیں دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یا حُکام کی طرف سے۔ اسی قانون قصاص میں تمہاری زندگی اور قومی بقا ہے تا کہ اسے اختیار کرکے ظالمانہ کارروائیوں سے بچو۔ ورنہ ایک جان کے بدلے بعض دفعہ پورے پورے قبیلے تباہ ہو جاتے تھے چونکہ اسلامی ریاست قائم ہوچکی تھی اس لئے اب حکومت قصاص لے گی یا وارثان مقتول کو خون بہا دے کر قاتل کی جان بخشی ہوگی۔ یوں بے تحاشا خون خرابہ سے بچ

حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ الْوَصِيَّةُ

آوے کسی کو تم میں سے موت اگر چھوڑے وہ مال وصیت کرنا

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

واسطے ماں باپ اور رشتہ داروں کے مناسب طور پر لازم ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ

متقیوں پر پھر جس نے بدل دیا اُسے بعد اس کے کہ سن لیا اُسے تو سوائے اسکے نہیں

اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

کہ گناہ اس کا ان لوگوں پر ہے جو بدلتے ہیں اُسے یقیناً اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ

جاننے والا ہے پھر جو شخص ڈرے وصیت کرنیوالے کے متعلق جھک جانے یا گناہ سے پھر اصلاح کرے

بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰٓاَيُّهَا

درمیان ان کے تو نہیں کوئی گناہ اس پر یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اے

ع ۲۲

جاؤ گے۔ قصاص کے فوائد کم عقل نہیں سمجھ سکتے۔ان تمام قوانین کا اجراء اس لئے ہے تا تم تقویٰ اختیار کرو۔اسلام میں صرف قتل میں قصاص ہے زخموں کے لئے نہیں۔ صحابہؓ نے ’’بدی کا بدلہ بدی کے برابر ہے۔‘‘ کے تحت زخموں کا قصاص بھی لیا اور مناسب حال دوسری سزائیں بھی دیں۔

۱۸۱تا۱۸۳۔ **خیر**۔ نیکی ۔ مالِ کثیر جو جائز ذرائع سے حاصل کیا ہو۔ **جنفًا**۔ایک طرف جھکنا۔ کجی۔ طرفداری۔ **بالمعروف**۔ جیسا کہ اس وقت دستور تھا، اس کے مطابق۔

جہاد اور صبر کا مضمون جاری ہے۔جنگ کا زمانہ تھا یہ سب احکام جہاد کے تعلق میں ہیں کہ صحابہؓ وصیتیں لکھ چھوڑیں۔اکثر مجاہد غیر شادی شدہ ہوتے تھے یا ان کی اولاد کم عمر ہوتی تھی۔اس لئے والدین اور اقربین کے حق میں امرِ معروف کی وصیت کا حکم ہے کہ وہ خدائی احکام کے مطابق بعد میں انتظام کریں اور احکامِ وصیت پر عمل درآمد کروائیں نیز وصیت کے معنی فلاحی کاموں کے لئے یا غیر ورثاء کے لئے جائیداد کا ایک حصہ وقف کرنے کے بھی ہیں۔جو زیادہ سے زیادہ کل جائیداد کا ۱/۳ تک ہوسکتا ہے لیکن ایسی وصیت فرض نہیں۔اگر صاحبِ جائیداد ایسی وصیت کرجائے تب اس پر عمل فرض ہوگا۔ قریبی رشتہ دار وارث نہیں ہوتے لیکن ان میں سے بعض حقدار ہوتے ہیں۔اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ مالِ کثیر میں فی سبیل اللہ کچھ حصہ مختص کرکے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو شرعی حساب سے تقسیم وراثت کی وصیت کرجانا فرض کیا گیا ہے۔خاص طور پر جہاں اسلامی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

لوگو جو ایمان لائے ہو فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے تھے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ

ان لوگوں پر جو پہلے تھے تم سے تاکہ تم متقی بنو دنوں میں گنتی کے

شریعت کا رواج نہ ہو۔البتہ ورثاء کے لئے وصیت نہیں اور انہیں اپنے حق سے زیادہ نہیں مل سکتا۔ اس لئے وصیت کا حصہ نکال کر باقی جائیداد پر احکامِ شریعت کی رو سے ورثاء میں تقسیم پر عمل درآمد ہوگا۔ورثہ مرنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔زندگی میں جس طرح چاہے وارثوں یا غیر وارثوں کو دے۔ تاہم اگر زندگی میں بھی انصاف کو مدِ نظر رکھے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہوگا۔اگر کوئی وصیت کو بدلنے کی کوشش کرے اور جھوٹ بول کر کسی کا حق مارے تو یہ سخت گناہ ہے۔ہاں اگر موصی ہی کسی کی حق تلفی کررہا ہو تو ورثاء میں صلح کروا دینی چاہیئے تا فتنہ پیدا نہ ہو اور حقدار محروم نہ رہے۔اللہ تعالیٰ **سمیعٌ علیم** ہے۔ وہ مظلوم کی پکار کو بہت سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس نے حق کو دبایا اور کون اپنے حق سے محروم رہا پس ہر معاملہ میں انصاف پر قائم رہو۔اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے وہ تمہاری خطاؤں سے صرفِ نظر فرمائے گا۔وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔مال کی تقسیم کے قواعد سورۃ نساء میں تفصیلاً درج ہیں وہاں بھی ادائیگی وصیت کے بعد تقسیم ورثہ کا حکم ہے۔

۱۸۴۔ **الصّیام**۔صوم۔ کسی فعل سے رکنا۔اصطلاح شریعت میں پو پھٹنے سے غروب آفتاب تک کھانے پینے ، بیوی سے مباشرت اور لغو کاموں سے رکنے کا نام صوم یا روزہ ہے۔

جہاد اور صبر کا مضمون جاری ہے اس میں روزہ کا بیان ضروری ہے جو صبر کی بہترین شکل اور ضبطِ نفس کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔ سو اس رکوع میں روزوں کا بیان ہے جو جنگ بدر سے قبل ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔اسلام نے روزہ کی غرض یہ بتائی کہ متّقی بنو۔گویا روزے کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ یعنی بدی کی قوتیں کمزور ہوں اور نیکی کی قوتیں نشوونما پائیں۔زیادہ عبادت ، تہجد اور صدقہ و خیرات سے تم اپنے رب کو راضی کرنے والے بنو اور اس کی حفاظت میں آ جاؤ۔اس لئے کہ **اتّقٰی** کے معنی ڈھال بنانے کے بھی ہیں۔جب انسان حلال چیزوں کو محض اپنے مولا کے حکم اور رضا کے لئے چھوڑ دے گا تو حرام کی طرف نظر اٹھا کر کیونکر دیکھے گا۔گویا روزہ خواہشاتِ حیوانی پر قابو پانے کی عملی تعلیم اور مشق ہے۔کم کھانے ،کم سونے ،کم بولنے اور زیادہ عبادت، زیادہ صدقہ و خیرات اور زیادہ نیکیوں سے قربِ الٰہی میسر آتا ہے اس لئے کہ کم کھانے سے تزکیہ نفس ہوتا ہے

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ
پھر جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر پر تو گنتی (پوری کرنی) ہے دنوں سے

أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ
دوسرے اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں اس کی فدیہ ہے کھانا ایک مسکین کا

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ
پس جس نے دل خوشی سے کی کوئی نیکی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اور یہ کہ روزے رکھو تم بہتر ہے

لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ
تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ اتارا گیا

جس سے کشفی قوتیں بڑھتی ہیں نیز روزہ سے فطری طور پر غربا سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح وہ فقرو فاقہ سے گزرتے ہیں اور انسان صدقہ و خیرات کی طرف مائل ہوتا ہے نیز صبر و برداشت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ غرض کوئی ایسی نیکی نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر ہو اور رمضان میں اس پر عمل کے مواقع میسر نہ ہوں۔طبی نقطۂ نظر سے بھی روزہ کولیسٹرول یعنی فالتو چربی اور کئی زہریلے مادوں کے اخراج کا باعث ہے جس سے جسمانی صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے اور انسان ہارٹ اٹیک اور انجائینا کا شکار نہیں ہوتا۔یوں تو بیشتر ماہرینِ طب روزہ کے فوائد پر متفق ہیں لیکن یہود ماہرین طب نے باقاعدہ اسلامی طریق پر ایک ماہ کے روزے رکھ کر عملاً تجربہ کیا کہ ایک ماہ کے اسلامی روزے بلڈ پریشر ،کولیسٹرول اور کئی دیگر عوارض پر نہایت عمدہ اثر ڈالتے ہیں۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔(بروایت حضرت ابوہریرہؓ سنن ابن ماجہ) فرمایا روزہ کوئی نئی عبادت نہیں۔قبل ازیں بھی ہر مذہب میں فرض تھا، لیکن انہوں نے مرور زمانہ سے جس طرح باقی احکام میں رد و بدل کیا اور روگردانی کی اسی طرح روزے کی شکل بھی بگاڑ دی۔

۱۸۵۔**معدودت۔عد** ۔اعداد کو ملانا۔گنتی کرنا۔یہاں مراد ماہ رمضان کے گنتی کے دن ہیں۔**سفر**۔لفظی معنی پردہ اٹھانا۔لکھنا۔کیونکہ لکھنے سے بھی کئی حقائق سے پردہ اٹھتا ہے۔**بایدی سفرۃ** لکھنے والوں کے ہاتھوں میں(عبس:۱۶)سفر۔کتاب۔جمع اسفار۔**کمثل الحمار یحمل اسفارا**(سورۃ الجمعہ:۶)اس گدھے کی طرح جو کتابیں اٹھاتا ہے۔سفر مکان سے دور ہونا ہے۔

فرمایا یہ گنتی کے چند دن ہیں ان سے جتنا ہوسکے فائدہ اٹھا لو۔قرآن کریم کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ میں داخل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزائم (فرائض) پر عمل کرنے سے خوش ہوتا ہے اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے سے خوش ہوتا ہے۔(بروایت ابن عمرؓ

صحیح ابن حبان ۔فصل فی الصلوٰۃ السفر) پس صاف حکم ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھیں۔ باوجود اس کے کہ روزہ رکھنے کی طاقت خود میں پاتے ہوں۔محض خداتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مرض اور سفر میں روزہ نہ رکھیں، فدیہ دیں۔مرض سے صحت یابی اور سفر ختم ہونے پر روزہ رکھیں۔ نجات کا انحصار خداتعالیٰ کے فضل پر ہے نہ کہ اپنی مرضی اور زور پر۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ دیں۔ یعنی رمضان میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور بعد میں روزہ رکھیں۔اس میں لامخذوف ہے۔ عربی میں اس کی کئی مثالیں ہیں مثلاً **یبین اللّٰہ لکم ان تضلوا**۔ اللہ تعالیٰ یہ باتیں اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ۔ صدقہ فطر کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو عید سے پہلے ہر مسلمان ایک مسکین کا کھانا یا اس کی قیمت بطور صدقہ دیتا ہے۔آنحضرت ﷺ اگر نفلی روزے نہ رکھ سکتے تو اکثر ہر پیر، جمعرات اور ایام ابیض یعنی چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو مسکین کو کھانا کھلا دیتے لیکن یہاں نفلی روزوں کا ذکر نہیں۔ فرمایا جو بھی نیکی دلی بشاشت اور اخلاص سے کی جائے جیسے فرض کے علاوہ نفلی روزے رکھنا یا ایک کی بجائے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلانا تو وہ خیر ہی خیر ہے۔روزہ رکھنا تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے کیونکہ صبر و استقلال اور نواہی سے بچنے کی مشق ہوتی ہے نیز قبولیتِ دعا ہوتی ہے۔اس طرح نفس قابو میں آجاتا ہے اور انسان خداتعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے۔احادیث میں رمضان المبارک کی بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اے لوگو !تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔اس مبارک مہینہ کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس ماہ کے روزے اللہ نے فرض کئے ہیں۔اس کی راتوں کو بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے)جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی نفلی عبادت ادا کرے گا تو اس کو دوسرے دنوں کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے دنوں کے ۷۰ فرضوں کے برابر ملے گا۔یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا (اللہ کی رضا اور حصولِ ثواب کے لئے)روزہ افطار کروایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا

اور اس کا ثواب روزہ دار کے ثواب کے برابر دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غربا اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے) آپؐ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔ اور جو کوئی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (حوض کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ فرمایا! ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے اور جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا (بیہقی شعب الایمان) حضرت ابو قلابہؓ ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے مسافر کو روزہ اور آدھی نماز، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ معاف کر دیا ہے (نسائی) چاہیئے کہ فدیہ دیں اور روزے بعد میں پورے کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو وہ روزہ پورا کرے۔ خدا نے اس کو کھلایا پلایا ہے (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! بخشش کی جاتی ہے امت محمدیہ کے لئے (روزہ دار کی) رمضان کی آخری رات میں۔ پوچھا گیا یارسول اللہ کیا وہ شب قدر ہے۔ فرمایا! نہیں۔ لیکن کام کرنے والے کو اس کے کام کی پوری اجرت دی جاتی ہے جب وہ کام کر چکتا ہے (یہ عید کی رات ہے) (احمد بن حنبل) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ رمضان المبارک کا ایک روزہ بلاوجہ ترک کر دینا اتنا سخت ہے کہ ساری عمر کے روزے رکھنے کے بعد بھی اس کا بدلہ نہیں ہوسکتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ ماجہ) روزے کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ بے اختیار قے آنے پر روزہ نہیں ٹوٹتا نہ سرمہ لگانے سے۔ (فتاویٰ احمدیہ جناب ملک سیف الرحمٰن صفحہ ۵)

۱۸۶۔ **رمضان۔ رمض**۔ سورج کی تپش کو کہتے ہیں چونکہ اس ماہ احکام الٰہی کی بجا آوری کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا ہوتا ہے اس لئے رمضان کہلایا جس طرح سورج کی تپش چیزوں کو جلا دیتی ہے اسی طرح رمضان گناہوں کو جلا دیتا ہے نیز اس لئے کہ روحانی اور جسمانی چربی کو پگھلانے کا باعث ہے۔ **القرآن**۔ قرآء سے مصدر ہے۔ معنی ہیں پڑھنا اور جمع کرنا۔

فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَ
اس میں قرآن ہدایت کیلئے واسطے لوگوں کے اور دلائل اس ہدایت کے اور
الْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن
فرقان کے پس جو موجود ہوا تم میں سے اس مہینہ میں تو چاہیئے کہ روزے رکھے اور جو
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ
ہو مریض یا سفر پر تو گنتی (پوری کرنی) ہے دنوں سے دوسرے، چاہتا ہے
اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ
اللہ تمہارے متعلق آسانی اور نہیں چاہتا تمہارے متعلق تنگی اور
لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ
تاکہ پوری کرو تم گنتی اور تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ ہدایت دی اس نے تم کو
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٦﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي
اور تاکہ تم شکر کرو اور جب پوچھیں تجھے بندے میرے میرے بارے میں

قرآن کریم تمام الہامی کتابوں کی خوبیوں کا جامع ہے نیز قرآن کریم کے لفظ میں عظیم پیشگوئی ہے کہ پڑھی جانے میں کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لاکھوں حفاظِ کرام ہیں۔ ہر مسلمان ہر نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی اکثر ہر روز پڑھتا ہے۔ ماہ رمضان کی فضیلت یہ ہے کہ اس ماہ قرآن کریم کا نزول شروع ہوا جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ابدی اور لافانی کلام ہے۔ **فیهِ** کا مفہوم یہ بھی ہے کہ رمضان کے بارہ میں قرآن کریم نازل ہوا۔ یعنی رمضان میں جتنی نیکیاں ہوسکتی ہیں۔ قرآن کریم نے ان کو بیان کیا۔ غار حرا میں آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی رمضان لمبارک کے آخری عشرہ میں نازل ہوئی پھر ہر رمضان میں جبریل امین آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر جتنا قرآن کریم نازل ہوچکا ہوتا اس کا دَور فرماتے۔ وفات کے سال ماہِ رمضان میں دو مرتبہ دور کیا۔ (المواھب المدینۃ امام قسطلانی جلد اوّل صفحہ ۴۲ بروایت حضرت عائشہؓ) یہاں قرآن کریم کے تین کمالات کا ذکر کیا پہلا یہ کہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ دوسرا ہدایت کے لئے بینات یعنی دلائل بھی دیتا ہے کہ کیوں ان راہوں پر چلنا چاہئے۔ گویا ہر دعویٰ کے ساتھ اس کی دلیل موجود ہے۔ تیسرا فرقان ہے یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے۔ **فمن شهد منكم الشّهر فليصُمهُ** ط یعنی جو رمضان کا مہینہ پاوے روزے رکھے اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ جس پر رمضان کا چاند طلوع ہو اس پر روزہ فرض ہے۔ جس علاقہ میں چاند نہ نکلے وہ شروع نہ کریں۔ وہ مہینہ تیس دن کا شمار کرکے روزے

فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

تو میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب دعا کرتا ہے وہ مجھ سے

فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّهُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

چاہیئے کہ بات مانیں وہ میری اور چاہیئے کہ ایمان لاویں وہ مجھ پر تاکہ وہ ہدایت پاویں۔

شروع کریں۔مریض اور مسافر بعد میں پورے کریں یہ اس وجہ سے کہ رمضان کی خاص برکات کی وجہ سے لوگ مشقت میں نہ پڑیں اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا گویا روزہ رکھنا، جو بظاہر تنگی کی حالت ہے تمہارے لئے پیام راحت ہوگا کیونکہ تم پہلے لوگوں جیسے شدید مجاہدات سے بچ جاؤ گے اور معمولی مجاہدات روزہ اور نماز وغیرہ سے ہی اپنے پیارے خدا کو پانے میں کامیاب ہوجاؤ گے کیونکہ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ تجلیٔ قلب کرتا ہے۔ جس سے کشف والہام کا دروازہ کھلتا ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو دیکھ کرکہ تمہارے لئے روزہ جیسی نعمت سے نواز کر ہدایت کا سامان کیا، اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شکر بجا لاؤ۔

۱۸۷۔ **اجیب۔ جوب**۔ کچھ فاصلہ قطع کرنا۔ یا تراشنا۔ چونکہ جواب دینے کے لئے بھی کچھ فاصلہ قطع کرنا پڑتا ہے۔خواہ کہنے والے کے منہ سے سننے والے کے کان تک کا ہی ہو اس لئے عام معنی جواب دینے کے ہیں۔ تراشنے کے مفہوم میں **جابوا الصخر بالواد** ۔(الفجر: ۱۰) انہوں نے وادی میں پتھروں کو تراشا(مکان وغیرہ بنانے کے لئے)رمضان کے ساتھ دعا کا خاص تعلق ہے۔ماہ رمضان مجاہدات اور خداتعالیٰ کو پانے کا مہینہ ہے جب بندے خداتعالیٰ کی رضا کے لئے حلال سے بھی منہ موڑ کرتمام بدیوں کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کو عاشقِ صادق کی طرح ڈھونڈتے پھریں اور انہیں کوئی راہ سجھائی نہ دے جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے تو ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ محمدﷺ سے راہ پوچھیں، جو ان راہوں کے شناسا ہیں۔ اس لئے فرمایا اے محمدؐ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں بلکہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ گویا قربِ الٰہی مانگنے والی دعا کے لئے لازم ہے کہ ضرور قبول ہوگی اگر جواب نہ آئے تو پکارنے والے کا قصور ہے اور کوئی حجاب درمیان میں ضرور ہے۔ شرط ایک ہی ہے کہ پکارنے والا میرے احکام پر عملدر آمد کرنے والا ہو۔ مجھ پر ایمان لانے والا ہو مجھے خادمانہ انداز میں پکارے ،نہ کہ آقا کی طرح تا رشد وہدایت پاجائے۔پس جب تم خادمانہ انداز میں پکاروگے تو وہ آقا ،محبوب کی طرح تمہارے پاس آئے گا۔جب تم اس کی باتیں مانوگے تو وہ بھی

اُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمۡ ؕ هُنَّ

حلال کیا گیا ہے واسطے تمہارے رات کو روزوں کی ملنا اپنی عورتوں سے وہ

لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ

لباس ہیں تمہارا اور تم لباس ہو ان کا جان لیا ہے اللہ نے کہ تم

كُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ وَعَفَا عَنۡكُمۡ ۚ

تھے خیانت کرتے اپنے نفسوں کی پس فضل سے متوجہ ہوا وہ تم پر اور درگذر کیا اس نے تم سے

فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡهُنَّ وَابۡتَغُوۡا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمۡ ۚ وَ

سو (اب) بیشک مباشرت کرو ان سے اور چاہو جو مقرر کیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور

كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الۡخَيۡطُ الۡاَبۡيَضُ مِنَ

کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے تمہارے لیے دھاری سفید بمقابل

الۡخَيۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى

دھاری سیاہ کے یعنی فجر ، پھر پورے کرو روزے

ہر ضرورت پر تمہاری مدد کرے گا۔ہستی باری تعالیٰ کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ خداتعالیٰ کلام کرتا ہے۔اپنے بندوں کو کبھی رویائے صالحہ اور کبھی کشوف و الہام کے ذریعہ اطلاع دیتا ہے اوریہ صرف اسلام سے مختص ہے۔ قربِ الٰہی کی دعا کے علاوہ باقی دعائیں جو چاہتا ہے قبول فرماتا ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے جو بھی گڑگڑاتا اور جھولی پھیلاتا ہے بلاتخصیص مذہب و ملت اس کی دعائیں سنتا اور حاجت روائی کرتا ہے۔تاہم مومنین کی دعائیں خاص درجۂ قبولیت رکھتی ہیں۔خاص طور پر ماہ رمضان میں۔ہاں ! بعض اوقات حکمتِ الٰہی سے قبولیتِ دعا میں دیر ہوجاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا! ہر شخص جو بھی دعا اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے وہ سنی جاتی ہے۔ وہ یا تو اس دنیا میں اس کے لئے پوری کر دیتا ہے یا آخرت میں اس کی خاطر ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس کی دعا کی مقدار کے مطابق اس کے گناہوں میں سے معاف کردیتا ہے بشرطیکہ اس کی دعا میں گناہ یا قطع رحمی کا عنصر شامل نہ ہو اور وہ دعامیں جلدبازی نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کی ! یارسول اللہ ! وہ جلد بازی کیسے کرتا ہے ؟ فرمایا! وہ کہتا ہے ! میں نے اپنے ربّ سے (بہت) دعا کی مگر اس نے میری دعانہیں سنی۔ (ترمذی ۔ کتاب الدعوات)

۱۸۸۔ **رفث** ۔شہوانی باتیں۔ بیویوں سے مباشرت ۔**لباس** ۔ستر ڈھانپنا۔فرمایا تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔گویا جس طرح لباس پردہ پوشی کرتا ،موسمی تکالیف

الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ
رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے جبکہ تم معتکف ہو مسجدوں میں
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ قریب جاؤ ان کے اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ
اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
اپنی آیات لوگوں کے لیے تاکہ وہ متقی ہوں اور نہ کھاؤ اپنے مال

سردی گرمی سے بچاتا، حفاظت کرتا اور باعث زینت ہوتا ہے اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے لئے پردہ پوشی اور سکون و آرام کا باعث ہوتے ہیں۔ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک اور مددگار و محافظ ہوتے ہیں۔**تختانون**۔خانَ۔خیانت کرنا۔**الخیط**۔دھاگہ یا دھاری۔ **عاکف**۔مقیم۔ اصطلاحِ شریعت میں آخری عشرہ رمضان میں مسجد میں اعتکاف بیٹھنے والا یعنی عبادت کے لئے گوشہ نشین ہونا اورسوائے خاص ضرورت کے باہر نکلنا نہ گفتگو کرنا۔ گویا ہرلمحہ عبادت کے لئے وقف کرنا۔ مسلمان رمضان کی راتوں میں بھی بیویوں سے مباشرت جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اگر افطاری کے وقت آنکھ لگ جاتی تو سحری بھی نہ کھاتے۔ان کو صحیح احکام سے مطلع فرمایا کہ تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلقات جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ تم ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ لباس ہو۔ یعنی ایک دوسرے کے عیوب چھپانے والے اور دکھ سکھ کے ساتھی ہو نیز لباس میں قربت کا بھی اشارہ ہے کہ تمہیں بہت قریب اور اکٹھے رہنا چاہیئے۔جو مرد عادتاً بیوی بچوں کو ساتھ نہیں رکھتے ان کو بھی تنبیہ ہے۔فرمایا اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے رہے ہو، پس اللہ تعالیٰ تم پر رجوع برحمت ہوا اور تمہارے لئے آسانی بہم فرمائی۔ پس تم غروب آفتاب سے سپیدۂ سحر تک کھاؤ پیؤ اور بے شک بیویوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرو۔ رمضان کا مہینہ مجاہدات کا مہینہ ہے۔جس طرح سپاہی سالانہ فوجی مشقوں (Annual Exercises) پر جاتے ہیں۔اس طرح مومنوں کے لئے بھی خواہشات پر قابو پانے کی عملی سالانہ مشق ہے۔آخری عشرہ تو گویا انتہا (Peak) ہے جس میں ایک معتکف قطعی طور پر دنیا سے کٹ کر دن رات مسجد میں عبادت الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔بیوی سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا۔فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی حددو ہیں ان کے قریب جانے سے بھی بچو۔احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر نفس پر قابو نہ ہو تو بحالتِ روزہ بیوی سے خلوت میں نہ ملے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو جانور رکھ (شاہی چراگاہ)

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا
آپس میں ناجائز طور سے اور نہ لے جاؤ انہیں طرف حکام کی تاکہ کھاؤ تم
فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ ع ۲۳ / ۷
ایک حصہ مالوں کا لوگوں کے ساتھ گناہ کے اور تم جانتے ہو
يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ
پوچھتے ہیں تجھ سے پہلی راتوں کے چاند کے متعلق تو کہدے وہ مقررہ وقت (ختم کرنیکا ذریعہ) ہیں لوگوں کیلئے

کے اردگرد پھرتا ہے قریب ہے کہ اس کے اندر چلا جائے۔ اس لئے قریب جانے کا خطرہ بھی مول نہ لو تا متقی بنو اور قربِ الٰہی سے نوازے جاؤ۔(بخاری کتاب الایمان۔ بروایت نعمان بن بشیرؓ)

۱۸۹۔**تدلوا** ۔ ادلیٰ۔ڈول ڈالنا یا نکالنا۔ کھینچ کر لے جانا۔ لے جانا۔ **دلوہ** ۔ڈول۔ **فادلیٰ دلوہ ط** (یوسف :۲۰) اس نے ڈول ڈالا۔

تقویٰ کا بیان جاری تھا۔فرمایا جب کھانے پینے کے معاملہ میں رضائے الٰہی کے لئے حلال تک چھوڑنے کے لئے تیار ہو اور تقویٰ سے کام لیتے ہو تو مال کے معاملہ میں بھی تقویٰ سے کام لو۔ باطل اور غلط ذرائع سے ایک دوسرے کا مال ہتھیانے کی کوشش نہ کرو۔اس میں تمام حرام طریق آ گئے۔ چوری، رشوت، سود خوری، تنخواہ پوری لینا کام پورا نہ کرنا یا کام پورا لینا معاوضہ پورا نہ دینا وغیرہ وغیرہ۔کئی پیشے ایسے ہیں کہ ان میں معمولی غفلت اور خیانت گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً ڈاکٹر، انجینئر، جج ، استاد، تاجر، فوج اور پولیس کے افسر اور جوان وغیرہ۔اس لئے کہ لوگوں کے جان و مال داؤ پر لگے ہوتے ہیں۔فرمایا نہ تم ان اموال کو حکام کے پاس اس غرض سے پیش کرو کہ ایک فریق دوسرے کے مال کا کوئی حصہ ناجائز طور پر دبالے۔ یعنی نہ تم حکام کو رشوت دے کر ناجائز کام کرواؤ اور نہ اپنا مال حکام کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ جھوٹے مقدمات بنا کر دوسروں کے مال اور جائیداد پر قبضہ کرو کیونکہ اگر اس عدالت میں ناانصافی ہوگی تو اوپر بھی ایک عدالت ہے جہاں بہرحال انصاف ہوگا۔ یہاں اپنے بھائی بند کے اموال کو اپنا مال کہا کیونکہ جو اپنے لوگوں کو یا دیگر مخلوقِ خدا کو یا قومی اموال کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے وہ دراصل اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے۔

۱۹۰۔**اَھِلّة**۔ہلال کی جمع۔ہلال پہلی رات کا چاند۔ مہینہ۔ **مواقیت** ۔ میقات کی جمع۔ وقت معلوم کرنے کا ذریعہ۔ مقررہ وقت۔ خاص جگہ جہاں مقررہ کام کیا جائے۔حاجیوں کے احرام باندھنے کی مقررہ جگہ۔

وَالْحَجِّ ۚ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ

اور حج کے لیے اور نہیں ہے نیکی یہ کہ آؤ تم گھروں میں ان کے

ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ

پچھواڑوں سے و لیکن نیکی اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ کیا اور آؤ گھروں میں ان کے

أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٩٠﴾ وَقَاتِلُوا فِي

دروازوں سے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ اور لڑو

چونکہ ماہ رمضان کی فضیلت صحابہؓ جان چکے تھے اس لئے انہوں نے دوسرے مہینوں کے متعلق بھی جاننا چاہا کہ اگر کوئی عبادت ان سے خاص ہو تو اس کا علم ہو۔قرآن کریم میں متعدد بار **یسئلونک** آیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے کبھی یتامیٰ کے متعلق کبھی شراب اور جوئے کے متعلق اور کبھی دیگر امور کے متعلق سوالات کئے۔ یہاں پہلی تین رات کے چاندوں کے متعلق احکام کا پوچھا نیز لوگ چاند، ستاروں اور سورج کے تعلق میں کافی توہمات کا شکار تھے۔ فرمایا کہ یہ تو سماوی کیلنڈر ہیں یعنی وقت کا اندازہ کرنے کا ذریعہ ہیں جو عام کاموں اور حج کے وقت کا تعین کرتے ہیں۔رمضان کے ساتھ ہی **اشھر الحج** یعنی حج کے مہینوں کا ذکر کیا جو شوال ذیقعد اور ذی الحج ہیں۔جن میں حجاجِ کرام حج کی نیت کرکے روانہ ہوتے ہیں۔ **اشھر الحرام** یعنی حرمت والے مہینے کل چار ہیں۔ تین اکٹھے ذیقعد ذی الحج،محرم اور چوتھا رجب ہے۔ان مہینوں میں جنگ بند ہوجاتی ہے۔ تجارت کے لئے راستے پر امن ہوجاتے ہیں، حج اور عمرہ پر امن طریق سے ادا ہوجاتا ہے۔ عربوں میں رواج تھا کہ اگر حج کے لئے گھر سے نکلنے کے بعد دوبارہ گھر میں جانے کی ضرورت پیش آتی تو پچھواڑے سے دیوار پھاند کرجاتے۔یہ بھی ایک جاہلانہ رسم تھی۔اس سے منع فرمایا کہ پچھواڑے سے کود کر آنے میں کوئی بھلائی نہیں ، بھلائی صرف تقویٰ اور رضائے الٰہی کو مدنظر رکھنے میں ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی جاہلانہ رسم و رواج کو چھوڑکر پر وقار اور مہذبانہ انداز اپناؤ۔ دروازوں کی طرف سے آؤ اور زندگی کے ہر موڑ پر ہمیشہ صحیح راستہ اور صحیح طریق اختیار کرو۔غرض اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ دروازوں سے داخل ہونا ہی دینی اور دنیوی کامیابیوں کی دلیل ہے۔

قرآن کریم نے چانداورسورج دونوں کو وقت معلوم کرنے کا ذریعہ کہا ہے اسلامی عبادتوں میں دونوں کا دخل ہے نماز، سحری اور افطاری کا تعلق سورج سے ہے جبکہ رمضان اور ایام حج وغیرہ

سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ

راہ میں اللہ کی ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور نہ زیادتی کرو یقیناً

اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩١﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

اللہ نہیں پسند کرتا زیادتی کرنیوالوں کو اور قتل کرو انہیں جہاں

قمری حساب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۹۱۔ کوئی حکم بھی فوری طور پر نازل نہیں ہوا بلکہ آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں کو ہر قربانی کے لئے تیار کیا گیا۔جہاد کی ترغیب میں بھی کئی آیات نازل ہو چکی تھیں لیکن اب صریح حکم آیا۔ صورت حال یہ تھی کہ آنحضرتﷺ اور صحابہؓ اہل مکہ کے ظلم وستم سے چُور مدینہ میں پناہ لینے پہنچے لیکن انہیں ایک دن بھی چین نصیب نہیں ہوا۔ کفارِ مکہ نے یہود اور منافقین کو اپنے ساتھ ملاکر ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔تجارتی قافلوں کے بہانے گرد ونواح میں خوف و ہراس پھیلاتے۔مسلمان آج تک دکھ اٹھاتے اور تبلیغ کا فریضہ اداکرتے رہے تھے لیکن کفار کسی صورت انہیں اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہ دیتے۔اب انہوں نے بزورِ شمشیر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔اس لئے اب نرمی کی مزید گنجائش نہیں تھی۔لہٰذا ضروری تھا کہ جہاد سے دو ٹوک فیصلہ ہوتا۔کفار نے ابتدا کی اور مدینہ کے قریب پہنچ کر آنحضرتﷺ کو لڑائی کے لئے نکلنے پر مجبور کیا۔پہلے جنگ بدر ہوئی اور پھر لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اس پہلی آیت میں ہی خدا تعالیٰ نے حکم جہاد کے ساتھ ہی ضروری شرائط عائد کردیں۔سب سے پہلے یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یعنی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے لڑو۔دینی جنگ ہو۔لڑائی کا مقصد دین کی راہ میں پیدا کی گئی مشکلات کو دور کرنا اور خدائی احکام کو جاری کرنا ہو یعنی جنگ آزادئ مذہب کے لئے ہو ، کوئی لالچ یا ملک گیری کی ہوس نہ ہو۔یہ مدافعانہ جنگ ہو نہ کہ جارحانہ۔دفاع بھی قیود و شرائط کے تحت ہو یعنی اُن سے لڑو جو تم سے جنگ کریں اور ان کے حملے کو روکنا مقصد ہو نہ کہ انہیں مستقل تباہ کرنا۔فرمایا زیادتی نہ کرو۔جس کی تفصیل آنحضرتﷺ نے فرمائی کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔معبدوں کی اور جو ان کے اندر ہوں،ان کی حفاظت کرنا۔درختوں کو نہ کاٹنا۔ان کے گھروں ،کھیتوں اور عمارتوں کو نقصان نہ پہنچانا۔ان کے مُردوں کی بے حرمتی نہ کرنا، گرچہ انہوں نے کی ہو۔غرض جنگ میں ہر بدعہدی، خیانت ،دھوکہ دہی اور ظلم و زیادتی سے منع فرمایا نیز مفتوحہ علاقوں میں خوف و ہراس نہ پھیلانا ، ایسے احکام جاری کرنا کہ انہیں تکلیف اور تنگی نہ ہو بلکہ آسانی پیدا کرنا۔ قیدیوں کو جلد رہا کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

پاؤ تم انہیں اور نکالو انہیں جہاں سے نکالا انہوں نے تم کو

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

اور فساد زیادہ سخت ہے قتل سے اور نہ لڑو ان سے پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجد الحرام کے یہاں تک کہ لڑیں وہ تم سے اس میں پھر اگر لڑیں وہ تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ۚ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۲ فَاِنِ

تو قتل کرو ان کو ایسا ہی بدلہ ہے کافروں کا پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۳ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

باز آجاویں وہ تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ

نیز لڑائی میں توسیع سے منع فرمایا۔آخر میں فرمایا کہ خداتعالیٰ کبھی زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اس لئے کبھی ظلم و زیادتی نہ کرنا۔سب سے زیادہ خطرہ ظلم اور زیادتی کا جنگ میں ہوتا ہے اس لئے جنگ میں زیادتی سے بچنا۔اسلامی تعلیم ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے ہٹ کر میانہ روی کی تعلیم دیتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے جنگی ضابطۂ اخلاق کا جو معیار مقرر فرمایا وہ آج بھی مہذب دنیا کے لئے بہترین نمونہ ہے اس سے زیادہ سختی اور سزا عدل و انصاف کے منافی ہے۔اس سے زیادہ نرمی اور رعایت امن کے لئے سمِ قاتل ہے۔قرآن کریم نے اکثر جہاد بالسّیف کو قتال کہا جبکہ جہاد بالنفس، جہاد بالمال، جہاد بالقلم اور تبلیغ و تربیت وغیرہ کو جہاد کہا جیسا کہ آنحضرت ﷺ ایک غزوہ سے تشریف لائے اور فرمایا! ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جاتے ہیں (متفق علیہ) (بروایت ابو سعید خدری ۔ترمذی کتاب الفتن باب افضل الجهاد) گویا اپنے نفس کے جہاد اور بندگان خدا کی تعلیم و تربیت کو جہادِ اکبر کہا اور جہاد بالسّیف کو جہادِ اصغر کہا۔

۱۹۲۔۱۹۳۔ **ثــقف**۔ پانا۔ ابن جریر نے لکھا جہاں ان کو قتل کرنے کی قدرت ہو اور ان کے جنگ کرنے کو دیکھو۔**فتنۃ۔فتن**۔ سونے کو آگ میں ڈالنا تا کھرا اور کھوٹا الگ ہوجائے۔صرف آگ میں ڈالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔بلاؤں، مصیبتوں، قتل اور عذاب کے لئے آتا ہے۔ یہاں ایسے جنگی باغیوں کا ذکر ہے جو فتنہ و فساد سے تعلق رکھتے تھے اور قتل مومنین کے مرتکب تھے۔ ان پر فردجرم عائد ہوچکی تھی۔ان کے متعلق فرمایا کہ اگر تمہارا کسی ایسے فوجی دستے سے تصادم ہو جائے تو ان کو پکڑو اور مارو۔ایسے مجرم بھی اگر پکڑے جانے سے پہلے اپنے جرائم سے توبہ کرلیں تو ان کو معافی ہوگی یا پکڑے جانے کی صورت میں اسلام قبول کریں تو بھی پچھلے تمام گناہ معاف ہو

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا

رہے فساد اور ہوجاویں سب دین اللہ کے لیے پھر اگر باز آجاویں وہ تو نہیں

عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹۴ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ

گرفت مگر ظالموں پر مہینہ عزت والا برابر ہے (دوسرے) مہینے

الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

عزت والے کے اور تمام واجب الحفاظت باتیں برابر کا بدلہ (رکھتی) ہیں پھر جس نے زیادتی کی تم پر

جائیں گے۔تاہم انفرادی قتل و غارت کی اجازت نہیں کہ کسی کافر کو جہاں دیکھو مارو۔ مارنا سوائے جنگ کے ہرگز جائز نہیں۔فتح مکہ کی پیشگوئی ہے کہ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔عنقریب تم بھی وہاں سے ان کا تسلط ختم کروگے۔عملاً نکالنا مراد اس لئے نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تو اپنے جانی دشمنوں اور ان کی اولادوں تک کو معاف کر دیا جن میں سرفہرست ہندہ اورعکرمہ بن ابوجہل تھے اور انہیں مکہ سے نہیں نکالا۔ فساد کو قتل سے بڑھ کر سنگین کہا کیونکہ بعض اوقات معمولی باتوں سے شر پسند عناصر قوموں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں نیز کفار مسلمانوں کو محض دینی اختلافات کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے اور گھروں سے نکالتے۔یہ بدامنی اور فتنہ، قتل سے بڑھ کر تھا، جس کے نتیجہ میں جنگ کرکے مذہبی آزادی کو قائم کیا۔مسجد الحرام کے قرب و جوار میں جنگ سے منع فرمایا تا کہ حج اور عمرہ کے لئے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔اس طرح عبادتگاہوں کے قریب جنگ سے روکا۔ہاں اگر وہ مجبور کریں تو مسلمان بھی مجبور ہیں۔اگر وہ رک جائیں تو مسلمانوں کو فوراً رکنے کا حکم ہے اگر دشمن اپنی اصلاح کرلیں اور ظلم و زیادتی سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

۱۹۴۔ یہاں فتنہ سے مراد مذہبی زیادتیاں ہیں فرمایا تم اس وقت تک جنگ کرو جب تک مذہبی آزادی حاصل نہیں ہوجاتی اور دین اللہ کے لئے نہیں ہو جاتا یعنی وہ جان جائیں کہ دینی معاملات میں دخل دینے کا کسی کو حق نہیں اور دین میں کوئی جبر نہیں۔ حکومت خدا تعالیٰ کے احکام کے تابع ہوجائے جہاں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔امن و امان کا دور دورہ ہو۔پس اگر وہ اس ظلم سے یعنی دین میں دخل اندازیوں اور دین کی وجہ سے ظلم و ستم سے باز آجائیں تو تم بھی جنگ بند کر دو۔ اگر زیادتی سے باز نہ آئیں تو ایسے ظالموں پر گرفت ضرور ہوگی۔

۱۹۵۔ **الشّھر**۔مہینہ۔ جمع **اَشھر۔الشّھور**۔عرب **اشّھرالحرام** یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم حج کے لئے اور رجب عمرہ کے لئے مختص رکھتے۔ان میں جنگ و جدل بند رہتا اور

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا
توزیادتی کرو اس پر جیسی کہ زیادتی کی اس نے تم پر اور ڈرو

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ
اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے متقیوں کے اور خرچ کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ وَ
راہ میں اللہ کی اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں اور

اَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ
احسان کرو یقیناً اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنوالوں سے اور پورا کرو حج اور

زائرین امن و امان سے حج اور عمرہ کے لئے سفر کرتے لیکن کفار نے **نسئی** کا طریق تجویز کیا ہوا تھا کہ جس ماہِ حرام میں چاہتے بدلہ لیتے یا چھاپے مارتے اور کسی دوسرے مہینہ کو بدلے میں ماہ حرام قرار دے دیتے۔اس من مانی سے منع فرمایا کہ حرمت والے مہینوں کے بدلے میں دوسرے مہینے حرمت والے قرار نہیں دیئے جاسکتے۔اگر شہر الحرام میں کفار کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے تو تمہیں بھی اسی ماہ میں اسی قدر بدلہ لینے کا حق ہے۔ایک عام اصول بتادیا کہ ہر قابل احترام چیز کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور جائز حد سے تجاوز نہ کرو۔ اس حکم کو سامنے رکھو **فمن عفٰی واصلح فاجره على الله**۔ گویا اسلام میں ایسی معافی جس سے اصلاح ہوتی ہو ہمیشہ مستحسن ہے۔حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ماہ حرام کے آتے ہی جنگ بند کر دیتے۔اگر کفار باز نہ آتے تو مجبور ہوتے اور جان لو کہ اللہ کی معیت یقیناً متقیوں کے ساتھ ہے۔جسے اللہ کی معیت نصیب ہوجائے اسے اور کیا چاہیئے۔

۱۹۶۔جانی قربانی کے ساتھ ہی مالی قربانی کی ترغیب دی کہ خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا کبھی ضائع نہیں جاتا۔ فرمایا اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاک نہ کرو۔ یعنی خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روک کر گویا خود کو ہلاک کرو گے کیونکہ دشمن جیت جائے گا اور تم تباہ ہوجاؤ گے ۔جنگ کا ذکر ہے۔بیشک بدلہ لینا جائز ہے لیکن بدلہ خدا تعالیٰ کا محبوب نہیں بناتا، احسان کا تقاضا ہے کہ معاف کیاجائے اور اپنا حق چھوڑا جائے۔ خداتعالیٰ کی مخلوق سے احسان کی عادت ڈالو گے تو خداتعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔یہاں عام اصول بھی بتادیا کہ اپنی جانوں کی حفاظت بھی فرض ہے۔جنگ کے حکم کے بعد یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ بلاوجہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالنا، اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔اسلام نے ہر کام میں عقل اور سوچ سمجھ سے کام لینے کی ہدایت کی ہے۔

الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
عمرہ اللہ کے لیے، پھر اگر روکے جاؤ تم تو (کرو) جو میسر آئے قربانی

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ
اور نہ منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جاوے قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ کو

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
پھر جو شخص ہو تم میں سے مریض یا اس کو تکلیف ہو اس کے سر میں

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ
تو فدیہ ہے روزوں کا یا صدقہ کا یا قربانی کا پھر جب

اَمِنْتُمْ ۥ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا
امن سے ہو تم تو جس نے فائدہ اُٹھایا عمرہ سے ساتھ حج کے تو (کرے) جو

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
آسانی سے مل سکے قربانی پھر جس نے نہ پائی (قربانی) تو روزے (رکھنے) ہیں

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ
تین دن کے حج میں اور سات جبکہ واپس ہو تم یہ

۱۹۷۔**اَتِمُّوا**۔ تمام کرو۔ پورا کرو۔**اُحصرتم** ۔حصر۔ روکنا۔اُحصرتم۔تم روک دیئے جاؤ۔ **الهدي۔ هدية** ۔تحفہ۔ حج میں قربانی کے جانور جو بطور تحفہ مکہ لے جائے جاتے ہیں۔ **تحلقوا** ۔ حلق۔ حجامت بنانا یا منڈوانا۔ **محلّة ۔ محل** ۔ ٹھکانا مراد خانہ کعبہ۔ حرم۔حلال ہونے کی جگہ۔ **تمتّع ۔ متاع**۔ فائدہ اٹھانا۔ مراد عمرہ اور حج اکٹھا ادا کرکے فائدہ اٹھانا ہے۔

یہاں سے حج اور عمرہ کے احکام شروع ہوتے ہیں۔ مکہ والوں نے حج و عمرہ سے روکا ہوا تھا۔یہ پیشگوئی ہے کہ عنقریب یہ پابندی ختم ہو جائے گی۔

بندہ تا زندگی نماز ادا کرتا ہے۔ نماز سے خوف کا پہلو عیاں ہے۔ خادم و مخدوم والی حالت ہوتی ہے۔ تذلّل اور اقرار عبودیت کی انتہا ہے۔کبھی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے کبھی عاجزی سے جھکتا ہے کبھی اپنے تیئں مٹی میں گرا دیتا ہے۔ کوئی حرکت اپنی مرضی سے نہیں۔یہاں تک کہ دل اور دماغ بھی خداتعالیٰ کی مرضی کے تابع ہیں۔یہی حال روزوں اور زکوٰۃ کا ہے کہ خداتعالیٰ کا ڈر اور مرضی مدنظر ہوتی ہے۔ جس ہستی سے اتنا خوف ہو اس سے محبت کیسے ہوسکتی ہے لیکن بندۂ عاجز حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو خوف یکدم محبت میں بدل جاتا ہے۔دیارِ یار میں دیوانوں کی طرح بھاگتا پھرتا ہے۔نہ کپڑوں کا ہوش نہ جوتے کا، ننگے سر، ننگے پاؤں، اِدھر سے اُدھر،اُدھر سے اِدھر عاشقِ صادق کی طرح

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي	دس پورے ہیں یہ(حج اور عمرہ کو ملا کر عبادت) اس شخص کیلئے ہے کہ نہیں ہیں گھر والے جسکے رہنے والے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	مسجد الحرام کے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ	سخت سزا دینے والا ہے حج (کے) مہینے ہیں مقررہ پس جس نے

ع ۲۴ ۸

جو اپنے محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب ہو کہ شاید کوئی عمل بارگاہِ جناب احدیت میں قبول ہو جائے، دیدار نصیب ہو جائے اور مراد بر آئے۔ محبوب کے لئے تحفہ ضروری تھا سو وہ بھی ساتھ ہے۔ قربانی میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جان چاہیئے ہو تو وہ بھی حاضر ہے نیز یہ بھی کہ جس طرح قربانی بے عیب ہو تو قبول ہوتی ہے اسی طرح اعمال بھی بے عیب ہی قرب الٰہی کا باعث ہوں گے۔ لبیک لبیک پکارتا، آہ و زاری کرتا اور دیوانوں کی طرح پتھر مارتا ہے۔ محبت کا بوسہ رہ گیا تھا سو وہ بھی حج میں شامل ہے۔ غرض حج کیا ہے عاشقانہ حالت کی عملی تصویر ہے اور عاشق و معشوق کے درمیان راز و نیاز ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو محبوب کو راضی کر کے اپنے دل میں بسائے واپس لوٹتے ہیں۔

حج جو عشق خداوندی کا مظہر ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اشہرالحج میں حج کی نیت سے میقات پر پہنچ کر حاجی حج کی نیت کرتے اور احرام باندھتے ہیں جو سادگی و مساوات کا پہلا سبق ہے۔ حج میں احرام باندھنا فرض ہے۔ حجاج کرام تمام لباس اتار کر کفن نما دو اَن سلی چادریں اوڑھ کر گویا موت کو قبول کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ میقات مختلف اطراف میں احرام باندھنے کی مختلف مقررہ جگہیں ہیں۔ پاکستانی حاجیوں کے لئے یلملم میقات ہے اور جہاز میں ہی احرام باندھ لیتے ہیں۔ احرام کا طریق یہ ہے کہ حجامت بنا کر نہا دھو کر، خوشبو لگا کر ان سلے کپڑے یعنی ایک چادر بطور تہبند باندھ لے اور ایک اوپر لے لے، سر اور ایک کندھا ننگا رکھے۔ بند جوتے اتار دے چپل نما جوتا پہن سکتا ہے اکثر حجاج ہوائی چپل پہنتے ہیں۔ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ بھیڑ میں حجاج کرام کے پاؤں کچلے نہ جائیں۔ جراب تک نہ پہنے۔ عورتیں اپنا عام لباس پہنیں۔ برقع یا حجاب وغیرہ نہ اوڑھیں۔ نہ منہ ڈھانپیں۔ یہ اس لئے کہ حجاجِ کرام کی پاکیزگی کا معیار ملائکہ سے کم نہیں ہونا چاہیئے۔ اتنی ریاضت کے بعد بھی اگر ان میں غض بصر کی عادت بھی پیدا نہیں ہوئی اور یہ تقویٰ کے اس معیار کو نہیں پہنچے تو انہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے اور جان لیں **اَنّ اللّٰہ شدید**

العقاب ٥ دو نفل پڑھیں۔ اکثر وقت تلبیہ پڑھیں یعنی **لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک** کہ اے مولا تیری اطاعت و فرمانبرداری کے لئے تیرے در پر حاضر ہوں۔ تیرے احترام اور تعظیم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھے، حج میں بعض ایسے امور منع ہیں جو عام حالات میں جائز ہیں۔ مُحرم کوئی خشکی کا جانور شکار نہ کرے، جوں تک نہ مارے، بال یا ناخن نہ کاٹے، خوشبو نہ لگائے، فحش گفتگو، فحش اشعار، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، بیوی سے مباشرت اور اس تعلق میں دوسرے تمام امور منع ہیں۔ مرد سلے ہوئے کپڑے نہ پہنیں، منہ اور سر نہ ڈھانپیں۔ کپڑے دھونا، نہانا، پانی کا شکار پکڑنا جائز ہے۔ حدودِ حرم میں داخل ہوتے ہی جونہی بیت اللہ پر نظر پڑے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ یہ قبولیت دعا کی خاص گھڑی ہے۔ بیت اللہ کے پاس جا کر حجراسود سے طواف شروع کرے اور سات چکر لگائے۔ ممکن ہو تو ہر چکر کے بعد حجراسود کو بوسہ دے ورنہ ہاتھ سے اشارہ کرے۔ پھر مقامِ ابراہیمؑ میں سات چکر لگائے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر، مروہ سے صفا تک دوسرا چکر شمار ہو گا۔ جہاں حضرت حاجرہ کو حضرت اسمٰعیلؑ نظر نہ آتے اور تیز دوڑیں وہاں سے تیز دوڑتے ہیں جہاں ان کو حضرت اسمٰعیلؑ نظر آتے اور وہ آہستہ چلیں وہاں آہستہ چلتے ہیں۔ سعی پوری کر کے مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر حج کا انتظار کریں۔ آٹھ ذی الحجہ کو حاجی مکہ سے منیٰ جائے جو قریباً تین میل ہے وہاں پانچ نمازیں پڑھے۔ نو ذی الحجہ کو نماز فجر ادا کر کے ایسے وقت چلے کہ بعد زوال میدان عرفات میں پہنچے۔ جو منیٰ سے قریباً چھ میل ہے۔ یہاں کا قیام، وقوف کہلاتا ہے۔ وقوفِ عرفات حج کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اگر کوئی یہاں حاضر نہ ہو سکا تو اس کا حج فوت ہوگیا۔ یہ مقام بہترین مقامِ دعا ہے یہاں جبل رحمت ہے جس پر کھڑے ہو کر محسن انسانیت نے وہ آفاقی خطبہ ارشاد فرمایا جو بنی نوع کے لئے عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں نمازِ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ سورج کے ڈوبنے تک عبادت، ذکر الٰہی اور دعائیں کرے۔ یہ نو ذی الحجہ اور عرفہ کا دن ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا نزول نو دفعہ ہوتا ہے اور قبولیتِ دعا کا خاص دن ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا! عرفہ کے دن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی دن میں اپنے بندوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد نہیں کرتا اور اس دن اللہ تعالیٰ (بندوں سے) قریب ہوتا ہے، اپنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ اور فخر کرتا ہے حج کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے، اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ (مسلم) اس لق و دق میدان

میں امیر و غریب ، آقا و غلام کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ مخلوقِ خدا کا اپنے خدا کے سامنے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی کے لئے آہ و بکا کرنا میدانِ محشر کا منظر پیش کرتا ہے۔ پھر واپس قریباً تین میل آتے اور مزدلفہ پہنچتے ہیں جہاں نماز مغرب اورعشاء اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔وہاں رات عبادت اور دعاؤں میں گزارتے ہیں۔فجر کی نماز ادا کرکے دس تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے مشعر الحرام پہنچ کر دعائیں کرتے ہیں یہ مزدلفہ کے مقام پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔طلوعِ آفتاب کے قریب منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں، جو یہاں سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے وہاں سورج نکلنے کے بعد جمرۃ العقبہ پر سات کنکریاں مارتے ہیں۔ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہیں۔یہاں سے فارغ ہو کر قربانی کرتے ہیں اور حلق یا قصر یعنی بال منڈواتے یا کٹواتے ہیں اس کے ساتھ ہی احرام سے باہر آجاتے ہیں گویا اب ہر وہ چیز حلال ہے جو حالت احرام میں منع تھی۔بال منڈوانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح بچے کی ولادت کے بعد اس کا سر منڈوایا جاتا ہے۔ اسی طرح حج کے اختتام پر حاجی سر منڈوا کر گویا ایک نئی ولادت لیتا ہے اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔پھر اسی دن شام تک یا اگلے دن گیارہ تاریخ کو مکہ مکرمہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کرے۔جو طوافِ زیارت ہے۔اسی دن جانا افضل ہے۔طوافِ زیارت حج کا تیرا اہم فریضہ ہے جس کے بغیر حج نہیں۔گویا احرام باندھنا پہلا فریضہ ہے ،وقوفِ عرفات دوسرا اور طوافِ زیارت تیسرا فریضہ ہے۔سعی ،رمی، طوافِ رخصت، بال ترشوانا، مزدلفہ میں قیام وغیرہ واجب ہیں۔باقی افعال سنت یا مستحب ہیں۔پھر اسی دن یعنی گیارہ کو ہی منیٰ واپس آ کر بعد زوال جمرۃ الدنیا ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ العقبہ پر سات سات کنکریاں مارے، باقی دونوں دنوں میں یعنی بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو بھی جو ایام تشریق ہیں رمی کرتے ہیں۔کنکریاں مارنے میں زبان حال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بدی اور شیطان سے کبھی صلح نہیں ہوسکتی اور ہمیشہ جنگ رہے گی۔تیرہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ واپس آئے اور بیت اللہ کا طوافِ الوداع کرے۔اب فریضہ حج پورا ہوگیا۔حج اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد حجاجِ کرام محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک پر حاضری دینے مدینہ تشریف لے جاتے ہیں اور برکات و انوار سے جھولیاں بھر کر لوٹتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر پر گیا تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے زندگی میں مجھے دیکھا۔ (بیہقی)۔حج کے لئے میقات سے احرام صرف اشھر الحج یعنی شوال ، ذی القعدۃ اور ذی الحجہ کی شروع تاریخوں کو باندھتے ہیں جبکہ عمرہ تمام سال ہوتا ہے۔ عمرہ

میں بھی میقات سے احرام باندھا جاتا ہے پھر طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ کرتے ہیں اگر قربانی کرنا چاہیں تو قربانی کریں اور قصر یا حلق کریں۔

اگر حج یا عمرہ کرنے والا بیماری کی وجہ سے یا دشمن وغیرہ کی وجہ سے روک لیا جائے اور مکہ مکرمہ نہ جا سکے تو اگر قربانی حرم میں پہنچانے کا انتظام ہے تو اس وقت تک حلق نہ کرے جب تک قربانی وہاں نہ پہنچ جائے۔ قربانی نہ بھیج سکے تو جہاں روکا گیا ہے وہیں قربانی کر دے اور حلق یا قصر کرے اور احرام سے باہر آجائے۔روکے جانے کی صورت میں قربانی واجب ہوگی پس جو قربانی میسر آئے ذبح کر دے۔اس میں صلح نامہ حدیبیہ کی پیشگوئی بھی ہے کہ مسلمانوں کو روکا جائے گا، چنانچہ چھ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ طواف کی نیت سے گئے تو انہیں روکا گیا اور آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کرکے حلق فرمایا جو مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ فرمایا اگر کوئی محصر یا غیر محصر مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو جیسے پھوڑے وغیرہ یا تکلیف دہ حد تک جوئیں ہوں اور اسے سر منڈوانا پڑے یا کوئی اور فعل حالت احرام کے خلاف کرنا پڑے جیسے لباس پہننا پڑے تو اس صورت میں روزے یا صدقہ یا قربانی ہے۔صاحب استطاعت کے لئے فضیلت قربانی میں ہے۔ پھر صدقہ اور پھر روزے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے تین روزے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا بکری کی قربانی کا حکم فرمایا۔حج اور عمرہ کا بیان ہو چکا۔اب امن کا زمانہ آنے والا ہے اس لئے ان دونوں سے اکٹھا فائدہ اٹھانے کا یعنی حج تمتع اور حجِ قران کا ذکر ہے جو صرف باہر سے آنے والوں کے لئے ہے کہ ان کا بار بار آنا مشکل ہے اہل مکہ کو یہ رعایت نہیں۔اس میں قربانی واجب ہے جبکہ حج اور عمرہ میں مستحب ہے۔اُس زمانہ میں حاجی عام طور پر قربانی کا جانور ساتھ لے کر چلتے لیکن تمتع کی صورت میں قیام لمبا ہو جاتا۔قربانی کو سنبھالنا اور لئے پھرنا مشکل ہو جاتا۔اس لئے فرمایا کہ حجِ تمتع کی صورت میں جیسی بھی قربانی میسر آئے، خرید لو اور قربانی دے دو۔یہ موجودہ زمانہ کے حاجیوں کے لئے بھی ہے۔حجِ قران کے لئے اشھر الحج میں حج اور عمرہ دونوں کے لئے احرام باندھے۔ مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرکے حج سے فارغ ہوکر احرام کھولے۔تمتع میں عمرہ کے بعد احرام کھول دے اور حج کے لئے دوبارہ احرام باندھے۔جو حاجی قربانی نہ کرسکے وہ ایام تشریق میں تین روزے اور گھر لوٹ کر سات روزے رکھے۔فرمایا حج کی غرض تقویٰ پیدا کرنا ہے اگر اس قدر قربانی ، تکلیف، مشقت اور ریاضت سے بھی تقویٰ پیدا نہیں ہوا تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔

حج کے فلسفہ کو سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کی اس گفتگو پر غور کریں جو

فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ

فرض کیا (اپنے پر) ان میں حج تو نہ شہوانی باتیں اور نہ حکم عدولی اور نہ جھگڑا کرنا ہے

آپ نے فریضہ حج سے واپس آنے والے ایک حاجی سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جب:۔

۱۔ تونے اپنا لباس اتارا اور احرام باندھا تو کیا یہ نیت کی تھی کہ آئندہ سے اپنی نفسانی خواہشات اور جوش طبع کا لباس بھی اتار پھینکوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ایسا تو میں نے نہیں سوچا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تونے احرام نہیں باندھا۔

۲۔ آپ نے پوچھا بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اور اس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے یہ نیت کی تھی کہ آئندہ میں تیری توحید و محبت کے گرد ہی گھومتا رہوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ تو میرے خیال میں نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تونے طواف بھی نہیں کیا۔

۳۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے کیا یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بندی پانی کی تلاش میں بھاگ رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پیارے بچے کے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ آج میں بھی انہیں راہوں پر بھاگ رہا ہوں اے میرے اللہ! میرے دل میں بھی اپنی محبت کا چشمہ جاری کردے۔ اس شخص کا پہلے جیسا جواب سن کر آپ نے فرمایا کہ تونے سعی نہیں کی۔

۴۔ آپ نے فرمایا عرفات کے میدان میں کیا تجھے خیال گزرا کہ اسی طرح ایک روز اپنے رب کے حضور کھڑا ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا خیال تو مجھے نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا پھر تیرا عرفات میں جانا نہ جانا برابر ہے۔

۵۔ پھر آپ نے پوچھا منیٰ میں قربانی کی گردن پر چھری پھیرتے ہوئے کیا یہ نیت کی تھی کہ آئندہ تمام خواہشات نفسانیہ کے گلے پر چھری پھیرتا رہوں گا اور ہر قربانی کو تیار رہوں گا اس نے کہا ایسی تو کوئی نیت نہیں باندھی۔ آپ نے فرمایا پھر تیرا یہ عمل بھی نہ ہوا۔

۶۔ آپ نے پوچھا رمی جمار کرتے ہوئے کیا دل کے شیطان کو بھی کنکریاں ماریں؟ تا خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں سوچا۔ آپ نے کہا پھر تونے رمی الجمار نہیں کیا اور تونے مناسک حج میں سے کوئی بھی پورا نہیں کیا۔ اب تو اگلے سال دوبارہ جا اور ابراہیمی روح کے ساتھ حج کر تا ابراہیمی مقام کو حاصل کر سکے۔

۱۹۸۔ **رفث** ۔ شہوانی اور فحش باتیں۔ بیویوں سے مباشرت۔ **فسوق** ۔ فاسق سے ہے

فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَ

حج میں اور جو کروگے تم کوئی نیکی جانے گا اُسے اللہ اور

تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي

زادِ راہ لے لو کیونکہ یقیناً اچھی طرح زادِ راہ لینا تقویٰ ہے اور ڈرو مجھ سے اے

الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ

عقل مندو نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ چاہو تم فضل اپنے

جس کے معنی نافرمان کے ہیں۔ **فسوق**۔ نافرمانی ۔ ناپسندیدہ نام سے پکارنا یعنی گالی گلوچ کرنا۔

فرمایا حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، ان میں تین باتوں سے خصوصاً منع فرمایا۔ جن سے حج باطل ہوجائے گا۔ ان میں اوّل ایسی باتیں جن میں میاں بیوی کے تعلقات کا ذکر ہو دوئم ہر قسم کے فسق و فجور سے منع فرمایا جیسے لغو باتیں کرنا، گپیں وغیرہ لگانا اور گالی گلوچ کرنا تیسرا جھگڑا کرنا۔ جب بندہ تمام دنیوی جھنجھٹوں کو چھوڑ کر محض عشقِ الٰہی میں کوچۂ محبوب کی زیارت کے لئے بہت سی تکالیف اٹھا کر حاضر ہوتا ہے تو چاہیئے کہ وہ کلی طور پر خدا تعالیٰ کی محبت میں کھویا جائے۔ تمام دنیوی عشق ٹھنڈے پڑ جائیں۔ دنیوی عشق میں میاں بیوی کی محبت سب سے بڑھ کر ہے۔ انہیں ایسی بات تک کرنے سے روکا۔ تا نہایت پاکیزگی کی فضا پیدا ہو اور عشقِ حقیقی کے سوا ہر عشق کی نفی ہو۔ اسلام میں کئی مواقع پر بعض حلال امور حرام قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ حج اور روزے میں تعلق زن و شو سے اجتناب ہے بلکہ روزے میں خورد و نوش بھی منع ہے۔ مختلف طبائع اور مختلف اقوام کے اس عظیم ترین اجتماع میں عزتِ نفس کی تعلیم دی کہ کسی کو بُرے نام یا نامناسب الفاظ سے نہ پکارے نیز اختلاف رائے کے نتیجہ میں لڑائی جھگڑے کا بھی امکان تھا اس لئے اس سے بھی منع فرمایا۔ گویا برداشت ، رواداری اور عشقِ الٰہی کی ایسی مشق ہے کہ انسان محض رضائے مولا کے لئے دنیا کے تمام عیش و آرام اور پیار و محبت کو تج دے۔ سوائے خدا تعالیٰ کے اسے کچھ نہ سوجھے۔ ان آخرالذکر دو بدیوں کے اندر تمام بدیاں ہیں، ان کو چھوڑ کر حقوق اللہ اور حقوق العباد پر پوری طرح کاربند ہوگا تو اللہ تعالیٰ جو تمہارے ہر نیک عمل سے باخبر ہے۔ اپنے حضور سے تمہیں پوری پوری جزا دے گا۔ عربوں کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کی کہ حج میں زادراہ نہ لیتے کہ خدا تعالیٰ پر توکل ہے جس کے مہمان ہیں وہی انتظام کرے ، چونکہ ہر انسان حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح روحانیت کے اس مقام پر نہیں ہوتا کہ جب واقعی خدا تعالیٰ کارساز ہوجاتا ہے ، لہٰذا

رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ
رب کا پھر جب لوٹو تم عرفات سے ذکر کرو اللہ کا

عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ ۚ
پاس مشعر الحرام کے اور ذکر کرو اس کا جیسا کہ ہدایت دی اس نے تمہیں

وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿١٩٩﴾ ثُمَّ
اور اگرچہ تھے تم پہلے اُس کے یقیناً گمراہوں سے پھر

مانگتے پھرتے اور ذلیل ہوتے اس لئے فرمایا کہ زادِراہ لے کر چلو ساتھ ہی ظاہر سے باطن کی طرف توجہ دلائی کہ یہ ایک معمولی سفر ہے جب اس کے لئے زادِراہ کی ضرورت ہے تو اس سفر کے لئے بھی تیاری کرلو جس کے لئے بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ حج کے لئے بھی اصل زادِراہ تقویٰ ہی ہے۔فرمایا اے عقلمندو! میرا تقویٰ اختیار کرو گویا اب حج کے بعد زیادہ ذمہ داری پڑتی ہے اب ہر گناہ سے بچو عقلمندوں کا یہی شیوہ ہے۔

۱۹۹۔ **تبتغوا**۔ مادہ بغی ہے جس کے معنی میانہ روی سے نکل جانے کے ہیں۔ مگر ابتغاء میں کسی چیز کو طلب کرنا ہے۔حج کے اس عظیم اجتماع کا مقصد جہاں روحانی تربیت ہے وہاں مادی فوائد کی بھی اجازت دی۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایامِ حج کے دوران میلے لگتے تھے لیکن اب تجارت منع ہے۔ مسلمانوں کو حج سے فراغت کے بعد تجارت کی اجازت دی، چونکہ ملت اسلامیہ کے مختلف حکمران اور دانشور حاضر ہوتے ہیں اس لئے انہیں چاہیئے کہ باہم مشورہ اور تعاون سے مسلمانوں کی مادی ترقی یعنی تجارت ، صنعت و حرفت اور خاص طور پر سائنسی علوم کو فروغ دینے کی سعی کریں نیز دیگر اہم مسائل پر غور و خوض کریں اور انہیں باہم مل کر حل کرنے کی کوشش کریں اور ان وجوہات کو تلاش کریں جن کی وجہ سے یہ قوم قہر خداوندی کا شکار ہے اوران کو قعر مذلت سے نکالنے کی تجاویز کریں۔ان تمام منفعت بخش امور کو فضل کہا۔ عرفات مکہ سے شمال مشرق کی طرف قریباً نو میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان ہے یہ اسم بامسمّٰی ہے جہاں بندے معرفت الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔ نو ذوالحجہ کو تمام حاجیوں کا یہاں ٹھہرنا عبادت اور دعائیں کرنا اتنا اہم ہے کہ تمام مناسکِ حج ادا کرنے کے باوجود اس فریضہ کے بغیر حج نہیں۔اسی میں جبل رحمت ہے جہاں خطیب خطبہ پڑھتا ہے۔ مشعر الحرام مزدلفہ کے مقام میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے فرمایا جب تم عرفات کی برکات سے جھولیاں بھرلو اور ان سے مستفیض ہو جاؤ تو یہاں بھی ٹھہر کر خاص جوش اور انہماک سے

أَفِيضُوا۟ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ ۚ
لوٹو تم جہاں سے لوٹتے ہیں لوگ اور بخشش مانگو اللہ سے

إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠٠﴾ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَٰسِكَكُمْ
یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے پھر جب پورے کر چکو تم اپنے عبادت (حج) کے طریقے

فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ كَذِكْرِكُمْ ءَابَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ
(ارکان) تو یاد کرو اللہ کو مانند یاد کرنے کے اپنے باپ دادا کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو

فَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا وَمَا
پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہمیں دُنیا میں اور نہیں

اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند کرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی۔اس سے پہلے تم یقیناً گمراہوں میں سے تھے یعنی پہلے تمہارے حج کا مقصد محض میلے ٹھیلے ہی تھا۔ بقول امام کسائی یہاں اِن قد کے معنوں میں ہے۔

۲۰۰۔ **استغفار**۔غفر۔ ڈھانپنا ۔ دبانا۔ حفاظت کرنا۔استغفار۔بخشش چاہنا۔

قریش خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے اور عرفات تک نہ جاتے کہ یہ حدودِ حرم سے باہر ہے۔ مزدلفہ تک جاتے جو حدودِ حرم کے اندر ہے اور وہیں سے لوٹ آتے جبکہ عوام زمانہ قدیم سے عرفات تک جاتے۔ فرمایا تم بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے عوام لوٹتے ہیں اس طرح مساوات قائم کر کے قوم اور نسل کا فرق مٹادیا اور سنت ابراہیمی کو قائم کیا۔حج میں دعا اور استغفار پر خاص زور ہے۔استغفار کا درجہ تمام نیکیوں میں بلندتر ہے۔ خصوصاً تہجد اور فجر کا استغفار ، سجدوں میں ، سجدوں کے درمیان نماز کے بعد یعنی سلام پھیرنے سے پہلے اور سلام پھیرنے کے بعد نیز ہر بلا کے نزول سے قبل استغفار کی خاص تاکید فرمائی تا رحم فرمائے،اپنی پناہ میں لے لے اور عذاب سے بچالے نیز کشائش رزق کا بھی یہی نسخہ ہے۔ عوام کا استغفار تو گناہوں کی معافی کے لئے، گناہوں سے بچنے اور نیکی کی توفیق کے لئے ہے جبکہ خواص کا استغفار یہ ہے کہ کبھی گناہ صادر ہی نہ ہو ، خداتعالیٰ اپنی محبت میں تھامے رکھے اور عجز و انکساری سے روحانی ترقیات کو طلب کرنا ہے۔ جتنا کوئی استغفار کرتا ہے اتنا ہی معصوم ہوتا ہے۔احادیث میں استغفار کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو شخص اپنے اوپر استغفار لازم کرلے تو اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ اس کے لئے کھول دیتا ہے اور ہر رنج و غم سے اسے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو (احمد ابو داؤد ۔ابن ماجہ)

لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ

اے رب ہمارے دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور

قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۲﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۔

بچا ہمیں عذاب سے آگ کے۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کیلئے حصہ ہے اس سے جو کمایا انہوں نے

۲۰۱۔۲۰۲۔حج کے بعد لوگ منیٰ میں ایام تشریق میں جلسے کرتے اور اپنے باپ دادا کے کارنامے فخریہ بیان کرتے۔ان لغویات سے منع فرمایا اور کہا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے باپ دادا کی طرح یااس سے بھی بڑھ کریاد کرو۔حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمة القرآن کلاس MTA) فرماتے ہیں کہ اٰبَآءَكُمْ سے ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ اورحضرت اسمٰعیلؑ بھی مراد ہیں۔جنہوں نے یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔ آنحضرتﷺ نے اس ذکر کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔پس تمہیں بھی ان کی پیروی میں اس جگہ بہت زیادہ ذکر الٰہی کرنا چاہیئے۔گویا حج کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت ماں باپ کی محبت کی طرح فطری محبت میں بدل جائے کہ اس کے بغیر تمہیں چین ہی نہ آئے۔جہاں تک ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو بن جاؤ جس طرح بیٹاعام طور پر بہت حد تک باپ کی صفات کا پرتو ہوتا ہے۔گویا تمہاری ہر حرکت گواہی دے کہ تم خدائی صفات کے مظہر ہو۔یہاں دو دعاؤں کا ذکر کیا پہلی ان لوگوں کی دعا جن کی طلب دنیا کے لئے ہی ہے۔جیسے عیسائیوں کی روز کی روٹی کی دعا۔یہاں حسنہ نہیں کہا۔گویا ان کو حلال وحرام سے غرض نہیں۔ان کا مطمحِ نظر محض دنیا ہے، سو مل گئی لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔دوسری مومنین کی دعا کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیامیں جو کچھ بھی دے حسنہ دے جو ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے بہترین ہو گویا بہترین دنیوی انعامات کو مانگا۔اسی طرح آخرت کے بھی بہترین انعامات کوطلب کیا۔پھر عذاب نار سے بچانے کی درخواست کی۔ آگ سے مراد دنیا کی تکلیفوں کی آگ بھی ہے اور آخرت کی بھی۔یہ نہایت مختصر اور جامع دعا ہے جسے آنحضرتﷺ اکثر خود مانگا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی یہ دعا مانگنے کی تلقین فرماتے تھے(بخاری بروایت حضرت انسؓ متفق علیہ)آنحضرتﷺ حج میں اس دعا اور تیسرے کلمہ کا بکثرت ورد فرماتے تھے۔طواف میں بطورخاص یہ دعامانگتے۔(ابوداؤد۔ ابنِ ماجہ) نیز ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھتے۔

۲۰۳۔فرمایا ان دعا کرنے والوں کو ان کی نیک کمائی یعنی نیکیوں سے دنیا میں بھی حصہ

النصف

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۳﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَيَّامٍ

اور اللہ جلد ہے حساب لینے میں اور یاد کرو اللہ کو دنوں میں

مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔

گنتی کے پھر جس نے جلدی کی دو دنوں میں تونہیں کوئی گناہ اس پر

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور جس نے تاخیر کی تونہیں کوئی گناہ اس پر اس کیلئے جس نے تقویٰ کیا ، اور ڈرو اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

اور جان لو کہ یقیناً تم اس کی طرف اکٹھے کئے جانے والے ہو اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ

ملے گااور آخرت میں بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بہت جلد حساب چکا دیتاہے گویا حساب آخرت کے لئے اٹھانہیں رکھتا بلکہ دنیا میں بھی اپنے انعامات سے نوازتاہے اورآخرت کے انعام تو یقینی ہیں ہی۔ لہٰذا دنیا میں انسان کسی حد تک اپنے اعمال کی جزا پاتا ہے البتہ آخرت میں اسے پوری پوری جزا ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بہت زیادہ پائے گا۔

۲۰۴۔ان مقررہ دنوں میں جو یوم النحر یعنی عید کے بعد ہیں خداتعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ یعنی ان تھوڑے دنوں میں جتنا ذکر کرسکتے ہو کرلو۔ دوسرے دنوں میں یہ سعادت نصیب نہیں ہوگی۔یہ ایام تشریق یعنی گیارہ، بارہ اورتیرہ ہیں۔البتہ جسے جلدی ہو وہ بارہ کو بھی واپس جا سکتاہے۔ضرورت کے تحت جلد جانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ متقی ہو۔فرمایا تمام مناسکِ حج کی غرض تقویٰ ہے کہ تم اس عظیم اجتماع کو دیکھ کرجان لو کہ اسی طرح ایک دن تمہیں میدان حشر میں اکٹھے ہونا اور خدا تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہوگا۔ پس اگر خداتعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھوگے اوراس کی راہ میں قربانی دینے کے لئے تیار ہوگے ، جس کی ایک ہلکی سی تصویر تمہیں یہاں دکھائی ہے تو دونوں جہان میں سرخرو ہو جاؤ گے۔احکام حج کے اختتام پر تقویٰ کاحکم اس لئے بھی دیاکہ اب اس کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے تاایسا نہ ہو کہ کسی قسم کا تکبر پیدا ہو اورانسان درگاہِ خداوندی سے دھتکارا جائے۔ حج کے ساتھ تقویٰ کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ حج کی دس آیتوں میں سے آٹھ میں تقویٰ کاذکر ہے۔

۲۰۵تا۲۰۷۔جہاد کاذکر جاری تھا جس میں حج کامفصل بیان ہوا۔گویا حج بھی ایک طرح

يُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

پسند آتی ہے تجھے گفتگو ان کی دنیا کی زندگی کے متعلق اور گواہ ٹھہراتا ہے اللہ کو

عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اس بات پر جو اسکے دل میں ہے حالانکہ وہ زیادہ جھگڑنے والا ہے تمام جھگڑنے والوں سے اور جب وہ حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے

فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ

زمین میں کہ فساد کرے اس میں اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

حالانکہ اللہ نہیں پسند کرتا فساد کو اور جب کہا جاتا ہے اُسے ڈر اللہ سے

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ

قائم رکھتی ہے اُسے بڑائی گناہ پر پس کافی ہے اُسے جہنم اور ضرور کیا ہی بُرا

الْمِهَادُ ﴿۲۰۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ

ہے بچھونا اور بعض لوگ ایسے کہ بیچ دیتے ہیں اپنی جان چاہنے کے لیے

سے جہاد ہی ہے۔ فرمایا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر چکنی چپڑی باتوں سے تیرے اور بنی نوع انسان کے بڑے ہمدرد بنتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر تجھے اپنے اخلاص اور وفاداری کا یقین دلاتے ہیں حالانکہ وہ سخت قسم کے فسادی اور جھگڑالو ہوتے ہیں۔ایسے لوگ جب اپنی چرب زبانی سے حکومتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جیسا کہ آج کل ہمارے حکام کا حال ہے کہ الیکشن سے پہلے خوب لمبے چوڑے وعدے وعید ہوتے ہیں عوام کی فلاح و بہبود ،قوم کی ترقی و خوشحالی اور خیر خواہی کے دلکش پروگرام پیش کئے جاتے ہیں، جب حکومت مل جاتی ہے تو ذاتی مفاد کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑا کر فتنہ و فساد پیدا کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی حالت تباہ ہوجاتی ہے، ذرائع خوراک برباد ہو جاتے ہیں اور نسلِ انسانی ہلاکت کا شکار ہوجاتی ہے۔ جس کا اثر کئی نسلوں تک جاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تو کبھی فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جب انہیں خدا تعالیٰ سے ڈرایا جاتا ہے اور کوئی سمجھانے کی جرأت کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ خدمت خلق کرتے ،لوگوں کی اقتصادی حالت سنوارتے ،ملک میں امن و امان پیدا کرتے اور عوام کی حفاظت کا سامان کرتے، جھوٹی عزت اور انا کا مسئلہ ان سے مزید زیادتیوں کا ارتکاب کرواتا ہے۔فرمایا ان کے لئے جہنم کافی ہے۔جو یقیناً بری جگہ ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ آخرت میں ہی ملے دنیا میں بھی جب عوام ایسے آمروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو دنیا ہی ان کے لئے جہنم سے بدتر ہو

مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

رضامندی اللہ کی اور اللہ بہت مہربان ہے (ایسے) بندوں پر اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا

لوگو جو ایمان لائے ہو داخل ہوجاؤ اسلام میں پوری طرح اور نہ پیچھے چلو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۹﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ

قدموں کے شیطان کے یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے کھلا کھلا پس اگر پھسل جاؤ تم

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

بعد اس کے کہ آئیں تمہارے پاس کھلی کھلی باتیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ عزت والا

حَكِيْمٌ ﴿۲۱۰﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ

حکمت والا ہے نہیں انتظار کرتے وہ مگر یہ کہ آوے ان کے پاس اللہ سایوں میں

جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی زمین ان پر تنگ ہوجاتی ہے اور انہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔زارِ روس اور بہتیرے ان جیسے دیگر آمروں کا یہی انجام ہوا۔حج کے ساتھ یہ نصیحت خاص طور پر کی۔ کیونکہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اسلامی سربراہانِ مملکت اوران کے مشیر و وزیر بھی حاضر ہوتے ہیں۔یہ ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ وہ غور کریں کہ جو بندگان خدا کی ذمہ داریاں خدا تعالیٰ نے ان کے کندھوں پہ ڈالی ہیں وہ انہیں احسن طریق سے نبھا رہے ہیں یا نہیں۔چاہیئے کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں جہنم ان کی راہ دیکھ رہی ہے۔

۲۰۸۔ ضروری تھا کہ ساتھ ہی ان بندگان خدا کا ذکر بھی کیا جاتا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے گویا اپنی جان کی بازی لگا دی۔ انہیں بادشاہت ملی یا فقیری انہوں نے ہرحال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھا۔انہوں نے نہ صرف اپنی جانوں کو بلکہ اپنی ساری طاقتوں اور صلاحیتوں کو ،مال و اولاد اور دنیا کی ہر آسائش کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور بندگان خدا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف رکھا ،تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے ایسے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔

۲۰۹۔ یہاں کل جماعت مومنین کو خطاب ہے کہ اسی آخرالذکر گروہ کا سا طریق اختیار کرو اور کلی طور پہ خدا تعالیٰ کے فرمانبرداروں میں شامل ہو جاؤ۔ گویا تمام مسلمان تقویٰ کے اس بلند معیار پر پہنچ جائیں جس پر اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پہنچے ہوئے ہیں اور کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو کہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہو اور وہ شیطان کی پیروی کرنے لگے کیونکہ شیطان تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۲۱۰۔بعد اس کے کہ تمہیں کھلی کھلی ہدایت مل گئی ہے اور بیّن طور پر سچائی کا علم ہوگیا ہے۔

مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

بادل کے اور فرشتے اور فیصلہ کیا جاوے معاملہ کا اور اللہ کی طرف لوٹائیں جائیں گے

الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۱﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ ۢ

سب معاملات پوچھ لے بنی اسرائیل سے کتنے ہی دیئے ہم نے ان کو نشانات

بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ

کھلے کھلے اور جو بدل دے گا نعمت اللہ کی بعد اس کے کہ آئی وہ اس کے پاس

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۲﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ

تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے مزین کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا زندگی

اگر پھر بھی تم نے لغزش کھائی ، غلط روش اختیار کی اور بنی نوع انسان کی خدمت کی بجائے ظلم وستم اور زیادتی کی راہ اپنائی تو یاد رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔غالب ہے اس لئے تمہارا اقتدار چھین بھی سکتا ہے۔حکیم ہے اس لئے اس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہے۔ کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کرتا، جانتا ہے کون سزا کا اہل ہے اور کون جزا کا حقدار۔

۲۱۱۔ کفار ہمیشہ عذاب استیصال مانگتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو پہلوں کی طرح ہم پر عذاب کیوں نہیں لے آتا؟ تیرا خدا بادلوں کے سایہ میں فرشتوں کی معیت میں آئے اور ہم پر عذاب نازل کرے تا اس روز روز کے جھگڑے کا فیصلہ ہو۔جو کچھ وہ مانگ رہے ہیں وہ کھلا کھلا تو قیامت کو ہی نظر آئے گا جہاں آخری فیصلہ ہوگا۔عام طور پر دنیا میں ان آنکھوں سے خداتعالیٰ اور فرشتے نظر نہیں آسکتے۔ پھر بھی ان کا یہ طلب کردہ عذاب بھی کئی مرتبہ آیا۔ تینوں مشہور جنگوں ،غزوہ بدر،غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب میں ملائکہ کا مسلمانوں کی مدد کے لئے اوران کے لئے بطور عذاب آنا ثابت ہے جنہیں بعض کفار نے بھی دیکھا۔آخر وہ وقت آیا کہ فتح مکہ سے کفر کا مکمل استیصال ہوا اور اسلام کا غلبہ ہوا۔

۲۱۲۔پچھلے رکوع میں نشانِ استیصال مانگا تھا۔اس رکوع میں فرمایا کہ کیوں بنی اسرائیل کو نہیں پوچھتے جنہیں کتنی ہی کھلی کھلی نشانیاں مل چکی ہیں۔انہیں بھی نبوت اورحکومت سے نوازا گیا لیکن اپنی بد اعمالیوں سے موردِ غضبِ الٰہی ہوئے۔ اب امامت اورحکومت تمہارے سپرد ہوتی ہے۔ کیا ان کے حالات میں تمہارے لئے کوئی عبرت کانشان نہیں ؟جو قوم بھی احکام الٰہی سے منہ موڑ کرانعامات خدا وندیٔ کی ناقدری کرتی ہے تو اسے جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ قرآن کریم کو پڑھنے یاسننے والا کوئی یہودی نہیں۔ مسلمانوں کو ہی حالاتِ یہود سے بچانا مقصود

الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ

ورلی اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے حالانکہ وہ لوگ جنہوں نے

اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ

تقویٰ کیا غالب ہوں گے ان پر بروز قیامت اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۳﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ

بغیر حساب کے تھے لوگ گروہ ایک ہی پھر بھیجا

اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ساتھ انکے

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا

کتاب ساتھ حق کے تاکہ وہ (اللہ) فیصلہ کرے درمیان لوگوں کے اس (بات) میں کہ اختلاف کیا تھا انہوں

فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا

نے جس میں اور نہیں اختلاف کیا تھا اس میں مگر ان لوگوں نے جو دیئے گئے وہ (کتاب) بعد اس کے کہ

تھا مگر افسوس وہ انہیں کے قدم بقدم چلے اورانعامات کے بدلے ذلت پسند کی۔

۲۱۳۔ کفار کو دنیا اوراس کی عیش وعشرت بڑی حسین دکھائی دیتی تھی اور وہ حقیقی مقصدِ حیات کو بھول چکے تھے۔ان کے اکابرین مالی طور پر مستحکم تھے اور ہر غلط ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے میں فخر محسوس کرتے۔ جبکہ مومنین غرباء کی جماعت تھی ، ان کی جدوجہد قانون خداوندی کے تحت ہوتی۔ کسی غلط ذریعہ سے دولت کمانے کا تصور بھی محال تھا۔ان کے مدنظر رضائے الٰہی اور بندگانِ خدا کی بہبود تھی۔ان میں سے جو خوشحال تھے انہوں نے اپنا کل اثاثہ خدمت دین کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔اس لئے ان کی گزربسر بھی فقرو فاقہ سے ہوتی۔کفار جب ان سے فتح اسلام کی پیشگوئیاں سنتے تو خوب مذاق اڑاتے کہ یہ چند کمزور اورمفلس لوگ ہم پر غالب آئیں گے لیکن جلد ہی خدائی ہاتھ نے قیامت کا منظر دکھایااور وہی کفار جن کی گردنیں غرور وتکبر سے اکڑی رہتی تھیں اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ فتح مکہ کے دن مجرموں کی طرح پیش ہوئے لیکن اس محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہی آواز آئی کہ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔تمہیں عام معافی ہے۔فرمایا جو فوقیت مومنین کو کفار پر ہوئی اس سے بہت بڑھ کر قیامت کے روز دیکھیں گے۔ پھر انہیں مفلوک الحال بندوں کو قیصرو کسریٰ کے خزانے ملے اور خدا تعالیٰ نے نہ صرف دولت بلکہ دنیا کی ہرنعمت بے حد وحساب دی۔

۲۱۴۔تم میں نبی کا مبعوث ہونا کوئی انوکھی بات نہیں روزازل سے ہی خدا تعالیٰ لوگوں کی

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

آئیں ان کے پاس کھلی کھلی باتیں سرکشی کی وجہ سے آپس میں پھر ہدایت دی اللہ نے ان لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ

ایمان لائے اس (بات) کی کہ اختلاف کیا تھا انہوں نے جس میں حق سے ساتھ اپنے حکم کے اور اللہ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۴﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کی کیا گمان کیا تم نے

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا

کہ داخل ہو جاؤ گے تم جنت میں حالانکہ ابھی تک نہیں آئی تم پر حالت ان لوگوں کی جو گزرے ہیں

مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا

پہلے تم سے پہنچی تھی انہیں سختی اور تنگی اور وہ ہلائے گئے

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى

یہاں تک کہ کہہ اُٹھا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے ساتھ کہ کب ہوگی

ہدایت کا سامان کرتا رہا ہے۔فرمایا سب لوگ بحیثیت مجموعی ایک ہی گروہ ہے اور سب کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یکساں ہی سلوک ہے۔جب بھی ان کے مابین اختلافات ہوئے، وہ راہ راست سے بھٹک گئے اور ہر ایک نے اپنے غلط مسلک کو صحیح سمجھ لیا تو ایسے ہر موقع پر خداتعالیٰ کی طرف سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے جو اپنی اپنی قوم کی طرف آئے۔بنی اسرائیل کو اس میں کوئی خصوصیت حاصل نہیں ،جن کا مقصد ان کو صحیح راہ پر لا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو قائم کرنا تھا۔وہ ماننے والوں کو بشارتیں دیتے اور منکرین کو ناکامی اور دکھ کے بد انجام سے ڈراتے۔یہ انبیا یا تو خود کتاب اور شریعت سے نوازے جاتے جیسے حضرت داؤدؑ کو زبور، حضرت موسیٰؑ کو تورات، حضرت عیسیٰؑ کو انجیل اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک عطا ہوا۔یا پہلی شریعت کے تابع ہوتے جیسا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء انہی کتب کے تابع تھے۔تاہم انہیں نبوت براہِ راست ملی۔انہوں نے انہی کتابوں کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کی اور ان کے اختلافات کو دور کیا، اب قرآن کریم کے بارہ میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جو اس کے اوّل مخاطب تھے حالانکہ ان کے پاس کھلے کھلے نشان آچکے تھے۔یہ محض ان کی سرکشی کی بنا پر تھا۔پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے، اپنے حکم سے اس امر حق کی طرف ہدایت دے دی جس میں دوسرے لوگ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔

نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۵﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا

مدد اللہ کی آگاہ ہو جاؤ یقیناً مدد اللہ کی قریب ہے پوچھتے ہیں تجھ سے کیا کچھ

يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

خرچ کریں وہ تو کہہ دے جو بھی خرچ کرو تم کوئی مال تو (کرو) واسطے ماں باپ اور

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے اور جو بھی

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۶﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

کرو گے تم کوئی نیکی تو یقیناً اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے فرض کیا گیا تم پر

۲۱۵۔**باسآء**۔جنگ۔تنگی۔شدائد اور دکھ۔ **ضرّآء**۔شدید مصائب جیسے جانی و مالی نقصان۔تکلیف۔بیماری۔ **زُلزلوا**۔ہلائے گئے۔سخت حرکت۔مراد شدید مصائب۔**لمّا**۔نہیں۔جب۔مگر۔

فرمایا جنت ارضی ہو یا اخروی، بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔تمہیں بھی انہیں صبر آزما اور جاں گداز مراحل سے گزرنا پڑے گا جن پر پہلے انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین گزرے۔جنگوں کی طرف اشارہ ہے جہاں جان و مال قربان کر کے شہادت ملتی ہے۔جو نقد بہشت ہے یا غازی کا خطاب ملتا ہے جو فتح و کامرانی کی دنیوی جنت ہے۔تمام انبیاء اور ان کے پیرو ابتلاؤں کی بھٹی میں جھونکے گئے جہاں سے وہ کندن بن کر نکلے۔مصائب اور مشکلات ہی کامیابی کا زینہ ہیں۔کون سے دکھ ہیں جو پہلوں کو نہیں ملے۔فاقے کئے، ماریں کھائیں،قتل ہوئے، عزیز و اقارب چھوڑے، جائیدادیں چھوڑیں غرض سخت تکلیفیں اور دکھ اٹھائے۔مصائب نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا یہاں تک کہ رسول اور جماعت مومنین پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ پس ان کی دعاؤں اور چیخ و پکار نے عرش کو ہلا کر رکھ دیا۔ان کے نالے اور آہ و بکا نصرت الٰہی کو کھینچ لائے اور وہ بہت قریب ہوگئی گویا آخری حربہ دعا ہی ہے جو تقدیروں کو بدل دیتی ہے۔

۲۱۶۔**خیر**۔ہر بہترین شے۔نیکی۔مال کو خیر اس وقت کہہ سکتے ہیں جب کثیر ہو، پاک ذرائع سے حاصل کیا ہو اور طیب ہو (مفردات راغب) جنگ کے بیان میں جانی قربانی کا ذکر تھا، ساتھ ہی مالی قربانی کی طرف توجہ دلائی۔سوال ہوا کہ کیا خرچ کریں۔جواب میں حدبندی نہیں لگائی بلکہ صرف خیر کی شرط لگائی۔یعنی کثیر ہو، طیب ہو اور صحیح ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔گویا ہر غلط طریق سے کسب معاش کی نفی کی اور وضاحت فرمائی کہ کہاں خرچ کرنا ہے۔فرمایا سب سے پہلے حقدار تمہارے والدین ہیں۔پھر درجہ بدرجہ تمام اقربین۔پھر یتیموں کا حق ہے، پھر مساکین تمہاری

الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

لڑنا اور وہ ناپسند ہے تم کو حالانکہ ممکن ہے کہ ناپسند کرو تم کوئی بات اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ

بہتر ہو تمہارے لیے اور ممکن ہے کہ پسند کرو تم کوئی بات اور وہ بُری ہو تمہارے لیے اور اللہ

ع ۲۶ / ۱۰

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق مہینے عزت والے کے

قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ

یعنی لڑنے کے متعلق اس میں تو کہدے لڑنا اس میں بڑا (گناہ) ہے اور روکنا راہ سے

اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ

اللہ کی اور کفر کرنا ہے اس کا اور مسجد الحرام کا اور نکالنا اسکے باشندوں کو اس سے

امداد کے مستحق ہیں اور مسافر بھی کہ بعض دفعہ غریب الوطنی میں پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص قلبی لگاؤ کی وجہ سے قدرتی طور پر بیوی بچوں کے حقوق عموماً پورے کرتا ہے اس لئے صرف ان کا ذکر کیا جن کی حق تلفی کا خطرہ تھا اور جن کے حقوق میں اکثر غفلت ہوجاتی ہے۔ فرمایا صرف مالی قربانی پر ہی اکتفا نہ کرو بلکہ ہر قسم کی نیکیاں بجالاؤ، جو نیکی بھی تم کروگے خداتعالیٰ کو اس کا علم ہے وہ دنیا و آخرت میں تمہیں اس کی بہترین جزا دے گا۔

۲۱۷۔ دشمنوں کے مظالم و شدائد جب انتہا کو پہنچ گئے تو فرمایا کہ اب تم پر لڑائی فرض کر دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ عفو و درگزر کی تعلیم نے مومنین کو صلح جُو بنا دیا تھا۔ دشمن سے بھی لڑنا یا اسے مارنا پسند نہ تھا۔ مدینہ کے لوگ فنِ حرب میں نااہل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں عادی جنگجو تھے جن کا پیشہ ہی سپہ گری تھا۔ نفری اور سامان حرب میں بھی ان کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے بندے کے لئے کیا مفید ہے اور کیا مضر۔ فرمایا ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہو، مگر علم الٰہی میں وہ تمہارے لئے شرانگیز ہو۔ پس اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بغیر جنگ یہ باز نہیں آئیں گے اور لڑائی ہو کر رہے گی۔ یہاں ان کے لئے شرم کا مقام ہے جو جہاد کی وجہ مال غنیمت کا لالچ بتاتے ہیں۔ مسلمانوں کا جہاد حکم خدا سے تھا نہ کہ اپنی مرضی سے بلکہ ان کی مرضی تو شامل بھی نہیں تھی، محض رضائے الٰہی تھی۔ بقول شاعرِ مشرق ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا

زیادہ بڑا (گناہ) ہے نزدیک اللہ کے اور فساد زیادہ بڑا ہے قتل سے اور وہ

يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ

رہیں گے لڑتے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں دین سے تمہارے اگر

اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ

طاقت رکھیں وہ اور جو مُرتد ہو تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے اور وہ

كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ

کافر ہو تو یہ لوگ وہ ہیں کہ ضائع ہوگئے اعمال ان کے دنیا میں اور آخرت میں

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾ إِنَّ

اور یہ لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں یقیناً

الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا

۲۱۸۔ قانون اور شریعت کی پاسداری ہر حال میں لازم ہے۔ اشہر الحرام یعنی ذیقعدۃ، ذی الحج، محرم اور رجب میں جنگ بہت بڑا گناہ ہے لیکن کچھ جرائم اس سے بھی سنگین ہیں۔ جیسے خداتعالیٰ کی راہ سے روکنا، توحید کا انکار کرنا، مسجدالحرام سے روکنا، وہاں کے باسیوں کو جلاوطن کرنا **اھلہ** سے یہ بھی مراد ہے کہ جو اس میں رہنے کے حقیقی اہل اور حقدار ہیں انہیں ہجرت پر مجبور کرنا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے نزدیک سنگین ترین جرائم ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امنِ عامہ تباہ کرنا اور فتنہ و فساد پیدا کرنا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس میں دین کی وجہ سے کسی کو دُکھ دینا یا زبردستی مرتد کرنا بھی شامل ہے۔ ان کا جنگ کا مقصد بھی یہی تھا کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ جب ہر قسم کے ظلم و ستم سے اسلام سے برگشتہ نہ کرسکے تو آخر جنگ سے مرتد کرنا چاہتے ہیں۔ پس جو بھی اسلام کے حقائق کو خوب سمجھ جانے کے بعد ان کی باتوں میں آکر یا ڈر کر دین حق سے منہ پھیرلے اور اسی حالت میں مر جائے تو یاد رکھے دنیا و آخرت میں اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ وہی جہنمی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ جو لوگوں کو گمراہ کرتے اور امن عامہ تباہ کرتے ہیں خود بھی تباہ ہوتے ہیں۔

۲۱۹۔ **جاھدوا**۔ جھد۔ جدوجُہد۔ طاقت، کوشش، مشقت، مجاہدہ۔ اپنی تمام قوتوں، طاقتوں اور مال کو دشمن کی مدافعت میں لگا دینا۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

راہ میں اللہ کی یہ لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت سے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۹﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ

بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق شراب اور جوئے کے

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ

تو کہدے ان دونوں میں گناہ ہے بڑا اور منافع (بھی) ہیں لوگوں کے لیے اور گناہ ان دونوں کا زیادہ

مرتدین کا ذکر تھا۔ فرمایا اگر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے اور ایمان کی توفیق مل گئی ہے تو اس علاقے سے نکل جائیں جہاں احکام الٰہی کی خلاف ورزی پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ کفر کے مقابلہ کے لئے اپنی جان و مال ہتھیلی پر رکھ کر سینہ سپر ہو جائیں۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ رجوع برحمت فرمائے اور ان کی غلطیوں کو معاف کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں ایک عام اصول بھی بتا دیا کہ ہر ایمان لانے والے کو ہجرت اور جہاد کرنا پڑے گا کیونکہ اُس وقت عددی قوت کی کمی تھی پس یہی لوگ خدا تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ گویا ایمان کے ساتھ ہی عمل کی تلقین ہے۔ بظاہر ہر مومن کے لئے ہمیشہ یہ ممکن نہیں۔ پس ہجرت رضائے الٰہی کے لئے ، اپنا پیارا وطن چھوڑنا ہی نہیں بلکہ ہر بدی سے کنارہ کش ہونے کا نام بھی ہے۔ ایمان تو اس سے بھی بڑی قربانی کا تقاضا کرتا ہے اور وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جو تلوار کے جہاد کے علاوہ نفس کا جہاد ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد النفس کو افضل الجہاد کہا (متفق علیہ) یعنی مومن کی ہر کوشش اس کا جینا مرنا، سونا جاگنا ، محبت و عداوت، کسبِ معاش ، گفتار و کردار غرض سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ مولا کو راضی کرنا ہی مقصودِ زندگی ہو۔ مولا کی رضا اس کی رضا ہو جائے۔ جب اپنا کچھ بھی نہ رہے تو اس نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ پھر بھی بتقاضائے بشریت کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس کا فیضانِ رحمت ضرور شامل حال ہوگا اور چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے گا۔

۲۲۰۔ **خمر**۔ ڈھانپ دینا اور چھپانا ہے اوڑھنی کو خمار کہتے ہیں۔ جس کی جمع خُمر ہے۔ **ویضربن بخمرھن**۔ (النور:۳۲) شراب کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ ہر نشہ آور چیز۔ **المیسر** ۔ جوأ۔ جوأ کھیلنا۔ میسر۔ یسر۔ سہولت۔ جوئے میں مال آسانی سے مل جاتا ہے اس لئے میسر کہا۔ اس میں لاٹری اور ہر قسم کا جوأ شامل ہے۔ جنگ کا ذکر ہے۔ عربوں

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ

بڑا ہے نفع سے ان کے اور پوچھتے ہیں تجھ سے کہ کیا خرچ کریں تو کہدے

الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

(خرچ کرو) زائد از ضرورت۔ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے احکام تاکہ تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۰﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

غور کرو دنیا میں اور آخرت میں اور پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق

میں مغربی ممالک کی طرح سپاہیوں کو شراب پلائی جاتی تاکہ نشہ میں خوب جوش سے بے خطر ہو کر لڑیں۔ جنگی ضروریات کے پیش نظر پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے امرا جوأ کھیلتے ہیں۔ یہ شراب اور جوأ کی ممانعت میں پہلا حکم ہے ۔ اسلام نے ہر بری عادت کو بتدریج چھڑوایا ہے۔ اس کے بعد شراب پی کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ (سورۃ نساء :۴۴)

آخر میں اس نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام قرار دیا۔ (مائدہ:۹۱) شراب عقل تباہ کرتی ہے جوأ، مال۔ دونوں فساد اور عداوت کا سبب ہیں اس لئے دونوں سے منع فرمایا۔ ایک پاکیزہ معاشرے کو قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ہر اس چیز سے منع کیا جاتا جو عقل و خرد کو ماؤف کرنے والی ہو۔ اس میں سرفہرست شراب ہے پھر تمام نشہ آور اشیا۔ جوأ سے بغیر محنت و مشقت پیسہ ملتا ہے جس سے معاشرہ میں سستی اور سہل انگاری پیدا ہوتی ہے نیز فضول خرچی کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ نقصانات ان چیزوں کے عارضی فوائد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ یہاں ایک اصول بتا دیا کہ فوائد کم ہوں تو اجتناب کرو۔ نہایت فراخ دلی سے ان کے فوائد کو بھی تسلیم کیا چونکہ ان دونوں کا گناہ کا پہلو ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے حرام قرار دیا۔ یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب شراب ایک قوت بخش ٹانک کے طور پر دن میں پانچ بار پی جاتی تھی ، آج جدید طبی تحقیق نے ثابت کر دیا کہ یہ نہایت مضر صحت زہر ہے جو وقتی تحریک پیدا کر کے انسانی اعصاب اور دماغی قوتوں کو سخت نقصان پہنچاتی ہے، قوت مدافعت کو کم کرتی ہے ، جگر اور گردوں کو تباہ کرتی ہے، بلڈ پریشر اور ڈپریشن بڑھاتی ہے لیکن اس کے باوجود کوئی ملک شراب چھوڑنے کو تیار نہیں۔ شراب نے اہل مغرب کو اچھی طرح جکڑ رکھا ہے جبکہ صرف ایک آواز پر کہ ''شراب حرام کی گئی ہے''، مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہا دی گئی اور پھر کبھی کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جو صرف اس نبیٔ اُمّی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا کمال تھا۔

الْيَتٰمٰى ۚ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۚ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

یتیموں کے تو کہدے اصلاح کرنا ان کی بہتر ہے اور اگر ملا جلا لو تم اپنے ساتھ ان کو

فَاِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ

تو بھائی ہیں تمہارے اور اللہ جانتا ہے مفسد کو بمقابلہ مصلح کے اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا

چاہتا اللہ تو تکلیف میں ڈالتا تم کو یقیناً اللہ عزت والا حکمت والا ہے اور نہ نکاح کرو

بیشک قرآن کریم میں جنتیوں کو شراب دیئے جانے کا ذکر بار بار ملتا ہے لیکن وہ شراب ان تمام خرابیوں اور نقائص سے مبرا ہوگی جو دنیوی شراب میں پائی جاتی ہیں۔صرف نام کی مماثلت ہوگی صحابہؓ نے شراب اور جواً کی ممانعت کا حکم سنا تو فوراً سوال کیا کہ جنگی اخراجات کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ فرمایا مال مفت پر نظر نہ رکھو، محنت سے کماؤ اور اپنی ضروریات سے جس قدر زائد ہو جنگی اخراجات اور بندگان خدا کی فلاح و بہبود پر خرچ کرو۔ گویا نفس کا بھی حق ہے اور اہل و عیال کا بھی۔ مقربین الٰہی بیشک اپنا پورا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ پسندیدہ ہے لیکن یہ انہیں کی ہمت ہے اورانہی کا مقام ہے۔ تاہم اسلام میں زائد مال خرچ کردینا ہمیشہ ضروری نہیں اگر ایسا ہوتا تو تجارت اور زکوٰۃ ممکن نہ تھی۔نہ اسلام میں مالی مساوات کا حکم ہے بلکہ ایسے اصول وضع فرمائے کہ سب کے لئے ترقی کے مواقع میسر ہوں اوراسلامی معاشرہ میں کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام تمہارے لئے خوب کھول کر بیان کر دیئے تاکہ تم غور وفکر سے کام لو۔ اس دنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ کیونکہ ان احکام کا دنیا اور آخرت کے فوائد سے تعلق ہے۔

۲۲۱۔ جنگ میں لوگ مارے جاتے تھے اور بچے یتیم رہ جاتے تھے فرمایا ان کی خیرخواہی چاہنا اوراصلاح مدنظر رکھنا بہت بڑی نیکی ہے، چونکہ اس سے قبل یتامیٰ کے بارے میں سخت احکام آچکے تھے اس لئے لوگوں نے احتیاطاً ان کا کھانا پینا ہی الگ کردیا تھا کہ کہیں ان کا مال ہمارے مال میں نہ مل جائے۔اس لئے فرمایا کہ ان کے ساتھ مل جل کر رہو۔ کھانے پینے، دوسرے کام کاج اور تجارت میں اپنے ساتھ ملا لو، آخر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائی کہہ کر بہت بڑی ذمہ داری بھی ڈال دی۔ فساد کے لفظی معنی حداعتدال سے تجاوز کرجانے کے ہیں۔وہ تجاوز کم ہو یا زیادہ۔ یہ صلاح کی ضد ہے۔(مفردات) فرمایا ان کی پرورش میں مصلح کا کردار ادا کرو نہ کہ مفسد کا، کہ حد سے زیادہ

الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ مسلمان ہو جاویں اور البتہ ایک لونڈی ایمان والی بہتر ہے

مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

مشرک عورت سے اور اگرچہ اچھی لگے وہ تم کو اور نہ نکاح میں دو (اپنی لڑکیاں) مشرک مردوں کو

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ

یہاں تک کہ مسلمان ہوجاویں وہ اور البتہ ایک غلام ایمان والا بہتر ہے ایک مشرک سے اور

لَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اگرچہ اچھا لگے وہ تم کو یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کی اور اللہ بلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

طرف جنت اور بخشش کی ساتھ اپنے حکم کے اور کھول کر بیان کرتا ہے آیتیں لوگوں کے لیے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۙ ع ۲۷ / ۱۱

تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق حیض کے

لاڈ پیار کرکے ان کو بگاڑ دو یا بے جاسختی سے ان کی عزتِ نفس مجروح کرو۔(کلاس ترجمۃ القرآن کی روشنی میں) اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا گویا یتامیٰ کے حقوق اس قدر ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کھول کر بتا دیتا تو تم میں سے بہت سے لوگ مشکل میں پڑجاتے لیکن وہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔عزیز کہہ کر بتا دیا کہ جس طرح تم ایک کمزور پرغالب ہو اس طرح ایک غالب ہستی تمہارے اوپر بھی ہے جو تمہیں غلطی پر پکڑے گی۔ حکیم بھی ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہے تمہیں بھی حکمت سے اورسوچ سمجھ کر کام لینا چاہیئے۔

۲۲۲۔ **تَنکحوا**۔تم نکاح کرو۔ **تُنکحوا**۔تم نکاح میں دو۔تم بیاہو گے۔**لاتُنکحوا المشرکین** میں ولی کی طرف اشارہ ہے۔ولی کا فرض ہے کہ وہ مسلمان بچیوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کروائیں۔ جنگ میں مشرک عورتیں بطور قیدی آئیں اس لئے ان سے نکاح کا سوال پیدا ہوا۔جس اسلامی معاشرے کو آنحضرتﷺ قائم کرنا چاہتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ ہر مسلمان گھرانے سے اس کی ابتدا ہوتی۔اس میں میاں بیوی کی ذہنی ہم آہنگی نہایت ضروری ہے اگر مختلف الخیال ہوں تو ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا فطری عمل ہے۔ لہٰذا مشرکوں سے نکاح کو روک دیا۔تا ان کے شرک کا اثر خود پر، اولاد، خاندان، معاشرے اور آئندہ نسلوں پر نہ پڑے۔فرمایا خواہ وہ ایک دوسرے کو کیسا ہی پسند کرتے ہوں۔اپنی اور اپنی نسلوں کی شرک سے حفاظت کے لئے ضروری ہے

قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا

تو کہدے وہ تکلیف دہ ہے پس جدا رہو عورتوں سے حیض میں اور نہ

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ

قریب جاؤ ان کے یہاں تک کہ پاک ہوجاویں وہ پھر جب صفائی حاصل کریں تو آؤ ان کے پاس

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے یقیناً اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا

اور پسند کرتا ہے صفائی حاصل کرنے والوں کو بیویاں تمہاری کھیتی ہیں تمہاری پس آؤ

کہ ان وقتی جذبات کو قربان کر دیں اور باز آ جائیں کیونکہ ان کے مشرکانہ عقائد اور رسم و رواج کی وجہ سے جن کا پرتو تم پر بھی پڑے گا،جہنم کے مستحق بن جاؤ گے جبکہ قانون خداوندی پر عمل پیرا ہو کر جنت اور مغفرت کے حقدار بنو گے،یہ جنت ایک نیک بی بی سے اسی دنیا سے شروع ہوجاتی ہے۔

مشرکوں سے نکاح کی ممانعت کرکے گویا معاشرے کو شرک سے ہمیشہ کے لئے پاک کردیا۔البتہ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے تاہم یہ اجازت استثنائی طور پر ہے پسندیدہ نہیں ۔اگر ان میں بھی شرک ہو جیسے آج کل عیسائی تین خدا مانتے ہیں تو بھی نکاح کی اجازت نہیں۔ **باذنہ** کالفظ ہمیشہ ایسی صورت میں آتا ہے کہ جب خداتعالیٰ خود سامان پیدا کر دے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین تمہارے فائدہ کے لئے خوب واضح طور پر بیان کردیئے ہیں اب اس قانونِ نکاح پر عمل پیرا ہونا تمہارا فرض ہے۔

۲۲۳۔یہاں سے اکتیسویں رکوع تک عورتوں کے مسائل یعنی حیض، طلاق اور بیوگان کے مسائل کاذکر ہے۔قرآن کریم کااصول ہے کہ جس موضوع پر بیان ہو رہا ہوتا ہے اس کے تعلق میں جو بات بھی انسانی ذہن میں آ سکتی ہے اس کو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔نکاح کا ذکر آیا تو ساتھ ہی عورتوں کے مخصوص ایام کا بھی ذکر کر دیا کہ یہ ایک ضرررساں امر ہے۔ان دنوں میں ان سے الگ رہو۔یعنی ازدواجی تعلقات قائم نہ کرو، باقی ہر طرح کے میل ملاپ کی اجازت ہے۔دیگر مذاہب کی طرح ان کو اچھوت نہ سمجھو۔البتہ ان کے لئے نمازیں معاف ہیں ، روزے بعد میں پورے کریں۔ جب وہ نہا دھو کر پاک صاف ہوجائیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے ان کے پاس جاؤ۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں **توّابین** اور **متطھّرین** میں خاص طور پر مرد مخاطب ہیں کہ تم کوئی ایسی بیہودہ حرکت نہ کرنا کہ روحانی طور پر

حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اپنی کھیتی میں جب چاہو تم اور آگے بھیجو واسطے اپنے نفسوں کے اور ڈرو اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۴﴾ وَلَا

اور جان لو کہ یقیناً تم ملنے والے ہو اس سے اور خوشخبری دے ایمان والوں کو اور نہ

ناپاک ہو جاؤ۔روحانی اورجسمانی طور پر پاک لوگ ہی **متطھّرین** میں شامل ہیں۔ اگر کبھی کوئی بھول چوک ہوئی ہے تو سچے دل سے اپنے رب کے حضور توبہ کرو۔ حقیقی توبہ خداتعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور نیا حساب شروع ہو جاتا ہے۔روحانی اورجسمانی پاکیزگی لازم وملزوم ہے۔اسلام میں ہرنماز کے لئے تازہ وضو قربِ الٰہی کا باعث ہے۔بہتر ہے کہ مسواک بھی ہو،کم ازکم جمعہ کو نہانا اور کئی دوسرے مواقع پر بھی غسل فرض ہے۔خوشبو لگانا بھی سنت ہے ۔

۲۲۴۔قرآن کریم کا کمال ہے کہ نازک سے نازک بات ایسے ڈھکے چھپے انداز میں بیان کرتا ہے کہ بچیاں تک پڑھیں تو حجاب محسوس نہ کریں جبکہ دوسری مذہبی کتب میں تحریف کی وجہ سے بعض نہایت شرمناک واقعات درج ہیں یہاں بیوی کو کھیتی کہا گویا نکاح کا اصل مقصد اولاد صالح پیدا کرنا ہے۔ جس طرح اچھی فصل کا دار و مدار کھیتی کی حفاظت اور دیکھ بھال پر ہے اس طرح بیوی کی حفاظت اچھی نسل کی ضامن ہے۔اس میں بیوی کی صحت،اس کی ضروریات اوراحساسات کا خیال،اس سے حسن سلوک ،اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا نیز بیوی کا نیک اطوار، وفادار اور بلند اخلاق کی حامل ہونا سب کچھ شامل ہے۔یہ بھی اشارہ کردیا کہ عمدہ کھیتی کی طرح عمدہ بیج بھی اعلیٰ فصل کے لئے ضروری ہے۔گویا مردوں کے اعلیٰ اخلاق،نیک اعمال اوراچھی صحت کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا تمہاری کھیتی ہے احکام الٰہی کے مطابق جب اورجیسے چاہو اپنی کھیتی کے پاس جاؤ۔اب کون ہے جو اپنی کھیتی کو خود برباد کرے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح کسان جب دیکھتا ہے کہ زمین کمزور ہوگئی تو کچھ عرصے کے لئے فصل پیدا نہیں کرتا، تاکہ طاقت پکڑ لے۔اسی طرح بیوی کی کمزور صحت کے مدنظر برتھ کنٹرول یا وقفہ کی بھی اجازت ہے۔فرمایا اپنے نفسوں کے لئے بھی کچھ آگے بھیجو۔ قرآن کریم ظاہر سے باطن کی طرف اور باطن سے ظاہر کی طرف آتا ہے چنانچہ فرمایا کہ بیشک تم ایک خوشگوار زندگی بسر کرو، لیکن تمہارا مطمحِ نظر یہ چند روزہ زندگی ہی نہ ہو کہ بیوی تمہارے سکون کا باعث ہے یا یہ اولاد تمہارا نام روشن کرے گی بلکہ اعمال صالحہ ہوں جو تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو۔ گویا ان سے ایسے تعلقات رکھو جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوں

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا
بناؤ اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کے لیے یہ کہ (نہ) نیکی کرو تم اور (نہ) تقویٰ کرو تم

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لَا
اور (نہ) اصلاح کرو تم درمیان لوگوں کے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے نہیں

يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
مواخذہ کرتا تم سے اللہ بسبب لغو کے تمہاری قسموں میں ولیکن مواخذہ کرتا ہے تم سے

اوربقول حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تمہاری اُخروی زندگی کے لئے انعامات کی ایک فصل تیار ہوجائے۔(تفسیرِ صغیر۔تفسیر زیرِآیت ھٰذا) اہل وعیال کے ذکر میں خاص طور پر تقویٰ اور آخرت میں جوابدہی کا ذکر کیا کیونکہ ان کی محبت میں بہت سی کوتاہیوں اورحق تلفیوں کا اندیشہ ہے۔ہر لحہ خداتعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گزرے۔تمہیں ہر وقت یاد ہو کہ عنقریب تم اپنے رب کے حضور حاضر ہونے والے ہو پس مومنوں کو ان کے اعمال پر خوشخبری دے دو کہ خداتعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بہترین اجر ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ مومنوں کو اپنے رب کی ملاقات کی خوشخبری دے دو۔

۲۲۵۔ **عرضة**۔ رکاوٹ۔ ڈھال۔ آڑ۔

ایسی قسمیں کھانے سے منع فرمایا جو نیک کاموں سے محروم رکھیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو آڑ نہ بناؤ کہ چونکہ میں نے قسم کھائی ہے اس لئے نیکیاں بجا لاؤں گا نہ تقویٰ اختیار کروں گا اور نہ اصلاحِ بین الناس کے معاملات میں کوئی کوشش کروں گا۔اللہ تعالیٰ تمہاری لغو باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے پس ایسی قسموں کو توڑ دو جو نیکیوں میں رکاوٹ ڈالیں۔یہ عام حکم ہے لیکن وجہ نزول یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے قریبی عزیز مسطح کی ہمیشہ مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔جب اس نے حضرت عائشہؓ پر جھوٹا الزام لگایا تو آپ نے اسے آئندہ صدقہ اور خیرات نہ دینے کی قسم کھائی۔اسلام نے بڑی سے بڑی زیادتی پر بھی حسن سلوک سے رکنے کو ناپسند فرمایا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے والد حضرت ابوبکرؓ کوئی قسم کھالیتے تو توڑا نہیں کرتے تھے۔قسم کے بارے میں اس آیت کے نزول کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ اگر میں قسم کھالوں اور پھر دیکھوں کہ اس کے خلاف کرنے میں بھلائی ہے تو اس قسم کا کفارہ ادا کرکے جو بہترراہ ہے اسے اختیار کروں گا۔(بخاری)

۲۲۶۔ **حلیم**۔ بردبار۔ جس میں اندھا غصہ نہ ہو۔

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ لِلَّذِيْنَ
بسبب اس (قسم) کے جو کمائی دلوں نے تمہارے اور اللہ بخشنے والا بُردبار ہے ان لوگوں کے لیے

يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ
جو ایلاء کرتے ہیں اپنی بیویوں سے انتظار کرنا ہے چار مہینے پھر اگر

فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ
رجوع کریں وہ تو یقیناً اللہ خوب بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور اگر ارادہ کریں طلاق کا

متصل آیت میں لغوقسموں سے منع فرمایا یہاں مزید تفصیل ہے۔واللہ ، باللہ عربوں کا تکیہ کلام تھا۔فرمایا ایسی لغوقسموں پر گرفت نہیں ،نہ کفارہ ہے،ہاں توبہ و استغفار کا حکم ہے لیکن مومن لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں(مومنون:۴)ہاں جان بوجھ کرعمداً جھوٹی قسمیں کھانا گناہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔جو دس مساکین کو متوسط کھانا کھلانا یالباس دینا ہے۔اگر استطاعت نہ ہوتو ہر مسکین کو ایک یا دوکپڑے دینا بھی احادیث سے ثابت ہے۔یا ایک غلام آزادکرنا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتو تین روزے ہیں۔ فرمایااللہ تعالیٰ بہت بردبار ہے تمہاری لغوقسموں سے درگزر فرمائے گا۔

۲۲۷۔**ایلاء**۔وہ قسم جس سے کسی کے حقوق غصب ہوں، محاورۃً بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھانا۔ **فآء۔فئی**۔لوٹ آنا۔فئی سایہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ادھرادھر جاتا ہے۔مراد رجوع کرنا۔ ایک اور لغوقسم کا ذکر کیا۔فرمایا جولوگ بیویوں سے علیحدگی کی قسم کھالیتے ہیں، انہیں تنگ کرتے ہیں اور ان کے حقوق زوجیت ادانہیں کرتے،وہ طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ چار ماہ انتظار کریں کہ شاید کوئی مفاہمت کی صورت نکل آئے۔چار ماہ بعد رجوع کرنا ہوگا یاطلاق دینی ہوگی۔ اسلام نے معلقہ رکھنے سے منع فرمایاکہ نہ طلاق دے اور نہ بیوی کے حقوق اداکرے۔اس طرح عورتوں کے حقوق کی نگہداشت فرمائی۔فرمایا خدا تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے۔صلح کی صورت میں ان کی غلطیوں سے صرف نظر فرمائے گا۔ بغیر معقول عذر بیویوں کو تنگ کرنا گناہ ہے اس فعل سے توبہ کرنی چاہیئے۔بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۲۸۔نکاح نسل انسانی کی بقا اور انسان کے لئے آرام و راحت کاموجب ہے لیکن بعض ناعاقبت اندیش انسانوں نے اسے بھی ایک دوسرے کو دکھ دینے کا ذریعہ بنالیا۔یہاں سے طلاق کا مضمون شروع ہوتاہے طلاق کے معاملہ میں یہودیت خاصی آزاد ہے جبکہ عیسائیت میں طلاق قریباً ناممکن العمل ہے۔اسی طرح دوسرے قدیم مذاہب ہندومت وغیرہ میں بھی طلاق ناممکن ہے۔اس

فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ

تو یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور مطلقہ عورتیں انتظار میں رکھیں

بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ

اپنے تئیں تین قروء (حیض) اور نہیں جائز ان کے لیے کہ چھپادیں وہ

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ

جو پیدا کیا اللہ نے رحموں میں ان کے اگر ہیں وہ ایمان رکھتیں اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ

دن آخری پر اور خاوند ان کے زیادہ حقدار ہیں واپس کرلینے کے انکو اس (عدت) میں اگر

أَرَادُوْٓا إِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪

ارادہ کریں وہ اصلاح کا اور عورتوں کیلئے ویسا ہی حق ہے جو کہ ذمہ ہے انکے مناسب طور پر

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۹﴾ اَلطَّلَاقُ

اور مردوں کیلئے ان پر درجہ ہے اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے طلاق

۲۸ ع ۷ ۱۲

افراط وتفریط کے مقابلہ میں اسلام نے میانہ روی کی راہ اپنائی اورانتہائی نامساعد حالات میں بہت سے شرائط و قواعد کے ساتھ اس کی اجازت دی۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! خدا تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔(ابوداؤد کتاب الطلاق) فرمایا اگر طلاق دینے کاپختہ ارادہ کرلیں تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے یعنی اگرعلمِ الٰہی میں مطلقہ پر زیادتی ہوئی ہے اور وہ مظلوم ہے تو اگر وہ خدا تعالیٰ سے فریاد کرے اور بددعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی فریاد اور بددعا کو سن لے گا۔فرمودہ حضرت مسیح موعودؑ (آریہ دھرم صفحہ۴۶) بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاسMTA) یہ بھی مراد ہے کہ ایک دوسرے پر بیہودہ الزام تراشیوں سے بچیں اور دونوں فریق اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں اور دعاؤں میں لگے رہیں۔وہ دعاؤں کوسننے والا ہے تمہاری کمزوریوں کوجانتاہے اور ان کی اصلاح پر بھی قادر ہے۔ عین ممکن ہے کہ ان دعاؤں کے نتیجہ میں صلح کاراستہ نکل آئے اور ایک گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔

۲۲۹۔ **ثلٰثۃ قروٓء ۔ قروٓء**۔ حالت طہر سے حالت حیض میں داخل ہونا۔

جب بے تعلقی پرچارماہ گزر جائیں تو عورت کوخلع کااورمرد کو طلاق کا حق حاصل ہے۔ یااگرفوری طورپر انہوں نے طلاق یاخلع کافیصلہ کرلیا۔ دونوں صورتوں میں عورت کو رجوع کی امید کے لئے یا نکاح ثانی کے لئے تین بارحیض آنے تک خود کو روکنا ہوگا۔ اگر انہیں خداتعالیٰ اوریوم

مَرَّتٰنِ ۪ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِإِحْسَانٍ ؕ وَ

دو دفعہ ہوتی ہے پھر روک لینا ہے (عورت کو) مناسب طور پر یا (اُسے) رخصت کرنا ہے ساتھ احسان کے اور

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّآ

نہیں جائز تمہارے لیے کہ لے لو تم اس سے جو دے چکے ہو تم ان کو کچھ بھی مگر

أَنْ يَّخَافَآ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا

یہ کہ وہ دونوں ڈریں یہ کہ نہیں قائم رکھیں گے وہ حدیں اللہ کی پس اگر ڈرو تم بھی کہ نہ قائم رکھیں گے وہ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ

حدیں اللہ کی تو نہیں کوئی گناہ ان دونوں پر اس (مال) میں کہ فدیہ کے طور پر دیا اس عورت نے جسے ۔ یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

حدیں ہیں اللہ کی پس نہ تجاوز کرو ان سے اور جو تجاوز کریگا حدوں سے اللہ کی

فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ

تو یہ لوگ ہی ظالم ہیں پھر اگر (تیسری دفعہ) دیدو طلاق اُسے تو نہیں جائز وہ عورت اس مرد کیلئے

آخر پر ایمان ہے تو انہیں جائزنہیں کہ وہ اپنا حاملہ ہونا چھپائیں یعنی ان کا حمل کو چھپانا اتنا بڑا گناہ ہے گویا انہیں اللہ پر ایمان نہیں اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ جو یوم آخر کو پوچھا جائے گا۔ کیونکہ عورت کے حمل کا علم ہونا بھی بعض دفعہ صلح کا باعث ہوتاہے۔حمل کی صورت میں عدت وضع حمل ہوگی۔ اس مدت میں اگر ان کا باہمی اصلاح کا ارادہ ہوتو مرد بیوی کو دوبارہ زوجیت میں لینے کازیادہ حقدار ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہوپہلے تعلقات قائم رہیں ۔عورت کے لواحقین روک نہ بنیں۔فرمایا جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق و ذمہ داریاں ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں یعنی ادائیگی حقوق میں دونوں برابر ہیں۔یہ مساوات کا درس صرف اسلام نے دیا البتہ مرد کویہ فضیلت ہے کہ اسے عدت کی ضرورت نہیں کیونکہ عدت حمل یا امکان حمل کی وجہ سے یا اس لئے ہے کہ صلح کی صورت پیدا ہو اگر حاملہ بیوہ عدت کے پہلے دن ہی بچہ جن لے تو عدت ساکت ہو جائے گی خواہ ابھی خاوند کاجنازہ پڑا ہو۔باوجودمساوات کے مردوں کو ان پر ایک قسم کی فوقیت حاصل ہے نیز انتظامی امور میں بھی فضیلت ہے کیونکہ اسلامی قانون میں بیوی بچوں کا نان ونفقہ اور ہر ذمہ داری مرد پر ہے حقیقتاً تو اس میں بھی عورت کی ہی طرف داری ہے۔غرض اگر تمہیں بیوی پر کوئی فوقیت دی تو یاد رکھو خدا تعالیٰ تم پر غالب ہے وہ تمہاری ناجائز زیادتی پر پکڑ سکتاہے۔حکیم بھی ہے اس کے تمام احکامات حکمت کے تحت ہیں۔

۲۳۰۔۲۳۱۔ **تسریح ۔ سرح** ۔اونٹ کوچرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا۔عقدہ نکاح سے

بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

بعد میں یہاں تک کہ وہ نکاح کرے ایک خاوند سے اس کے سوا پھر اگر وہ مرد طلاق دیدے اسے تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ

ان (پہلے میاں بیوی) پر کہ لوٹ آویں ایک دوسرے کی طرف اگر خیال کریں وہ کہ وہ قائم کریں گے حدیں اللہ کی

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا

اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ کھول کر بیان کرتا ہے انہیں ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں اور جب

آزاد کرنا۔ رخصت کرنا۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے آنحضرتﷺ نے فرمایا! تم میں بہتر وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہو(ترمذی کتاب النکاح باب حق المراء علی زوجھا۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ) نیز فرمایا جو عورت کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ طلاق صرف ایک امرِ مجبوری کا نام ہے خاص طور پر جب بچے بھی ہوں کیونکہ والدین کی علیحدگی سے بچوں کی تربیت پر نہایت برا اثر پڑتا ہے۔ اسلام نے طلاق کے لئے کوئی خاص وجہ نہیں رکھی۔میاں بیوی کی بدچلنی وغیرہ تو بڑی وجہ ہے۔ مزاجوں کا ناموافق ہونا بھی ایک وجہ ہوسکتی ہے۔اسی طرح اگر بیوی کو شوہر کی دوسری شادی ناقابل برداشت ہوتو وہ اس بنا پر بھی خلع لے سکتی ہے۔اگرکوئی مرد یہ شرط لگائے کہ اگر فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے تو اس کام کے کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

فرمایا طلاق دو دفعہ ہے۔ اس سے مراد طلاق رجعی ہے جس میں مرد کو رجوع کا حق ہے۔ طلاق حالت طُہر میں دے یعنی ایام حیض کے بعد بیوی سے مباشرت کئے بغیر طلاق دے جو ایک طلاق شمار ہوگی حضرت ابن عمرؓ نے حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرتﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور رجوع کا حکم دیا۔طُہر سے ہی عدت شمار ہوگی۔جو تین طُہر یا تین حیض ہے۔ عدت میں بیوی کو گھر سے نہ نکالے ،حسن سلوک کرے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ قریباً تین ماہ اکٹھے رہنے سے وقتی رنجش اور غلط فہمی دور ہوجانے کا امکان ہے اور رجوع کے مواقع ہیں،جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔البتہ بیوہ کی عدت سوا چار ماہ ہے۔ رخصتی سے قبل منکوحہ کو طلاق کی صورت میں عدت نہیں۔اگر طلاق کے بعد تین ماہ کے اندر رجوع کرلیا تو نکاح کی ضرورت نہیں البتہ ایک طلاق واقع ہوگئی اسی طرح اگر بغیر رجوع عدت کے تین ماہ گزر گئے تو ایک

طلاق رجعی واقع ہوگی۔اب جب بھی ان میں موافقت ہو جائے اور صلح کرنا چاہیں تو نکاح ہو سکتا ہے۔ اگر پھر ناموافق حالات کے پیش آنے پر طلاق دے دی اور عدت میں رجوع ہوا یا عدت کے بعد نکاح ہوا تو یہ آخری نکاح ہوگا۔گویا نکاح تین دفعہ سے زیادہ نہیں۔اگر تیسری دفعہ پھر طلاق دے دی تو یہ آخری طلاق یعنی بائن ہو گی اور اسی وقت علیحدگی ہو جائے گی۔اب عدت کے اندر رجوع یاعدت کے بعد نکاح نہیں ہوسکتا۔وہ عورت اس مرد پر حرام ہے۔ اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ کسی وجہ سے طلاق دے دے تو خاوند اوّل سے نکاح جائز ہے اگر انہیں یقین ہوکہ حدود اللہ کو قائم رکھ سکیں گے لیکن اگر خاوند دوئم خاوند اوّل کی خاطر طلاق دے تو یہ حلالہ ہے اور حرام ہے۔یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسے اسلام نے ختم کیا۔اس کا مرتکب زانی کی طرح سزا کا مستوجب ہے۔اسی طرح تین طلاقیں اکٹھی دے کر بعد عدت نکاح کرنے کو آنحضرتﷺ نے کتاب اللہ سے تمسخر قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کرکہ لوگوں نے تین طلاقیں اکٹھی دینی شروع کر دی ہیں جو کتاب اللہ سے تمسخر ہے۔ تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دے دیا جو بطور سزا تھا، اسی طرح ہر ماہ ایک طلاق بھی قرآن کریم سے ثابت نہیں۔

طلاق کے ساتھ ہی حسن سلوک اور احسان کو لازم کیا۔عورت کو اس کے حق سے زیادہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کرنا صحابہؓ سے ثابت ہے جنہوں نے طلاق دیتے وقت دس دس ہزار روپیہ تک بطور تحفہ دیا۔خاوند جو کچھ طلاق سے پہلے دے چکا ہے ہرگز واپس لینے کا مجاز نہیں خواہ زیور ہو یا جائیداد یا کچھ اور۔ حق مہر اگر ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کر دے۔سوائے اس صورت کے کہ عورت خود طلاق یعنی خلع لینا چاہتی ہے۔ایسی صورت میں عورت کو اپنے کچھ حقوق چھوڑنے ہوں گے یعنی حق مہر یا خاوند کا کوئی قیمتی تحفہ واپس کرنا ہوگا اور خاوند کو واپس لینے کا حق ہے۔اسلام نے عورت کی عزتِ نفس اور وقار کے پیش نظر اسے خلع کا حق دیا تاہم حکام اور دونوں خاندانوں کے سربراہوں کا فرض ہے کہ صلح کی کوشش کریں اور طلاق کی صورت میں انصاف کریں۔ **تاخذوا** سے مراد خاوند اور **خفتم** سے مراد حکام ہیں گویا اگر عورت خلع چاہتی ہے تو اسے حکام کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یا قضا کی طرف۔ فرمایا یہ خدائی حدود ہیں۔ان حدود سے آگے نہ بڑھو۔گویا ان شرعی طرائق کے علاوہ جوطریق بھی اختیار کیا جائے گا وہ ظلم اور زیادتی ہوگا۔

۲۳۲۔طلاق رجعی کی اہمیت کے مدنظر اسے پھر دہرایا کہ جب عدت ختم ہونے کو ہو تو یا انہیں عمدگی سے روکو یا مناسب طریق سے رخصت کر دو۔اسلام میں ایذا دہی کے لئے روکنے کی

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

طلاق دیدو تم عورتوں کو پھر پہنچنے لگیں وہ اپنی میعاد کو تو روک لو ان کو مناسب طور پر

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ

یا رخصت کرو ان کو مناسب طور پر اور نہ روکو ان کو نقصان پہنچانے کیلئے تاکہ زیادتی کرو تم

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ

اور جو کرے گا ایسا تو یقیناً ظلم کیا اس نے اپنے نفس پر اور نہ بناؤ احکام کو

اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

اللہ کے ہنسی اور یاد کرو نعمت اللہ کی اپنے پر اور جو اتارا ہے

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

اس (اللہ) نے تم پر یعنی کتاب اور حکمت وہ وعظ کرتا ہے تم کو اسکے ذریعہ اور ڈرو اللہ سے اور

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

جان لو یقیناً اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے اور جب طلاق دو تم عورتوں کو

اجازت نہیں۔ورنہ وہ اپنی جان پر ہی ظلم کرنے والا ہوگا۔خدائی احکام کا تمسخر نہ اڑاؤ ، فرمایا اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے۔اللہ کی تو ہر نعمت کا شکر ہے۔یہاں خاص طور پر کون سی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ سیاق و سباق سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک انسان کے بیوی بچے اللہ کا خاص انعام و احسان ہیں۔پس اللہ کی اس نعمت کا شکر کرو اور معمولی معمولی باتوں پر ان رشتوں کو نہ توڑو۔اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت کے ذریعہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔اسی سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

۲۳۳۔**تعضلوا۔عضل**۔عضلاً۔ پٹھے۔سختی ۔سختی سے روکنا۔**تعضلوا**۔تم روکتے ہو۔

فرمایا جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں اپنے ہونے والے خاوند کے ساتھ یا سابق خاوندوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو ،اگر وہ مناسب طور پر باہم رضا مند ہوں۔اکثر لواحقین یا سابق شوہر ،عورت کے نکاحِ ثانی کو اپنی عزت اور انا کا مسئلہ بنالیتے ہیں اور ہرطرح سے روکیں ڈالتے ہیں۔اس سے سختی سے منع فرمایا۔اگر مطلقہ یا بیوہ کے نکاح میں ولی رضامند نہ ہوں تو اسے قاضی سے اجازت لے کر نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ میاں بیوی کے اختلافات میں اکثر الزام تراشیاں کی جاتی ہیں اور نصیحت کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ یہ نصیحت ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہیں اور

فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

پھر پہنچ جاویں وہ اپنی میعاد کو تو نہ روکو ان کو کہ نکاح کریں وہ اپنے خاوندوں سے

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

جبکہ وہ راضی ہو جاویں آپس میں مناسب طور پر یہ وہ بات ہے کہ نصیحت کی جاتی ہے اسکی اس شخص کو جو

كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ

ہے تم میں سے ایمان لاتا اللہ پر اور روز آخرت پر یہ بات برکت والی ہے تمہارے لیے

وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَالْوَالِدٰتُ

اور زیادہ پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور مائیں

يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ

دودھ پلاویں اپنی اولاد کو دو برس پورے اس مرد کیلئے جو چاہتا ہے کہ پورا کرے

الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

دودھ پلانا اور ذمہ بچے والے کے کھانا ان عورتوں کا اور کپڑا ان کا

یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں۔ فرمایا یہ طریق تمہیں زیادہ نیک اور زیادہ پاکیزہ بنانے والا ہے۔ان احکام کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا بہتر ہے۔ اس کی افادیت کا ابھی تمہیں علم نہیں۔

۲۳۴۔ **یرضعن ۔ارضاع** ۔ دودھ پلانا۔ اسی سے رضاعت ہے۔ **تسترضعوآ**۔ تم (کسی دایہ سے) دودھ پلوانا چاہو۔

طلاق یا خلع کے بعد بھی عورت کے جذبات کا خیال رکھنا صرف اسلام سے خاص ہے۔ فرمایا مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی خاص مجبوری ہو ۔ ایسی صورت میں کسی دوسری عورت کا دودھ پلانے کا حکم ہے نہ کہ گائے بھینس کا یا ڈبہ کا۔ اگر ایسا انتظام نہ ہوسکے تو پھر مجبوری ہے۔آج مغربی محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کوئی مصنوعی دودھ ماں کے دودھ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ماں کے دودھ کے ذریعہ ۱۵۰ ایسی مدافعتی قوتیں بچے کو حاصل ہوتی ہیں جو اسے جنین کی صورت رحم مادر سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔یہ دفاعی طاقتیں اسے بیماریوں کے حملوں سے بچاتی ہیں،اس کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ،اس کی دماغی اور دیگر صلاحیتوں پر بہت عمدہ اثر ڈالتی ہیں نیز نفسیاتی طور پر بچہ خود کو زیادہ محفوظ اور پرسکون محسوس کرتا ہے اور اس کے دل میں ماں کی محبت پیدا ہوتی ہے۔بچے کو دودھ پلانے کے دوران ماں اور بچے کے اخراجات اس

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

مناسب طور پر — نہیں ذمہ دار ٹھہرایا جاتا کسی نفس کو مگر اسکی وسعت کےمطابق — نہ نقصان پہنچایا جاوے ماں کو

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ

بسبب اس کے بچہ کے اور نہ بچے والے کو بسبب اس کے بچہ کے — اور متعلق وارث کے (بھی حکم ہے) مانند

ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

اسی کے — پس اگر وہ دونوں (ماں باپ) ارادہ کریں دُودھ چھڑانے کا اپنی رضامندی سے اور آپس کے مشورہ سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

تو نہیں کوئی گناہ ان پر اور اگر ارادہ کرو تم کہ دُودھ پلواؤ اپنی اولاد کو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَ

تو نہیں کوئی گناہ تم پر جبکہ دے دو تم جو دینا کیا تم نے مناسب طور پر اور

مرد کے ذمہ ہوں گے جس کا وہ بچہ ہے۔یہاں مراد نوکروں والا روٹی کپڑا نہیں بلکہ معروف کالفظ لگایا کہ جیسا مناسب طور پر ہوتا ہے۔ البتہ طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی۔فرمایا بچے کی وجہ سے ماں کو تکلیف دی جائے نہ باپ کو یعنی بچے کو ایک دوسرے پر دباؤ کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ باپ نہ ہونے کی صورت میں تمام ذمہ داریاں باپ کے ورثاء پر ہوں گی خواہ انہیں ترکہ ملا ہو یا نہ۔ اگر دونوں باہم رضامندی اورمشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو کوئی گناہ نہیں۔ یعنی کوئی حرج نہیں۔ طلاق کے بعد بھی عورت کی رضامندی اور مشورہ کو اتنی اہمیت دی اور اس کے جذبات کا خیال رکھا تو بطور بیوی رضامندی اور مشورہ کا حق کس قدر ہوگا۔اگر تم دونوں کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ وہ معاوضہ جو تم نے اسے دینا طے کیا ہے، مناسب طور پر ادا کردو۔ مسئلہ کوئی بھی ہو جہاد کا یا تمدن و معاشرت کا تقویٰ کو ہی مدنظر رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے، امام مجاہد سے مروی ہے کہ دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔دودھ پلانے سے جو رشتوں کی حرمت پیدا ہوتی ہے یہ اس کی میعاد ہے گویا ضمناً اشارہ ہے کہ دو سال سے زیادہ عمر کے بچے کو دودھ پلانے سے حرمت پیدا نہیں ہوگی کیونکہ اس عمر میں بچے ٹھوس غذا کھاتے ہیں۔ماں کا دودھ بہت کم رہ جاتا ہے۔اس پر مدار نہیں ہوتا۔دوسری جگہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔(سورۃ الاحقاف آیت:۱۶) کیونکہ کم ازکم مدت حمل چھ ماہ ہے۔یہ ایک امّی نے اس وقت کہا جب کوئی اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا آج مغربی محققین اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کم ازکم مدت حمل چھ ماہ ہی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ

ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ یقیناً اللہ اُسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے اور وہ لوگ جو

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے تئیں

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ

چار مہینہ اور دس (دن) پھر جب پہنچ جاویں اپنی میعاد کو تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ

تم پر اس بات میں جو کریں وہ متعلق اپنی جانوں کے مناسب طور پر اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۵﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ

اس کی جو تم کرتے ہو خوب خبر رکھنے والا ہے اور نہیں کوئی گناہ تم پر اس بات میں کہ اشارہ کے طور پر کہی تم

(ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں! اگر عورت دودھ نہ بھی پلائے تو بھی بچہ دو سال تک ماں کی تحویل اور نگرانی میں رہے گا۔ماں اور بچے کی تمام ضروریات پوری کرنا باپ کے ذمہ ہوگا۔دوسال کے بعد بچہ کس کی تحویل میں رہے گا اس کا فیصلہ اگر باہمی مفاہمت سے نہ کرسکیں تو خلیفہِ وقت یا قاضی حالات کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ماں کا نکاح ثانی بھی بچے کو باپ کی تحویل میں دینے میں ممد ثابت ہوگا۔ کئی دوسرے عوامل بھی ہیں جن کے مدِنظر فیصلہ ہوگا۔

۲۳۵۔ **یذرون**۔ وہ چھوڑتے ہیں۔**یتربصن** ۔وہ عورتیں ضرور روکیں۔ انتظار کریں۔

جو مرد وفات پاجائیں ان کی بیویوں کی عدت عام حالات میں چار ماہ دس دن ہے کیونکہ اس عرصہ میں حمل کا علم ہو جاتا ہے۔حاملہ ہونے کی صورت میں عدت وضع حمل تک ہے۔ طلاق کی صورت میں تین طہر یا تین حیض ہے۔خود کو عدت میں روکے رکھنا سے مراد اپنے آپ کو نکاح سے روکنا اور بناؤ سنگھار سے روکنا ہے۔حدیث کے مطابق رنگین کپڑے اور زیور پہننا، مہندی، سرمہ، خوشبو اور خضاب لگانا نیز بالوں کی آرائش کرنا منع ہے۔یہ بھی ہدایت ہے کہ حتی الوسع گھر سے نہ نکلے۔ہاں اشد ضرورت کے تحت گھر سے نکلنا، سفر کرنا اور دوسری جگہ عدت گزارنا جائز ہے۔جب عدت گزر جائے تو وہ اپنے متعلق مناسب طور پر جو بھی فیصلہ کریں ،اس بارہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔یہ اس لئے کہا کہ لواحقین اور سابق شوہر اکثر عورت کے عقد ثانی کو اپنی عزت کا مسئلہ بنالیتے ہیں۔اس سے منع فرمایا بلکہ بیوہ کے نکاح کو امر معروف قرار دیا گویا ایک پسندیدہ اور قابل ستائش فعل ہے۔ **فیما فعلن** میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کے فیصلہ میں خود مختار ہیں۔**تعملون** میں

بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ
نے جو متعلق نکاح کی درخواست کے ان (بیوہ) عورتوں سے یا پوشیدہ رکھا تم نے اپنے دلوں میں جان لیا

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا
اللہ نے کہ یقیناً تم ضرور ذکر کروگے ان سے ولیکن نہ سمجھوتہ کرو تم ان سے پوشیدگی میں

اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ
بجز یہ کہ کہو تم بات مناسب اور نہ پختہ کرو تم گرہ

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
نکاح کی یہاں تک کہ پہنچ جاوے میعاد اپنے وقت کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ

يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
جانتا ہے جو دلوں میں ہے تمہارے پس ڈرو اس سے اور جان لو یقیناً اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۶﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ع ۳۰/۱۴
بہت بخشنے والا بردبار ہے نہیں کوئی گناہ تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو

پوری سوسائٹی مخاطب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے آنے کے مقاصد میں سے ایک بیوہ عورتوں کا نکاح کروانا بھی ہے۔ دراصل ہندوؤں کے ساتھ رہنے سے مسلمان بھی بیوہ عورتوں کے نکاح کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔

۲۳۶۔ **عرض۔ تعریض**۔ اشارتاً کہنا۔ **خطبة**۔ خطب سے خطبہ ہے یعنی واعظانہ کلام۔ مراد پیغامِ نکاح۔ **اکننتم** ۔ **کِنّ**۔ جس میں ایک شے کی حفاظت کی جائے۔ پناہ کی جگہ۔ پردہ ۔ چھپانا۔ جمع اکنان۔ **لولؤٌ مّکنون** (الطّور:۲۵) موتی چھپائے ہوئے۔ **بیضٌ مکنون**۔ (الصّٰفّٰت: ۵۰) **کُتُب مکنون** ۔ (الواقعۃ :۷۹) **اکننتم** ۔تم نے پوشیدہ رکھا۔ **ستذکرونھُنّ** ۔ذکر کے ایک معنی دل میں خیال کرنا کے بھی ہیں۔ تمہیں ضرور ان کا خیال آئے گا۔ **کِتٰب**۔ لکھا ہوا ۔ فرض کیا ہوا۔ مراد عدت ہے جو فرض کی گئی ۔

عدت کے دوران نکاح کا صراحتاً ذکر اور فیصلہ ناجائز ہے۔ مناسب طریق سے اشارۃً جتایا جاسکتا ہے اور جائز ہے لیکن عورت خاموش رہے۔ دونوں کا خفیہ فیصلہ کرنا کہ عدت کے بعد نکاح کریں گے قطعاً ناجائز ہے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ پس اس کی پکڑ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور حلیم ہے۔ وہ حلیم ہے تمہاری بڑی سے بڑی لغزش پر بھی صرفِ نظر فرمائے گا۔

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ
جبکہ نہ چھوا ہو تم نے انہیں یا نہ مقرر کیا ہو تم نے ان کے لیے مہر اور

مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ
فائدہ پہنچاؤ ان کو وسعت والے پر مطابق ہے اس کے اور تنگی والے پر مطابق ہے اس کے

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۷﴾ وَاِنْ
فائدہ پہنچانا ہے مناسب طور پر فرض ہے احسان کرنے والوں پر اور اگر

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ
طلاق دو تم انہیں پہلے اس کے کہ چھوؤ تم انہیں اور مقرر کر چکے ہو تم

لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ
ان کے لیے مہر تو نصف ہے اس کا جو مقرر کیا تم نے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں یا

يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا
معاف کردے وہ کہ جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی اور یہ کہ معاف کرو تم

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ
زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور نہ بھولو فضیلت کو آپس میں کی یقیناً

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۸﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ
اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے نگرانی کرو نمازوں پر اور

۲۳۷۔۲۳۸۔ **مقتر۔ قتر**۔ بخیل یا تنگدست۔ **کان الانسان قتورا** (بنی اسرائیل:۱۰۱)

اس رکوع میں بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے ان کے حقوق کے علاوہ احسان کی تاکید کی ہے۔ نکاح کے وقت حق مہر مقرر ہونا ضروری ہے لیکن تعین مہر کے بغیر بھی نکاح جائز ہے۔ اس صورت میں تعین مہر بالمثل ہوگا یعنی خاندان کے دوسرے افراد کے مہر کے مطابق۔ اگر تعین مہر کے بغیر نکاح ہوا اور بغیر رخصتی طلاق ہوگئی تو نیکو کاروں پر واجب ہے کہ حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دیں۔ صاحب وسعت اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست اپنی بساط کے مطابق تاکہ مطلقہ ہونے سے اسے جو نقصان پہنچا ہے اس کی کچھ تلافی ہو جائے۔ ایسی طلاق میں عدت نہیں۔ اگر مہر مقرر ہو گیا ہے تو اس کا نصف ادا کریں۔ سوائے اس کے کہ وہ عورتیں یا ان کے ولی معاف کردیں۔ یعنی وصول نہ کریں۔ یا مرد نرمی سے کام لے اور پورا مہر دے دے۔ **اَن تعفوا** میں مرد اور اس کے لواحقین ہیں۔ اگر وہ اپنا حق چھوڑ دیں اور پورا مہر ادا کریں۔ تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ آپس کے معاملات میں احسان کرنا نہ بھولو یعنی ہر شخص دوسرے پر احسان کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح ایک بہترین معاشرہ کی تشکیل عمل میں آئے گی۔

الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۹﴾ فَاِنْ

نماز درمیانی پر اور کھڑے ہو جاؤ واسطے اللہ کے فرمانبردار ہو کر پس اگر

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

خوف ہو تم کو تو (نماز پڑھو) پیادہ ہو کر یا سوار ہو کر پھر جب امن میں ہو تم تو یاد کرو اللہ کو

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ

جس طرح سکھایا اس نے تم کو جو نہیں تھے تم جانتے اور وہ لوگ جو

۲۳۹۔۲۴۰۔ **رجالاً** ۔ رِجل پاؤں کو کہتے ہیں۔رِجال پیدل چلنے والے۔ مرد۔ پیادے جبکہ **رَجُل** واحد مرد۔ **رکباناً** ۔رکبان راکب کی جمع ہے بمعنی سوار ،اصل بیان جہاد کا جاری تھا۔ جس میں شادی بیاہ اور طلاق وغیرہ کے مسائل ضرورتاً اور مصلحتاً آ گئے ۔نماز فجر اور عصر قضا نہیں ہوسکتیں جبکہ جنگ میں عصر قضا ہونے کا ڈر رہتا تھا۔اس لئے عصر کی خصوصاً تاکید فرمائی۔ **الصّلٰوۃ الوسطٰی** مرکزی نماز ہے۔پس عصر کے علاوہ اس سے نماز فجر بھی مراد ہے جو رات اور دن کے درمیان ہے۔اس نماز کا پڑھنا جہاد سے کم نہیں۔نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس نماز کے وقت پر نہ پڑھنے کا زیادہ احتمال ہے۔ احادیث میں نماز فجر اور عصر کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔حضرت عمارہ بن رویبہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ہرگز داخل نہ ہوگا آگ میں وہ شخص جو نماز پڑھے سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے (مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ۔رات کا وقت تھا۔آپؐ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا!تم لوگ اپنے رب کو اسی طرح بلا روک ٹوک دیکھ سکو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس شرف کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو فجر اور عصر کی نماز میں کوتاہی نہ کرو(صحیح بخاری کتاب التوحید باب وجوہ یومئذ ناضرۃ) **حافظوا** باب مفاعلہ سے ہے یعنی تم نماز کی حفاظت کرو۔اس کے اوقات و ارکان وغیرہ کا خیال رکھو اور توجہ سے ادا کرو۔ نماز تمہاری حفاظت کرے گی۔جیسا کہ فرمایا کہ نماز بے حیائی اور بدی سے روکتی ہے۔جو بندہ دن اور رات میں باربار خداتعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا،اسے غلط کاموں کا خیال تک نہیں آئے گا اور ہرگناہ سے بچے گا۔فرمایا! فرمانبردار غلام کی طرح باادب عجزو انکساری سے سوائے خدا کے ہر چیز کو بھلا کر خداتعالیٰ کے حضور کھڑے ہوجاؤ۔شادی بیاہ میں عموماً لوگ دنیوی امور میں مصروف ہوکر نماز سے لاپرواہی برتتے ہیں۔نوجوان بھی خانگی زندگی کی مصروفیات میں اکثر سستی دکھاتے ہیں۔اس لئے جہاد اور شادی بیاہ کے مسائل میں نماز کی محافظت کا خصوصاً ذکر کیا کہ تمہارا مطمح نظر اپنے رب کی عبادت و فرماں برداری ہو اور دنیوی مشاغل تمہیں اس

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

وفات دیئے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں وصیت کرنا ہے واسطے اپنی بیویوں کے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

فائدہ پہنچانے کی ایک سال تک بغیر نکالنے کے پھر اگر خود نکل جاویں تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ

تم پر اس بات میں جو کریں وہ متعلق اپنے مناسب طور پر اور اللہ

سے لاپرواہ نہ کردیں۔نماز ہر حال میں ادا کرنی ہے۔یہاں صلوٰۃ خوف سے بھی خطرناک حالات کا سامنا ہے یعنی اگر حالت جنگ میں یا کسی اور وجہ سے خوف ہو تو پیدل یا سواری پر جس طرح ممکن ہو ادا کرو۔نماز ہرگز ترک نہیں ہوگی ہاں امن میں اسی طرح پڑھو جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے۔اگر ممکن ہو تو سواری سے اتر کر پڑھنا بہتر ہے۔مجبوری سے ہر طرح جائز ہے۔ متعدد احادیث میں نماز کی محافظت کی تاکید ہے۔حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے۔پس جس شخص نے ان نمازوں کے لئے اچھی طرح وضو کیا،وقت پر ان کو پڑھا ،رکوع کو خوبی کے ساتھ اور نماز کو حضورِقلب سے ادا کیا،اس کے لئے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جو ایسا نہ کرے اس کے لئے خدا تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں۔وہ چاہے اس کو بخش دے ،چاہے عذاب دے (موطا امام مالک۔نسائی۔ابوداؤد) بیشک نماز فجر اور نماز عصر قضا نہیں ہوسکتیں۔احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔تھوڑا تھوڑا آرام بھی فرماتے عموماً نماز فجر سے قبل کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے حضرت بلالؓ آپ کو نماز فجر کی اطلاع دیتے اور اذان دیتے زندگی میں ایک موقع پر سفر کے دوران ایسا ہوا کہ نماز فجر کے وقت حضرت بلالؓ کی آنکھ لگ گئی اور سورج نکل آیا۔آپ گھبرائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا!بلال اذان دو حضرت بلالؓ نے اذان دی اور آپؐ نے نماز باجماعت پڑھائی حالانکہ سورج نکل چکا تھا اس سے ہمیں یہ فتویٰ ملتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کبھی ایسا اتفاق ہو تو جب آنکھ کھلے فوراً نماز ادا کرلینی چاہیئے ۔اس طرح عصر کا وقت نکل جائے تو مغرب کی اذان کے بعد نماز سے قبل نماز عصر ادا کرلینی چاہیئے بلکہ حدیث میں ہے کہ اگر کبھی کوئی بھولی ہوئی نماز یاد آئے تو ادا کرلینی چاہئے۔ہاں قضائے عمری کا اسلام میں کوئی تصور نہیں اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

۲۴۱۔ پھر تتمہ کے طور پر عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا کہ لوگ اپنی بیویوں کے لئے وصیت

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۱﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا

عزت والا حکمت والا ہے اور مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانا ہے مناسب طور پر فرض ہے

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۲﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

متقیوں پر اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ

عقل کرو کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور

هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟

وہ ہزاروں تھے ڈر سے موت کے پس فرمایا ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

پھر زندہ کیا ان کو یقیناً اللہ البتہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر ولیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۴﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اکثر لوگ نہیں شکر کرتے اور لڑو راہ میں اللہ کی

۳۱ ع ۱۵

کر جائیں کہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک سال تک اپنے گھروں میں رہیں خواہ وہ گھر کسی اور وارث کے حصے میں آیا ہو اور ان کو مناسب خرچہ دیا جائے یہ بطور احسان ہوگا۔ جبکہ عدت اور حمل میں بلکہ رضاعت کے دوران بھی خرچہ دینا واجب ہے۔ اگر اپنی مرضی سے جانا چاہیں تو جو بھی معروف طریق اختیار کریں ان کی مرضی۔ پھر تمہاری ذمہ داری نہیں۔ بقول امام بخاریؒ یہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے۔ وہ چاہے اس سے فائدہ اٹھائے چاہے نہ اٹھائے۔

۲۴۲۔ مطلقہ سے حسن سلوک کو پھر دہرایا۔ اوپر کی آیات سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر ان کو بھی گھروں میں رہنے کی ضرورت ہو تو رہنے دینا اور مناسب حال فائدہ پہنچانا مزید احسان ہے اور متقیوں پر حق ہے پس ان سے بے مروتی کرنی اور عدت کے فوراً بعد نکالنا تقویٰ کے خلاف ہے۔

۲۴۳۔ آیت کے عام معنی علامت اور نشان کے ہیں لیکن قرآن کریم میں کبھی خداتعالیٰ کی باتوں کو آیت کہا کبھی عذاب کو۔ یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین ہیں جو ایک متمدن زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں اور جن پر عمل کر کے بنی نوع انسان برے بھلے کی تمیز کرنے کے قابل ہوسکیں گے اور عقل سے کام لیں گے نہ کہ وقتی جذبات سے۔

۲۴۴۔ جہاد کے ضمن میں مشہور واقعہ خروج کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کو پیش آیا جب وہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۵﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ

اور جان لو کہ یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے وہ شخص جو قرض دے

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ

اللہ کو قرضہ اچھا تو وہ بڑھا دے گا اُسے اس شخص کے لیے کئی گُنے بہت سے

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اور اللہ لیتا ہے اور بڑھاتا ہے اور طرف اس کی تم لوٹائے جاؤ گے کیا نہیں دیکھا تو نے طرف

موت کے ڈر سے مصر سے نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مرنے سے مراد فاتحانہ قوتوں کا سلب ہونا ہے۔ چارسو سال فرعون کی غلامی میں رہ کر ان میں مجاہدانہ سپرٹ ختم ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے جہاد سے انکار کیا اور خداتعالیٰ کی ناراضگی کے مورد ہوئے اور چالیس سال جنگلوں میں بھٹکتے پھرے۔ یہی قومی موت تھی یہاں تک کہ ایک بزدل نسل ختم ہو گئی اور دوسری نسل آزاد فضا میں پل کر نبی کے زیر تربیت سپاہیانہ زندگی گزار کر جوان ہوئی اور صحیح مجاہدین کی صورت میں ظاہر ہوئی اور کنعانیوں کو جہاد کے ذریعے فلسطین سے نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ یہی قومی زندگی ہے۔ قرآن کریم کا ہی کمال ہے کہ ایک آیت میں قوموں کے عروج و زوال کی داستان بتا دی اور ایک اصول بتا دیا کہ جو قوم بھی موت سے ڈرے گی وہ ضرور موت اور تباہی سے ہمکنار ہوگی۔ جس میں شجاعت و مردانگی ہوگی، وہ سرخرو ہوگی اور ابدی زندگی پائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ یہاں روحانی موت و حیات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم موت سے ڈر کر بھاگے تھے لیکن اب خود اپنے نفسوں پر موت طاری کرو یعنی گناہوں کو ترک کرو۔ اس موت کے بعد ایک نئی روحانی زندگی عطا ہوگی۔ پھر عملاً ایسا ہی ہوا جو بندوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا۔ افسوس کہ خوف کے دور ہوتے ہی ان سے پھر لغزشیں ہوئیں۔ اس لئے فرمایا کہ اکثر لوگ شکر کا حق ادا نہیں کرتے۔

۲۴۵۔ بنی اسرائیل کے واقعہ میں مسلمانوں کو سبق دینا مقصود تھا کہ جس قوم نے بھی جہاد میں بزدلی دکھائی اور موت سے ڈری وہ دنیا میں کبھی زندہ نہیں رہی۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑو، وہی تمہاری دعاؤں کو سننے والا اور تمہارے حالات سے باخبر ہے۔ وہ تمہاری کمزوریوں کو جانتا ہے۔ شرط یہی ہے کہ دشمن سے مقابلہ میں غرض مدافعانہ جنگ، اعلائے کلمۃ اللہ یا مظلوموں کی حمایت ہو، نہ کہ نفسانی اغراض۔

۲۴۶۔ **یبصُط** ۔ اصل میں **یبسط** ہے بمعنی وسعت دینا پھیلانا۔

الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا

سرداروں کی بنی اسرائیل کے بعد موسیٰ کے جبکہ کہا انہوں نے

لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ

ایک نبی کو اپنے کہ مقرر کر ہمارے لیے ایک بادشاہ کہ لڑیں ہم راہ میں اللہ کی اس نے کہا

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا

کیا ممکن ہے کہ اگر فرض کیا گیا تم پر لڑنا کہ نہ لڑو تم ۔ انہوں نے کہا

وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا

اور کیا وجہ ہے ہمارے لیے کہ نہ لڑیں ہم راہ میں اللہ کی حالانکہ یقیناً نکالے گئے ہیں ہم اپنے گھروں سے

وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا

اور اپنے بیٹوں سے پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا پھر گئے وہ سوائے تھوڑوں کے

مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

ان میں سے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا ان کو نبی نے ان کے

جہاد کے ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا گویا جانی قربانی کے ساتھ ہی مالی قربانی ہے جو جہاد میں ازبس ضروری ہے اور خدا تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کو قرض دینا اپنے مال و متاع اور تمام طاقتوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جسے وہ بہت بڑھا کر واپس کرے گا ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے انتہائی تنگدستی میں کوڑیاں خرچ کیں وہ قیصروکسریٰ کے خزانوں کے مالک ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی قلیل آمدنی میں سے دو دو اور چار چار آنہ چندہ دینے والوں کی اولادیں آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں اورکروڑوں میں چندہ دیتی ہیں۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) اس میں بندوں کو قرض حسنہ کی بھی ترغیب ہے۔گویا خدا تعالیٰ کو قرض دینا اس کے بندوں کی مالی مشکلات دورکرنا ہے۔ خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے وقت تین امور مدنظر رہنے چاہئیں۔ ا۔خوشدلی سے دے ۔۲۔ احسان نہ جتائے بلکہ اس نیکی کی توفیق پر خداتعالیٰ کا شکر گزار ہو۔ ۳۔عمدہ مال دے ۔ **یقبض ویبصط** یعنی وہ مال لیتا ہے اور بڑھاتا ہے ، کے یہ معنی بھی ہیں کہ تنگدستی اور کشائش آنی جانی چیزیں ہیں، ہوسکتا ہے کل تم پر مصیبت پڑے۔اس لئے محتاجوں کی مدد کرو۔فرمایا آخر تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور وہاں تم وہ سب کچھ پاؤ گے جو یہاں سے بھیجتے رہے۔**اضعافاً کثیرۃ** کے ساتھ۔

۲۴۷۔ **ملاء**۔لفظی معنی بھر دینا۔مراد سرداران جن کی وجہ سے مجلس میں رونق آ جاتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ

یقیناً اللہ نے ضرور مقرر کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ انہوں نے کہا کیونکر ہوسکتی ہے

لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ

اس کے لیے حکومت ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت کے بہ نسبت اس کے اور نہیں دیا گیا وہ

گویا بھر جاتی ہے۔ **ھل عسیتم** ۔کیاتم امید کرتے ہو، کیایہ ممکن ہے۔ **ما لنا** ۔محاورہ ہے کہ ہمیں کیاہوگیا ہے؟

اس رکوع میں یہ دوسرا تاریخی واقعہ ہے۔پہلا حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا تھا جس میں بنی اسرائیل کے واقعہ میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی اورنصیحت کی تھی کہ خداتعالیٰ کی راہ میں موت سے نہ ڈرنا۔یہ دوسرا واقعہ قریباً ساڑھے تین سو سال بعد کا ہے۔ قرآن کریم کے تمام قصوں میں مسلمانوں کے لئے نصیحت اور آئندہ کے لئے پیشگوئیاں ہیں کہ یہی حالات تم پر بھی آنے والے ہیں۔مختصر واقعہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے قبیلوں نے کنعان میں اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت الگ الگ ریاستیں قائم کیں۔ حضرت موسیٰؑ سے قریباً ساڑھے تین سو سال بعد مدیانی ، عمالیقی اوراہل مشرق نے جن کو قرآن کریم نے جالوت کا صفاتی نام دیا، چڑھائی کر کے کنعان کے بہت سے حصے پر قبضہ کرلیا اور بنی اسرائیل کو ملک بدر کر کے پہاڑوں پر پناہ لینے پر مجبور کیا۔مگروہاں بھی ان کو چین نہ لینے دیا۔ سرداران بنی اسرائیل نے اس زمانہ کے نبی سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کریں جس کے زیرکمان ہم اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کریں۔اس سے پہلے روحانی اورجسمانی بادشاہ ایک ہی ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو بھی اشارہ ہے کہ عنقریب خلافت اوربادشاہت الگ ہوجائے گی۔ان کا یہ جذبہ قابلِ ستائش تھا لیکن نبی نے فرمایا کہ ایسانہ ہو کہ جب جہاد فرض ہوجائے تو کمزوری دکھاؤ۔انہوں نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم جنگ سے گریز کریں جبکہ ہم پرظلم وستم ہوا، گھروں سے نکالے گئے ، اپنے بیٹوں سے جداہوئے ، **ابنـآئنا** سے مراد اہل وعیال اور خاندان بھی ہے لیکن جب جہاد فرض ہوا تو سوائے قلیل جماعت کے باقی پھر گئے۔یہ سب حالات مسلمانوں پر گزرے ، ظلم وستم ہوا ، گھروں سے نکالے گئے ، بھائی بند سے جدا ہوئے۔یہی بتانامقصود تھا کہ سوائے جنگ کے تم زندہ نہیں رہ سکتے۔پس دشمن کی طاقت سے مرعوب نہ ہونا۔

۲۴۸۔ نبی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طالوت کوتمہارا بادشاہ مقررفرمایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحقیق کے مطابق یہاں حضرت داؤدؑ کا ذکر ہے۔ قدآور ہونے

سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ

وسعت مال کی اس نے کہا یقیناً اللہ نے برگزیدہ کیا ہے اُسے تم پر اور زیادہ کیا ہے

بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اُسے وسعت علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جسے چاہتا ہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۸﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ

اور اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے اور کہا ان کو ان کے نبی نے کہ یقیناً نشان حکومت کا اس کی

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

یہ ہے کہ آوے گا تمہارے پاس تابوت جس میں سکینت ہوگی تمہارے رب کی طرف سے اور بقیہ ہوگا

کی وجہ سے آپ کا صفاتی نام طالوت تھا۔آپ آزمائشوں سے گزر کر جب نبوت کے مقام پر پہنچے تو اپنے ذاتی نام داؤد سے پکارے گئے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)سردارانِ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ وہ ہم میں سے ہوگا چونکہ حضرت داؤدؑ متمول خاندان سے نہیں تھے۔اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم بادشاہت کے زیادہ اہل اور حقدار ہیں۔ خدائی انتخاب پر یہ اعتراض ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علمی اور جسمانی لحاظ سے تم پر فضیلت دی ہے۔گویا حکمران کا صاحب علم و بصیرت اور بہادر و شجاع ہونا ازبس ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ جسے اہل سمجھتا ہے، حکمرانی عطا فرماتا ہے وہ وسیع علم والا ہے۔یہاں ہمیشہ کے لئے یہ اصول بتادیا کہ حکمران کے لئے مالدار ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

۲۴۹۔ تابوت کے معنی علاوہ صندوق کے پسلیاں اور اس کے اندر دل جگر وغیرہ کے ہیں۔ کیونکہ یہ حصۂ جسم بظاہر ایک صندوق کی مانند ہے۔اس لئے لسان العرب میں تابوت کے معنی قلب کے بھی ہیں۔ **بَقِيَّةٌ** بہترین چیز جو باقی رہنے والی ہو۔

ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ عمالقہ قوم نے وہ صندوق چھین لیا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰؑ کے بعد کے انبیاء اور بزرگوں کے تبرکات اور یادگاریں تھیں۔پھر خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ وہ صندوق عمالقہ نے خودہی یہودیوں کی سرزمین کی طرف بھیج دیا جسے طالوت نے حاصل کرلیا اور خدائی نوشتے پورے ہوئے۔حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تفسیر کبیر و صغیر تفسیر زیر آیت ھٰذا) نے استعارۃً یہ معنی بھی کئے ہیں کہ ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے دلوں کو خاص سکون و اطمینان سے بھر دے گا۔ال موسیٰؑ اور ال ہارونؑ نے جو بہترین اور باقی رہنے والی تعلیمات اپنے پیچھے چھوڑی تھیں یا ان کی اعلیٰ صفات جیسے قربانی کا

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ

اس کا جو چھوڑا خاندان موسیٰ اور خاندان ہارون نے اُٹھائے ہوں گے اُسے فرشتے یقیناً

فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ فَلَمَّا فَصَلَ

اس میں البتہ نشان ہے تمہارے لیے اگر ہو تم ایمان والے پھر جب نکلا

ع ۳۲ ۱۶

طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ

طالوت ساتھ لشکروں کے کہا اس نے یقیناً اللہ آزمانے والا ہے تمہیں بذریعہ ایک نہر کے پس جس نے

شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ

پیا اسں سے تو نہیں ہے وہ مجھ سے اور جس نے نہ چکھا اُسے تو یقیناً وہ مجھ سے ہے

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا

سوائے اس کے جس نے ایک چلو بھرا اپنے ہاتھ سے پھر پیا انہوں نے اسں سے سوائے تھوڑوں کے

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا

ان میں سے پھر جب وہ گذرا اس (نہر) سے وہ اور جو لوگ ایمان لائے تھے ساتھ اس کے کہا انہوں نے

جذبہ اور ثباتِ قدم وغیرہ ، ان کا وارث تمہیں بنا دے گا چونکہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہوگا اس لئے اپنی خاص قوتِ قدسی سے تمہیں اُن اعلیٰ اخلاق سے مزین کردے گا۔ دلوں میں سکینت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہے گویا یہ فرشتوں کا کام ہوتا ہے۔پس اگر تم مومن ہو تو یہ نشان کہ متفرق گروہوں کو متحد کر کے ایک جھنڈے کے نیچے کھڑا کردیا اور خدائی مقرب بنا دیا، بہت بڑا نشان ہے۔

۲۵۰۔ **غرفة** ۔چوبارہ ۔چُلّو کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ **فَصَلَ**۔ جدا ہوا۔ روانہ ہو۔ **يطعمهٗ**۔طعم کھانے اور پینے دونوں پر استعمال ہوتا ہے اسی سے طعام ہے۔جب طالوت اپنا لشکر لے کر جالوت کے مقابلہ کے لئے نکلے ، تو ضروری تھا کہ چھانٹی کی جاتی، کھرے اور کھوٹے الگ کئے جاتے ،لہٰذا ایک نہر کے ذریعہ ان کا امتحان ہوا۔ خدا تعالیٰ نے چندگھونٹ پانی پینے کی اجازت دی اس لئے کہ سخت پیاس میں یک دم زیادہ پانی پینا نقصان دہ ہوتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ پانی طبی نقطۂ نظر سے نقصان دہ یا زہریلا ہو جیسا کہ بعض پانی اسہال وغیرہ کے عارضہ میں مبتلا کردیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فوج لڑائی کے قابل نہیں رہ سکتی تھی لیکن اکثر نے پیٹ بھر کر پیا۔ لہٰذا طالوت کے ساتھ وہی مجاہد نہر کے پار اترے جنہوں نے چند گھونٹ پانی پیا تھا۔یہاں یہ آزمانا مقصود تھا کہ جو سپاہی معمولی پیاس برداشت نہیں کرسکتا وہ جنگ کے شدائد کس طرح برداشت کرے گا۔چنانچہ صرف تین سو کے قریب مومنین جنہوں نے صبر و اطاعت کا بہترین نمونہ دکھایا تھا

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

نہیں طاقت ہمیں آج بمقابل جالوت اور اس کے لشکروں کے کہا ان لوگوں نے جو

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ

یقین رکھتے تھے کہ ضرور وہ ملنے والے ہیں اللہ کو کہ کتنی ہیں جماعتیں تھوڑی سی غالب آئیں

فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ وَلَمَّا

جماعتوں بہت پر ساتھ حکم کے اللہ کے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنیوالوں کے اور جب

بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

وہ نکلے بمقابلہ جالوت اور اس کے لشکروں کے کہا انہوں نے اے ہمارے رب ڈال ہم پر

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

صبر اور مضبوط کر قدموں کو ہمارے اور مدد دے ہمیں بمقابل لوگوں کافروں کے

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ

پس انہوں نے بھگا دیا انہیں اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دی اُسے

طالوت کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے۔حدیث میں ہے کہ بدر والوں کی تعداد طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے مطابق تھی۔ (بخاری کتاب المغازی بروایت حضرت براءؓ) جنہوں نے نافرمانی کی اور بزدلی دکھائی انہوں نے کہا آج ہمیں جالوت اور اس کی فوجوں کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین مومنین میں شجاعت پیدا کرتا ہے اور وہ موت سے نہیں ڈرتے اس لئے جنہیں خداتعالیٰ سے ملاقات پریقین تھا اور ایمان میں پختہ تھے وہ بولے کہ خدا تعالیٰ چاہے تو کتنے تھوڑے بہتوں پرغالب آچکے ہیں لیکن شرط صبر ہے۔ اس قصہ سے غرض مسلمانوں کی ہمت بڑھانا تھی جنہیں ہمیشہ اپنے سے بہت بڑی طاقتوں سے مقابلہ رہا۔یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور مومنین کا صبر و ثبات ہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ باوجود تھوڑے ہونے کے ہمیشہ غالب رہے۔

۲۵۱۔ **برزوا**۔ براز کھلے میدان کو کہتے ہیں۔ظاہر ہونے کے معنی بھی دیتا ہے۔ **برزوا لله الواحد القهّار**o(ابراہیم:۴۹)**یوم هم بارزون**۔(المومن:۱۷)مرادمقابلے کے لئے نکلنا۔

جب مومنین جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کے لئے نکلے تو انہوں نے خداتعالیٰ سے صبر و ثابت قدمی اورکفار کے مقابلہ میں مدد کی دعا کی جو اس وقت حالات کے مطابق بہترین دعا تھی اور آج بھی بہترین دعا ہے۔

اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا

اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا اُسے جو چاہا اور اگر نہ ہو

دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ

دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بذریعہ بعض کے تو یقیناً بگڑ جاوے زمین

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ

ولیکن اللہ فضل کرنے والا ہے تمام دنیا پر یہ آیتیں اللہ کی

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۳﴾

ہم پڑھتے ہیں جنہیں تجھ پر ساتھ حق کے اور یقیناً تو البتہ رسولوں میں سے ہے

۲۵۲۔**هزموا**۔ شکست دی بھگادیا۔

جالوت ایک سرکش گروہ تھا جس نے بنی اسرائیل کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور ملک میں فساد مچاتا پھرتا تھا۔طالوت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں شکست دی۔جب جالوت کو شکست دے کر حکومت و نبوت سے نوازے گئے تو اپنے ذاتی نام داؤدؑ سے پکارے گئے۔آپ نے چالیس سال خود اورتیس سال آپ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ نے حکومت کی اور ان باغیوں کی قوت کو توڑا۔اس طرح یہود میں ایک متحدہ حکومت کی داغ بیل ڈالی۔اس کے بعد جب بھی جالوت نے سراٹھایا تو حضرت داؤدؑ نے کاری ضرب لگائی اورمقابلہ کرکے ہمیشہ کے لئے اس باغی گروہ کو اپنے زیرنگیں کرلیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو حکومت و اقتدار کے ساتھ نبوت اورحکمت سے نوازا اور جو علم چاہا عطافرمایا۔آپ بہت سے علوم سے نوازے گئے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوہے پر دسترس عطافرمائی اور زِرہ بنانے کی صنعت سکھائی۔آپ کے لئے جبال وطیورمسخر کئے گئے جو آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے(تفصیل کے لئے سورة الانبیاء :۸۰۔۸۱)اسلامی جنگوں کا زمانہ تھا اس لئے حضرت داؤدؑ کی مذہبی جنگوں کا ذکر کیا جن میں مسلمانوں کے لئے بہت سے اسباق اورخوشخبریاں تھیں۔یہ تمام حالات تم پر بھی گزرچکے ہیں بحروبر میں فساد برپا ہے۔اب جہاد فرض ہے۔ شریروں کا مقابلہ کرکے دنیا میں امن قائم کرو۔ خدا تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔ خدائی قانون ہے کہ انسانی قوت و اقتدار کو ہمیشہ ایک حد کے اندر رکھا۔جب بھی کوئی قوم ظلم و سرکشی میں حد سے بڑھی تو خدائی ہاتھ نمودار ہوا اور اکثر کسی کمزور گروہ کے ذریعہ اس کی سرکشی اور غرور و تکبر کو خاک میں ملا دیا۔تادنیا ظلم و تباہی سے بچ جائے اور امن قائم ہو۔اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ یہاں جہاد فی سبیل اللہ کو فضل کہا۔

الجزء ۳ (نصف)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ
یہ رسول ہیں فضیلت دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ
بعض ان میں سے وہ ہیں کہ خوب کلام کیا (ان سے) اللہ نے اور بلند کیا ان کے بعض کو درجوں میں اور

اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
دیں ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی کھلی باتیں اور تائید کی ہم نے اسکی

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ
ساتھ روح القدس کے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ آپس میں لڑتے وہ لوگ جو

۲۵۳۔ یہ تمام واقعات خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح اور حق ہیں۔ قرآن کریم کے قصے کہانیوں کے رنگ میں نہیں ہوتے بلکہ عبرت کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔ یا پیشین گوئیوں کے طور پر ہوتے ہیں۔ یہاں بھی بتایا کہ یہی تمام حالات تمہیں بھی پیش آنے والے ہیں اور خدائی نصرت و تائید سے تم بھی نوازے جاؤ گے اس لئے کہ تم یقیناً گروہِ مرسلین میں سے ہو۔

اس عاجزہ کی رائے میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے ستر سالہ نہایت شاندار دورِ حکومت میں مسلمانوں کے ابتدائی ستر سالہ دورِ خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھا۔ یہ دینی اور دنیوی لحاظ سے اسلام کا سنہری دور تھا۔ الٓمّٓ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ابجد کے حساب سے ا = ۱ ، ل =۳۰ اور م =۴۰ گویا مجموعہ ۷۱ ہے۔

۲۵۴۔ **بیّنۃ** ۔ دلیل ۔ روشن نشان۔ روح القدس۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اور کبھی پاک کلام کو کہتے ہیں۔

فرمایا تمام انبیاء میں درجہ اور فضیلت کے لحاظ سے فرق ہے۔ بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند فرمائے۔ یہاں کلام سے مراد کلامِ شریعت اور کتاب ہے ورنہ کلام سب نبیوں سے ہوا اور درجات بھی سب کے بلند ہوئے۔ قرآن کریم کی آیات پر تمام نشانات، م، ج، وغیرہ بعد میں ڈالے گئے ہیں۔ یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک عارفانہ نکتہ بیان فرمایا کہ اگر ”بعض“ پر ”م“ کے نشان کو مٹا دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ یہ وہ نبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ گویا تمام انبیاء سے کلام کیا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے روبرو کلام کیا جیسے حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور بعض کو بعض دوسروں سے درجات میں بلند کیا۔ چونکہ یہ مدنی سورۃ ہے اور مخاطب یہود ہیں اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی صفات کا

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ
بعد تھے ان (رسولوں) کے بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس کھلی کھلی باتیں و لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ
انہوں نے اختلاف کیا پس بعض ان میں وہ ہیں جو ایمان لائے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
چاہتا اللہ تو نہ آپس میں لڑتے ولیکن اللہ کرتا ہے جو

يُرِيْدُ ۲۵۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا ع ۳۳
چاہتا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اس سے جو

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا
دیا ہم نے تم کو پہلے اس کے کہ آوے وہ دن کہ نہیں خرید و فروخت اس میں اور نہ

خاص طور پر ذکر فرمایا کہ انہیں نشان و برہان عطا ہوئے اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی۔ حضرت عیسیٰؑ کے آنے کی غرض تورات کے احکام پر عمل کروانا تھا۔ چودہ سو سال میں یہود اسلام کی روح کو بھول چکے تھے۔ ان کی عبادتیں چند ظاہری رسوم تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ضروری تھا کہ ان ظاہری احکام کی باطنی حکمتیں بتائی جائیں۔ آج کل بھی بغیر معانی جانے اور عبادت کی اصل روح کو سمجھے بغیر نماز میں اٹھک بیٹھک کرنا کافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر نیت ہو تو نماز یا قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنا چنداں مشکل نہیں۔ عذر یہ ہوتا ہے کہ ہمیں عربی نہیں آتی۔ اگر انگلش کی موٹی موٹی ناولیں پڑھی اور سمجھی جاسکتی ہیں تو قرآن کریم کیوں نہیں سمجھا جاسکتا؟ جسے یسرنا القرآن کہا گیا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر دی اور بہت سی نشانیاں بتلائیں اس لئے فرمایا کہ ان کھلی کھلی نشانیوں کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ کوئی جھگڑا نہ رہتا اور آنحضرت ﷺ کو ماننے میں کوئی تامل نہ ہوتا لیکن آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کی آمد پر اختلافات بھی ہوئے اور جنگیں بھی۔ کوئی ایمان لایا اور کوئی نہ لایا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً اختلافات اور جنگ و جدل سے روک سکتا تھا اور آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کی صداقت کو منوا سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحب اختیار بنایا ہے مجبور نہیں بنایا۔ اسے فکر و عمل میں مکمل آزادی ہے۔ انبیاء کو بھی کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی منواتے پھریں بلکہ انہوں نے بھی دلائل و بیّنات سے سمجھانے کی کوشش کی اور اسی میں اجر ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کی بنا پر جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی رضا اسی میں تھی کہ انسان صاحب اختیار ہو۔ پس صاحبِ اختیار ہونے کی وجہ سے اختلافات بھی ہوں گے اور جھگڑے بھی ۔

خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۵﴾

دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ

اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی خدا سوائے اس کے زندہ ہے قیوم ہے نہیں پکڑتی اُسے

سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اونگھ اور نہ نیند اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا

کون ہے وہ جو سفارش کرے حضور میں اُس کے سوائے اجازت کے اُس کی وہ جانتا ہے جو

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ

آگے ہے ان کے اور جو پیچھے ہے ان کے نہیں احاطہ کرتے وہ کسی بات کا بھی

مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ

علم میں سے اس کے سوائے اسکے جو چاہا اس نے چھائی ہوئی ہے حکومت اس کی آسمانوں

وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾

اور زمین پر اور نہیں تھکاتی اُسے حفاظت ان دونوں کی اور وہ بہت بلند بہت بڑا ہے

۲۵۵۔ یہاں کافروں کے لئے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے دریغ کیااس لئے وہاں ان کے لئے نہ خرید و فروخت ہوگی کہ کچھ دے کر جان چھڑوا لیں نہ کوئی دوست اور مددگار ہوگا،اور نہ کوئی سفارش کام آئے گی۔کیونکہ یہی تجارتیں اور دنیوی محبتیں تھیں جو ان کو راہ خدا میں خرچ کرنے ۔سے روکتی رہیں ورنہ مومنوں کے لئے تو وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانوں اور مالوں کے بدلہ جنت دے دی ہے۔اِن لوگوں نے جنہیں دنیامیں خلیل و مددگار بنایا، قیامت کو انہیں، انہی کی دوستی اور سفارش نصیب ہوگی۔بیشک آنحضرت ﷺ اور نیکو کار شفاعت کے حقدار ہوں گے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی اور اجازت سے۔فرمایا ان احکام کو نہ ماننے والے اپنی جانوں پر ہی ظلم کرنے والے ہیں۔

۲۵۶۔ **الکرسی**۔علم وحکمت ۔تخت۔

اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں۔حدیث میں اس کی بڑی عظمت بیان ہوئی ہے بلکہ اسے سب سے افضل آیت کہا گیا(جامع ترمذی۔کتاب فضائل القرآن۔باب فضل سورۃ البقرہ حدیث نمبر۲۸۰۲)اور ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی تاکید کی۔اس میں اللہ تعالیٰ کی نہایت اعلیٰ صفات

کا ذکر ہے آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی دس صفات بیان کی گئی ہیں اور دس احکام مضمر ہیں۔(حافظ ابن کثیر) اور اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت کا علم دیا گیاہے نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظم الحیّ القیوم آئے ہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کیونکہ اس کی ذات جامع جمیع صفاتِ کاملہ اور ہرعیب سے منزہ ہے۔وہ الحی ہے یعنی حیاتِ حقیقی صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے وہ قیوم ہے یعنی اپنی ذات میں خود قائم ہے اور تمام چیزوں کو قائم رکھنے والا اور سہارا دینے والا ہے گویا اسی کا سہارا طلب کیا جائے۔کل کائنات اسی سے ظہور پذیر اور قائم ہے۔اس کی ترتیب و موزونیت اس صانع حقیقی کا پتہ دے رہی ہے۔

وہ بائبل کے خدا کی طرح چھ دن میں دنیا بناکرتھک نہیں گیاکہ ساتویں دن آرام کی ضرورت پیش آتی بلکہ وہ اونگھ اورنیند جیسی کمزوریوں سے پاک ہے۔اس لئے کہ اونگھ اورنیند عارضی موت کی حیثیت رکھتے ہیں۔نیند کے دوران انسان تعطل کا شکار ہوتا ہے جو کامل الصفات خدا تعالیٰ کے لئے نقص ہے۔زمین و آسمان میں سب کچھ اسی کا ہے۔وہ مالکِ کل ہے۔مالکیت کا معافی سے گہرا تعلق ہے۔مالک جسے چاہے کمزوریوں کے باوجود معاف کرے۔بس بخشش بھی اسی کے فیصلہ سے ہوگی۔کون ہے جو اس کے حکم کے بغیراس کے حضور شفاعت کرسکے یہاں تک کہ قیامت کو آنحضرت ﷺ کو بھی شفاعت کااذن ہوگا تب آپؐ سجدہ سے سر اٹھائیں گے اورشفاعت فرمائیں گے۔''**مَــن**'' کے تعلق میں اوّل آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔جن کو اجازت دی گئی۔آپؐ ہی شفاعت کرنے کے اہل ہیں۔آپؐ کوئی ایسی شفاعت نہیں کرسکتے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا نہ ہو (شفاعت کی تشریح کے لئے سورۃ طٰہٰ آیت۱۱۰تا۱۱۳) آنحضرت ﷺ کی شفاعت نہ مشرک کے حق میں ہوگی نہ ظالم کے حق میں۔شفاعت اسے پہنچے گی جس نے کسی بات میں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا۔(مسلم) آج بعض مسلمان آنحضرت ﷺ کو بعض خدائی صفات میں شریک کرتے ہیں۔مثلاً یہ کہ آپؐ نور تھے، آپؐ کا جسم نہیں تھا یا یہ کہ آپؐ کو غیب کا علم تھا۔غرض مشرک اور ظالم شفاعت سے محروم رہیں گے۔وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے اور پیچھے ہے، یعنی جو کچھ آگے ہوگا اور جو کچھ گزر چکا۔یہ بھی مراد ہے کہ جن لوگوں کو بخشنا مقصود ہے ان کا مستقبل بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ماضی بھی۔اس کے علم کا احاطہ کوئی نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ وہ خود جسے چاہے اس علم سے کچھ عطا فرمائے اس میں نیک و بد کی قید نہیں جو بھی کوشش کرے گا اس کی محنت اور استعداد کے مطابق جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا عطا کرے گا۔آج سائنس کی ایجادات **اِلَّا بِمَاشَآءَ** کے تحت ہیں۔اس کا علم اور اس کی حکومت آسمان و زمین پر محیط ہے گویا کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔آج کی سائنس

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ

نہیں زبردستی دین کے بارے میں (کیونکہ) یقیناً ظاہر ہوچکی ہے ہدایت بمقابل گمراہی کے

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ

پس جو کفر کرے گا شیطان کا اور ایمان لائے گا اللہ پر تو یقیناً اس نے پکڑا

بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ

کڑا مضبوط کہ نہیں ٹوٹنا جس کے لیے اور اللہ خوب سننے والا

عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ

خوب جاننے والا ہے اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ نکالتا ہے انہیں

اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود کائنات کی وسعت ظاہر کرنے سے معذور ہے جبکہ اس کے ماپنے کا پیمانہ روشنی کی رفتار ہے جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اور اسی رفتار سے یہ وسعت پذیر ہے۔جب سائنس کسی اندازے کے قریب پہنچتی ہے تو کائنات اور وسیع ہوجاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں کائنات کو وسعت دے رہا ہوں۔سائنس اس حقیقت کو جو چودہ سوسال پہلے بیان کی گئی اب تسلیم کرتی ہے۔پس اتنی وسیع کائنات کی حفاظت و تنظیم اسے تھکاتی نہیں۔وہ بیحد بلند شان والا اورعظمت والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے جتنی آیات بیان فرمائی ہیں اِن میں آیت الکرسی سب سے نمایاں ہے۔اس کی اہمیت و افادیت اس حدیث سے ظاہر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا !اگر کوئی شخص آیت الکرسی (دوسری جگہ اس سے اگلی دو آیات بھی ہیں)اورسورۃ المومن کی ابتدائی آیات الیہ المصیر تک صبح کے وقت پڑھے تو ان دونوں کی برکت سے شام تک حفاظتِ الٰہی میں رہتا ہے اور اگر کوئی یہ دونوں آیات شام کے وقت پڑھے تو صبح تک وہ ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا۔(جامع ترمذی)
(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ترجمۃ القرآن کی روشنی میں)

۲۵۷۔ **طاغوت**۔غی سے ہے۔حد سے بڑھنے والا۔سرکش و شیطان۔ **استمسک**۔ امساک مضبوطی سے پکڑنا۔ **عُروہ**۔عری سے ہے بمعنی عریاں۔کسی برتن کی جائے گرفت کو کہتے ہیں جو باہر کی طرف عریاں ہوتی ہے۔دستہ۔

فرمایا دین میں کوئی جبر نہیں۔مذہبی امور میں ہر طرح کی آزادی ہے۔یہ آیت ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے جو کہتے ہیں اسلام جبراور تلوار سے پھیلا۔اسلامی جنگیں دفاعی ہوتی تھیں یابطور سزا کے کہ خون کابدلہ خون، یامذہبی آزادی اور امن قائم کرنے کے لئے تھیں کہ اسلام

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ

اندھیروں سے طرف نور کی اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا دوست ان کے

الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ

شیطان ہیں وہ نکالتے ہیں انہیں نور سے طرف اندھیروں کی

اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَلَمْ ع ۳۴ ۲

یہ لوگ ساتھی ہیں آگ کے وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں کیا نہیں

تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ

دیکھا تُونے اس شخص کو جو جھگڑا ابراہیم سے بارے میں اپنے رب کے اس وجہ سے کہ دی اسے اللہ نے

لانے کے جرم میں قتل کردیئے جاتے اور گھروں سے نکال دیئے جاتے۔اسلام اپنی دلکش تعلیمات کی وجہ سے پھیلا۔اس کے پھیلنے کی وجہ اس کی ذاتی خوبیاں تھیں۔جو دین فتح یاب ہوکر بھی گرجے نہ گرانے کا اورانتہائی نرمی کا حکم دیتا ہے اس میں جبر کس طرح ہوسکتا ہے۔

فرمایا رشد و ہدایت اورگمراہی کی راہیں خوب واضح ہیں۔ رشد کی راہ پر چلنے والا مومن ،متقی اورسعید ہے جبکہ غی کی راہوں پر چلنے والے کافر ، منافق اورشقی ہیں۔پس جس نے خدائی حدبندیوں کوتوڑنے والے طاغوت اور شیطان کی بات نہ مانی ،اللہ تعالیٰ پر ایمان لایااور اس کے احکامات کی بجاآوری کی اس نے گویا ایک مضبوط جائے گرفت کو پکڑ لیاجوٹوٹنے والی نہیں گویا ایمان و اسلام عروہ ہے اور مضبوتی سے پکڑنا اس پرعمل کرنا ہے پس اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع اورعلیم کو مدِنظر رکھ کر پکارے کہ میرا ہاتھ نہ چھوٹنے پائے۔

۲۵۸۔اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہوتا ہے انہیں ہرقسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔یہاں مومنوں کے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کاخود محافظ و مددگار اور دوست ہوجاتا ہے۔یہ تاریکیاں جاہلانہ رسوم و رواج، شکوک وشبہات ، غلط عادات واعتقادات اور تکالیف و مشکلات ہیں۔جن سے نکل کر وہ نور یقین اور ہدایت و قرب کی راہوں پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ نئی روشنیاں نصیب ہوتی رہتی ہیں اور ان کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جاتے ہیں۔جبکہ کفارطاغوت کو دوست بنالیتے ہیں جو ان کو ہدایت کی روشنی سے ہٹاکر گمراہیوں کی ظلمتوں میں لے جاتا ہے اور وہ دن بدن گناہوں کے دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔وہ اصحاب النار ہوجاتے ہیں جہاں سے نکلنے کاکوئی راستہ نہیں رہتا۔ سورۃ البقرہ کی بالکل ابتدا میں آیت الکرسی اور اس کے بعد کی ان دوآیات کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔استفادہ فرمائیے۔(خلاصہ سورۃ البقرۃ)

الْمُلْكَ ۘ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۙ

سلطنت جبکہ کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي

اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے پس یقیناً اللہ لاتا ہے

بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

سورج کو مشرق سے پس لا تُو اُسے مغرب سے پس مبہوت ہوگیا

الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۲۵۹﴾ أَوْ

وہ جس نے کفر کیا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں ظالموں کو یا

۲۵۹۔ **بُهت** ۔ مبہوت ہوگیا۔ حیران ہوگیا۔ اسی سے بہتان ہے یعنی ایسا جھوٹ جس سے سننے والا حیران ہو جائے۔ اس سورۃ کا مقصد مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کرنا تھا۔ اس رکوع میں تین آیتیں ہیں اور تینوں میں احیائے موتیٰ کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے رکوع میں مسلمانوں کو بشارت دی تھی کہ وہ انہیں ایک زندہ قوم بنائے گا۔ ان مثالوں میں بتایا کہ کس طرح وہ مردہ قوموں کو زندہ کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ عراق میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بادشاہِ وقت نمرود کے خاص عہدیداروں میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی شرک سے بیزاری کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے فرمایا **کان حنیفا**۔ آپ نے کھلم کھلا شرک کی مخالفت اور تبلیغ حق میں اپنی جان کی بازی لگا دی۔ آپ کی شرک سے نفرت و بیزاری کی انتہا تھی کہ اس کفر و شرک کے گڑھ میں علی الاعلان بتوں کے سر توڑے اور کسی ڈرانے والے سے نہ ڈرے۔ اس جرم کی پاداش میں بادشاہ کے حضور پیش ہوئے اور یہ مشہورِ زمانہ مباحثہ ہوا جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب بھی کفار سے مقابلہ ہوا خواہ دلائل سے ہو یا تلوار سے فتح حق کو ہی نصیب ہوئی۔

دنیا میں جتنے بھی خدائی کے دعویدار ہوئے انہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کیا، لیکن اس کی خدائی میں کئی دیوی دیوتاؤں کو اور خود کو شریک سمجھا بلکہ خود کو خدا تعالیٰ کا ایسا نمائندہ کہا جس کی حکومت و اقتدار میں کوئی شریک ہے نہ باز پرس کا مجاز۔ بت پرست بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن بتوں کو وسیلہ قرار دیتے ہیں اور کئی دیوی دیوتاؤں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ نمرود اور اس کی قوم سورج کی پرستش کرتے تھے اور سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ بادشاہ کو خدا کا اوتار اور اس کی خدائی میں شریک سمجھتے۔ فرمایا نمرود نے اس غرور کی وجہ سے کہ خدا تعالیٰ

كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا ۚ

مانند اس شخص کی جو گذرا ایک بستی پر جبکہ وہ گری ہوئی تھی اپنی چھتوں پر

قَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ

اس نے کہا کب زندہ کرے گا اسے اللہ بعد موت کے اس کی پس موت دی اُسے

اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ

اللہ نے سو سال پھر اُٹھایا اُسے فرمایا کتنا ٹھہرا تو کہا

لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ

ٹھہرا میں ایک دن یا حصہ دن کا فرمایا (نہیں) بلکہ ٹھہرا تو سو

عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ

سال پس دیکھ طرف اپنے کھانے کی اور اپنے پینے کی نہیں سڑا وہ

نے اسے حکومت سے نوازا، ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارہ میں بحث کی۔ حضرت ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی خاص احسان تھا کہ آپ کو فن مناظرہ میں خاص صلاحیت بخشی۔ پہلا سوال یہی کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا میرا رب زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ عزت و حکومت دینا اور چھین لینا اُسی کے اختیار میں ہے۔ نمرود نے کہا میں بھی جسے چاہوں ماروں یا زندہ رکھوں، عزت دوں یا ذلیل کروں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے جب تو خدائی کا دعویدار ہے اور خاص سورج دیوتا کا نمائندہ ہے تو اپنی خدائی کا کرشمہ دکھا اور سورج کو مغرب سے نکال دے۔ تا کہ پتہ چل جائے کہ خدائی میں تجھے بھی کوئی دخل ہے۔ اس پر وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم ایسا کر کے دکھا دو کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کا تو ایسا کوئی دعویٰ نہیں تھا۔ وہ تو خدا تعالیٰ کا ایک عاجز اور فرمانبردار بندہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور طالمود کے مطابق آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ظالموں کا طریق ہے کہ جب دلائل سے قائل نہ کر سکیں تو ظلم پر اتر آتے ہیں۔ جیوری کے فیصلہ کے مطابق دس دن بعد آپ کو آگ میں پھینکا گیا آپ خدائی معجزہ سے آگ سے بچ کر کنعان کی طرف ہجرت فرما گئے۔

۲۶۰۔ **خاویة**۔ خویٰ۔ گرنا۔ **علٰی عروشھا** ۔ اپنی چھتوں پر۔ مراد عمارتوں کا تباہ ہونا **نکسو۔ کساء**۔ لباس پہنانا۔ **تبیّن لهٗ** اس پر بات کھل گئی یعنی رویاء کی تفسیر خدا نے سمجھائی تب سمجھ آئی۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے واضح کیا کہ کس طرح وہ مردہ قوموں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ بستی

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ

اور دیکھ طرف اپنے گدھے کی اور تاکہ بنادیں ہم تجھے نشان واسطے لوگوں کے اور دیکھ

اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا

طرف ہڈیوں کی کہ کس طرح کھڑا کرتے ہیں ہم انہیں پھر ہم پہناتے ہیں اس پر گوشت پس جب

تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶۰﴾ وَ

کھل گیا اُس پر اس نے کہا میں جانتا ہوں کہ یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قادر ہے اور

یروشلم تھی جس کی بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کو جو اس وقت حکمران تھے اورجن میں حزقیل نبی بھی تھے قیدی بنا کرلے گیا۔ حزقیل نبی جب اس ویران بستی سے گزرے تو اپنے معبداورگھروں کو برباد دیکھ کر اپنے خدا سے دعا و فریاد کی کہ خدایا یہ کب آباد ہوگی۔خدا تعالیٰ نے انہیں رویاء میں سو (۱۰۰) سال کی موت دی جس میں اشارہ تھاکہ تیری قومی موت سوسال ہوگی۔عربی میں موت اورنیند دونوں کے لئے موت کا لفظ آتا ہے۔وہ موت جس میں روح واپس آجائے نیند ہے۔ جس میں واپس نہ آئے موت ہے۔ سوکراٹھنے کی دعا میں بھی **الحمد لله الذی احیانا بعد ماأماتنا** ط کہا۔ چنانچہ سترسال بعد اپنی سرزمین میں واپس لوٹے اورتیس سال اس کی آبادکاری میں لگے۔اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ توکتنی دیر اس حالت میں رہا۔نبی نے فرمایا کہ دن یا دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا کہ کشفی طورپر تو تجھے سوسال کے مرنے کانظارہ دکھایا لیکن حقیقت یہی ہے کہ تیرا کھانا پینا بھی خراب نہیں ہوا اور گدھا بھی موجود ہے فرمایا ایسا ہم نے اس لئے کیاکہ تجھے لوگوں کے لئے نشان بنائیں۔یہ نشان آپ کی پیشگوئیاں تھیں جن میں ۱۰۰ سال کے واقعات تھے جو آپ کو رویاء میں دکھائے گئے اورلوگوں کے لئے نشان بنے ۔حزقیل نبی کی بعض پیشگوئیاں اس زمانے میں بھی پوری ہوئیں۔ فرمایا تم مردہ اقوام کی زندگی پر حیران ہوتو کیا تم نے انسانی پیدائش پر غورنہیں کیاکہ کس طرح ہم ہڈیوں کو جوڑتے ہیں اورپھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں پھر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیتے ہیں۔انسانی پیدائش میں دوسری جگہ یہی الفاظ آئے ہیں۔**فکسونا العظام لحما** (المومنون:۱۵) جب یہ خوشخبری مل گئی تو نبی نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔یہ سارا قصہ تفصیل کے ساتھ حزقیل نبی کی کتاب باب ۳۷ میں درج ہے قرآن کریم نے بائبل کے لمبے چوڑے قصوں کو چندالفاظ میں بیان کیا۔غیرضروری تفصیل اور غلط واقعات کو چھوڑکر ان صحیح واقعات کو شامل کیاجو بائبل میں موجودنہیں ، چنانچہ بائبل میں سوسال

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ قَالَ اَوَ

جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے دکھا مجھے کس طرح تو زندہ کریگا مُردوں کو فرمایا کیا

لَمْ تُؤْمِنْ ۚ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ۚ قَالَ

نہیں ایمان لایا تو کہا کیوں نہیں ولیکن تاکہ مطمئن ہو دل میرا فرمایا

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

پس لے چار پرندے پھر ہلالے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ

ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک پھر بُلا انہیں آویں گے تیرے پاس

سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ ۳۵ ع ۳

دوڑ کر اور جان لے کہ یقیناً اللہ عزت والا حکمت والا ہے مثال ان لوگوں کی جو

کا ذکرنہیں حالانکہ یہی خوشخبری تھی۔اس میں آئندہ کے لئے بھی پیشگوئیاں ہیں۔عیسائیوں نے قریباً سوسال تک صلیبی جنگوں میں یروشلم پر قبضہ رکھا پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا گویا یہ بھی قومی موت وحیات تھی۔اب بھی خدا کرے اسی عرصہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

۲۶۱۔ **صُر**۔ ہلالینا۔مانوس کرنا۔

اس رکوع میں احیائے موتی کے سلسلہ کی یہ تیسری آیت ہے۔ پہلی میں حضرت ابراہیمؑ کی نمرود سے اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔دوسری میں بنی اسرائیل کی تاریخ سے احیائے موتی کا ثبوت دیا۔ اب حضرت ابراہیمؑ خود احیائے موتی کی کیفیت جاننا چاہتے ہیں کہ جو کام اقوام عالم میں زندگی کی روح پھونکنے کا اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا ان کے سپرد ہوا ہے وہ کیونکر ہوگا جبکہ قوم قعرمذلت میں گری ہوئی ہے اور وہ خودضعیف و کمزور ہو چکے ہیں۔ انہیں شک نہیں، لیکن اطمینان چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ چار پرندے لے کر خود سے ہلا لو۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو اور انہیں آواز دوتو دیکھوکس طرح تمہاری طرف تیزی سے بھاگے چلے آئیں گے۔ مثال کا مقصد یہ تھاکہ جب انسانوں کی تھوڑی سے محنت اور تربیت سے پرندے پہاڑوں سے اُڑتے چلے آتے ہیں تو جب تو بندوں کی صحیح تربیت کرے گا اور انہیں ہدایت دے گا تو وہ کیوں تیری بات نہیں سنیں گے۔اسی طرح مخلوق کو خالق سے ایک کشش ہے اور وہ خدائی آواز پرخواہ اس کے فرستادہ کی ہی ہو دوڑی چلی آتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاسMTAمیں) فرماتے ہیں کہ قیامت کوبھی روحیں اسی روحانی

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
خرچ کرتے ہیں مال اپنے راہ میں اللہ کی مانند مثال ایک دانہ کی ہے

اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ
جس نے اُگائے سات سٹے ہر سٹہ میں سو دانہ ہے

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۲﴾
اور اللہ بڑھاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے

کشش کی وجہ سے جو ان کے خمیر میں ہے اپنے خالق کی طرف کھنچی چلی آئیں گی۔ اس میں داعی الی اللہ کے لئے بھی ہدایات ہیں کہ پہلے اپنے ساتھ مانوس کریں اور اخلاق حسنہ سے تعلقات پیدا کریں پھر خدا تعالیٰ کی طرف بلائیں۔انشاء اللہ آپ کی طرف دوڑے چلے آئیں گے۔اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے ایک کشف کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کی روحانی اولاد چار دفعہ قومی موت و حیات سے گزرے گی۔ چنانچہ پہلی دفعہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں پھر حضرت عیسیٰؑ کے اور پھر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آخر میں مسیح و مہدیؑ کے زمانے میں زندگی کی روح ان میں پھونکی گئی اور اللہ تعالیٰ کا غالب اور حکیم ہونا ظاہر ہوا۔

۲۶۲۔ **سنبلة۔ سنبل** ۔خوشہ جمع **سنابل**۔

احیائے موتٰی کے بعد جہاد کا ذکر ضروری تھا جو اصل موضوع ہے اور مردہ قوموں کی حیات نو کا سبب ہے جس نے انہیں غلامی کی دلدل سے نکال کر آزادی کی روح پرور فضا میں لاکھڑا کیا۔ جنگی ضروریات کے لئے مال کی ضرورت تھی اس لئے باربار تاکید فرمائی۔اگلے تین رکوع تک یہی ذکر ہے۔خرچ جہاد کے لئے ہو یااشاعتِ دین کے لئے ، رفاہِ عامہ کے لئے ہو یاغرباء اور عزیزو اقارب کے لئے اگر مقصود رضائے الٰہی ہے تو وہ خداتعالیٰ کی راہ میں ہی شمار ہوگا۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے اموال میں اللہ تعالیٰ بے حد برکت ڈال دیتاہے۔اس دانے کی طرح جس سے سات خوشے پھوٹیں اور ہر خوشے سے سو دانے نکلیں۔ گویا سات سو گنا تک ان کے اموال بڑھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس سے بھی زیادہ برکت ڈال دیتاہے۔ صحابہؓ کی زندگی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔غرض جو بیج خدا تعالیٰ کی راہ میں ڈالا جائے بظاہر مٹی میں مل کر ضائع ہوتا نظر آتا ہے مگر ضائع نہیں ہوتا بلکہ بے حساب پھل دیتاہے۔اس سے زراعت والے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ وہ ایک دانہ سے سات سوگنا بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس سے بھی زیادہ

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا
وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ میں اللہ کی پھر نہیں

يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ
بعد میں کرتے اس کے جو خرچ کیا انہوں نے احسان جتانا اور نہ تکلیف دینا ان کے لیے اجر ہے ان کا

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۳﴾
پاس ان کے رب کے اور نہ خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ
بات مناسب اور بخش دینا بہتر ہے اس صدقہ سے کہ بعد میں ہو جس کے

پیداوار حاصل کرسکتے ہیں اور مخلوقِ خدا بھوکی نہیں مرسکتی۔ کائنات پرغور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دانے پر کیا منحصر ہے۔ہر چیز وسعت پذیر ہے اور اسی سے اس کی بقاہے۔ سبحان اللہ! یہ ایک امّی کی زبان سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا جس کو اِس دور کے سائنسدان سمجھے ہیں لیکن وسعت کا صحیح اندازہ کرنے سے ابھی تک قاصر ہیں اس کا صحیح علم خدا تعالیٰ کو ہی ہے۔

۲۶۳۔ **منّا۔ منّ۔ المنّة** ۔ بھاری نعمت۔احسان۔ گویا اس کے بوجھ کے نیچے دب گیا۔ **فمن اللّٰہ علیکم**۔ (النساء:۹۵) اسی سے منّ مشہور وزن ہے کبھی احسان جتانے کا مفہوم دیتاہے جیسے **یمنون علیک ان اسلموا** ۔ (الحجرات:۱۸) یعنی وہ اسلام لانے کا تم پر احسان جتاتے ہیں۔ یہاں بھی احسان جتانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں اور صدقہ و خیرات دینے والوں سے اللہ تعالیٰ خوف وحزن دورکر دیتاہے۔اس لئے کہ ان کا عمل محض خوشنودیٔ خدا کے لئے ہوتاہے چونکہ وہ اپنے مال کو خدا تعالیٰ ہی کا مال سمجھتے ہیں اس لئے کسی کو کچھ دے کر احسان جتانے یا دکھ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔احسان جتانے کامطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے لئے قربانی نہیں کی بلکہ کسی خاص شخص یااشخاص پر احسان کیا ہے حالانکہ وہ تو خدا تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے اس نیکی کی توفیق دی۔اسی لئے کسی سے اس ضمن میں شکریہ تک کے روادار نہیں ہوتے۔ کسی پر کچھ خرچ کرکے اسے جتانا بھی دکھ دیناہے لیکن اگر کسی سے اس کی وجہ سے کوئی کام وغیرہ بھی لیں کہ ہم نے مصیبت کے وقت تمہاری مدد کی یا کسی اور طرح ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور اپنی مالی قربانی کو ضائع کرنا ہے۔

۲۶۴۔ فرمایا اچھی بات کہنا اورمعاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ

أَذًى ۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تکلیف دینا اور اللہ بے پرواہ بُردبار ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ
تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ
برباد کرو اپنے صدقے بسبب احسان جتانے اور تکلیف دینے کے مانند اس شخص کی جو خرچ کرتا ہے
مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
مال اپنا دکھانے کیلئے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا اللہ پر اور روز
الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ
آخر پر پھر مثال اسکی مانند مثال کے ہے ایک چٹان کی جس پر مٹی ہو پھر پہنچے اُسے
وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا
بارش پس کر چھوڑے اُسے صاف کر نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر بھی اس سے جو
كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾ وَمَثَلُ
کمائی تھی انہوں نے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں کافروں کو اور مثال

دیا جائے۔ جیسا کہ دیہاتوں میں بعض زمیندار کمیوں وغیرہ کو صدقہ ، خیرات اور زکوۃ وغیرہ دے کر ساری عمر احسان جتاتے اور بیگار لیتے ہیں۔ فرمایا اس صدقہ سے تو بہتر ہے کہ کوئی اچھی بات ہی کہہ دو یا ہمدردی کے دو بول ہی بول دو یا اچھے طریقے سے معذرت کر دو اور دوسروں کی پردہ پوشی کرو۔ایسا نہ ہو کہ کچھ دے کر لوگوں میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو کہ یہ ہم سے مانگنے آیا تھا اس طرح کسی کی عزتِ نفس کو مجروح کرو۔نہ دے سکنے کی صورت میں اپنے اور سائل دونوں کے لئے دعا اور استغفار کی ضرورت ہے۔ اپنے لئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور سائل کے لئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات دور فرمائے۔اللہ تعالیٰ غنی ہے یعنی تمہارے صدقہ وخیرات سے بے نیاز ہے۔دینے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔حلیم اور بردبار ہے یعنی نہ دینے پر بھی فوری نہیں پکڑتا اور معاف کر دیتا ہے انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو اپنائے اور دعا سے اس کی توفیق مانگے۔

۲۶۵۔ **صفوان** ۔**صفا** ۔صاف وچکنا پتھر۔چٹان ۔**وابل**۔ موٹے قطروں والی زوردار بارش ، اسی سے وبال ہے۔ **صلدا**۔ صاف یا پتھریلی زمین۔چٹیل زمین۔

صدقہ صدق سے نکلا ہے اگر صدقے کی بنا صدق اور اخلاص نہیں بلکہ احسان جتانا اور دکھ دینا ہے تو گویا صدقے کی روح کو ضائع کر دیا۔ بالکل اُس شخص کی طرح جو راہ خدا میں دیتے وقت بھی دکھاوا کرتا ہے۔اسے ہرگز اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں ہوتا ورنہ ریاکاری کا خیال تک نہ

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ
ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال چاہنے کے لیے رضامندی اللہ کی اور
تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
مضبوط کرنے کے لیے اپنے تئیں مانند مثال کی ہے ایک باغ کے جو بلندی پر ہو کر پہنچے اُسے
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ
بارش تو وہ دے اپنا پھل دُگنا پھر اگر نہ پہنچے اُسے بارش
فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ
تو شبنم ہی (سہی) اور اللہ اُسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے کیا چاہتا ہے کوئی تم میں سے

آتا۔ اس کا ریاکاری سے خرچ کیا ہوا مال اس بیج کی طرح تھا جو ایسی چٹان پر گرا جس پر معمولی مٹی کی تہ تھی۔وہ پھوٹ تو پڑا مگر جڑ نہ پکڑ سکا اس کی جڑ پتھر میں جانے سے قاصر رہی۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش بھی بجائے اس بیج کی نشو و نما کرنے کے اسے مٹی سمیت بہا کر لے گئی۔ایسے ریاکاروں کو فائدے کی بجائے اصل سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔اسی طرح ظاہری نمائش اور رسم و رواج کے لئے بے تحاشا خرچ کرنے میں ان کے مدنظر رضائے الٰہی ہوتی ہے نہ بندگانِ خدا کی بہبود۔لوگوں میں ان کی سخاوت کی وقتی طور پر واہ واہ ہوجاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں ان کا اجر دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔

۲۶۶۔**طلٌّ**۔شبنم ۔

فرمایا خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے دو فوائد بتائے۔پہلا خدا تعالیٰ کی رضا کا حاصل ہونا دوسرا اپنے نفسوں کی مضبوطی، جس میں اپنے بھائی بندوں کی مضبوطی یعنی ان کی معاشی حالت کا مستحکم ہونا بھی شامل ہے جو قومی استحکام ہے۔یہاں بتایا کہ بظاہر کافر اور مومن دونوں ہی خرچ کرتے ہیں مگر نیتوں میں فرق ہے کافر کے ریاکاری سے خرچ کئے ہوئے مال کا کوئی نتیجہ نہ نکلا جبکہ رضائے الٰہی چاہنے والے مومنین کامل کا خرچ کیا ہوا مال ایک بیج کی صورت ایسی زرخیز زمین پر پڑا جو نشیب کی بجائے اونچی جگہ پر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھی۔وہ بیج خوب پھلا پھولا اور باغ کی صورت اختیار کر گیا،اس پر رحمتِ خداوندی کی تیز بارش پڑی تو دگنا پھل لایا۔اگر کسی وجہ سے بارش ہلکی بھی ہوتی یا محض شبنم ہی ہوتی تو بھی اس کے پھل پر اچھا ہی اثر پڑتا اس لئے کہ اللہ کی نظر تمہارے اعمال پر ہے۔وہ تمہاری نیتوں کے مطابق تمہیں نوازتا ہے۔(حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ترجمة القرآن کلاس MTA کی روشنی میں)

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي

کہ ہو اس کے لیے باغ کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

نیچے سے جن کے نہریں اس کیلئے اس میں ہر قسم کے میوے ہوں

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَآ

اور پہنچے اُسے بڑھاپا اور اس کی اولاد ہو کمزور پھر پہنچے اُسے

إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

بگولہ جس میں آگ ہو پس جل جاوے اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ

تمہارے لیے آیات تاکہ تم سوچ بچار کرو اے لوگو جو

اٰمَنُوٓا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا

ایمان لائے ہو خرچ کرو پاک چیزیں جو کمائیں تم نے اور اس سے جو نکالا ہم نے

۲۶۷۔ **نخیل**۔نخل کی جمع ۔ کھجور۔**اعناب**۔عنب کی جمع ۔انگور یا انگور کی بیل۔ **ثمرات** ۔ثمر۔پھل۔ **اعصار**۔العصر بمعنی نچوڑنا۔ **فیہ یعصرون** (یوسف:۵۰) یہاں مراد بگولا ہے۔العصر وقت اور زمانہ بھی ہے۔ زوال آفتاب سے غروب شمس تک کا وقت۔

جیسا کہ فرمایا کہ رضائے الٰہی کے لئے خرچ کیا ہوا مال باغ کی صورت اختیار کر جائے گا۔ جس میں ہر طرح کے پھلدار درخت ہوں گے جنہیں نہریں سیراب کریں گی۔ فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ چاہے گا کہ وہ ایسے باغ کا مالک ہو اور اسے بڑھاپا آ جائے جبکہ اس کی اولاد ابھی کمسن اور کمزور ہو کہ اچانک ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو اور اسے جلا کر خاکستر کر دے۔اب بوجہ بڑھاپا تم نہ تو دوبارہ باغ لگا سکتے ہو نہ اولاد ہی ابھی اس قابل ہوئی ہے۔اس حسرتناک حالت پر غور کرو۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ اگر تم نے اپنے صدقات اور اعمال صالحہ کے باغ کو منّ و اذی (آیت:۲۶۵) اور ریاکاری کے بگولے سے راکھ کر دیا ہے تو آخرت میں صرف حسرتیں ہی رہ جائیں گی۔آخرت کے پھل ہمیں یہیں سے اپنے ساتھ لے جانے ہوں گے۔اس لئے ابھی سے اس کی فکر کرلو۔ورنہ وہاں اس بوڑھے کی طرح پچھتاوا ہی رہ جائے گا۔

۲۶۸۔ **تیمّم** ۔ قصد کرنا۔ شرعی اصطلاح میں خاص حالات میں وضو کے قائم مقام ،مٹی سے تیمم کرنا۔ **تُغمضوا۔اغماض**۔ چشم پوشی کرنا۔

لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ

تمہارے لیے زمین سے اور نہ قصد کرو بُری چیز کا اس میں سے کہ خرچ کرتے ہو تم

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيهِ إِلَّآ أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ

اور نہیں ہو تم ہرگز لینے والے اُسے سوائے اسکے کہ آنکھ بند کر لو تم اس میں اور جان لو کہ یقیناً

اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

اللہ بے پرواہ (اور) خوبیوں والا ہے شیطان وعدہ کرتا ہے تم سے فقر کا اور حکم دیتا ہے تم کو

بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَ

بے حیائی کا اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے بخشش کا اپنی طرف سے اور فضل کا اور

پہلے رکوع میں بتایا گہ کس طرح خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال نیت کی خرابی سے ضائع ہوجاتا ہے اور پھل نہیں لاتا اور کس طرح اسے ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔اس رکوع میں کھول کر بتایا کہ کونسا مال خرچ کرنا چاہیئے ،کس طرح خرچ ہو، علانیہ یا چھپ کر اور کن لوگوں پر خرچ کرنا چاہیئے ۔صرف مال ہی نہیں بلکہ علم ،طاقت اور جو صلاحیتیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیں وہ سب مراد ہیں۔کمائی کے دو ہی ذرائع ہیں یا تو انسان ملازمت و تجارت اور صنعت وحرفت سے کماتا ہے یا زمینی پیداوار، کھیتوں اور کانوں وغیرہ سے حاصل کرتا ہے۔فرمایا جو بھی خرچ کرو عمدہ اور طیب ہو۔طیب میں جائز اور صحیح ذرائع سے کمانا مراد ہے یعنی رشوت ،خیانت ،چوری اور ظلم وغیرہ سے کمایا ہوا مال طیب نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔یہ بھی یاد رکھو کہ ایسا ردی اور گھٹیا مال نہ دو کہ اگر تمہیں دیا جائے تو تم اسے لینے میں حجاب محسوس کرو۔بیشک مستعمل اشیاء اور کپڑے وغیرہ غرباء کو دیئے جاسکتے ہیں اور اس میں ثواب بھی ہے لیکن یہاں اعلیٰ اشیاء دینے کی تلقین ہے جسے انسان خود پسند کرے اور اسی میں اجر زیادہ ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کسی کی ضرورت پوری کرنا انسان کے بس میں نہیں۔بقول غالب ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کس کی حاجت روا کرے کوئی

لیکن جہاں تک بس میں ہو ضرور تمندوں پر خرچ کرے اور دعا کرے باقی خداتعالیٰ پر چھوڑ دے۔یاد رکھو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تمہاری ضروریات پوری کرنے کے لئے ہی یہ اصول اور قوانین بنائے ہیں۔وہ حمید ہے ۔تمام اعلیٰ صفات اور تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔وہ تم میں بھی اعلیٰ صفات دیکھنا چاہتا ہے اور اعلیٰ چیزوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

۲۶۹۔ فرمایا جب بھی تم راہ خدا میں خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے شیطان سوسو وسوسے

اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۹﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے دیتا ہے دانائی جسے چاہتا ہے
وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَ
اور جو دیا گیا دانائی تو یقیناً وہ دیا گیا خوبی بہت سی اور
مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۷۰﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ
نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقلوں والے اور جو خرچ کرو تم کوئی
نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا
خرچ یا نذر مانو تم کوئی نذر تو یقیناً اللہ جانتا ہے اُسے اور نہیں

تمہارے دل میں ڈالے گا۔ کبھی تمہاری ضروریات کی فہرست دکھائے گا ،کبھی فقرو فاقہ سے ڈرائے گا۔ حضرت عمر بن سعد انصاری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تین باتوں کی قسم کھائی۔ ان میں سے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا (ترمذی کتاب الذھد باب مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر) صحابہؓ کی زندگی اس پر گواہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں! پس شیطان تو تمہیں ڈراتا ہے کہ جس کام میں روپیہ خرچ کر رہے ہو اس کا نتیجہ مفلسی ہے اور فحشاء کا حکم دیتا ہے حالانکہ فحش طریق سے زندگی گزارنا مفلسی کو دعوت دینا ہے جبکہ شریفانہ بود و باش انسان کو تنگی میں نہیں ڈالتی۔ پس اللہ تعالیٰ تو اس کی رضا پر خرچ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ کرتا ہے کہ یہ صدقات تمہاری کمزوریوں کو ڈھانپ لیں گے یعنی تمہاری دنیوی پردہ پوشی اور اخروی بخشش کا باعث ہوں گے۔ جہاں تک مفلسی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ بڑے فضلوں والا ہے۔ فضل مال کو بھی کہتے ہیں گویا خلوص دل سے خرچ کئے ہوئے مال کو بے حد بڑھانے کا وعدہ ہے۔ فرمایا وہ واسع ہے گویا بے حساب بڑھانے والا ہے دنیا میں بھی بڑھائے گا مگر آخرت میں تم اس کے اجر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ وہ علیم ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون اس کا حقدار ہے۔

۲۷۰۔ واسع وعلیم جانتا ہے کہ کسے حکمت و معرفت کے نور سے منور کرے اور جسے حکمت یعنی دینی سمجھ دی گئی پھر وہ شیطانی بہکاوے میں نہیں آتا کہ مال کو روکے رکھے بلکہ وہ اپنی جائز ضروریات کے بعد کل مال رفاہِ عامہ ، دینی چندہ جات اور بنی نوع انسان کی بھلائی پر خرچ کرنے کے لئے کھلا رکھتا ہے۔ بیشک مال فضل ، نعمت اور خیر ہے لیکن حکمت و معرفت خیر کثیر ہے۔ حکمت کے معنی نہایت وسیع ہیں۔ اس میں قرآنی علوم کی معرفت، صفاتِ باری تعالیٰ، معارفِ الٰہیہ اور خواص الاشیاء کے علوم اور ہر قسم کے دنیوی علوم شامل ہیں۔ گویا مسلمانوں کو روحانی علوم کے ساتھ دنیوی

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۱﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا
ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر ظاہر کرو تم صدقے تو کیا ہی اچھا ہے
هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ
یہ اور اگر چھپاؤ تم انہیں اور دے دو وہ فقیروں کو تو یہ بہتر ہے

علوم اور سائنس میں ترقی کرنے کی بھی بار بار تاکید آئی ہے۔

یہ وہ آسمانی مال ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو ملتا ہے ، شروع میں رحمانیت کے فیضان سے بندے کو حکمت و معرفت عطا ہوتی ہے یہ موہبت ہے پھر اعمال صالحہ ،مجاہدہ ،خدا اور بندگان خدا سے والہانہ عشق اس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور الہام سے نوازا جاتا ہے۔ یہی مقصودِ حیاتِ انسانی ہے۔ یہی وہ مال ہے جسے بموجب حدیث نبوی مسیح بانٹے گا اور لوگ قبول نہیں کریں گے۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے (بخاری کتاب انبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم) فرمایا پاکیزہ عقل رکھنے والے ہی نصیحت حاصل کرتے اور ان باتوں کو سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے علم و معرفت دنیوی مال سے بہتر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جسے حکمت اور سمجھداری دی گئی اس کے مال میں کمی نہیں آئے گی۔ وہ راہِ خدا میں جتنا بھی خرچ کرے گا اپنی خدا داد حکمت و فراست سے اس سے بہت زیادہ کما لے گا۔ جنہیں حکمت سے خرچ کرنے کا سلیقہ اور شعور نہیں وہ خزانے بھی خالی کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جن قوموں نے حکمت سے کام نہیں لیا، ملکی وسائل اور ذرائع سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ زبوں حالی کا شکار ہوئیں۔ یہ پُر حکمت باتیں عقلمند ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۲۷۱۔ نـــذر۔ اپنے نفس پر کوئی نفلی عبادت یا صدقہ وغیرہ واجب کر لینا۔ یعنی خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے یا کوئی نیک عمل کرنے کی نیت کرنا۔ فرمایا جو بھی راہ خدا میں خرچ کرو وہ عمدہ ہو اور خرچ کرنے کے قابل ہو یا جو بھی تم نذر مانو وہ خدا تعالیٰ کے حضور نذر میں پیش کرنے کے قابل ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے کہ رضائے الٰہی اور اس کے بندوں کی بہبود مدنظر تھی یا محض رسم و رواج اور انا کا تقاضا تھا۔ فرمایا ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں گویا خدا تعالیٰ کی رضا پر خرچ کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ خود مددگار ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نذر ماننے کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ سے ایک طرح کا ٹھیکہ ہو جاتا ہے لیکن اگر نذر مان لی جائے تو پوری کرنا واجب ہے۔ بندے کو صدقہ ، دعا اور گریہ وزاری سے کام لینا چاہیئے۔ اگر صدقہ اور خیرات کے ساتھ

لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

تمہارے لیے اور وہ دُور کردیگا تم سے برائیاں تمہاری اور اللہ اُس سے جو تم کرتے ہو

خَبِيْرٌ ﴿۲۷۲﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

خوب آگاہ ہے نہیں ہے ذمہ تیرے ہدایت ان کی ولیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے

يَّشَآءُ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْنَ

چاہتا ہے اور جو بھی تم خرچ کروگے کوئی مال تو تمہارے نفسوں کیلئے ہے اور نہ خرچ کروگے تم

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

مگر چاہنے کے لیے رضامندی اللہ کی اور جو خرچ کروگے تم کوئی مال پورا پورا دیا جائے گا

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۳﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ

تمہیں اور تم نہیں ظلم کئے جاؤگے (خرچ کرو) فقیروں کے لیے وہ جو

شکرانے کے طور پر نذر مان لی جائے تو کوئی حرج نہیں ، بلکہ بہتر یہ ہے کہ جس طرح صدقہ اور دعاؤں میں لگ جائے نذر کو بھی پہلے ہی ادا کردے ۔کام ہونے کا انتظار نہ کرے۔

۲۷۲۔ **یکفر** ۔ کفر کے معنی ڈھانک دینا۔ دبادینا۔ دورکر دینا۔انکارکرنا۔ اسی سے کفارہ ہے جو گناہوں کو ڈھانک دے۔**یُکفّر**۔ وہ دور کرتا ہے یا دور کردے گا۔

فرمایا اگر تم صدقات کو ظاہر کرکے دوتو بھی اچھاہے کیونکہ دوسروں کونیکی کی تحریک ہوتی ہے۔اجتماعی ضروریات کے لئے بڑے بڑے چندے اور زکوٰۃ وغیرہ اعلانیہ ہی دیئے جاتے ہیں۔ اس میں قومی مفاد ہے۔رضائے الٰہی کے لئے اگر چھپا کر غریبوں کو دوتو وہ بہت ہی اچھا ہے۔اس میں تمہاری ذات کو فائدہ پہنچے گا اور ان کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوگی۔یہ کون لوگ ہیں۔آیت نمبر۲۷۴میں ان کا ذکر ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فرض عبادتیں اعلانیہ اداکرو جبکہ نفلی عبادتوں میں اخفاء زیادہ بہتر ہے۔حاجت مندوں کومخفی دینے سے ان تمام برائیوں سے بچ جاؤ گے جن کا ذکر پہلے ہوچکا یعنی **مـنّ و اذٰی** اور ریاکاری۔اس طرح آہستہ آہستہ تمہاری اصلاح ہوتی جائے گی۔جب دوسروں کی کمزوریوں کی پردہ پوشی کرو گے تواللہ تعالیٰ تمہاری بھی کئی کمزوریاں اور برائیاں دورکردے گا۔مخفی صدقہ خداتعالیٰ کے غضب کو دورکرتااور ردِّ بلا کاباعث ہوتاہے اورجو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبرہے۔

۲۷۳۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابتدامیں کفار کے مظالم کی وجہ سے مسلمان اپنے غیرمسلم رشتہ داروں اور دوسرے حاجت مند غیرمسلموں کی مالی مددکرنے سے گریزکرتے تھے۔

اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي

روکے گئے راہ میں اللہ کی نہیں طاقت رکھتے سفر کی

الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

زمین میں گمان کرتا ہے انہیں ناواقف دولت مند بسبب سوال نہ کرنے کے

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۚ وَمَا

تو پہچانتا ہے انہیں بذریعہ انکے نشان کے نہیں مانگتے وہ لوگوں سے پیچھے پڑ کر اور جو

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

خرچ کروگے تم کوئی مال تو یقیناً اللہ اُسے خوب جاننے والا ہے وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں

اس آیت میں ان کی غلط فہمی دور فرمائی کہ ہدایت دینا اور نہ دینا خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے تمہارا کام صرف حق بات پہنچانا ہے۔ان کی حاجتیں پوری کرنے سے اس لئے نہ رکو کہ وہ اسلام نہیں لائے۔ اسلام میں انسانی ہمدردی کادائرہ بے حد وسیع ہے۔ان محتاجوں کو دینابھی اتنا ہی ضروری ہے۔جتنا مسلمان ضرورت مندوں کو۔مزاتی رنجشیں تمہیں نیکیوں سے محروم نہ کریں۔راہِ خدا میں دینا تمہارے اپنے نفس کی اصلاح کے لئے ہے۔**انفسکم** میں تمہارے اپنے لوگ بھی شامل ہیں جن کو دینا گویا قومی حالت کو سدھارنا ہے چونکہ جنگی ضروریات کے لئے مال کی تحریک ہوتی تھی اس لئے یہ بھی معنی ہیں کہ جان ومال کی قربانی تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گی اور کوئی دوسری قوم تم پر غالب آکر ظلم نہیں کرسکے گی۔حقیقت تو یہ ہے کہ تم اپنے رب کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہو۔ پس جو اچھا مال بھی خرچ کروگے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور کمی نہیں کی جائے گی۔پورا پورا دینا بطور محاورہ کہا۔وہ اُتنا ہی نہیں لوٹاتا۔اس کااجر بے حد و حساب ہے۔وہ جزا کے معاملہ میں کمی نہیں کرتا۔

۲۷۴۔ **التّعفّف ۔ عفّہ** ۔تھوڑے پرصبر کرنا۔حرام اورسوال سے بچنا۔ **الحافا۔ الحاف** خودکوڈھانک لینا۔ لپیٹنا۔ اسی سے لحاف ہے۔**اُحصروا۔ حصر** ۔روکے گئے ۔ محصور کردیئے گئے۔ اسی سے حصار ۔قلعہ ۔احاطہ ۔

پہلے بتلایا کہ محتاج مسلم اور کافرپر بلا امتیاز خرچ کرو۔اب بتایاکہ خاص طورپر کون مستحق ہیں۔وہ جو عادی گداگر نہیں ہوتے۔احادیث میں عادتاً مانگنے والوں کی بہت مذمت آئی ہے آنحضرتﷺ نے فرمایا!جوشخص اپنی حاجت غیروں کے پاس نہیں لے جاتا،اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے۔جوسوال سے بچتاہے اللہ تعالیٰ اسے بچاتاہے ، جوخود کو روکتاہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے

کافی ہوجاتا ہے۔(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لاصدقۃ الاان ظہر غنی) حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص میرے ساتھ اس کا عہد کرے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا۔ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں گا۔ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں اس کا عہد کرتا ہوں۔اس کے بعد ثوبانؓ کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔(ابوداؤد۔نسائی) فرمایا یہ صدقات ان محتاجوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں اور زمین میں کسب معاش کے لئے آزادانہ جد و جہد نہیں کرسکتے۔ ان میں وہ واقفین زندگی بھی شامل ہیں جو **اعلائے کلمۃ اللّٰہ** اور قلمی جہاد میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔زمانہ قدیم میں ان کا کوئی خاص ذریعہ معاش نہیں ہوتا تھا جبکہ جماعت احمدیہ نے ان کے لئے باقاعدہ مشاہرہ مقرر کیا ہے نیز ان میں مجاہدین ہیں۔جنگی قیدی اور زخمی ہیں۔ دوسرے بھی کئی مسلمان ہیں جن کا محض اسلام لانے کے جرم میں مقاطعہ ہوا اور انہیں ذرائع معاش سے روکا گیا چونکہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے اس لئے جاہل انہیں خوشحال خیال کرتا ہے لیکن اہل بصیرت کے لئے انہیں پہچاننے کی کئی نشانیاں ہیں۔وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر یعنی لپٹ کر نہیں مانگتے۔پس ان پر جو بھی تم خرچ کروگے وہ خرچ کی بہترین صورت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اصحابِ صُفّہ کا گروہ تھا جنہوں نے کلیتہً خود کو دین کے لئے وقف کر رکھا تھا۔اس گروہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔یہ مسجد نبوی میں رہتے ، جس مہم میں ضرورت ہوتی انہیں بھیج دیتے ورنہ مدینہ میں دین کا علم سیکھتے اور دوسروں کو سکھاتے۔مسلمانوں کو ان پر خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔انہی میں حضرت ابوہریرہؓ تھے۔جو آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف تین سال قبل ایمان لائے۔سب سے زیادہ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔خود فرماتے ہیں کہ سوائے قضائے حاجات کے میں باہر نہ جاتا تا ایسا نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کچھ فرمائیں اور میں نہ سن سکوں۔ایک دفعہ ان کے بھائی نے شکایت کی کہ یہ کوئی کام نہیں کرتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ کبھی خداتعالیٰ دوسروں کی وجہ سے بھی رزق دے دیا کرتا ہے تمہیں کیا معلوم کہ اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دے رہا ہو نیز فرمایا! تمہیں تمہارے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔ یعنی ضعیفوں اور بچوں کی وجہ سے۔
(ترمذی کتاب الجہاد۔ باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین۔ بروایت ابوالدرداءؓ)

۲۷۵۔اس رکوع کا اصل مضمون حرمت سود ہے۔سود غرباء سے امراء کو جاتا ہے جبکہ صدقات امراء سے لے کر غربا کو دیئے جاتے ہیں۔اس لئے سود سے پہلے صدقات کا پھر ذکر کیا کہ صدقات پر ہی دنیا کی خوشحالی کا دار و مدار ہے نہ کہ سود پر کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے امراء

اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ
اپنے مال رات اور دن پوشیدہ اور ظاہر تو ان کے لیے

اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ
اجر ہے ان کا پاس ان کے رب کے اور نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ

یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ اَلَّذِیۡنَ یَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ
غمگین ہوں گے وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوتے

اِلَّا كَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ
مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ کہ پاگل کردیا ہو جسے شیطان نے چھو کر

اور غرباء کی تفریق کم ہوتی ہے اور مساوات پیدا ہوتی ہے۔ورنہ امراء کی دولت چھین کر غرباء کو دینا اور جبراً مساوات پیدا کرنے کی کوشش کرنا معاشی تباہی کا باعث ہے۔جیسا کہ روس میں ظاہر ہوئی۔ فرمایا جو لوگ رات دن اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔رات کے ساتھ اخفا کا پہلو رکھا اور اعلانیہ کے ساتھ دن کا ،یہ کبھی مصلحتاً چھپا کر دیتے ہیں کہ **منّ واذٰی** اور ریا سے بچیں اور کبھی ظاہر کرکے دیتے ہیں کہ کمزوروں میں بھی قربانیوں اور نیک کاموں میں حصہ لینے کی تحریک ہو۔وہ دوہرے ثواب کے حقدار ہیں۔ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ہر خوف اور غم سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ان کے صدقات ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم کرنے کا باعث بنیں گے جس میں سکون ہی سکون ہوگا اور خوف وحزن کا گزر تک نہیں ہوگا۔انہیں دشمن کا خوف ہوگا نہ مفلسی کا ڈر اور نہ یہ غم کہ ہم نے کیوں دیا۔گویا وہ توکل کے اعلیٰ ترین مقام پر ہوں گے۔یہی وجہ ہے کہ اگر قربانیوں کے نتیجہ میں کبھی وقتی طور پر خوف وحزن پیدا ہو ، تو بھی یہ خوف وحزن ان پر غالب نہیں آئے گا۔انہیں یقین ہوگا کہ جس کی راہ میں خرچ کیا وہ ضرور مدد فرمائے گا۔

۲۷۶۔**ربٰو** ۔لفظی معنی بڑھنا۔سود۔ **یتخبّط**۔ خبط۔جنون۔**یتخبّطُ**۔وہ دیوانہ ہوتا ہے ۔ بہکتا ہے۔

اہل عرب دیوانے کو مجنون یعنی آسیب زدہ سمجھتے تھے۔آج بھی جاہل ایسا سمجھتے ہیں۔فرمایا سود خوار اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جس طرح وہ شخص جو مس شیطانی سے باؤلا ہوگیا ہو۔گویا ہوسِ زر سے پاگل ہو جاتے ہیں اور برے بھلے کی تمیز مٹ جاتی ہے۔اسی پاگل پن کی وجہ سے تجارت کو سود کی طرح قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا سوائے اسکے نہیں کہ خرید وفروخت مانند سود کے ہے اور حلال کیا

اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ

اللہ نے خرید وفروخت اور حرام کیا سود کو پس جو شخص کہ آئی اسکے پاس نصیحت طرف سے اس

رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ

کے رب کی پھر وہ باز آگیا تو اس کیلئے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا طرف ہے اللہ کی اور جس نے

عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۷۵

دوبارہ کیا تو یہ لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں رہنے والے ہیں

پس اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آجانے کے بعد رک جائے تو گزشتہ نفع اسی کا ہے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ معاف کر دے گا۔یعنی اسلام لانے سے پہلے جو سود وصول کرچکا ہے اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں، وہ معاف ہے لیکن جو ایمان لانے کے بعد پھر وہی کام کریں تو یہی لوگ ہیں جو آگ میں پڑنے والے اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔پس اگر کوئی مومن سود کی کمائی کھاتا ہے۔وہ جب توبہ کرے تو تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اصل زر میں سے وہ سارا روپیہ نفی کرے جو سود کے طور پر وصول کرچکا ہے۔اگر سود اصل زر سے زیادہ وصول کرچکا ہے تو واپس کرے۔اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو۔وہ اس سے درگزر فرمائے گا۔

امتناعِ سود قرآن کریم کا آخری حکم تھا جو دیا گیا۔پچھلی آیات میں ان کا ذکر تھا جو بندگان خدا کی بہبود پر اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں یہاں ان کا ذکر ہے جو سود لے کر غریبوں کا خون چوستے ہیں اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔یہ ظالم ان کی تکالیف سے بے حس ہو جاتے ہیں اور پیسے کی ہوس انہیں بالکل پاگل بنا دیتی ہے۔ پس تجارت سود کی طرح کیسے ہوسکتی ہے؟ تجارتی شراکت میں نفع نقصان سانجھا ہوتا ہے۔ایک شخص اپنی دولت،محنت،ذہانت اور کمانے کی اہلیت و قابلیت سے جتنا مال بڑھاتا ہے اسلام اسے غریبوں کی طرف لوٹانے کا بندوبست کرتا ہے تاکہ دولت ایک ہاتھ میں اکٹھی نہ ہو بلکہ چکر لگاتی رہے۔چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکل جاتا ہے۔ صدقہ،خیرات اور چندوں کا کوئی حساب نہیں۔باربار فرمایا کہ تمہارے مال میں دوسروں کا حق ہے۔ انہیں ان کا حق دو۔ورثہ سے بھی جائیداد تقسیم ہوجاتی ہے جبکہ سود غرباء کی تباہی کا باعث ہے اور افراد میں کاہلی ، خود غرضی ،بے رحمی اور ہوسِ زر پیدا کرتا ہے۔بنی نوع انسان سے ہمدردی اور امداد باہمی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ دولت بے تحاشا بڑھنے اور چند ہاتھوں میں سمٹنے سے امراء اور غرباء

کے درمیان وسیع خلیج حائل ہو جاتی ہے اور قوم معاشی اور اخلاقی طور پر تباہ ہوجاتی ہے۔ سود خوار قومیں ہنود و یہود وغیرہ نے سود کو ہی اپنا خدا بنا لیا ہے۔ماسوئے چند کے ان کی دولت بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود پر کبھی خرچ نہیں ہوئی اور وہ ہر اعلیٰ اخلاق سے تہی دست ہو گئے ہیں۔ سود کا آخری نتیجہ جنگ اور فتنہ و فساد ہے۔ تمام بڑی جنگیں سود کی مرہون منت تھیں۔جنگ عظیم اوّل میں سات کروڑ روپیہ یومیہ انگریزوں کا اور اتنا ہی جرمنی کا خرچ تھا۔جرمن قوم کا سارا خرچ سود سے حاصل کیا جاتا۔اگر سودی رقم نہ ملتی تو یہ لڑائیاں اتنی طویل نہ ہوتیں۔نہ عالمی اقتصادیات تباہ ہوتی اور نہ مومن و کافر اس عالمی بحران کی لپیٹ میں آتے۔

اسلامی نظام میں اسلامی قوانین کی افادیت روزروشن کی طرح نکھر کر سامنے آتی ہے پھر سود کی ضرورت ہوتی ہے نہ رشوت کی اور نہ دیگر غلط ذرائع سے پیسہ کمانے کی۔ضروریاتِ زندگی روٹی ،کپڑا،مکان، تعلیم اور قرض حسنہ مہیا کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔اسلامی حکومت نہ ہونے کی صورت میں حاجت مندوں کی ضروریات اور بوقت ضرورت قرض حسنہ فراہم کرنے کی ذمہ داری عزیز و اقارب،ہمسائے،محلّہ دار اور پھر کل اسلامی سوسائٹی پر ہے۔زکوٰۃ فنڈ بھی انہیں اغراض کے لئے ہے۔

سود کی تعریف یہ ہے کہ زیادہ لینے کے خیال سے قرضہ دے۔اگر تجارت میں روپیہ لگایا اور نفع و نقصان میں شریک ہے تو یہ سود نہیں۔ گورنمنٹ اپنے ملازمین کو ریٹائرمنٹ کے بعد بڑھا کر دیتی ہے۔یہ احسان ہے سود نہیں کیونکہ لینے والے سے کوئی معاہدہ تھا نہ نیت۔آنحضرت ﷺ نے جب بھی قرض لوٹایا کچھ نہ کچھ بڑھا کردیا۔ بعض دفعہ دس گنا تک۔یہ احسان تھا۔ بینکوں وغیرہ کا سود قطعاً حرام ہے۔اس لئے کہ نفع میں شریک ہے نقصان میں نہیں۔مکان کا کرایہ جائز ہے کیونکہ ٹیکس اور مرمت پر خرچ ہوتا ہے۔خوشو ں میں گندم خرید نے سے بھی منع فرمایا کیونکہ ہو سکتا ہے مالک کو نقصان ہو جائے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو سنائی اور شراب کی تجارت سے منع فرمایا کہ بیشک بیع جائز ہے مگر حرام چیزوں کی نہیں(صحیح بخاری) نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا! سود لینے والا، دینے والا، اور اس پر گواہی ڈالنے والا، سب جہنمی ہیں۔(مشکواۃ کتاب البیوع۔ بخاری بروایت حضرت ابو جحیفہؓ)ابوداؤدؓ میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے۔عرض کیا گیا سب لوگ؟ فرمایا جو اس میں سود نہیں کھائے گا اس کا غبار اسے پہنچ جائے گا۔(بروایت ابوہریرہؓ۔احمد۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی) غرض جب ایک شخص خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے سود اور دوسرے غلط ذرائع سے روپیہ لینا

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ نہیں پسند کرتا
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کسی کفر کرنیوالے گناہ گار کو یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کماٹے نیک
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
اور قائم کی نماز اور دی زکوٰۃ ان کیلئے اجر ہے ان کا پاس

چھوڑ دیتا ہے تو خداتعالیٰ خود اس کا متولی و متکفل ہو جاتا ہے اور سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا لوگو! ہم نہیں جانتے شاید ہم تم کو ایسی چیز کا حکم دیں جو جائز نہیں تمہارے لئے اور شاید ہم تم کو ایسی چیز سے منع کریں جو تمہارے لئے جائز ہو۔ فرمایا! آخری آیت جو قرآن میں نازل ہوئی سود کی آیت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہمارے لئے (پورے طور پر) بیان نہیں فرمایا یہاںتک کہ انتقال فرما گئے۔ تو جس چیز میں تمہیں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس میں تمہیں شک نہیں۔ (دارمی)

۲۷۷۔**یمحق ۔محق** ۔ مٹانا۔ گھٹانا۔ بے برکت کر دینا۔

یہ ایک پیشگوئی ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے انتظام کر رہا ہے کہ سود جسے مال بڑھانے والا سمجھا جاتا ہے دنیا سے مٹ جائے گا اور صدقہ جسے مال گھٹانے والا خیال کیا جاتا ہے اس میں غیر معمولی برکت ڈال دی جائے گی۔ بیشک یہ پہلے بھی تھا لیکن اب کھلا کھلا ہوگا۔ مسند امام احمد میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سود گو بہت ہو جائے انجام اس کا گھاٹا ہے۔ صدقات کے متعلق بخاری کتاب الزکوٰۃ میں حضرت بوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پاک کمائی کے سوا قبول نہیں کرتا ، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اس کو اس کے دینے والے کے لئے بڑھاتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدقہ ایک پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اور بھی کھل کر سامنے آئی کہ جنہوں نے دو دو اور چار چار آنے اشاعت اسلام کے لئے چندہ دیا تھا آج ان کی اولادیں لاکھوں اور کروڑوں روپیہ چندہ میں دیتی ہیں۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) فرمایا جو ان قوانین کی پابندی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ ایسے سخت ناشکرے اور بہت گنہگار کو پسند نہیں کرتا یعنی نفرت کرتا ہے۔ اس سے سخت بیزار ہے۔

رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۸﴾ يٰۤاَيُّهَا
انکے رب کے اور نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا
لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود میں سے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
اگر ہو تم ایماندار پس اگر نہ کرو تم (ایسا) تو آگاہ ہو جاؤ
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
لڑائی پر اللہ اور رسول سے اس کے اور اگر توبہ کرو تم تو تمہارے لیے راس المال ہیں
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ
تمہارے نہ ظلم کرو تم اور نہ ظلم کئے جاؤ تم اور اگر ہو وہ (مقروض)

۲۷۸۔ جہاد کے بیان میں دونوں گروہوں کا ذکر جاری ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے محبوب گروہ کے ذکر کو پھر دہرایا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو نہ صرف ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے بلکہ نماز اور زکوٰۃ سے خدا اور بندگانِ خدا کا حق ادا کیا۔ ان کا اجر ان کے رب کے ذمہ ہے پس جن کا خدا تعالیٰ خود ولی بن جائے انہیں خوف و حزن کیسا ؟ جبکہ دولتمندوں کو یہی خوف کھائے جاتا ہے کہ کہیں انہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے اور ان کے مال میں کمی نہ آ جائے۔

۲۷۹۔ فرمایا اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا ہے اس لئے جو سود بقایا ہے اسے چھوڑ دو ، کیونکہ مومنوں کے شایانِ شان یہی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا! اس میں علاوہ اور نصیحتوں کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت کے سود کی تمام رقوم موقوف کی جاتی ہیں اور پہلا سود جو موقوف کیا جاتا ہے وہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہے یعنی آپؐ کے چچا کا۔ (مسند احمد جلد اوّل صفحہ ۲۳۰) دنیا میں کونسا ایسا لیڈر ہے جو خود پہلے عمل کر کے دکھائے پھر کیوں نہ اس کے متبعین اس کی سنت پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں۔

۲۸۰۔ فرمایا اگر تم سود کے لین دین سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ کی لڑائی اس کا عذاب ہے۔ جو نافرمانوں پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کی لڑائی عالمی جنگوں کا بھی ان پر مسلط ہونا ہے۔ سودی نظام کی وجہ سے جنگیں طول پکڑتی ہیں جس

عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ
تنگی والا تو مہلت ہے آسانی تک اور یہ کہ خیرات کردو تم بہتر ہے تمہارے لیے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى
اگر ہو تم جانتے اور ڈرو ایسے دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے تم اس میں طرف

سے عالمی بحران پیدا ہوتا ہے نیز کمزور ملکوں کو سود میں جکڑ کر اپنا دست نگر بنایا جاتا ہے اور انہیں مزید کمزور کیا جاتا ہے۔انفرادی طور پر بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر ہر پہلو سے سزا دیتی ہے اور گھروں کا سکون برباد ہوجاتا ہے۔'' پس اگر تم سود سے توبہ کر لوتو اصل سرمایہ لینے کے حقدار ہو۔نہ تم بندگان خدا پر سود لے کر ظلم کرو ، نہ اس سود خواری کے نتیجہ میں خود پر عذاب کو دعوت دو۔اس آیت سے استنباط ہو سکتا ہے کہ اضطراری حالت میں بینکوں وغیرہ کے سود کواشاعت اسلام پر خرچ کرسکتے ہیں۔وہ بھی استثنائی صورت میں(حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدر جلد ا نمبر ۲۶ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴) مسلمان سلطنتوں کی تباہی کی ایک وجہ سود بھی تھی۔بیشک سودخوار قومیں دنیامیں امیر کبیراور باعزت سمجھی جاتی ہیں لیکن مسلمان ہمیشہ سود سے تباہ ہوئے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی تک مسلمانوں کو اپنا سمجھتا ہے کیونکہ غلط کام پر ہمیشہ اپنوں کو ہی تنبیہ کی جاتی ہے مسلمانوں کی تباہی کی وجہ یہی ہے کہ منہ سے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اعمال مخالف ہیں۔پس اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے ورنہ کفر کا حساب یہاں نہیں۔قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مسلمان دوسری اقوام کی طرح دین سے ہٹ کر ہرگز ترقی نہیں کرسکتے۔ان کی ترقی اعمال صالحہ سے مشروط ہے۔یہ آیت حجتہ الوداع کے موقعہ پر منیٰ کے مقام میں نازل ہوئی اور آخری حکم ہے۔اس کے بعد آپؐ ۸۰ دن زندہ رہے۔اسلامی مملکت میں سود کو قانوناً جرم قرار دے دیا گیا اور عمال کے ذریعے اعلان کروا دیا گیا کہ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں اعلان جنگ ہے۔

۲۸۱۔ **عُسرة** ۔تنگی۔ یسرۃ کی ضد ہے۔ **میسرة** کشائش آسانی۔ **نظرة**۔ مہلت۔
تصدّقوا۔تم صدقہ دو ۔تم خیرات کرو۔اپنے حق کو چھوڑنا بھی صدقہ ہے۔

اگرمقروض مفلس ہے تو قرض کی وصولی میں نرمی کرو اورمہلت دو۔ اگر رأس المال بھی صدقہ کے طور پر معاف کر دو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔تاجب تمہارا حساب ہو تو تم سے بھی نرمی کا سلوک ہو اور تمہارے گناہوں سے درگزر کیاجائے۔احادیث میں تنگدست قرضدار کو معاف کرنے اور ڈھیل دینے کی بڑی تاکید آئی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!ایک شخص نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی۔بس اتنا تھاکہ لوگوں کو قرض دیا کرتا

اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۲﴾ ع
اللہ کی پھر بدلا پورا دیا جائیگا ہر نفس کو جو کمایا اس نے اور وہ نہیں ظلم کیے جاویں گے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب لین دین کرو تم کسی قرض کا
اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ
میعاد مقرر تک تو لکھ لیا کرو اُسے اور چاہیے کہ لکھے درمیان تمہارے لکھنے والا
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ

تھا اور اپنے خادم سے کہتا کہ جو آسانی سے دے سکے اس سے وصول کرلینااور جوتنگی میں ہو اسے چھوڑ دینا۔شاید اللہ بھی ہمارے گناہوں سے درگزرکرے۔جب فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا!تم نے کبھی نیکی بھی کی۔اس نے کہانہیں!کبھی نہیں سوائے اس کے کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب وصولی کے لئے اپنے غلام کوبھیجتا تو کہتاکہ جو دے سکتا ہو اس سے لے لینااور جو نہ دے سکتا ہو اسے چھوڑ دینا اورمعاف کر دیناشاید اللہ بھی ہمیں معاف کر دے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا!جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔(نسائی)یہاں اللہ تعالیٰ گویا ایسے قرضدار کی سفارش کررہا ہے اس سے بڑی اور کس کی سفارش ہوگی۔فقہاء کے فتاویٰ کے بموجب قرضدار کے رہنے کا مکان عام استعمال کے برتن، پہننے کے کپڑے ،وہ آلات جن سے روزی کماتاہے ، کسی حالت میں قرق نہیں ہوسکتے جبکہ آجکل قرض خواہ ہر چیز قرق کرکے مقروض کو بال بچوں سمیت گھر سے باہر کرتے ہیں بلکہ جیل تک بھجوانے سے گریزنہیں کرتے۔

۲۸۲۔ متعدد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات سے چند دن قبل نازل ہوئی اور آپؐ نے فرمایا! اسے آیت **ربٰو** اورآیت **دین** کے درمیان رکھ دو جس سے پتہ چلتاہے کہ ہرآیت کا مقام آپؐ خود بتاتے تھے۔مضمون ربا کے اختتام پر اس آیت میں بتایاکہ جس دنیوی مال و دولت کی وجہ سے تم نے تمام انسانی قدروں کو پامال کیا وہ آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔بیشک تم نے دنیا میں غرباء کو سود کی چکی میں پیس کران پرمظالم ڈھائے لیکن اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دے گا اورکسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ہاں جس نے لین دین کے معاملہ میں نرمی رکھی اس سے ضرور نرمی کا سلوک ہوگا۔

۲۸۳۔ **تداینتم** ۔دَین۔قرضہ ۔ایک دوسرے سے قرض لینا۔ باب مفاعلہ سے ہے۔

فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
پس چاہیئے کہ لکھے وہ اور چاہیے کہ لکھا دے وہ شخص جس کے ذمہ حق ہے اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ

رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ
اپنے رب سے اور نہ کم کرے اس سے کچھ بھی پس اگر ہو وہ شخص جس کے ذمہ

الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ
حق ہے بے وقوف یا کمزور یا نہ طاقت رکھتا ہو کہ لکھوائے وہ

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
تو چاہیئے کہ لکھوائے سرپرست اس کا ساتھ عدل کے اور گواہ بنالو دو گواہ

مِنْ رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ
اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور

امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ
دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو گواہوں میں سے اس لیے کہ بھول جائے

سفیہ ۔کم عقل۔ جاہل جو اپنامال صحیح طور پر خرچ کرنا اوراپنے حقوق کی حفاظت کرنا نہیں جانتا۔یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے جو ۱۰۸ الفاظ پر مشتمل ہے۔

پچھلے رکوع میں سود کو قوم کی [illegible] اورمعاشی تباہی کی ایک وجہ بتایا۔اس رکوع میں لین دین کے معاملات میں عدل اوراحتیاط نہ کرنے کو دوسری وجہ کہا۔اس ایک آیت نے تمام اہم تجارتی امور کا احاطہ کیاہوا ہے۔ایک ترقی یافتہ قوم کو لین دین میں عام طور پر جتنے مسائل پیش آسکتے ہیں ان کو کھول کر بیان کر دیا۔عرب ایک ان پڑھ قوم تھی۔ لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔مکہ میں صرف سات اشخاص پڑھے لکھے تھے۔ کاغذ نایاب تھا۔ ایسی قوم کو یہ قوانین دیئے جن میں پیشگوئی تھی کہ عنقریب مسلمان ایک عظیم متمدن قوم بننے والی ہے اوربڑے بڑے لین دین کے امور سے ان کا واسطہ پڑنے والا ہے۔عام طور پر عزیزوں اور دوستوں کے درمیان قرض کے معاملات کو لکھنا اور گواہیاں لینا عدم اعتمادی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سارے امور قرض لینے والے کے ذمہ لگائے اور اسے قرض اور تجارتی معاہدوں کو ضبط تحریر میں لانے کی تاکیدفرمائی۔**الٰی** کے معنی مع کے بھی ہیں یعنی قرضہ اور اس کی مقررہ میعاد دونوں کا تعیّن ہو تا کہ بعد میں بدمزگی پیدا نہ ہو۔ فرمایا کاتب سے لکھواؤ۔ گویا ہر شخص کتابت کا اہل نہیں کیونکہ بعض دفعہ یہ دستاویزات عدالتوں تک جاتی ہیں۔فن وثیقہ نویسی کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا۔ کاتب بالعدل کے یہ بھی

إِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰىهُمَا الْأُخْرٰى ۚ وَلَا يَأْبَ
ایک ان میں سے تو یاد دلا دے ایک ان میں دوسری کو اور نہ انکار کریں

الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْئَمُوْا أَنْ تَكْتُبُوهُ
گواہ جبکہ بلائے جائیں اور نہ اکتاؤ اس سے کہ لکھو تم اُسے

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلٰى أَجَلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ
تھوڑا ہو خواہ زیادہ ہو اس کی میعاد تک یہ زیادہ انصاف والی بات ہے نزدیک

اللّٰهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا
اللہ کے اور بہت قائم رکھنے والی ہے گواہی اور زیادہ قریب ہے کہ نہ شک کرو تم سوائے

أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ
اس کے کہ ہو تجارت ہاتھوں ہاتھ کہ پھراتے ہو تم اُسے آپس میں

معنی ہیں کہ کاتب کی تحریر عدالت سے وابستہ ہو۔یعنی رجسٹری کروا لو اور یہ بھی کہ کاتب تمہارے ان باہمی امورکو انصاف سے لکھے۔کسی فریق کی حق تلفی نہ کرے اور نہ ہی لکھنے سے انکارکرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔گویاعلم کا سکھانا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ استعداد اور توفیق اسی کی بخشی ہوئی ہے۔پس وہ لکھے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے اورجس کے ذمہ حق ہے یعنی قرض لینے والا وہ لکھوائے کیونکہ کمزوری کا احتمال اسی کی طرف سے ہے۔فرمایا اللہ تعالیٰ جو اس کارب ہے اس کا تقویٰ مدنظر رکھے یعنی اس سے ڈرتے ہوئے لکھوائے اورکچھ بھی کمی اورنقص نہ کرے۔ اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق ہے، یعنی قرض خواہ نادان و [illegible] یعنی بچہ یا بوڑھا ہو یاکوئی اور امرمانع ہو اور لکھوانے کی قدرت نہ رکھتا ہو جیسے گونگا ہونا یا زبان [illegible] نا یا ذہنی توازن کادرست نہ ہوناتو اس کا سرپرست انصاف اور عدل کے ساتھ لکھوائے اور اپنوں میں سے دو مردگواہ مقررکر لے۔اوّل توان پر اعتماد ہوگا۔دوسرا جب گواہی کے لئے بلاؤ گے تو حاضرہو جائیں گے۔کسی ناواقف کو گواہ بنانے کی صورت میں گواہی کے لئے کہاں ڈھونڈتے پھروگے۔اگر دو مرد نہ مل سکیں توایک مرد اور دو عورتیں بطورگواہ مقرر کرلو جن پر فریقین رضامند ہوں تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلائے۔ اس پر بہت شوراٹھتا رہا کہ اسلام میں عورت کی گواہی آدھی ہے حالانکہ زندگی کے تمام دوسرے معاملات مثلاً لعان،ولادت اوربکارت وغیرہ میں عورت کی گواہی مرد کے برابر ہے۔حضرت وائل بن حجرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت سے زنابالجبر کرنے والے کوصرف اسی عورت کی گواہی پر سنگسار کر دیا گیا۔(ترمذی۔ابوداؤد) غرض ایک عورت کی گواہی اور قرائن کے مدنظر حد بھی

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا
تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ نہ لکھو تم اُسے اور گواہ کر لیا کرو جب
تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ
آپس میں خرید و فروخت کرو تم اور نہ نقصان پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ
کرو گے تم (ایسا) تو یقیناً یہ گناہ ہے تمہارا اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تم کو
اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي
اللہ اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے اور اگر ہو تم

لاگو کی جاسکتی ہے۔یہاں قضا اور تجارتی امور کے معاملات ہیں جن سے عورت کو عام طور پر واسطہ نہیں پڑتا۔اس لئے ہوسکتا ہے کہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے ایک اچھی طرح نہ سمجھ سکے یا بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ایک گھبرا جائے تو دوسری کی موجودگی اسے تقویت دے۔گواہی کے معاملہ میں اکثر دباؤ بھی ہوتا ہے دو عورتیں اکٹھی ہوں تو دباؤ میں نہیں آئیں گی۔یہ ذکر قرآن کریم میں ایک دفعہ ہی ہے جہاں اپنے اختیار سے گواہ چننے کی اجازت ہے۔دو عورتوں سے اکٹھی گواہی لی جاتی ہے ان سے الگ الگ گواہی نہیں لی جاتی۔بطور گواہ دو عورتیں لینے میں کئی حکمتیں ہیں۔سائنسی تحقیق کے مطابق عورتیں حساب میں نسبتاً کمزور ہوتی ہیں اس لئے احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے ورنہ کسی معاملہ میں ایسا نہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں!''اس میں بھی عورت کا احترام ہے اور اس کی آسانی کے لئے ہے کہ اپنے ساتھ اپنی بہن وغیرہ کو بطور مددگار لے کر جائے۔عورتوں کو ویسے بھی عدالتوں میں گھسیٹنا ان کے وقار کے منافی ہے۔مغربی ممالک میں بھی عام طور پر مالی معاملات مرد ہی نمٹاتے ہیں۔'' فرمایا گواہ بلائے جانے پر انکار نہ کریں کیونکہ ان کی معمولی تکلیف سے بہت سے مسائل کے صحیح حل ہونے کا امکان ہے۔لین دین تھوڑا ہو یا زیادہ اسے میعاد سمیت لکھنے میں سستی یا کوتاہی نہ کرو، کیونکہ یہ بات کہ رقم معہ جملہ شرائط کے ضبط تحریر میں آجائے،اللہ تعالیٰ کے نزدیک انصاف کے زیادہ قریب ہے اور شہادت کو زیادہ محکم و مضبوط بنانے والی ہے اور شک و شبہ کے ازالہ کی عمدہ تجویز ہے۔سوائے اس صورت کے کہ روزمرہ کی خرید و فروخت ہو جو تم آپس میں کرتے رہتے ہو۔اس میں نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن رسید یا ووچر دے دیا جائے تو بہتر ہے۔تاہم بڑے بڑے سودوں میں چاہے نقد ہی ہوں گواہ بنا لو۔کاتب اور گواہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیئے یعنی ان پر کوئی

سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ
سفر پر اور نہ پاؤ تم لکھنے والا تو گروی رکھنا ہے با قبضہ پس اگر
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ
امین جانا بعض تمہارے نے بعض کو تو چاہیے کہ ادا کرے وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی اپنی امانت
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ
اور چاہیئے کہ وہ ڈرے اللہ اپنے رب سے اور نہ چھپاؤ گواہی اور جو
يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
چھپائے گا اُسے تو گناہ گار ہے دل اس کا اور اللہ اُسے جو تم کرتے ہو خوب
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۴﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ
جاننے والا ہے اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر

۳۹ ع ۷

دباؤ نہ ڈالا جائے۔کاتب کو حق کتابت اور گواہ کو خرچہ وغیرہ دینا چاہیئے۔اگر تم نہ دو تو یہ تمہاری نافرمانی ہوگی۔اسلام میں گواہی کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں۔مگر ان کی فریاد سنی نہیں جاتی۔ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور وہ اس کو طلاق نہ دے۔دوسرا وہ شخص جو یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا مال اس کے حوالے کردے۔تیسرا وہ شخص جو کسی کو اپنا مال قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے۔لین دین کے مروجہ طریق قریباً جائز ہیں سوائے اس کے کہ غیر حاضر چیز کا سودا کیا جائے یہ تجارت کی آڑ میں سٹہ ہے جو اسلامی رو سے ناجائز ہے۔دنیوی لین دین کے معاملات کے فوراً بعد تقویٰ کی تلقین فرمائی کہ اگر اپنے ہر معاملہ میں خدا سے رہنمائی چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو گویا تعلیم الٰہی پر عمل کے لئے تقویٰ شرط ہے۔تقویٰ کے معنی ہیں اپنے تمام امور کلیتہً خدا تعالیٰ کو سونپ دینا ، اسی کی مرضی کے تابع ہوجانا، یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا غرض ہر حرکت و سکون سب خدا تعالیٰ کے لئے ہوجائے۔جب اس مقام پر پہنچے گا تو خدا تعالیٰ اسے اپنے علوم سے آگاہ فرمائے گا اور خود اس کا معلم بن جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

۲۸۴۔ **رھان**۔ رھن کی جمع۔ مصدر ہے۔ وہ چیز جو بطور ضمانت قرض لینے کے لئے گروی رکھی جائے۔**اَمِنَ**۔ اس نے اعتبار کیا۔یعنی امین جانے۔اعتبار کر لے۔ **اؤْتُمِن**۔جسے امین سمجھا گیا۔ جس پر اعتبار کیا گیا ہے یعنی رہن رکھنے والا اور قرض لینے والا بھی جس پر اعتبار کر کے قرض دیا۔

اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ ملے تو کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس بطور ضمانت

رکھوا دو جیسے گھڑی ،انگوٹھی یا کوئی اور قیمتی چیز۔تا کہ اسے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کرکے کوئی معاملہ کرے قرض رہن با قبضہ کے طریق پر عمل کرے یا بغیر لکھت پڑھت کے اعتبار کرکے قرض دے دے۔تو چاہے کہ جسے امین سمجھ کر رقم دی گئی ہے، یا وہ جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے،پوری دیانتداری سے امانت ادا کرے اور ایسے تمام معاملات میں اللہ اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدمعاملگی سے وہ اپنی ربوبیت اٹھالے۔یہاں قرضہ اور رہن کو امانت کہا کیونکہ قرض کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح فرض ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ مقروض کا نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ قرض ادا نہ ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا!شہید کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے مگر قرض شہید کا بھی معاف نہیں ہوگا۔(مسلم بروایت عبداللہ بن عمرؓ) حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جو شخص وفات پائے اور وہ غرور و تکبر، خیانت اور قرض سے پاک ہو۔ خداتعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔(ابوداؤد۔نسائی) فرمایا شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے اس کا دل گنہگار ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ اسلام میں سچی گواہی دینے اور اسے نہ چھپانے کا سختی سے حکم ہے۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رہن باقبضہ سفر اور حضر دونوں میں جائز ہے کاتب ملے یا نہ ملے۔ رہن باقبضہ سے مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسے گائے ،گھوڑا یا زمین سے کیونکہ اس پر خرچ بھی کرتا ہے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے تو آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس وسق جو پر رہن رکھی ہوئی تھی جو آپؐ نے اپنے اہل کے گزارہ کے لئے لئے تھے۔ظاہر ہے آنحضرت ﷺ سفر پر نہیں تھے اور لکھوا بھی سکتے تھے۔پس حضر میں بھی رہن باقبضہ آپؐ سے ثابت ہے۔اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت جبکہ آپؐ عرب کے بادشاہ تھے آپؐ کے فقر و فاقہ کا کیا حال تھا جبکہ صرف بحرین سے ایک لاکھ درہم سے زیادہ بطور خراج آیا جو آپؐ نے مسجد کے صحن میں رکھوا دیا اور سب تقسیم کرکے اٹھے۔(صحیحین بروایت حضرت انسؓ) مال غنیمت بھی اسی طرح تقسیم کرتے کہ اپنے لئے ایک درہم نہ رکھتے۔وفات کے وقت بھی یہ حالت تھی کہ جو کے عوض زرہ گروی رکھی ہوئی تھی۔

۲۸۵۔یہ سورۃ بقرہ کا آخری رکوع ہے۔ فرمایا کائنات کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے جس پر تمہیں امین بنایا گیا ہے۔پس ظاہری اور خفیہ بددیانتی پر حساب ہوگا۔ خفیہ اس لئے کہا کہ ضروری نہیں کہ ہر گناہ پکڑا ہی جائے۔پھر جسے چاہے گا اس سے مغفرت کا سلوک ہوگا اور جسے چاہے

تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ
ظاہر کرو تم جو نفسوں میں ہے تمہارے یا چھپاؤ تم اُسے حساب لے گا تم سے اس کا اللہ

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
پھر بخشے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۵﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ
بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے ایمان لایا رسول اس پر جو اتارا گیا طرف اس کی

مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
اسکے رب کی طرف سے اور مومن بھی سب ایمان لائے اللہ پر اور فرشتوں پر اس کے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ
اور کتابوں پر اسکی اور رسولوں پر اسکے اور وہ کہتے ہیں نہیں ہم فرق کرتے درمیان کسی کے رسولوں میں سے اس کے

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ
اور کہا انہوں نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے بخشش چاہتے ہیں تیری اے رب ہمارے اور طرف تیری ہی

الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۶﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا
ٹھکانا ہے نہیں ذمہ دار قرار دیتا اللہ کسی نفس کو مگر مطابق طاقت کے اسکی اسکے لیے ہے جو

گا سزا دے گا۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔ غرض تم خدائی احکام کی خلاف ورزی کرکے سکھ نہیں پاسکتے۔اس میں یہ پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ ضرور ایک ایسا وقت آئے گا جب تمام ملکوں پر حکومت الٰہیہ قائم ہوجائے گی۔یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیئے کہ دلی خیالات پر بھی حساب ہوگا۔صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان خیالات سے درگزر فرما دیا جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کو زبان پر نہ لائیں اور نہ ان پر جلدی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ آپ سے ہی دوسری حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ بدی کا قصد کرے تو اس کے خلاف نہ لکھو۔اگر وہ فعل کر دے تو اس کو ایک بدی لکھو، جب وہ نیکی کا قصد کرے اور نیکی عمل میں نہ آئے تو اسے ایک نیکی لکھو، اگر وہ عمل میں آجائے تو دس نیکیاں لکھو۔یہ کم از کم ہے۔(بخاری)

۲۸۶۔اب سورۃ کے آخر میں اسلام کے بنیادی عقائد بتائے۔سب سے پہلے رسول اپنی وحی پر ایمان لاتا ہے وہ اوّل المومنین ہوتا ہے۔اس کا ایمان سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔اس لئے کہ اللہ کی ہستی کا قطعی ثبوت الہام ہے۔جب اللہ کی طرف سے انبیاء پر الہام ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر حقیقتاً زندہ ایمان ہو جاتا ہے۔اور وہ حق الیقین کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔گویا اللہ تعالیٰ پر

كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا

کمایا اس نے اور اس پر ہے جو کمایا اس نے اے رب ہمارے نہ مؤاخذہ کر ہم سے

إِنْ نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا

اگر بھول جاویں ہم یا غلطی کریں ہم اے رب ہمارے اور نہ لاد ہم پر بوجھ

كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

جیسا کہ وہ لادا تو نے ان لوگوں پر جو پہلے تھے ہم سے اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَ

وہ کہ نہیں طاقت ہمیں جس کی اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہمیں اور

ارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۸

رحم کر ہم پر تو آقا ہے ہمارا پس مدد کر ہماری بمقابل کافر قوم کے

ایمانِ کامل صرف وحی سے پیدا ہوتا ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان سچا تعلق پیدا کرتی ہے۔ پھر مومنین کا درجہ ہے۔ابھی چند ایک ایمان لائے تھے لیکن **کلٌّ** کا لفظ کہا۔ماضی کا صیغہ ہونے کے باوجود اس میں وہ تمام مومنین شامل ہیں جو آئندہ قیامت تک ایمان لاتے رہیں گے۔انہیں جب بھی پیغامِ حق ملے گا۔ایمان لے آئیں گے۔ پس قابلِ ذکر وہی ہیں باقی گویا کالعدم ہیں۔ فرمایا رسول اور جماعت مومنین اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ، فرشتوں کی نیک تحریکوں پر عمل کرتے ہیں،اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔بلا تفریق تمام رسولوں کو ماننا ایمان میں شامل ہے۔ایک رسول کا انکار بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے۔اسی لئے ساتھ ہی فرما دیا کہ ہم نے سنا اور عمل کیا یعنی نہ صرف زبان سے سمعنا کہتے ہیں بلکہ عمل سے بھی پوری پوری فرمانبرداری دکھاتے ہیں گویا عقائد کے ساتھ ہی عملِ صالحہ ہے۔ تجھ ہی سے دعائیں مانگتے اور بخشش چاہتے ہیں کہ تیرے حضور ہی ہم نے لوٹ کر جانا ہے۔کتابوں سے مراد وہ کتابیں ہیں جو ان انبیاء پر نازل ہوئیں اور ان کے مناسب حال ان میں احکام تھے ورنہ بعد میں جس کا دل چاہا اپنے خیالات اور مختلف بادشاہوں کے حالات جزوِ کتاب کرتے رہے۔ جیسا کہ ویدوں اور پرانوں کی حالت ہے یا توریت کی تحریف ہے۔ اس لئے اس وقت وہ قابلِ عمل نہیں۔

۲۸۷۔ **اصرًا** ۔ بوجھ۔ عہد شکنی کا گناہ ۔**عفو**۔ معاف کرنا۔ **غفر**۔گناہ سرزد نہ ہونا۔ ڈھانپنا گناہوں سے محفوظ ہونا۔**وعلیھا ما اکتسبت** ۔اور اس بدی کا وبال بھی اسی پر ہے جس نے اس بدی کا اکتساب کیا۔

سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیت ہجرت سے قریباً ایک سال پہلے معراج کے موقعہ پر نازل ہوئی ۔یہ وہ وقت تھا کہ جب مسلمانوں کے مصائب و آلام اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھنے کے باوجود کفار کا غیض وغضب ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ان نہایت ناساعد حالات میں جبکہ مومنین ظلم کی چکی میں پس رہے تھے اور فقرو فاقہ سے نڈھال تھے، آپ کو یہ دعا سکھائی گئی جو مسلمانوں کے لئے تقویت کا باعث ہوئی۔ جس میں نہ کسی کے لئے بددعا تھی اور نہ اپنے لئے کوئی دنیوی آسائشیں مانگی گئیں ،بلکہ گناہوں سے مغفرت اور کفار پر فتح کی دعا ہے جو ان حالات میں ناممکنات میں سے تھی لیکن یہ دعا بہت جلد بڑی شان سے پوری ہوئی۔اس رکوع کی پہلی آیت سے مسلمانوں میں جو غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی اسے دور کیا اور بتایا کہ مومن کے ذہنی خیالات پر بازپرس نہیں ہوگی کیونکہ شریعت کی بنا نرمی پر ہے سختی پر نہیں "وہ طاقت سے زیادہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا۔احکام شریعت انسانی طاقت کے مطابق ہی دیئے ہیں۔یہ کہنا کہ آج کے مصروف دور میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا وقت نہیں، عملاً غلط ہے۔اگر بہت سا وقت فضول کا موں میں ضائع کیا جاسکتا ہے۔گھنٹوں گپیں ہانکی جاسکتی ہیں تو نماز کے لئے وقت کیوں نہیں نکالا جاسکتا۔جو اللہ تعالیٰ کا وقت ہے وہ بہرحال اسی کو دینا ہے۔ اگر کسی پر اتمام حجت نہیں ہوئی تو وہ قابلِ مواخذہ بھی نہیں اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔مکافاتِ عمل کا تقاضا یہی ہے کہ نیک عمل کرنے والے کو اس کا اجر ضرور ملتا ہے اور برائی کا وبال بھی کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ہاں اگر کسی نے نیکی اور رفاہ عامہ کے ایسے کام کئے جن کے اثرات مدت دراز تک باقی رہے تو کرنے والے کے لئے صدقہ جاریہ ہے اور اسے جزا ملتی رہتی ہے اسی طرح بدی کی سزا بھی جب تک اس کا اثر رہتا ہے ملتی رہتی ہے۔

یہاں یہ نہایت عاجزانہ دعا سکھائی ۔ہے کہ اگر نیکیوں کے کرنے میں ہم سے بھول چوک ہو جائے یا عمداً کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اے ہمارے رب !ہم سے مواخذہ نہ کرنا اور ہمیں معاف فرمانا۔اے ہمارے رب!تو ہم پر نافرمانی اور عہد شکنی کا بوجھ نہ ڈالنا، جس طرح پہلوں پر ڈالا جبکہ انہوں نے احکام الٰہی کی خلاف ورزیاں کی تھیں۔ تُو ایسا کرنا کہ ہم تیرے احکام پر چلنے والے ہوں اور ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہوں اور اے ہمارے رب !مصائب قضا و قدر کا وہ بوجھ جو اپنی ہی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے ، ہم پر نہ ڈالنا۔یعنی ہمیں ان دنیوی آزمائشوں اور بلاؤں سے بچانا جو ہماری قوت برداشت سے باہر ہوں۔ پس ہم سے درگزر فرما،گناہوں سے ہماری حفاظت فرما اور رحم

کر تو ہی ہمارا مولا ہے۔اس دعا میں تین عاجزانہ درخواستیں ہیں۔ نسیان و خطا کے لئے عفو کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔دینی احکام میں نافرمانی اور عہد شکنی کے لئے دعائے غفر ہے کہ یہ نوبت ہی نہ آئے اور خود ہی گناہوں سے بچائے۔قضا و قدر کے مصائب جن کو اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہے ان کے لئے رحم کی درخواست ہے جیسا کہ چند شریروں کی وجہ سے بعض اوقات پوری قوم خدائی قہر کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ آخر میں جہاد کے لئے دعا ہے جو اس سورۃ کا اصل مضمون ہے کہ کافر قوم کے خلاف غلبہ عطا فرمائے اور فتح و نصرت سے نوازے۔

ان آخری دوآیات کی احادیث میں بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ بقرہ کی آخری دوآیات رات کو پڑھ کر سونے والے کے لئے بہت کافی ہیں (بخاری ۶۴ : ۱۲ ۔ ترمذی جلد ۲ : ۱۱۲) نیز عرش کے اس خزانے میں سے ہیں جو آج تک آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔(تفسیر طبری جلد ۳ صفحہ ۴۳۴) مسلم اور نسائی میں ہے کہ فاتحہ اور خواتیمِ بقرہ (بقرہ کو ختم کرنے والی دو آیات) دو ایسے نور ہیں جو آپؐ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ان دو آیات کو یاد کرو اور اہل و عیال کو یاد کراؤ۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆☆☆

بقیہ آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جب کسی بندۂ مومن کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو خداوند تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کرلی؟ وہ کہتے ہیں ہاں! خداوند تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اس کے میوے کو توڑلیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں! خداوند تعالیٰ پوچھتا ہے میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں تری حمد کی اور **انا للّٰہِ وَانا الیہِ رٰجِعون** پڑھا۔خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو (ترمذی۔ابواب الجنائز)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّۃٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ مِائَتَا اٰيَۃٍ وَّاٰيَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا
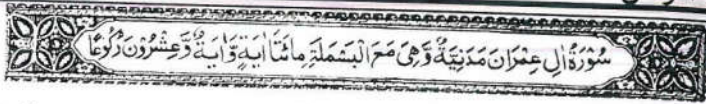
سورۃ آل عمران ۔یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی دو سو ایک آیات ہیں اور بیس رکوع ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے والد کا نام عمران تھا جن کے نام سے اس سورۃ کو منسوب کیا۔ان کی نسل سے بھی انبیائے بنی اسرائیل ہوئے جن میں آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔اس سورۃ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حالات اور ان سے خطاب کا تفصیلاً ذکر ہے۔یہ ذکر سورۃ بقرہ میں مختصر طور پر تھا۔جب کہ سورۃ بقرہ میں یہود کا ذکر تفصیلاً ہے۔باقی تمام امور بھی جو وہاں مختصر تھے یہاں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔سورۃ بقرہ کی طرح یہ سورۃ بھی الٓمّٓ سے شروع ہوئی گویا دونوں سورتوں میں ایک ہی مضمون ہے جس کا مرکزی نقطہ جہاد ہے۔ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔یہ جڑواں سورتیں حدیث میں الزہروان کے نام سے مشہور ہیں یعنی دو روشن و سفید۔اسی طرح سورۃ عنکبوت اور کئی دوسری سورتیں الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ان سب کے مضامین و مقاصد ایک ہی ہیں۔

ابتدا میں ہی نصاریٰ سے خطاب کیا جن سے اسلام کا آخری مقابلہ تھا۔ سورۃ بقرہ میں یہود کی نافرمانیوں کی تفصیل تھی یہاں نصاریٰ کے دعوؤں کی حقیقت بیان کی اور بتایا کہ اسلام ہی آخری مذہب ہے جو اپنے محکم دلائل کی وجہ سے تمام عالم میں پھیلے گا۔اس کا اکثر حصہ سورۃ بقرہ کے اکثر حصہ کے بعد نازل ہوا۔یعنی تین ہجری میں۔ گویا جنگ احد کے بعد۔تیرھویں رکوع سے سورۃ کے اختتام تک جنگ احد کے واقعات کا تفصیلاً ذکر ہے۔ جس میں بتانا مقصود تھا کہ بظاہر حالات کیسے ہی مخدوش نظر آئیں مسلمانوں کو حوصلے بلند رکھنے چاہئیں۔ضرور ہے کہ ہر اندھیری رات کے بعد روشن دن طلوع ہو جیسا کہ الزہروان کے نام سے ظاہر ہے۔ عیسائیوں کے ہر غلط عقیدے کے بیان میں بھی مسلمانوں کو ہی تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور ان غلطیوں کا اعادہ کرنے سے بچیں۔اس سورت میں مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا اور اقوامِ عالم کی تربیت و رہبری کا کام ان کے سپرد ہوا اور ان کے کمزور کندھوں پر وہ بارِ گراں رکھا جو قیامت تک کے لئے تھا۔جب بھی مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے روگردانی کی اور لاپرواہی برتی ، قعر مزلت میں گرے۔جو دوسروں کی تبلیغ و تربیت کا بیڑہ اٹھائے گا اس کی اپنی تربیت کس ڈھنگ کی ہوگی ، یہ صحابہ کرامؓ نے عملی طور پر دکھا دیا۔

جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی ان کا مختصر بیان یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد یہودی قبائل کی دن رات سازشوں اور اسلام سے شدید عداوت کی وجہ سے آنحضرتﷺ نے چند ماہ بعد ہی سب سے شریر یہودی قبیلہ بنی قینقاع پر حملہ کرکے انہیں اطراف مدینہ سے نکال دیا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یہود پہلے سے بھی زیادہ اسلام کے خلاف ہوگئے اور کھلم کھلا مشرکینِ مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے لگے اور جنگوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوگیا اور تمام عرب مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے۔ مسلمان ہر وقت کسی بھی متوقع حملہ کے لئے تیار رہتے اور ہتھیار بند سوتے گویا ہر وقت حالت جنگ میں تھے۔ آنحضرتﷺ کی جان کو بھی ہر وقت خطرہ رہتا اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم آپؐ کا پہرہ دیتے اور آنحضرتﷺ ذرا نظروں سے اوجھل ہوتے تو گھبرا کر تلاش کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ گویا دن کو آرام تھا نہ رات کو۔ قرآن کریم پہلی الہامی کتاب ہے جس نے منافقین کے فتنہ کی طرف توجہ دلائی اور اس سے بچنے کے طریق بتائے۔ تاہم ان کی پردہ پوشی فرمائی۔

سورۃ بقرہ کی طرح اس سورت کا اختتام بھی جہاد کی دعا کے ساتھ ہوا کہ جہاد میں کامیابی کے لئے صبر اور دشمن سے مقابلہ کے لئے پہلے سے پوری تیاری کی ضرورت ہے۔ کامیابی کی اصل تقویٰ کو ہی قرار دیا تاکہ نہ صرف دنیا میں بلکہ دین میں بھی فلاح حاصل کریں۔

حدیث میں ابن جریرؒ نے ربیع سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نصاریٰ آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے متعلق آپؐ سے بحث کی تو آپؐ نے اس سورت کی ابتدائی آیات سے مسیحؑ کی الوہیت کا بطلان فرمایا۔ گویا اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں جو صفاتِ الٰہی بیان ہوئی ہیں وہ خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی کے لئے ہیں۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ (تفصیل کے لئے آیت:۶۲)

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی فضیلت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا، ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا (مسند احمد) صحیح حدیث میں ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میدان حشر میں دو گہرے بادلوں کی شکل میں آکر لوگوں پر سایہ کریں گی جو ان کو پڑھنے والے تھے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس بیمار پر یہ سورۃ مقدس (آل عمران) پڑھی جائے اس کو انشاء اللہ شفا ہوگی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

الٓمّٓ ﴿۲﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۳﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ

الف۔ لام۔ میم اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی خدا مگر وہی زندہ (اور) قیوم ہے اتاری ہے اس نے تجھ پر

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ

کتاب ساتھ حق کے مصدق بنا کر اس کا جو پہلے اس کے ہے اور اتاری اس نے

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

تورات اور انجیل پہلے سے بطور ہدایت کے واسطے لوگوں کے اور

اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ

اُتارا فرقان یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اللہ کی آیات کا ان کے لیے

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ الٓمّٓ ۔ تشریح سورۃ البقرہ کی ابتدا میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ اس رکوع میں عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی تردید ہے۔ اسی لئے آنحضرتﷺ نے اس رکوع کی ابتدائی آیات سے نجران کے عیسائیوں سے مباحثہ کے دوران عقیدہ الوہیت مسیح کا بطلان فرمایا جس کی تفصیل آیت ۶۲ میں ہے یہ آیت آیت الکرسی کا ابتدائی حصہ ہے۔ جس میں خداتعالیٰ کی دو صفات الحی اور القیوم کا ذکر ہے کہ جس طرح خداتعالیٰ نے تمہیں زندگی دینے اور قائم رکھنے کے لئے تمہاری جسمانی ضروریات کا خیال رکھا اور ہر چیز مہیا فرمائی اسی طرح تمہاری رہنمائی کے لئے تمہیں ایک مکمل ضابطہ حیات اور لائحہ عمل دیا۔ جس کی روشنی میں تم زندگی کی صحیح راہیں متعین کر سکتے ہو۔

۴۔۵۔ اس **حیُّ القیوم** خدا نے حق کے ساتھ اور ضرورتِ حقہ کے تحت یہ کتاب تجھ پر اتاری۔

اس میں یہود و نصاریٰ کے اعتراض کا جواب بھی ہے کہ پہلی کتابوں کی موجودگی میں ایک اور کتاب کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا ان پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان میں ہیں۔ یعنی باوجود ہزار تحرف و تبدل کے ابھی تک نبیؐ آخرالزماں اور آخری شریعت کی پیشگوئیاں ان میں موجود ہیں، جن کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے ورنہ وہ جھوٹی ثابت ہوتیں۔ بے شک تجھ سے پہلے

عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا
عذاب ہے سخت اور اللہ غالب (اور) انتقام لینے والا ہے یقیناً اللہ وہ ہے کہ نہیں

يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِي
مخفی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں وہی ہے جو

يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ
صورت بناتا ہے تمہاری رحموں میں جس طرح چاہتا ہے نہیں کوئی خدا مگر وہی عزت والا

الْحَكِيمُ ﴿٦﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ
حکمت والا ہے وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر وہ کتاب کہ بعض اس سے آیتیں ہیں

توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئیں لیکن موجودہ ضروریات کے لئے وہ قطعی ناکافی تھیں۔اس کے لئے فرقان کی ضرورت تھی۔جو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے۔یہاں قرآن کریم کے علاوہ جنگ بدر کو بھی فرقان کہا گیا کیوں کہ وہ بھی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی تھی۔اوّل تو پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی تھی دوئم باوجود انتہائی بے سر و سامانی اور بغیر تیاری کے اسلام کو فتح مبین نصیب ہوئی اور اکابرین مکہ کی ہلاکت نے کفار کی کمر توڑ دی۔یہود و نصاریٰ کو تنبیہ تھی کہ جو اس نبی کی مخالفت کریں گے ہلاک ہوں گے۔پس جب کھلے کھلے نشانوں کے باوجود انکار کیا تو ان کے لئے ان کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق درد ناک عذاب تھا۔اللہ تعالیٰ غالب ہے اور ان کی زیادتیوں پر سزا دینے والا ہے۔انہیں دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی مقدر ہے۔

۶۔جب کوئی چیز اس سے مخفی نہیں نہ زمین کی انتہائی پستیوں میں نہ آسمان کی انتہائی رفعتوں میں ، اور کائنات کے بھیدوں سے وہی واقف ہے تو ایسی کامل کتاب بھی اسی کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔نصاریٰ سے مباحثہ کے دوران آنحضرت ﷺ نے اس آیت سے بھی استدلال فرمایا! کہ مسیح ؑ کا علم محدود ہے اور خدا تعالیٰ کا لا محدود۔اس لئے وہ خدائی صفات میں کیونکر شریک ہو سکتا ہے۔

۷۔فرمایا وہ جس طرح چاہتا ہے رحموں میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔یعنی جب اس نے پیدا ہونے سے پہلے تمہاری تمام ضروریات کا خیال رکھا تو کیا پیدا کر کے تمہیں بغیر ہدایت کے چھوڑ دے گا۔ پس تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام نقائص سے منزہ وہی معبودِ بے مثال ہے جو غالب ہے اور زبردست ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔یہ آیت بھی آنحضرت ﷺ نے الوہیت مسیح کی نفی کے طور پر مباحثہ کے دوران پیش کی کہ جب تمام انسانی حالات جو رحم میں عام

مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا
محکم کہ وہ اصل ہیں کتاب کی اور کچھ اور متشابہ ہیں پس

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
وہ لوگ کہ دلوں میں جن کے کجی ہے تو وہ پیروی کرتے ہیں اس کی جو متشابہ ہے اس (کتاب)

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ
سے چاہنے کے لیے فتنہ اور چاہنے کیلئے اصل مطلب اس کا حالانکہ نہیں جانتا اصل مطلب اس کا

إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ
مگر اللہ اور وہ جو پختہ ہیں علم میں کہتے ہیں ایمان لائے ہم اس پر

كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا
سب (محکم و متشابہ) پاس سے ہے ہمارے رب کے اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلوں والے (وہ کہتے ہیں) اے رب

انسانوں پر گزرے مسیح پر بھی گزرے تو پھر وہ صفات الٰہیہ میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔

۸۔**محکمٰتٌ۔محکم**۔مضبوط۔اصولی امور۔خاص قرآنی تعلیم۔**اُمّ** ۔ماں۔بطور اصل یا جڑ۔**امّ الکتاب** ۔اصول دین جو کتاب کے لئے بطور جڑ یا بنیاد ہیں۔قوانین و احکام۔ **تاویل** ۔اوّل۔اصل کی طرف پھیرنا۔درست معنی بیان کرنا۔یہاں مراد من مانی تاویلیں کرنا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ تاویل کے معنی ہیر پھیر کر اپنے مطلب کے مطابق بنا لینا ہے لیکن قرآن کریم میں اس کے معنی، انجام۔ حقیقت اور اصلیت کے ہیں۔**متشٰبھٰتٌ۔ متشابہ**۔جن میں مشابہت ہو۔ملتے جلتے۔یہ وہ آیتیں ہیں جو گذشتہ الہامی کتابوں سے ملتی جلتی ہیں نیز وہ قرآنی آیات جن کے کئی معانی ہیں اور جو زمانہ کے ساتھ ساتھ کھلتے رہتے ہیں۔قرآنی قصے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جو بطور عبرت اور سبق ہیں کہ یہی حالات تم پر بھی آنے والے ہیں۔متشابہ آیات میں ایسی آیات بھی ہیں جن میں تشبیہ اور استعارہ استعمال ہوا ہے جیسے یہود کو سؤر اور بندر کہا نیز آئندہ کی پیشگوئیاں بھی انہی آیات میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے بیان کے بعد فرمایا کہ وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ ۔ اب یہ بحث کہ کونسی محکم ہیں اور کونسی متشابہ۔ تو فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ ایک شخص ہے کہ موٹے موٹے احکام بھی اس کی عقل سے بالا ہیں اور جس کو خدائی علم و فراست سے وافر حصہ ملا ہے اس کے لئے بفضل تعالیٰ کچھ بھی متشابہ نہیں۔عام اصول یہی ہے کہ جو آیات ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجائیں محکم ہیں۔جیسے

عقائدِ اسلام،عبادات و فرائض ، اوامر و نواہی اور روز مرہ زندگی کے احکام اور اخلاق وغیرہ کے احکام۔جب محکمات بطور امّ اور جڑ ہیں تو متشبہٰت بطور فروعات ہوں گے۔متشبہٰت گذشتہ الہامی کتابوں سے ملتے جلتے احکام ہیں جیسے نماز اور روزہ وغیرہ ان میں بھی تھا لیکن اسلام نے بہترین شکل میں پیش کیا۔تاہم محکمات کے تابع ہوں گے۔فرمایا جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کو گذشتہ الہامی کتابوں کی روایات کے تابع کرکے ان کے معانی نکالتے ہیں۔جیسے ہاروت و ماروت کے قصے میں اسرائیلی روایات کے حاشیے چڑھائے پس وہ متشابہ آیات کی تاویل اپنی خواہشات کے مطابق کرکے فتنہ پیدا کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔اللہ اور راسخ العلم دونوں کے سوا کسی کو اس کی تاویل کا علم نہیں۔یعنی متشبہٰت کا علم خداتعالیٰ کو ہے یا علم میں کامل دسترس رکھنے والوں کو۔یہی لوگ ہیں جو قرآن کریم پر تدبر کرتے ہیں۔انہی پر وہ پیشگوئیاں کھولی جاتی ہیں جو آئندہ زمانے کے لئے ہیں۔پس وہ متشبہٰت کو فوراً مان لیتے ہیں اور ایسے معانی نہیں کرتے جو محکمات کے خلاف ہوں۔حقیقت تو یہ ہے کہ عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ان معانی کی تائید میں یہ حدیث ہے کہ عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کے متعلق سنا کہ وہ محکمات اور متشبہٰت کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا! کہ تم سے پہلی قومیں اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس لئے اتری ہے کہ اس کی ہر آیت دوسری کی تصدیق کرے۔ پس جو آیت دوسری کی تصدیق نہ کرے اس کے معنی بدلنے چاہئیں اور مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ (درِمنثور)اس آیت میں عیسائیت کے بطلان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ عیسائیت کی پوری تعلیم تمثیلوں اور استعارات سے عبارت ہے۔لیکن انہوں نے اسے حقیقت پر محمول کرکے دھوکا کھایا اور مسیح کو خدائی تک پہنچایا۔یہی حال یہود کا تھا جس کی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اور ایلیاء کا انتظار کرتے رہے۔جس کے بعد مسیح نے بڑے بادشاہ کی طرح ظاہر ہونا تھا۔ حالانکہ حضرت یحیٰی علیہ السلام ایلیاء کے رنگ میں آئے اور مسیح کو روحانی بادشاہت ملی۔ بلکہ ان کے متبعین کو ظاہری بادشاہت سے بھی نوازا گیا۔آنحضرت ﷺ کے وقت میں بھی یہود و نصاریٰ متشبہٰت کے پیچھے پڑے رہے اور ان پیشگوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں جن سے آپؐ کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔اس میں مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ مہدی و مسیح موعودؑ کی شناخت کے لئے ان غلطیوں سے بچیں۔ کیوں کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ پیشگوئیوں کے بعض

لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ
ہمارے نہ کج کیجیو دلوں کو ہمارے بعد اس کے کہ ہدایت دی تو نے ہمیں اور بخش ہمارے لیے جناب سے اپنی

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۹ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
رحمت یقیناً تو ہی بہت بخشنے والا ہے اے رب ہمارے یقیناً تو جمع کرنیوالا ہے تمام لوگوں کو

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۱۰ اِنَّ
ایک ایسے دن کہ نہیں کوئی شک اس میں یقیناً اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کا ضرور

ع ۹

حصے عام طور پر استعارہ کے رنگ میں ہوتے ہیں اور اسی رنگ میں پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تمام پیشگوئیاں تمام پہلوؤں سے ظاہری طور پر پوری نہیں ہوتیں جب کہ گذشتہ نوشتوں کی اور بعض ضعیف احادیث کی بعض پیشگوئیاں تحریف شدہ بھی ہیں۔

۹۔**الوھّاب**۔اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ **ھبۃ** ۔اپنی مِلک بلامعاوضہ عطا کرنا۔ بے حد عطا کرنے والا۔

علم میں دستگاہِ کامل رکھنے والے جب خدائی کلام پر دل و جان سے ایمان لے آتے ہیں تو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرتے۔ بلکہ ہر وقت دعاؤں میں لگے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد لغزش سے بچا یعنی **فی قلوبھم ضیغ** کے گروہ سے بچا اور اپنے حضور سے رحمت عطا فرما۔تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کی ہدایت اور اسے ہر کجی سے بچانے کے لئے یہ دعا کرتے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سورہ بقرہ کے بعد یہ دعا پڑھتے حضرت مسیح موعود علیہ والسلام نے بھی اپنی جماعت کو یہ دعا بکثرت پڑھنے کی تلقین فرمائی نیز حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی دعا کرتے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت الوھاب کا بطور خاص ذکر کرتے جیسے **سبحان ربی الاعلیٰ الوھاب** (تفسیر الدرالمنثور سیوطی جلد۲ صفحہ۲۱۳)

۱۰۔فرمایا اللہ تعالیٰ ایک روز تمام لوگوں کو جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور وہ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وعدے ٹل جاتے ہیں اور دعا وصدقات سے ردّ بلا ہوتا ہے۔اسی لئے **لایخلف الوعید** نہیں کہا۔ گویا وعیدی وعدے ٹل جاتے ہیں۔اس میں یہ خوشخبری بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بندوں کو ایک دن ایک نقطہ پر جمع کر دے گا۔ پھر ایک ہی دین ہوگا اور ایک ہی امت۔گویا غلبہ اسلام کی پیشگوئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز نہیں کفایت کریں گے ان سے مال ان کے اور نہ اولاد ان کی

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۱﴾ كَدَاْبِ
مقابلہ میں اللہ کے کچھ بھی اور یہ لوگ ہی ایندھن ہیں آگ کا مانند طریق

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فرعونیوں کے اور ان لوگوں کے جو پہلے تھے ان سے جھٹلایا انہوں نے آیات کو ہماری

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۲﴾
پس پکڑا انہیں اللہ نے بسبب گناہوں کے انکے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے

۱۱۔ **لن تغنی عنھم** ۔ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ان کو ہرگز بچا نہیں سکیں گے۔ اس رکوع میں جنگ بدر کا ذکر ہے۔جو قدرت الٰہی کا ایک ایسا نظارہ تھا جس سے باطل اپنی تمام قوتوں اور ساز و سامان کے ساتھ حق کے سامنے مغلوب ہوا۔یہ گویا اسلامی عروج کی پہلی کڑی تھی بالآخر آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی عرب پر اسلامی جھنڈا لہرایا۔

قبول اسلام میں سب سے پہلے مال و اولاد ہی مانع ہوتے ہیں کیوں کہ اسلام مالی اور جانی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔فرمایا یہ اموال اور اولاد خداتعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے اور آگ کا ایندھن بنیں گے۔قرآن کریم نے جنگ کو بھی نار کہا ہے۔اس لئے عذاب آخرت کے علاوہ یہ بھی معنی ہیں کہ دنیا میں ہی جنگ کی بھٹی میں جھونکے جائیں گے۔کیونکہ جنگ میں جوان اور دولت ہی کام آتی ہے۔گویا جان و مال کی قربانی تو دینی ہی پڑے گی حالت کفر میں دو یا حالت اسلام میں۔ ہاں اسلام میں یہی قربانی قربِ الٰہی کا موجب ہوگی جب کہ کفر میں عذابِ الٰہی کا۔

۱۲۔ **الداب**۔طریق ۔حالت۔ **کداب** اٰل فرعون ۔قومِ فرعون کے طرزِ عمل کی طرح۔

فرمایا! وہ کفار جن کا مال و اولاد ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کا ایندھن بنے ، انہیں قوم فرعون اور ان سے پہلے مکذبینِ انبیاء یعنی عاد وثمود وغیرہ کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ کس طرح جب انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اللہ نے انہیں پکڑا اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔قرآن کریم نے بار بار تاریخ کا حوالہ دیا۔تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے۔انہیں اس سے سبق سیکھنا چاہیئے اور پہلوں کے انجام سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمیشہ باطل نے شکست کھائی اور حق کی فتح ہوئی۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ
تو کہدے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے تم اور اکٹھے کئے جاؤ گے طرف جہنم کی

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۳﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ
اور کیا ہی بُرا ہے وہ بچھونا یقیناً ہے تمہارے لئے نشان دو جماعتوں میں (جو) آپس میں ملیں

فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ
ایک جماعت لڑتی تھی راہ میں اللہ کی اور دوسری کافر تھی وہ (مسلمان) دیکھتے تھے

مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
ان (کافروں کو) دوگنا اپنے سے دیکھنا آنکھ کا اور اللہ تائید کرتا ہے ساتھ اپنی مدد کے جس کی چاہتا ہے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۴﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ
یقیناً اس میں ضرور عبرت ہے واسطے آنکھوں والوں کے خوبصورت کرکے دکھلائی گئی ہے لوگوں کیلئے محبت

۱۳۔یہاں دو زبردست پیشگوئیاں ہیں۔پہلی یہ کہ تمام کفار کو کہہ دو کہ عنقریب تم اس دنیا میں مغلوب کئے جاؤ گے اور بالآخر تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب جنگ بدر کے بعد تمام مخالفینِ اسلام زخمی سانپ کی طرح پھنکار رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ بہت جلد مسلمانوں سے اس شکست کا بدلہ لیا جائے گا اور انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔کمزور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی یہ پیشگوئی نہایت شان و شوکت سے پوری ہوگی۔جب دنیا والی پیشگوئی پوری ہوگئی تو آخرت والی میں کیا شک رہا نیز اسلام کا غلبہ بھی ان کے لئے جہنم سے کم سزا نہیں تھی۔

۱۴۔ان دو گروہوں کے تصادم میں تمہارے لئے ایک نشان ہے۔اس پہلی حق و باطل کی جنگ میں مسلمان ۳۱۳ تھے جن کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں جبکہ کفار قریباً ایک ہزار تھے۔جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔فرمایا جب مڈھ بھیڑ ہوئی تو مسلمان کفار کو بظاہر اپنے سے دوچند دیکھتے تھے کیونکہ بقیہ پہاڑی کی اوٹ میں تھے۔یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ تم میں سے ایک سو صابرین دو سو پر غالب آئیں گے۔مکی سورتوں میں کفار اور مسلمانوں کے درمیان ایک تصادم کی بار بار خبر دی گئی تھی۔جس میں کفار کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی پیشگوئی تھی۔جیسا کہ سورۃ قمر کے آخری رکوع میں ہے کہ کیا کفار کہتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کرنے والی جماعت ہیں۔ان کی جماعت کو شکست و ہزیمت دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔یہ ان کے وعدے کی گھڑی ہے اور وہ گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہے۔قرآن کریم کی پیشین گوئیوں

میں قیامت کی رسوائیوں کے ساتھ دنیا کی مغلوبیت کا ذکر بھی ہوتا ہے تا کہ ایک حصہ کے پورا ہونے پر جس کا تعلق دنیا سے ہے۔دوسرے حصہ پر یقین ہو۔دنیا کی یہ شکست ان کے لئے قیامت کی رسوائی سے کم نہ تھی۔اس آیت کی تفسیر میں بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جنگ بدر والے دن نبی اکرم ﷺ ایک چھوٹے سے خیمے میں تشریف فرما تھے اور بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کر رہے تھے ''میں تیرے عہد اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔اے اللہ! اگر تیری ایسی ہی مشیت ہے(کیوں کہ بظاہر مسلمانوں کی فتح ناممکنات میں سے تھی)تو آج کے دن کے بعد زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی'' حضرت ابو بکررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا یارسول اللہ ﷺ بس کیجئے آپؐ نے اپنے رب کے حضور بہت الحاح کیا ہے یعنی بہت گڑگڑائے ہیں اورسخت منت سماجت کی ہے۔آپؐ نے زرہ پہنی ہوئی تھی، آپؐ نکلے اور سورۃ قمر کی یہی آیت تلاوت فرمارہے تھے۔(ترمذی کتاب التفسیر۔تفسیرسورۃالانفال)پس مسلمانوں کی قلت اور بے سر و سامانی اور کفار کی کثرت اور سامانِ حرب کی فراوانی کے باوجود ان کا ہزیمت اٹھانا یقیناً ایک نشان تھا۔نصاریٰ کے لئے بھی جنگ بدر میں نشان تھا جو اس سورۃ کے مخاطب تھے کیونکہ یسعیاہ نبی کی کتاب ۲۱:۱۳تا۱۷ میں آپؐ کی ہجرت کے ایک سال بعد جنگ۔جس میں قیدار کی ساری حشمت کا جاتے رہنا اور اس کے بہادروں کے گھٹ جانے کی پیشگوئیاں ہیں۔قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بیٹا تھا۔تمام عرب خود کو ان کی اولاد مانتے ہیں۔جنگ بدر میں ہر قدم پر اہلِ بصیرت کے لئے سامان عبرت تھا۔سردارانِ قریش جوفن سپہ گری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اورکیل کانٹے سے لیس تھے۔آج ان کے مقابلہ میں غریب الوطن مفلس مہاجراور مدینہ کے بے سرو و سامان کا شتکار تھے جنہیں جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھااورجنہیں گھر سے نکلتے وقت یہ تک پتہ نہ تھا کہ اتنی بڑی منظم فوج سے ان کا مقابلہ ہوگا لیکن خداتعالیٰ نے بتا دیا کہ جس کے ساتھ اس کی مدد ہو اس کے لئے ظاہری سازو سامان کی حاجت نہیں ۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔اس جنگ میں کفار کوشکست فاش ہوئی ،ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ستر کفار واصل جہنم ہوئے اوراتنے ہی قیدی بنائے گئے۔اگر اسی شکست سے عبرت حاصل کرلیتے تو مزید شکستوں اور رسوائیوں سے بچ جاتے۔

۱۵۔ **شہوٰت**۔شہوۃ ۔ شدید خواہش ۔محبت ۔ **قناطیر** اور **مقنطرۃ** ۔ کے معنی ڈھیر کے ہیں گویا ڈھیروں ڈھیر ۔ **خیل** ۔گھوڑے اور سوار دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔یہ اسم جمع ہے واحد فرس ہے۔ **مسوّمۃ۔ سوم**۔نشان کئے ہوئے۔امتیازی نشان سے داغے ہوئے۔خاص

الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
خواہشات کی یعنی عورتوں اور بیٹوں اور ڈھیروں ڈھیر

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
سونے اور چاندی کی اور گھوڑوں جو اعلیٰ قسم کے ہیں اور مویشیوں کی

وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
اور کھیتی کی یہ سامان ہے زندگی ورلی کا اوراللہ وہ ہے پاس اس کے

حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ
اچھی لوٹنے کی جگہ ہے توکہدے کیا آگاہ کروں میں تم کو بہتر بات پر اس سے بھی ان لوگوں کے لیے

اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
جنہوں نے تقویٰ کیا پاس ان کے رب کے باغات ہیں کہ بہتی ہیں نیچے سے جن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
رہ پڑنے والے ہیں ان میں اور بیویاں ہیں پاکیزہ اور رضامندی ہے طرف سے اللہ کی

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے بندوں کو وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے

خوبصورت۔جنگ بدرنے مومن اور کافر کے فرق کو ظاہرکر دیا تھا۔ایک طرف دنیادار تھے جن کی آنکھوں کو دنیوی نعما نے خیرہ کیا ہوا تھا اور وہ میدانِ جنگ میں بھی گانے بجانے والی خوبصورت لونڈیوں ،اعلی سازو سامان، خوبصورت گھوڑوں اور مال و منال کی وجہ سے نہایت متکبرانہ انداز سے مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔جیسا کہ ابوجہل نے دیکھتے ہی کہاکہ محمدؐ اور اس کے ساتھی تو اونٹ کا ایک لقمہ ہیں(بیضاوی۔ زیرآیت الانفال:۴۵)لوگوں کے لئے طبعًا پسند کی جانے والی چیزوں یعنی بیوی بچوں ، سونے چاندی کے ذخائر ، عمدہ اورخوبصورت گھوڑے، مال مویشی ، کھیت کھلیان جن کی محبت میں انسان فطری طور پر کھنچا جاتا ہے ،بے شک یہ قابل اعتراض نہیں۔مگر یہ صرف دنیوی نعما ہیں جنہیں مقصودِ حیات بنانے والوں کا انجام جنگ بدر میں تم دیکھ چکے ہو اور جو کچھ خداتعالیٰ کے پاس ہے اس کا تو انہیں تصوربھی نہیں۔اس سورۃ میں نصاریٰ سے خطاب ہے اور ان کی طرف اشارہ ہے جب ان کو ڈھیروں ڈھیرسونا چاندی اور دنیوی نعمتیں ملنے والی تھیں اور جنہوں نے ان میں غرق ہوکر مقصودِ حیات کو بالکل ہی بھلا دینا تھا۔

۱۶۔دوسری طرف **متقین** ہیں جن کا منتہائے نظر یہ چند دنیوی اسباب نہیں۔ان کی نظر اپنے رب کی اخروی عطا اور رضا پر ہے جو ان دنیوی نعمتوں سے بہت بہتر ہے۔ہاں تقویٰ شرط

اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾
ضرور ہم ایمان لائے پس معاف کردے ہمیں گناہ ہمارے اور بچا ہمیں عذاب سے آگ کے

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ
وہ جو صبر کرنے والے ہیں اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور

الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
بخشش مانگنے والے صبحوں کو گواہی دی اللہ نے کہ نہیں کوئی خدا مگر وہی

ہے۔ تقویٰ میں تمام گناہ کبیرہ سے بچنا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ۵۶ گناہ کبیرہ لکھے ہیں اور بتایا کہ قطب کے دل سے جو آخری گناہ نکلتا ہے وہ کبر ہے۔ نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت رضوان اللہ ہوگی۔ متقین کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی جس کی ابتدا اسی دنیا میں پڑ چکی تھی، جہاں وہ تمام امور میں رضائے الٰہی مدنظر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ نے دنیا میں ہی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا خطاب پایا۔ رضا کی تشریح میں امام راغبؒ نے لکھا کہ بندے کا خدا سے راضی ہونا اس کی قضا و قدر پر راضی ہونا ہے اور اللہ کا بندے سے راضی ہونا یہ ہے کہ بندہ اس کے امر پر چلنے والا اور نہی سے رکنے والا ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نگران ہے گویا ہر وقت غلطی کا احتمال ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی بچایا جاتا ہے۔

۱۷۔ یہ متقین ہیں جن کا ایمان زبانی نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتے ہیں پھر اپنے رب سے استغفار کرتے اور اپنی کمزوریوں کی معافی چاہتے اور ان سے بچنے کی دعائیں کرتے ہیں۔ اغرّ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اے لوگو توبہ کرو اللہ سے۔ میں توبہ کرتا ہوں دن میں ستر بار۔ اس لئے انسان کو استغفار کی ہر وقت حاجت ہے۔ تا اللہ تعالیٰ لغزشوں سے پردہ پوشی فرمائے اور آئندہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو شخص اپنے اوپر استغفار لازم کرے تو اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ اس کے لئے نکال دیتا ہے اور ہر رنج و غم سے اسے نجات دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ) اس سے استغفار کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر عذاب جہنم سے بچنے کی دعائیں کرتے ہیں۔

۱۸۔ اب ان باغوں کے وارث متقین کی کچھ اور صفات کا ذکر کیا۔ فرمایا وہ صابرین ہیں۔ یعنی راہ حق میں جنگ ہو یا امن، استقامت دکھانے والے ہیں گویا ہر مخالف کے سامنے سینہ سپر رہتے ہیں۔ غصہ، شہوت و لالچ اور دوسری برائیوں سے خود کو روکے رکھتے ہیں اور راستباز ہیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
اور فرشتوں نے اور اہل علم نے کہ قائم کرنیوالا ہے انصاف کو نہیں کوئی خدا سوائے اس کے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَ
بڑائی والے حکمت والے کے یقیناً دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے اور

نصف

یعنی ہر قول کو سچ کر دکھاتے ہیں۔ فرمانبردار ہیں، خدا تعالیٰ کے آگے جھکے رہتے ہیں اور ہر فعل میں اسی کی رضا مدنظر رکھتے ہیں۔ وہ اپنے سارے مال اور ساری طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کھلا رکھتے ہیں اور انہیں بنی نوع انسان کی بھلائی پر خرچ کرتے ہیں۔ کفار کی طرح بخیل نہیں ہوتے کہ سمیٹ سمیٹ کر رکھیں۔ صبر و صدق، فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ کا جو نمونہ جنگ بدر میں صحابہؓ نے دکھایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان واقعات سے احادیث بھری پڑی ہیں۔ اب پانچویں یعنی ترقی اور قرب الٰہی کی آخری منزل بتائی۔ یہ رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنا یعنی تہجد ادا کرنا ہے۔ بے شک تہجد عام مسلمانوں پر فرض نہیں لیکن متقین تہجد کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں۔ جو قرب الٰہی حاصل کرنے کا مجرب نسخہ ہے۔ بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ تہجد قبولیتِ دعا کا وقت ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ہمارا رب ہر رات قریبی آسمان تک نزول کرتا ہے جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے۔ جو مجھے پکارے تو میں اس کا جواب دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں۔ (متفق علیہ) حضرت اسماء بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیہقی میں روایت ہے کہ تہجد گزار بے حساب بخشے جائیں گے۔ پھر باقیوں کا حساب ہوگا۔ نیز یہ کہ تہجد پڑھنے والے کی قبر روشن ہوگی۔

۱۹۔ **قآئمًا بالقسط** ط کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ اصل گواہی اللہ تعالیٰ کی ہے جو انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کی گواہی کے تابع گواہی دیتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ثبوت میں تین شہادتیں پیش کی ہیں۔ سب سے پہلی خود ذات باری تعالیٰ کی شہادت ہے۔ جس میں اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و مرسلین کی شہادت، اس کی بھیجی ہوئی کتابوں کی شہادت اس کی تخلیق کی ہوئی کل کائنات کی شہادت ہے جس میں ایک ہی عالمگیر قانون کارفرما ہے جو خدا تعالیٰ کی واحدانیت کا زندہ ثبوت ہے۔ دوسری شہادت ملائکہ کی ہے کہ وہ پاک فطرت ہستیاں لوگوں کے دلوں میں نیکیوں کی تحریک کرتی ہیں اور ہر نیک فطرت انسان کے دل سے یہی آواز اٹھتی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ تیسری شہادت اہل علم کی ہے۔ ان میں سے جو دینی

مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب مگر بعد اس کے کہ آیا ان کے پاس
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
علم بسبب سرکشی کے آپس میں اور جو شخص کفر کرے گا اللہ کی آیات کا تو یقیناً اللہ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ
جلد ہے حساب لینے میں پھر اگر وہ جھگڑیں تجھ سے تو کہدے میں نے سونپ دی اپنی توجہ

طور پر اہل بصیرت ہو وہ تو خدائی صفات کے تابع انصاف پر قائم ہوتا ہے اور بوجہ بینا ہونے کے خداتعالیٰ کی وحدانیت کا گویا چشم دید گواہ ہوتا ہے۔البتہ دنیوی علوم والوں کے لئے شرط ہے کہ ان میں سے جو صاحب عدل و انصاف ہو وہ گواہی کا اہل ہے۔خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو ،جب صاف دل ہو کر بنظر عمیق کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے گا تو خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں ایسا نظم و ضبط اور توازن نظر آئے گا کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی۔آج بھی کئی چوٹی کے سائنسدان خداتعالیٰ کی واحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔جیسے نیوٹن جو تثلیث کی گود میں پلا لیکن اس نے برملا اعلان کیا کہ عیسیٰؑ ایک خدا کا بچاری تھا۔اس جرم میں نوکری سے نکال دیا گیا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر کسی سائنسدان کو ولی اللہ کہہ سکتے ہیں تو وہ سَر آئزک نیوٹن تھا۔جس نے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا اور صرف انتالیس برس کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

یہ آیت عیسائیوں پر اتمام حجت ہے کیونکہ تثلیث کی گواہی صحیفہ کائنات سے ملتی ہے نہ کسی نبی یا الہامی کتاب نے ایسا کہا بلکہ انجیل بھی اسے ردکرتی ہے ،نہ نیک فطرت لوگ جن کا کچھ بھی ملائکہ سے تعلق ہے اسے مانتے ہیں۔اہل علم جو دینی یا دنیوی علوم میں دسترس رکھتے ہوں اگر انصاف سے بات کریں تو ان کی نظر میں بھی تثلیث کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس یہ آیت تثلیث کے تابوت میں آخری کیل ہے۔اس آیت کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر فرض نماز کے بعد اس کی تلاوت کے لئے فرمایا۔(تفصیل:۲۸)

۲۰۔جب ذرے ذرے نے توحید کی گواہی دی اور تثلیث کا قلع قمع ہوا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی وہ اصل دین اور نظامِ زندگی ہے جس کی بنیاد توحید پر ہے اور یہی خداتعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔اسلام خداتعالیٰ کی کامل فرمانبرداری یعنی اپنی جان ، مال اور ہر شے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا نام ہے یہ کوئی نیا دین نہیں۔جو پیغمبر بھی آیا اس کا دین اسلام ہی تھا

لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ
اللہ کیلئے اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی اور تو کہدے ان لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب اور کم والوں کو کہ
ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا
کیا اسلام لاتے ہو تم بھی پھر اگر مسلمان ہو جاویں تو یقیناً ہدایت پا گئے اور اگر پھر جاویں
فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تو صرف ذمہ تیرے پہنچانا ہے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے بندوں کو یقیناً وہ لوگ جو

ع ۱۱/۱۰ ۲

اور ہر الہامی کتاب نے توحید کی تعلیم دی لیکن ہر پیغمبر کے زمانہ میں جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے علم آ جانے کے باوجود اختلاف کیا۔اس اختلاف کی وجہ ان کی باہم سرکشی تھی۔گویا طبیعتوں میں فساد اور سرکشی قبول حق میں مانع تھی۔ تاہم وہ مذاہب خاص زمانہ اور خاص اقوام کے لئے تھے۔جب تمام دنیا کا ایک دوسرے سے رابطہ ہونے کا زمانہ قریب آیا ،فاصلے سمٹنے کو ہوئے اور انسان شعوری طور پر بالغ ہوگیا تو قرآنی نظام زندگی اور قانون عطا فرمایا جو تمام دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔جو اس کے بعد بھی خدائی نشانوں کا انکار کرے تو وہ جان لے کہ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔جلد حساب لینے میں اشارہ ہے کہ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے۔

۲۱۔ **البلاغ ۔بلاغ۔ بلوغ** ۔انتہائے مقصد کو پالینا۔ پیغام پہنچادینا۔

فرمایا جب اسلام کی تمام خوبیاں عیاں ہوگئیں اورگذشتہ تمام مذاہب کی حقیقت بھی کھل گئی تو اس کے بعد بھی اگر وہ بحث برائے بحث کے تحت تجھ سے دین کے معاملہ میں جھگڑا کریں اور نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں اور میرے متبعین اپنی ساری توجہ خالصۃً اللہ کی رضا کے تابع کر چکے ہیں۔یہاں اہل تشیع توجہ فرمائیں جو آپؐ کے بعض خاص متبعین پر الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ پس اے پیغمبرؐ آپؐ تمام اہل کتاب کو جو جانتے ہیں اوران کو بھی جن کے پاس کوئی کتاب نہیں اور انہیں دین کا علم نہیں،کہہ دیجئے کہ کیا اتمام حجت کے بعد بھی تم اللہ کی اطاعت و بندگی قبول نہیں کرتے ؟ پس اگر وہ قبول کرلیں یعنی اسلام لے آئیں تو یقیناً وہ ہدایت پاگئے۔اگر روگردانی کریں تو آپؐ پر صرف پیغامِ الٰہی کا پہنچانا فرض ہے۔ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں کہ اگر ایمان نہ لائیں تو جنگ کرو۔جنگ صرف ان لوگوں سے حکم خداوندی کے تحت کی گئی جو عادی مجرم تھے۔اسلام قبول کرنے کی پاداش میں مومنین کو قتل کرتے۔ ڈاکے ڈالتے۔ فساد

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ
کفر کرتے ہیں اللہ کی آیات کا اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو بغیر حق کے

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ
اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم دیتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے

فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ
پس اطلاع دے انہیں عذاب دردناک کی یہ وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے

اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۳﴾
اعمال جن کے دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں انکے لیے کوئی مددگار

پھیلاتے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے اور یہ جنگ بھی بحیثیت بادشاہ تھی نہ کہ بحیثیت پیغمبر۔ ورنہ مکہ میں فرض ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔ گویا ان کے حالات سے خوب واقف ہے۔

۲۲۔۲۳۔ اس رکوع میں بتایا کہ نبوت بنی اسرائیل سے لے کر ایک دوسری قوم کو دی جائے گی جو اس کی اہل ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت ایک نشان ہے۔ قرآن کریم خود نشان ہے۔ محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی خدا کا نشان ہیں۔ پھر جو لوگ ان تمام نشانات کا انکار کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے ہیں۔ یقتلون کی دوسری قرأت یقاتلون بھی ہے جس کے معنی لڑنے کے ہیں۔ اس لئے بھی کہ قرآن کریم میں نص صریح سے کسی نبی کے قتل کا ذکر نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ انتہائی ناامیدی میں اللہ تعالیٰ کی مدد انبیاء کو پہنچی۔ تاریخ سے حضرت یحییٰ ؑ کا قتل بھی ثابت نہیں۔ تاہم امکان ضرور ہے۔ انبیاء کے قتل سے مراد ان کی شدید مخالفت اور ان کے مقاصد کی ناکامی بھی ہے۔ چونکہ آپؐ کی نبوت میں تمام انبیاء کی نبوت کا ثبوت ہے اور اس نے سب کو سچ کر دکھایا۔ اس لئے آپؐ کا انکار سب انبیاء کا انکار ہے اور جو آپؐ کے قتل کے درپے ہیں وہ گویا کل انبیاء کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ عداوت انبیاء تک ہی محدود نہیں بلکہ جنہوں نے بھی عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کی بنیاد رکھنی چاہی خواہ وہ صحابہؓ تھے یا بعد میں آنے والے صاحبِ عدل، یہ ان کی جان کے بھی دشمن ہو گئے۔ پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے۔ گویا ان کی ساری تجویزیں اور منصوبہ بندیاں ناکام ہو جائیں گی۔ آنحضرتﷺ کے دشمنوں کا حشر دنیا نے دیکھا پھر آپؐ کے خلفاء و صحابہؓ کے مقابلہ میں جو اٹھے ناکام و نامراد ہوئے۔ جب دنیا میں آپؐ کے اور آپؐ کے متبعین کے مخالفین کا انجام یہ ہوا کہ کوئی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ
کیا نہیں دیکھا تو نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب میں سے کہ وہ بلائے جاتے ہیں

اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ
طرف کتاب اللہ کے تاکہ وہ فیصلہ کرے درمیان انکے پھر پھر جاتا ہے ایک فریق ان میں سے

وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا
اور وہ اعراض کرنے والے ہیں یہ اسلیئے ہے کہ انہوں نے کہا ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں

النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِھِمْ
آگ سوائے دنوں کے گنتی کے اور دھوکہ دیا انہیں دین میں ان کے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ
اس نے جو تھے وہ افتراء کرتے پس کیا حال ہوگا جب جمع کریں گے ہم ان کو ایسے دن میں کہ نہیں کوئی شک

ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ تو آخرت میں ان کی مدد کو کون آئے گا۔

۲۴۔ **نصیبًا۔ نصب** ۔معین حصہ۔

یہود و نصاریٰ مخاطب ہیں جن کے پاس اصل بائبل کا صرف ایک حصہ ہی رہ گیا ہے باقی تحریف شدہ عبارت ہے۔ یہ اس وقت کہا گیا جب یہ بات یہود و نصاریٰ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی لیکن آج وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ تورات اور انجیل میں اصل کتابوں کا صرف ایک حصہ ہی رہ گیا ہے۔ گویا حق ان میں بہت کم رہ گیا ہے اس لئے اب اس قابل نہیں کہ اختلافات دینی کا فیصلہ کر سکیں۔ فرمایا وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں جو اصل کتاب اور قرآن کریم ہے اور سراسر حق ہے تاکہ ان کے درمیان مذہبی اختلافات میں ان کا فیصلہ کرے۔ یہ دعویٰ خود قرآن کرتا ہے۔ فرمایا ہم نے قرآن کریم کو اس غرض سے نازل فرمایا کہ جو اصولی اختلافات مذاہب میں پڑ گئے ہیں۔ یہ ان کا فیصلہ کرے۔ (النحل :۴۵) لیکن ان میں کچھ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ وہی اعراض کرنے والے ہیں۔ یہ بھی معنی ہیں کہ بائبل میں قرآنی حقائق کا ایک حصہ ہی دیا گیا تھا اس لئے کہ وہ مکمل قرآنی حقائق کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

۲۵۔ حق کی طرف سے منہ پھیرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سوائے گنتی کے چند روز کے آتش جہنم ہمیں نہیں چھوئے گی۔ یہ یہود کا زعم باطل ہے جو خود کو انبیاء کی اولاد ہونے کی وجہ سے عام دنیا سے الگ کوئی اعلیٰ مخلوق سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کفارہ کی وجہ سے بزعمِ خود بالکل ہی بخشے جا چکے ہیں۔ ان کا یہ افترا کہ ایک رسول کو خدا کا درجہ دے دیا۔ انہی غلط عقائد نے انہیں

فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اس میں اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو کمایا اس نے اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ

تو کہدے اے اللہ مالک ملک کے تو دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور

تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ

تو چھینتا ہے ملک جس سے تو چاہتا ہے اور تو عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو ذلیل کرتا ہے جسے

تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۷﴾ تُوْلِجُ

چاہتا ہے ہاتھ میں تیرے خیر ہے یقیناً تو ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے تو داخل کرتا

گناہوں میں دلیر کردیا اور دین کے معاملہ میں غلط فہمیوں میں مبتلا رکھا۔ مسلمانوں میں سے بھی بعض خود کو خاص پیروں فقیروں کی اولاد کہتے اور مقربین الٰہی ہونے کے دعویدار ہیں اور شفاعت کا غلط مطلب لیتے ہیں۔

۲۶۔یوم سے مراد ایک عرصہ ہے۔دن کے علاوہ بہت بڑا دن بھی مراد ہو سکتا ہے۔یہ غلط فہمیاں کہ ہم جو چاہیں سیاہ و سفید کریں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ،اصولاً غلط ہے۔اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافات کے مطابق ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب قیامت کو جو برحق ہے ،تمہیں اکٹھا کر کے لایا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔گویا ہر عمل کا نتیجہ ساتھ ساتھ پیدا ہوتا ہے جو قیامت کو کھلے طور پر نظر آئے گا۔اس میں کفارہ کا بھی رد ہے کہ مسیح ؑ نے سب کے گناہ اٹھالئے اور وہ بخشے گئے۔فرمایا جس نے جو کمایا ہوگا اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔ زید کی سزا بکر کو نہیں ملے گی۔

۲۷۔**اللّٰھُمَّ** اصل میں یااللہ ہے۔بعض کے نزدیک یہ ترکیب ہے۔یااللہ **امنا بخیر**۔ اے اللہ! ہمارے ساتھ بھلائی کا قصد فرما۔ **اللّٰھمَّ** میں پیار کا عنصر بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں دعائیں عام طور پر **ربّ** اور **ربّنا** سے شروع ہوتی ہیں۔ **اللّٰھمَّ** سے جتنی دعائیں شروع ہوتی ہیں ان کے ساتھ ضرور کوئی صفتِ باری تعالیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کے لئے مخصوص ہے۔ **تنزعُ** ۔ نزع کسی چیز کو اس کی جائے قرار سے کھینچنا۔ نزع کی حالت جب روح کھینچی جاتی ہے اسی سے تنازع ہے۔ کھینچا تانی جھگڑا۔**تنزع**۔ تو چھینتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول میں بیہقی اور کئی دوسری احادیث میں درج ہے کہ غزوہ خندق میں دس صحابہؓ کے ذمہ چالیس ہاتھ لمبی خندق کھودنا تھی۔ اس بے حد کٹھن کا م میں جس طرح صحابہ

کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کی معیت میں حصہ لیا ،اپنی مثال آپ ہے اور بہت ہی کم عرصہ میں ایک میل لمبی گہری اور چوڑی خندق کھود ڈالی۔ کھدائی کے دوران اتفاقاً ایک سخت چٹان آ گئی جسے صحابہ کرامؓ باوجود کوشش کے توڑنے سے عاجز رہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آنحضرت ﷺ کو صورت حال سے آگاہ فرمایا تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لائے اور تین آہنی ضربوں سے چٹان کو پاش پاش کر دیا۔ ہر ضرب پر چنگاریاں نکلیں اور آپؐ نے ہر دفعہ اللہ اکبر کہا۔ آپؐ نے فرمایا! مجھے پہلی ضرب کی روشنی میں فارس کے محلات دکھائے گئے ہیں۔دوسری ضرب پر روم کے سرخ محل دکھائے گئے۔ تیسری دفعہ یمن کے محلات کا نظارہ دیکھا اور جبرائیل امین نے بتایا کہ میری امت ان تمام ممالک پر قابض ہوگی۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق) منافقین نے سنا تو خوب مذاق اڑایا کہ اپنی جانوں کے لالے پڑے ہیں ، فاقہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہیں اور روم و فارس کی فتح کے خواب دیکھ رہے ہیں۔اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ تاہم کسی آیت کی شانِ نزول کو کسی خاص واقعہ تک محدود رکھنا قرآن کریم کی شان کے خلاف ہے۔ ہر آیت اپنی جگہ ایک لازوال خزانہ ہے اور وہ ہمیشہ اسی حیثیت کی حامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ”میرے لئے زمین کے مشرق اور مغرب کے کنارے سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں۔“ پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا!”میری حکومت بالآخر ضرور ان زمینوں پر قائم ہوگی جو مجھے عالم رویاء میں دکھائی گئی ہیں۔“ (مسلم ۔ کتاب الفتن)

جب ہر عمل کی جزا یا سزا ہے اور کسی حد تک دنیا میں ہی شروع ہو جاتی ہے تو یہ دعا سکھائی کہ تو ہی ان اعمال کی توفیق دے کہ دین و دنیا میں اعلیٰ مراتب حاصل ہوں۔دنیا و آخرت کی بادشاہی حقیقت میں خداتعالیٰ کو ہی سزاوار ہے لیکن اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دنیا کی بادشاہت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے محروم کر دیتا ہے۔چونکہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں اندھیر نہیں۔اس لئے روحانی بادشاہت انہی کو عطا فرماتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔یہ قانون خاص طور پر روحانی بادشاہت کے لئے ہے۔بے شک وہ موہبت ہے لیکن پہلے مجاہدہ شرط ہے۔جب تک بنی اسرائیل خدا کی رضا کی راہوں پر چلتے رہے اور خود کو اس فضل و احسان کا مستحق ثابت کیا ، وہ ان کے پاس رہی۔جب علمِ الٰہی میں وہ اس نعمت عظمٰے کے اہل نہ رہے تو یہ روحانی بادشاہت بنی اسمٰعیل کو منتقل ہوئی کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء اس کی بشارت دیتے آئے تھے اور اس کا کمال تک پہنچنا حضرت محمد مصطفیٰ

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ

ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ

زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے

مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۸﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

جسے تو چاہتا ہے بغیر حساب نہ بنادیں مومن کافروں کو

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مقدر تھا۔ چونکہ نصاریٰ سے خطاب تھا جن کی روزانہ کی دعا میں ہے۔" تیری بادشاہت آئے"(متی ۱۶:۱۵)لہٰذا اپنے قدیم دعدوں کے مطابق یہ بادشاہت آنحضرت ﷺ کو دی گئی جو بنی اسماعیل میں سے تھے۔ نبوت وحکومت کی طرح عزت و ذلت بھی جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ہر خیر جس کا انسان طالب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے کیوں کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس میں دنیوی طور پر صاحبِ اقتدار لوگوں کے لئے بھی سبق ہے۔ کہ حکومت اور عزت آنی جانی چیزیں ہیں۔ بادشاہ صرف خداتعالیٰ ہے جو کچھ عرصہ کے لئے تمہیں بطور نائب بندگان خدا پر حاکم مقرر کرتا ہے تا تمہارے عدل و انصاف کو آزمائے اور دیکھے کہ بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے تم نے کیا کیا اور دکھی انسانیت کی خدمت کہاں تک کی۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرح تم نے بھی یہ کہا کہ اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا رہا تو اے عمر! تو جواب دہ ہے۔اسی لئے یہ آیت نئے سربراہانِ مملکت کے حلف کے موقع پر عام طور پر تلاوت کی جاتی ہے۔

۲۸۔بے شک دنیا میں ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ کسی چیز کو قرار نہیں۔ جس طرح رات اور دن،زندگی اور موت کا چکر چلتا رہتا ہے۔اسی طرح رزق بھی ایک ہاتھ میں نہیں رہتا۔جو آج دولت میں کھیل رہا ہے ممکن ہے وہ کل کوڑیوں کا محتاج ہو۔جو کل فقر و فاقہ سے دوچار تھا، ہوسکتا ہے آج امیر و کبیر ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔یہ بھی برسراقتدار لوگوں کو تنبیہ ہے۔

لیکن یہاں رات کے بعد دن کا آنا ضلالت و گمراہی کے اندھیروں کے بعد ہدایت کی روشنی کا آنا ہے۔جس کے آنے سے کئی مردے زندہ کئے جاتے ہیں کئی زندہ ابو الحکم سے ابو جہل کا خطاب پاکر مُردوں کے گروہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔یہ دعا مسلمانوں کو سکھائی گئی ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!جو شخص فرض نماز کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے پھر آیت الکرسی کی تلاوت کرتا ہے پھر آل عمران کی آیت ۱۹ اور آیت ۲۷و۲۸ کی

اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

دوست چھوڑ کر مومنوں کو اور جو کرے گا ایسا تو نہیں ہے وہ

مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ

اللہ کی طرف سے کسی بات (عذر) میں بھی مگر یہ کہ بچو تم ان سے بچنا اور ڈراتا ہے تمہیں

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۹﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا

اللہ اپنے سے اور طرف اللہ کی ٹھکانا ہے تو کہدے اگر چھپاؤ تم جو

تلاوت کرتا ہے۔فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعائیں مانگے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لئے جنت بطور ماویٰ مقرر کر دی ہے اور اسے جنت الفردوس میں سکونت عطا کروں گا اور ہر روز ستر مرتبہ اپنے دیدار سے مشرف کروں گا نیز رزق میں کمی کو روکنے اور اموال میں برکت کے لئے بھی احادیث میں یہ دعائیں بیان ہوئی ہیں۔فرض نماز کے بعد ان دعاؤں سے قبل مسنون تسبیح بھی احادیث سے ثابت ہے۔پس ان آیات کی فضیلت اور برکت ظاہر ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترجمۃ القرآن کلاس میں بتلایا کہ میں اس تسبیح پر باقاعدگی سے عمل پیرا ہوں۔

۲۹۔جب فتح و نصرت اور حکومت و بادشاہت کی بشارت دی تو ساتھ ہی وہ زرّیں اصول بتایا جس پر اگر عمل ہوتا تو باوجود ہر قسم کی کمزوریوں کے اسلامی حکومتیں تباہ نہ ہوتیں۔دوسری اقوام سے تعلقات و معاہدات کے ضمن میں یہ شرط لگا دی کہ کوئی ایسا معاہدہ ہرگز نہ کرنا جس سے مسلمانوں کے مفاد پر زد پڑے۔ایسا نہ ہو کہ کفار سے مل کر اپنے ہی بھائیوں کو تباہ کرو۔بے شک اسلام عالمی اخوت کا درس دیتا ہے لیکن غیراقوام سے ایسی جگری دوستیاں جن سے وہ حکومتی رازوں تک سے واقف ہو جائیں ، منع ہیں۔ورنہ عام تعلقات، باہمی میل ملاپ، دوستی اور حسن سلوک قطعاً منع نہیں۔ ہاں یہ تعلقات بھی ہر قوم سے مختلف ہوں گے لیکن کوئی بھی ایسا معاہدہ یا دوستی جس سے مسلمان بھائیوں کو نقصان پہنچے ، سخت منع ہے۔اخوت اسلامی بہر حال مقدم ہے۔

اس سورۃ میں زیادہ تر نصاریٰ کا ہی ذکر ہے۔مسلمانوں کو آئندہ نصاریٰ سے خاص طور پر واسطہ پڑنے والا تھا جن کا اصول "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہے۔انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں میں نفاق ڈال کر اپنا الو سیدھا کیا۔تاریخِ عالمِ اسلامی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اسلام دشمن قوموں سے مسلمانوں کے خلاف معاہدے کئے اور اسلامی حکومتوں کو خوب نقصان پہنچایا۔حال ہی میں عرب عراق جنگ میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے مل کر مسلمانوں کو تباہ کیا۔جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ

فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي
سینوں میں ہے تمہارے یا ظاہر کرو تم اُسے جانتا ہے اُسے اللہ اور وہ جانتا ہے جو
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۰﴾
آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے
يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا
جس دن پائے گا ہر نفس جو کی اس نے کوئی نیکی موجود اور جو
عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا
کی اس نے کوئی بدی وہ چاہے گا کہ کاش ہو درمیان اس (نفس) کے اور درمیان اس (بدی) کے
بَعِيْدًا ۚ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۚ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ ع ۳ / ۱۱
فاصلہ دور کا اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر

نے مدینہ پہنچتے ہی کفار اور اہل کتاب سے کئی معاہدات کئے اور ان کا پورا پورا پاس کیا۔(۵۔۵۲)

فرمایا اگر پھر بھی تم باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف ان غیر مسلم اقوام سے تعلقات و معاہدات قائم کرتے رہے تو خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ہاں اگر ان سے خوب محتاط رہو اور اچھی طرح اپنا بچاؤ کر لو۔ تو پھر ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جائز حد تک ایسے تعلقات اور معاہدات کئے جاسکتے ہیں جن سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے اور تمہارے آپس کے تعلقات پر اثر نہ پڑے۔اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ یعنی اگر باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔جہاں اس کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔

۳۰۔متصل آیت میں دشمنانِ اسلام سے مسلمانوں کے مفادات کے خلاف دوستی نہ کرنے کا حکم تھا۔اس آیت میں کفار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اسلام کے خلاف تدابیر مخفی رکھو یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے بلکہ وہ تو زمین و آسمان کے راز ہائے بستہ سے واقف ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔پس تمہاری ریشہ دوانیوں سے واقف بھی ہے اور ان کو بے اثر کرنے پر قادر بھی ہے۔

۳۱۔غلبہ اسلام تو بہر حال مقدر ہے اگر یہاں نہ بھی دیکھ سکو اور ذلت سے بچ جاؤ تو اس دن سے ڈرو جب ہر نیک اور بد عمل تمہارے سامنے حاضر ہوگا اور تم خواہش کرو گے کہ کاش اس بدی کے اور تمہارے درمیان طویل فاصلہ ہوتا یعنی تم نے یہ بدی نہ کی ہوتی۔اے لوگو!اللہ تعالیٰ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ
تو کہدے اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو پیروی کرو میری محبت کرے گا تم سے اللہ اور
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۲﴾ قُلْ اَطِيْعُوا
بخش دے گا تمہارے لیے گناہ تمہارے اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ۔ تو کہدے اطاعت کرو
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
اللہ کی اور رسول کی پس اگر پھر جاویں وہ تو یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
کافروں کو یقیناً اللہ نے برگزیدہ کیا آدم کو اور نوح کو اور خاندانِ ابراہیم کو

تمہیں اپنی سزا سے ڈراتا ہے جس کے اہل اس کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے تم خود بنتے ہو ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بہت شفقت کرنے والا ہے۔

۳۲۔اس رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قریبی برگزیدہ ہستیوں کا ذکر کیا یعنی حضرت ذکریا علیہ السلام ، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ ۔

اے محمدؐ لوگوں کو بتا دو کہ میں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے یہ مقام حاصل کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کا محبوب بن گیا ہوں اب تم بھی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع اور پیروی کرو۔خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔آپؐ کی سچی اتباع آپؐ کے اخلاق کا رنگ اپنی ذات میں پیدا کرنا، آپؐ پر درود بھیجنا ،آپؐ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرنا ہے۔یہی فیضانِ الٰہی کے حصول کے ذرائع ہیں۔یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ہم گنہگار کس طرح تیرے محبوب بن سکتے ہیں۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ نہ صرف گناہوں کو بخشنے والا ہے بلکہ رحیم بھی ہے۔وہ سچی کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔اگر تم نے میرے محبوب کی راہ پر چلنے کی کوشش کی تو میں پورا پورا اجر دوں گا اور تمہیں بھی اپنا محبوب بنا لوں گا۔اپنے پیارے کو کون ناکام رہنے دیتا ہے پس خدا اپنے محبوب کو کبھی ناکام نہیں رہنے دے گا۔اس کے دشمن ناکام و نامراد ہوں گے۔اس کے سچے متبعین کو بھی اسی فیضان سے حصہ ملے گا۔چنانچہ اس زمانے میں خدائی نوشتوں کے مطابق مسیح و مہدی موعود کو بھی جو کچھ ملا آنحضرتﷺ کی کامل پیروی سے ملا۔ اتباعِ رسولؐ کے بغیر کوئی شخص براہ راست اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل نہیں کرسکتا کیوں کہ اب تمام دروازے بند ہیں مگر اسلام۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کی روشنی میں حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲۔۶۳)

۳۳۔ خداتعالیٰ اور رسولؐ کی اطاعت کو ایک ہی حکم میں رکھا۔ گویا اگر محمدؐ کی اطاعت سے

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۴ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ

اور خاندانِ عمران کو تمام دنیا پر (یعنی برگزیدہ کیا ایسی) نسل کو کہ بعض اس کا

بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۵ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

بعض سے ہے اور اللہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے جب کہا بیوی نے عمران کی

روگردانی کی تو خدا تعالیٰ کی محبت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ جب گناہوں سے مغفرت اور خدا تعالیٰ کا پیار آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع اور آپؐ پر ایمان لانے سے وابستہ ہے تو جو ایمان نہیں لاتے وہ اس پیار سے محروم اور کافر ہیں۔ بقول شاعر ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

۳۴۔۳۵۔ یہاں سے اس سورۃ کی اصل غرض کی طرف پھر خطاب شروع ہوتا ہے جو ردّ الوہیت مسیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر اعلیٰ و افضل بنایا۔ نسل انسانی کو ابتدا سے ہی کسی مرسل کی ضرورت تھی جو اس کی رہبری کرتا لیکن ہر انسان اس مقام پر نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ انسان کی تمدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا۔ آپ کو خلافت سے نوازا گیا۔ ان سے قریباً ایک ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام آئے یہ پہلے عظیم رسول تھے۔ جنہوں نے اپنی قوم کو ترکِ بدی اور استغفار کی تعلیم دی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی مبعوث ہوئے جنہوں نے اپنا تن، من، دھن خدا کی راہ پر لگا دیا اور کہا **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین** ٥(۶:۱۶۳) آپ کی نسل میں بے شمار انبیاء ہوئے۔ پھر عمران کے بیٹے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا زمانہ آیا اور ان کی نسلوں سے وقتاً فوقتاً انبیاء آتے رہے یہ سب ایک دوسرے کی نسل سے تھے۔ یہ سارا روحانی سلسلہ یونہی وقوع پذیر نہیں ہوگیا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون منصب نبوت کے لائق ہے۔ تمام جہانوں کے مقابل پر چن لینے سے مراد ان کا اپنا کل محدود جہاں تھا۔ جس میں وہ انبیاء اپنے اپنے وقتوں میں سب سے افضل تھے۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ تمام انبیاء حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران سب انسان تھے اور بندگان خدا کی ہدایت کے لئے بوقت ضرورت آتے رہے۔ انہیں کی نسل آل عمران سے مسیح پیدا ہوئے اور انہیں جیسے کام کئے پھر خدائی میں شریک کیسے ہوگئے۔

رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

اے رب میرے یقیناً میں نے نذر کی ہے تیرے لیے جو پیٹ میں ہے میرے آزاد شدہ پس تو قبول فرما

مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا

مجھ سے یقیناً تو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے پس جب جنا اس نے اُسے

قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

کہا اے رب میرے تحقیق جنا میں نے اسے عورت اور اللہ زیادہ جانتا ہے اسے جو

۳۶۔ **محررًا**۔ حُر۔ آزاد۔ جسمانی اور روحانی طور پر آزاد۔ دنیوی فوائد حاصل نہ کرنا۔ دین کے لئے وقف کر دینا جو اصل آزادی ہے۔

بے شک تمام انبیاء کو کلام الٰہی سے نوازا لیکن اس انعام کے صرف مرد ہی حقدار نہ تھے بلکہ عورتوں تک کو اس سے مشرف فرمایا جیسے آسیہ زوجہ فرعون اور بنی اسرائیل میں سے ام موسیٰ وغیرہ۔ ان میں آل عمران کی ایک نیک خاتون، والدہ حضرت مریم صدیقہ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ جس نے اپنے ہونے والے بچے کو دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی نذر کیا تا وہ مقدس ہیکل کی خدمت کرے۔ یہود میں حضرت عیسیٰؑ سے کچھ عرصہ پیشتر سے یہ رسم جاری تھی جس میں لڑکے وقف کئے جاتے اور ہیکل میں رہتے۔ پھر بعض واقفینِ زندگی لڑکیاں بھی بلوغت سے پہلے تک ہیکل میں رہتیں بعد میں کسی راہب کی زوجیت میں آ جاتیں۔ حضرت مریمؑ نے یوسف نامی غیر راہب سے شادی کر کے اس رسم کو ختم کیا۔ بعد میں عیسائیت میں راہبہ عورتیں تمام عمر کنواری رہتیں۔ یہ بہر حال ثابت ہے کہ یہود کی روحانی حالت نہایت پست ہونے کے باوجود ابھی کچھ لوگ ایسے تھے جو بچوں کو خدمت دین کے لئے وقف کرتے۔ امّ مریم نے اس نذر کو قبول کرنے کی دعا کی کہ تو ہی بہت دعائیں سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ جماعت احمدیہ میں بفضل تعالیٰ ہزاروں واقفین زندگی ہیں جو داعی الی اللہ کے منصب جلیلہ پر فائض ہیں اور ایک دنیا کو گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کر صراطِ مستقیم کی روشن راہوں سے روشناس کروا رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی وقفِ نو کی تحریک پر عمل پیرا ہو کر ہزاروں احمدی والدین پیدائش سے قبل ہی اپنے بچے دین کے لئے وقف کرتے ہیں بیٹا ہو یا بیٹی۔

۳۷۔ بیٹی کے وقف کا عام رواج نہیں تھا۔ اس کی پیدائش پر نذر کی وجہ سے ایسا کہنا قدرتی امر تھا۔ فرمایا لڑکا اس لڑکی جیسا نہ ہوتا یعنی علمِ الٰہی میں جن اعلیٰ صفات کی مالک یہ لڑکی ہے اگر لڑکا ہوتا تو ان صفات کا حامل نہ ہوتا اور وہ مقاصد الٰہی جو اس بچی کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچنے والے تھے لڑکے سے حاصل نہ ہو سکتے۔ ماں نے اس کا نام مریم رکھا اور دعا کی کہ اسے اور اس کی نسل کو شیطان

وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا
جنا اس نے اور نہیں ہے مرد مانند عورت کے اور یقیناً نام رکھا میں نے اس کا
مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ
مریم اور یقیناً میں پناہ دیتی ہوں اسے تیری اور اولاد کو اس کی شیطان
الرَّجِيْمِ ﴿۳۷﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا
ملعون سے پس قبول کیا اُسے رب نے اسکے ساتھ قبولیت کے اچھی اور بڑھایا اسے بڑھانا
حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا
اچھا اور متکفل بنایا اس کا زکریا کو جب کبھی داخل ہوتا اس پر زکریا
الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ
محراب میں پاتا پاس اس کے رزق کہتا اے مریم کہاں سے ہے تیرے لیے

مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ یہ دعا مریم اور اس کی اولاد کے لئے حضرت مریم کی پیدائش پر حضرت مریم کا نام رکھنے کے بعد مانگی۔ دعا کی وسعت عیاں ہے اور یہ بھی کہ اس وقت تک رہبانیت رائج نہ تھی یہ بعد کی اختراع ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صرف مریم اور اس کی اولاد مس شیطانی سے پاک ہے۔ قطعاً غلط ہے، خواہ کوئی حدیث بھی اس کی تائید میں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہود کا بہتان تھا۔ جس سے قرآن کریم نے انہیں بری فرمایا۔ مریم کو صدیقہ اور مسیح ؑ کو مس شیطانی سے پاک کہا۔ ورنہ تمام انبیاء بلکہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے بھی مس شیطانی سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ سب انسانوں کو فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا۔ (الروم:۳۱) حدیث میں بھی ہے کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ (مسلم کتاب القدر بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

۳۸۔ **انبتھا** ۔ نبات۔ نباتات خواہ تنا ہو یا نہ ہو۔ ہر اگنے والی چیز۔ انسان کے بڑھنے پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ **کفّل** ۔ کفل۔ کفیل۔ کفالت میں دے دینا۔ **محراب** ۔ مادہ حرب ہے یعنی جنگ۔ مسجد کے محراب کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ شیطان اور خواہشات کے درمیان مقام جنگ ہے۔ محراب ان کوٹھریوں اور حجروں کو بھی کہتے ہیں جو ہیکل کے باہر بلندی پر راہبوں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ مراد خاص عبادت کی جگہ۔

حضرت مریمؑ کی والدہ محترمہ کی فضیلت **ربُّھا** سے ظاہر ہے۔ قرآن کریم ایک مختصر اور جامع کتاب ہے۔ بعض دفعہ ایک کے بعد دوسری بات میں سالوں یا صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔

هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ
یہ وہ کہتی یہ پاس سے ہے اللہ کے یقیناً اللہ رزق دیتا ہے جسے
يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ
چاہتا ہے بغیر حساب کے وہیں دُعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا
رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ
اے رب میرے عطا کر مجھے اپنی جناب سے اولاد پاک یقیناً تو خوب سننے والا
الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى
ہے دُعا کا پس پکارا اُسے فرشتوں نے جبکہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا

یہاں بھی یہ مراد نہیں کہ پیدا ہوتے ہی مریم کو ہیکل کے سپرد کر دیا بلکہ اس کے ربّ کی طرف سے احسن طور پر قبول فرمانے کے بعد عمدگی سے بڑھانے اور پرورش کرنے کا ذکر ہے۔ جب تعلیم و تربیت کے قابل ہوئیں تو بذریعہ قرعہ اندازی حضرت ذکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئیں جو رشتے میں آپ کے خالو بھی تھے آپ نہایت راستباز بزرگ تھے اور مقام نبوت پر فائز تھے۔ آپ جب بھی حضرت مریم کی عبادت گاہ میں تشریف لاتے تو وہاں رزق پاتے۔ یہاں عام رزق مراد نہیں ہو سکتا جو بطور نذر و نیاز لوگ عاکفین کے لئے لاتے ہیں بلکہ روحانی رزق مراد ہے۔ جیسا کہ مجاہدؒ نے علم یا علمی صحیفے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو متقی کو ایسے ذرائع سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا (الطارق:۴) لہٰذا اگر مریم صدیقہؑ کو ان کے غیر معمولی تقویٰ و طہارت اور پرہیزگاری کی وجہ سے معجزانہ طور پر کچھ عطا ہوتا تھا تو یہ عین ممکن ہے لیکن غلط قسم کی قصہ کہانیاں کہ سات قفلوں کے اندر بے موسم کے پھل آتے تھے، محض افسانے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جو بھی اپنی زندگی دین کے لئے وقف کرے گا، جناب الٰہی سے غیر معمولی عنایات پائے گا۔ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۳۹۔ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ عام کھانے کو دیکھ کر ایسا بے چین نہیں ہوتا کہ انتہائی بڑھاپے میں اولاد کی خواہش جوش مارے۔ یہ آسمانی رزق ہی تھا جو اہل بصیرت کو کسی نہ کسی رنگ میں نظر آ جاتا ہے اور جس سے ان کے دل میں بھی ایسی ہی پاکیزہ اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور وہیں حضرت مریم کے حجرے میں بارگاہ الٰہی میں بے اختیار پکار اٹھے کہ مجھے بھی اپنی جناب سے ایسی ہی نیک اور صالح اولاد عطا فرما۔ انبیاء و مرسلین کو وارثوں کی خواہش نہیں ہوتی کہ ان کی جائیدادیں سنبھالیں اور نام روشن کریں۔ انہیں ایسی پاک اولاد کی خواہش ہوتی ہے جو ان کی نبوت و رسالت

الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ

محراب میں کہ یقیناً اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھے یحییٰ کی (جو) تصدیق کرنیوالا ہے ایک کلمہ کی

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ

طرف سے اللہ کی اور سردار ہے اور بدیوں سے رُکنے والا ہے اور نبی ہے (اور) نیکوں میں سے ہے کہا

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ

اے رب میرے کیونکر ہوگا میرے لڑکا جبکہ یقیناً پہنچ چکا ہے مجھے بڑھاپا اور بیوی میری

کی وارث ہو اور مخلوقِ خدا کو راستی کی طرف بلانے والی ہو۔ حضرت مریم صدیقہ سے پہلے شاید وہ اپنی قوم کی بداعمالیوں سے اتنے مایوس ہو چکے تھے کہ انہیں امید نہیں تھی کہ کوئی انہیں راہ راست پر لاسکتا ہے لیکن حضرت مریم صدیقہؑ کی عبادت و ریاضت اور قربِ الٰہی کے نظاروں سے ان کے دل میں ایسی ہی پاک فطرت اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔

۴۰۔ **حصر**۔ روکنا۔ **حصورًا**۔ بدیوں اور نفسانی خواہشات سے رکنے والا۔ اپنے نفس کی پوری حفاظت کرنے والا۔

خداتعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت سے نوازا اور وہیں نماز پڑھتے ہوئے فرشتوں نے آپ کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ اپنی قوم میں سردار اور پیشوا ہوگا اور اپنے نفس کو بدیوں اور شہواتِ نفسانی سے روکنے والا ہوگا اور صالحین میں سے ایک نبی ہوگا۔ باوجود اس کے کہ مجموعی طور پر قوم فسق و فجور میں مبتلا تھی لیکن کم از کم ایک گروہ نیک و صالح لوگوں کا ضرور تھا جو الیسینیز کہلاتے تھے جن میں حضرت مریم کی والدہ، خود حضرت زکریاؑ اور کئی صاحب کشف و الہام بزرگ تھے جو یہودیوں کی سرکشیوں سے تنگ آ کر یہودیہ کے بیابانوں میں آباد ہوگئے تھے۔ وہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربیت ہوئی۔ اس کا علم وادی قمران کی غاروں سے دستیاب ہونے والے لٹریچر سے ہوا جو ابتدائی عیسائیوں کی لکھی ہوئی زبور اور صحائف ہیں۔ (''مسیح کشمیر میں ہے'' مرتبہ اسداللہ کشمیری) انہیں میں سے آپ کو نبی چنا گیا۔ یحییٰ نام میں بھی اشارہ تھا کہ پاک اور روحانی زندگی کا وارث ہوگا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔ آپ حضرت عیسیٰؑ سے چند ماہ بڑے تھے اور ان سے پہلے نبوت سے نوازے گئے۔ آپ نے ایک بڑی جماعت کو ہدایت دی اور بپتسمہ دیا۔ یہ وہی الیسینیز فرقہ کے لوگ تھے جن میں مسیح کے خاص شاگرد یوحنا (یحییٰ) اور توما ہوئے۔ آپ یوحنا

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۱﴾ قَالَ رَبِّ

بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اس نے کہا اے رب میرے

بپتسمہ دینے والے مشہور تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی آپ نے بپتسمہ دیا۔ آپ مسیح کے لئے بطور ارہاص تھے یعنی لوگوں کو مسیح کی آمد اور اس پر ایمان لانے کے لئے تیار کرنے آئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے دعویٰ نبوت پر حضرت یحییٰؑ مع اپنی کل جماعت کے آپ پر ایمان لائے۔ بنی اسرائیل کا یہی فرقہ آپ پر ایمان لایا۔ تورات میں مسیح سے پہلے آسمان سے ایلیاء نبی کے آنے کا ذکر ہے۔ (ملاکی۴۔۵) آپ مثیلِ ایلیاء تھے۔ مگر یہود ظاہری الفاظ پر اڑے رہے اور بضد رہے کہ جب حضرت ایلیاء علیہ السلام یعنی حضرت الیاس علیہ السلام آسمان سے اترے گا تو پھر مسیح آئے گا اور ہم اس پر ایمان لائیں گے۔ بعینہ آج کل کے مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہود نے استعاروں پر محمول کلام کو ظاہر پر اطلاق کیا اور دھوکا کھایا اور مسیح کو ماننے کی توفیق نہ ہوئی۔ اسی طرح مسلمان بھی زیادہ تر محروم رہے۔ یہود کے پاس تو کوئی مثال نہ تھی لیکن مسلمان باوجود ایک مثال کے دھوکا کھا گئے۔ اگر اتنی تصریح ملاکی نبی کے صحیفہ میں ہوتی تو یہود کبھی تباہ نہ ہوتے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں) سلسلہ موسوی کی ابتدا دو نبیوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے ہوئی اور خاتمہ بھی دو نبیوں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ہوا۔ گویا ہدایت و نبوت کا عظیم کام ایک نبی کے بس کا نہ تھا لیکن جب انسانِ کامل آیا تو عرب جیسی گمراہ قوم کو ایک ہی شخص کی قوت قدسی نے اولیاء و صلحاء کی صف میں کھڑا کر دیا۔ حضرت یحییٰؑ ایک کلمہ کی تصدیق کے لئے آئے تھے۔ مراد کلمہ توحید بھی ہوسکتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ بھی ہوسکتے ہیں اگر حضرت عیسیٰؑ کو کلمۃ اللہ کہا تو آپ کو تمام بہتانوں سے بری کرنا مقصود تھا ورنہ تمام انبیاء کو آیت اللہ کہا۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں۔ (الکہف:۱۱۰) اگر ان میں سے ایک حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں تو اس سے آپ کی تمام انبیاء پر کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

۴۱۔ **غلام**۔ نوجوان جس کی مونچھیں نکل رہی ہوں۔ **عاقر**۔ عقر۔ جڑ۔ جڑ سے کاٹ دینا **فعقروها** انہوں نے اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔ (الشّمس :۱۵) عاقر جو (نہر کے) پانی کو کاٹ دے ضائع کردے۔ بانجھ۔

خود دعا مانگنا اور جناب الٰہی سے بشارت ملنے پر متعجب ہونا ایک شکر کا ہی انداز تھا۔ بے ادبی نہیں تھی۔ کیوں کہ ایسا سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ بڑھاپے اور بیوی کے

اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ

بنا میرے لیے کوئی نشان فرمایا نشان تیرا یہ ہے کہ نہ بولے گا تو لوگوں سے تین

اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ

دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام

وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۲﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ

اور صبح اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم یقیناً اللہ نے

اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

چن لیا ہے تجھے اور پاک کیا ہے تجھے اور برگزیدہ کیا ہے تجھے عورتوں پر تمام دنیا کی

ع ۴ / ۱۱ / ۱۲

بانجھ ہونے کے باوجود ایسے بیٹے کی بشارت ملنا جس کے جوان ہونے تک آپ بھی زندہ رہیں گے بظاہر ناممکنات میں سے تھا۔ فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۴۲۔ **العَشِیّ**۔عشی۔ زوال آفتاب سے طلوع فجر تک کا وقت۔ **ابکار**۔ بکرہ ۔ دن کا ابتدائی حصہ ۔صبح۔

بطور نشان حضرت زکریا علیہ السلام کو تین دن تک بات نہ کرنے کو کہا۔ سوائے اس کے کہ اشارہ کنایہ سے کچھ کہہ لیں۔ عطا کہتے ہیں نہ بولنا روزہ رکھنا ہے کیوں کہ دستور تھا کہ روزہ میں بات نہ کرتے جیسا کہ حضرت مریمؑ نے کہا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ نذر مانا ہے اس لئے آج میں کسی سے بات نہ کروں گی (مریم:۲۷) فرمایا خاموشی سے روزہ رکھ کر اپنے رب کو بہت کثرت سے یاد کر یعنی زیادہ وقت ذکر الٰہی میں گزار اور شام کو بھی اور صبح کو بھی تسبیح کر۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل حکیم نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس نسخہ کو بے اولادوں پر بہت آزمایا اور اکثر مفید پایا کہ وہ کم بولیں، ذکر الٰہی کی عادت ڈالیں، اپنے رب کو بہت کثرت سے یاد کریں اور شام و صبح اس کی تسبیح کریں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ جون ۱۹۰۹ء) بولنے سے بھی انسانی طاقت (Energy) کا ضیاع ہوتا ہے۔ خاموشی انسانی کان اور ذہن کو سکون پہنچانے والا عمدہ وصف ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! **الصَّمت حَکم" وقلیَل" فاعِلُه'**۔ خاموشی بھی حکمت ہے لیکن بہت تھوڑے لوگ اسے اختیار کرتے ہیں۔ (کنز العمال ۳۔۲۰۰) بعض دفعہ خاموشی اور تسبیح وتحمید سے دبی ہوئی طاقتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی میں بفضل تعالیٰ آپ کا علاج تھا اور تین دن کے اندر اندر یہ نشان ظاہر ہو گیا۔

۴۳۔ اس رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، بچپن اور بڑھاپے کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ نبوت اور تعلیم کا ذکر کر کے ثابت کیا کہ کسی پہلو میں بھی انسان سے

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾

اے مریم فرمانبردار ہو جا اپنے رب کے لیے اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ

یہ خبروں سے ہے غیب کی ہم وحی کرتے ہیں جسے طرف تیری اور نہیں تھا تو

لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪

پاس ان کے جبکہ ڈالتے تھے وہ قلمیں اپنی کہ کون ان میں سے متکفل ہو مریم کا

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور نہ تھا پاس ان کے جب جھگڑتے تھے وہ اور جب کہا فرشتوں نے

بڑھ کر نہیں۔ آخر اتمام حجت کے لئے مباہلہ کی دعوت دی۔

یہاں سے حضرت مریم صدیقہ کا ذکر پھر شروع ہوتا ہے۔ مسیح کی پیدائش سے پہلے حضرت زکریاؑ کا ذکر اس لئے ہوا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ میں ایک بات مشترکہ تھی کہ دونوں نے ظاہری اسباب موجود نہ ہونے کے باوجود اپنی مراد پائی۔ خداتعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ اپنے پیاروں پر کوئی الزام نہیں رہنے دیتا۔ چونکہ حضرت مریم پر یہود کی طرف سے بہتان تھا اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ذکر سے پہلے ہی آپ کی اس وحی کا ذکر کیا جس میں ملائکہ نے کہا کہ اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور ظاہری و باطنی پاکیزگی سے نوازا اور اس زمانے کی تمام عورتوں پر فضیلت دی۔

۴۴۔ فرمایا اے مریم! اپنے رب کی فرمانبردار ہو جا ، اس کے حضور سجدہ بجا لا اور عبادت گزاروں کے ساتھ مل کر خدا کی عبادت کر۔ مریم تو پہلے ہی زاہدہ و عابدہ اور صاحب الہام وکشوف تھیں۔ یہ ارشاد اس لئے ہوا کہ ان پر شدید ابتلاؤں کا زمانہ آنے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں روحانیت میں مزید ترقی کرنے کا حکم دیا۔

۴۵۔ **اقلام**۔ قلم کی جمع ہے۔ کاشا۔ قلم اور تیر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ آگے سے تراشے ہوئے ہوتے ہیں۔ **یلقون اقلام** وہ قلمیں یا تیر پھینکتے تھے۔ تیر پھینک کر قرعہ اندازی کرتے تھے۔ اناجیل میں مسیحؑ کے واقعات اس قدر مسخ شدہ ہیں کہ اصلیت کو جاننا ناممکن تھا ۔ اصل انجیل یہود کی عداوت کی نذر ہو چکی تھی اس کی جگہ خود ساختہ انجیلوں نے لے لی۔ ان میں بھی جب چاہتے ترمیم کرتے رہتے۔ صرف وحی الٰہی ہی تھی جو حقیقت سے پردہ اٹھا سکتی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے اصل حقائق بیان فرمائے۔ مریم اور ابنِ مریم پر لگائے گئے گھناؤنے الزامات سے ان دونوں کو بری فرمایا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب حضرت مریمؑ صدیقہ سن بلوغ کو پہنچیں۔

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

اے مریم یقیناً اللہ بشارت دینے والا ہے تجھے ایک کلمہ کی اپنی طرف سے نام جس کا مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

عیسیٰ بیٹا مریم کا ہے وجاہت والا دنیا میں اور آخرت میں اور

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

مقربین میں سے ہے اور کلام کرے گا لوگوں سے پنگھوڑے میں اور ادھیڑ ہو کر اور

اب قربان گاہ میں ان کا رہنا ممکن نہیں تھا۔دستور کے مطابق کسی پجاری کے زیر کفالت یعنی نکاح میں آتیں۔اس وقت یہود کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہیکل کے پجاری بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔سوائے حضرت زکریاؑ کے جو ایک صالح بزرگ تھے اور مقام نبوت پر فائز تھے۔آپ نے پدرانہ انداز سے آپ کی کفالت اور تربیت فرمائی تھی۔آپ رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ہیکل کی نذر ہونے کی وجہ سے مریمؑ یا اس کے والدین اس کے نکاح کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ کوئی پجاری اس پاکباز خاتون سے نکاح کے قابل نہ تھا لیکن حضرت مریمؑ کی پارسائی کی شہرت کی وجہ سے کئی ایک آپ سے نکاح کے خواہشمند تھے۔یہود میں اکثر اہم فیصلے قرعہ اندازی سے ہوتے تھے۔اس معاملہ میں بھی قرعہ ڈالا گیااور جھگڑا ہونا قدرتی امر تھا جب کہ آپ کے ساتھ نکاح کے کئی دعویدار تھے۔

۴۶۔ **مسیح** عبرانی کا مشیح ہے۔مسح کرنے والا ۔یعنی مسح کرکے بیماری کو دور کرنے والا۔ سیاح۔ بہت سیاحت کرنے والا۔ **کلمة**۔کلمہ۔ بات۔پاک کلمہ۔

فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بیٹے کی بشارت ان کے گھر دی۔ ہیکل سے گھر آنا یا تو اس جھگڑے کی وجہ سے تھا جس کے بعد آپ کا وہاں رہنا مناسب نہ تھا یا عورتوں کے ان مخصوص ایام کی وجہ سے تھا جن میں وہ وہاں رہ نہیں سکتی تھیں کیونکہ یہود ان ایام میں عورت کو ناپاک سمجھ کر الگ رکھتے تھے۔غرض فرشتوں نے کہا اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک پاک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اگر اس کے یہ معنی لئے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کہا۔اس لئے آپ اللہ کے بیٹے ہیں تو قرآن کریم میں ہے کہ میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات اس قدر لاتعداد ہیں کہ سمندر ختم ہو جائے گا مگر وہ کلمات ختم نہیں ہوں گے۔خواہ اس جیسا اور سمندر بطور روشنائی اس میں شامل کر دیں۔ (کہف :۱۱۰)ان

بے شمار کلمات میں سے اگر مسیح بھی اللہ کا ایک کلمہ ہے تو وہ دائرہ بشریت سے نکل کر خدا کیسے بن گیا۔اب اس ہونے والے بچے کی صفات بیان فرمائیں کہ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔وہ دنیا و آخرت میں صاحب عزت و وجاہت ہوگا اور خدا کے مقربوں میں سے ہوگا۔آخرت میں تو تمام انبیاء ہی وجیہ ہوں گے لیکن آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی دنیا میں آپ کی وجاہت کی پیشگوئی فرمائی۔ بادی النظر میں واقعہ صلیب کے موقع پر اپنی تین سالہ نبوت کے اختتام پر جس طرح چوروں کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے ، کوڑے مارے گئے ، منہ پر تھوکا گیا، کانٹوں کا تاج پہنایا گیااور موسوی شریعت کے مطابق صلیب پر جان دے کر نعوذ باللہ لعنتی موت مرے۔یہ آپ جیسے ایک عظیم نبی کی دنیا میں عزت و وجاہت نہیں تھی۔ ضرور تھا کہ آپ کا انجام بھی باقی انبیاء کی طرح خاتمہ بالخیر پر ہوتا۔یہود و نصاریٰ نے آپ کا صلیب پر مرنا تسلیم کیا لیکن قرآن کریم نے آپ کو اس لعنت کے الزام سے نیز آپ کو اور آپ کی والدہ کو بہتان عظیم سے بری قرار دیا۔

سب سے پہلے امام الزماں مسیح و مہدی موعود علیہ السلام نے قرآنی فراست اور خدائی الہام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب سے زندہ اترنے اور کشمیر میں دفن ہونے کا انکشاف کیا اور فرمایا کہ خدا کے ارادے سے ایسے اسباب پیدا ہوجائیں گے جن کے ذریعہ صلیبی واقعہ کی اصل حقیقت کھل جائے گی۔ چنانچہ کفن ِمسیح نے آپ کا زندہ صلیب سے اترنا ثابت کر دیا۔ ۱۹۴۷ء میں فلسطین میں وادی قمران کی غاروں سے انیس سو سالہ پرانے عہد عتیق کے نوشتے، حضرت مسیح کے زبور، حواریوں کی تحریرات اور خود مسیح کے لکھے ہوئے گیت اور واقعات دستیاب ہوئے۔جن سے قرآنی بیانات کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔آپ صلیب سے نجات پاکر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے دنیا کے وسیع میدانوں میں بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبیلوں کی تلاش میں چل پڑے اور قدیم ہندوستان کے شمالی مغربی علاقوں میں تشریف لے گئے۔وہاں کی مذہبی کتب میں آپ کا ذکر ہے۔ کشمیر کی پرانی تاریخ میں بھی کشمیر میں ایک نبی کے آنے کا ذکر ہے۔ ہندوؤں کا مقدس پران بھوشیا پران ہے۔بھوشیا کے معنی پیشگوئیوں کے ہیں۔اس میں خدا رسیدہ رشیوں کی پیشگوئیاں درج ہیں۔اس میں آپ کا نام عیسیٰ مسیح لکھا ہے اس میں درج ہے کہ مقام وین پر راجہ شالباہن سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ نہایت وجیہہ تھے۔ تختِ سلیمان کشمیر کا ایک قدیم معبد ہے اس کی پہلی سیڑھی پر کتبہ درج تھا کہ اس وقت جوز آسف نبی نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔دوسری سیڑھی پر لکھا تھا کہ وہ یسوع پیغمبر بنی اسرائیل ہے۔جو اپنی قوم کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا کر پہنچا تھا۔اسے پوری قوم نے قبول

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

نیکوں میں سے کہا اس نے اے رب میرے کیونکر ہوگا میرے لیے بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے

کیا۔ یہ وہی بنی اسرائیل کے دس قبیلے تھے جنہوں نے یہاں بدھ مت اختیار کر لیا تھا۔ وہاں آپ نے نہایت شاہانہ زندگی گزاری۔ حدیث نبوی کے مطابق ۱۲۰ سال زندہ رہے اور آپ کو دنیا میں بھی عزت و وجاہت ملی۔ وہاں آپ جوز آسف نبی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آسف کشمیری زبان میں افسردہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آج حضرت عیسیٰؑ کے لئے مستعمل لفظ Jesus (جیز ز) اور قدیمی ''جوز'' میں کوئی وجہ اشتراک بھی موجود ہو۔ یہ تمام علاقہ آپ کی تبلیغ سے عیسائی ہوا۔ آپ نے وہاں نہایت کامیاب زندگی گزار کر وفات پائی اور سری نگر محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر جوز آسف نبی لکھا ہے جو آج تک مرجع خلائق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کو آنے والے عظیم نبی کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ جب اسلام وہاں پہنچا تو افغانستان اور کشمیر پورے کا پورا حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں (''اصحابِ کہف کے صحیفے'' از شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل)

۴۷۔ **مھد**۔ جھولا۔ بچھونا۔ زمین کو مھاد کہا۔ **کھلاً۔ کھل** ۔ ادھیڑ عمر۔ پختہ عمر۔ امام راغبؒ کے بقول جب سیاہ بالوں کے اندر سفید بال مل جائیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آنحضرت ﷺ کے تریسٹھ سال کی عمر میں بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا صرف تیرہ بال سفید تھے۔ آج کل والی بالوں کی سفیدی نہیں تھی۔ اسی سے کہولت ہے۔ اس میں تین باتوں کا ذکر کیا جھولے میں باتیں کرنا۔ ادھیڑ عمر میں باتیں کرنا۔ صالحین میں سے ہونا۔ حضرت مریم کو خوشخبری دی گئی کہ تمہارا بچہ بہت چھوٹی عمر میں غیر معمولی ذہانت و فراست کا مالک ہوگا۔ بڑی عمر کو پہنچ کر پُرحکمت کلام کرے گا اور صالح ہوگا۔ گویا بڑی عمر پائے گا۔ بیشک حضرت عیسیٰؑ جھولے کی عمر میں بھی معجزانہ طور پر دانائی کی باتیں کرتے تھے۔ تاہم بعض اقوام میں بچے تین چار سال کی عمر تک بھی جھولے میں سوتے ہیں۔ سندھ کے بعض علاقوں میں تو ساری عمر جھولے میں سوتے ہیں۔ ان کے ہاں پلنگ کے سائز کے نہایت مضبوط اور خوبصورت جھولے ہوتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کو بھی جہیز میں پلنگ کی بجائے ایسے جھولے ہی دیتے ہیں۔ مسیحؑ کے سارے حالات سے یہی بتانا مقصود تھا کہ وہ عام زندگی میں دیگر انبیاء کی طرح ایک عام انسان تھا۔ حمل میں رہنا، پیدا ہونا، بچپن میں باتیں کرنا، کھانا کھانا (المائدہ :۷۶) بڑھاپے تک پہنچنا یہ صرف ایک انسان سے ہی خاص ہے یہ خدائی صفات نہیں۔ لوگوں نے آپ کی طرف بے سروپا باتیں منسوب کیں کہ پیدا ہوتے ہی نبوت کا

بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى

کسی انسان نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب وہ فیصلہ کرتا ہے

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ

کسی معاملہ کا تو صرف کہتا ہے اُسے ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے اور سکھائے گا اُسے لکھنا

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ

اور حکمت اور تورات اور انجیل اور رسول ہوگا طرف بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ

اسرائیل کی کہ یقیناً میں ضرور لایا ہوں تمہارے پاس نشان طرف سے رب کے تمہارے کہ یقیناً

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔــةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ

میں بناتا ہوں تمہارے لیے کیچڑ سے مانند شکل پرند کی پھر پھونکتا ہوں اس میں

اعلان کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کی کچھ حقیقت نہیں، نہ ثابت ہیں سورۃ مریم: ۳۰ تا ۳۲ میں اس موضوع پر مفصل بحث آئے گی۔

۴۸۔ حضرت مریمؑ کا یہ کہنا بجا تھا کہ جب کسی بشر نے مجھے چھوا نہیں تو بیٹا کیسے پیدا ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ کا معجزانہ طور پر بن باپ پیدا کرنے میں یہ بتانا مقصود تھا کہ اب بنی اسرائیل میں کوئی مرد تقویٰ کے اس مقام پر نہیں کہ وہ یا اس کا بیٹا یا اس کی نسل سے کوئی فرد نبی ہو۔ لہٰذا اب نبوت اس خاندان سے ختم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمام قدرتیں حاصل ہیں۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے لئے اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ہوجا تو وہ ہونے لگتا ہے اور ہو کر رہتا ہے۔

۴۹۔ **یعلمه الکتٰب** سے مراد کتابت کا علم بھی ہے جیسا کہ وادی قمران کی غاروں سے آپ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی زبور اور گیت ملے ہیں۔ تورات کے لئے بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے استاد سے سیکھی۔ پس کتابت، حکمت اور تورات کا علم آپ نے خداتعالیٰ کی توفیق اور ہدایت سے سیکھا لیکن انجیل خداتعالیٰ سے بذریعہ وحی سیکھی۔ جس میں حکمت کی باتیں اور خوشخبریاں تھیں۔ قرآن کریم میں بار بار آپ پر انجیل نازل کرنے کا ذکر ہے۔

۵۰۔ **الطّین**۔ نمدار مٹی۔ **کھیئة الطّیر** پرند کی شکل کی مانند۔ نہ کہ حقیقی زندہ پرند۔ **انفخ**۔ نفخ۔ پھونکنا۔ روح کا ذکر نہیں۔ **اُبرئُ** میں بری ٹھہراتا ہوں۔ میں تندرست کرتا ہوں۔ یہود اندھے اور جزامی کو ناپاک سمجھتے تھے (احبار باب ۱۳ او باب ۲۱) آپ نے ان کو اس الزام سے بری فرمایا۔ **اکمة**۔ اندھا، پیدائشی ہو یا بعد میں ہو جائے یا وہ جو رات کو نہ دیکھ سکے۔ روحانی رنگ میں وہ جو

فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ

پھر ہوجاتا ہے اُڑنے والا ساتھ اذن کے اللہ کے اور تندرست کرتا ہوں نابینا کو اور برص والے کو اور

اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا

زندہ کرتا ہوں مُردوں کو ساتھ حکم اللہ کے اور بتاتا ہوں تمہیں جو کھاتے ہو تم اور جو

تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ

ذخیرہ بناتے ہو تم اپنے گھروں میں یقیناً اس میں البتہ نشان ہے تمہارے لیے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۵۰ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ

ہو تم مومن اور مصدق ہوں اس کا جو پہلے ہے میرے یعنی

معمولی ابتلا میں نہ دیکھ سکے اور بھٹک جائے۔ **ابــرص**۔ برص ۔ پھلبہری۔ روحانی رنگ میں ایسی بدی جو بظاہر نیکی معلوم ہو۔ یا ایسے اندرونی گناہ جو ظاہر ہوں تو لوگوں کے لئے نفرت کا موجب بنیں۔ یہود لمبی بداعمالیوں کی وجہ سے گویا مبروص ہو چکے تھے۔

یہاں ایک لمبا عرصہ بیچ میں گزار دیا جو آپ کی تیس سالہ زندگی پر محیط تھا۔کیونکہ وہ واقعات سورۃ مریم میں جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی گزر چکے تھے۔یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کا ایک ہی اصول ہے کہ اسے محکمات کے تابع رکھیں۔بتایا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔اس میں اس عقیدہ کا بھی رد ہے کہ امت محمدیہ کے بگڑنے پر حضرت عیسیٰؑ آئیں گے۔یقیناً وہ عیسیٰ صفت امت محمدیہ میں سے ہی ہوگا جو حضرت عیسیٰؑ کے رنگ میں آئے گا۔جس طرح حضرت یحییٰؑ ، حضرت الیاسؑ کے رنگ میں آئے تھے۔چونکہ آنحضرتﷺ کا مقام و مرتبہ حضرت موسیٰؑ سے اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے محمدی مسیح موسوی مسیح سے درجہ میں افضل واکرم ہوگا۔جیسا کہ ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! امام مہدی بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔(حج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)

تمام الہامی صحائف اور قرآن مجید میں اکثر کلام مجازی رنگ میں ہے۔ مسیحؑ کے لئے تو انجیل میں خاص طور پر ذکر ہے کہ سوائے تمثیل کے بات نہ کرتا تھا۔(متی ۱۳:۱۳) قرآن کریم نے بھی مسیح کے کلام کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں مسیح کے معجزات کا ذکر خاص طور پر ہے اس لئے کہ یہود آپ کو جھوٹا سمجھتے تھے اور آپ کے معجزات کے قائل نہیں تھے۔ اب آپ اپنے خاص تمثیلی انداز میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں کہ میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے ایک نشان لایا ہوں۔یہاں مسیح نے تمام باتوں کو ایک نشان کہا گویا ان کی حقیقت ایک

ہی ہے۔آیت کے آخر میں بھی ایک نشان کہا اور وہ یہ ہے کہ میں نمدار مٹی سے تمہارے لئے پرندوں کی طرح بناؤں گا پھر ان میں پھونکوں گا تو حکم الٰہی سے پرواز کرنے لگیں گے۔ مسیحؑ کو باربار باذنِ اللہ کہنا پڑا۔ جبکہ رسول اکرمﷺ ایک لمحہ کے لئے بھی اِذن اللہ سے الگ نہیں ہوئے اور رسولؐ کی آواز کو خدا کی آواز کہا۔ یعنی تم میں جو لوگ طینی خصلت کے مالک ہیں اور ان کی فطرت میں نرمی اور لچک ہے،بے جا سختی اور ضد نہیں، ان میں حیات طیبہ کی روح پھونکوں گا۔کلامِ الٰہی کا پھونکنا بھی مراد ہے گویا انہیں کلامِ الٰہی پڑھ کر سناؤں گا تو وہ حکم الٰہی سے سمائے روحانی میں پرواز کرنے لگیں گے گویا۔ اگر نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

یعنی اے مٹی کے پتلو میں تمہیں افلاکِ روحانی کی رفعتیں نصیب کرنے آیا ہوں۔ پھر نہ تم اندھے رہو گے اور نہ کوڑھی کہ ٹھوکریں کھاتے اور بھٹکتے پھرو اور لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنو۔میں تمہارے لئے خداتعالیٰ کی طرف سے ایسا زندگی بخش پیغام لایا ہوں کہ تمہاری گنہگار زندگی پر موت واقع ہوجائے گی اور ایک نئی روحانی زندگی عطا کی جائے گی جس سے تم بینا ہوجاؤ گے اور حرام و حلال میں تمیز کرسکو گے اور ذخیرہ اندوزوں پر گرفت کرسکو گے۔

یہ سورت ردّالوہیت مسیح کے لئے تھی لیکن افسوس قرآن کریم میں جہاں مسیح کا ذکر تمثیلی رنگ میں آیا اسے حقیقت پر محمول کرکے خدا سے کم پر نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ یہاں مسیح کو خداتعالیٰ کی طرح خلق کرنے والا مانا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتی اور خلق کرنا صرف خدا کو سزاوار ہے۔اگر اس آیت کو حقیقی معنوں میں بھی لیا جائے تو حقیقت صرف یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جادوگر اپنی شعبدہ بازیاں دکھا کر سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بناتے اور خدائی طاقت کے دعویدار بنتے۔نبی کو بھی ان کے مقابلہ کے لئے اسی طرح کے معجزے دیئے جاتے تاکہ ان کی خدائی باطل ٹھہرے۔ فرعون کے جادوگروں کے سانپوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ کو وقتی طور پر سانپ کی خصوصیات عطا کرکے غالب کیا۔ گوسالہ سامری کے طلسم کو توڑا۔اسی طرح بقول مفسرین آپ کے مٹی کے پرند کچھ دیر اڑ کر گر جاتے اور مٹی ہو جاتے گویا حقیقی جان عصائے موسیٰ میں تھی نہ طیورِ مسیح میں۔اس وقت یہ بے شک معجزے ہوں گے اور ان کی ضرورت بھی تھی لیکن آج کل کے سائنس اور مسمریزم کے دور میں یہ صرف بچوں کے کھیل ہیں۔ حضرت موسیٰؑ جلالی نبی تھے اور مدِمقابل فرعون تھا۔اس لئے انہیں اژدھا والا معجزہ عطا ہوا جب کہ حضرت عیسیٰؑ جمالی نبی تھے اس لئے انہیں چڑیوں والا معجزہ ملا جو نہایت بے ضرر ہوتی ہیں۔

اسی لئے انسانی بلوغت کے دور میں انسان کامل کو قرآن کریم کا معجزہ عطا کیا جو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم، اصولِ تمدن اور فصاحت و بلاغت کا ہے۔ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا جس پر جوں جوں غور کرتے جائیں نئے نئے علوم اور نئی نئی باتیں ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔ بے شمار پیشگوئیوں اور غیب کی خبروں پر مشتمل ہے جو قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد تک کے لئے ہیں۔

جہاں تک اندھے اور مبروص کو اچھا کرنے کا تعلق ہے تو تمام الہامی کتب اور رسول روحانی بیماروں کی شفا کے لئے ہی آئے تھے لیکن مسیح کے تعلق میں ظاہری معنی کرکے مسیح کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ مسیح کو شبکور اور برص والے مریض ملے جن کو آپ نے چنگا کیا اور ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہرے گونگے اور اندھے ملے جنہیں سنائی دیتا تھا نہ بول سکتے تھے اور نہ دکھائی دیتا تھا لیکن آپ کی قوت قدسی نے نہ صرف انہیں چنگا کیا بلکہ پہلوانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ ہر نبی مردہ قوم کو زندگی دینے آتا ہے اور روحانی مردوں کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے باربار واضح کیا کہ کوئی دنیا میں دوبارہ زندہ ہوکر نہیں آسکتا (الاعراف :۲٦) (المومنون:۱۰۱) پھر فرمایا **اذا دعاکم لمایحییکم** جب رسول تمہیں زندہ کرنے کے لئے بلائے تو اس کی بات مانو۔ پس بے شمار واضح آیات کے بعد یہ کہنا کہ مسیح نے مردے زندہ کئے، قرآن کریم سے ثابت ہے نہ انجیل سے۔ بے شک قریب المرگ مریض اور دوسرے بیمار نبی کی دعا اور روحانی توجہ سے بفضل تعالیٰ شفایاب ہوجاتے ہیں اور نئی زندگی پاتے ہیں۔ بشرطیکہ حکمتِ الٰہی کے تحت کوئی خاص روک حائل نہ ہو لیکن اس سے زیادہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے نہ کسی اور کی۔ یہود کو ٹھوکر اسی لئے لگی کہ وہ ایلیاء نبی کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آسمان سے اترے گا پھر مسیح آئے گا۔ وہ حضرت یحییٰؑ کو ایلیاء ماننے کو تیار نہ تھے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کرسکتے تھے تو ایلیاء نبی کو کم ازکم چندلمحوں کے لئے ہی زندہ کر دیتے تا یہود کا اعتراض ختم ہو جاتا اور وہ ایمان لے آتے لیکن آپ ایسا نہ کرسکے، سخت اذیتیں اٹھائیں اور صلیب پر چڑھائے گئے۔ اگر مسیح کے متعلق تمام آیات کو تمثیلی رنگ کے علاوہ ظاہر پر محمول سمجھا جائے تو ہر نبی کو حالات کے مطابق خاص معجزات عطا ہوتے ہیں۔ پس مسیح کے ہاتھوں اندھوں اور قریب المرگ بیماروں کا شفا پانا اور آپ کا لڑکپن میں سمجھداری کی باتیں کرنا آپ کے معجزات میں سے تھا۔

نبی بتاتا ہے کہ کیا حرام ہے اور کیا حلال۔ کتنا کھا سکتے ہو اور کس حد تک ذخیرہ کرسکتے ہو۔ مسیح کی تعلیم خزانے جمع کرنے کا حکم نہیں دیتی بلکہ وہ سب کچھ مخلوقِ خدا کی بہبود کے لئے کھلا

التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ
تورات اور تاکہ حلال کروں تمہارے لیے بعض وہ جو حرام کیا گیا تم پر اور

جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۱﴾
لایا ہوں تمہارے پاس نشان طرف سے تمہارے رب کی پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری

رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں" اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چُراتے ہیں کیوں کہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا"۔ (متی ۴:۱۹۔۲۱) آپ کے پیروؤں نے خوب آپ کے حکم پر عمل کیا۔ دنیا کے غریب ممالک سے لوٹ کھسوٹ کرکے اپنی تجوریوں کو بھرا، خود عیش وعشرت کی اور انہیں فاقوں پر مجبور کیا۔

اس آیت میں بتایا کہ نبی کے نفخ روح سے ہر انسان پر حسب استطاعت اثر ہوتا ہے۔ طینی فطرت کے لوگ نرم اور گیلی مٹی کی طرح جس قالب میں ڈھالو ڈھل جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ تو زمینی تعلقات منقطع کرکے آسمانوں سے رشتے جوڑ لیتے ہیں گویا بالکل ہی خدا کے ہو جاتے ہیں۔ بیمار ان سے کم درجہ پر ہیں۔ بہرحال شفا پاجاتے ہیں اور بینا ہو جاتے ہیں اور روحانی و جسمانی عوارض سے بھی نجات حاصل کرلیتے ہیں۔ آخری درجہ پر مردے ہیں کہ نبی کی نفخ روح سے ان میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں اور جی اٹھتے ہیں۔

۵۱۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مجھے کوئی نیا قانون نہیں ملا بلکہ ان باتوں کو سچا ثابت کرتا ہوں جو تورات میں موجود ہیں گویا اسی دین پر ہوں جس پر یہود ہیں۔ یہود پر دو قسم کی چیزیں حرام تھیں ایک وہ جو واقعی نجس تھیں مثلاً سؤر اور مردار وغیرہ۔ دوسری وہ جو ان کی شرارتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے بطور سزا ان پر حرام کی گئیں۔ جیسے سلطنت وحکومت اور مالِ غنیمت سے انہیں محروم کر دیا گیا اور ذلت و مسکنت ان پر مسلط کر دی گئی۔ اب حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ میری پیروی کرو یہ سب انعامات تمہارے لئے حلال ہوجائیں گے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان چیزوں کو حلال قرار دوں گا جنہیں تمہارے فقیہوں نے غلط طور پر حرام کیا ہوا تھا نیز تمہارے فقیہوں اور راہبوں کی خود ساختہ پابندیاں تم سے دور کردوں گا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے قول کو آپ نے بھی دہرایا کہ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے سارے نشانات کو بیان کرکے فرمایا کہ میں ایک نشان لے کر آیا ہوں۔ تمام نشانوں کا مظہر نہیں۔ تمام نشانوں کے مظہر شہ لولاک وجہِ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ
یقیناً اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا پس عبادت کرو اس کی یہ راہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۲﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ
سیدھی ہے پس جب محسوس کیا عیسیٰ نے طرف سے ان کی کفر کہا کون ہیں

اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
مددگار میرے طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مددگار ہیں اللہ کے

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ
ایمان لائے ہم اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ یقیناً ہم مسلمان ہیں اے رب ہمارے ایمان لائے ہم اس پر

صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہوں گے۔نیز عظیم الشان نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر تھی جو آپ کو دی گئی۔

۵۲۔فرمایا میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔پس اسی کی عبادت کرو۔یہی سیدھا راستہ ہے۔ باوجود تحریف کے یہ تعلیم انجیل میں موجود ہے۔ ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی ۴:۱۰) قرآن کریم اور انجیل کے ان فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے عیسائیت میں موحدانہ تعلیم ہی تھی تثلیث کا عقیدہ بعد کی اختراع ہے۔

۵۳۔ **احسّ**۔احساس ہوا۔ حواری۔حور سے ہے۔ سفیدی ۔ حضرت عیسیٰؑ کے خاص احباب حواری کہلائے ،بعض نے کہاکہ دھوبی ہونے کی وجہ سے ایسا کہا کیونکہ کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔مگر زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ لوگوں کے گناہوں کی میل دور کرنے کی وجہ سے حواری کہلائے۔یہود کا کفر جب خوب کھل گیا اور آپ نے ان کو کفر پر مصر دیکھا تو فرمایا کہ اللہ کی طرف بلانے میں میرا مددگار کون ہے؟یہ خدا کے دین کی تبلیغ اور بندگان خدا کو ہدایت دینے کا کام تھا۔ جیسا کہ انجیل میں ان کو باربار تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔اس پر انہوں نے کہاکہ ہم اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔چنانچہ انہوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ دین کے لئے وقف کیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواری یعنی مددگار تھے لیکن انجیل نے جابجا ان کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے اور ان کی بے وفائی کا چرچا کیا۔کبھی انہیں کم اعتقاد (متی ۱۰:۵۔۱۰) کبھی کج رو کہا بقول انجیل۔ یہودا اسکریوطی نے تیس روپے لے کر مسیح کو پکڑوا دیا۔پطرس جس پر مسیح نے کلیسا کی بنیاد رکھی اور جسے آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں ملنے کی بشارت دی (متی ۱۶:۱۸) اس نے مسیح کا مصیبت کے وقت تین دفعہ انکار کیا۔جب لوگوں نے کہا یہ اس کے ساتھ تھا تو کہا میں نہیں تھا۔(لوقا ۲۲:۵۷: ۶۲) دیگر

اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۴﴾ وَ
جو اُتارا تو نے اور پیروی کی ہم نے رسول کی پس لکھ لے ہمیں ساتھ گواہی دینے والوں کے اور

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِذْ قَالَ
تدبیر کی انہوں نے اور تدبیر کی اللہ نے اور اللہ بہتر ہے تدبیر کرنے والوں سے جب کہا

اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ
اللہ نے اے عیسیٰ یقیناً میں وفات دینے والا ہوں تجھے اور مقرب کرنے والا ہوں تجھے اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھے

ع ۵ / ۱۴

حواری بھی مسیح کی گرفتاری کے وقت بھاگ گئے لیکن قرآن کریم نے ان کی کمزوریوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کی پردہ پوشی فرمائی اور صرف ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جب کہ عیسائیوں نے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنے جھوٹے الزامات ممکن تھے لگائے۔

۵۴۔حواریوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب!ہم اس وحی پر جو تو نے نازل فرمائی ایمان لے آئے ہیں اور تیرے رسول کی پیروی کی پس تو ہمارا شمار گواہوں میں لکھ دے۔ نبی پر دل و جان سے ایمان لاکر یہ لوگ نبی کی سچائی کی تصدیق کے لئے بطور عینی گواہ ہوگئے۔ (زجاج)

۵۵۔**مکر**۔مخفی تدبیر۔ خیر اور شر دونوں کے لئے آتا ہے۔

یہود نے خفیہ تدبیریں کیں۔ پہلے ان کے لئے کہا **احس منهم الكفر**۔یہ وہ تدبیریں تھیں جن کا مقصد صرف آپ کی تکذیب یا ہلاکت نہیں تھا بلکہ تذلیل بھی تھا جس کی انتہا صلیبی موت تھی جس سے آپ لعنتی قرار دیئے جاتے لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو بچانے کی خفیہ تدبیر کی۔وہ **خیرا لماکرین** ہے۔ پس اس کی تدبیر کامیاب ہوئی اور نہایت مخفی تدبیر سے آپ زندہ بچائے گئے اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبائل کی طرف ہجرت فرما گئے جن کو ہدایت دینا بھی آپ کے ذمہ تھا۔'' میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں (متی ۱۵ آیت ۲۴) ''اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں بھی دشمن کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا کر آپ کو بچا لیا اور آپ نے ہجرت فرمائی جیسا کہ انبیاء کی سنت ہے۔

۵۶۔یہود کی شرارتوں اور خطرناک منصوبوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کے لئے وہ نہایت اضطراب کا زمانہ تھا۔آپ کے علم میں تھا کہ یہود آپ کو صلیب دینے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ آپ کی گھبراہٹ ایک فطری امر تھا۔ نبی موت سے نہیں ڈرتا لیکن یہود آپ کو صلیبی موت دے کر تورات کی کتاب استثناء (باب ۲۱ آیت ۲۳) کے بموجب آپ کو لعنتی یعنی خدا کی رحمت سے بے نصیب ثابت

مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ
ان لوگوں (کے الزاموں) سے جنہوں نے کفر کیا اور بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے پیروی کی تیری غالب
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا تا روز قیامت پھر طرف میری لوٹنا ہے تمہارا
فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۶ فَاَمَّا
پس فیصلہ کرونگا تمہارا درمیان تمہارے اس میں کہ تھے تم جس میں اختلاف کرتے پس وہ لوگ

کرنا چاہتے تھے۔ان کا اعتقاد تھا کہ جو لکڑی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع روحانی دوسرے انبیاء کی طرح خدا کی طرف نہیں ہوتا۔اس سخت کرب کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت اور تسلی دی کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ تیرے دشمن تجھے صلیبی موت دینے میں ناکام رہیں گے اور جس طرح انبیاء اور اپنے مقدس بندوں کا رفع درجات کرتا ہوں، تیرا بھی کروں گا اور دنیا والوں کی نظر میں تجھے ملامتوں کا ہدف نہیں بننے دوں گا بلکہ جو الزامات اور تہمتیں تجھ پر لگی ہیں ان سے تجھے پاک کروں گا اور تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غالب کروں گا۔

قرآن کریم میں نہایت حکمت و بلاغت سے ایک ترتیب طبعی پائی جاتی ہے۔اس ترتیب کو آگے پیچھے کرنا تحریف کے مترادف ہے۔پس اپنی مرضی سے رفع پہلے اور وفات بعد میں رکھنا ہرگز درست نہیں۔سب سے پہلے آپ کی وفات اور پھر رفع کا ذکر کیا۔زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا کہیں ذکر نہیں۔امام بخاری نے اپنی صحیح کے صفحہ ۵۳۱ پر تحریر فرمایا جو خود حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یعنی حضرت ابن عباسؓ کو سینے سے لگایا اور دعا دی ''اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ عطا کرنا۔اے اللہ! اس بچے کو کتاب و حکمت کا علم عطا کرنا''۔کیونکہ آنحضرت ﷺ کی دعا مستجاب ہے۔چنانچہ ابن عباسؓ کا یہ بیان کہ توفی عیسیٰ جو قرآن کریم میں آیا ہے اس سے مراد وفاتِ مسیح قطعاً درست ہے۔آپ کو مفسر اعظم تسلیم کیا گیا آپ نے اس کے معنی بخاری شریف میں **انی ممیتک** بھی لکھے ہیں۔غرض تمام آئمہ لغت میں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو اور نیند کا قرینہ موجود نہ ہو تو معنی صرف قبض روح اور موت کے ہیں جو قرآن کریم میں ۲۳ مرتبہ آئے ہیں دو دفعہ نیند کے مفہوم میں ہیں لیکن واضح طور پر نیند کا نام لیا۔صحاح ستہ کو حضرت بانی جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے لفظاً لفظاً دیکھا اور بتایا کہ ان میں ۳۴۶ مرتبہ توفی کا لفظ آیا ہے اور یہ صرف موت کے معنی میں آیا ہے۔کسی کتابِ لغت سے یا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کہ وفات کے معنی موت کے نہیں۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ نے اسی رات (یعنی ستائس رمضان المبارک) وفات پائی جس رات

حضرت عیسیٰؑ فوت ہوئے (طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶۰) قرآن کریم کہتا ہے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** ط (۳-۱۴۵) کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے تمام رسول فوت ہوگئے اور یہی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت ابو بکرؓ نے پڑھی۔دراصل عیسائیوں میں یہ عقیدہ مسیح کے صلیب سے نجات پا کر خفیہ طور پر ہجرت کر جانے کے بعد پیدا ہوا۔پھر تثلیث کا عقیدہ گھڑا گیا کیونکہ عیسائیوں کے پاس مسیح کی لعنتی موت کا کوئی تسلی بخش اور صحیح جواب نہیں تھا۔جب عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو یہ عقیدہ ساتھ لائے۔ادھر ستر کے قریب احادیث تھیں کہ امت کے بگڑنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ان احادیث کو حقیقت پر محمول کیا گیا۔ غرض مسلمانوں کے حیاتِ مسیح کے عقیدہ نے عیسائیت کو خوب تقویت دی اور کمزور مسلمان عیسائی حکومتوں کے تحت تیزی سے عیسائیت میں داخل ہوئے۔

معراج کی حدیث میں آپؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کو اکٹھے دیکھا۔غرض قرآن کریم دیگر الہامی کتب، احادیث اور مستند عربی لغات میں رفع کے معنی روحانی رفع اور بلندیٔ درجات کے ہیں اور بعد وفات مومنین کا خدا کی طرف رفع ثابت ہے۔لسان العرب میں ہے کہ خدا کا رفع کرنا معزز و مشرف اور مقرب کرنے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۷۸ میں بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ معالم النبوت صفحہ ۵۱۷ میں یہ حدیث ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج چھٹے آسمان سے آگے گزر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ **رب لم اظن ان یرفع علیّ احد** کہ اے میرے رب مجھے گمان نہیں تھا کہ کسی نبی کا رفع مجھ سے اوپر ہوگا۔ حضرت ادریسؑ کے لئے قرآن کریم میں رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے لئے خصوصاً رفع کا ذکر اسی لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہود کے الزامات سے بری کرنا چاہتا تھا کہ آپ صلیبی موت مر کر اللہ کی رحمت سے دور نہیں ہوئے بلکہ دیگر نیک لوگوں کی طرح آپ کا رفع ہوا اور آپ مقربِ الٰہی ہوئے۔ **مطھرک**۔آنحضرت ﷺ کے ظہور سے ہی پورا ہوا کیونکہ آپ نے ہی حضرت عیسیٰؑ کے دامن کو ان تمام تہمتوں سے پاک کیا جو آپ پر اور آپ کی مقدس ماں پر یہود نے لگائی تھیں۔غلبہ و سلطنت قیامت تک یا عیسائیوں کے لئے مقدر ہے یا مسلمانوں کے لئے جیسا کہ تاریخ گواہ ہے۔اس وقت فلسطین پر یہود کا قبضہ عارضی ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۵ سے ظاہر ہے۔ مسیح کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کے درمیان تمام اختلافات کا فیصلہ قیامت کو ہوگا یا یہ کہ اختلافِ عقائد کا فیصلہ قیامت کو ہوگا۔یہود و نصاریٰ کا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا
جنہوں نے کفر کیا تو عذاب دونگا اسے عذاب سخت دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور آخرت میں اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار اور وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
اور کیں نیکیاں تو پورا دے گا انہیں اجر ان کا اور اللہ نہیں پسند کرتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ
ظالموں کو یہ وہ ہے کہ پڑھتے ہیں ہم جسے تجھ پر یعنی آیات اور نصیحت

اختلاف یہ ہے کہ یہود نے مسیح کا انکار کیا لیکن قولی حد تک توحید پر قائم رہے جبکہ نصاریٰ مسیح پر ایمان لائے لیکن قولاً و فعلاً توحید پر قائم نہیں رہے۔اس سے ظاہر ہے کہ اختلافِ عقائد کی سزا عام طور پر دنیا میں نہیں ملتی۔ہاں ظلم کی سزا ضرور ملتی ہے اس آیت سے اس خیال کا بھی رد ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آنے پر تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ قرآن کریم کی رو سے قیامت تک حضرت مسیحؑ کے منکر ہوں گے۔جن پر حضرت مسیحؑ کے ماننے والے غالب رہیں گے۔یہ غلبہ دلائل سے بھی ہوگا اور حکومت سے بھی۔

۵۷۔پھر یہ مغلوب ہی نہیں ہوں گے بلکہ ایک معصوم نبی کو صلیب پر چڑھانے کے جرم میں دنیا میں بھی عذاب شدید کے مستحق ہوں گے اور آخرت میں بھی۔یہود کو دنیا میں جو عذاب اور دکھ پہنچے وہ کسی سے مخفی نہیں۔یہ عذاب آخرت کے عذاب کے لئے بطور حجت ہیں۔دنیا میں مظلوموں کے مددگار ضرور پیدا ہوتے ہیں لیکن جب مسیح کے منکروں پر عذاب آئے تو کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔آج بوسنیا، چیچنیا، کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق میں اہل اسلام سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان پر وہ عذاب نہ آئیں جو موسوی مسیح کو نہ ماننے والوں پر آئے۔

۵۸۔مسلمانوں کی صفات بتلائیں کہ وہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اس لئے ان کو پورا پورا اجر ملے گا۔شرک سب سے بڑا ظلم ہے **ان الشرک لظلم عظیم** ٥ (لقمان :۱۴)عیسائیوں کا ذکر ہے کہ عیسائی بوجہ اس شرک کے جو انہوں نے الوہیت مسیح کے معاملہ میں کیا ظلم کے مرتکب ہوئے اور کفارہ کے عقیدہ کی وجہ سے اعمال صالحہ سے بھی محروم رہے۔ پس ان کا محبت الٰہی کا دعویٰ بے بنیاد ہے خدا ایسے ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔گویا نفرت کرتا ہے۔

الْحَكِيْمِ ﴿۵۹﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ
حکمت والی یقیناً مثال عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے مانند مثال آدم کے ہے پیدا کیا اُسے

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۰﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
مٹی سے پھر کہا اُسے ہوجا تو وہ ہوگیا (یہ) حق ہے طرف سے رب کی تیرے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ
پس نہ ہو تو شک کرنے والوں سے پھر جو جھگڑے گا تجھ سے اس بارے میں بعد

۵۹۔حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مفصل ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ کوئی قصے کہانیاں نہیں بلکہ بطلانِ یہودیت و عیسائیت کے لئے روشن دلائل ہیں۔جو اس پر حکمت کتاب میں سے ہم تجھے پڑھ کر سناتے ہیں اور جن سے یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد کی قلعی کھل گئی ہے۔

۶۰۔ **کن** تو ہو۔تو ہوجا۔**فیکون**۔پس وہ ہوجاتا ہے۔یعنی ہونے لگتا ہے اور ہوکر رہتا ہے۔

کن کے بعد **فکان** چاہیئے تھا کہ پھر وہ ہوگیا لیکن **فیکون** کہا جو مضارع ہے۔گویا صرف آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر ہی موقوف نہیں خدا چاہے تو پھر بھی ایسا کرے گا یا کرتا ہے چنانچہ طبی کتب میں بغیر باپ کے پیدا ہونے کی مثالیں ہیں اگر چہ نہایت قلیل ہیں۔اگر مجازی طور پر دیکھیں تو مہدیِ آخرالزماں کو خصوصاً یہ دونوں نام دیئے گئے۔

عیسائیوں کے ساتھ ایک لمبی بحث سمیٹتے ہوئے اتمام حجت کے طور پر یہ آخری دلیل دی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کوئی وجہ امتیاز نہیں جب کہ آدم علیہ السلام تو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے جب وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوکر بشر ہی رہے تو عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہو کر خدائی کے حصہ دار کیسے بن گئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں)اس آیت کی نہایت لطیف تشریح فرمائی۔آپ نے فرمایا! کہ یہاں آدم کی پیدائش میں آغازِ پیدائش کی طرف اشارہ ہے جب انسان کی پیدائش مختلف ادوار سے گزری۔آدم کی پیدائش اور اس کی ارتقا میں انسان بننے سے قبل ایسا دور بھی آیا جب مونث سے مونث پیدا ہو رہی تھیں۔پھر ایک مونث سے نر پیدا ہوا اور جوڑے بننے لگے اور جوڑوں سے پیدائش کا سلسلہ شروع ہوا۔یہاں عیسیٰؑ اور آدمؑ میں قدر مشترک دونوں کا مونث سے پیدا ہونا ہے۔

۶۱۔آج سائنسی حقائق کی رو سے یہی حقیقت ہے۔بیشک پہلے ترجے بھی درست تھے کیونکہ ابھی اس حقیقت سے پردہ نہیں اٹھا تھا۔پس ان حقیقتوں کو جاننے کے بعد تو شک کرنے

مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ
اسکے کہ آیا تیرے پاس علم تو کہدے آؤ ہم بلاویں اپنے بیٹوں کو اور
اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے لوگوں اور تمہارے لوگوں کو پھر
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ اِنَّ هٰذَا
گڑگڑائیں پھر کریں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر ضرور یہ

والوں میں سے نہ بن۔شک نہ کرنے کا حکم بندوں کو ہے ورنہ آنحضرت ﷺ نے تو فرمایا!
لاشک ولااسأل میں شک کرتا ہوں نہ سوال۔(تفسیر ابن کثیر)

۶۲۔**نبتهل**۔ بھل ۔ابتھال ۔تضرع سے گڑگڑا کر دعا کرنا۔

یہ آیت مباہلہ ہے جو وفدِ نجران کی سن ۹ ہجری میں آمد پر نازل ہوئی۔فرمایا عیسائیوں کو ہر طرح دلائل بینہ سے مسیح کی الوہیت کی حقیقت بتا دی ہے۔اس کے بعد بھی وہ مسیح کے بارے میں تجھ سے جھگڑیں تو ان کو دعوت مباہلہ دے یعنی دونوں طرف کے معزز لوگ حاضر ہوں اور عاجزی سے دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ فتح مکہ کے بعد عرب کے چاروں اطراف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفود آنے شروع ہوئے۔۹ ہجری میں نجران کا عیسائی وفد آیا جو قیمتی لباس زیبِ تن کئے، نہایت شان و شوکت سے آئے۔نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کے درمیان ہے جس میں ۷۳ عیسائی بستیاں آباد تھیں۔محمد بن اسحاق نے سیرۃ میں لکھا کہ وفد نجران میں ساٹھ سوار تھے۔ان میں چودہ ان کے سردار تھے۔عاقبؔ سردار اعلیٰ تھا اور سیدؔ لاٹ پادری تھا۔ان کا ارادہ جنگ کا نہیں تھا۔ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔ نماز کے وقت انہوں نے مسجد میں مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔آنحضرت ﷺ سے ان کا مناظرہ ہوا۔ابنؔ جریرؒ نے ربیع سے روایت نقل کی اور آنحضرت ﷺ کی اس بحث کو تفصیلاً لکھا ہے کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے متعلق آپؐ سے بحث کی۔ آپ کو کہا کہ اس کا باپ کون تھا؟اور اللہ پر جھوٹ اور بہتان لگایا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ کوئی بیٹا نہیں ہوتا مگر وہ اپنے باپ سے مشابہ ہوتا ہے۔انہوں نے کہا ہاں۔آپؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے ہمارا رب ہمیشہ زندہ ہے ،کبھی نہیں مرے گا اور عیسیٰؑ پر فنا آئی۔انہوں نے کہا۔ہاں!آپؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے ہمارا رب ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے،اس کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے اور

اس کو رزق دیتا ہے۔انہوں نے کہاہاں!آپؐ نے فرمایا کیا عیسیٰؑ ان میں سے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہے؟انہوں نے کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا!کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں (آیت ۶) انہوں نے کہا۔ہاں۔فرمایا!کیا عیسیٰؑ کوئی بات جانتا ہے سوائے اس کے جس کا اسے علم دیا گیا۔انہوں نے کہا نہیں۔آپؐ نے فرمایا! ہمارے رب نے عیسیٰؑ کی شکل جس طرح چاہا رحم میں بنائی (آیت ۷)۔آپؐ نے فرمایا!کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب کھانا نہیں کھاتا نہ پانی پیتا ہے اور نہ قضائے حاجت کرتا ہے۔انہوں نے کہاہاں!آپؐ نے فرمایا!کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰؑ کو ایک عورت نے حمل میں لیا جس طرح عورت حمل میں لیا کرتی ہے پھر اس کو جنا جس طرح عورت اپنا بچہ جنا کرتی ہے پھر اس کو غذا دی جس طرح بچوں کو غذا دی جاتی ہے۔وہ کھانا کھاتا تھا اور پانی پیتا تھا اور پاخانہ کرتا تھا۔انہوں نے کہاہاں۔آپؐ نے فرمایا!پھر جو تم دعویٰ کرتے ہو وہ کیسے ہوسکتا ہے۔

جب حجت تمام ہونے کے باوجود انہوں نے الوہیت مسیح کے عقیدہ پر اصرار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کے لئے بلایا۔ محمد بن اسحاقؒ بیان کرتے ہیں !انہوں نے کہا؟ ہمیں مہلت دیجئے تا کہ ہم مشورہ کرلیں۔ سوجب انہوں نے مشورہ کیا تو یہی قرار پایا کہ مباہلہ کرنے میں ہماری خیر نہیں اس لئے انہوں نے مباہلہ سے انکار کیا اور بخاری کی روایت کے مطابق جزیہ قبول کیا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کے ساتھ گئے۔ابن مردویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کل مباہلہ کریں گے۔اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا مگر انہوں نے انکار کیا۔حدیث میں ہے کہ ان پر اتنی دہشت تھی کہ انہوں نے کہا اگر ہم نے مباہلہ کیا تو کوئی نہیں بچے گا۔ مفتی اعظم محمد شفیع جو اہل سنت کے مسلک پر ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اپنی ال و اولاد کو لاؤ۔یہاں اہل و عیال کو لعنت والی قسم میں شریک کرنا ہے۔ایسی تمام روایات جن میں آنحضرت ﷺ کا اپنے اہل کو لے کر نکلنا درج ہے ، امام طبریؔ سے منسوب ہیں جو خود شیعہ تھے۔ایسی کوئی روایت آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتی ۔ آنحضرت ﷺ کو علم تھا کہ وفد نجران میں اُن کے بیوی بچے ہمراہ نہیں۔ایسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہل کو لے کر نکلنا بے معنی تھا۔حدیث سے ثابت ہے کہ مباہلہ کی مدت ایک سال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی قلمی مباہلے کئے اور مکذبین عتابِ الٰہی کی زد میں آئے۔جیسا کہ پنڈت لیکھرام ، ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی وغیرہ اور بہت سے آپ کی پیشگوئیوں سے ہلاک ہوئے جیسے مرزا احمد بیگ ،چراغ دین جمونی ، سعداللہ لدھیانوی وغیرہ۔(انوار الاسلام صفحہ ۱۲۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۔۷۔۱۳۔۱۸)(بقیہ سورۃ کے آخر میں)

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ
البتہ یہی بیان ہے سچا اور نہیں کوئی خدا سوائے اللہ کے اور یقیناً اللہ

لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ
البتہ وہی بڑائی والا حکمت والا ہے پس اگر پھر جاویں تو یقیناً اللہ خوب جاننے والا

بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ
ہے مفسدوں کو تو کہدے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کی

سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ
جو برابر ہے درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے یہ کہ نہ عبادت کریں ہم مگر اللہ کی اور نہ شریک بناویں ہم

بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
ساتھ اس کے کسی کو اور نہ بنائے بعض ہمارا بعض کو رب سوائے

اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾
اللہ کے پس اگر وہ پھر جاویں تو کہدو کہ گواہ رہو کہ یقیناً ہم مسلمان ہیں

ع ۶ ۱۴

۶۳۔فرمایا کہ یہ واقعات جو مسیح کے متعلق ہم نے بتائے مبنی برحق بیان ہے اور سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔آخر میں عزیز و حکیم کی صفت سے عیسائیت کے غلبے کے ختم ہونے کا اشارہ ملتا ہے جب کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہوگا۔

۶۴۔اگر دعوت مباہلہ کے باوجود مخالفین مقابلہ پر نہ آئیں اور پیٹھ پھیرلیں تو معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ایسے مفسدوں کو خدا ہی سمجھے گا۔

۶۵۔جب مناظرہ اور دعوت مباہلہ سے اتمام حجت ہو چکی،دلائل کو قبول کرنے سے انہوں نے انکار کیا اور مباہلہ سے خائف ہوکر پیچھے ہٹ گئے تو اب انہیں دعوت دی کہ آؤ ہم سے ایک ایسے عقیدے پر اتفاق کر لو جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔جسے ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ جو تمام مذاہب میں اصل الاصول ہے اور جس میں تمام الہامی کتابوں تورات، انجیل اور قرآن کریم میں کوئی اختلاف نہیں یہاں تمام اہل کتاب اور یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا اور انہیں ایک امر مشترک کی طرف بلایا۔وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔یہ گویا ہر مذہب کا مرکزی نقطہ ہے اور تمام شریعتیں اس پر متفق ہیں۔کچھ عرصہ قبل یورپ نے اس طرف بلایا حالانکہ قرآن کریم نے چودہ سوسال پہلے اختلافی مسائل کے ہوتے ہوئے عالمی وحدت کی طرف بلایا۔ اگر اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو آہستہ آہستہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہوجاتا اور امن عالم

تباہ نہ ہوتا۔ دعویٰ توحید کے باوجود ان قوموں کا توحید کی طرف قدم نہ اٹھانا اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کہ اصل موحد مسلمان ہی ہیں۔غرض ہر مذہب نے توحید کی ہی تعلیم دی۔یہاں تک کہ بت پرست بھی بتوں کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہی بتاتے ہیں۔ترمذی میں عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔یارسول اللہ !ہم ان کی عبادت نہ کرتے تھے۔آپؐ نے فرمایا!کیا یہ نہیں تھا کہ وہ تمہارے لئے حرام و حلال ٹھہراتے تھے اور تم انہیں کے قول کے پیچھے چلتے تھے۔انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی کرتے تھے۔آپؐ نے فرمایا یہی عبادت ہے۔اس سے ثابت ہے کہ جو اپنے پیروں فقیروں کے پیچھے چل کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں وہ اسی شرک میں ملوث ہیں۔

دوسری قدر مشترک خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے یعنی خدا کی کسی صفت میں کسی کو شریک نہ کریں جیسے نصاریٰ نے مسیح کو خدائی صفات میں کامل شریک سمجھا۔یہ عقیدہ بھی نصاریٰ کی بعد کی اختراع ہے نہ کہ مسیح کی تعلیم۔

تیسرا یہ کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم ایک دوسرے کو مسبب الاسباب، حاجت روا اور رب بناؤ اور رب کی طرح اس کی فرمانبرداری واجب جانو اور اس کی اطاعت کرو۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے۔(التوبہ: ۳۱) یا جیسے قبروں پر جاکر اہل قبر سے مانگنا۔اب اگر تمام مذاہب اس اصل کی طرف لوٹ آئیں تو وہی اسلام ہے اور تمام مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں۔فرمایا اگر اس دعوت کو قبول کرنے سے بھی روگردانی کریں ، تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو موحد مسلمان ہیں۔

اس آیت کے الفاظ سے بموجب حدیث آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ حدیبیہ کے بعد کے زمانے میں ھرقل قیصرروم اور مقوقش شاہ مصر کو اپنے تبلیغی خطوط میں مخاطب فرمایا تھا کہ **یٰٓاَھل الکتاب تعالوا** ---اس خط کا اصل مسودہ مصر کی کسی خانقاہ سے ملا ہے جس کی فوٹو کاپی شائع ہو چکی ہے اور جس میں بالکل وہی الفاظ ہیں جو صحیح بخاری اور دوسری احادیث میں درج ہیں اور جو ان احادیث کی صداقت کا ثبوت ہیں۔

ایسی تمام آیات سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اہل کتاب کا مشرک نہ ہونا ان کے نجات پانے کے لئے کافی ہے ؟تو جواب یہی ہے کہ نجات محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال سے۔ تاہم اگر کوئی مشرک نہیں اور اپنے مسلک کو ہی صحیح سمجھتا ہے اور اس تک دعوت اسلام

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو تم بارے میں ابراہیم کے حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر بعد اس کے کیا پھر بھی نہیں عقل کرتے تم

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

دیکھو تم ایسے لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو تم اس بات میں کہ تمہیں اس کا علم ہے پس کیوں جھگڑتے ہو تم اس بات میں کہ نہیں ہے تمہیں اس کا علم اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۸﴾

نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ عیسائی ولیکن تھا موحد فرمانبردار اور نہ تھا وہ مشرکوں میں سے

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ

یقیناً سب سے قریب لوگوں میں سے ابراہیم کے البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں

نہیں پہنچی یا پہنچانے والا قائل نہیں کرسکا۔ تو وہ معذور ہے اور خدا کی رحمت سے امید ہے کہ بخشا جائے۔ ہاں جس پر حجت تمام ہو چکی تو مشرک نہ ہونے کے باوجود اس کا ایمان نہ لانا قابل معافی نہیں۔

۶۶۔ جس طرح توحید سب کے لئے امر مشترک تھی اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود بھی امر مشترک تھا جسے یہود و نصاریٰ ، مشرکین عرب اور مسلمان اپنا مورث اعلیٰ مانتے تھے۔ فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو کہ یہودی تھا یا نصرانی۔ کیونکہ وہ تو تورات اور انجیل سے بہت پہلے گزر چکا ہے۔ اس لئے یہودی یا نصرانی کس طرح ہو سکتا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔

۶۷۔ فرمایا تورات اور انجیل کا تو تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا اور تم نے خوب بحث کرلی۔ اب مسلکِ ابراہیمی کے بارے میں کیا بحثیں کرتے ہو جس کا تمہاری کتب میں کوئی ذکر نہیں اور نہ تمہیں اس کا کچھ علم ہے۔ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تمہیں تو کچھ علم نہیں۔

۶۸۔ کسی مذہب نے اپنا نام نہیں رکھا۔ یہودا کی طرف منسوب یہودی کہلائے اور مسیح کو ماننے والے مسیحی کہلائے اور یہ مذاہب حضرت ابراہیمؑ کے بہت بعد میں وجود میں آئے۔ پھر

اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

نے پیروی کی اس کی اور یہ نبی ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ دوست ہے مومنوں کا چاہا ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے کہ کاش گمراہ کردیں تجھے حالانکہ نہیں گمراہ کرتے وہ مگر اپنے تئیں اور نہیں محسوس کرتے

حضرت ابراہیمؑ یہودی یا مسیحی کیسے ہوسکتے ہیں بلکہ وہ تو موحد مسلم تھے اور ان کا مسلک تم مشرکوں والا ہرگز نہیں تھا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ تینوں شرک کے مرتکب ہوئے اور تینوں ہی خود کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہاں تینوں کی ہی نفی فرمائی کہ حضرت ابراہیمؑ ان میں سے نہ تھا۔ گویا حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا کوئی وجہ افتخار نہیں جب تک اس کے مسلک کی پیروی نہ کرو اور اس کا مسلک یہی تھا کہ وہ ہمہ وقت خدا تعالیٰ کی طرف جھکا رہتا تھا اور فرمانبردار تھا۔ اس میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ تو شرکِ خفی درخفی سے بھی پاک تھا۔

۶۹۔ **اَولی** ۔ قریب ترین۔ سب سے بڑھ کر۔ اہل۔ **اُولیٰ**۔ اوّل۔ پہلی۔

فرمایا حضرت ابراہیمؑ سے سب سے بڑھ کر نسبت رکھنے کے حقدار تو حضرت ابراہیمؑ کے متبعین ہیں اور یہ نبیؐ اور اس نبیؐ پر ایمان لانے والے مومنین ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے مسلکِ توحید پر قائم ہیں ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کا دوست تھا، ان مومنین کا بھی دوست ہے۔ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے روحانی باپ تھے۔ اور آپؐ حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ثمر تھے۔ آپؐ میں ابراہیمی صفات جلوہ گر تھیں لیکن مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے آپ تمام نبیوں کے باپ تھے۔

۷۰۔ فرمایا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ یہ آرزو رکھتا ہے کہ کاش تمہیں گمراہ کر دے حالانکہ وہ صرف اپنے جیسوں کو ہی گمراہ کرسکتے ہیں۔ مگر سمجھتے نہیں۔ اس سورۃ میں زیادہ تر نصاریٰ مخاطب ہیں۔ سو اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ باوجود باطل پر قائم ہونے کے ایک وقت آئے گا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اپنے دین میں داخل کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۷۱۔ یہاں آیات سے مراد وہ پیشگوئیاں ہیں جو تورات اور انجیل میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ایسی روشن پیشگوئیوں کے باوجود کیوں نبی کا انکار کرتے ہو

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو تم آیات کا اللہ کی اور تم

تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ
گواہی دیتے ہو اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو تم حق کو

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ
ساتھ باطل کے اور چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو اور کہا

ع ٨ ١٥

طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى
ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے ایمان لاؤ اس پر جو اُتارا گیا ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ
لوگوں پر جو ایمان لائے شروع میں دن کے اور انکار کرو آخر میں اس کے تاکہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ
(مسلمان بھی) لوٹ آویں اور نہ ایمان لانا مگر اس پر جس نے پیروی کی دین کی تمہارے تو کہدے

جب کہ تم خود ان پر گواہ ہو اور تمہاری کتب میں وہ موجود ہیں۔

۷۲۔فرمایا! اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو۔جب کہ تم جانتے ہو۔حق کو باطل سے ملانا ان پیشگوئیوں کی غلط تاویلیں کرنا اور غلط رنگ میں پیش کرنا ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔حق کو چھپانا ان پیشگوئیوں کو چھپانا ہے۔ان کے علماء سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے ان پیشگوئیوں سے عوام کو بے خبر رکھتے اور انہیں دین حق قبول کرنے سے روکتے۔افسوس! یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

۷۳۔ **وجہ النّھار**۔وجہ ۔ منہ ۔ بدن کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سامنے آتا ہے۔اس کا استعمال ہر چیز کے پہلے آنے والے حصہ اور اس کی ابتدا پر ہوتا ہے۔ اوّل النہار۔

دین اسلام میں یہ خوبی تھی کہ کوئی اس میں داخل ہوکر پھر مرتد نہ ہوتا۔ جیسا کہ ابو سفیانؓ نے باوجود سخت مخالف ہونے کے ہرقل قیصر روم کے دربار میں یہ شہادت دی۔(بخاری کتاب الوحی بروایت ابن عباسؓ) اہلِ کتاب جب بحث و مباحثہ اور دلائل سے عاجز آگئے ، دعوت مباہلہ میں بھی زک اٹھائی۔اپنی پیشگوئیوں کے چھپانے کا بھی خاطر خواہ اثر نہ ہوا کیونکہ وہ زبان زدِ عام تھیں جن کی تشہیر کا باعث وہ خود تھے۔غرض جب شدید اذیتوں کے باوجود کسی ایک مومن کے پائے استقلال میں بھی لغزش نہ آئی تو اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے اور اسلام سے متنفر کرنے کے لئے علمائے اہل کتاب

اَنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ
یقیناً ہدایت تو ہدایت اللہ کی ہے یہ کہ دیا جائے کسی کو جیسا کہ

اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ
دیئے گئے تم یا جھگڑیں وہ تم سے پاس رب کے تمہارے تو کہدے یقیناً فضل ہاتھ میں ہے

اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ
اللہ کے وہ دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے خاص کرتا ہے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَ
ساتھ رحمت کے اپنی جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل والا ہے بڑے اور

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ
بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر امانت رکھے تو اس کے پاس بہت سا مال وہ ادا کردیگا اُسے تیری طرف

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا
اور بعض ان کے ایسے ہیں کہ اگر امانت رکھے تو اس کے پاس ایک دینار نہیں ادا کریگا وہ اُسے تیری طرف مگر

نے یہ چال چلی کہ صبح کو منافقانہ طور سے قرآن پر ایمان لاکر داخل اسلام ہو جاؤ اور شام کو انکار کر دو۔اس طریق سے لوگ شک میں پڑ جائیں گے کہ اس دین میں ضرور کوئی خرابی ہے جو اہل کتاب جیسے پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ایمان قبول کرکے پھر اپنے دین کی طرف پلٹ آئے ہیں۔اس طرح مومن بھی اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔چاہے وہ پہلے مشرک تھے یا اہل کتاب۔

۷۴۔۷۵۔ان آیات میں بتایا کہ الٰہی انتخاب کے خلاف منصوبے بندیاں اور ریشہ دوانیاں کرنا ہلاکت کا موجب ہے۔پہلے علمائے اہل کتاب نے یہ بودا ہتھیار استعمال کیا کہ صبح کو اسلام لے آؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ۔اب اپنے پیرو کاروں کو کہتے ہیں کہ صرف اس کی بات مانو جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔فرمایا ہدایت تو اللہ کی طرف سے آتی ہے۔کیا تم اس بات پر ناراض ہو کہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہی کچھ کیوں ملا جو تمہیں ملا تھا۔یا تمہیں یہ خطرہ ہے کہ قیامت کے دن تم سے جھگڑیں گے اور تمہیں موردِ الزام ٹھہرائیں گے کہ جب تمہاری اپنی پیشگوئیوں کے مطابق موعود نبی آیا تو تم نے قبول کیوں نہ کیا۔فرمایا فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے۔یہاں نبوت کو فضل کہا۔یہ موہبت ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔وہ بڑی وسعتوں کا مالک ہے اور لامحدود علم رکھتا ہے۔تمہاری طرح تنگ نظر نہیں کہ دوبارہ عطا نہیں کرسکتا۔اسی وسعتِ علم کی بنا پر اللہ کو اختیار ہے جسے چاہتا ہے اپنی خاص رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور یہ

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ
جبکہ رہے تو اس (کے سر) پر کھڑا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا کہ نہیں ہے

عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
ہم پر مکہ والوں (عربوں) کے بارے میں کوئی الزام اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ
اور وہ جانتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا عہد اپنا اور تقویٰ کیا تو یقیناً

کسی خاص قوم تک محدود نہیں۔وہ بڑے فضل والا ہے وہ جانتا ہے کہ کون اس کے فضل کا اہل ہے۔

۷۶۔**دینار**۔اشرفی۔**قنطار**۔ڈھیر۔مال کا ڈھیر۔**مادمت علیه قائما** ۔تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔یعنی تقاضا کرتا رہے۔باوجود اس کے کہ اہل کتاب دن رات اسلام کی بیخکنی کے درپے رہتے۔اسلام نے ان سے انصاف کا معاملہ کیا جہاں ان میں سے بعض کی خیانت کا ذکر کیا وہاں ان کے امانت داروں کو مستثنیٰ کر دیا۔اس طرح مسلمانوں کہ یہ سبق دیا کہ بدترین دشمن کے معاملہ میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔اصل ذکر دینی معاملات کا تھا کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں خیانت کی ، پیشگوئیوں کو چھپایا اور بہت کچھ رد و بدل کیا۔اس کے ساتھ ہی دنیوی معاملات کا بھی ذکر کر دیا کہ اگر دنیوی معاملات صحیح نہیں تو دینی دعوے بیکار ہیں۔اسلام میں امانت اس کے اہل کو پہنچانے کی سخت تاکید ہے۔جب آنحضرتﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ایام جاہلیت کے خون ، انتقام اور حقوق کو کالعدم قرار دیا تو ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ امانت کے حقوق باطل نہیں۔ امانت نیک کی ہو یا بد کی ادا ہو گی۔ پس امانتیں اور عہد خواہ کسی سے ہوں پورے ہونے چاہئیں۔ ان کا یہ دعویٰ کہ عرب کے جاہل لوگوں کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی الزام نہیں اور ہماری شریعت کے مطابق ہم سے بازپرس نہیں ہوگی، سراسر باطل ہے۔ایسا کہہ کر گویا امانت میں خیانت کرتے ہیں اور اسے شرعی عذر کے نیچے لا کر صحیح قرار دیتے ہیں۔فرمایا یہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔خدا تعالیٰ نے کسی شریعت میں خیانت اور بدعہدی کو جائز قرار نہیں دیا۔یہ ان کی اختراع ہے جو انہوں نے اپنی شریعت میں کی ہوئی ہے اور انہیں علم ہے۔اس تعلق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ ہم اہل ذمہ کی چھوٹی چھوٹی چیزیں جیسے مرغی ،بکری وغیرہ جنگ کے وقت لے لیا کریں تو آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ یہ تو اہل کتاب کے قول کی مانند ہے کہ **لیس علینا فی الامّیّن سبیل** ج جب وہ جزیہ ادا کریں تو ان کے مال میں کسی قسم کا کوئی تصرف جائز نہیں

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ
اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو یقیناً وہ لوگ جو خریدتے ہیں بدلے عہد کے

اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ
اللہ کے اور اپنی قسموں کے مول تھوڑا یہ لوگ وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ ان کے لیے

فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ
آخرت میں اور نہیں کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ دیکھے گا طرف ان کی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۸﴾
بروز قیامت اور نہ پاک ٹھہرائے گا انہیں اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

سوائے اس کے جو وہ اپنی خوشی سے دیں۔(مشکوٰۃ باب الصّلح) یہ ان مسلمانوں کے لئے ڈرنے کا مقام ہے جو کافروں کا مال زبردستی لینا جائز سمجھتے ہیں۔اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا۔افسوس آج بعض نام نہاد مسلمان دوسرے فرقہ کے کلمہ گو مسلمانوں کے لئے یہی کہتے ہیں بلکہ عملاً ان کے مال و اسباب لوٹ لینے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور بعض اوقات قتل تک سے گریز نہیں کرتے۔

۷۷۔فرمایا یہ نہ سمجھیں کہ بددیانتیوں کے معاملہ میں ان پر گرفت نہیں ہوگی، ضرور ہوگی۔ البتہ جو لوگ امانتوں کو ادا کرتے ہیں یعنی ہر قسم کے حقوق جو انسان کے ذمہ بطور امانت ہیں ان کو ادا کرتے ہیں پھر اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اس میں پہلا عہد تو وہ ہے کہ جب بھی نبی آئے اسے مان لے پھر ہر ذمہ داری جو انسان علی الاعلان اپنے اوپر لے ، اسی میں قسمیں بھی ہیں۔ان سب کو پورا کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی باریک در باریک گناہوں سے بچتے ہیں اور خفی در خفی امور میں رضائے الٰہی کی راہوں پر چلتے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔پس اللہ کی محبت سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ کوئی عظیم الشان ہستی اس سے محبت کرے۔جو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے اسے کسی اور کی کیا حاجت؟ اس نے یقیناً اپنے مقصد کو پالیا۔

۷۸۔اپنی تمام تر بداعمالیوں کے باوجود اہل کتاب خود کو نبیوں کی اولاد اور مقربین الٰہی سمجھتے تھے۔ان کی غلط فہمی کو دور فرمایا۔اہل کتاب تو اپنی پیشگوئیوں کی بنا پر آنحضرتﷺ کی بعثت سے قبل ہی موعود نبی پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے منتظر تھے لیکن جب وہ ظاہر ہوا تو دنیوی مفاد اور اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر جو آخرت کے مقابلہ میں نہایت حقیر ہیں، آنحضرتﷺ کا انکار کردیا نیز یہاں ان معاہدوں اور قسموں کا بھی ذکر ہے جو اہل کتاب اور مشرکین مدینہ نے آنحضرتﷺ

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
اور یقیناً ان میں سے ایک فریق ہے وہ موڑتے ہیں زبانیں اپنی ساتھ کتاب کے

لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ
تاکہ گمان کرو تم اُسے کتاب میں سے حالانکہ نہیں ہے وہ کتاب میں سے اور

يَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
وہ کہتے ہیں کہ وہ پاس سے ہے اللہ کے حالانکہ نہیں ہے وہ پاس سے اللہ کے

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۹﴾ مَا
اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں نہیں

كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ
ہے کسی انسان کیلئے کہ دے اُسے اللہ کتاب اور حکم اور

سے کئے اور جنہیں معمولی دنیوی فوائد کے لئے بار بار توڑا اور آنحضرت ﷺ کو دکھ دیا اور اپنی دنیا و عاقبت خراب کی۔اس میں آج کل کے عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے پیشگوئی ہے جو اپنے معاہدات کو صرف اپنے مفادتک قابل عمل سمجھتے ہیں۔ان کی تمام کوششیں اور تگ و دوصرف دنیا کے لئے ہے۔دنیا ہی ان کے مدنظر ہے سومل گئی ہے۔آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔دنیامیں مکالمۂ الٰہی خدا کے قرب کا ثبوت ہے اور آخرت کا مکالمہ اس کا نتیجہ۔سو نہ دنیامیں انہیں روحانیت سے حصہ ملا اور خداتعالیٰ نے کلام کیا اور نہ آخرت میں کلام کرے گا نہ قیامت کو متقیوں کی طرح ان پر نظر شفقت فرمائے گا ،نہ ان کو پاک کرے گا۔پس اسی دنیاپرستی کی وجہ سے وہ دردناک عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔اس چھوٹی سی آیت میں تین عظیم ترین نعمتوں کا ذکرکیاجو متقین کو دنیامیں بھی نصیب ہوتی ہیں اورآخرت میں بھی۔ ا۔ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتاہے۔۲۔ان پرنظرکرم فرماتاہے ۔۳۔انہیں پاک کرتاہے۔ جبکہ ان نعمتوں سےمحرومی سب سے بڑی سزاہے۔

۷۹۔ **السنة** ۔لسان کی جمع ہے ۔زبان۔

سورۃ بقرہ میں علمائے یہود کی تورات کی عبارت میں تحریف کا ذکرتھا یہاں تورات کے پڑھنے میں تحریف کا ذکرہے۔ فرمایاعلمائے یہود اپنی زبانوں کو موڑکرکچھ عبارتیں تورات کی طرف منسوب کرکے تلاوت کے اندازمیں پڑھتے ہیں جو تورات میں نہیں ہوتیں اور عوام عبرانی سے ناواقفیت کی وجہ سے اسے کتاب میں سے سمجھتے ہیں۔فرمایا وہ خدا کی طرف سے بھی نہیں ہوتیں گویا تورات بھی ساری خدا کی طرف سے نہیں پہلے سے تحریف شدہ ہے۔اب یہ پڑھنے میں مزید تحریف

النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ
نبوت پھر وہ کہے لوگوں کوکہ ہوجاؤ میرے بندے سوائے

اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ
اللہ کے ولیکن (وہ کہیگاکہ) ہوجاؤ رب والے اس لیے کہ ہوتم سکھاتے

الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۸۰﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ
کتاب اور اس لیے کہ ہوتم پڑھتے اور نہیں حکم دیتا وہ تم کو

أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ
کہ بناؤ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا وہ حکم دے سکتاہے

بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ وَإِذْ أَخَذَ
تم کو کفر کا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو اور جب لیا

کررہے ہیں تاکہ اپنی من مانی باتیں عوام سے منوا سکیں۔افسوس آج کل کے بعض علماء بھی قرآنی آیات پڑھ کر اپنے مطلب کی بات کر جاتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دے کر یہود کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

۸۰۔۸۱۔**ربّانی** رب سے منسوب ۔جمع **رَبّٰنِيّٖنَ** یہود کے علماء وفقہا ۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے کہ میں اس امت کا ربانی ہوں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی وفات پر ابن حنفیہ نے کہااس امت کا ربانی فوت ہوگیا۔بخاری میں ہے کہ وہ فقیہ جو لوگوں کو علم کی پہلے آسان اور پھر مشکل باتیں سکھائے۔تحریف کتاب کے بعد تحریف عقائد کا ذکر کیا کیونکہ بہت سے انبیاء سے کئی ایک غلط باتیں منسوب کی ہوئی تھیں۔یہاں ایک عام اصول بتایا کہ کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اسے کتاب وحکمت اورنبوت دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور مجھے خدا مانو۔وہ تو یہی کہے گا کہ ربانی بنو یعنی خدا والے بنو۔ خدا تعالیٰ کے ہی ہوجاؤ کیونکہ تم کتاب سکھاتے اور اسے پڑھتے ہو گویا کتاب اللہ کی تعلیم دینا اور اسے پڑھنا تقاضا کرتاہے کہ اللہ والے بنو۔نہ وہ یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو۔کیا تمہارے مسلمان ہوجانے کے بعد وہ تمہیں کفر کی تعلیم دے گا۔اہل کتاب خاص کر نصاریٰ کو بتایا کہ تمہارے انبیاء کی ہرگز یہ تعلیم نہ تھی یہ سب بعد کی تحریفات ہیں جن کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے جنہیں خدا کا درجہ دیا گیاحالانکہ انجیل میں آپ کو مجازاً خدا کا بیٹا کہا اور دوسرے نیک بندوں کو بھی خدا کا بیٹا کہامگر نصاریٰ نے اسے حقیقت پر محمول کیا۔بعض

اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ
اللہ نے وعدہ نبیوں سے البتہ وہ جو دی ہے میں نے تم کو کتاب اور

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
حکمت پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول تصدیق کرنیوالا اس کی جو پاس ہے تمہارے

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ
البتہ ضرور ایمان لاؤگے تم اس پر اور البتہ ضرور مدد کروگے تم فرمایا کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے

عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا
اس پر عہد میرا کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے فرمایا پس گواہ رہو

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ
اور میں ساتھ تمہارے گواہوں میں سے ہوں پس جو پھر گیا بعد

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۳﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ
اس کے تو یہ لوگ ہی فاسق ہیں کیا پھر اللہ کے دین کے غیر کو

يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وہ چاہتے ہیں حالانکہ اسی کے فرمانبردار ہوئے وہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں خوشی سے

روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وفدِ نجران کو بہت سمجھایا تو انہوں نے کہا کہ کیا آپؐ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی عبادت کریں اور آپؐ کو رب بنا لیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ معاذ اللہ۔ انہوں نے سمجھا کہ اس قدر زور مسیح کی خدائی کے خلاف دے رہے ہیں تو شاید یہ خود کو خدا منوانا چاہتے ہیں۔ (حوالہ آیت :۶۲)

۸۲۔۸۳۔ **لمآ**۔ وہ جو۔ اس رکوع میں بتایا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا۔

یہ کون سا عہد تھا جو خدا نے ہر نبی سے لیا اور پھر ہر نبی نے اپنی امت سے لیا۔ یہ نبیوں کا عہد کہلایا۔ کثیر علماء اور امام رازیؒ نے لکھا کہ یہ وہ عہد ہے جو تمام انبیاء اپنی امتوں سے لیتے آئے ہیں۔ یعنی ہر نبی نے اپنی امت کو آنے والے نبی کی بشارت دی اور خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی۔ ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آدم سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جس سے آنحضرت ﷺ کے متعلق عہد نہ لیا گیا ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ایلیا آئے گا پھر مسیح آئے گا اور پھر "وہ" نبی آئے گا۔ (اعمال باب۳ آیت۱۹تا۲۶) گویا نہ صرف اپنے بعد آنے والے مسیح کی بشارت دی بلکہ اس کے ارہاص کا بھی بتا دیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ تورات میں آپ کی بے شمار علامتیں موجود ہیں۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنا،

وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۴﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ
اور مجبوراً اور طرف اسکی وہ لوٹائے جائیں گے تو کہدے ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر

فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہونا۔ ہاتھ میں آتشی شریعت کا ہونا (استثناء باب۳۳ آیت۲) وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کے آنے کی بشارت دی۔ (یوحنا ۱۶ آیت ۱۳)

یہ عہد صرف آپؐ پر ایمان لانے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آنے والے نبی کی مدد کرنے کا بھی عہد تھا۔ یہ عہد اس لئے لئے گئے کہ ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف آتے رہے جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ (Link) نہیں تھا۔ ان کی تعلیم مختص القوم اور مختص الزمان ہوتی تھی۔ ضروری تھا کہ ان کو اور ان کے ذریعہ ان کی قوموں کو اس عظیم الشان نبی کا بتایا جاتا، جس نے تمام قوموں کی طرف آنا تھا، انہیں ایک دین پر جمع کرنا تھا اور اخوتِ نسل انسانی کی بنیاد رکھنی تھی۔ تا وہ قومی حدبندیوں میں جکڑے نہ رہیں اور ذہنی طور پر ایک ایسے نبی کو ماننے کے لئے تیار رہیں جس نے تمام دنیا کی طرف آنا تھا اور اقوامِ عالم کو قومیتوں کے چنگل سے نکال کر عالمی برادری میں داخل کرنا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا اور وہ حالات پیدا ہوگئے تھے، زمین سمٹنے کو تھی اور دوریاں مٹنے کو تھیں۔ اس لئے وہ رسول آیا جس نے کہا کہ میں تمام دنیا کی طرف آیا ہوں۔ اب اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس نے اس عہد کو توڑا اور آپؐ پر ایمان نہ لایا تو وہی فاسق اور بد عہد ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بھی تمام گزشتہ انبیاء کی طرح اپنے بعد آنے والے ظلی نبی مہدی و مسیح موعود کی بشارت دی جس نے آپؐ کی اتباع میں آنا تھا اور اسی نبیوں والے عہد کو دہرایا کہ جو میرے بعد آئے اس کا انکار نہ کرنا۔ (سورۃ احزاب:۸) قریباً ستر احادیث میں اس کا ذکر کیا اور علامتیں بتائیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآنِ حکیم اور تمہارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے احکام پر عمل کریں گے۔

۸۴۔ **یبغون** ۔بغی۔ میانہ رویٰ سے تجاوز کرنا۔ اسی سے بغاوت ہے۔ **یبغون**۔ وہ بغاوت کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ **اَسلَمَ۔ السّلمَ** کے معنی سلامتی اور فرمانبرداری کے ہیں۔ **طوعاً**۔ خوشی سے (اطاعت و فرمانبرداری کرنا) کرھاً۔ ناخوشی سے مجبوراً۔

ہر دین نے یہی سبق دیا، ہر رسول نے یہی عہد باندھا کہ خدا کی اطاعت کرو۔ اسی کی فرمانبرداری کرو۔ یہی اسلام ہے۔ کیا اب یہ ان رسولوں کے عہد کو توڑ کر اللہ کی اطاعت سے نکلنا چاہتے ہیں اور کوئی دوسرا طریق اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ

اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

جو اتارا گیا ہم پر اور جو اُتارا گیا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ

اسحٰق پر اور یعقوب پر اور (اسکی) اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور

عِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

عیسیٰ کو اور نبیوں کو طرف سے انکے رب کی نہیں ہم فرق کرتے ہیں درمیان کسی کے

مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

ان میں سے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں اور جو چاہے سوائے

خوشی سے یا مجبوراً خداتعالیٰ کے احکام کے تابع ہے اور مسلم ہے۔ پس کائنات کے اندر رہ کر اسلام کے علاوہ کونسا دین اختیار کرنا چاہتے ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں! جبری اطاعت وہ قانونِ قدرت ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور ہر ذات قانونِ قدرت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہے اور یہ ان کے مفاد میں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ اسی طرح اسلام کی خوبیاں ان کے مفاد میں ہیں اور یہ دل نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جیسا کہ یہود آنحضرت ﷺ سے اسلامی قانون کے مطابق اپنے فیصلے کرواتے جب حضرت سعد بن معاذؓ نے توریت کے مطابق فیصلہ کیا تو اس پر آج تک واویلا کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہوا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے سرکش انسانوں کے پوری کائنات خدائی احکام سے سرِ مو انحراف نہیں کرتی۔ خواہ زمین و آسمان ہوں۔ خواہ فرشتے یا سورج چاند اور ستارے۔ غرض کائنات کا ذرہ ذرہ روزِ ازل سے خدائی قوانین کے تابع ہے۔ اس کے نیک بندے بھی اسی طرح اس کے تابع فرمان ہیں۔ ہاں جو بدخصلت اور سرکش ہیں اور کسی طرح قانون خداوندی کی اتباع کرنا نہیں چاہتے وہ بھی خداتعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے بے بس، مجبور اور لاچارِ محض ہیں۔ بے شک قانونِ شریعت سے تو نکل جاتے ہیں لیکن قانون طبعی سے نکلنا ان کے بس میں نہیں خواہ وہ کیسے ہی بے باک ہوں۔ ہاں کتنی ہی سرکشی و روگردانی کرلیں بالآخر اسی ربِّ ذوالجلال کے حضور لوٹ کر جانا ہے۔

۸۵۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ تم انبیاء میں تفریق کرتے ہو کسی کو خدا بناتے ہو اور کسی کو خدا کا بیٹا لیکن میں اور میرے متبعین ہم اللہ پر اور تمام انبیاء پر اور جو اُن پر اتارا گیا، اس پر بلا تفریق ایمان لاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ ہی تمام انبیاء کے مصدق اور موعود نبی ہیں

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

اسلام کے کوئی دین تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اس سے اور وہ آخرت میں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا

ناکاموں میں سے ہوگا کیوں کر ہدایت دے گا اللہ کسی قوم کو (جنہوں نے) کفر کیا

بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ

بعد اپنے ایمان کے اور گواہی دی تھی انہوں نے کہ یقیناً رسول سچا ہے اور

جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

آئے ان کے پاس دلائل اور اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں ظلم کرنے والوں کو

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

یہ لوگ وہ ہیں کہ بدلہ ان کا یہ ہے کہ یقیناً ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اور لوگوں سب کی رہ پڑنے والے ہیں اس میں نہیں ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی

جنہوں نے تمام گذشتہ انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

۸۶۔ پس اسلام ہی تمام انبیاء کا مصدق اور موعود دین ہے اور تمام کائنات دینِ اسلام یعنی طریقِ فرمانبرداری پر ہی قائم ہے۔ فرمایا کہ اب صرف اسلام ہی ہے جو خدا کی نظر میں مقبول ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہی خدا تک پہنچانے کا دعویدار ہے۔ بے شک نجات خدا کے فضل پر موقوف ہے لیکن اس کا حصول اب صرف اسلام کی اتباع میں ہے۔ یہی قربِ الٰہی پانے کا ذریعہ ہے، اسی سے اس دنیا میں مکالماتِ خاصہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتے ہو اور محبوبِ الٰہی بن سکتے ہو۔ جو اس سے روگردانی کرے گا وہ دنیا تو شاید حاصل کرلے لیکن آخرت میں یقیناً گھاٹے میں رہے گا۔ اگلی آیات میں خوب کھول کر بتا دیا کہ یہ وہ لوگ تھے جن پر اسلام کی حقانیت خوب روشن ہو گئی لیکن وہ ایمان نہیں لائے یا قبولِ حق کے بعد ارتداد اختیار کیا ورنہ ایسے غیر مسلم جن تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا یا پہنچانے والا قائل نہیں کرسکا، وہ اس آیت کے مخاطب نہیں۔ مزید تشریح کے لئے سورۃ البقرہ آیت: ۶۳۔

۸۷تا۸۹۔ حقیقت یہ ہے کہ علماءِ یہود تو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل ہی اجمالی طور پر آپؐ پر ایمان لے آئے تھے پھر بعثت کے بعد کھلے کھلے نشان نہ صرف دیکھ چکے تھے بلکہ اس پر

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۰﴾

بعد اس کے اور اصلاح کرلی تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بعد اپنے ایمان کے پھر بڑھ گئے

گواہ بھی تھے اور اکثر اعتراف کرتے تھے۔احادیث میں ہے کہ بعض یہودیوں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی آپ خدا کے رسول برحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! پھر مانتے کیوں نہیں ؟تو انہوں نے کہا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم مان لیں تو دیگر یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔(مسند احمد حنبل جلد رابع صفحہ ۲۳۹)اس طرح کئی دوسرے لوگ بھی تھے۔پس اپنی قوم کا ڈر، ضد، تعصب ،حسداور جھوٹی انا قبولِ حق میں مانع ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کو ظالم کہا۔اللہ کا ہدایت نہ دینا ہدایت کی توفیق کاان سے چھن جاناہے۔کیونکہ باوجود مشاہدۂ حق کے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ان میں وہ بھی شامل ہیں جنہوں نے قبولِ حق کے بعد بزدلی دکھائی اور ارتداد اختیارکیا۔ پس ان کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی ، فرشتوں کی اورسب لوگوں کی لعنت ہے۔ اجمعین یا کُل وغیرہ سے مراد وہی لوگ ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک الناس کہلانے کے مستحق ہیں اورجو کلیتہً اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوتے ہیں۔ہر شخص ان میں شامل نہیں۔وہ اسی لعنت میں رہیں گے۔نہ ان سے عذاب ہلکا کیاجائے گا نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ،رحمت الٰہی سے دورہوناہے۔فرشتوں کی لعنت نیکی کی تحریک اور توفیق کا چھن جاناہے۔لوگوں کی لعنت دربدرہونا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آج تک ان کے مقدر میں ہے۔

۹۰۔جن لوگوں نے سب کچھ سمجھ لینے اورکھلے کھلے نشان دیکھ لینے کے بعد کفر و ارتداد اختیار کیااور اسی پر مصر رہے۔ان پر لعنت اور خدائی عذاب کا ذکرکرکے فرمایا کہ وہ اس ذلت و محرومی کے عذاب سے بچ سکتے ہیں اگر اب بھی توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔گویا توبہ کو اصلاح سے مشروط کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیرمیں توبہ پر جو روشنی ڈالی وہ مختصراً یہ ہے کہ سچے اورپکے دل سے گناہ کوترک کرنا اور خداتعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ اگر آگ میں بھی ڈالا جائے تو دوبارہ اس بدی کا ارتکاب نہ کرے گویاایک موت ہے جس کے بعدنئی زندگی ملتی ہے۔ تین شرائط بتائیں تا کہ سچی توبہ یا **توبۃ النصوح** حاصل ہو۔پہلی شرط اپنے خیالات فاسد اور تصورات بد کو چھوڑ دے کیونکہ غلط خیالات ہی غلط

كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۱﴾

کفر میں ہرگز نہیں قبول کی جاوے گی توبہ ان کی اور یہ لوگ ہی گمراہ ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے ایسے حال میں کہ وہ کافر تھے تو ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا

مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ

کسی سے ان میں سے برابر زمین کے سونا اور اگرچہ وہ فدیہ میں دے اسے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹/۱۷

یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار

عمل کی تحریک کرتے ہیں۔ دوسری ندامت یعنی اپنے گناہوں پر شرمندگی۔ تیسرا عزم یعنی آئندہ کے لئے مصمم ارادہ کرے کہ ان برائیوں کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔جب اس پر مداومت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی مغفرت فرمائے گا اور بدیوں سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔ایسی کامل توبہ کرنے والے ولی ، قطب اورغوث کہلاتے ہیں اور خدا کے محبوب بن جاتے ہیں پھر بلائیں اور مصائب جومقدر میں ہوتے ہیں ٹل جاتے ہیں۔(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰)

۹۱۔۹۲۔ **ملءُ الارض** اس قدر مقدار جس سے زمین بھر جائے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو توبہ کے بعدپھرکفرکی طرف لوٹ آئے اورکفر و سرکشی میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔اگر وہ پھر زبانی توبہ کربھی لیں تو ان کی یہ نمائشی اور منافقانہ توبہ ہرگزقبول نہیں کی جائے گی اوریہی وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہیں۔ پس ایسے کا فرجو کفرکی حالت میں ہی مرگئے۔ان میں سے کسی سے بطور فدیہ زمین بھر سونا بھی ہرگزقبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ اسے دے کرچھوٹ جائیں۔ قیامت کوتو وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہوں گے۔ پس مراد یہ ہے کہ اگر زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دے سکتے تو بھی ان کی تو بہ قبول نہ ہوتی۔ان کے لئے دردناک عذاب مقدرہے اور کوئی نہیں ہوگا جو ان کی مددکرسکے۔یہاں ان کفار کا ذکر ہے جنہوں نے بارباراسلام قبول کیا اور مرتد ہوئے۔اپنی شرارتوں اور سرکشیوں میں حد سے بڑھ گئے۔ان کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ تاہم ان کے لئے کسی دنیوی سزا کا ذکرنہیں صرف آخرت کی سزاہے۔

چونکہ اہل کتاب مخاطب ہیں اس لئے یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ دین حق کو چھوڑ کر دنیا میں ہی غرق ہوجائیں گے۔اگر زمین بھرسونا بھی ان میں سے ہر ایک کمالے تب بھی دین سے انحراف کی تلافی نہیں ہوسکتی گویا دین کے مقابلہ میں دنیا بھرسونا بھی حقیر ترین شے ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
ہرگز نہیں پاؤگے تم نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو تم اس سے جو تم پسند کرتے ہو
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾
اور جو خرچ کرو تم کوئی چیز تو یقیناً اللہ اسے خوب جاننے والا ہے

۹۳۔اس رکوع میں بتایا کہ دنیا کا پہلا معبد خانہ کعبہ تھا اب آخری معبد بھی یہی ہے۔ کیونکہ اب تمام نسلِ انسانی اسی دین اسلام پر اکٹھی ہونے والی ہے جو تمام انبیاء کا دین تھا۔ یہود کی حالت بتائی تھی کہ دنیوی فوائد قبولِ اسلام میں مانع ہیں جو دنیامیں پائی پائی کے لئے مرتے رہے، آخرت میں زمین بھر سونا بھی ان کی بدیوں کا فدیہ نہیں ہوسکتا۔اب مسلمانوں کو رضائے الٰہی میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ فرمایا کامل نیکی کوتم ہرگز حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنی محبوب اشیاء میں سے خدا کے نام پر نہ دو۔

اس آیت کے نزول پر صحابہؓ نے اپنی محبوب ترین اشیاء راہ خدا میں دینے کے لئے حاضر کر دیں۔انصار میں سب سے مالدار حضرت طلحہؓ تھے۔آپ کو اپنی جائیداد میں سے اپنا باغ بے حد محبوب تھا جو بہت زرخیز اور قیمتی تھا اور مسجد نبوی کے متصل تھاجس میں بیرحاء نامی کنواں بھی تھاجس کا پانی رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند تھا۔ حضرت طلحہؓ خدمت اقدس میں حاضرہوئے اور اسے راہ خدا میں قبول کرنے کی درخواست کی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! وہ بہت منافع بخش باغ ہے۔ مناسب ہے کہ آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیں ۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ نے وہ باغ اپنے چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔(بخاری کتاب تفسیر القرآن باب تفسیرال عمران)

پس جان ، مال ، اولاد، عزت و آبرو اور اپنی ساری طاقتوں اور صلاحیتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرو۔جب خدا کی محبت ان چیزوں پر غالب آجائے گی تو کچھ بھی خرچ کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ ابتدائی منازل ہیں۔ عنقریب وہ وقت آجاتا ہے کہ اپنا کچھ بھی نہیں رہتاسب کچھ خدا کا ہوجاتا ہے۔یہ نہیں کہ کسی چیز کی محبت نہیں رہتی بلکہ اللہ کی محبت تمام چیزوں پر غالب آجاتی ہے۔ جس طرح حضرت علیؓ سے آپ کے فرزند ارجمند حضرت حسنؓ نے دریافت فرمایا! کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ؟ انہوں نے فرمایا!ہاں۔پھر آپ نے پوچھا کیاآپ خدا سے محبت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا! کہ ہاں۔یہ سن کر حضرت حسنؓ نے عرض کیا کہ یہ شرک نہیں کہ آپ خدا کی محبت میں میری محبت کو بھی شریک کرتے ہیں۔حضرت علیؓ نے فرمایا!اے میرے بیٹے !یہ شرک نہیں کیونکہ

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا
ہر کھانا تھا حلال واسطے بنی اسرائیل کے سوائے اسکے جو
حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ
حرام کیا اسرائیل نے اپنے نفس پر پہلے اس کےکہ اتاری جائے
التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تورات توکہدے پس لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر ہو تم
صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ
سچے پس جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ بعد
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟
اس کے تو یہ لوگ ہی ظالم ہیں توکہدے سچ کہا اللہ نے
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ
پس پیروی کرو مذہب کی ابراہیم موحد کی اور نہ تھا وہ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ
مشرکوں میں سے یقیناً پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کیلئے البتہ وہ ہے جو

اگر خدا کی محبت کے مقابلہ میں تیری محبت آجائے تو میں اسے اٹھا کر پرے پھینک دوں گا۔

۹۴۔۹۵۔حضرت یعقوبؑ کا کشفی نام اسرائیل تھا۔(پرانا عہدنامہ پیدائش:۲۸) حدیث میں ہے کہ یہود کو اعتراض تھا کہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں جوحرام ہے۔ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا جو کچھ مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور وہ کھاتے ہیں وہ سب بنی اسرائیل پر تورات سے پہلے حلال تھا(پیدائش : ۳۲) ہاں حضرت یعقوبؑ نے اپنے کسی مرض کی وجہ سے کچھ چیزیں خود اپنے لئے منع فرمائیں۔ان کے متبعین نے ان کو حرام سمجھ کر توریت میں شامل کیا۔ (پیدائش باب ۳۲)حالانکہ ابراہیمی ملت میں یہ سب حلال تھیں۔فرمایا میں دین ابراہیم پر ہوں۔اگر یہ حرام ہوتیں تو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اورحضرت اسمٰعیلؑ کیوں کھاتے۔اگر شک ہے تو توریت میں دیکھو۔اگر توریت پڑھ لینے اور حقیقت کھل جانے کے بعد بھی خدا پر جھوٹ باندھیں اور اعتراض کریں تو یہی لوگ ہیں جوظلم اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔

۹۶۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو بتایا وہی سچ ہے کہ اصولِ دین کے معاملہ میں اس دین میں اور دین ابراہیمی میں کوئی فرق نہیں۔گویا بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔پس حضرت ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کرو اور ابراہیمی انداز اختیار کرو۔وہ حضرت ابراہیمؑ جو ہر طرف سے منہ موڑ کر ہمیشہ خدا کی

بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ

مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت ہے واسطے تمام دُنیا کے اُس میں نشان ہیں کُھلے کُھلے

مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى

(مثلاً) مقام ابراہیم ہے اور جو داخل ہوا اس میں ہوا امن والا اور واسطے اللہ کے ہے

طرف جھکا رہنے والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔ گویا اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ تو شرک خفی سے بھی بچنے والا اللہ کا کامل موحد بندہ تھا۔

۹۷۔ **بکہ**۔ مکہ کا قدیم نام ہے۔ **وضع**۔ ایجاد اور خلق کے معنوں میں آتا ہے۔ یہاں تعمیر مراد ہے۔ **فلما وضعتها** جب اس نے جنا۔ **مبٰرکًا۔ مبارک**۔ جس میں خیر و برکت کبھی منقطع نہ ہو بلکہ دائمی رہے۔ لفظ **بکّہ** میں اشارہ کیا کہ خانہ کعبہ جو **بیت عتیق** یعنی قدیم ترین گھر ہے یہ اُس وقت تعمیر ہوا جب مکہ کو **بکّہ** کہا جاتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ اس میں اوّل وہی پتھر استعمال ہوئے جو آسمان سے اترے۔ اس میں اُس دور کی نشاندہی ہوتی ہے جب زمین اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ کشش ثقل مستحکم نہیں ہوئی تھی اور شہاب ثاقب کی بارش ہو رہی تھی۔ جب زمین رہائش کے قابل ہوئی تو اس دور کے آدم نے انہیں پتھروں سے اسے تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر مختلف ادوار میں ہوتی رہی۔ اس لئے بعد میں وہ پتھر تو نہ رہے البتہ اُنہیں پتھروں میں سے حجر اسود آج تک موجود ہے۔ جب ابراہیمی دین پر اسلام آیا تو ضرور تھا کہ قبلہ بھی ابراہیمی ہوتا۔ اس لئے ان کا یہ اعتراض کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ کیوں قرار دیا، درست نہیں کیوں کہ خدا کی خالص توحید اور عبادت کے لئے جو سب سے پہلا گھر حضرت آدمؑ نے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا وہ مکہ میں ہے۔ جو تمام دنیا کے لئے برکت اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ گویا عالمی وحدت اور نظام نو کی بنیاد یہیں سے رکھی جانے والی تھی جس کے لئے تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں سے عہد لیتے رہے۔ پس خانہ کعبہ جس طرح آغاز میں سب انسانوں کے لئے مرکز ہدایت تھا اسی طرح دنیا کے اس آخری دور میں بھی بنی نوع انسان کی ہدایت اور یکجہتی کا موجب ہوگا۔ انشاء اللہ۔

۹۸۔ **مَقام**۔ مرتبہ۔ **مُقام** کے معنی جگہ کے ہیں۔ مَقام میں دونوں مفہوم شامل ہیں گویا بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) اس میں حضرت ابراہیمؑ کے مرتبہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ آپ مجسم نشان تھے۔ تمام نشانات آپ کے مرتبہ

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ

لوگوں کے حج کرنا خانہ کعبہ کا جسے طاقت ہو طرف اس کی راہ کی اور جس نے

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ

کفر کیا تو یقیناً اللہ بے پرواہ ہے تمام دنیا سے تو کہدے اہل

پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اگر ان صفات کی پیروی کرو گے تو امن میں آجاؤ گے۔ فرمایا اس میں کئی روشن نشان ہیں۔ پہلا مقامِ ابراہیم ہے جس کی ساری عبادت و مناسک حضرت ابراہیمؑ سے منسوب ہیں۔ دوسرا کھلا نشان خانۂ کعبہ کا مقامِ امن ہونا ہے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے فرمایا! ''کہ مکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف دن کا ایک حصہ حلال ہوا، جس وقت میں داخل ہوا۔ سن رکھو وہ اِس وقت بھی حرمت کا مقام ہے نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں گے نہ درخت قطع کئے جائیں گے نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی مگر اس شخص کے لئے جو اس کے مالک کو پہنچانے والا ہو۔''
(بخاری کتاب البیوع باب ما قیل فی الصواع)

حدیث میں دو عظیم فتنوں کا ذکر ہے ایک روحانی اور ایک جسمانی یعنی دجال اور طاعون۔ فرمایا یہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ مکہ کی حدود میں کسی قسم کی جنگ جائز نہیں اور نہ شکار۔ رزق کے لحاظ سے بھی جائے امن ہے، کہ فقر و فاقہ نہ ہوگا اور ہر قسم کا پھل اس لق و دق صحرا میں دنیا کے کونے کونے سے پہنچے گا۔ شرک سے امن میں ہوگا۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ قائم رہے گا۔

تیسرا نشان یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا حج کریں۔ گویا نہ صرف قائم رہے گا بلکہ ہر سال لوگ اس گھر کا حج کرنے کے لئے جمع ہوا کریں گے۔ جب ابرہہ نے حج روکنے کے لئے حملہ کیا تو خود مع لاؤ لشکر تباہ ہوا۔ حج میں شرط وہاں تک جانے کی استطاعت، وہاں کا اور راستے کا امن، زاد راہ، سواری اور متعلقین کا گزارہ اور صحت وغیرہ ہے۔ یہ عظیم روحانی اجتماع روحانیت میں ترقی کے علاوہ قوموں کی مادی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حج پر آئے ہوئے دنیا کے بہترین دانشور جب دیگر حجاجِ کرام کے ساتھ حج کی برکات سے جھولیاں بھر لیں تو حج سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کی ترقی اور بہبود کے لئے غور و فکر کریں اور لائحہ عمل تیار کریں اور مسلمان حکومتیں مختلف شعبہ جات جیسے تجارت، زراعت، تعلیم اور سائنس وغیرہ میں ایک دوسرے کے تعاون سے ترقی کے پروگرام تشکیل دیں اور ان پر عمل کریں۔ افسوس مسلمانوں میں حج کی اصل روح مفقود ہو گئی۔ ورنہ ایتھوپیا اور بوسنیا کے مسلمان فاقوں نہ مرتے اور

نہ عرب اس طرح عیش و عشرت کرتے۔ اگر چہ مسلمانوں کو پانچ وقت محلّہ کی مسجد میں اور ہر جمعہ کو جامع مسجد میں اکٹھا ہو کر عبادت کرنے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے۔سال میں دو دفعہ عیدین کے موقع پر تمام علاقہ کا اجتماع ہوتا ہے جس سے یہ مقصد بخوبی پورا ہوجاتا ہے۔عیدین میں نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر جانے اور کھلی فضا میں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔اس میں عبادت بھی نصف کر کے کچھ وقت وعظ و نصیحت کے لئے رکھا لیکن نماز کے تمام ارکان خوف و تذلل اور انکساری کے ارکان ہیں۔جب کہ حج جو زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے، سلوک کی آخری منزل ہے جہاں انسان عشقِ الٰہی میں کھویا جاتا ہے۔کپڑوں کا ہوش نہ زیب و زینت کا۔ ناخن اور بال تک کٹوانے منع ہیں۔بادشاہ بھی ہو تو غرباء کے ساتھ ننگے سر، ننگے پاؤں پروانہ وار محبوب کے گھر کا طواف کرتا ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتا ہے۔سعی میں تمام مرد و زن کو اس پاک باز خاتون کے ہر فعل کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔جس نے محض رضائے الٰہی کے لئے ہر عیش پر مجردانہ زندگی کو ترجیح دی اور کہا کہ اگر خدا کے سپرد کر کے جا رہے ہو اور اس کا حکم ہے تو جاؤ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ گویا توکّل کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔عادت اللہ ہے کہ روحانی امور کے ساتھ جسمانی امور بطور نمونہ رکھتا ہے جس طرح دلی سجدہ کے ساتھ نماز میں ظاہری سجدہ ہے تا جسم اور روح دونوں سجدہ میں شامل ہوں اسی طرح حج میں ہر قدم پر ظاہری عمل میں روحانی تربیت ہے۔جب دنیا کی پوشاک اتارتا ہے تو ہر قسم کے غرور اور تکبر کو جھٹک دیتا ہے۔دو کفن نما چادریں اوڑھے تو گویا موت کو قبول کرے اور عاجزی و انکساری میں مُردوں سے بدتر ہو جائے کہ اپنی مرضی سے انگلی بھی نہ ہلا سکے۔طواف میں تمام دنیوی خواہشات سے دل پاک کرے۔جسم ظاہری طواف کرے اور روح محبوبِ حقیقی کے گرد طواف کرے۔محض رضائے الٰہی کی تلاش میں مجذوبوں کی طرح سرگرداں ہو کہ اے میرے مولا! میں تیری ہی تلاش میں دھکے کھاتا، گرتا پڑتا تیرے در تک پہنچا ہوں جہاں سے ہر فیض ملتا ہے۔پس تو مجھے بخش دے، اپنے قرب سے نواز دے اور بینا کر دے۔اسی طرح عرفات کا میدان بھی گویا میدان حشر ہے جہاں درخت ہے نہ سبزہ، بس یاد الٰہی ہے یا دعائیں کہ اللہ رحم کرے اور بخش دے۔**ومن کفر** کے معنی ہیں کہ جو باوجود طاقت اور استطاعت کے انکار کرے یعنی حج یا عمرہ کے لئے نہ جائے تو خدا کو کسی کی حاجت نہیں۔وہ بے نیاز ہے۔بندے کو ہی ہر دم اپنے مولا کی حاجت ہے۔(حج کی تفصیل سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۹۷ میں ملاحظہ فرمائیں)

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
کتاب کیوں کفر کرتے ہو آیات کا اللہ کی اور اللہ دیکھنے والا ہے اُسے جو

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ
تم کرتے ہو تو کہدے اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ
راہ سے اللہ کی اُسے جو ایمان لایا تم چاہتے ہو اس (راہ) کو ٹیڑھا اور تم

شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا
جانتے ہو اور نہیں ہے اللہ ہرگز غافل اس سے جو تم کرتے ہو اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
لوگو جو ایمان لائے ہو اگر اطاعت کرو تم کسی فریق کی ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَكَيْفَ
کتاب " پھر کردیں گے تم کو بعد ایمان لانے کے تمہارے کافر اور کیونکر

۹۹۔فرمایا! اے اہل کتاب یہ کعبہ، یہ رسول۔یہ قرآن ، سب اللہ کی آیتیں ہیں۔تم کیوں ان کا انکار کرتے ہو جب کہ اللہ تمہارے ہر عمل پر نگران ہے۔

۱۰۰۔ **عوجا**۔ ٹیڑھاپن۔کجی۔

اے اہل کتاب! جو ایمان لاتا ہے اسے تم اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اور اسلام میں کجی چاہتے ہو یعنی کوئی نہ کوئی عیب نکال لیتے ہو تاکہ وہ راہ راست سے ہٹ جائے۔حالانکہ تم اس کی صداقت کے گواہ ہو یعنی تمہاری کتاب کی تمام پیشگوئیاں اور تمہارا اقرار کرنا اس رسول کی سچائی پر گواہ ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔وہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

۱۰۱۔ مسلمانوں میں سے تو کوئی بھی یہود وغیرہ کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔یہاں **تطیعوا** کے معنی ان کے پیچھے چلنا ہے یعنی جس طرح وہ اسلام ،اہلِ اسلام اور صاحبِ اسلام میں کجی اور عیب تلاش کرتے رہتے تھے ایسے ہی ان کی دیکھا دیکھی اگر تم نے بھی عیب چینیاں شروع کر دیں تو ان کے پیچھے چل کر تم بھی کافر بن جاؤ گے۔یہاں بتایا کہ اہل کتاب کے پیچھے لگو گے تو وہ تمہیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اوس اور خزرج کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی ان دونوں بڑے قبیلوں میں اسلام سے قبل مدت سے جنگ چلی آ رہی تھی جسے اسلام نے ختم کیا اور تمام پرانے بغض دور ہوئے۔ایک روز ایک اوس کا اور ایک خزرج کا

تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ

تم کفر کر سکتے ہو اور جبکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر آیات اللہ کی اور تم میں

رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

رسول ہے اس کا اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو تو یقیناً اُسے ہدایت دی گئی طرف راہ

ع مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

سیدھی اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے حق اسکے ڈرنے کا

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاعْتَصِمُوْا

اور نہ مرنا تم مگر جبکہ تم مسلمان ہو اور مضبوط پکڑو

بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

رسی اللہ کی سب کے سب اور نہ تفرقہ ڈالو اور یاد کرو نعمت

آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک یہودی آ گیا اور موقع پا کر اوس اور خزرج کے پرانے جھگڑوں کا ذکر شروع کر دیا یہاں تک کہ دونوں مسلمان ان واقعات کو یاد کرکے ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ دونوں نے اپنی اپنی قوموں کو پکارا جو ہتھیار لے کر نکل آئے۔ آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا تو آپؐ ان کے درمیان آئے اور آپؐ کی وجہ سے سب لوگوں کا غصہ جاتا رہا اور نادم ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ تاہم قرآنی آیات بعض خاص واقعہ سے تعلق رکھنے کے باوجود عام ہیں اور ہمیشہ کے لئے اپنے اندر عالمی ہدایت کے سامان رکھتی ہیں۔ یہود ایک موحد قوم تھی۔ آنحضرت ﷺ توحید کی طرف بلا رہے تھے۔ اس کے باوجود یہود کا ایک گروہ اسلام دشمنی میں یہاں تک اندھا ہو رہا تھا کہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتا کہ مسلمان عقیدۂ توحید کو چھوڑ کر پھر کفر و شرک کی طرف پلٹ جائیں۔

۱۰۲۔ **عصم** ۔روکنا۔ عاصم ۔بچانے والا۔ **یعتصم باللّٰہ** اللہ کو پکڑ کر۔ مضبوطی سے اللہ کو پکڑ لے۔ مراد اللہ کے ذریعہ خود کو بچانا۔

فرمایا تم کیوں کر کفر کر سکتے ہو جب کہ تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی آیات تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں یعنی تمہیں تواتر کے ساتھ نشانات دکھائے جا رہے ہیں۔ خدا کا رسول تم میں موجود ہے۔ یاد رکھو جس نے اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیا اور اس کی پناہ میں آ گیا تو وہ یقیناً سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیا گیا۔ یہاں اہل کتاب کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کا طریقہ یہ بتایا کہ انسان اللہ سے تعلق استوار کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔ آنحضرت ﷺ کا فیضان آپؐ کے خلفاء، مجددین اور اولیاء کے ذریعے ان کے بعد

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

اللہ کی اپنے پر جبکہ تھے تم دشمن پھر الفت ڈال درمیان دلوں کے تمہارے

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ

پھر ہو گئے تم بسبب نعمت کے اس کی بھائی بھائی اور تھے تم کنارہ پر گڑھے کے

مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

آگ کے پھر اس نے بچایا تم کو اس سے اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پاؤ اور چاہیئے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت

آپؐ کے خادمِ خاص حضرت مسیح موعودؑ و مہدی معہود اور ان کے خلفاء کے ذریعے روحانی طور پر اس امت میں موجود ہے پس جس نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو یقیناً وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیا گیا ہے۔

۱۰۳۔ فرمایا اے ایمان والو! اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرو، جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔ اس رکوع میں کامیابی کے تین عظیم الشان گر بتائے ہیں جن میں پہلا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی تعریف حضرت عمرؓ کے استفسار پر حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ بیان فرمائی! کہ کسی ایسی پگڈنڈی پر چلنا جس کے چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں۔ پس اپنا دامن سمیٹ کر ان تمام کانٹوں سے بچ کر نکل جانا تقویٰ ہے۔ گویا دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اور باریک در باریک گناہ سے خود کو بچانا تقویٰ کا حق ادا کرنا ہے۔ زندگی کا تو کوئی اعتبار نہیں اس لئے آج ہی سے اس راہ پر چل پڑو تا کہ تمہیں اسلام پر موت آئے۔ مسلم کی تعریف یہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ (بروایت ابن عمر۔ متفق علیہ) گویا ہر گناہ سے بچ کر حقوق اللہ ادا کرنے والا ہو اور کسی کو دکھ نہ دے کر حقوق العباد ادا کرنے والا ہو اور یہی اسلام ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ کمزور ہے۔ اللہ کے فضل کے بنا نیکیوں کی توفیق مل سکتی ہے نہ اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ پس دعا کرتا رہے کہ اے مولا! تو مالک ہے۔ کل اختیارات تجھ کو ہی حاصل ہیں۔ مجھے اپنے حضور اس وقت بلانا جب تو مجھ سے راضی ہو۔

۱۰۴۔ **حبل** ۔رسی ۔ **شَفَا** ۔ کنارہ ہے جبکہ شِفَاء تندرستی ہے۔ **حفرہ** گڑھا۔ **نار** ۔آگ۔ جنگ کی آگ کے لئے بھی آتا ہے۔ **انقذ** ۔اس نے بچایا۔ **اعتصام** کے معنی کسی دوسری چیز کو مضبوطی سے پکڑنے کے ہیں۔

اب دوسرا کامیابی کا گُر بتایا جو اتحادِ ملی ہے۔ فرداً فرداً کوئی شخص تقویٰ کے کیسے ہی اعلیٰ معیار پر ہو اور اپنے حقوق ادا کرنے والا ہو جب تک اجتماعی رنگ میں قوم میں اتحاد و یگانگت اور

ہمدردی و اخوت پیدا نہیں ہوگی کوئی قوم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔اللہ کا حکم ہے کہ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور تفرقہ نہ کرو۔ یہ رسی قرآن کریم ہے جو بنیاد ہے اتحاد کی۔جس نے قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بنایا اور ہر عمل اس کے تابع کردیا۔وہ تفرقوں سے بچ گیا۔امتِ مُسلمہ میں تفرقوں، گروہ بندیوں اور فرقہ بندیوں نے اس وقت جنم لیا جب بحیثیت قوم قرآن کریم پر گرفت ڈھیلی ہوئی۔تمام اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اتحاد کی بنیاد قرآن کریم کے ہوتے ہوئے روایات کے چکر میں پھنسے۔جس کے نتیجہ میں ۷۲ فرقے وجود میں آئے۔ شیعہ ہوں یا سنی اگر اپنی احادیث و روایات کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھیں، پھر جو قرآن کریم کے تابع ہوں اسے قبول کریں اور جو قرآن کریم سے ہٹ کر ہوں انہیں رد کریں تو آج ایک ہی فرقہ ہوگا اور وہ اسلام ہوگا۔ بیشک حبل اللہ کے بنیادی معنی قرآن عظیم کے ہی ہیں لیکن قرآن کریم کے مظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے وسیلے کے بغیر خدا سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے نہ قرآن کریم تک رسائی ممکن ہے۔ پس رسولؐ کے اقوال و افعال کی اہمیت واضح ہے۔ سُنن جو آپؐ کے افعال ہیں۔احادیث جو آپؐ کے اقوال ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا احسان یادکرو جب تم گروہوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ صدیوں کی خانہ جنگیوں نے تمہاری کمر توڑ دی تھی۔ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ قریب تھا کہ باہمی جنگ و جدل کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاؤ اور پوری قوم تباہ ہوجائے۔ پھر اللہ نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دی اور تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت پیدا کی اور اسلام کی برکت سے دن رات کی لڑائیوں اور کشت و خون کا خاتمہ ہوا اوراس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

قریبًا یہی حالت اس وقت اسلام کی ہے۔ عراق و ایران کی آٹھ سالہ جنگ اور عراق و کویت اور عرب جنگ نے عالم اسلام کو بالکل کھوکھلا کر دیا ہے۔اگر آج بھی گروہ بندیوں سے بالا ہوکر قرآن کریم کی آواز کو سنیں اور متفقہ طور پر اس رسی کو تھام لیں تو اسلام اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاجاؤ۔

۱۰۵۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی ہر وقت ضرورت تھی تا کہ تفرقوں سے بچتے۔ پس چاہیئے کہ ایک گروہ ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ لے۔ اقوام عالم کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری بھی اسی گروہ کا اہم فریضہ ہوگا۔اس آیت میں کامیابی کا تیسرا گُر بتایا جو تبلیغِ اسلام ہے چونکہ ساری

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

جو بلادیں طرف بھلائی کے اور حکم کریں مناسب بات کا اور روکیں

عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَكُوْنُوْا

نامناسب بات سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں اور نہ ہو جاؤ

قوم ہمہ وقت یہ کام نہیں کرسکتی اس لئے فرمایا کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ خیر کی طرف لوگوں کو بلائے۔ حقیقی خیر صرف قرآن کریم اوراسلام سے وابسطہ ہے۔ایک قرآنی عالمی نظام قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک گروہ مبلغینِ اسلام کا اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے اورتمام بنی نوع انسان کو اس قرآنی نظام کی دعوت دے اورعملاً اسے نافذ کرے۔ چنانچہ مبلغینِ اسلام نے اس راہ میں بے حد صعوبتیں برداشت کیں۔دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور ایک دنیا کو حلقۂ بگوشِ اسلام کیا اور ثابت کیا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ فرمایا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنائیں۔یہ ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن مبلغین کے لئے خاص ہے۔المفلحون میں انہیں عظیم خوشخبری دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے افضل الجہاد کہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے۔ چونکہ آہستہ آہستہ امراء و علماء اور عوام تبلیغ حق سے غافل ہوگئے اور عیش و عشرت میں پڑ گئے۔یہی جمود ان کی تباہی کا باعث ہوا۔ضروری تھا کہ امت کے بگڑنے پر الٰہی نوشتوں کے مطابق تیرھویں صدی میں مسیح موعود و مہدی معہود کا نزول ہوتا۔پس عین وقت پر آپ کا نزول ہوا۔آپ کے غلاموں نے دین کو دنیا پر مقدم کیا اوراس بارگراں کو اپنے کمزور کندھوں پر اٹھایا اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ جولائی ۲۰۰۰ء تک کی رپورٹ کے مطابق بفضل تعالیٰ دنیا بھر کے ۱۷۰ ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہوچکی ہے اور سینکڑوں مبلغین فریضہ تبلیغ ادا کر رہے ہیں۔جبکہ ہزاروں جماعتیں قائم ہوچکی ہیں اور ہزاروں بیت الذکر تعمیر ہوچکے ہیں۔قریبًا ۶۰۲ مشن ہاؤسز کام کر رہے ہیں۔ قریبًا ۷۰ اخبارات اور جرائد جاری ہیں۔تا حال ۵۲ زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل تراجم شائع ہوچکے ہیں اور ۲۴ زبانوں میں تیار ہو رہے ہیں جبکہ منتخب آیاتِ قرآنیہ کا مجموعہ ایک سو بارہ زبانوں میں چھپ چکا ہے۔ سینکڑوں سکول و کالج اور ہسپتال کام کررہے ہیں۔ ۹۶۲ مرکزی و مقامی مربیان و معلمین دنیا بھر کی جماعتوں میں خدمت دین بجا لا رہے ہیں جن کے ساتھ لاکھوں داعیانِ الی اللہ میدانِ عمل میں ہیں۔(ماخوذ از کتاب دینی معلومات مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ) نیز وقفِ نو کی تحریک کے تحت بفضل تعالیٰ ہزاروں

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
مانند ان لوگوں کے جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ
کھلی کھلی باتیں اور یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے عذاب ہے بڑا جس دن سفید ہوں گے

وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
کچھ چہرے اور سیاہ ہونگے کچھ چہرے پس وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے

وُجُوْھُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا
چہرے جن کے (انہیں کہا جاویگا) کیا کفر کیا تم نے بعد اپنے ایمان لانے کے پس چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ
عذاب اس لیے کہ تھے تم کفر کرتے اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے

وُجُوْھُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ تِلْكَ
چہرے جن کے تو رحمت میں ہوں گے اللہ کی وہ اس (رحمت) میں رہنے والے ہیں

کی تعداد میں مبلغین تیار ہور ہے ہیں۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**۔ صرف دس سال کے مختصر عرصہ میں محض خدا کے فضل و احسان سے تمام دنیا سے مختلف رنگ و نسل کے سترہ کروڑ افراد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کرکے احمدیت میں شامل ہوچکے ہیں۔خطبہ جمعہ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۱ء میں آپ نے فرمایا کہ احمدی بفضلِ تعالیٰ بیس کروڑ سے تجاوز کر چکے ہیں۔**ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہِ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم** ط ۔

۱۰۶۔ تفرقہ سے بچنے کی مکرر تاکید فرمائی کہ تم سے پہلی قوموں نے روشن دلائل دیکھ لینے کے بعد تفرقہ کی راہوں کو اختیار کیا اور اتحاد قومی کو پارہ پارہ کیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم کے مستحق ٹھہرے۔ پس تم تفرقوں کا شکار نہ ہونا۔افسوس باوجود بار بار کی تاکید کے مسلمان انہیں کے نقش قدم پر چلے۔ان کے تو بہتر فرقے ہوئے اور یہ تہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ تاآنکہ مسیح محمدی کشتی اسلام کو جو بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے ہچکولے کھا رہی تھی تائید ایزدی سے کنارے تک لانے میں کامیاب ہوگیا۔

۱۰۷۔۱۰۸۔ آخرت کے ذکر میں فرمایا اس دن روحانی حالتیں مخفی نہیں ہوں گی۔ان کے اعمال ان کے چہروں سے عیاں ہوں گے۔ جنہوں نے قومی شیرازہ کو بکھرنے نہیں دیا اور اتحادِ قومی میں جکڑے رہے ان کے چہرے سفید و نورانی ہوں گے وہ خدا کی رحمت کے سایہ تلے ہوں گے۔

اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
آیات ہیں اللہ کی پڑھتے ہیں ہم جنہیں تجھ پر ساتھ حق کے اور نہیں اللہ چاہتا ظلم کرنا

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى
واسطے دنیا کے اور اللہ کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور طرف

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۱۰﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
اللہ کی لوٹائے جاویں گے معاملات ہو تم بہترین اُمت جو نکالی گئی لوگوں کے لیے

ع ۱۱ ۸ ۲

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
حکم کرتے ہو تم مناسب بات کا اور روکتے ہو نامناسب بات سے اور ایمان لاتے ہو

بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ
اللہ پر اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ضرور ہوتا بہتر ان کے لیے بعض ان میں سے

الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ
مومن ہیں اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں ہرگز نہیں وہ ضرر پہنچا سکیں گے تمہیں

گویا محض اپنے اعمال سے نہیں بلکہ رحمتِ خداوندی سے ہمیشہ کے لئے ان رحمتوں کے وارث ہوں گے۔ ان سے سوال و جواب نہیں ہوگا۔وہ جو تفرقہ بازیوں کا شکار ہوئے اور اتحاد و اخوت کے خدائی احکام کو نہ مانا، ان سے روگردانی کی اور ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے ان سے پوچھا جائے گا۔ گویا وہ حساب کتاب کی رسوائیوں سے گزریں گے۔ان کے چہروں پر ذلت و ادبار کی سیاہیاں ہوں گی۔وہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

۱۰۹۔ فرمایا اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔اس لئے انہیں اپنے فضل سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور یہ بھی کہ کن امور پر باز پرس ہوگی۔پس جو باز نہیں آتے وہ خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہیں۔

۱۱۰۔ چونکہ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا مالک اللہ ہے۔ اس لئے سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش کئے جائیں گے اور وہی فیصلہ کرے گا۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ بالآخر اہل حق کو غلبہ نصیب ہوگا اور آخری فیصلہ وہی کرے گا۔دنیا کے حکام کو بھی تنبیہ ہے کہ اگر اس عدالت میں انصاف نہیں کرو گے تو اوپر بھی ایک عدالت ہے۔جہاں تمام امور مالکِ حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔

۱۱۱۔ تمام انبیاء میں متفرق کمالات تھے اور وہ صرف اپنی اپنی امت کی طرف، ان کی کسی خاص خامی کی اصلاح کے لئے آتے تھے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کو کامل طور پر اپنی ذات میں سمیٹے ہوئے تھے اور تمام دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔

دنیا کی بدترین قوم آپ کو ملی۔جسے آپؐ کی قوت قدسی نے بہترین امت بنا دیا۔اس امت کی وجہِ فضیلت یہ تھی کہ انہیں صرف اپنی یا اپنی قوم کی بھلائی کے لئے نہیں بلکہ اقوام عالم کی اصلاح اور بھلائی کے لئے مبعوث فرمایا تا ان کو معروف کا حکم دیں اور بدیوں سے روکیں۔معروف میں ہر اچھی بات اور نیکی شامل ہے۔گویا تمام دنیا کے معلم و مزکی بنیں۔اتنے وسیع پیمانے پر ہدایت کا یہ کام پہلے کسی امت کے سپرد نہیں ہوا تھا۔یہ اس لئے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔گویا اللہ پر ایمان لاکر اپنی اصلاح کرلی ہوئی ہے۔یعنی وہ بات نہیں کہتے جس پر تمہارا عمل نہیں۔اگر اہل کتاب (یہاں مراد یہود ہیں) ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا کہ وہ بھی اس بہترین امت میں شامل ہو جاتے ،بیشک ان میں بعض ایمان لے آئے ہیں۔یاان میں فطری طور پر مومنین کی صفات ہیں۔جب بھی انہیں پیغام حق پہنچے گا تو امید ہے قبول کرلیں گے لیکن اکثریت فاسقین کی ہے گویا بحیثیت قوم فاسق ہیں۔

اکثر یہ سوال کیاجاتا ہے کہ بعض لوگ دیگر مذاہب میں رہتے ہوئے نیکیوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں۔ان کے لئے ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرمایا!ضروری نہیں کہ وہ ان پر قائم بھی رہ سکیں۔اکثر مختلف آزمائشوں سے یہ نیکیاں مدھم پڑجاتی ہیں یامٹ جاتی ہیں جبکہ ایمان انہیں دوام بخشتا ہے۔پس ایمان لانا اسی لئے ضروری ہے کیونکہ ایمان کی صورت میں تمام نیکیاں اللہ کی رضا کے تابع ہوجاتی ہیں۔آزمائشیں ان کو جلادیتی اور بڑھاتی ہیں۔ان کو مٹنے نہیں دیتیں اور قرب الٰہی کی راہوں کو آسان کر دیتی ہیں اور وہ اپنے خالق کو پانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔یہی انسانی زندگی کی معراج ہے اوریہی ایمان لانے کا حاصل ہے۔یہ امت قیامت تک کے لئے **خیرالامم** ہے اور اس اعزاز کی حقدار ہے کہ روحانی پیشوا اس کے اندر پیدا ہوتے رہیں گے جن سے دوسرے روشنی حاصل کریں گے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مثیل ہوں گے۔ (المقاصد الحسنہ فی بیان کثیرمن الاحادیث المشتھرة علی الالسنة صفحہ ۲۸۶) یعنی وہی اصلاح کا کام کریں گے جو وہ انبیاء کرتے تھے۔جب تک یہ امت اس حکم پرکاربند رہی،دین و دنیا میں مظفر و منصور رہی۔دنیوی طور پر عظیم الشان حکمران و دانشور اور دینی طور پر مجدّد و اولیاء اس میں پیدا ہوتے رہے جب اس حکم سے روگردانی کی تو قعر مذلت میں گری۔دوسروں کی اصلاح تو درکنار اپنی اوراپنی قوم کی اصلاح سے بھی آنکھیں بندکرلیں اور روحانی طور پرنہایت تاریک دورمیں داخل ہوگئی تاوقتیکہ امام الزماں اور مہدی دوراں مسیح موعودؑ کی شکل میں آیا اوراس امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے تک لے آیا۔

اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا

مگر تکلیف دہ بات (منہ کی) اور اگر لڑیں گے تم سے تو پھیر دیں گے طرف تمہاری پیٹھیں پھر نہیں

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

وہ مدد دیئے جاویں گے ماری گئی ان پر ذلت جہاں کہیں پائے جاویں گے وہ

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

مگر ساتھ رسی کے اللہ کی اور رسی کے لوگوں کی اور لوٹے ساتھ غضب کے

مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اللہ کے اور ماری گئی ان پر مسکنت یہ اس لیے ہے کہ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

وہ تھے کفر کرتے آیات کا اللہ کی اور قتل کرتے تھے نبیوں کو بغیر

حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ لَيْسُوْا

حق کے یہ اس لیے ہے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ حد سے بڑھتے نہیں ہیں وہ

۱۱۲۔ **اذًی**۔معمولی دکھ اور تکلیف۔

جنگ احد سے قبل کی آیات ہیں۔مدینہ میں یہود کافی تعداد میں تھے جو صاحب ثروت اور مقابلۃً پڑھے لکھے تھے۔ان کی شرارتوں سے مسلمانوں کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔پچھلی آیت میں انہیں فاسق یعنی بد عہد کہا کیونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے ہر وعدہ کی خلاف ورزی کی۔یہاں یہ پیشگوئی ہے کہ اگر یہود ایمان نہ لائے تو بھی سوائے معمولی اذیت کے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیرکر بھاگ جائیں گے اور شکست کھائیں گے منافق اور مشرک جو ان سے مدد کے وعدے کرتے ہیں وہ ہر گز ان کی مدد نہیں کریں گے۔تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

۱۱۳۔ فرمایا ان پر ذلت کی مار ڈالی گئی۔یہ دنیوی لحاظ سے ہے کہ جہاں رہیں گے ذلیل و محکوم ہوں گے۔یہ ان کے لئے مقدر ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں یالوگوں کی۔یعنی اسلامی یاغیر اسلامی حکومت سے عہد کرکے پناہ حاصل کرلیں۔دینی زوال یہ ہے کہ خدائی غضب کا مورد بن گئے ہیں اور ان پر بے بسی کی مار پڑی۔اس ذلت و عذاب کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا جوان کے پاس تورات میں تھیں اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے سچ ثابت ہوئیں نیز پہلے بھی ناحق نبیوں کے قتل کے درپے رہے اور اب بھی اس نبی امیؐ کے بارہ

سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ
برابر (کیونکہ) اہل کتاب میں سے ایک گروہ قائم ہے پڑھتے ہیں آیات

اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
اللہ کی وقت میں رات کے اور وہ سجدہ کرتے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
روز آخر پر اور حکم دیتے ہیں مناسب بات کا اور روکتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ
نامناسب بات سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَ
نیکوں میں سے ہیں اور جو بھی کریں گے کوئی نیکی تو ہرگز نہیں انکار کیا جائیگا انکے آگے اسکا

میں انہیں حرکات کے مرتکب ہونے والے ہیں۔چنانچہ آپ کو مہلک زہر دیا گیا جس سے آپؐ کا ایک ساتھی وفات پا گیا اور آپ پر اس کا اثر وفات تک رہا۔(ابن ہشام جلد۲) پھر بھاری پتھر گرا کر بھی آپؐ کی جان لینے کی کوشش کی۔یہ واقعہ جنگ خیبر میں پیش آیا۔ یہ سب عادتیں ان کی نافرمانیوں اور حسد سے بڑھنے کی وجہ سے ان میں پیدا ہوگئی تھیں۔جو بالآخر سزا کا باعث بنیں۔

۱۱۴۔۱۱۵۔فرمایا یہ معنی نہیں کہ پوری قوم ہی خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آ گئی بلکہ ہر قوم میں نیک لوگ ہوتے ہیں۔اہل کتاب میں بھی ایک گروہ ہے جو اپنے مسلک پر قائم ہے وہ نہ صرف دن کو عبادت کرتے اور رضائے الٰہی کی تلاش میں رہتے ہیں بلکہ راتوں کو بیدار ہو کر تلاوت کرتے اور خدا کے حضور سربسجود رہتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں ،دوسروں کو نیکی کی تعلیم دیتے اور بدیوں سے روکتے ہیں اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔یہی گروہ صالحین میں سے ہیں۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاسMTA)ان تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا یا پہنچا نے والا انہیں قائل نہیں کرسکا اور وہ اپنی طبعی نیک فطرت کی وجہ سے نیکیوں پر قائم ہیں، اپنی شریعت پر عمل پیرا ہیں، حقوق اللہ اورحقوق العباد ادا کرنے والے ہیں۔اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔ان کی سرشت میں ہدایت کو قبول کرنے کا مادہ ہے۔انہیں صالحین میں شامل کیا جائے گا جب بھی ان تک پیغام حق پہنچے گا، قبول کرلیں گے۔(تشریح کے لئے سورۃ البقرہ: ۶۳)

۱۱۶۔ جو نیکی بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔یہ بھی مراد ہے کہ اسلام

اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ
اوراللہ خوب جاننے والا ہے متقیوں کا یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز نہیں کفایت کریں گے

عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ وَ
ان سے مال ان کے اور نہ اولاد ان کی بمقابل اللہ کے کچھ بھی اور

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ مَثَلُ
یہ لوگ ہیں آگ والے وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں مثال اسکی

مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ
جو وہ خرچ کرتے ہیں اس زندگی ورلی میں مانند مثال ہوا کی ہے

فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ
جس میں کالا ہو جو پہنچا کھیتی کو ان لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر

فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ
پس اس نے ہلاک کر دیا اُسے اور نہیں ظلم کیا اُن پر اللہ نے لیکن وہ اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً
خود ظلم کرتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ دلی دوست

اس سے بالا ہے کہ پہلے کوئی کس مسلک پر تھا جو بھی اسلام قبول کرے گا۔ اس کی کسی نیکی کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

۱۱۷۔یہود نے بظاہر آنحضرتﷺ سے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں اور آپؐ کی مدد کریں گے لیکن اندرونی طور پر اپنے مال اور اولاد کو مسلمانوں کے خلاف تخریب کاری پر لگایا ہوا تھا۔اس لئے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔یہ کفار آگ میں پڑنے والے اور اسی میں رہنے والے ہیں۔ دنیا میں بھی یہ مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئے۔اوّل مدینہ سے پھر دنیا کے مختلف ممالک سے ذلیل ہوکر نکلے۔اگر آج دنیا کی دولت ان کے ہاتھ میں ہے اور فلسطین پر قابض ہیں تو پیشگوئیوں کے مطابق یہ ایک عارضی غلبہ ہے اور ان کا انجام رسوائی ہے۔

۱۱۸۔ **ریح صِرٌّ** یا **ریح صرصر** ۔برفیلی ہوا۔ پالا۔

نیک انسان تو نیک اعمال کی کھیتی ہوتا ہے۔بندگان خدا کی بہبود اور دین حق پر خرچ کرنا گویا بادنسیم یا باران رحمت کا کام دیتا ہے جو اس کی کھیتی کو لہلہانے اور مزید نشوونما دینے کا موجب ہونا ہے۔اس کا پھل وہ آخرت میں کھاتا ہے بیشک کسی حد تک دنیا میں بھی اجر پاتا ہے لیکن کامل

مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

اپنے غیروں کو ۔ نہیں وہ کمی کرتے ۔ خرابی میں ۔ وہ چاہتے ہیں جو تکلیف میں ڈالے تمہیں ۔ یقیناً

بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

ظاہر ہو چکی ہے ۔ دشمنی ۔ مونہوں سے ۔ ان کے ۔ اور جو کچھ چھپاتے ہیں ۔ سینے ۔ ان کے

اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۹﴾

بہت بڑا ہے ۔ یقیناً ہم نے کھول کر بیان کر دیں تمہارے لیے آیات ۔ اگر ۔ ہو تم ۔ عقل کرتے

اجر آخرت کو ہی ملے گا۔ لیکن یہود اور منافقین کی کھیتی کی بنا ہی ظلم و زیادتی پر ہوتی ہے۔ وہ اسلام دشمنی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ برفانی ہواؤں کی طرح ان کے اعمالِ بد کی کھیتی کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ پس خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے خود ہی اپنے اموال غلط کاموں پر خرچ کر کے خود پر ظلم کیا اور دنیا و آخرت میں نقصان اٹھایا۔

۱۱۹۔ **بطانۃ**۔ بطن پیٹ۔ بطور استعارہ **بطانۃ** اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کو اپنے معاملہ کے باطن یعنی راز میں شریک کرلو۔ راز دار۔ جگری دوست۔ **یالون** وہ کم کرتے ہیں۔ **خبالًا** تباہی۔ نقصان پہنچانا۔ **عنتم**۔ **عنت**۔ مشقت۔ **عنتم**۔ تم دکھ میں پڑو۔ **البغضآء**۔ بغض۔ **افوا**۔ واحد **فمٌ** یعنی منہ۔

مشرکین مدینہ اوس اور خزرج کے یہود سے دوستانہ تعلقات تھے۔ جو اسلام لانے کے بعد بھی قائم رہے۔ بظاہر یہود نے آنحضرت ﷺ سے معاہدے کئے ہوئے تھے کہ ہم ہر دکھ سکھ میں آپؐ کے ساتھ ہیں لیکن اندرونی طور پر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش میں رہتے۔ مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے راز پہنچاتے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکساتے رہتے۔ یہاں انہیں منافقانہ چالوں کی وجہ سے مسلمانوں کو انہیں اپنا رازدار اور جگری دوست بنانے سے منع کیا۔ عام دوستی اور انسانی ہمدردی سے منع نہیں کیا۔ وہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اور انہیں دکھ میں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ان کی بدزبانی سے آنحضرت ﷺ بھی محفوظ نہیں تھے۔ ان کی دشمنی کا اندازہ ان کی باتوں سے ہو جاتا تھا جو بے اختیار ان کی زبان پر آ جاتی تھیں۔ فرمایا جس قدر بغض و عداوت ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے وہ اس قدر شدید ہے کہ تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہم نے تمہارے لئے اپنی آیات کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ان کے طرز عمل کو خوب واضح کر دیا ہے۔ اب عقل سے کام لو اور ان کی طرف

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

دیکھو تم ۔ وہ لوگ ہو کر ۔ تم محبت کرتے ہو ان سے اور نہیں محبت کرتے وہ تم سے ۔ اور تم ایمان لاتے ہو

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا

سب کتابوں پر ۔ اور جب وہ ملتے ہیں تم سے ۔ کہتے ہیں ۔ ایمان لائے ہم ۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں

عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوْتُوْا

کاٹتے ہیں ۔ تم پر ۔ پوروے ۔ غصہ سے ۔ تو کہہ ۔ مر جاؤ

بِغَيْظِكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۲۰﴾ اِنْ

اپنے غصہ میں ۔ یقیناً ۔ اللہ ۔ خوب جاننے والا ہے ۔ سینوں والی (بات) کو ۔ اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

پہنچے تم کو ۔ بھلائی ۔ بُری لگتی ہے انہیں ۔ اور اگر پہنچے تمہیں ۔ بُرائی (دُکھ)

يَّفْرَحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

خوش ہوتے ہیں ۔ اس پر ۔ اور اگر ۔ تم صبر کرو ۔ اور تقویٰ کرو تو ۔ نہیں نقصان پہنچاوے گی تم کو

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۱﴾ وَاِذْ

تدبیر ان کی ۔ کچھ بھی ۔ یقیناً ۔ اللہ ۔ اُسے جو وہ کرتے ہیں ۔ گھیرنے والا ہے ۔ اور جب

ع ۱۲ / ۱۱ / ۴

سے محتاط ہو جاؤ۔ پس ان کے شر سے بچنے کا طریق یہی ہے کہ اپنے لوگوں کو چھوڑ کر ان سے دلی دوستیاں نہ کرو اور نہ ان کو اپنے رازوں میں شریک کرو۔

۱۲۰۔ **عض**۔ دانتوں سے کوئی چیز کاٹنا۔ **عضوا علیکم الانامل**۔ تمہارے خلاف انگلیاں کاٹتے ہیں۔ انگلیاں کاٹنا محاورہ ہے۔ مراد اظہار ندامت بھی ہے اور شدید غصہ کا اظہار بھی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ تم اپنی فطری سادگی کی وجہ سے ان کی محبت کا دم بھرتے ہو حالانکہ ان کے دل میں نہ صرف یہ کہ تمہارے لئے قطعاً محبت نہیں بلکہ اگر تمہارے سامنے منافقانہ طور پر ایمان کا اظہار کر جاتے ہیں تو علیحدہ ہوتے ہی تمہارے خلاف نفرت اور غیض و غضب میں دیوانے ہو رہے ہوتے ہیں اور خود کو کاٹنے کو دوڑتے ہیں حالانکہ جو الکتاب یعنی قرآن کریم پر کامل طور پر ایمان لے آئے ہوں ان کی طرف سے انہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا اپنے غصہ کی آگ میں خود ہی جل مرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

۱۲۱۔ ان کے دلوں میں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ اسے مزید کھول کر بتایا کہ اس دشمنی میں یہ انسانیت سے بھی گر گئے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے یا ذرا سا سکھ بھی پہنچے تو انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے۔ ہاں کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے تو انہیں بے حد خوشی ہوتی ہے

غَـدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

صبح کو نکلا تو اپنے گھروالوں سے جگہ بتاتا تھا مومنوں کو بیٹھنے کی جگہیں

لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۲﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ

لڑائی کی اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے

فرمایا ان کی تدبیروں اور مکروں سے بچنے کا طریق یہی ہے کہ تم صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو۔ان کی زیادتیوں پر بھی صبر کرو اور ان دکھوں پر بھی اور ہر گناہ سے اپنے دامن کو بچا کر رکھو۔ پس اگر صبر اور تقویٰ پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ تو ان کے مکرو فریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے بداعمال کو گھیرے میں لیا ہوا ہے اب ان کی سزاؤں سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔

۱۲۲۔غدوت۔ غدا، غدوہ اور غداۃ دن کے ابتدا کو کہتے ہیں۔غداء صبح کا کھانا۔ **غدوت** تو صبح کو نکلا۔ **تُبَوِّئُ**۔ بواء۔ جگہ بتانا۔**تبوّئُ** ۔تو جگہ بتاتا ہے۔

پیچھے سے اہل کتاب مخاطب ہیں حالانکہ اس وقت لڑائیاں مشرکین سے ہو رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں قیامت تک کے لوگ مخاطب ہیں۔ مشرکین سے لڑائیاں عارضی تھیں۔ بیشک بعد میں اہل ہند سے بھی لڑائیاں ہوئیں لیکن مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی جنگیں اہل کتاب سے ہی ہوئیں۔روم کے ساتھ لڑائی کا آغاز آنخضرت ﷺ کی زندگی میں ہوگیا تھا۔بعد میں روم اور ایران سے لڑائیاں ہوئیں اور صلیبی جنگیں ہوئیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یکسر الصلیب کی پیشگوئی ہے کہ آخری لڑائی نصاریٰ سے ہی ہوگی۔اس رکوع سے جنگِ احد کا بیان شروع ہوتا ہے جو مسلسل پانچ رکوع یعنی ساٹھ آیات تک جاری ہے۔پچھلا رکوع اس بات پر ختم ہوا تھا کہ صبر اور تقویٰ سے کام لیں لیکن اس جنگ میں اسی پہلو سے کوتاہی ہوئی۔ یہ جنگ احد کے بعد کی آیات ہیں جن میں مسلمانوں کی کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور آئندہ ان سے بچنے کے اصول بتائے ہیں نیز یہ بھی لفظ بلفظ سچ ثابت ہوا کہ ’’تمہیں دکھ پہنچے تو خوش ہوتے ہیں‘‘۔اس جنگ کی تمام تفصیل مستند احادیث سے لی گئی ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جنگ بدر میں شکست و ہزیمت اٹھانے کے بعد کفار مکہ نے میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے اگلے سال دوبارہ حملہ کرنے کا اعلان کیا تھا۔وہ مسلمانوں سے بدلہ لے کر اپنی بے عزتی کا داغ دھونے کے لئے بے چین تھے اور زور و شور سے جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔آخر اگلے ہی سال شوال ۳ ہجری میں تین ہزار کا لشکر جرار جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھا، جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھڑسوار تھے۔ابوسفیان کی کمان میں مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر احد کے میدان میں بروز بدھ پہنچ گیا۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں آنخضرت ﷺ کو منذر خواب آچکے تھے۔آپؐ نے

دیکھا کہ آپؐ کے لئے ایک گائے ذبح کی گئی۔اس کی تعبیر آپؐ نے یہ فرمائی کہ میرے بعض صحابہ شہید ہوں گے۔ دوسرے خواب میں اپنی تلوار کے بعض حصے شکستہ دیکھے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ غلبہ میں قدرے ہزیمت ہوگی اور میرے عزیزوں میں کوئی خاص عزیز شہید ہوگا یا شاید مجھے ہی کوئی تکلیف پہنچے۔تیسرے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے اس کی تعبیر آپؐ نے یہ فرمائی کہ مدینہ کے اندر جنگ کرنا مضبوط زرہ کا کام دے گا(صحیح بخاری کتاب التعبیر باب البقرو اذھزّ سیفنا حدیث ۶۵۱۴۔۶۵۱۹)چنانچہ جب آپؐ نے صحابہؓ کو مشورہ کے لئے بلایا تو آپؐ نے مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔حالات نے ثابت کیا کہ آپؐ کا مشورہ ہی صحیح تھا۔تجربہ کار صحابہ کرامؓ کی رائے بھی یہی تھی۔عبداللہ بن ابی بن سلول کو پہلی دفعہ مشورہ میں شریک کیا گیا، اس کی رائے بھی یہی تھی۔کیونکہ جب بھی مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی ،اہل مدینہ کو فتح ہوئی لیکن وہ نوجوان جنہیں جنگ بدر میں اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا تھا، وہ سب باہر نکل کر جنگ کرنے پر مصر تھے۔آپؐ نے شوریٰ کا احترام کرتے ہوئے اپنی رائے کے خلاف اکثریت کی رائے پر عمل کیا۔حالانکہ آپؐ اپنی رائے پر عمل کروانے کے مجاز تھے۔آپؐ بعد از نماز جمعہ ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔آپؐ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔نوجوانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مدینہ میں رہ کر لڑنے کو کہا لیکن آپؐ نے فرمایا!کہ نبی جب کسی چیز کی تیاری کرلیتا ہے تو رک نہیں سکتا(سیرت ابن ہشام جلد۲ صفحہ۶۳۔مشاورۃ الرسول القوم فی الخروج) آپؐ کے لشکر میں مدینہ کے ناتجربہ کار نوجوان، بوڑھے اور بچے ملا کر ایک ہزار مجاہدین تھے۔ صرف دو گھوڑے ، ایک سو زرہ پوش اور معمولی ہتھیار تھے۔راستے میں مقام شوط میں عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے ایک تہائی ساتھیوں کو لے کر واپس ہوگیا کہ میرے مشورہ پر عمل کیوں نہیں کیا۔اس کے اکسانے پر خزرج کے بنو سلمہ اور اوس کے بنو حارثہ بھی ہمت ہارنے لگے لیکن صحابہؓ کی کوششوں سے انہوں نے ثابت قدمی دکھائی۔چنانچہ آپ قریباً سات سو مجاہدین کا لشکر لے کر احد کے مقام پر پہنچے۔اگلی صبح آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے خیمہ سے نکلے۔پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھ کر صف بندی کی اور صحابہؓ کے لئے ان کی لڑائی کی جگہوں کا تعین کیا۔دشمن آپؐ کے سامنے تھا۔ اس پہاڑ کے ایک درہ پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مورچہ بند کیا کہ فتح ہو یا شکست تم نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا اور نہ ہماری مدد کو آنا۔(ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الکمناء)جنگ شروع ہوئی۔آپ نے اپنی پچپن سالہ زندگی میں عملاً پہلی دفعہ جنگ میں حصہ لیا اور اپنی غیر معمولی فراست سے کسی پختہ کار جرنیل کی طرح فوج کی کمان کی۔قریباً چھ سو مجاہدین

اپنے سے پانچ گنا فوج سے جو فنونِ حرب میں ماہر تھی، اتنی بے جگری سے لڑے کہ ان کے نو علم بردار یکے بعد دیگرے مارے گئے، بیس سے زیادہ کفار واصل جہنم ہوئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست فاش ہوئی۔وہ بے شمار قیدی، زخمی اور سامان جنگ چھوڑ کر بدحواس ہوکر بھاگے۔مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔درے والے تیر انداز یہ دیکھ کر کہ اب فتح ہوگئی ہے اور حفاظت کی ضرورت نہیں، فتح کی خوشی میں دشمن کے تعاقب اور مال غنیمت کے پیچھے بھاگے۔ ان کے کمانڈر نے ہر چند روکنے کی کوشش کی لیکن دس مجاہدین کے سوا ان کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔واپسی میں بھاگتے ہوئے خالد بن ولید نے جو رسالہ یعنی گھڑ سوار فوج کی کمان کر رہے تھے۔ جونہی درہ خالی دیکھا عکرمہ کے ہمراہ فوراً اپنے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کردیا۔قریش کا بھاگتا ہوا لشکر بھی سنبھل گیا۔مسلمان ان کے تعاقب میں بہت دور نکل چکے تھے اور منتشر تھے۔آنحضرت ﷺ کے گرد صرف سات انصار اور دو قریش حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ تھے۔پیچھے سے غیر متوقع حملہ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے لوگوں کو پکارا کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس آواز پر جہاں مسلمان آنحضرت ﷺ کی طرف دیوانہ وار بڑھے وہاں کفار بھی پوری طاقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے کیونکہ ان کا مقصد تو نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کو ہی ہلاک کرنا تھا اور وہ مقام لڑائی کا مرکز بن گیا۔ساتوں انصار یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔حضرت طلحہؓ کا ہاتھ آپؐ کے چہرہ مبارک کو بچاتے ہوئے چھلنی ہوگیا جس سے چہرہ کے آگے ڈھال کو پکڑے ہوئے تھے۔کفار کا سارا زور اسی طرف تھا لیکن مسلمان باری باری کٹتے رہے اور دشمن آپؐ تک پہنچنے میں ناکام رہا۔جب امیہ بن خلف نے نبی کریم ﷺ پر حملہ کیا تو آپؐ نے اپنا نیزہ اسے مارا اور فرمایا! اللہ کا سخت غضب اس شخص پر جسے اللہ کے رسول نے اللہ کی راہ میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔صحابہؓ فرماتے ہیں! اسے ہلکا سا نیزہ لگا لیکن وہ گرا اور مر گیا۔اس کے علاوہ تا زندگی آپؐ نے کسی کو قتل کیا نہ ہی کوئی تکلیف پہنچائی۔آپؐ چٹان کی طرح کھڑے تھے کہ ابن قمئہ حارثی کا گوپیا سے چلایا ہوا ایک پتھر لگنے سے آنحضرت ﷺ کا خود مبارک ٹوٹ گیا اور اس کا کیل سر مبارک میں دھنس گیا۔چہرہ مبارک سخت زخمی ہوا اور دو دندان مبارک شہید ہوگئے(صحیح بخاری کتاب المغازی باب مااصاب النبی۔حدیث نمبر ۳۷۶۷)وہ قتل کے لئے بڑھا کہ علمبردار حضرت مصعب بن عمیرؓ حائل ہوئے اور خود شہید ہوکر آپؐ کو بچا لیا۔آپ بے ہوش ہوکر گر گئے۔حضرت مصعب بن عمیرؓ آنحضرت ﷺ سے شکل وصورت میں مشابہ تھے اس لئے مصعب کا قاتل یہ سمجھا کہ محمدؐ شہید ہوگئے۔اس نے پکار کر

کہا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا۔مسلمانوں کی لاشیں آپ کے اوپر گرتی رہیں کچھ مسلمان اتنی دور نکل گئے کہ ان کو خبر ہی نہ ہوئی۔ چند ایک آپؐ کی شہادت کی خبر سن کر بدحواس ہوکر مدینہ کی طرف بھاگے۔بہت سے الگ الگ جنگ میں مصروف تھے۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے آنحضرت ﷺ کو اچانک دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے اے مسلمانوں خوش ہوجاؤ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔لہٰذا مسلمان آپ کی طرف پروانہ وار لپکے اور آنحضرت ﷺ کو نکال کر بحفاظت پہاڑی پر لے گئے۔عبداللہ بن الجاحؓ نے آپؐ کے سر میں گھسی ہوئی کیل اپنے دانتوں سے نکالی اور ان کے دو دانت شہید ہوگئے۔

اس دن حضرت طلحہؓ نے سخت تیراندازی کی اور دو یا تین کمانیں توڑیں۔جو کوئی ترکش لئے گزرتا آنحضرت ﷺ فرماتے اپنے تیر ابوطلحہ کے سامنے ڈال دو اور آپؐ حضرت طلحہؓ کو فرماتے! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔اس ناگہانی حملہ میں پہاڑ نے پناہ کا کام کیا۔ابو سفیان نے میدان سے جاتے ہوئے بآواز بلند کہا کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو جواب دینے سے منع فرمایا۔اس نے کہا کیا ابو بکرؓ ہے۔آپؐ نے پھر منع فرمایا۔اس نے کہا کیا عمرؓ ہے؟ آپؐ نے پھر جواب دینے سے منع فرمایا۔اس پر اس نے کہا اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے اور نعرہ لگایا ہبل کی جے۔آپؐ نے فرمایا اب جواب کیوں نہیں دیتے کہ **اللّٰہ اعلیٰ واجل**۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا کہ ہم سب زندہ ہیں اور اللہ ہی سب سے بلند اور سب سے زیادہ جلال والا ہے۔ابوسفیان نے کہا ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ کوئی نہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ تم کہو **اللّٰہ مولنا ولا مولی لکم**۔آپؐ کو توحید الٰہی کے لئے اتنی غیرت تھی کہ اپنے لئے اور اپنے صحابہؓ کے لئے خاموش رہے لیکن توحید پر حملہ ہوا تو برداشت نہ کر سکے اور فوراً جواب دیا۔ کفار نے اسی میں خیر سمجھی کہ واپس لوٹ جائیں۔

اس دوبارہ حملہ کی وجہ سے ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور چونسٹھ انصار تھے۔ مگر کوئی قیدی نہیں بنا۔انصار فنِ حرب میں ماہر نہ ہونے کے باوجود بے جگری سے لڑے اور زیادہ تعداد میں شہید ہوئے۔آپؐ کو قریباً پینتیس یا انتالیس زخم آئے۔حضرت طلحہؓ کو ستر زخم آئے اور انہوں نے گیارہ کفار واصل جہنم کئے۔جنگ میں خواتین نے بھی حصہ لیا۔حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔(صحیح بخاری کتاب المغازی) حضرت ام عمارہؓ نے عملاً جنگ میں حصہ لیا اور آنحضرت ﷺ کے قریب کھڑی تھیں جو لڑائی کا مرکز تھا۔انہوں نے تلوار سے آپ کی حفاظت فرمائی اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کے ساتھ مل کر کئی کفار واصل جہنم کئے اور خود بھی زخمی ہوئیں۔

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
تم میں سے گروہ پھسل جاویں اور اللہ دوست تھا ان کا اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں مومن اور یقیناً یقیناً مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں

وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِذْ
جبکہ تم ذلیل تھے پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر کرو جب

تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ
تو کہتا تھا مومنوں کو کیا ہرگز نہیں کافی ہوگا تمہیں کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ
ساتھ تین ہزار فرشتوں اتارے ہوؤں کے کیوں نہیں اگر

آنحضرت ﷺ نے آپ کی شجاعت کی تعریف فرمائی اور اپنے سامنے آپ کے زخم پر پٹی بندھوائی۔ بعد میں اس دلیر صحابیہ نے کئی اسلامی جنگوں میں حصہ لیا اور اپنی بہادری کا لوہا منوایا۔ جنگ مسیلمہ میں اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ (ابن سعد جلد ۸ ص ۳۰۴)

۱۲۳۔ **همّت** ارادہ کیا۔ عمل نہیں کیا۔ **تفشلا**۔ فشل ۔ بزدلی۔ تم دونوں نے بزدلی دکھائی۔

بنو سلمہ اور بنو حارث کا نام نہیں لیا گیا اور پردہ پوشی فرمائی۔ کسی نے جابر بن عبداللہؓ سے کہا تفشلا کے الزام کے نیچے آنا کیوں ظاہر کرتے ہو تو کہنے لگے **واللّٰہ ولیهما** کی خوشخبری بھی تو ہے۔ (بخاری) وہ خاموش نہیں رہنے دیتی۔ مومنوں پر ابتلا آتے ہیں انہیں اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جن کا ولی ہوجائے ان کی غلطیاں معاف ہوجاتی ہیں۔

۱۲۴۔ بتایا کہ بدر میں تم تھوڑے اور بے مقدور تھے اس وقت اس نے تمہیں عمائدین مکہ پر فتح یاب کیا۔ تم اللہ کو ہی سپر بناؤ وہ تمہیں محفوظ رکھے گا اور اسی کے شکر گزار بنو۔ یعنی ہر نئی نعمت اور فضل پر مزید تقویٰ اور شکر گزاری کی تاکید فرمائی۔

بدر کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ چودھویں صدی میں جب مسلمان **اذلة** کی حالت میں ہوں گے تو مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے ظہور سے اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا تاکہ متقی بنو اور شکر گزار ہو۔ بیشک شکر کی توفیق تقویٰ سے ہی ملتی ہے۔

۱۲۵۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو تین اہم جنگوں سے واسطہ پڑا جب دشمن ان پر حملہ آور ہوا اور باوجود ان کی بے سر و سامانی اور دشمن کی طاقت اور تجربہ کاری کے اللہ تعالیٰ نے

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا
تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور (کافر) آویں تمہارے پاس اپنے اسی جوش سے تو

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مدد کرے گا تمہاری رب تمہارا ساتھ پانچ ہزار فرشتوں

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ
نشان لگانے والوں کے اور نہیں بنایا اس (فرشتوں کی مدد) کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لیے اور

غیر معمولی طور پر ان کی مدد فرمائی۔ پہلی جنگ بدر تھی جس میں تین سو تیرہ مجاہدین میں کمزور، بوڑھے، بچے اور مدینہ کے کاشتکار شامل تھے۔ جن کو جنگوں سے اس طرح کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ مقابل میں ایک ہزار جنگجو جوان ہر طرح سے سامان حرب سے آراستہ تھے جن کی زندگی جنگوں میں گزری تھی ۔اس موقع پر ایک ہزار فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا (الانفال:۱۰) انہیں **مردفین** کہا گویا ان کے پیچھے اور بھی مددگار فرشتے تھے جنہوں نے تائید الٰہی سے کفار کو شکستِ فاش سے دو چار کیا جو بظاہر ناممکن تھی۔

جنگ احد کے ان واقعات کو باربار **اذ** کے لفظ سے شروع کیا اور آنحضرت ﷺ نے یہ بات کہ کیا تمہیں کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے ، اس وقت کہی تھی جب عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر چلا گیا۔ تب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ تین سو کے مقابل اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتے تمہاری مدد کے لئے مامور کرے گا نیز اس لئے بھی کہا کہ مقابل میں کفار کا لشکر تین ہزار ہی تھا۔ انہیں **منزلین** کہا۔ ان کا نزول خاص طور پر اس وقت ہوا جب بھاگتے ہوئے کفار نے درہ کی طرف سے اچانک بھرپور حملہ کیا۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کی خاص تائید شاملِ حال نہ ہوتی تو خدانخواستہ مسلمانوں کا استیصال کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یقیناً ان کے دلوں میں فرشتوں نے خدائی رعب ڈالا جو معمولی جھڑپ کے بعد لوٹ گئے۔ کچھ دور جاکر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس مڑے لیکن آنحضرت ﷺ کے تعاقب کا سن کر ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی جبکہ آنحضرت ﷺ شدید زخمی حالت میں صرف دو سو صحابہؓ کے ساتھ تین ہزار کے لشکر کا تعاقب فرما رہے تھے۔

۱۲۶۔ **فورهم** ۔فور شدتِ جوش کے لئے آتا ہے۔ جہنم کے لئے ہے - **وهي تفور** - (الملک :۸) **مسوّمین**۔ نشان لگانے والے ۔ یعنی وہ فرشتے جو کفار پر عذابِ الٰہی کا نشان لگانے والے ہیں۔ گویا اس کے ساتھ ہی ایک زبردست پیشگوئی بھی کر دی کہ جب وہ پورے جوش

لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ
تاکہ مطمئن ہو جاویں دل تمہارے اس پر اور نہیں مدد مگر پاس سے

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۷﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ
اللہ عزت والے حکمت والے کے تاکہ کاٹ دے وہ ایک حصہ ان لوگوں کا جنہوں نے

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ لَيْسَ
کفر کیا یا ہلاک کر دے انہیں پس لوٹ جاویں وہ ناکام نہیں ہے

لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
تیرے لیے اس معاملہ میں سے کچھ بھی خواہ فضل سے توجہ فرمائے وہ ان پر خواہ عذاب دے انہیں

سے پانچ ہزار حملہ آوروں کے ساتھ حملہ کریں گے اور تم صبر و تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر ہوگے تو پانچ ہزار نشان لگانے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ یہ جنگ احزاب کا نقشہ ہے۔ بے شک جنگ احزاب میں حملہ آور دس ہزار تھے لیکن اہل مکہ پانچ ہزار سے زیادہ نہیں تھے۔ باقی دوسرے عرب قبائل سے تھے۔ جنگ احزاب میں مدد کرنے والے فرشتوں کو **مسوّمین** کہا۔ اس جنگ میں کفار پر عذاب نازل نہیں ہوا البتہ فرشتوں نے حکم الٰہی سے کفار پر عذاب کی مُہر لگا دی۔ گویا عذاب مقرر کر دیا گیا جو توبہ نہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں ملا۔

۱۲۷۔۱۲۸۔ **قطع**۔ کاٹنا۔ ہلاک کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ طرفا۔ طرف۔ جانب۔ حصہ۔ **یکبت۔الکبت** کسی کو ذلت کے ساتھ واپس کر دینا ہے۔ ملائکہ کا آنا مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کی خوشخبری تھی۔ ان کا کام مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنا اور کفار کے دلوں میں رعب ڈالنا تھا (الانفال :۱۰۔۱۲) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملائکہ لوگوں کو بظاہر نظر بھی آئے؟ تو حقیقت یہی ہے کہ ان کا کام تو وہی تھا جو بتایا گیا۔ البتہ جن کی کشفی آنکھ تیز ہوتی ہے ان کو یا ان کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی نظر آنا کچھ بعید نہیں جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔ ورنہ مدد تو اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہی آتی ہے۔ تاکہ وہ کافروں کے ایک حصہ کو ہلاک یا ذلیل کر دے اور وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ جائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی خاص تائید مومنین کے شامل حال ہوتی ہے لیکن الٰہی فیصلوں میں مومنین کے اعمال کا دخل ہوتا ہے۔ اَوْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ اگر غلطی نہ کرتے تو کامل غلبہ حاصل کرتے۔ تاہم دونوں صورتوں میں ان کا نامراد لوٹنا مقدر تھا۔

جعله میں ہ کی ضمیر پانچ ہزار ملائکہ کی طرف جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار ملائکہ کی مدد کے اس وعدہ کو تمہارے لئے بشارت اور اطمینان قلب کا باعث بنایا ہے۔ کہ آئندہ جب وہ

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
اس لیے کہ یقیناً وہ ظالم ہیں اور اللہ کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو

الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
زمین میں ہے وہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا
بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ کھاؤ

ع ۱۳ ۹ ۴

پورے جوش و خروش سے حملہ آور ہوں گے تو وہ پانچ ہزار ملائکہ کو مدد کے لئے بھیجے گا۔ پھر جنگ احزاب میں ایسا ہی ہوا۔

۱۲۹۔۱۳۰۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت جنگ احد میں اس وقت نازل ہوئی۔ جب آنحضرتﷺ کے سر مبارک میں زخم آیا اور آپؐ نے فرمایا! کہ وہ قوم کس طرح کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کو زخمی کیا لیکن بہت سی احادیث نے بئر معونہ کے واقعہ کے بعد آپؐ کی بد دعا پر اس آیت کا نزول لکھا ہے۔

جنگ احد میں آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو بے حد تکلیف پہنچی۔ بہت سے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے اور کئی ایک کی مثلہ بنا کر بے حرمتی کی گئی جن میں آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے۔ ابھی یہ زخم تازہ تھے کہ آپؐ نے ایک سردارِ قوم کی درخواست پر اس کی قوم کی تعلیم کے لئے ستر قاری بھیجے۔ جنہیں انہوں نے دھوکے سے بئر معونہ کے مقام پر نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس پر آپؐ کو شدید رنج ہوا۔ احادیث میں ہے کہ آپ نے ایک ماہ تک قنوت میں ان کے لئے بددعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ بے شک وہ ظالم ہیں مگر تیرا اس معاملہ میں کوئی دخل ہے نہ اختیار۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے ان پر رحم کرے یا انہیں عذاب دے۔ اس پر آپؐ فوراً رک گئے۔ اس بددعا میں آپؐ حق بجانب تھے انہیں خود باری تعالیٰ نے ظالمون کہا۔ آپؐ کے خیال میں ان ظالموں کا مٹ جانا ہی مخلوق خدا پر رحم تھا لیکن آپؐ کا وجود رحمۃ للعالمین تھا۔ علمِ الٰہی میں ان سب نے اسلام قبول کرنا تھا۔ خالد بن ولید اور عکرمہ جیسے مخالفین جن کی وجہ سے یہ مصائب ٹوٹے بعد میں اسلام کے مشہور و معروف جانبازوں میں شامل ہوئے۔ اسی لئے آپؐ کو منع فرمایا۔ اس رکوع کا خاتمہ **غفوررحیم** پر کیا۔ کہ اس کی رحمت اس کے عذاب پر حاوی ہے۔ وہ مالک ہے۔ چاہے تو ظالموں کو بھی معاف کر دے۔

الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

سود | گنے | دو گنے | اور ڈرو | اللہ سے | تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

کامیاب ہو | اور ڈرو | آگ سے | جو | تیار کی گئی ہے | کافروں کے لیے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ

اور اطاعت کرو | اللہ کی | اور | رسول کی | تاکہ تم | رحم کئے جاؤ | اور

۱۳۱۔**اضعافاً۔ ضعف** کی جمع۔ بڑھا چڑھا کر۔ **اضعافاً مضعفة** ۔ بڑھا چڑھا کر دگنا چوگنا۔ کئی گنا۔ جیسا کہ سود میں دستور ہے کہ اصل زر سے کئی گنا زیادہ سود ہو جاتا ہے۔

جنگ احد کے بعد کی ان آیات میں مسلمانوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی اور انہیں وہ اصول بتائے جو آئندہ کامیابیوں اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے ضروری تھے۔ سب سے پہلے سود کی حرمت کا حکم دیا۔ جس سے مال کی طمع، خود غرضی، بخل اور غرباء کا استیصال جیسی قبیح عادات سے قوم کو بچانا تھا۔ جنگ احد کی فتح کے بعد جو آنحضرتﷺ اور صحابہ کرامؓ کو شدید جانی اور مالی نقصان پہنچا اس کی وجہ یقیناً بعض کمزور صحابہؓ کی اپنے کمانڈر کی حکم عدولی تھی۔ انہوں نے ناتجربہ کاری کی بناء پر فتح کو اپنا نصیب جان کر جنگ کا اختتام خیال کیا اور آنحضرتﷺ کے حکم کو وقتِ جنگ تک محدود سمجھا۔ سورہ بقرہ میں خاص مخاطب یہود تھے جو ایک سود خوار اور بخیل قوم تھی۔ اس لئے صدقات کا ذکر کر کے سود سے منع فرمایا۔ یہاں بالخصوص عیسائیوں سے خطاب ہے۔ اس لئے جنگ کے ذکر میں سود سے روکا جس میں یہ پیشگوئی ہے کہ آئندہ انہوں نے سودی روپیہ سے بلاوجہ عالمی جنگوں کو طول دے کر مخلوق خدا کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ جیسا کہ جنگ عظیم اوّل اور دوئم میں ہوا۔ (سود کی تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت ۲۷۶ دیکھئے) غرض اگر فلاح حاصل کرنا چاہتے ہو تو سود کو چھوڑ دو اور تقویٰ کی راہوں پر چلو۔

۱۳۲۔فرمایا! کفار کی راہوں پر نہ چلو جن کے لئے آگ ہے۔ مراد دنیوی آگ بھی ہے یعنی لڑائی اور حسد و عداوت کی آگ جس سے یہ دنیوی معاشرہ جہنم بن جاتا ہے اور اخروی آگ بھی مراد ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ سود کے ذکر میں آخری زمانہ کے مومنین خاص طور پر مخاطب ہیں کہ عالمی سودی نظام کی وجہ سے دنیوی جنگوں کی آگ تو تیار ہی کافروں کے لئے کی گئی تھی۔ اگر مومنین سود سے بچیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و احسان سے انہیں عالمی جنگوں کے عذاب سے بچالے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳۳۔اب اس عالمی عذاب سے بچنے کا طریق بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

جلدی کرو | طرف | بخشش کی | اپنے رب سے | اور جنت کی طرف کہ چوڑائی | اس کی

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ الَّذِيْنَ

آسمان | اور | زمین ہیں | وہ تیار کی گئی ہے | متقیوں کے لیے | وہ جو کہ

يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ

خرچ کرتے ہیں | فراخی میں | اور | تنگی میں | اور پی جانے والے ہیں | غصہ | اور

الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

درگزر کرنے والے ہیں | لوگوں سے | اور اللہ | محبت کرتا ہے | محسنوں سے

کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے جنگ احد میں اسی اطاعت سے کوتاہی کی وجہ سے دکھ اٹھایا۔ فرمایا جنگوں میں فتح و شکست اتنی اہم نہیں جتنی خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔ بے شک ایک وقت مسلمان دنیا کے فاتح بنے لیکن اس کی وجہ بھی دین اسلام پر مضبوطی سے کاربند ہونا تھا۔ جونہی اللہ اور رسول کی اطاعت میں کمزوری آئی تو ساتھ ہی دنیا بھی گئی۔ غرض مسلمانوں کی ترقی بحیثیت مجموعی خدا اور رسول کی اطاعت میں ہی ہے۔ یہ سوال کہ غیر اقوام اپنے مذاہب سے دوری کے باوجود کیوں دنیوی طور پر کامیاب و کامران ہیں۔ تو اس میں بہت سے عوامل کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ارادۃً یا غیرارادی طور پر اسلامی اصولوں کو اپنا کر محنت اور کوشش سے یہ مقام حاصل کیا۔ اگر مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں کی سزا مل رہی ہے تو اس لئے کہ انہوں نے اسلامی اصولوں سے روگردانی کی اور تاریخ سے سبق حاصل نہ کیا۔ تاہم اب بھی خدا کی محبوب قوم صرف اہل اسلام ہیں۔ اپنے پیاروں کو ہی غلط راہوں سے کان پکڑ کر واپس لایا جاتا ہے۔ کاش یہ سمجھیں۔

رسول کی اطاعت میں آپؐ کے اقوال کی اطاعت بھی ہے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے۔ جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ بیہقی۔ امام احمد)

۱۳۴۔۱۳۵۔اب سودی نظام کے برخلاف اسلامی نظامِ نو کا نقشہ پیش کیا جس سے یہ دنیا جنت بن سکتی ہے اور جس سے متقین کے لئے تمہارے رب کی بخشش اور جنت کا حصول آسان ہو سکتا ہے۔ فرمایا اسے پانے کے لئے نہایت تیز قدم اٹھاؤ۔ ہرگز سستی نہ کرو۔ ایسے متقیوں کی چار صفات بتائیں تا وہ اپنے رب کی بخشش اور اس کی جنت کے وارث بنیں جس کی وسعت زمین و آسمان

کے برابر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر جنت کا دائرہ آسمانوں اور زمین پر محیط ہے تو جہنم کہاں ہوگی؟ فرمایا! وہ بھی وہیں ہوگی لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی وساطت سے بعض صحابہؓ کو خاص علم عطا ہوتا تھا جتنا اللہ چاہتا لیکن اس زمانے کا انسان یہ شعور نہیں رکھتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تشریح فرمائی کہ Dimension بدل جائے تو ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی Dimension کا تو کسی ذی شعور کو علم نہیں۔ بتایا کہ جنت کا دائرہ زمین پر بھی ہے اور آسمانوں سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ پس متقین کی جنت دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے۔

فرمایا کہ وہ جو خوشحالی اور تنگدستی میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی سودی نظام جو بخل، خودغرضی اور بددیانتی پر مبنی تھا اور جس سے عوام کا خون چوسا جاتا تھا اسے مٹا کر ایسا اسلامی نظام قائم کرتے ہیں جس میں ہر شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والا ہو۔ امراء اللہ کی محبت کو مال کی محبت پر ترجیح دیں، عوام کی فلاح و بہبود پر دل کھول کر خرچ کریں اور خود کو ہر دم اسی کا محتاج سمجھیں۔ تنگدست لوگ بھی اپنے محروم بھائیوں کو یاد رکھیں اور اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر حسب استطاعت ان پر خرچ کریں۔

دوسرے وہ متقی جو اپنا غصہ دباتے ہیں اور دلی طور پر دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ غصے سے نہ صرف یہ کہ آپس کے تعلقات خراب ہوتے اور شکررنجی بڑھتی ہے بلکہ تکبر بھی پیدا ہوتا ہے جو قربِ الٰہی میں مانع ہے کیونکہ غصہ میں انسان اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔ غصہ کرنے والا طبی نقطہ نظر سے خود پر ظلم کررہا ہوتا ہے کیونکہ شدید غصہ کے وقت انسان نیم پاگل ہوجاتا ہے۔ خون میں فاسد مادے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ خون کا دباؤ چہرے اور دماغ کی طرف بڑھنے سے بعض اوقات دماغ کی نس پھٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور فالج یا موت تک واقع ہوجاتی ہے۔

مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنگی۔(Dale Carnegie) اپنی مشہور زمانہ کتاب How to Stop Worrying and Start Living میں رقمطراز ہے کہ "نفرت اور غصے کی شدت سے خواتین کے چہرے مسخ اور شکن آلود ہوجاتے ہیں۔ محبت اور درگزر کرنے والی نرم دل خواتین کے چہرے ملکوتی حسن کے حامل ہوتے ہیں۔ دشمنی، غصہ اور نفرت کرنے والے لوگ تھکان، اعصاب زدگی، معدے کے ناسوروں میں مبتلا ہو کر اپنی صورت بگاڑ لیتے ہیں۔ آپ کا نرم جواب

دوسرے کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کر دے گا۔ ہم دشمنوں سے محبت نہیں کر سکتے مگر انہیں معاف کر کے اپنی صحت اور خوشی کو قائم رکھ سکتے ہیں۔" آگے لکھتے ہیں کہ "انہیں معذور سمجھ کر پیار کرنا چاہیئے۔ ان پر رحم کرنا چاہیئے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ہم ان جیسے نہیں۔ ان کو ملعون کرنے یا بدلہ لینے کی بجائے انہیں اپنی دعاؤں، ہمدردیوں، امداد اور درگزر سے نوازنا چاہیئے" اس مصنف کی تصانیف کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس پر اسلامی اخلاق و اقدار کا خاص اثر ہے۔ حقیقت میں ایسا ہے بھی۔ جیسا کہ خود ہی لکھتا ہے کہ میں نے توکل عربوں سے سیکھا۔ میں ایک عرصہ ان میں رہا۔ ایک دفعہ صحرا میں ایک عرب دوست کے پاس ٹھہرا ہوا تھا کہ شدید آندھی آئی سب لوگ خیموں میں سر ٹانگوں میں دبا کر بیٹھ گئے۔ جب آندھی تھمی تو باہر جاکر دیکھا کہ اس کی ہزاروں بھیڑوں میں سے سینکڑوں مرچکی تھیں اور سینکڑوں تڑپ رہی تھیں۔ مالک نے اناللہ پڑھا اور نہایت اطمینان سے تڑپتی ہوئی بھیڑوں کو ذبح کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اگر کسی یورپین یا امریکن کا اچانک اتنا نقصان ہوتا تو شاید وہ دماغی توازن کھو بیٹھتا یا خودکشی کرلیتا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! پہلوان وہ نہیں جو لڑائی میں پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصے پر قابو پالے (متفق علیہ و مشکوٰۃ باب الغضب والکبر) نیز فرمایا! جسے غصہ آئے اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے نیز وضو کرلے۔ فرمایا! غصہ زندگی کو کم کردیتا ہے۔ تیسرا عفو و درگزر ہے۔ تاہم معافی میں اصلاح کا پہلو مدِ نظر ہونا چاہیئے۔ عفو غیر محل نہ ہو جو ظالم اور شریر کو مزید زیادتیوں اور بُرائیوں کا موقع دے۔ متقین کی چوتھی صفت بندگان خدا پر احسان کرنا ہے۔

احسان کا درجہ سب سے بلند ہے کہ نہ صرف غصہ نہ کرے اور معاف کردے بلکہ احسان بھی کرے۔ جیسا کہ امام حسنؓ کے غلام کے ہاتھ سے برتن چھوٹ گیا۔ آپ کے اوپر پانی اور چھینٹیں پڑیں۔ آپ نے ناراضگی سے دیکھا تو غلام نے آہستگی سے کہا **والکاظمین الغیظ**۔ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! **کظمتُ**۔ غلام نے کہا **والعافین عن النّاس**۔ آپ نے فرمایا! میں نے معاف کیا۔ غلام نے آیت پوری کی اور کہا **واللّٰہ یحبُّ المحسنین** ٥ آپ نے فرمایا! جا تجھے آزاد کیا۔ پس محبوبانِ الٰہی بندگان خدا پر احسان کرنے والے ہیں۔ اس سے غلاموں کے علمِ قرآن کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

جنگ احد میں چونکہ کچھ لوگوں کی غلطی سے شدید نقصان ہوا، ان پر غصہ فطری امر تھا لیکن انہیں نہ صرف معاف کرنے بلکہ ان کے ساتھ نیکی اور احسان کی تلقین فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر تو

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور وہ جو کہ جب کر بیٹھتے ہیں کوئی بے حیائی یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ

تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پس بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کوئی نہیں بخشتا

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ

گناہوں کو سوائے اللہ کے اور نہیں اَڑ جاتے وہ اس پر جو کیا انہوں نے اور

هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ

وہ جانتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں کہ بدلہ ان کا بخشش ہے طرف سے

رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

رب کے انکے اور باغات ہیں کہ بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں

فِيْهَا ۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

ان میں اور کیا ہی اچھا ہے اجر کام کرنیوالوں کا یقیناً گذر چکے ہیں پہلے تم سے

رحمۃللعالمین کا حسن و احسان آسمانی رفعتوں کو چھو رہا تھا۔ جب اپنے جانی دشمنوں میں سے ایک ایک کو ڈھیروں مال اور جانوروں کے ریوڑ کے ریوڑ عطا فرمائے۔ (بروایت عبداللہ بن عمر۔ مسند دارمی)

۱۳۶۔۱۳۷۔ **فـاحشة** ۔ بے حیائی۔ ایسی کھلم کھلا بدی جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑے۔

ظلموا انفسهم ۔ وہ بدی جس کا نقصان بدی کرنے والے تک محدود ہو۔

جنگ احد میں نافرمانی کرنے والوں کے لئے پچھلی آیت میں معاف کردینے اور احسان کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ یہاں ان کو اور ان جیسے دوسرے خطا کاروں کو جو دوسروں کے لئے دکھ کا باعث ہوئے اور اپنی جانوں پر بھی ظلم کیا، نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کریں، کثرت سے استغفار کریں اور اپنی غلطیوں پر کبھی اصرار نہ کریں تو ان کی جزا مغفرت اور ایسی جنتیں ہے جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے کام کا بدلہ کیا ہی اچھا ہے۔ گویا یہ سب نعمتیں بغیر عمل کے نہیں مل سکتیں۔ پہلے غلطیاں معاف کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی یہاں اپنی غلطیوں پر اصرار نہ کرنے والوں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں! حضرت آدمؑ سے جنت میں داخل ہونے کے بعد لغزش ہوئی اور وہ نکالے گئے۔ وہ معافی کے خواستگار ہوئے اور انہیں معافی دی گئی لیکن یہاں ان کا ذکر ہے جو لغزشوں کی معافی کے بعد جنت میں داخل کئے گئے۔

سُنَنٌ ۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

طریقے پس چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

انجام جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت

وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ

اور وعظ ہے متقیوں کے لیے اور نہ سست ہو تم اور نہ غمگین ہو اور

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

تم غالب آنے والے ہو اگر ہو تم مومن اگر پہنچے ہیں تمکو

آج کے دور میں اس سے مراد وہی جنتی معاشرہ ہے جو سودی نظام کے بعد قائم ہوگا اور جس سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔ پس اخروی جنت کے بھی یہی حقدار ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳۸۔ **سـنن** ۔ **سنة** کی جمع ۔ طریق ۔ آنحضرت ﷺ کی سنت آپ کا طریق ہے۔ جس پر آپ کا عمل تھا۔ مومنین کو تسلی دی کہ تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے۔ حق و باطل کی جنگ میں فتح ہمیشہ حق کی ہوئی۔ اپنی محدود دنیا سے باہر نکلو۔ تاریخ عالم کو تاریخ کے اوراق اور آثار قدیمہ کے کھنڈرات میں تلاش کرو۔ اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ قانونِ خداوندی کو جھٹلانے والوں کا انجام دردناک ہوا۔ قرآن کریم دنیا کی پہلی الہامی کتاب ہے جو علم آثار قدیمہ (Archaeology) کی طرف توجہ دلاتی اور اس کی اہمیت سے روشناس کرواتی ہے بلکہ ان شاہراہوں کی نشاندہی کرتی ہے جن کے گرد مختلف تہذیبیں دفن ہیں۔

۱۳۹۔ فرمایا پہلوں کو بھی دستور العمل دیئے گئے اور تمہیں بھی قرآن کریم کی شکل میں ایک مکمل دستور ملا جو لوگوں کے لئے بہت کھول کر بتانے والا ہے اور متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پچھلی آیت کے تعلق میں بتایا کہ تم سے پہلے آثار قدیمہ کے علم سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ پھر متقین اللہ کی ہدایت سے ان کھنڈرات کا مطالعہ کریں گے اور ان میں ان کے لئے ہدایت اور نصیحت کے بہت سے سامان ہوں گے۔ اسی بنا پر آپ نے نوجوانوں کو علمِ آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ دلائی۔

۱۴۰۔ **تهنوا** ۔ وھن ۔ کمزوری ۔ سستی ۔ **لاتهنوا** ۔ تم سست نہ ہو۔

جنگ احد میں سخت آزمائش کے وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سخت مصیبت کے وقت میں بھی دل برداشتہ نہ ہو، نہ سستی دکھاؤ اور نہ غم کرو یقیناً تم ہی غالب آؤ گے۔ مومنین کے ساتھ

قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ
زخم تو یقیناً پہنچتے ہیں (دشمن) لوگوں کو زخم ویسے ہی اور یہ دن وہ ہیں کہ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
باری باری سے لاتے ہیں ہم انہیں درمیان لوگوں کے اور تاکہ جان لے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَ
اور تاکہ بنا دے تم میں سے شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو اور
لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ اَمْ
تاکہ خالص کرے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو کیا

کئے ہوئے تمام وعدے سچے ہو کر رہیں گے۔ مکذبین ہی ناکام و نامراد ہوں گے۔انتم الاعلون میں صاف خبر دی کہ آخری غلبہ مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔بے شک راہ میں کتنی ہی ابتلائیں ہوں ۔ایک عام اصول بھی بتادیا کہ مومنین کو بڑی سے بڑی آزمائش پر بھی سستی اور غم و اندوہ کو قریب تک پھٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔نہ اپنے نفس کے معاملہ میں سستی ہو نہ دشمن سے مقابلہ کے وقت کیونکہ بالآخر کامیابی مومنین کے مقدر میں ہی ہے۔ہاں حقیقی مومن ہونا شرط ہے۔

۱۴۱۔**نداولها**۔ دول۔گردش۔نوبت بہ نوبت۔ اسی سے دولت ہے جو گردش میں رہتی ہے۔**نداولها** ہم اسے ادل بدل کرتے ہیں۔ **قرحٌ** ۔زخم۔

فرمایا بے شک اس جنگ میں تمہیں دکھ اور تکلیف پہنچی لیکن جنگ کے شروع میں تمہارے دشمنوں کو بھی ویسی ہی تکلیف پہنچ چکی ہے۔ جنگوں میں اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ کبھی ایک گروہ کو نقصان پہنچا کبھی دوسرے کو۔ اس کا فتح و نصرت سے کوئی تعلق نہیں۔ آخری غلبہ تو مومنین کے لئے ہی مقدر ہے۔ مومنین کی اس آزمائش کا مقصد یہ تھا کہ مومنین اور منافقین میں تمیز ہوجائے اور تم میں سے بعض کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ شہید رضائے الٰہی کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اس کی موت اس کی صداقت پر گواہ ہو جاتی ہے۔ایک روحانی طور پر بھی شہید ہوتا ہے جو اپنے قول و فعل اور عمل سے اسلام کی صداقت کا نمونہ ہوتا ہے۔گویا اس کا وجود اسلام کی صداقت کا عملی گواہ ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ ان آزمائشوں اور قربانیوں کے بعد تم اس قابل ہوجاؤ کہ دنیا کے امام و پیشرو بنو۔اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اس لئے اگر ایک مجاہد میدان جنگ میں کفار سے برسرپیکار ہو اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کو اس کی زیادتی ہرگز پسند نہیں۔اس کا جہاد محض رضائے الٰہی کے تحت ہو۔جیسا کہ حضرت علیؓ نے جنگ

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
گمان کیا تم نے کہ داخل ہوجاؤ گے تم جنت میں حالانکہ ابھی تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ
جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہیں جانا صبر کرنیوالوں کو اور یقیناً تھے تم
تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ
تمنا کرتے موت کی پہلے اس کے کہ ملو تم اُسے پھر یقیناً دیکھ لیا تم نے اُسے
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ
اور تم دیکھ رہے تھے اور نہیں محمد مگر رسول ضرور گذر چکے ہیں

ع ۱۴ / ۱۴ / ۵

کے دوران ایک کافر پر غلبہ پا لیا تو کافر نے آپ کے منہ پر تھوکا۔آپ نے اسے چھوڑ دیا۔وہ حیران ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میری لڑائی میرے مولا کے لئے تھی جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو یہ میری ذاتی لڑائی بن گئی اور کافر کو مارنے کا کوئی جواز نہ رہا۔

۱۴۲۔**محص**۔محص ۔ پاک صاف کرنا۔ خالص کرنا۔ میل وغیرہ کاٹ کر خالص سونا بنانا۔ **یمحق** محق۔کم کرنا۔ مٹانا۔

اس آزمائش کا یہ بھی مقصد ہے کہ مومنین کو ان آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بنا کر نکالے اور خوب پاک کر دے جبکہ کافروں کو کمزور کر کے آہستہ آہستہ مٹا ڈالے۔

۱۴۳۔جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔جہاد اور صبر و استقلال ہی وہ سیڑھی ہے جو جنت تک لے جاتی ہے۔جہاد بالسیف تو ہمیشہ نہیں ہوتا اس لئے وہ جہاد بھی مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے ایک جہاد کی واپسی پر فرمایا **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر**۔(بروایت حضرت ابوسعید خدری ترمذی کتاب الفتن باب افضل الجہاد) گویا نفس کے جہاد کو جہاد اکبر کہا۔جس میں انسان ہمہ وقت برسرپیکار رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔پس بغیر آزمائش کے تم جنت کے مستحق کس طرح بن سکتے ہو اور یہ آزمائش جہاد اور صبر کے مواقع پر ہی پرکھی جاسکتی ہے۔

۱۴۴۔فرمایا کہ تم تو خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کیا کرتے تھے حالانکہ ابھی موقع نہیں آیا تھا۔اب موقع آ گیا ہے اور تم موت کے مقابل آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے ہو۔ان نوجوانوں کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور انہوں نے شوقِ جہاد اور شوقِ شہادت میں کھلے میدان میں لڑنے کے لئے اصرار کیا تھا۔

۱۴۵۔**خلت**۔ خلا۔گزر گیا۔وفات پا گیا۔اس رکوع میں بھی مسلمانوں کے حوصلے بلند کئے

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى

پہلے اس کے سب رسول کیا پھر اگر مرجائے وہ یا مارا جائے تو پھر جاؤ گے تم

اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ

ایڑیوں پر اپنی اور جو پھرے گا ایڑیوں پر اپنی تو ہرگز نہیں نقصان دیگا

اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَمَا كَانَ

اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب بدلہ دے گا اللہ شکر کرنے والوں کو اور نہیں ہے

اور کامیابی کے اصول بتائے (یہ واقعات بخاری کتاب الجهاد سے بروایت براءؓ بن عازب لئے گئے ہیں)

جنگ احد میں دشمن کے عقب کے اچانک حملہ سے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ آنحضرت ﷺ زخمی ہوکر گرے، تو افواہ پھیل گئی کہ آپؐ شہید ہوگئے ہیں۔تاہم صحابہؓ نے جان توڑ کر مقابلہ کیا کہ جس مقصد کے لئے آنحضرت ﷺ لڑے اسی مقصد کے لئے ہم لڑ رہے ہیں۔بہت سے صحابہؓ نے شہادت پائی۔کچھ آپؐ کے گرد آپ کو بچانے کے لئے لڑ رہے تھے کچھ انفرادی طور پر کفار کو روکنے کے لئے لڑ رہے تھے۔آپؐ کی شہادت کی جانکاہ خبر سے چند ایک نے ہمت ہاری اور حواس باختہ ہوکر مدینے کو بھاگے۔ منافقین نے علی الاعلان کہا کہ اگر نبی ہوتا تو قتل نہ ہوتا۔اب عبداللہ بن ابی بن سلول کے ذریعہ ابوسفیان سے پناہ لے کر جان بچاؤ۔آنحضرت ﷺ نے ہوش میں آتے ہی یہ آیت پڑھی گویا وہیں نازل ہوئی اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ اسلام محمدؐ سے وابستہ نہیں کہ اگر آپؐ وفات پاجائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور اپنے پرانے عقائد پر لوٹ جاؤ گے۔حالات خواہ کیسے ہی مخدوش ہوں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے ورنہ اپنا ہی نقصان کرو گے۔یہ بھی پیشگوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر بھی ارتداد ہوگا۔یہی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے پڑھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے چادر کو منہ سے ہٹا کر پیشانیٔ مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپ کو دو موتیں نہیں آسکتیں یعنی موت ایک ہی ہے، جو آچکی ہے۔دوسری موت آپؐ کے مقاصد کی ناکامی ہے جو ہرگز نہیں آسکتی۔پھر مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ بعض صحابہؓ فرطِ محبت و عشق میں آپؐ کے وصال کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ بعض دوسرے انبیاء کی طرح دوبارہ آکر منافقین کو قتل کریں گے۔اگر کسی نے آپ کو مردہ کہا تو اس کی گردن اڑادوں گا۔حضرت ابوبکرؓ نے ان کو

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ

واسطے کسی نفس کے کہ مرجائے بغیر اجازت کے اللہ کی نوشتہ ہے میعادی اور جو

يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

چاہے گا بدلہ دنیا کا ہم دیں گے اسے اس سے اور جو چاہے گا بدلہ

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَكَاَيِّنْ

آخرت کا ہم دیںگے اسے اس سے اور عنقریب ہم بدلہ دیںگے شکر کرنیوالوں کو اور کتنے

بٹھانے کی کوشش کی۔وہ نہ بیٹھے تو ممبر پر تشریف لے گئے اور خطاب فرمایا۔ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوگئے۔آپ نے فرمایا تم میں سے جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا، سن لے کہ محمدؐ وفات پاگئے ہیں اور جو اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ نہیں مرے گا اور آپ نے یہ آیت **الشاکرین** تک پڑھی۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یوں لگا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ جیسا جری انسان شدت غم سے گر گیا۔دراصل عیسائیوں سے سنا ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آئیں گے بلکہ کئی ایک انبیاء حضرت خضرؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت الیاسؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے مشہور تھا کہ زندہ ہیں اور دوبارہ آئیں گے۔اس لئے چند ایک صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ کی بظاہر بے وقت موت سے یہ گمان ہوا کہ اگر دوبارہ آنے کا کوئی حقدار ہے تو آپؐ ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ کی تقریر اور اس آیت پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ جس طرح پہلے تمام رسول مع حضرت عیسیٰؑ وفات پاگئے، آپؐ بھی وفات پاگئے ہیں۔ مع الشاکرین سے مراد حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے رفقاء ہیں جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی نعمت کے چھن جانے پر بھی اپنے ربّ کا شکر کیا۔

۱۴۶۔ **کتٰبا**۔ لکھا ہوا۔ قانون۔ **موجّلا**۔ اجل۔مقررہ وقت۔ موجّل۔جس کے لئے مدت معینہ مقرر کی گئی ہو۔

مومنین کے حوصلے بلند کرنا مقصود تھا۔اس لئے فرمایا کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت مقرر ہے۔اس لئے باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بدقسمتی سے حالات بھی ان کے موافق ہوگئے لیکن وہ آنحضرت ﷺ کو مار نہ سکے۔ عام لوگوں کو بھی تنبیہ کی کہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی اپنے فرائض سے غفلت نہ برتیں اور بزدلی نہ دکھائیں۔اللہ کی حفاظت ہو تو کوئی بال تک بیکا نہیں کرسکتا۔

مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

ہی نبی تھے لڑائی کی ساتھ (مل کر) انکے اللہ والوں بہتوں نے پھر نہ کمزور ہوئے وہ بسبب اس

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَ

(مصیبت کے) جو پہنچی انہیں راہ میں اللہ کی اور نہ ضعیف ہوئے اور نہ عاجز ہوئے اور

دنیوی مفاد منافقین کے مدنظر تھا جو راستے سے واپس ہوئے کہ جنگ کی تکالیف سے بچ جائیں۔چنانچہ وہ بچ گئے۔ بتایا کہ جو دنیوی مفاد کے طلبگار ہوں تو ہم انہیں اس سے متمتع کرتے ہیں۔ایک عام اصول بھی بتا دیا کہ جن قوموں نے دنیا چاہی اور اس کوشش میں اپنی طاقتوں کا برمحل استعمال کیا۔انہیں دنیا ضرور ملی۔جنہوں نے آخرت کا بدلہ چاہااور اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔انہیں آخرت کا بدلہ ضرور ملے گا مگر آزمائش ضروری ہے۔ فرمایا جو دکھوں پر بھی شکر کرتے ہیں انہیں جلد بدلہ دیتا ہے۔ جلد بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔گویا شاکرین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں ہیں۔

یہاں عام سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیاموت ٹل جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعائیں اور صدقات خدا کے فضل سے تقدیر معلق کو ٹال دیتے ہیں ہاں تقدیر مبرم اٹل ہے۔اللہ تعالیٰ قادر ہے اگر چاہے تو اپنے خاص بندوں کی دعاؤں اور صدقات سے تقدیر مبرم بھی بدل سکتا ہے۔

۱۴۷۔ **استکانوا**۔سکن یاسکون۔ عاجز ہونا۔ جھکنا۔

یہاں پھر مسلمانوں کی ہمتیں بڑھائیں کہ جنگ تمہی سے خاص نہیں۔تم سے پہلے بھی بہت سے انبیاء کو جماعت صالحین کے ساتھ کفار سے لڑائی کرنی پڑی۔انہوں نے جن کمزوریوں پر قابو پایااور کامیاب ہوئے انہیں سے تم بھی سبق سیکھو۔جنگ ان چندلمحوں یا گھنٹوں یا دنوں کا نام نہیں جن میں لڑائی لڑی جاتی ہے بلکہ ایک مجاہد ساری زندگی ہی حالت جنگ میں ہے۔یہاں تین مراحل کا ذکر کیا۔ پہلے فرمایا کہ سستی نہ کرو۔جنگ زندگی اور موت کا کھیل ہے اس میں عام طور پر سستی نہیں دکھائی جاتی۔پس یہ سستی نہ دکھانے کا مرحلہ اعلان جنگ سے پہلے کا ہے یاجنگ میں تکلیف اٹھانے کے بعد دوسری جنگ تک محیط ہے۔یعنی جنگ سے پہلے جنگی تیاریوں میں سستی نہ کرنا۔اس میں مجاہدین کی تربیت ،بچاؤ کے انتظامات ، سرحدوں کی حفاظت جسے دوسری جگہ سرحدوں پر گھوڑے باندھنا کہا۔ ہتھیار اور خوراک وغیرہ کی فراہمی ،دشمن کی تیاریوں اورنقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنا ہے۔ان میں سے کسی پہلو سے غفلت اورسستی جنگ میں سستی شمار ہوگی۔

دوسرے مرحلے میں فرمایا کہ کمزوری نہ دکھاؤ۔یعنی جنگ کے دوران باوجود دشمن کے مقابلہ

اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

اللہ پسند کرتا ہے صبر کرنیوالوں کو اور نہ تھی بات ان کی مگر یہ کہ کہا انھوں نے

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

اے رب ہمارے معاف فرما ہمیں گناہ ہمارے اور زیادتی ہماری اپنے معاملہ میں اور ثابت رکھ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

قدم ہمارے اور مدد دے ہمیں بمقابل لوگوں کفر کرنے والوں کے پس دیا انہیں اللہ نے

ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

بدلہ دنیا کا اور اچھا بدلہ آخرت کا اور اللہ پسند کرتا ہے

میں کم تعداد اورکم سامان جنگ کے ہر قسم کی کمزوری پر قابو پانا اورجوانمردی سے مقابلہ کرنا۔

تیسرا مرحلہ وہ ہے جب دشمن کا پلہ بھاری ہو اور بظاہر غالب ہوتا ہوا نظر آئے۔تو یہ کمانڈر کا فرض ہے کہ مجاہدین کے مورال یعنی حوصلے کو بلند رکھے اور ہرگز عاجز ہوکر نہ بیٹھ جائے بلکہ اپنی رہی سہی قوت کو جمع کر کے خاص جنگی حکمت عملی سے مقابلہ پر ڈٹا رہے اور ہرگز نہ جھکے۔یہی کامیابی کے سنہری اصول ہیں۔ جن پر پہلے انبیاء مع اپنی جماعتِ صالحین کے کاربند رہے اوریہی تمہارے لئے مشعلِ راہ ہیں تاکہ جنگ کی صعوبتوں میں بھی صبر و استقلال دکھاؤ۔ اللہ تو صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی وہ اللہ کے محبوب ہیں۔

۱۴۸۔ مومنین نے اپنی مادی تیاریوں کے باوجود ان پر ہی بھروسہ نہیں کیا بلکہ حق و باطل کی جنگ میں ان کی زبان پرسوائے دعا و استغفار کے کچھ نہ تھا کہ اے ہمارے ربّ! ہم تیرے کمزور بندے ہیں۔ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں کو معاف فرما جو اپنے معاملہ میں ہم سے سرزد ہوئیں۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اورکفار کے خلاف ہماری مدد فرما۔ گویاثابت قدمی کا نتیجہ نصرتِ الٰہی ہے۔جس کے بعد غلبہ انشاء اللہ لازمی ہے۔پس مکمل مادی تیاری کے بعد خود کو کامل طور پر خدا کے آگے ڈال دینا، خود کو انتہائی عاجز و کمزور سمجھنا اور اسی سے مدد کا خواہاں ہونا، یہی ہر میدان میں خواہ میدانِ جنگ ہو یا میدانِ زیست، مومن کے ہتھیار ہیں۔جہاد کے بیان میں خاص طور پر دعا کا ذکر کیا کیونکہ قبولیت دعا کا جہاد سے خاص تعلق ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!دو دعائیں ردنہیں کی جاتیں یا بہت کم رد کی جاتی ہیں ایک تو اذان کے وقت کی دعا اور دوسری جہاد کے وقت کی دعا جبکہ گھمسان کا رن پڑا ہو۔ (ابوداؤد)

۱۴۹۔ پس اللہ نے ان کی دعاؤں کو سنا اور دنیا و آخرت دونوں سے نوازا۔ آخرت کا اجر

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا
محسنوں کو اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر اطاعت کرو تم

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تو وہ لوٹا دیں گے تمہیں ایڑیوں پر تمہاری پھر ہو جاؤ گے تم

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۱﴾
ناکام بلکہ اللہ آقا ہے تمہارا اور وہ بہتر ہے تمام مددگاروں سے

تو بہت ہی عمدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے ایسا ہی محبت کا سلوک فرماتا ہے۔

احسان کی تعریف حدیث میں یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا اسے دیکھ رہا ہے پس جن لوگوں نے دین کو دنیا پر مقدم رکھا اور ہر قربانی کے لئے تیار رہے۔ یہاں تک کہ جان تک پیش کردی۔ وہ احسان کی اس تعریف کے مصداق ہوں گے۔ گویا انہوں نے دنیا میں ہی اپنے رب کو دیکھ لیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے محسنوں کو محبوب رکھتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ **ثواب الدُّنیا وحُسن ثواب الاٰخرۃ** ط سے مراد یہ بھی ہے کہ آنے والے دنوں کے ثمرات پہلے دنوں سے بڑھتے جائیں گے جیسا کہ تاریخ گواہ ہے کہ جلد ہی وہ وقت بھی آیا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگئیں۔

۱۵۰۔ اس رکوع میں بھی ان تمام غلطیوں کی نشاندہی کی جو اس جنگ میں بعض مسلمانوں سے سرزد ہوئیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شدید نقصان سے بچا لیا اور آئندہ ایسی غلطیوں سے بچنے کے اصول بتائے۔

آیت نمبر ۱۰۱ میں اہل کتاب کی تتبع سے منع فرمایا تھا جب انہوں نے مسلمانوں کے دو گروہوں کو لڑائی کے لئے بھڑکایا۔ یہاں کفار کی اطاعت سے منع فرمایا۔ حضرت علیؓ نے منافقین مراد لئے ہیں جنہوں نے احد میں مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کی کوشش کی۔ تاہم یہاں ایک عام اصول بتا دیا کہ میدانِ جنگ ہو یا کوئی اور امر اگر کافروں کی باتوں میں آگئے تو وہ تو بہر صورت تمہیں پرانی راہوں کی طرف لوٹانے کی کوشش کریں گے اور تم نقصان اٹھاؤ گے۔

۱۵۱۔ ہاں مولیٰ سے تعلق رکھو گے تو نقصان اٹھانے سے بچ جاؤ گے۔ وہی دشمنوں کے

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ
عنقریب ڈالیں گے ہم دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رُعب اس لیے کہ

اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ
شریک کیا انہوں نے ساتھ اللہ کے اسے کہ نہیں اتاری (اللہ نے) اس پر کوئی دلیل اور ٹھکانا ان کا

النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ
آگ ہوگا اور کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا ظالموں کا اور یقیناً یقیناً سچا کر دیا تم سے اللہ نے

مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا اور تم ہی غالب رہو گے چاہے راستے میں کچھ تکالیف بھی آئیں۔

۱۵۲۔ سلطٰنًا۔ **سلطان**۔ مادہ سلط ہے۔ غالب آکر مضبوط ہوجانا۔ اسی معنی میں بادشاہ کو سلطان کہا۔ مضبوط دلیل کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ وہ بھی مضبوط ہوتی ہے اور غالب آتی ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میری نصرت ایک مہینہ کی مسافت کے برابر رعب سے کی گئی ہے۔ (بخاری ابواب المساجد۔ متفق علیہ) آج کوئی مقام ایسا نہیں جہاں ایک ماہ کے سفر سے پہنچا نہ جاسکے۔ گویا تمام دنیا پر آپ کا رعب ہے اور یہ حقیقت ہے۔ یہ رعب ہی تھا کہ صرف نو کفار کے مارے جانے سے تین ہزار کا لشکر جرار جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھا بظاہر اپنے سے بہت کمزور مومنین کے شدید حملہ کے آگے نہ ٹھہر سکا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ یہ رعب ہی تھا جو انہیں میدان احد سے واپس لے جانے کا باعث ہوا۔ ورنہ وہ زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔ بلکہ راستہ میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مسلمانوں کو بغیر استیصال چھوڑ کر سخت حماقت کی پھر اسی رعب کی وجہ سے لوٹ بھی نہ سکے۔ جب کہ آنحضرت ﷺ نے اگلے دن سخت زخمی حالت میں دو سو صحابہؓ کے ہمراہ حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اسی رعب کی وجہ سے باوجود وعدہ کے ابوسفیان کو اگلے سال مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جنگ احزاب میں مٹھی بھر مسلمانوں کے خلاف پورے عرب کو اکٹھا کرلایا اور اسی رعب کا اثر تھا کہ بیس دن کے محاصرہ کے باوجود راتوں رات بھاگ گیا۔ اس کے بعد تو رعب کا یہ عالم تھا کہ فتح مکہ کے روز کسی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ غرض ایک چھوٹی سی جماعت کے سامنے پورے عرب کا مرعوب ہو جانا صرف اسی رعب کی وجہ سے تھا جو خداتعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ انسانی کام نہیں تھا۔

رعب کا یہ وعدہ ہمیشہ کے لئے تھا اور آج جب کہ اسلام نہایت کسمپرسی کی حالت میں

وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

وعدہ اپنا جبکہ قتل کرتے تھے تم ان کو ساتھ حکم کے اس کے یہاں تک کہ جب پھسل گئے تم اور

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

آپس میں جھگڑا کیا تم نے معاملہ میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھایا تمہیں

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ

جو تم پسند کرتے تھے بعض تم میں سے وہ ہیں جو ارادہ کرتے ہیں دُنیا کا اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو

يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ

ارادہ کرتے ہیں آخرت کا پھر اس نے پھیر دیا تمہیں ان سے تاکہ آزمادے تم کو اور

لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

یقیناً اس نے درگزر کیا تم سے اور اللہ فضل والا ہے مومنوں پر

ہے۔دنیا بھر کے حکمران اور مدبرین ہمیشہ اسلام کی طرف سے خطرے کا رونا روتے رہتے ہیں اور اس کو مزید کمزور کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ فرمایا اس کی وجہ صرف ان کا شرک کرنا ہے۔ کیونکہ جو ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے آگے اپنا سر جھکا دے اس میں یقیناً بزدلی پیدا ہوجاتی ہے۔جب کہ مسلمان صرف خدا سے ڈرتا ہے اور اسی کے آگے جھکتا ہے اور یہی ایمان اسے مضبوط بنا دیتا ہے۔

۱۵۳۔ **تحسُّون** ۔حس ۔ حس کو باطل کرنا۔ یعنی قتل کرنا۔ **صرفکم عنهم** ۔ تمہیں ان سے پھیر دیا۔ ہٹادیا مراد دشمنوں سے تمہیں بچالیا۔ **فشِلتم** ۔تم نے بزدلی دکھائی۔لالچ کو بزدلی کہا کہ تھوڑے سے فائدہ کے لئے دل کمزور ہوگیا۔جنگ احد کے ذکر میں ان چند افراد کی کوتاہی کی نشاندہی کی جنہوں نے پوری قوم کو ایک عظیم نقصان سے دوچار کیا۔فرمایااللہ نے تو غلبہ کا وعدہ سچ کر دکھایا تھا اور تم نے اس کے حکم سے دشمن کی بیخ کنی کی۔تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ کفار کے نوعلم بردار باری باری مارے گئے اوراس قدر زخمی ہوئے کہ ان کا اٹھانامشکل ہوگیا۔اسی وجہ سے بعد میں بھی مسلمانوں کا استیصال کرنے یا انہیں قیدی بنانے میں ناکام رہے۔درہ کی حفاظت پر متعین چالیس تیراندازوں نے سوچا کہ دشمن بھاگ گیاہے ، فتح ہو چکی ہے اب ہماری یہاں کیا ضرورت۔ چنانچہ فتح کی خوشی ، دشمن کے تعاقب کے شوق اور محض ناتجربہ کاری کی بناء پر جگہ چھوڑ دی۔وہ اپنے افسر سے آنخضرت ﷺ کے حکم کے بارے میں جھگڑے۔حالانکہ آپؐ کا واضح حکم تھا کہ ہمیں غالب دیکھو یا مغلوب ،تم نے جگہ نہیں چھوڑنی اور نہ ہماری مدد کو آنا (بروایت براء بن عازبؓ بخاری کتاب الجهاد) صحابہؓ کے دل مال غنیمت کی حرص سے پاک تھے جہاں چند آدمیوں کے دل میں یہ خیال آیا وہیں

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

جب دُور جاتے تھے تم اور نہ مڑتے تھے کسی پر اور رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا

پکارتا تھا تم کو پچھلی طرف تمہاری پس اس نے بدلہ میں دیا تم کو غم بعوض غم کے تاکہ نہ

تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

غمگین ہو تم اس پر جو جاتا رہا تم سے اور نہ جو پہنچا تم کو اور اللہ خوب خبر رکھنے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ

والا ہے اس کی جو تم کرتے ہو پھر اس نے اتارا تم پر بعد غم کے

تکلیف کا سامنا ہوا۔باوجود اس کے کہ تمہاری پسندیدہ چیز یعنی کفار پر غلبہ تمہیں دکھا دیا تھا۔پھر بھی تم نافرمانی کے مرتکب ہوئے جب کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا! جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بخاری بروایت حضرت ابن عباسؓ) پس یہ چالیس تیرانداز نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔جب کہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور باقی دس مجاہدین نے مال کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی اور اپنی جگہ نہ چھوڑی اور کفار کو روکنے میں دس کے دس صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا (ابوداؤد کتاب الجهاد فی الکمناء) پھر اللہ نے تمہاری آزمائش کے لئے تمہیں ان سے پرے ہٹالیا تاکہ تمہیں آزمائے۔آزمائش یہ تھی کہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہوگئی۔اس موقع پر صحابہؓ نے جس شجاعت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیااور جس طرح آنخضرت ﷺ پر پروانہ وار فدا ہوئے اور آپؐ کو بچانے میں کامیاب ہوئے، تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔فرمایا غلطی تو ایسی تھی کہ تمہارا استیصال ہوسکتا تھا مگر اللہ نے تمہیں معاف کردیااور بچا لیا۔اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔اس سے بڑا فضل کیا ہوگا کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیااور اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمادیا۔

یہاں تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے ان کی غلطیوں پر تنبیہ فرمائی۔اوّل تو جن سے حکم عدولی ہوئی ان کی پردہ پوشی فرمائی۔دوئم یہ بتانا مقصود تھا کہ چند افراد میں تنظیم و اطاعت کی کمی کی ذمہ داری پوری قوم پر ہے۔اس لئے پوری قوم ہی موردِ الزام ہے اورخمیازہ بھگتتی ہے۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک ایک فرد کی تعلیم و تربیت کی کس قدر اہمیت ہے۔

۱۵۴۔ **تصعدون** ۔ **صعد**۔ اس سے صعود ہے جس کے معنی بلند مکان کی طرف جانا کے ہیں۔دورنکل جانے پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ **تلوٗن** ۔ مروڑنا۔ پیچھے زبان کے مروڑنے پر آیاہے۔ یہاں مڑنا مراد ہے۔

یہ وہی وقت تھا جب جنگ احد میں اچانک پیچھے سے شدید حملہ کی وجہ سے تم بدحواس ہو کر بھاگے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسولؐ تمہاری پچھلی طرف تمہیں بلا رہا تھا کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔نہایت نامساعد حالات میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں کبھی بھی لغزش نہیں آئی اور ہمیشہ آپؐ ایک چٹان کی طرح کھڑے رہے۔اسی طرح جنگ حنین میں مسلمانوں کے پاؤں دشمن کی شدید تیراندازی سے اکھڑ گئے مگر آپؐ مسلمانوں کو پکار رہے تھے اور تیروں کی اس بوچھاڑ میں آگے بڑھ رہے تھے۔دشمن کے غلبہ کے وقت آپؐ سب سے آگے ہوتے آپؐ کی غیر معمولی شجاعت اور توکل کے اغیار بھی معترف ہیں صحابہؓ بیان کرتے ہیں !کسی بھی جنگ میں آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہونا انتہائی شجاع اور دلیر لوگوں کا کام تھا،آپؐ سب سے خطرناک جگہ پر ہوتے اور لڑائی کا سارا زور آپؐ کے گرد ہوتا۔آپؐ کا شوق شہادت قابل تحسین تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں کی بنا پر شہادت نہیں ملی لیکن آپؐ شہید ہیں آپؐ نے عملی طور پر بتایا کہ فوج کی کمان کس طرح کی جاتی ہے۔آپؐ کی آواز جس کے کان میں پڑی وہ آپؐ کی طرف بھاگا۔فرمایا چند افراد کی نااہلی کی وجہ سے ایک کے بعد دوسرا غم پہنچا۔پہلا غم تو اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان تھا دوسرا خود آنحضرت ﷺ کا زخمی ہونا تھا۔جس نے پہلا غم بھلا دیا۔مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے زندہ بچ جانے کی اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ ہر غم بھول گئے۔اس کا کچھ اندازہ اس صحابیہؓ کی گفتگو سے ہو سکتا ہے جو آپؐ کی شہادت یا زخمی ہونے کی خبر سن کر مدینہ سے احد کی طرف بھاگی آ رہی تھی۔راستے میں ایک صحابی ملے تو پوچھا آنحضرت ﷺ کیسے ہیں؟انہوں نے توجہ نہ دی اور کہا تیرا خاوند شہید ہو گیا۔صحابیہؓ نے پھر آنحضرت ﷺ کی خیریت پوچھی اس نے پھر توجہ نہ دی اور کہا کہ تیرا بیٹا اور باپ شہید ہو گئے ہیں لیکن اس صحابیہؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کیسے ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ آپؐ زندہ ہیں تو اس عظیم صحابیہؓ نے وہ تاریخی الفاظ کہے جن کی مثال تاریخ دہرانے سے قاصر ہے اور جس نے عورتوں کا سر ہمیشہ کے لئے فخر سے بلند کر دیا۔اس نے کہا ”آپؐ کے بعد ہر مصیبت حقیر شے ہے۔“ افسوس کسی حدیث یا تاریخ میں اس عظیم صحابیہؓ کا نام محفوظ نہیں۔تاہم قرائن بتاتے ہیں کہ وہ ایک انصاری خاتون تھی۔آپؐ کے زندہ ہونے کی خوشی میں مدینہ کی عورتوں نے اپنے رشتہ داروں، بیٹوں، باپوں اور خاوندوں کی شہادت پر غم کا اظہار نہیں کیا۔فرمایا یہ سب غم تمہیں اس لئے پہنچے تا آئندہ کے لئے تمہیں یہ سبق ملے کہ اگر تمہارے ہاتھ سے کچھ نکل بھی جائے یعنی تم کسی متوقع فائدہ سے محروم

اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ

امن اونگھ ڈھانکتی تھی ایک گروہ کو تم میں سے اور ایک گروہ وہ تھا کہ یقیناً

اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

فکر میں ڈالا ہوا تھا انہیں جانوں نے ان کی وہ گمان کرتے متعلق اللہ کے ناحق گمان

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ

جاہلیت کا وہ کہتے ہیں کہ کیا ہے واسطے ہمارے اس معاملہ میں کچھ بھی

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا

تو کہدے یقیناً یہ معاملہ سب کا سب واسطے اللہ کے ہے وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو نہیں

يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

ظاہر کرتے تیرے لیے وہ کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لیے اس معاملہ میں کچھ بھی

بھی ہو جاؤ جیسے مال غنیمت وغیرہ تھا یا تم کسی مصیبت سے دوچار ہو جاؤ جیسا کہ اچانک حملہ سے ہوا تو غم نہ کرو اور ہمت نہ ہارو اور اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

۱۵۵۔ **امنۃً**۔امن۔سکون۔**نُعاسًا**۔اونگھ۔**اھمّتھم۔ ھمّ**۔غم۔فکر۔ان کو فکر مند کر دیا۔**ظنّ الجاھلیّۃ** ط۔دورِ جاہلیت کے سے گمان۔**الامر**۔جمع امور۔کام۔معاملہ۔اختیار۔حکومت۔**مضاجع**۔مضجع کی جمع ہے۔لیٹنے یا سونے کی جگہ۔یہاں مراد جائے قتل ہے۔

کفار نے مسلمانوں کو پھر اکٹھے ہوتے دیکھا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ آنحضرت ﷺ معہ اپنے رفقاء زندہ ہیں تو اتنے کو ہی غنیمت جانا اور اگلے سال مقابلہ کا اعلان کر کے میدان جنگ سے چلے گئے۔گروہ مومنین تھکن سے چور تھا۔گو انہیں شدید غم و حزن پہنچا تھا مگر دشمن کے نامراد لوٹ جانے کے بعد ایسی سکون اور اطمینان کی فضا طاری ہوئی کہ ان میں سے بعض کو اونگھ آ گئی یا کامل سکون کی سی حالت ہوگئی لیکن دوسرا گروہِ منافقین تھا جسے اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی۔انہیں نہ دین کی فکر تھی نہ رسول کی۔اس گروہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے تین سو ساتھی بھی تھے جو اپنی جان بچا کر راستے سے ہی مڑ گئے تھے۔اب جنگ کی خبریں ملنے پر اور بھی دلیر ہو گئے تھے کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نقصان نہ اٹھاتے۔وہ منافقین بھی تھے جنہوں نے بادلِ نخواستہ جنگ میں حصہ لیا تھا۔مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تو کچھ نہیں بولے جونہی جنگ کا پانسا پلٹتے دیکھا تو جاہلیت کے سے گمانوں کی طرح اللہ کے بارہ میں بدگمانی کرنے لگے۔کہ رسول اور مومنین کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے(سورۃ الفتح :۱۳) گویا خدا کی قدرت پر انہیں یقین نہیں تھا۔جنگ احد میں جونہی

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ
تو نہ قتل کئے جاتے ہم یہاں تو کہدے اگر ہوتے تم اپنے گھروں میں تو ضرور نکلتے

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ
وہ لوگ کہ لکھا گیا تھا ان پر قتل ہونا طرف اپنے لیٹنے کی جگہوں کے

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ
اور تاکہ آزماوے اللہ جو سینوں میں ہے تمہارے اور تاکہ خالص کرے جو

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۵﴾ اِنَّ
دلوں میں ہے تمہارے اور اللہ خوب جاننے والا ہے سینوں والی (بات) کو یقیناً

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا
وہ لوگ جو پھر گئے تم میں سے جس دن کہ ملے دو لشکر (آپس میں)، سوائے اسکے

آنحضرتﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو انہوں نے مسلمانوں میں سخت مایوسی پھیلائی اور ان کے حوصلے پست کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور کہا کہ اگر سچے نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے اب سلامتی اسی میں ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے ذریعے ابو سفیان سے پناہ حاصل کرو۔ منافقین کہتے **هل لنامن الامرمن شیء** ط کہ کیا اہم اموریعنی حکومت وغیرہ میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے۔ گویا دل سے تو کبھی بھی یقین نہیں رکھتے کہ مومنین کو فتح ہوگی اور دعویدار بنتے ہیں حکومت و اقتدار میں شریک ہونے کے۔ فرمایا ان کو کہہ دو کہ حکومت تو کلی طور پر خدا کی ہی ہے۔ یعنی اگر بظاہر کوئی روحانی یا جسمانی بادشاہ نظر آرہا ہے تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کا نائب ہی ہے جو اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔

فرمایا دراصل جو منافقت ان کے دلوں میں چھپی ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر ہمیں فیصلے کا کچھ اختیار ہوتا اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو مدینہ میں رہ کر جنگ کرتے اور ہم یا ہمارے بھائی بند یہاں نہ مارے جاتے۔ تو ان کو کہہ دے کہ اگر تم مدینہ میں رہ کر بھی جنگ کرتے تو جن پر جنگ فرض ہے وہ تو پھر بھی گھروں میں نہ بیٹھتے بلکہ باہر نکل کر جنگ کرتے اور اپنی شہید ہونے کی جگہوں پر ضرور پہنچ جاتے۔ اس ابتلا کا فائدہ یہ ہوا کہ منافقین کے سینوں کی منافقت اور کھوٹ ظاہر ہوگیا۔ مومنین میں جو کمزوریاں تھیں ان کی تمحیص کر دی یعنی ان کو دور کرکے انہیں پاک صاف کردیا۔ اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات بھی مخفی نہیں۔

۱۵۶۔ **استزلّهم۔ زلّة**۔ بلاارادہ پاؤں پھسل جانا۔ انہیں پھسلا دیا۔ التقی الجمعٰن۔ دو

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
نہیں کہ پھسلایا تھا انہیں شیطان نے بسبب بعض اُن (اعمال) کے جو کمائے انہوں نے اور یقیناً یقیناً درگذر کیا اللہ نے

عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ان سے یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بردبار ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو

ع ۱۶

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا
نہ ہو جاؤ مانند ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اور کہا متعلق اپنے بھائیوں کے جب

ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا
سفر کو گئے زمین میں یا ہوئے غازی اگر ہوتے وہ پاس ہمارے

گروہ ملے۔ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے دو گروہوں کے تصادم کے دن پیٹھ پھیر لی تھی۔ منافقین تو راستے سے ہی مڑ گئے تھے۔ پس یہ وہی مومنین ہیں جنہوں نے جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور دشمن کا منہ پھیر دیا۔ لیکن دشمن کی اچانک یلغار سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور آنحضرتﷺ کی وفات کی جانکاہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور وہ حواس باختہ ہوکر بھاگ نکلے یا تعاقب میں دور نکل جانے کی وجہ سے دوبارہ جمعیت سے ملنا ممکن نہ رہا۔ ان کے لئے **زلة** کا لفظ آیا جو بغیر ارادہ پھسلنے پر آتا ہے۔ گویا ان کی نیت ایسی نہ تھی بلکہ شامت اعمال سے اپنی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کے پھسلانے میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً انہیں معاف کردیا لیکن کچھ لوگ انہیں معاف کرنے کو تیار نہیں۔ امام رازیؒ کی تحقیق کے مطابق بھاگنے والے دس سے کم افراد تھے۔ جن میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کی ان تینوں الزامات سے بریت فرمائی جو آپ پر لگائے گئے۔ حضرت عثمان بن مواہبؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت عثمانؓ کو جنگ بدر میں شریک ہونے سے آنحضرتﷺ نے منع فرمایا تھا کیونکہ آپ کی اہلیہ جو آنحضرتﷺ کی صاحبزادی تھی شدید بیمار تھی اور پیچھے سے ان کی وفات بھی ہوگئی۔ آپ کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا۔ جنگ احد میں اگر آپ بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے بھاگنے والوں کو معاف کر دیا۔ بیعت رضوان میں آپ کو ہی مسلمانوں کا نمائندہ بنا کر مکہ والوں کی طرف بات کرنے بھیجا اور آپ کی شہادت کی خبر بیعت رضوان کا باعث بنی۔ آنحضرتﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور اس طرح آپ کی بیعت لی۔

۱۵۷۔ اس رکوع میں مومنوں کو ان کی بعض کمزوریوں سے پاک کرنا اور منافقین سے ان کو ممیز کرنا مقصود ہے۔ زندگی مجاہدانہ تگ و دو کا نام ہے۔ کفار و منافقین کی طرح کی سوچ کہ اگر ان

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ

تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ بنادے اللہ اس (بات) کو حسرت

قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

دلوں میں ان کے اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خوب

بَصِيْرٌ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ

دیکھنے والا ہے اور البتہ اگر تم قتل کئے جاؤ تم راہ میں اللہ کی یا مرجاؤ تم یقیناً بخشش

مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَلَئِنْ

اللہ کی اور رحمت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور البتہ اگر

مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ

مرجاؤ تم یا قتل کئے جاؤ تم تو ضرور طرف اللہ کی اکٹھے کئے جاؤ گے پس بسبب رحمت کے

کے بھائی بند سفر پر نہ جاتے یا جنگ نہ کرتے تو یوں نہ مرتے اور قتل نہ کئے جاتے، طفلانہ اور بزدلانہ سوچ ہے جبکہ یہ سفر خالصۃً دینی مقاصد اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر ایسا کرلیتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ یہ کہو کہ میں نے کوشش کی لیکن اللہ کی تقدیر یہی تھی۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کاش کہنا ، پچھتاوے اور حسرت کا اظہار کرنا شیطان کے اثر ڈالنے کی راہ ہموار کرتا ہے (مسلم کتاب القدر۔ باب فی الامر بالقوۃ وترک العجز)

لیجعل میں لام عاقبت ہے۔ یعنی ان کی ایسی باتوں کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ نہیں کیونکہ موت وحیات تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ حسرت اس بات کی بھی تھی کہ ان سفروں اور غزوات میں شہادتیں تو خدا کے فضل سے بہت کم ہوئیں لیکن سعادتیں بے انتہا نصیب ہوئیں۔ یعنی دینی و دنیوی لحاظ سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔

۱۵۸۔ فرمایا اگر تم خدا کی راہ میں کام کرتے ہوئے شہادت پاجاؤ یا اپنی طبعی موت مرجاؤ ، دونوں صورتوں میں تمہاری موت فی سبیل اللہ ہی شمار ہوگی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی مغفرت اور رحمت کے حق دار بنو گے جو تمہارا مقصودِ حیات تھا۔ اس کے مقابلہ میں کفار کی زندگی کا مقصد محض دولت اکٹھی کرنا ہے۔ اخروی لامحدود انعامات کے مقابلہ میں یہ چند روزہ دولت کیا اہمیت رکھتی ہے جو دنیا میں ہی رہ جانے والی ہے۔

۱۵۹۔ فرمایا مرنا تو سب کو ہی ہے اگر خدا کی راہ میں نہیں مروگے تو عام موت مرو گے یا

مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

اللہ کی نرم ہوا تو ان کے لیے اور اگر ہوتا تو بدمزاج سخت دل

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

البتہ بھاگ جاتے وہ پاس سے تیرے پس درگذر کر ان سے اور بخشش مانگ ان کے لیے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ

اور مشورہ کر ان سے معاملہ میں پھر جب عزم کرے تُو تو بھروسہ کر اللہ پر

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا

یقیناً اللہ پسند کرتا ہے بھروسہ کرنے والوں کو اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں کوئی

مارے جاؤ گے۔ ہمیشہ کے لئے زندہ تو پھر بھی نہیں رہ سکتے۔ جانا تو خدا ہی کی طرف ہے۔ تو پھر کیوں نہ اس کی راہ میں جان دے کر اس کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کریں جو ہمیشہ کے لئے ہے اور ہمیشگی کی زندگی پائیں۔

۱۶۰۔ **لنت** ۔ **لین** ۔ نرم۔ **فظًا** ۔ سخت کلام۔ بدخلق۔ **غلیظ** ۔ گاڑھا۔ گندا۔ سخت ۔ غلیظ القلب۔ سخت دل۔ **انفضُّوا** ۔ فضّ۔ کسی چیز کا ٹوٹ کر بکھر جانا۔ منتشر ہوجانا۔ بھاگ جانا۔

کسی جنگ میں فتح کے بعد چند سپاہیوں کی نافرمانی سے پوری فوج کو شدید جانی اور مالی نقصان پہنچنا یہاں تک کہ ان کا کمانڈر شدید زخمی ہو جائے اور موت کے منہ سے بال بال بچے، فوجی لحاظ سے ایسا ناقابل معافی جرم ہے کہ ایسے جنگی مجرم مارشل لاء کے تحت بڑی سے بڑی سزا پانے کے اہل سمجھے جاتے ہیں لیکن میرے پیارے آقا رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی سختی نہیں کی بلکہ سرسری طور پر پوچھا، جب کہ چند بھاگنے والوں سے تو اشارتاً بھی نہیں پوچھا کہ یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا۔ نہایت محبت سے صرف یہ کہا کہ تم بہت دور نکل گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات میں اخلاقِ فاضلہ اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے ۔ جیسا کہ آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انک لعلیٰ خُلقٍ عظیم** ٥ (القلم :۵) اس طرح آپ کا خلق لینت زندگی کے ہر موڑ پر اپنی پوری شان سے جلوہ افروز تھا۔ لیکن اس موقع پر تو اس کا نظارہ عدیم المثال تھا۔ جب کہ آپؐ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو غصے سے پاگل ہو رہا ہوتا اور شدید ترین سزا دیتا۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا! کہ کوئی حلم اور نرمی امام کے حلم اور نرمی سے بڑھ کر اللہ کو پسند نہیں اور کوئی جہل امام کی جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں۔ پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف فرما دیا تھا۔ آپؐ کو فرمایا کہ نہ صرف معاف کرو بلکہ ان کے لئے

غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ

غالب تم پر اور اگر وہ چھوڑ دے تم کو تو کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری

مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ وَمَا

بعد اس کے اور اللہ پر پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں مومن اور نہیں

كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ

ہے (ممکن) واسطے کسی نبی کے کہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کریگا لادے گا وہ جو خیانت کی اس نے روز

استغفار بھی کرو یعنی ان کے لئے آئندہ غلطیوں سے بچنے اور اللہ کی حفاظت میں آنے کی دعا کرو یہاں تک ہی نہیں بلکہ ان کو مجلس شوریٰ میں بھی شریک کرو۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ مدبرین اور معززین شامل ہوتے ہیں گویا ان کی عزت نفس کو بحال کرنے کے لئے یہاں تک ان کی عزت افزائی کرو۔ یہ بھی اشارہ تھا کہ کسی ایک نافرمانی سے شوریٰ کے لئے نااہل قرار دینا مناسب نہیں۔ یہ بھی بتادیا کہ شوریٰ کے نتیجہ میں اگر نتائج ناموافق ہوں تو بھی شوریٰ کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ آپؐ نے اہم امور میں ہمیشہ کثرت رائے پر عمل کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں مشورہ سے نکلے ، جنگ احزاب میں خندق بھی مشورہ سے کھدوائی بلکہ افک کے معاملہ میں جو آپؐ کا خاص ذاتی معاملہ تھا مشورہ لیا۔ آنحضرت ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتہاد کے بارے میں بھی کثرت رائے پر فیصلہ کیا۔ گویا قانون سازی بھی کثرت رائے سے ہونی چاہیئے فرمایا جب شوریٰ کے بعد فیصلہ کرلو اور آخری فیصلہ بہر حال آپؐ کا ہی ہوگا تو پھر خدا پر بھروسہ کرو۔ وہی اعقل و توکل والی بات ہے کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو پھر خدا کے توکّل پر چھوڑ دو۔ یعنی کھلا نہ چھوڑو۔ گویا رعایت اسباب کی ترغیب دی۔ پس ہر طرح پوری تدبیر اور دعا کے بعد معاملہ خدا پر چھوڑنے کا نام توکّل ہے۔ توکّل کرنے والوں سے اللہ یقیناً محبت کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

۱۶۱۔ **یخذُلُ**۔ وہ چھوڑتا ہے۔ خاص طور پر اس شخص کا چھوڑ دینا جس سے مدد کی امید ہو۔ چونکہ ان آیات میں جنگ احد میں پہنچنے والے نقصانات کا ذکر ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر وقتی طور پر کسی غلطی کی وجہ سے نقصان ہوا اور بظاہر تمہیں مدد نہیں ملی تو اللہ کی نصرت پھر بھی تمہارے شامل حال ہے۔ تم چھوڑے ہوئے نہیں ہو۔ پس جسے اللہ نہ چھوڑے اسے کسی نقصان کا غم نہیں۔ مومنوں کا توکّل اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی لاج رکھتا ہے۔

الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

قیامت پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو کمایا اس نے اور وہ نہیں

يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ

ظلم کئے جاویں گے کیا پھر جس نے پیروی کی رضامندی کی اللہ کی مانند اس شخص کے ہے جو لوٹا ساتھ ناراضگی

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۳﴾ هُمْ

کے اللہ کی اور ٹھکانا اس کا جہنم ہے اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا وہ

دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ لَقَدْ

درجے (رکھتے) ہیں پاس اللہ کے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اُسے جو کرتے ہیں یقیناً یقیناً

۱۶۲۔ **یغُلُّ**۔ غلّ ۔خیانت کرنا۔ **یغل**۔ وہ خیانت کرتا ہے

آپؐ مدینہ تشریف لائے تو چند ایک بھاگنے والوں سے تو سرسری طور پر بھی نہیں پوچھا۔ البتہ جنہوں نے مورچہ چھوڑ کر نافرمانی کی ان سے وجہ پوچھی۔ انہوں نے کمزور سے عذر پیش کئے تو آپؐ نے فرمایا! تم نے گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تمہیں پورا حصہ نہ دیں گے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے اور عام اصول بھی بتایا کہ نبی امین ہوتا ہے۔ کسی بھی نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ خیانت کرے گویا یہ ممکن ہی نہیں۔ تو پھر تم مورچہ چھوڑ کر کیوں مال غنیمت کی طرف لپکے اور اس ناگہانی مصیبت کا باعث بنے۔ ہاں اگر کوئی شخص خیانت کرے تو وہ قیامت کو چھپی نہیں رہے گی اور وہ شخص قیامت کو اپنی خیانت کا وبال اٹھائے ہوئے حاضر ہوگا۔ بعض روایات میں اسے ظاہر پر محمول کیا گیا ہے کہ ایک شخص گردن پر اونٹ اٹھائے ہوگا جس کی خیانت کا وہ مرتکب ہوا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ابو مسلم نے اسے سزا کے لئے بطور تمثیل کہا ہے۔ فرمایا ہر شخص کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

۱۶۳۔ **سخط**۔ سخت ناراضگی۔ شدید غضب ۔**بآءَ**۔ لوٹا۔

قبل ازیں دو گروہوں کا ذکر جاری ہے۔ یہاں واضح کر دیا کہ ایک گروہ اللہ کی رضا کی راہوں پر چلنے والا ہے۔ وہ اس گروہ کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو اللہ کا غضب لے کر لوٹے اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جو لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

۱۶۴۔ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مختلف مدارج پر ہیں۔ اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ یعنی ان کے مدارج ان کے اعمال کے مطابق ہوں گے۔

مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جبکہ بھیجا اس نے ان میں ایک رسول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

انہی میں سے پڑھتا ہے ان پر آیات اسکی اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۵﴾

کتاب اور حکمت اور اگرچہ تھے وہ پہلے البتہ گمراہی کھلی میں

النصف

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ

کیا جب پہنچی تم کو کوئی مصیبت کہ یقیناً پہنچا چکے تھے تم دوگنی اس سے کہدیا تم نے کہ

اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

کہاں سے ہے یہ؟ تو کہدے یہ پاس سے ہے نفسوں کے تمہارے یقیناً اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۶﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور جو (مصیبت) پہنچی تم کو جس دن کہ ملے دو لشکر

۱۶۵۔فرمایا اللہ تعالیٰ کا مومنین پر احسان ہے کہ انہیں میں سے ان جیسے ایک بندے کو رسول بنا کر بھیجا۔جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔جس نے اللہ کی عظیم امانت یعنی وحی میں خیانت نہیں کی اور جوں کی توں پہنچا دی اس کے لئے چھوٹی موٹی خیانتوں کا تم نے کس طرح سوچا۔ جس طرح اس وحی کا مقصد تمہیں پاک کرنا تھا اسی طرح اس جنگ نے بھی تمہاری کئی کمزوریوں کو دور کر کے تمہاری تطہیر کی۔

رسول کے فرائض بتائے کہ وہ احکام الٰہی لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ان کی تعلیم و تربیت کر کے تمام بشری آلائشوں سے انہیں پاک کر کے ان کا تزکیہ کرتا ہے۔قانونِ شریعت اور علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔معمولی تزکیہ بھی نہایت مشکل کام ہے لیکن عرب جیسی جاہل، اکھڑ اور گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی قوم کا تزکیہ کرنا آپ ؐ کی قوت قدسی اور افاضہ قلبی سے ہی ممکن ہوا۔

جنگ کی آیات کے دوران بتلایا کہ اس رسول کا اصل کام جنگ یا فتح و شکست نہیں بلکہ تمہارا تزکیہ کر کے تمہیں کتاب و حکمت سکھانا ہے۔ گویا کتاب کا علم ہی نہیں دیتا ، اس کی حکمتیں بھی سکھاتا ہے اور یہی کام اب تمہارے ذمہ ہے کہ تم دنیا کے معلم و مزکی بنو اور انہیں کتاب اور اس کی حکمتیں سکھاؤ۔

۱۶۶۔ آنحضرت ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہ کرام ؓ تو کبھی بھی یہ خیال دل میں نہیں لا سکتے تھے

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

تو ساتھ حکم کے تھا اللہ کے اور تاکہ جان لے وہ مومنوں کو اور تاکہ جان لے ان لوگوں کو جنہوں نے

نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

نفاق کیا اور کہا گیا انہیں کہ آؤ لڑو راہ میں اللہ کی

اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ

یا مدافعت کرو تو کہا انہوں نے اگر جانتے ہم لڑنا ضرور پیروی کرتے ہم تمہاری وہ

لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ

طرف کفر کے اس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت اپنے (قریب ہونے کے) طرف ایمان کی وہ کہتے ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

مونہوں سے اپنے جو نہیں ہے دلوں میں ان کے اور اللہ زیادہ جانتا ہے اسے جو

کیونکہ وہ تو ہر نیک بات خدا کی طرف منسوب کرتے اور ہر دکھ اپنی شامت اعمال کا نتیجہ سمجھتے تھے لیکن کمزور ایمان والے ضرور پریشان ہوئے کہ جب ہم حق پر تھے اور اللہ کا نصرت کا وعدہ بھی ہمارے ساتھ تھا ، اس کا رسول بھی ہم میں موجود تھا۔ تو پھر اس جماعت ِصالحین کو اتنا نقصان کیوں پہنچا۔فرمایا کہ اول تو تم پہلے دگنا نقصان پہنچا چکے ہو۔جنگ بدر کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں ستر کفار مارے گئے اور اتنے ہی قید ہوئے۔اس جنگ کے ابتدائی حصہ کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں کئی کفار مارے گئے اور زخمیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ایک ایک سواری پر دو دو زخمیوں کو اٹھا کر لے گئے اور اپنے سے نہایت کمزور اور بے سرو سامان فوج سے شکست فاش کھا کر بھاگے۔ پس نصرت الٰہی یقیناً تمہارے ساتھ تھی۔ پھر جو کچھ ہوا تمہاری اپنی یا تمہارے چند ساتھیوں کی غلطی کا نتیجہ تھا۔قوم میں چند افراد کی غلطی پوری قوم کی غلطی تسلیم ہوتی ہے اور سب پر اثر انداز ہوتی ہے اور سبھی خمیازہ بھگتتے ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور خارق عادت معجزات دکھاتا ہے جیسا کہ جنگ بدر اور جنگ احد کے ابتدائی اوقات میں تم دیکھ چکے ہو لیکن عام طور پر اس کی قدرت انسان کے افعال کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس تم نے غلطی کی اور نصرت الٰہی بھی رک گئی۔

۱۶۷۔۱۶۸۔ہوتا تو سب خدا کے حکم سے ہی ہے لیکن وجہ تو بہرحال ان کی حکم عدولی اور ناتجربہ کاری تھی۔ لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مومن اور منافق کی پہچان ہوگئی۔کیونکہ جب انہیں بلایا کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم ازکم دشمن کے حملہ کو ہی روکو تو منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم

يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا

وہ چھپاتے ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا متعلق اپنے بھائیوں کے اور (خود) بیٹھے رہے ہیں

لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ

کہ اگر اطاعت کرتے ہماری نہ قتل کئے جاتے تو کہدے پس دُور کرو اپنے نفسوں سے

الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ

موت کو اگر ہو تم سچے اور نہ گمان کر ان لوگوں کو جو

قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

قتل کئے گئے راہ میں اللہ کی مرے ہوئے بلکہ (وہ) زندہ ہیں پاس اپنے رب کے

يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ

رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اس پر جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور

لڑنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ دفاعی حالت جنگِ احزاب میں پیش آئی جب منافقین نے دھوکا دیا۔دراصل اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔منہ سے اسلام کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں لیکن دل میں کفر و منافقت بھری ہوئی ہے۔اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ جو وہ چھپاتے ہیں۔ اللہ سے تو کچھ بھی مخفی نہیں۔

۱۶۹۔ **ادرءُوا**۔ دراء۔ ہٹانا۔ دور کرنا۔

منافقین نے نہ صرف خود جنگ میں حصہ نہ لیا بلکہ ان کے بھائی بند جو جہاد میں شہید ہوئے۔ ان کے لئے کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے۔ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو کہ جو جنگ میں نہ جائے وہ موت سے بچ جاتا ہے تو ذرا اپنی موت کو ہی ٹال دو اور ہمیشہ کے لئے زندہ رہ کر دکھا دو کیونکہ شہید کے لئے تو ہمیشہ کی زندگی ہے۔جہاں تک منافقین کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی بڑے بڑے منافق مرگئے۔ ہر منافق سردار کے مرنے کے بعد اس کے زیر اثر منافقین اسلام میں داخل ہوجاتے۔جس روز عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات ہوئی اور آپؐ نے اس کے بیٹے کی درخواست پر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اپنا کرتہ مبارک بطورکفن عطا فرمایا۔اس روز ایک ہزار منافقین توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوئے۔ اس طرح مدینہ کے منافقین آپؐ کے سامنے ہی ختم ہوگئے۔(صحیح بخاری کتاب التفسیر۔باب استغفرلھم حدیث نمبر۴۳۰۲)

۱۷۰۔ شہداء پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔پس اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمائیں

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۙ

وہ خوشخبری حاصل کرتے ہیں متعلق ان لوگوں کے نہیں ملے ان سے پیچھے سے

أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ

کہ نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوشخبری حاصل کرتے ہیں

بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

ساتھ نعمت کے طرف سے اللہ کی اور فضل کے اور یقیناً اللہ نہیں ضائع کرے گا اجر

یا بستر مرگ پر، انہیں مُردے گمان نہ کرو۔وہ زندۂ جاوید ہیں۔انہیں زندہ اس لئے کہا گیا کہ وہ اللہ کے حضور زندہ ہیں نہ کہ اس دنیا میں۔اللہ تعالیٰ انہیں بہت جلد اس زندگی سے بدرجہا اعلیٰ روحانی زندگی عطا فرما دیتا ہے جس کی نعماء انسان کے تصور سے باہر ہیں۔بے شک دنیوی رزق منقطع ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے رب کے ہاں سے روحانی رزق اور پھل سے نوازے جاتے ہیں جس کے متعلق حدیث میں ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ،نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر گزرا۔جنت کی سب سے بڑی نعمت خداتعالیٰ کا قرب اور دیدار ہے اوربموجب حدیث نبوی شہداء کو خاص مراتبِ قرب عطا ہوتے ہیں۔بلحاظ اعمال ان کے اعمال منقطع نہیں ہوتے جیسا کہ مرنے کے بعد ہوتا ہے بلکہ ان کے نیک اعمال بدستور لکھے جاتے ہیں۔ایک خاص قسم کی زندگی انہیں شہادت کے ساتھ ہی مل جاتی ہے جو عام مُردوں سے ممتازحیثیت کی ہے۔(قرطبی) عربوں کے نزدیک جس کا بدلہ لے لیاجائے وہ زندہ ہوتا ہے اس لئے یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر ظلم کا بدلہ اللہ تعالیٰ لے گا۔بعض اوقات ان کی حیاتِ خاص کا اثر اس دنیامیں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی۔ وہ صحیح سالم باقی رہتے ہیں۔ (قرطبی)

۱۷۱۔انہوں نے ان راحتوں اورفرحتوں کو پالیاہے جن کا دنیا میں وعدہ تھا۔ خداتعالیٰ کے فضل سے ان پر جو بے حد و حساب انعامات کی بارش ہو رہی ہے اس پر بے حد خوش ہیں۔ سب سے بڑی عنایت دیدارِ الٰہی ہے جونعماء جنت میں اعلیٰ ترین ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اہل دنیامیں سے اپنے خاص بندوں کوشہداء کے حالات سے باخبر کر دیتاہے۔اسی طرح شہداء کو بھی اپنے پیچھے رہ جانے والوں کی کامیابیوں کا علم دے دیتاہے نیز یہ کہ انہیں بھی کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔یہ بھی مراد ہے کہ اپنے پس ماندگان کی اچھی خبروں سے بھی مطلع کئے جاتے ہیں۔

۱۷۲۔اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے حد و حساب ہیں۔اس لئے انہیں نئی سے نئی خوشخبریاں ملتی

ع ۱۷ ۸

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۲ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

مومنوں کا وہ لوگ جنہوں نے بات مانی اللہ کی اور رسول کی

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

بعد اسکے کہ پہنچا ان کو زخم واسطے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے احسان کیا

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۳ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

ان میں سے اور تقویٰ کیا اجر ہے بڑا وہ لوگ کہ کہا جن کو

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

لوگوں نے کہ تحقیق (دشمن) لوگ یقیناً جمع ہوئے ہیں تمہارے لیے پس ڈرو ان سے

ہیں اور مزید نعمتوں اور فضلوں سے نوازے جاتے ہیں اور یہ خوشخبریاں بھی ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔یعنی اخروی اجر کے علاوہ دنیوی طور پر بھی ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرتااور جن پودوں کو انہوں نے اپنے خون سے سینچا وہ ضرور پھل لاتے ہیں۔یہ بھی معنی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خاص نعمت اور فضل پر خوشیاں منا رہے ہیں اور اس بات پر بھی خوش ہو رہے ہیں کہ جو مومنین شہید نہیں ہوئے یعنی غازی ہیں، ان کا اجر بھی اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا اور وہ بڑے اجر سے نوازے جائیں گے۔

۱۷۳۔ آنحضرت ﷺ کی ہمت و شجاعت کا کچھ اندازہ تو اسی سے ہوجاتا ہے کہ جب زخموں سے چور تھکے ماندہ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے نہ صرف گھر گھر جاکر تعزیت فرمائی اور تسلی دی بلکہ نماز کی امامت بھی خود فرمائی۔اگلے دن آپؐ کو کفار کے راستہ سے لوٹنے کی اطلاع ملی یا آپؐ نے احتیاطً ان کا پیچھا کیا کہ کہیں واپس نہ لوٹ آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو صحابہؓ جنگ احد میں شریک تھے وہی جہاد کے لئے تیار ہوں۔چنانچہ دو سو مجاہدین کو لے کر آپؐ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے گئے۔وہاں آپؐ کو اطلاع ملی کہ دشمن بہت دور نکل گیا ہے اور آپؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ادھر ابو سفیان کو روحاء کے مقام پر پہنچ کر اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ بغیر فیصلہ کے میدان کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہیئے تھا جب کہ ہمارا پلہ بھاری تھا۔ چنانچہ وہ واپس ہوا لیکن آنحضرت ﷺ کے تعاقب کی اطلاع سے مرعوب ہوگیا اور مکہ کی راہ لی۔وہ صحابہؓ جنہوں نے باوجود زخمی ہونے کے آنحضرت ﷺ کی آواز پر لبیک کہا ان کا جنگ کے لئے نکلنا گویا اللہ پر احسان تھا۔ان متقین کے لئے اجرِ عظیم کی خوشخبری ہے۔یہاں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کہا۔

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

تو بڑھا دیا (اس بات نے) ان کو ایمان میں اور کہا انہوں نے کافی ہے ہمیں اللہ اور کیا ہی اچھا ہے

الْوَكِيْلُ ۝۱۷۴ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ

وہ کارساز پس لوٹے وہ ساتھ نعمت کے طرف سے اللہ کی اور فضل کے کہ نہیں

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ

چھوا ان کو کسی تکلیف نے اور پیروی کی انہوں نے رضامندی اللہ کی اور اللہ

فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝۱۷۵ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

فضل والا ہے بہت سوائے اس کے نہیں کہ یہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے

۱۷۴۔یہ آیت اور اگلی چند آیات ایک سال بعد نازل ہوئیں۔روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے یہی دعا کی یعنی **حسبُنا اللّٰہ ونعم الوکیل**o (بخاری)جنگ احد سے واپسی پر ابو سفیان نے اگلے سال بدر صغریٰ کے مقام پر جنگ کے لئے آنے کی دھمکی دی تھی۔چنانچہ اگلے سال وہ دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا مگر مرّ الظہران کے مقام سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔وہاں نعیم ابن مسعود اشجعی سے ملا تو اسے دس اونٹوں کا لالچ دے کر مدینہ بھیجا کہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلائے تاکہ وہ جنگ کے لئے نہ نکلیں ،جنگ ٹل جائے اور ہماری عزت رہ جائے۔چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔اس بات نے مومنین کے ایمان میں اور اضافہ کر دیااور انہوں نے اسے کہا کہ اللہ کی ذات ہی ہمیں کافی ہے وہی بہترین کارساز ہے اور اس کی باتوں میں نہ آئے۔ البتہ منافقین اور بعض کمزور ایمان والے ضرور مرعوب ہوئے۔

۱۷۵۔ نعیم کے ڈرانے دھمکانے کے باوجود کہ جنگ احد میں بھی تم کافی نقصان اٹھاچکے ہو اب یہ عظیم لشکر تمہیں کچل ڈالے گا ،مومنین اس کے فریب میں نہ آئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کی اور اپنی جان و مال کو خدا کی راہ میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ دو سو مجاہدین کو لے کر نکلے۔ابو سفیان مسلمانوں کے لشکر کا سن کر کھانے پینے کی چیزیں ستو اور کھجوریں وغیرہ چھوڑ کر مع اپنے لشکر کے بھاگا۔یہ چیزیں مسلمانوں نے حاصل کیں۔اس لئے اس غزوہ کا نام جیش السویق یعنی ستو پینے کی مہم پڑ گیا۔اسے غزوہ بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔اس مقام پر آپؐ نے آٹھ دن کفار کا انتظار کیا۔یہاں بنی کنانہ کا تجارتی میلہ بھی لگتا تھا جن سے تجارت کر کے مسلمانوں نے بہت نفع کمایا۔اس طرح بغیر کسی نقصان کے آپؐ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے ۔اللہ تو اس سے بھی بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کرنے والا اور بہت بڑے فضل والا ہے۔

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ وَلَا

پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے اگر ہو تم مومن اور نہ

يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ

غم میں ڈالیں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں یقیناً وہ ہرگز نہیں

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي

نقصان پہنچادیں گے اللہ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ کہ نہ بنادے ان کے لیے حصہ

الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

آخرت میں اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا یقیناً وہ جنہوں نے خریدا

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ

کفر بدلے ایمان کے ہرگز نہیں نقصان پہنچادیں گے اللہ کو کچھ بھی اور ان کیلئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا

عذاب ہے دردناک اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ جو

۱۷۶۔ یہاں شیطان سے مراد نعیم یا وفد عبدالقیس ہے جن کے ڈرانے سے مسلمان مرعوب نہیں ہوئے ہاں بعض منافقین پر اثر ضرور ہوا اور انہوں نے بزدلی دکھائی۔ ان آیات میں مسلمانوں کو ایک عام نصیحت بھی ہے کہ کبھی بھی کفار کی دھمکیوں میں نہ آئیں اور نہ جھوٹی افواہوں پر یقین کریں، صرف اللہ سے ڈریں۔

۱۷۷۔ عبداللہ بن ابی بن سلول صاحب حیثیت آدمی تھا۔ کفار کے ساتھ مل کر ہمہ وقت اسلام کے استیصال کے درپے رہتا۔ آنحضرت ﷺ اور گروہِ مومنین کو خوشخبری دی کہ ان کی طرف سے آزردہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں، وہ جتنا زور چاہیں لگا لیں اللہ کے دین کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ ان کی منصوبہ بندیوں اور شرارتوں کی وجہ سے ان پر فرد جرم عائد ہو چکی ہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہاں ان کے لئے عذابِ عظیم ضرور مقدر ہے۔

۱۷۸۔ ایمان قبول کرنا دکھوں اور آزمائشوں کی بھٹی میں خود کو جھونکنا تھا۔ فرمایا جو ایمان کو چھوڑ کر عارضی فوائد کے لئے کفر اختیار کرتے ہیں وہ خدا یا خدا کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں مقدر ہے۔

یہاں ایک عام اصول بھی بتا دیا اور ان منافقین کی طرف بھی اشارہ ہے جو غزوہ بدر

نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا

مہلت دیتے ہیں ہم ان کو (وہ) بہتر ہے واسطے انکے نفسوں کے سوائے اسکے نہیں کہ ہم مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ بڑھ جاویں وہ

اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۹﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

گناہ میں اور ان کیلئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

مومنوں کو اسی (حالت) پر کہ تم جس پر ہو یہانتک کہ علیحدہ کرے ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ

پاک سے اور نہیں ہے اللہ کہ آگاہ کرے تم کو غیب پر اور لیکن

اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور

رُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۸۰﴾ وَلَا

رسولوں پر اس کے اور اگر ایمان لاؤ تم اور تقوٰی کرو تو تمہارے لیے اجر ہے بڑا اور نہ

صغریٰ میں غلط افواہوں کی وجہ سے ڈر گئے اور آپؐ کے ساتھ نہیں نکلے۔

۱۷۹۔ **نملی** ۔ ملا ۔ مہلت دینا۔ نملی۔ ہم لکھتے ہیں۔ مہلت دیتے ہیں۔
جنگ بدر میں کفار نہایت ذلیل ہو کر لوٹے جب کہ احد میں مسلمانوں کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگئے اس لئے وہ دشمنی میں بہت دلیر ہوگئے۔ فرمایا یہ مہلت تو اس لئے تھی کہ اس سے فائدہ اٹھا لیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی شوخیوں میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ ان پر اتمام حجت ہوگئی اور عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ یہ رسوا کرنے والا عذاب دنیا میں فتح مکہ کے روز آیا جس سے عیاں ہوگیا کہ آخرت کا وعدہ بھی سچا ہے۔

۱۸۰۔ جہاد کا بیان ہے۔ جہاد ہی وہ کسوٹی ہے جس سے خبیث و طیب کی پہچان ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے آٹھ سالوں میں قریباً ۱۲۰ جنگوں میں حصہ لیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جہاد کا حکم مختلف مواقع پر مختلف رہا۔ کبھی آنحضرت ﷺ بنفس نفیس جہاد کے لئے نکلے اور فوج کی کمان فرمائی، یہ غزوات کہلاتی ہیں۔ ان کی تعداد قریباً ۲۸ ہے۔ کبھی کسی صحابی کے زیر قیادت جہاد کا حکم فرمایا۔ یہ سریہ کہلاتی ہیں۔ مشہور سرایا کی تعداد ۲۳ ہے۔ باقی معمولی سرایا تھیں جن میں آنحضرت ﷺ ۲۰ سے ۱۰۰ تک مجاہدین کے دستے بھیجتے۔ آپؐ کی صوابدید پر تھا، جسے چاہتے پیچھے رہنے کا حکم فرماتے۔ عام طور پر تمام مومنین جہاد کے لئے نکلتے۔ جنگ تبوک میں جو آپؐ کی آخری جنگ تھی، آپؐ نے سوائے

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس (مال) پر جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا

کہ وہ (بخل) بہتر ہے واسطے انکے بلکہ وہ براہے واسطے انکے ضرور طوق پہنائے جاویں گے اس کا کہ

بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ

بخل کیا تھا انہوں نے جس کا روز قیامت اور اللہ ہی کا ہے ورثہ آسمانوں اور

الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۱﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

زمین کا اور اللہ اس کی جو کرتے ہو تم خوب خبر رکھنے والا ہے یقیناً یقیناً۔ سُن لی اللہ نے

ع ۱۸ / ۹

معذور افراد کے ہر مومن کو جہاد کا حکم دیا۔جو پیچھے رہے ان سے باز پرس ہوئی۔بعد میں اسلامی فوجیں ترتیب دی گئیں اور ہر مومن اس حکم کا مکلّف نہیں رہا۔تاہم **جہاد اکبر** یعنی نفس کا جہاد ہمیشہ کے لئے ہر مومن پر فرض ہے۔غرض آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جونہی اعلان جہاد ہوتا، مومنین اپنی جان و مال لے کر حاضر ہو جاتے جب کہ خبیث الطبع لوگ حیلوں بہانوں سے نہ صرف اپنی جانیں بچاتے بلکہ مال تک خرچ کرنے سے گریز کرتے۔پس جہاد ہو یا کوئی مصائب و ابتلا چھانٹی کا سبب ضرور بنتا ہے اور ایک ملے جلے گروہ میں سے خبیث اور طیب کو ضرور الگ کر دیتا ہے۔فرمایا کہ ہر مومن کا یہ مقام نہیں کہ اسے غیب کا علم دیا جائے اور وہ دلوں کو پڑھ لے کہ کون منافق ہے اور کون مومن البتہ ہر امتحان کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتا ہے اور شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں غیب پر اطلاع دینا رسولوں کے لئے خاص ہے۔وہ جس قدر چاہتا ہے انہیں علم دیتا ہے۔ منافقین کا علم نہ دینے میں ان کی پردہ پوشی بھی ملحوظ تھی اور ان کے لئے مہلت بھی۔تاہم آنحضرت ﷺ علمِ الٰہی سے انہیں جانتے تھے۔آپؐ اور صحابہ کرامؓ ان کے چہروں سے بھی انہیں پہچان لیتے تھے۔آخر جنگ تبوک کے بعد جو آپؐ کی آخری جنگ تھی آنحضرت ﷺ نے بحکمِ الٰہی چند منافقین کو نام لے کر مسجد سے نکالا کیونکہ انہوں نے اپنی اصلاح آخر تک نہیں کی تھی۔ورنہ ہمیشہ منافقین کی پردہ پوشی فرمائی۔**یجتبی** مضارع کا صیغہ ہے اور امکان نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے۔فرمایا اگر تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو۔تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

۱۸۱۔ پچھلی آیات میں خاص طور پر جانی قربانی کی تحریک فرمائی تھی یہاں مالی قربانی کی تحریص دلائی گئی ہے۔

زمین و آسمان کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی میراث ہے۔جو ہر انسان کے

قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

بات ان لوگوں کی جنہوں نے کہا یقیناً اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ

ضرور ہم لکھ دیں گے جو کہا انہوں نے اور (لکھ دیں گے) قتل کرنا ان کا نبیوں کو بغیر حق کے اور

نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۲﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

ہم کہیں گے چکھو عذاب جلنے کا یہ بسبب اس کے ہے جو آگے بھیجا

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۳﴾ اَلَّذِيْنَ

ہاتھوں نے ان کے اور یقیناً اللہ نہیں ہے ہرگز ظلم کرنے والا بندوں پر وہ لوگ ہیں جنہوں نے

فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے۔ پس میراث کو مالک کی طرف لوٹانے کے ذرائع یہی ہیں کہ جب بھی دین کو یا بندگان خدا کو ضرورت پڑے تو کھلے دل سے خرچ کرے۔صرف اپنے فائدہ کے لئے سمیٹ سمیٹ کر رکھنا قیامت کے دن عذاب کا موجب ہوگا۔جو ان کے گلے کا ہار بنے گا۔ تاہم طوق وغیرہ کے الفاظ تمثیلی زبان میں ہیں جن کی حقیقت قیامت کو ہی ظاہر ہوگی۔

صرف اس بنا پر کوئی شخص اپنا مال ہرگز اپنے لئے مخصوص نہیں کرسکتا کہ خدا نے اسے کچھ ایسی صلاحیتیں عطا کی ہیں کہ وہ خدا کے مال کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرسکتا ہے۔یہ صلاحیتیں بھی اُسی کی عطا کردہ ہیں۔انسان اس دنیا میں خدا تعالیٰ کا نائب ہے کہ اس کے مال کو صحیح طریق سے خرچ کرے۔جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا۔آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے فرما رہے تھے!رب کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں ہیں۔رب کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں ہیں۔پس میں آپؐ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ (اس طرح) کہتے رہے۔پس میں خاموش نہ رہ سکا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس کے پاس مال بہت ہے۔سوائے اس کے جس نے یوں اور یوں اور یوں بانٹ دیا۔(بخاری) یہاں خاص طور پر بخل سے منع کیا گیا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنا منع نہیں ورنہ اسلام میں زکوٰۃ نہ ہوتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا معاملہ الگ ہے۔وہ اپنے لئے کچھ بھی نہیں رکھتے۔اللہ تعالیٰ خود ان کا کفیل ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بعض دیگر صحابہؓ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خاص طور پر حضرت مولانا حکیم نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۲۔ یہود ہمیشہ سے بوجہ سود خواری مالدار قوم تھی جب کہ مسلمان غریب اور مفلس لوگ تھے۔ مزید یہ کہ ان سے زکوٰۃ ،صدقہ ،خیرات اور جنگی ضروریات کے لئے مال طلب کیا جاتا اس پر

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی

کہا یقیناً اللہ نے تاکید کی ہمیں کہ نہ ایمان لاویں ہم کسی رسول پر یہاں تک کہ

یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ

وہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھاجائے اسے آگ تو کہدے یقیناً لائے تمہارے پاس رسول

مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْہُمْ

پہلے مجھ سے دلائل اور وہ بات جو کہی تم نے پھر کیوں قتل کیا تم نے ان کو

اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ

اگر ہو تم سچے پھر اگر تکذیب کریں تیری تو یقیناً جھٹلائے گئے

یہود کہتے کہ کیا مسلمانوں کا خدا فقیر ہے جو اسے مال کی ضرورت رہتی ہے حالانکہ جانتے تھے کہ جانی اور مالی قربانی ہر مذہب میں فرض ہے۔ فرمایا ان کا خود کو غنی اور خدا کو فقیر کہنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ، یہ تو قبل ازیں اس نظام کی طرف بلانے والے انبیاء کی تخریب اور قتل تک کے درپے رہے ہیں۔ یہ سب ان کے نامہ اعمال میں ہم یقیناً لکھ رکھیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لکھنے کے دوسرے نظام بھی ہوں گے لیکن موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کا لکھنا ایسے نظام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو آج کے سائنسدانوں نے ثابت کیا کہ منہ سے جو بات نکلتی ہے یا کائنات میں ایک کلی بھی چٹکتی ہے ، تو کائنات میں نقش ہوتی جاتی ہے۔ گویا ہر آواز کائنات میں محفوظ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا ریکارڈنگ کا نظام ہے کہ اس میں کوئی خامی واقع نہیں ہوتی۔ اس نظام سے سائنسدان بلین سال پیچھے پہنچ گئے ہیں۔ ہم انہیں کہیں گے کہ جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ عذاب انہیں دنیا میں بھی ملا۔ جب اپنی تمام املاک سے دست بردار ہو کر ملک بدر کئے گئے اور وہی فقیر بے حد و حساب نعمتوں کے وارث بنے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۱۸۳۔ یہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور وہ یقیناً اس عذاب کے حقدار تھے جو دنیا میں بھی ملا اور آخرت میں بھی مقدر ہے۔ اللہ ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

۱۸۴۔ یہود میں سوختنی قربانی کا رواج تھا۔ بعض کو سالم جلا دیتے بعض کا کچھ حصہ آگ میں جلا دیتے اور باقی کا ہن کھاتے (احبار ۴: ۶، ۹۔ ۱۴: ۱۶، ۲۶)۔ شریعت موسوی میں قربانی کا کچھ نہ کچھ حصہ آگ میں ضرور ڈالا جاتا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ کاہنوں کے حرص و ہوا کے جذبہ کو کم کیا جائے۔ جن کی نظر قربانی کی روح پر نہیں بلکہ صرف گوشت کھانے پر ہوتی تھی اور عوام کو بالعموم

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ

رسول پہلے تجھ سے وہ لائے دلائل اور چھوٹی چھوٹی کتابیں اور کتاب

الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۵﴾ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

روشن ہر نفس چکھنے والا ہے موت اور سوائے اسکے نہیں کہ تم پورے دیئے جاؤ گے

اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ

اجر اپنے بروز قیامت پس جو شخص بچایا گیا آگ سے اور

اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ

داخل کیا گیا جنت میں تو یقیناً کامیاب ہوگیا اور نہیں زندگی ورلی مگر اسباب

محروم رکھتے تھے۔ یہود نے اعتراض کیا کہ یہ معجزہ کیوں نہیں دکھایا حالانکہ دانیال نبی کی کتاب کے آخر میں اس کی منسوخی کی پیشگوئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری ہوئی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کا تزکیہ نفس اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ وہ قربانی کی روح سے آشنا تھے اس لئے قربانی کو جلانے کی ضرورت نہ رہی اور یہ گوشت خاص و عام سب کے رزق کا ذریعہ بنا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں بائبل میں ہے کہ آسمان سے ایک آگ آئی اور قربانیوں کو کھا گئی۔ (تواریخ باب ۷) لیکن کہیں بھی آنے والے نبی کی یہ نشانی نہیں بتائی۔

فرمایا جب مجھ سے پہلے رسول روشن نشانوں اور اس سوختنی قربانی کے ساتھ آچکے ہیں تو پھر تم ان کے قتل کے کیوں درپے ہوئے۔ شاید بائبل کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب بادشاہ کے سامنے حضرت الیاس نے یہ معجزہ دکھایا مگر ملکہ آپ کی دشمن ہوگئی اور بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر ایک نبی کے قتل کے درپے ہوا اور مجبوراً آپ کو ملک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا میں پناہ لینی پڑی (سلاطین باب ۱۸، ۱۹) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحقیق کی رو سے کسی نبی کا جسمانی قتل ثابت نہیں۔ نبی کا قتل اس کے مقاصد کا قتل ہے۔ اس کے پیغام کو جھٹلایا گیا تا اس کا سلسلہ تباہ ہو جائے۔

۱۸۵۔ **زُبُر**۔ زبور کی جمع ہے۔ صحیفے مراد ہیں۔ جب کہ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے۔ **الکتٰب المنیر**۔ روشن کتاب۔ مراد تورات۔

فرمایا اگر تمہیں جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے بھی کئی رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں جو کھلے کھلے نشان، الٰہی صحیفے اور روشن شریعت یعنی تورات لائے تھے۔

۱۸۶۔ **زُحزِحَ**۔ زاح۔ دور کیا گیا۔ **فَازَ**۔ **فوز**۔ کامیابی پالینا۔ مراد کو پہنچنا۔ **غُرُور**۔

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ

دھوکا کا البتہ ضرور آزمائے جاؤ گے تم اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور البتہ ضرور سنو گے تم

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ

ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے اور ان لوگوں کی طرف سے (بھی)

اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ

جنہوں نے شرک کیا دل آزاری بہت اور اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو یقیناً یہ

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۷﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ

پختہ بات ہے اور جب لیا اللہ نے جو عہدہ ان لوگوں سے

دھوکہ ۔دھوکہ دینا۔ **غَرُوْر**۔دھوکا دینے والا۔ شیطان ۔

انبیاء کے مخالفین اور عام دنیا داروں نے دنیوی کامیابی و کامرانی اور عیش و عشرت کو ہی زندگی کی اصل غرض و غایت سمجھ لیا۔فرمایا یہ تو فریب دینے والا عارضی سامان ہے جس کا نتیجہ آخرت میں محض خسارا ہے۔اس لئے کہ اس میں رضائے الٰہی شامل نہیں تھی۔وہ مومنین کی بظاہر تنگ دستی اور مفلوک الحالی سے یہ اندازہ لگاتے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔حقیقت یہ ہے کہ کسی کی ظاہری دنیوی حالت سے اس کی اخروی زندگی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔جن کا مقصدِ حیات خدا کی راہ میں قربانیاں کرنا ہوتا ہے ،بے شک انہیں دنیا میں بھی کسی حد تک بدلہ ملتا ہے لیکن وہ پورا نہیں ہوتا۔مومن کی قربانیوں کے شایانِ شان بدلہ مرنے کے بعد قیامت کو ہی ملے گا جب اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگی۔پس وہ جو جہنم سے بچایا گیا اور جنت کی دائمی نعمتوں کا وارث ٹھہرا وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔اسی طرح کفار کو بے شک ان کی نافرمانیوں اور شوخیوں کی سزا کسی حد تک دنیا میں ہی مل جاتی ہے لیکن اصل سزا آخرت میں جہنم کی صورت ملے گی۔

۱۸۷۔مسلمانوں کی زندگی تو ابتلاؤں اور دکھوں سے عبارت تھی لیکن یہاں مزید دو آزمائشوں کی پیشگوئی فرمائی کہ دو سخت ابتلاؤں سے تمہارا واسطہ پڑنا ناگزیر ہے۔ایک جانی و مالی آزمائش دوسرا اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے نہایت تکلیف دہ باتوں کا سننا۔یہ جنگ احد کے بعد کی آیات ہیں۔اس وقت تک مسلمانوں کو شدید جانی و مالی نقصان اور طعن و تشنیع سے واسطہ پڑتا رہا تھا۔لیکن بعد میں روز بروز مسلمانوں کی قوت بڑھتی چلی گئی۔یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تمام عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرایا اور آپؐ کے بعد اسلام تمام دنیا میں پھیل گیا اور ایسے سخت دن پھر کبھی بھی نہیں آئے۔پس یہ پیشگوئی مسیح موعودؑ کے زمانے اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک کے لئے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ

جو دیئے گئے کتاب کہ ضرور کھول کر بیان کرو گے تم واسطے لوگوں کے اور نہ چھپاؤ گے تم اُسے

فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

پھر پھینک دیا انہوں نے اُسے پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور لیا انہوں نے بدلے میں اسکے مول تھوڑا

ہے جیسا کہ احادیث ان حالات کو خوب کھول کر بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں پر ایسا سخت وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کی مشترکہ سازشوں سے تمام مسلم حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھ سے باری باری نکل گئیں۔ جائیداد و املاک چھین لی گئیں ، گھروں سے نکالے گئے ، مرد عورتیں اور بچے تک نہایت بیدردی سے شہید کئے گئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں مسلمان جانی اور مالی مصائب کی چکی میں پس رہے ہیں۔تمام دنیا کی اہل کتاب اور مشرک حکومتیں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں۔ایران و عراق ہو یا افغانستان ، بوسنیا ہو یا سربیا، مارے صرف مسلمان ہی جاتے ہیں اور انہیں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ہر طرح سے ذلیل و خوار ہو چکے ہیں۔عزت نہ دولت اور نہ دنیا میں کوئی مقام لیکن پھر بھی ان کو مزید کچلنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں کہ یہ کبھی بھی سر اٹھانے کے قابل نہ ہوسکیں۔

پادریوں اور مشرکین نے مسلمانوں کی مقدس ہستیوں پر جس طرح نہایت شرمناک الزامات لگائے ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں یہاں تک کہ ہمارے پیارے رسول خاتم النّبیّن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر بے ہودہ اور فحش الزامات کی انتہا کردی۔ ایسی دل آزار اور دکھ دینے والی باتیں کیں جن کی نظیر چودہ سو سال میں نہیں ملتی۔ ''رنگیلا رسول'' اور'' امہات المومنین'' جیسی واہیات اور بیہودہ کتابیں کیا کم تکلیف دہ تھیں کہ ملعونِ زمانہ سلمان رشدی نے اپنی بدنام دہر کتاب SATANIC VERSES میں آنحضرت ﷺ کی توہین کرکے عالم اسلام کے دل چھلنی کر دیئے ۔فرمایا ان تمام جان لیوا مصائب کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور تقویٰ کی باریک ترین راہوں پر گامزن رہنا۔بے شک یہ دل گردے والوں کا کام ہے۔یہاں تقویٰ سے مراد اپنے بچاؤ کی کوششیں کرنا بھی ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ جب ایسے ہی حالات میں وہ پہلے اسلام کو نہ مٹا سکے تو اب بھی انشاء اللہ تعالیٰ اسلام کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور آخری فتح انشاء اللہ اسلام کی ہی ہوگی۔

۱۸۸۔ پچھلی آیات میں یہود کی نافرمانیوں کا ذکر تھا یہاں ان کے علماء کو ان کی بدعہدیوں

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ

پس کیا ہی بُرا ہے وہ جو لیتے ہیں وہ ۔ نہ گمان کرتو ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں ان (کاموں)

بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

پر جو کئے انہوں نے اور وہ پسند کرتے ہیں کہ تعریف کی جائے انکی اس پر جو نہیں کیا انہوں نے

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ

پس نہ گمان کر ان کو بچاؤ میں ہیں عذاب سے اور ان کیلئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۹﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ

عذاب ہے دردناک اور اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹۰﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ع ۱۹ ۹ ۱۰

ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے یقیناً پیدائش میں آسمانوں کی اور زمین کی

کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ تورات میں جابجا علمائے یہود سے تورات کے احکام عوام تک پہنچانے کے لئے پختہ عہد لینے کا ذکر ہے جس میں نبیٔ آخرالزماں کی پیشگوئیاں بھی ہیں۔ علمائے یہود نے اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے عوام کو تورات کی تعلیم سے بے بہرہ رکھا تا کہ اپنی خود ساختہ شریعت پر لوگوں کو چلائیں اور اس میں من مانی تحریف کریں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل نبیٔ آخرالزماں کی آمد کی پیشگوئیاں یہود میں زبان زدِ عام تھیں لیکن آپؐ کے ظہور کے بعد ان کو چھپا دیا گیا کیونکہ آپ کا یہود میں سے نہ آنا ان کی کہانت اور مذہبی اجارہ داری سے گویا دست برداری تھا۔ پس انہوں نے اس حقیر دنیوی مفاد کو اخروی دائمی مفاد پر ترجیح دی۔ان کا یہ سودا کیا ہی برا ہے۔ قرآن کریم کا باربار یہود کو مورد الزام ٹھہرانا ہی اصل غرض نہیں بلکہ مسلمانوں اور ان کے علماء کو متنبہ کرنا مقصود ہے جنہوں نے قریباً ستر احادیث مسیح و مہدی موعودؑ کے متعلق اور آپ کی صداقت میں کئی کھلے نشانوں کو پس پشت ڈال کر عوام کو بے خبر رکھا۔

۱۸۹۔ یہ علماء اپنی کرتوتوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے فخر محسوس کرتے ہیں اور اخلاق و آداب میں اس حد تک گر چکے ہیں کہ بغیر کوئی اچھا کام کئے اپنی جھوٹی تعریف و توصیف اور شہرت کے خواہاں ہیں۔ پس وہ ہرگز عذاب سے مامون نہیں بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔

۱۹۰۔ یہ علماء لوگوں کو تو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن زمین و آسمان کے بادشاہ خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے کیونکہ وہ ہر بات پر پوری طرح قادر ہے۔

۱۹۱۔۱۹۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ دعائیہ آیات اتریں

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۱﴾

اور آگے پیچھے آنے میں رات اور دن کے البتہ نشانات ہیں عقل والوں کے لیے

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ

وہ جو کہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور

يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

غور کرتے ہیں پیدائش میں آسمانوں کی اور زمین کی اے رب ہمارے نہیں پیدا کیا تونے

هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ

یہ (کارخانہ) باطل پاک ہے تو پس بچا ہمیں عذاب سے آگ کے اے رب ہمارے یقیناً تو

مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

جسے داخل کرے گا آگ میں تو یقیناً ذلیل کیا تونے اُسے اور نہیں ظالموں کے لیے کوئی

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے روتے نماز شروع کردی ۔جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی اطلاع کرنے آئے تو رونے کا سبب پوچھا۔ فرمایا! آج مجھ پر یہ آیات اتری ہیں۔ فرمایا! بڑا بدقسمت ہے وہ جو یہ آیات پڑھے اور ان پر غور نہ کرے ۔روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ روزانہ تہجد میں یہ آیات **وللّٰہِ** سے **المیعاد** تک پڑھتے تھے نیز فرمایا! کرتے تھے کہ آل عمران کی آخری آیات پڑھنے والے کے لئے رات بھر کے قیام کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۴ صفحہ ۳۱) یہی آیات یعنی وللہ سے المیعاد تک بھی مراد ہوسکتی ہیں اوراس آخری رکوع کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ان آیات میں **ربّنا** سے دعائیں شروع ہوئیں۔ **ربّنا** اپنی ذات میں ایک مکمل دعا ہے۔حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جب بندہ یا رب یا رب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے !ہاں بندے! سوال کر تجھے عطا ہوگا۔(بخاری)

پس ان کی اہمیت واضح ہے۔پوری سورۃ میں اکثر جانی اور مالی قربانی کی تحریص کی گئی ہے۔اب آخری رکوع میں فرمایا کہ اصل کامیابی محض جہاد بالسیف میں نہیں۔بیشک وہ ایک وقتی ضرورت ہے۔قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو حقیقی کامیابی کی راہ دکھاتا اور دعوتِ فکر وعمل دیتا ہے جو سائنس کی اعلیٰ ترین ترقی اور روحانی ترقیات میں مضمر ہے۔جس قدر سائنس ترقی کرتی جائے گی خدا تعالیٰ کے وجود پر مہر تصدیق ثبت کرتی جائے گی اور قرآن کریم کے حقائق زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آتے جائیں گے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں ایک گھڑی آیات قدرت پر غورکرنا پوری رات کی

عبادت سے بہتر اورمفید ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس غور و فکر کو افضل العبادت کہا۔ (ابن کثیر)

غرض زمین و آسمان کی بناوٹ جس میں کروڑہاکروڑ اجرام فلکی ہیں۔دن رات کا آگے پیچھے آنا ایک مدبر بالارادہ ہستی کا بیّن ثبوت ہیں۔ گویا خدائی پر غورکرکے خدا کو حاصل کریں جو اصل کامیابی اور مقصد حیات ہے۔پس مومن کی شان یہی ہے کہ صحیفۂ کائنات پر غور وفکر کرکے اپنی علمی تحقیقات کی بنا پراشیائے عالم سے خود بھی مستفیض ہو اور دنیا کو بھی مستفیض کرے۔خواہ وہ سائنس یا دیگر اعلیٰ ترین علوم سے آگاہی حاصل کرلے پھر بھی اپنے علم کو ناقص خیال کرتے ہوئے زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد کا خواستگار ہو اور اٹھتے بیٹھتے یہاں تک کہ لیٹے ہوئے بھی خدا کی حمد وثنا میں مصروف رہے جس میں نہ صرف قلب و زبان بلکہ جسم و روح کا ذرہ ذرہ شامل ہو۔ گویا ذکرِ الٰہی اورتفکرِ مخلوق لازم و ملزوم ہے۔یہ کام مسلمانوں کا تھا مگر افسوس انہوں نے اس کی روح کو نہ سمجھا اور تسبیح پھیرنے تک خود کو محدود رکھا اور نظامِ کائنات پر غور وخوض یعنی تحقیقی اور سائنسی علوم کو کفار سے مخصوص کر دیا الاماشاء اللہ حالانکہ قرآن کریم میں مطالعہ کائنات سے متعلق سات سو چھپن آیات ہیں۔یہ سارے قرآن کریم کا قریباً آٹھواں حصہ ہیں۔جب کہ وضو، صوم و صلوٰۃ ،حج ،زکوٰۃ، طلاق اور قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں۔بیشک ابتدائی مسلمانوں نے ان آیات کی روح کو سمجھا ، فطرت کا مطالعہ کیا غور وتفکر کیا ،عقل کا بہترین استعمال کیا اور سائنسی علوم کو معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ بنایا۔یورپی مفکرین نے مسلمان سائنسدانوں اور قدیم مسلمان فلسفی مفکروں کی ناقابل فراموش خدمات کو بارہا تسلیم کیاہے۔ان میں سے مسٹررابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب ''یورپ کی ولادتِ نو'' کے چھٹے باب کے صفحہ نمبر۲۸۰ میں تحریرکرتے ہیں۔

''عربوں نے یورپ میں تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب برپا کر دیا۔اوّل ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیاکے کناروں تک پھیل گیا۔دوئم بارود جس نے زرہ بکتر پہننے والے نائٹوں کے اقدار کا خاتمہ کردیا۔بیشک بارود چینیوں نے بہت پہلے ایجاد کرلیا تھا مگر اس کے استعمال سے نابلد تھے۔ سوئم کاغذ جس سے اشاعت و طباعت کا راستہ صاف ہوا۔اسی طرح کاغذ کی ایجاد میں بھی قدیم چینیوں کاحصہ ہے لیکن مسلمان سائنسدانوں نے اس میں بہتری پیدا کرکے اسے قابل استعمال بنایا۔کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی ترویج سے کم نہ تھا۔''غرض ۷۵۰ عیسوی سے ۱۱۰۰ عیسوی تک

مسلمان دانشوروں کی ایک نہ ٹوٹنے والی لڑی ہے جس میں بوعلی سینا ،ابن خلدون ، جابر ،خوارزمی، رازیؔ، مسعودیؔ،الکندیؔ،الفارابیؔ،البیرونیؔ،اورعمرخیامؔ ہیں۔البیرونی ۹۷۳ تا ۱۰۴۸ عیسوی ابن سیناؔ کا دوسرا عالی مرتبہ ہمعصر تھا۔اس نے افغانستان میں کام شروع کیا ۔البیرونیؔ اورابوالہیثمؔ کے شروع کئے ہوئے کام کے صرف سو برس بعد ہی اسلام میں اعلیٰ سائنسی تحقیق رک گئی۔ صدیوں پہلے ابن خلدونؔ نے لکھ دیاتھا کہ'' جب سے مسلمانوں نے اپنی عقل سے کام لینا اور اپنے ذہن سے سوچنا ترک کر دیاہے۔وہ ایک ایسے زوال کے شکار ہیں جس کا انجام لرزہ خیز ہے'' ۔پس آج نوجوانوں کی کم ازکم نصف افرادی قوت کوسخت سائنسی تربیت کی ضرورت ہے۔انہیں بنیادی اور اطلاقی علوم کو حاصل کرنے کے لئے شدید تگ و دو کرنا ہوگی۔پس اگر مومنین کائناتی علوم پرغور وفکر کے ساتھ ذکر اور دعا سے خدا تعالیٰ کی مدد کے طالب ہوجائیں تو ان عجائبات کو پالیں جن تک غیر کو اب تک رسائی نہیں ہوئی۔نظامِ کائنات پر غورکرتے کرتے جب دنیوی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو مومن روحانی طور پر بھی بینا ہوجاتا ہے اور روح بے اختیار پکار اُٹھتی ہے کہ اے ہمارے رب تونے اس عالم میں کچھ بھی بیکار اور بے فائدہ پیدانہیں کیا۔تو ہمیں عقل سلیم دے کہ ان کا صحیح استعمال جان سکیں اورتیری مخلوق کو فائدہ پہنچاسکیں۔ پس اس سچی شناخت کے بعد وہ خدا کو تمام عیوب سے مبرا پاتے ہیں اوریہ جان جاتے ہیں کہ وہ بے مقصد کام کرنے سے پاک ہے۔ پھر انسان کو بے مقصد کیسے پیدا کرسکتاہے۔ ضرورہے کہ اسے اس کے اعمال کا بدلہ ملے۔ایسے لوگ انجام بخیر کے لئے دعاگو ہو جاتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں آگ سے بچا اور ہماری زندگی کو بے مقصد بننے سے بچا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ۔آپ نے فرمایا کہ **اُولــوالالباب** جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بے مقصد پیدانہیں کی۔ہر وہ چیز جس کا کوئی مقصد نہ ہو اور ردی ہو وہ دنیا میں بھی عام طور پر جلانے ہی کے کام آتی ہے۔پس وہ دعاکرتے ہیں کہ اے ہمارے رب !ہم اپنے اس مقصد کو پالیں ، جس مقصد کے لئے تو نے ہمیں پیداکیا۔کہیں ایسانہ ہوکہ بے مقصد اورغیرنافع چیزوں کی طرح آگ میں جھونکے جائیں۔

دنیا میں جن کوقرب اور شناخت میسر آئی وہ یہیں سکون و راحت کی جنت میں داخل ہوگئے۔جو سچی شناخت سے محروم رہے وہ یہاں بھی بے یقینی اوربے سکونی کے جہنم میں ہیں۔

۱۹۳۔پس جنہوں نے اپنی پیدائش کے مقصد کو پورا نہ کیا وہ آگ میں ڈالے گئے اور ذلیل و رسوا ہوئے۔ظالموں کا تو کوئی بھی مددگارنہیں۔ظلم حقدار کو اس کے حقوق سے محروم کرنا ہے۔

أَنْصَارٍ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ

مددگار اے رب ہمارے یقیناً سُنا ہم نے ایک پکارنے والے کو کہ پکارتا ہے طرف ایمان کی

أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ

کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ایمان لائے ہم اے رب ہمارے معاف فرما ہمیں گناہ ہمارے اور

كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٤﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا

دُور کر ہم سے بدیاں اور وفات دے (کر رکھ) ہمیں ساتھ نیکوں کے اے رب ہمارے اور دے ہمیں

مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ

جو وعدہ کیا تو نے ہم سے معرفت اپنے رسولوں کی اور نہ ذلیل کیجیو ہمیں بروز قیامت

إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٥﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

یقیناً تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کا پس قبول کرلی (یہ دُعا) ان کیلئے رب نے ان کے

وہ اس لحاظ سے ظالم ہیں کہ انہوں نے خود پر عائد کردہ خدا تعالیٰ کے حقوق کو پورا نہیں کیا جو ان کی پیدائش کا مقصد تھا۔

۱۹۴۔۱۹۵۔**منادیًا۔ منادی**۔ نداسے ہے۔ بلند آواز سے بلانے والا۔

اس آگ سے بچاؤ کا ایک ہی طریق ہے کہ آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہیں، سچے دل سے ایمان لائیں اور دعاؤں میں لگ جائیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔ ہماری بدیوں اور کمزوریوں کو مٹادے اور نیکوں میں شامل کرکے ہمیں وفات دے۔ گویا ابرار میں شامل ہونا ہی آخری مقام ہے۔اے ہمارے رب ہمیں ان انعام و اکرام سے نواز جن کا وعدہ تو نے پہلے رسولوں سے ہماری بابت کیا تھا کہ تو ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جو تیرے احکام بجالائے گی اور لوگوں کی مزکی و معلم ہوگی اور ان پر نگران ہوگی۔ پس تو ہمیں وہی قوم بنادے اور قیامت کے دن ہمیں ذلیل و رسوا نہ کرنا کہ ہم نافرمانیوں اور گناہوں کا بوجھ لئے حاضر ہوں۔تو ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس وعدہ سے مراد میثاق النبیین والا وعدہ لیا ہے۔یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب گذشتہ انبیاء کے ذریعہ آخرین کے لئے نصرت اور انعام کے وعدے تھے تو دعا کی کیا ضرورت؟ حقیقت یہ ہے کہ تمام وعدوں کا تعلق اعمال سے ہے اگر اعمال صالحہ اس حد کو نہ پہنچیں تو وعدہ کا ایفا بھی تاخیر میں ڈال دیا جاتا ہے۔مختلف انبیاء کی قوموں میں ایسی بہت مثالیں ہیں۔پس مومن کی دعا اعمال صالحہ کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کے لئے ہوتی ہے تا الٰہی وعدے پورے ہوں۔

اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

یقیناً میں نہیں ضائع کروں گا عمل کسی عمل کرنیوالے کا تم میں سے خواہ مرد ہو خواہ عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

بعض تمہارا بعض سے ہے پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے

دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

گھروں سے اور دُکھ دیئے گئے میری راہ میں اور لڑے اور قتل کئے گئے ضرور میں دُور کروں گا

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ان سے برائیاں ان کی اور ضرور داخل کروں گا میں انہیں باغات میں بہتی ہوں گی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

نیچے جن کے نہریں بدلہ کے طور پر اللہ کی طرف سے اور اللہ وہ ہے کہ پاس اس کے

۱۹۶۔ سورہ البقرہ کا خاتمہ دعا پر تھا لیکن یہاں دعا کے ساتھ قبولیت دعا کی بھی بشارت ہے کہ مرد ہویا عورت ،کالا ہویا گورا ، غلام ہو یا آقا ،تم میں اعمال اور اجر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ فرمایا عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔ گویا بغیر عمل کے دعا محض تضیع اوقات ہے۔ پس ان کے نیک اعمال جو درجہ قبولیت تک پہنچے ،یہ تھے کہ انہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اس میں حبشہ کی ہجرت بھی شامل ہے اور منہیات کا بکلی ترک کرنا بھی شامل ہے۔ پھر گھروں سے نکالے گئے۔اس میں ہجرت مدینہ کی طرف اشارہ ہے جب گھروں سے زبردستی نکلنے پر مجبور کیا جبکہ ان کی مرضی شامل نہ تھی ۔فرمایا پھر میری راہ میں ستائے گئے۔ان دکھوں اور مصائب کی طرف اشارہ ہے جب مدینہ میں بھی جینا دوبھر کردیا گیا اور جنگوں کو مسلط کیا گیا۔ پس حکمِ خداوندی سے انہوں نے جنگوں میں حصہ لیا قتال کیا اور قتل کئے گئے۔ان تمام اعمال حسنہ کے بعد جن میں فقط اللہ کی رضا مدنظر تھی۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں ضرور ان سے ان کی بدیاں دور کر دوں گا۔ فرمایا ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا۔ جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی۔یہ بے شک اخروی وعدہ ہے لیکن ہر وعدے کا کچھ حصہ دنیا میں بھی پورا ہوتا ہے۔چنانچہ آپؐ کے متبعین نہروں اور باغوں والے ملکوں کے مالک بنے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ دجلہ و فرات جیحون اور سیحون انہار الجنہ ہیں۔ پس یہ فتوحات کی بھی پیشگوئی ہے۔ ثواب کا لفظ بھی دو دفعہ آیا ہے جس سے دنیا اور آخرت کے انعامات کی طرف اشارہ ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں! یہاں **اٰخرین** کے لئے بھی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں۔

حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۶﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي

اچھا بدلہ ہے نہ دھوکے میں ڈالے تجھے پھرنا ان لوگوں کا جنھوں نے کفر کیا

الْبِلَادِ ﴿۱۹۷﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

شہروں میں (ان کیلئے) سامان ہے تھوڑا پھر ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور کیا ہی بُرا ہے

الْمِهَادُ ﴿۱۹۸﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ

وہ بچھونا لیکن جو لوگ ڈرے اپنے رب سے ان کیلئے باغات ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ

بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں اس میں بطور مہمانی کے

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۹﴾ وَاِنَّ مِنْ

اللہ کی طرف سے اور وہ جو پاس ہے اللہ کے بہتر ہے واسطے نیکوں کے اور یقیناً بعض

بیشک یہ بھی ان تمام تکلیف دہ مراحل سے گزرے اور گزر رہے ہیں۔ مردوں کے ساتھ خاص طور پر عورتوں کا ذکر کیا۔آج عورتیں ، مردوں کے شانہ بشانہ ہر قربانی میں حصہ لے رہی ہیں۔ پس وہ ضرور ان کی بدیوں کو مٹادے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔

۱۹۷۔۱۹۸۔ **تقلّب** ۔قلب سے ہے۔ پھرنا لیکن **تقلب فی الاموروالبلاد** تصرف کا معنی دیتا ہے۔

کفار کا شہر شہر اور ملک ملک پھرنا ایک تو ان کے تجارتی سفر تھے جن سے مسلمانوں کو مرعوب کرتے تھے۔دوسرا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا جیسا کہ قیصروکسریٰ کی عظیم حکومتوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ موجودہ زمانے کے لئے بھی پیشگوئی ہے اور نصاریٰ مخاطب ہیں ۔ جو اس سورۃ کے حقیقی مخاطب ہیں۔جب بڑے بڑے ملکوں پر ان کا قبضہ اور تصرف ہوجائے گا اور اسلام بظاہر مٹتا ہوا نظر آئے گا۔ فرمایا ان کا ملکوں پر چھا جانا اور اپنے زیرنگیں کرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے یہ چند روزہ فائدہ ہے جس کا انجام جہنم ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔جب کہ آخری غلبہ صرف اسلام کے لئے ہے۔ پچھلی آیات میں مسلمانوں کے لئے کامیابی اور فتوحات کی بشارت تھی یہاں آخری غلبہ کی بشارت ہے۔

۱۹۹۔ **نُزُل**۔ سامان جو نئے مہمان کے لئے تیار کیا جائے۔ کافروں کے انجام کے بعد فوراً ہی مسلمانوں کے انجام کی خوشخبری دی جیسا کہ قرآن کریم کا دستور ہے کہ مومن کو فوراً تسلی دیتا ہے۔ فرمایا مومنین کے لئے باغ ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ

اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اُتارا گیا طرف تیری اور

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

جو اُتارا گیا طرف ان کی ڈرنے والے ہیں اللہ سے نہیں لیتے بدلہ آیات کا اللہ کی

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مول تھوڑا اور یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کیلئے اجر ہے ان کا پاس رب سے انکے یقیناً اللہ

گویا یہ باغ و انہار تو ابتدائی سامان ضیافت ہوگا۔پھر وہ اصل نعماء کون سی ہوں گی۔ احادیث اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کچھ مزید دوں۔وہ عرض کریں گے کہ کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردیئے۔ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا اور جہنم سے نہیں بچا لیا۔اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ پردہ ہٹادے گا اور ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے ہوں گے ان میں سے کوئی انعام بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دید سے مشرف ہوں۔ (مسلم ۔ترمذی) یہ آیت: ۱۹۴ والے ابرار ہیں جن کی دعائیں مستجاب ہوئیں۔

۲۰۰۔ پچھلی آیات میں خصوصاً نصاریٰ کی نافرمانیوں اور واصل جہنم ہونے کا ذکر تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ شاید انہیں ایمان نصیب نہ ہو۔یہاں تسلی دی کہ ان میں سے بھی لوگ ایمان لائیں گے اور مخلص ترین مومن ہوں گے۔ بعض نے نجاشی مراد لیا ہے لیکن یہاں وہ تمام نصاریٰ مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔پیشگوئی بھی ہے کہ آخری زمانہ میں یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ زیادہ اسلام قبول کریں گے۔ جلد حساب لینا دنیا کے انعامات ہیں جن سے وہ نوازے جائیں گے۔

۲۰۱۔ **رابطوا** ۔ ربط۔ ان تربیت یافتہ گھوڑوں کو کہتے ہیں جو سرحدوں پر حفاظت کے لئے باندھے جاتے ہیں۔ گویا سرحدوں کو مضبوط بناؤ تا کہ دشمن ملک کے اندر داخل نہ ہوسکے۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں ایک ہی مضمون بیان ہوا۔بقرہ کی ابتدا مفلحون کے ذکر سے ہوئی۔آل عمران کا خاتمہ **تفلحون** پر ہوا۔ گویا مقصدِ حیات فلاح پانا ہی ہے۔

یہ آیت پوری سورۃ کا خلاصہ ہے۔اس سورۃ میں جہاد اور تقویٰ کا مضمون ساتھ ساتھ چل

سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَ
جلد لینے والا ہے حساب اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور

صَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ ع ۲۰ / ۱۱
ایک دوسرے کو صبر دلاؤ اور دشمن کی سرحد پر قائم رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو

رہے ہیں۔یہاں ان دونوں کا نچوڑ بیان کردیا۔سرحدوں کی حفاظت اور دشمن کے مقابلہ میں چاک و چوبند رہنے کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا کہ دنیا کی فتوحات ہی مقصودِ زندگی نہیں۔حقیقی مقصد تقویٰ ہے۔

صبر کئی طرح سے ہوتا ہے۔۱۔مشکلات میں ثابت قدمی۔۲۔دشمنوں کے ایذا پر صبر۔۳۔ان سے بدلہ نہ لینا۔خدا پر چھوڑ دینا کہ معاف کردے یا بدلہ لے۔۴۔مقابلہ میں استقامت دکھانا۔ ۵۔اپنے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔۶۔منہیات سے بچنا۔۷۔اپنے دکھ سوائے خدا کے کسی سے بیان نہ کرنا۔۸۔صبر میں یہ بھی شامل ہے کہ ضروری نہیں کہ جس چیز کی آپ کو شدید خواہش ہے اسے ضرور ہی حاصل کرلو۔گویا خواہشات سے مجاہدہ کرنا اور نفس کے گھوڑے کو زیر رکھنا بھی اس میں شامل ہے۔کیونکہ مجاہدۂ نفس کا ثواب بھی جہادِ فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔پس پہلا حکم صبر کا ہے دوسرا یہ کہ نہ صرف خود صبر کرو بلکہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرو۔تیسرا رابطوا یعنی سرحدوں پر گھوڑے باندھو۔ نفسانی قومی و ملکی اعداء کے مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔گویا چھاؤنیاں قائم کرو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی رباط ہے۔ربط تربیت یافتہ گھوڑے کو کہتے ہیں۔ گویا بیرونی اور اندرونی جہاد کے لئے تعلیم و تربیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جنگ اور امن دونوں میں قابل عمل ہوں۔صبر و ربط بھی انہیں میں سے ہے۔احادیث میں رباط کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اللہ کے راستہ میں ایک دن کا رباط تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(صحیح بخاری بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے؟صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!ضرور بتائیے۔آپؐ نے فرمایا! دل نہ چاہنے کے باوجود خوب اچھی طرح وضو کرنا،مسجد میں دور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا۔یہ رباط ہے۔(صحیح بخاری کتاب الطہارت باب فضل اسباغ الوضوحدیث نمبر۳۶۹)

مختصر یہ کہ پہلے صبر سے اپنی اور اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کرو۔پھر ہر طرح سے

حفاظتی انتظام کرو گویا ملکی حفاظت سے غفلت ناقابل معافی ہے۔جنگ کا ذکر چھوڑ دیا کیونکہ جنگ سے ہمیشہ واسطہ نہیں ہوگا۔آخر میں تقویٰ کا حکم ہے جس کے نتیجہ میں فلاح حاصل کرو گے۔جو مومن کا انتہائی مقام ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ سورۃ کی اس آخری آیت میں حق و باطل کی آخری جنگ میں کامیابی کے لئے وہ سنہری گر بتا دئے جس پر عمل پیرا ہو کر اسلام نے تمام ادیان پر غالب آنا ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔پس اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں تقویٰ کے ساتھ اس عظیم انقلاب کو دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

☆☆☆

بقیہ آیت ۶۲۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ میں موسیٰ ہوں اور بنی اسرائیل کو لے کر جارہا ہوں اور فرعون نے میرا پیچھا کیا۔حضرت مصلح الموعودؓ نے فرمایا کہ ایسا کسی آئندہ خلیفہ کے زمانہ میں ہوگا جب کوئی فرعون صفت پیچھے لگے گا۔ضیاء الحق نے کہا جماعت احمدیہ ایک کینسر ہے ہم نے ان کو کچلنے کا فیصلہ کیا ہے۔یہ جہاں بھی جائیں گے ہم ان کا پیچھا کریں گے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تمام مکفرین ، مکذبین اور ائمۃ التکفیر کو ۱۰ جون ۱۹۸۸ء کو ایک دعوتِ مباہلہ دی اور اس بارہ میں الٰہی فیصلہ کے لئے ایک سال کی مدت معین کی۔مطبوعہ دعوۃِ مباہلہ کی ایک ایک نقل پاکستان کے تمام بڑے بڑے علماء کو بھجوائی اور اس کی ایک کاپی جنرل ضیاء الحق کو بھی بذریعہ رجسٹری بھجوا دی۔اس آمر نے اس دعوتِ مباہلہ کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ احمدیوں کو مزید تنگ کرنے اور تنگ کرکے پاکستان سے نکالنے پر غور کرنے لگا۔ان حالات کو دیکھ کر ہمارے مقدس امام نے ۱۲ اگست ۱۹۸۸ء کو اس آمر کو مخاطب کرتے ہوئے اسے واشگاف الفاظ میں کہا کہ ”**تم خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے کیونکہ سارے فتنہ کی جڑ تم ہو**“۔اس اعلان کے صرف پانچ دن بعد یعنی ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو یہ فرعونِ وقت بمعہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ایک طیارہ کے حادثہ میں جل کر کیفرکردار کو پہنچا۔ **فاعتبروا یآولی الابصار**ہ۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّسَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ نساء۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو ستر آیات ہیں اور چوبیس رکوع ہیں

اس سورت کا نام النساء ہے۔نام کی مناسبت سے اس میں عورتوں کے حقوق، خانگی مسائل اور معاشرتی امور کا ذکر ہے۔ دوسری کسی سورۃ میں اتنی تفصیل سے ان امور کا ذکر نہیں آیا۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر اصولی تعلیم یعنی توحید و رسالت اور بعث بعد الموت کا ذکر تھا اور وہ سورتیں عموماً چھوٹی ہیں تاکہ ذہنوں پر زیادہ بوجھ نہ پڑے جب کہ مدنی سورتوں میں ایک اسلامی ریاست کے لئے جن اسلامی قوانین و ضوابط کی ضرورت تھی ان کی تفصیلاً نشاندہی کی گئی ہے۔یہ سورتیں لمبی ہیں جو لمبے عرصہ تک حسب ضرورت نازل ہوتی رہیں۔چنانچہ اس سورۃ میں اسلامی تمدن و معاشرت کے سنہری اصول بیان فرمائے جو دنیا کی کسی مذہبی کتاب میں اتنی تفصیل سے بیان نہیں ہوئے۔ اس سورۃ کا زیادہ حصہ ۳ ہجری سے ۵ ہجری تک نازل ہوا اور زیادہ تر یہود اور منافقین کا ذکر ہے۔ کیونکہ مدینہ میں انہیں سے واسطہ تھا۔

پچھلی سورۃ جنگ احد کے ذکر پر ختم ہوئی۔یہاں ان مسائل کا حل بتایا گیا ہے جو اس جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ اس جنگ میں ستر مسلمانوں کے شہید ہونے سے یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کے متعلق نیز احکام وراثت کے متعلق اسلامی قوانین کی ضرورت تھی جو اس سورۃ میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔

پچھلی سورت کا اختتام تقویٰ کی تلقین پر ہوا تھا۔ تقویٰ دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا ہے۔جس اسلامی معاشرے کو اسلام پیش کرنا چاہتا ہے اس کا بنیادی نکتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔حقوق العباد میں سب سے پہلے ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو اس کا حق دلوانا ہے، خواہ یہ جہاد سے ہو یا قانون پر عملدرآمد سے یا وعظ و نصیحت اور اثر و رسوخ سے۔دنیا میں مظلوم ترین یتامیٰ اور بیوگان ہیں جو اپنے سرپرستوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اس سورۃ میں خاص طور پر انہی کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔

جنگ احد سے جنگ احزاب تک کا زمانہ مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش کا وقت تھا۔ بقول صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ایک غزوہ یا سریہ سے آتے اور ساتھ ہی دوسرے کا حکم ہوجاتا۔ پہلی دونوں سورتوں کا مرکزی نکتہ جہاد اور تقویٰ تھا۔جو کامیابی کی کلید ہیں۔ان کے ساتھ سورہ نساء کو لاکر

حقوق نسواں کی اہمیت واضح کی کہ کوئی قوم معاشرتی طور پر مستحکم نہیں ہوسکتی جب تک عورتوں اور بچوں کے حقوق کی نگہداشت نہ کرے۔دنیا کی کسی الہامی کتاب نے عورت کو یہ عزت نہیں دی اور نہ کسی نبی نے عورت کو عزت و احترام کا وہ مقام دیا جو میرے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ آپؐ نے فرمایا!۔ **خیرکم خیرکم لاھلہٖ** ۔(بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔ترمذی کتاب النکاح) یعنی جو شخص اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے وہی سب سے اچھا انسان ہے۔آپؐ نے عورت کو اُس زمانہ میں ورثہ دلوایا جس زمانہ میں وہ خود بھیڑ بکریوں کی طرح ورثہ میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

بھیج درود اس محسن پہ تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار

یہ بھی بتایا کہ ایک کامیاب قوم کے لئے پرسکون عائلی زندگی اور پرسکون معاشرے کی کتنی اہمیت ہے۔ جیسا کہ سورہ روم آیت ۲۲ میں فرمایا **لتسکنوآ الیھا** ۔ تا کہ تم سکون حاصل کرنے کے لئے اپنی عورتوں کی طرف جھکو۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ جو مرد بیویوں سے سکون تلاش کرنے کی بجائے گھروں سے باہر سکون ڈھونڈتے ہیں وہ نہ صرف اپنے گھروں کو برباد کرتے اور اپنی صحت کو تباہ کرتے ہیں بلکہ پورے معاشرے کو جہنم کا نمونہ بناتے ہیں۔جہاں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔جیسا کہ اہل مغرب کا حال ہے کہ باوجود مالی کشائش کے سکونِ قلب ندارد ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو ڈرو اپنے رب سے وہ جس نے پیدا کیا تم کو نفس

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا

واحد سے اور پیدا کی اس (کی جنس) سے بیوی اس کی اور پھیلائے ان دونوں سے مرد بہت سے

وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ

اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے وہ جو کہ تم آپس میں سوال کرتے ہو واسطہ سے اسکے اور (ڈرو) رحموں (کی حق تلفی) سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ② وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

یقیناً اللہ ہے تم پر نگران اور دو یتیموں کو مال ان کے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اس رکوع میں یتامیٰ کے حقوق اور ولیوں کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ساتھ ہی عورتوں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی کیونکہ یتیموں کی طرح ان کا پرسان حال بھی کوئی نہیں تھا۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! ۔اے اللہ! گواہ رہنا میں دو ناتوانوں یعنی یتیم اور عورت کے حقوق دبانے کو حرام قرار دے رہا ہوں۔ یہ آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا۔اس آیت کا خطبہ نکاح میں پڑھنا آنحضرتﷺ کے زمانہ سے مروج ہے۔اس طرح ساری سورۃ کی طرف متوجہ کیا جس میں میاں بیوی کے حقوق اور اسلامی معاشرہ کے قوانین بیان کئے گئے ہیں تا کہ ان حقوق کو ہمیشہ مدنظر رکھیں۔

یہ سورت **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** سے شروع فرمائی ۔الناس انس سے تعلق رکھتا ہے۔اس لئے کہ نکاح اور میاں بیوی کا تعلق بھی انس و محبت کو ہی چاہتا ہے۔ فرمایا اے لوگو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ ربّ کے لفظ میں بتادیا کہ وہ کمالات عطا کرنے والا اور ادنیٰ سے اعلیٰ حالت تک پہنچانے والا ہے۔یہ بھی اشارہ ہے کہ نکاح کی غرض تقویٰ پر ہو۔تم اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرمایا! کہ اس آیت سے پیدائش انسانی کے آغاز پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ابتدا میں ایک ہی جان تھی جو مؤنث کے طور

پر تھی۔اس سے مؤنث ہی جنم لے رہی تھیں۔ سیکس (Sex) کا کوئی تصور نہیں تھا یہ انسان بننے سے بہت پہلے کا دور تھا۔ پھر زندگی آگے بڑھی اور اس کے پہلو سے نر پیدا ہوا۔اس طرح جوڑوں کا آغاز ہوا۔ (ال عمران: ٦٠) جن سے بہت سی عورتیں اور مرد پیدا ہوئے اور دنیا میں پھیل گئے گویا تمام بنی نوع انسان ایک ہی خاندان ہے اور سب کے حقوق برابر ہیں۔اس طرح نسل انسانی میں عالمی اتحاد اور بھائی چارا کی بنا رکھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جو معاشرہ کٹ کر کئی جانوں میں تبدیل ہوگیا وہ اپنی اصل بھول گیا۔ ہم نے کثرت اس لئے پیدا نہیں کی کہ باہم افتراق اختیار کرو، ایک دوسرے سے دلوں کے لحاظ سے پھٹ جاؤ بلکہ اس لئے کہ تعلقات کو باندھے رکھو اور ایک ہونے کی کوشش کرو۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک دوسرے سے رحمی رشتوں جیسا تعلق پیدا کرو گویا ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو۔اب دوبارہ تقویٰ کا حکم دیا جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کھول کر بیان کیا۔آپ نے اس آیت کے اس حصہ کی نہایت لطیف تشریح فرمائی کہ جس خدا سے منتیں کر کے اپنی مرادیں مانگتے ہو یعنی جس کے نام کے واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو یا حاجتیں طلب کرتے ہو، یاد رکھنا کہ وہ خدا تمہیں تعلیم دے رہا ہے کہ اپنے رحمی رشتوں کی حفاظت کرو، ان کے تقاضوں کا خیال رکھو اور ان کی حق تلفی سے ڈرو۔ پس عورت ہو یا مرد جو بھی رحمی رشتوں کا لحاظ نہیں رکھتا اور صلہ رحمی کی بجائے قطع رحمی اختیار کرتا ہے تو ان کے لئے پیغام ہے کہ تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔دعائیں قبول نہ ہونے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں مگر ایک وجہ جو یہاں بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے خاندانی تعلقات کو مضبوط بنانے کی بجائے ایسی حرکتیں کیں کہ یہ تعلقات قطع ہو جائیں تو یاد رکھنا کہ خدا سے اپنے تعلقات منقطع کر لوگے اور جس سے دعائیں کر کے اپنی مرادیں مانگتے ہو، وہ تمہاری مرادیں پوری نہیں کرے گا۔(از ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

پس جتنا کوئی قریبی ہے اس کا حق اتنا ہی زیادہ ہے جیسا کہ حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا! مسکین کو خیرات دینا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔(احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)۔

بے شک اللہ تم پر نگران ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ ان کے حقوق کو کہاں تک ادا کر رہے ہو۔

۳۔ **حُوباً**۔حُوب :گناہ۔

اصطلاح شریعت میں بالغ بچے کو یتیم نہیں کہہ سکتے ۔امام ابو حنیفہ نے اٹھارہ سال بلوغت

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ

اور نہ بدلے میں دو بُری چیز عوض میں اچھی چیز کے اور نہ کھاؤ مال ان کے

إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿٢﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا

(ملاکر) ساتھ اپنے مالوں کے یقیناً یہ ہے گناہ بڑا اور اگر ڈرو تم کہ نہ

تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ

انصاف کروگے تم یتیم لڑکیوں میں تو نکاح کرو جو پسند ہوں تمہیں عورتوں میں سے

مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو تم کہ نہ عدل کروگے تو ایک ہی (کرو)

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا

یا وہ (کرو) کہ مالک ہوئے (جیسے) داہنے ہاتھ تمہارے (یعنی لونڈیوں سے) یہ بات زیادہ قریب ہے کہ نہ بے انصافی کرو تم اور دو

کی حد قرار دی ہے۔

اسلام نے یتامیٰ کی خبر گیری اور ان کے حقوق کی نگہداشت پر بہت زور دیا ہے۔ یہاں صاحب جائیداد یتامیٰ کے حقوق کا ذکر ہے۔ اس تعلق میں تین احکام دیئے۔ اوّل یہ کہ یتامیٰ کو ان کا مال دو۔ یعنی حسب ضرورت ان کی تعلیم و تربیت اور ضروریات پر ان کا مال خرچ کرو اور جب بالغ ہوجائیں تو ان کے حوالے کردو دوئم یہ کہ ان کی اچھی اور عمدہ چیز کو اپنی ردی اور گھٹیا چیز سے نہ بدلو۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان کا مال بہر حال تمہارے لئے حرام و خبیث ہے جب کہ تمہارا اپنا مال ہی تمہارے لئے پاک وطیب ہے۔ سوئم یہ کہ ان کا مال اپنے مالوں میں ملاکر نہ کھاؤ یعنی بظاہر تجارت میں شراکت ظاہر کرو لیکن غرض مال کا کھانا ہو۔ آنحضرت ﷺ کو یتامیٰ کے مال کی کس قدر فکر تھی اس حدیث سے ظاہر ہے۔ حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! خبردار جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو اور اس یتیم کے پاس مال ہو تو اس سرپرست کو چاہیئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے اور بغیر تجارت کے اس کو نہ چھوڑے ورنہ زکوٰۃ اس کو کھا جائے گی۔ (ابو داؤد)

غرض یتیم کا مال کسی طریق سے بھی کھانا سخت گناہ ہے۔

۴۔ طاب۔ عمدہ اور پاکیزہ ہونا۔ **ماطاب لکم** ۔ عمدہ اور پاکیزہ ہونے کی وجہ سے نفس کا مائل ہونا۔ جو تمہیں پسند آجائے۔ **تعولوا** ۔ مادہ عول۔ بھاری بوجھ یا مصیبت کے نیچے دب جانا۔ **الأتعولوا**۔ کثرت عیال سے تم دب نہ جاؤ۔ تم ناانصافی سے بچو۔

یتیموں کا مال غلط طریق سے ہتھیانے کے علاوہ بھی ان پر ظلم ہوتا تھا۔ اس طرف توجہ فرمائی۔ فرمایا ان یتیم بچیوں سے جن کی تم نے پرورش کی یا ان کی ماؤں سے نکاح ناجائز نہیں لیکن اگر یہ ڈر ہو کہ ان کو لاوارث سمجھ کر ان کے مال میں ناحق تصرف کروگے یا حق مہر کم دوگے یا صحیح عزت نہ دو گے یا ان کے یتیم بچوں سے حسن سلوک نہ کرسکو گے یا دوسرے حقوق احسن طریق سے پورے نہ کر سکو گے تو ان سے نکاح مت کرو۔ ان کے علاوہ جو تمہیں پسند ہوں یعنی پسند کا خیال ضرور رکھا جائے۔ پس دو یا تین یا چار تک سے حسب ضرورت نکاح کرسکتے ہو بشرطیکہ پورا عدل کرسکو اگر تمہیں ڈر ہو کہ انصاف نہیں کرسکوگے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔ گویا دوسرے نکاح کے لئے عدل کی کڑی شرط لگا دی کہ اگر انصاف نہ کرسکو تو ایک ہی نکاح کرو خواہ ضرورت بھی پیش آئے۔ اس آیت سے قبل از نکاح لڑکی کو دیکھنے اور پسند کرنے کا بھی جواز ہے فرمایا جو تمہیں پسند ہو جیسا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جگہ انہوں نے منگنی کا پیغام بھیجا تو آپؐ نے فرمایا! کہ اس لڑکی کو دیکھ لو، کیونکہ اس طرح دیکھنے سے تمہارے اور اس کے درمیان موافقت اورالفت کا امکان زیادہ ہے۔ (ترمذی) اہل عرب اکثر متعدد بیویاں نکاح میں لے آتے اور عدل بھی نہ کرتے۔ اسلام نے چار کی حد مقرر کی اور بہتر ایک کو ہی قرار دیا۔ اس لئے کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے۔ آنحضرت ﷺ کی مثال موجود ہے کہ عین جوانی میں ادھیڑ عمر کی خاتون سے شادی کی اور جوانی کے ۲۵ سال ان کے ساتھ گزارے۔ ان کی وفات کے بعد بھی قریبا تین سال حضرت سودہؓ کے ساتھ گزارے جن کی عمر ساٹھ سال تھی۔ پچپن سال کے بعد آپ کی شادیوں کا مقصد عورتوں کو اپنی صحبت میں رکھ کر علم دین سکھانا تھا تاکہ دوسری عورتوں کو اپنے نمونہ اور تعلیم سے ہدایت دے سکیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مسلمانوں کو دن رات جنگوں سے واسطہ تھا جن کا دائرہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ایک لمبے عرصہ پر محیط رہا۔ وصالِ رسول اللہ ﷺ کے بعد بعض مشہور جنگوں میں ہزارہا مسلمان شہید ہوئے جیسے جنگ قادسیہ میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ جس سے عورتوں اور بیواؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ان حالات میں نسل انسانی کی بقا اور معاشرے کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے تعددِ ازدواج کی ضرورت تھی اس جیسے حالات کبھی بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے اس میں ہر مرض کا علاج ہے کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح تعددِ ازدواج شرعی ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اسلام میں ہر قسم کی بدنظری اور فحاشی حرام ہے معصیت سے بچنے کے لئے دوسری شادی جائز ہے لیکن تقویٰ مدنظر ہو۔ محض عیاشی کے لئے شادی کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔ اس طرح اولاد نہ ہونے کی صورت میں یا بیوی کو کوئی لاعلاج مرض لاحق ہو جانے

النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ

عورتوں کو مہر ان کے دلی خوشی سے پھر اگر وہ چھوڑ دیں تمہارے لیے کچھ

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ

اس میں سے دل سے تو کھاؤ اُسے رچتا پچتا اور نہ دو کم سمجھوں کو

سے ، جیسے دیوانگی وغیرہ کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ ہو ، یا کسی اور شرعی ضرورت کے تحت ، دوسری شادی جائز ہے۔تاہم فرض ہرگز نہیں اور عدل کی قید بہر حال ہے۔بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام پارچہ جات، خرچ خوراک ،معاشرت حتّٰی کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے۔ یہ حقوق پورے طور پر انسان کو معلوم ہوں تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے ،تلخ زندگی بسر کرلینا ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ تعددِ ازدواج کی نسبت سے اسلام جو تعلیم دیتا ہے تو صرف اس لئے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اسے بطور علاج ہی رکھا ہے۔پہلی بیوی کی دلآزاری کے لئے یہاں تک فرمایا کہ اگر اس کی دلشکنی ہوتی ہو تو اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی دلداری کے لئے کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔(بدر جلد ۸ نمبر ۷۔۸۔۹ مورخہ ۲۴/ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

باقی رہا لونڈیوں کا مسئلہ ۔اوّل تو ماملکت میں ماضی کا صیغہ ہے کہ پہلے جو ہو چکا اس کو نبھاؤ اور آئندہ ایسے حالات پیدا ہوتے جائیں گے کہ یہ مسائل ہی ختم ہوجائیں گے۔ جیسا کہ آج کل جنگی قیدیوں کو غلام یا لونڈیاں نہیں بنایا جاتا۔ پس آج کل مسلمانوں پر بھی کسی قیدی کو غلام یا لونڈی بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۲۴۳۔۲۴۵)اسی طرح آج کل مسلم فرمانرواؤں کا لونڈیاں رکھنا قطعاً حرام ہے۔

پس نکاح میں اصل الاصول یہی ہے کہ ایک ہی بیوی ہو تا کہ ہر قسم کی ناانصافی اور کثرتِ عیال کے بوجھ سے بچ سکو۔

۵۔ **صدقات** ۔صدقہ کی جمع ہے۔ مادہ صدق ہے۔وہ مال جو قرب حاصل کرنے کے لئے دے۔حق مہر کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا مقصد بھی میاں بیوی میں قربت پیدا کرنا ہے ۔ **نحلة** ۔نحل سے ہے جس کے معنی شہد کی مکھی کے ہیں ۔جو شہد بغیر معاوضہ دیتی ہے۔پس وہ عطیہ جو بغیر مطالبہ خوشدلی سے دیا جائے۔ **هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا** ۔عربی میں دعائیہ کلمہ ہے یعنی جو چیز مزے میں بھی اچھی ہو اور انجام میں بھی اچھی ہو۔بلاتردّد شوق سے (کھاؤ پیئو)۔طبن ۔خوشی سے۔

اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

مال اپنے کہ جنہیں بنایا اللہ نے تمہارے لیے قیام کا ذریعہ اور کھلاؤ ان کو

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا

اس میں سے اور پہناؤ ان کو اور کہو ان کو بات مناسب اور آزماتے رہو

الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ

یتیموں کو یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جاویں نکاح (کی عمر) کو پھر اگر دیکھو تم انکی طرف سے

رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا

درستی تو سونپ دو طرف ان کی مال ان کے اور نہ کھاؤ وہ (مال) فضول خرچی کے طور پر

وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ

اور جلدی جلدی کہ وہ بڑے ہوجاویں گے اور جو ہو دولتمند تو چاہیئے کہ بچے (مال کھانے سے) اور

نکاح کا ذکر آیا تو حق مہر کا ذکر بھی کر دیا۔ قرآن کریم کا دستور ہے کہ اسی طرح ضمنی چیزوں کی ضروری تشریح بھی ساتھ ساتھ کرتا جاتا ہے۔بتایا کہ یہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں بلکہ خاوند کی طرف سے بطور ہدیہ ہے ،جسے بغیر مانگے جلد سے جلد ادا کرنا چاہیئے ۔ گویا خاوند کی استطاعت کے اندر ہونا چاہیئے ۔ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے پورا یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اسے بلا تردد شوق سے کھاؤ۔اگر خاوند چاہے تو بعد میں مہر بڑھا بھی سکتا ہے ۔حق مہر رقم میں مقرر ہونا ضروری نہیں ۔ زیور یا جائیداد وغیرہ بھی حق مہر میں دی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت اپنا حق مہر معاف کردے لیکن بعد میں مطالبہ کرے تو خاوند ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

بعض جاہل اقوام میں حتّٰی کہ بعض عرب قبائل میں بھی شادی کے وقت بعض والدین مہر کی رقم وصول کرتے ہیں۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔یہ خالصتہً عورت کے لئے ایک تحفہ ہے ، جس طرح چاہے خرچ کرے۔ ہاں ! عورت اپنی مرضی سے اپنے بہن بھائیوں یا والدین پر خرچ کرنے کی مجاز ہے۔

۶۔۷۔ **بدارًا** ۔بدرا ۔ جلدی کی۔ بدر پورے چاند کو کہتے ہیں کیونکہ وہ جلد نکلتا ہے ۔ **يستعفف** ۔مادہ **عفّ** ہے۔**عفة**۔ رُکنا ۔ غلبہ شہوت سے رُکنا۔ پاکدامنی ۔یہاں مراد مال کھانے سے رُکنا ہے۔**يستعفف**۔اسے چاہیئے کہ بچ کر رہے۔ یتیم کا لفظ نہ لاکر مضمون میں بہت وسعت پیدا کردی۔یتیم ، غیر یتیم ۔بیوی بچے، دوست و احباب میں جو بھی کم عمر و نادان یا کم عقل اور بیوقوف

مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

جو ہو ضرورتمند تو چاہیئے کہ کھاوے مناسب طور پر پھر جب سونپ دو تم

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦

طرف ان کی مال ان کے تو گواہ کرلو اس پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۔

مردوں کے لیے حصّہ ہے اس سے جو چھوڑا والدین اور رشتہ داروں نے

ہوں سفہاء میں شامل ہیں۔ جنہیں صحیح خرچ کرنے کا سلیقہ نہیں آتا اور جن میں انتظامی صلاحیت کم ہے۔ یہاں بجائے ان کے مال کے تمہارا مال کہا کہ جو تمہاری بقا کا موجب ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ کسی بھی شخص کا مال دراصل قوم کا مال ہے اور اس کی تباہی کا قومی معیشت پر اثر پڑتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عربوں میں معروف طریقہ یہی رائج تھا کہ یتامیٰ کے مال کو تجارت میں لگاتے اور منافع یتامیٰ کے اور اپنے استعمال میں لاتے۔ اس لئے ایک طرح سے ولیوں کے مالی سہارے کا بھی باعث تھا۔ اس طرح رأس المال بھی محفوظ رہتا۔ اسلام نے نادار ولیوں کے لئے یہی معروف طریقہ قائم رکھا لیکن دولت مند ولیوں کے لئے پابندی لگا دی کہ وہ کلیتہً اجتناب کریں۔ فرمایا کہ انہیں مناسب کھانا کپڑا دو۔ کھانے کپڑے میں تمام لوازماتِ زندگی آ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کو سمجھ کی باتیں بتاتے رہو گویا ان کی تعلیم و تربیت کرو تاکہ جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ تجارت، صنعت و حرفت یا کوئی اور کام جو ان کی افتادِ طبع کے موافق ہو انہیں سکھاؤ پھر ان کی آزمائش بھی کرتے رہو۔ یہاں تک کہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنی جائیداد یا مال کی حفاظت کرسکیں اور تجارت یا کسی اور ذریعۂ معاش سے باعزت زندگی گزار سکیں جب بلوغت کو پہنچ جائیں اور ان میں سمجھ کی پختگی محسوس کرلو کہ ان میں مال کو صحیح استعمال کرنے کی اہلیت پیدا ہوگئی ہے۔ تجارت یا کسی اور پیشہ سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرسکتے ہیں تو ان کا مال گواہوں کی موجودگی میں ان کے سپرد کر دو۔ ہر قسم کی بد دیانتی سے بچو ایسا نہ ہو کہ ان کے جوان ہونے کے ڈر سے ان کا مال جلد جلد کھا جاؤ۔ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق جن میں بلوغت کے بعد بھی عقل و رشد کی کمی رہے ان کا مال سات سال تک مزید روکا جاسکتا ہے لیکن ایسا فیصلہ خلیفۂ وقت یا حاکم وقت کے اختیار میں ہوگا۔

اگر ذرا بھی بددیانتی کے مرتکب ہوئے تو اللہ تو حساب لینے میں اکیلا ہی کافی ہے یہ حساب دنیا میں بھی لیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی۔

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ

اور عورتوں کے لیے حصہ ہے جو چھوڑا والدین اور رشتہ داروں نے

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝٨ وَاِذَا حَضَرَ

اس سے جو کم ہوا یا زیادہ حصہ ہے مقررہ اور جب حاضر ہوں

قرآن کریم نے مال کی حفاظت، اسے فروغ دینے، اپنے اور اپنے اہل و عیال پر نیز دینی ضروریات اور بندگان خدا پر خرچ کرنے کی ترغیب دی لیکن مال جمع کرنے کو زندگی کا مقصد بنانے سے سخت منع فرمایا۔

اس آیت میں تربیتِ اولاد کے طریق بھی کھول کر بتا دیئے۔ جس میں ان کی ضروریات زندگی کا خیال رکھنا، انہیں اچھی باتیں بتانا، ان کی صحیح تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں مناسب ذریعۂ معاش کی تربیت دینا ہے۔ تاکہ ایک کامیاب زندگی گزار سکیں۔ بعض مفسرین نے آیت:۶ کو خاص طور پر بیویوں پر عائد کیا۔ اگر ایسا ہے تو بھی خاوندوں کا کم عقل بیویوں کے سپرد اپنے ایسے اموال کر دینا جو ان کے لئے اقتصادی قیام کا ذریعہ ہیں، ہرگز دانشمندی نہیں۔ ہاں ان اموال سے ان کی جائز ضروریات پوری کرنا ان کی کمزوریوں سے صرف نظر کرنا اور انہیں عمدہ طریق سے سمجھاتے رہنا خاوند کی ذمہ داری ہے تاکہ ان میں آہستہ آہستہ سمجھداری پیدا ہو جائے۔

۸۔ یہاں سے احکامِ وراثت شروع ہوتے ہیں ۔ جن میں عورتوں اور یتیم و غیر یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق سرِفہرست ہیں۔ گویا اسلام نے سب سے پہلے کمزوروں کا حق دلایا۔

عربوں میں عورتوں اور بچوں کے لئے ترکہ کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ ترکہ صرف جنگجو سپاہیوں کی میراث ہوتا، کیونکہ وہی ملک و قوم کے محافظ سمجھے جاتے۔ یہی حال دوسری اقوام کا تھا بلکہ آج بھی بعض اقوام میں یہی دستور ہے کہ بڑے بیٹے کو پوری جائیداد کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ باقی سب محروم رہتے ہیں۔ اس طرح ایک سرمایہ دارانہ نظام معرضِ وجود میں آتا ہے جب کہ اسلام نے قانونِ وراثت سے دولت کو تقسیم در تقسیم کر دیا تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ سے بھی یہ مقصد پورا ہوا۔ تقسیمِ ورثہ کے عظیم مقاصد و فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ ورثہ کی تقسیم سے جاگیردارانہ نظام اور کاہلی کا قلع قمع ہوا۔ اب کوئی باپ دادا کی کمائی پر گلچھرے نہیں اڑا سکتا بلکہ اپنے قوتِ بازو اور تدبیر و کوشش سے روپیہ پیدا کرتا ہے۔ عدل کا تقاضا بھی یہی تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی کا کمال تھا کہ صدیوں پرانے رسوم و قیود کی زنجیروں کو توڑا

الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

تقسیم میں رشتہ دار اور یتیم اور مسکین تو کھلاؤ ان کو

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۹﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ

اس (ترکہ) سے اور کہو ان کو بات مناسب اور چاہیئے کہ ڈریں (تقسیم کرنیوالے) لوگ کہ اگر

تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

چھوڑ جاویں وہ پیچھے اپنے اولاد کمزور تو ان کو خوف ہو ان کے متعلق

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

پس چاہیئے کہ ڈریں اللہ سے اور چاہیئے کہ کہیں بات مضبوط یقیناً جو لوگ

اور اپنے جانباز مجاہدوں کے حقوق چھین کر عورتوں اور بچوں کو ورثہ میں حصہ دلایا۔ کوئی ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی مجاہد نے اس حکم کو اپنی حق تلفی سمجھا ہو۔

فرمایا جس طرح والدین اور اقربین کے ترکہ میں مردوں کا حق ہے اس طرح عورتوں کا بھی حق ہے۔خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ ۔اس میں بچے اور بچیاں بھی شامل ہیں۔یہ خدا کی طرف سے مقرر شدہ حصہ ہے۔

۹۔جب تقسیم ترکہ کے وقت غیر وارث اقرباء، یتامیٰ اور مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اخلاق اور نرمی سے پیش آ ؤ۔ ضروری نہیں کہ وہ موجود ہی ہوں، کہیں بھی ہوں ان کا خیال رکھو بلکہ صاحبِ جائیداد خود ان کے لئے وصیت کر جائے تو زیادہ بہتر ہے۔اس طرح اسلام کے دائرۂ حسنِ سلوک کو مزید وسیع کیا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں! یہاں مسلم یا غیر مسلم کی شرط نہیں لگائی۔نہ قرابتداروں کا غریب ہونا ضروری ہے۔قرابتداروں میں پوتا بھی شامل ہو سکتا ہے۔ان سے اچھی بات کہا کرو یعنی خیرات سمجھ کر نہ دو ، نہ احسان جتاؤ بلکہ ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھو اور پیار و محبت سے پیش آ ؤ۔

۱۰۔ وارثان کو خدا کا خوف دلایا کہ اگر تم اپنے پیچھے کمزور اور کمسن اولاد چھوڑ جاؤ تو تم کبھی نہیں چاہو گے کہ ان سے ناانصافی ہو۔پس تمہیں بھی ان یتیموں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور صاف اور سیدھی بات کہنی چاہیئے۔یعنی کوئی ایسی گول مول بات نہیں کرنی چاہیئے کہ جس سے ان کمزوروں کی حق تلفی ہو اور تم ظلم و زیادتی کے مرتکب بنو۔

۱۱۔یہ اس مضمون اور رکوع کی آخری آیت ہے اس لئے پھر دہرایا کہ یتامیٰ کا مال کھانا معمولی بات نہ سمجھو بلکہ یہ آگ ہے جو تم اپنے پیٹوں میں ڈال رہے ہو اور یہ وہ اسباب ہیں جو تمہیں جہنم کی

يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق سوائے اسکے نہیں کہ وہ کھاتے ہیں

بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ

اپنے پیٹوں میں آگ اور ضرور جلیں گے وہ آگ میں وصیت کرتا ہے تم کو اللہ

ع ۱ / ۱۲

فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ مرد کے لیے برابر ہے حصّہ دو عورتوں کے پھر اگر ہوں وہ

نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ

(اولاد) عورتیں زیادہ دو سے تو ان کے لیے دو تہائی ہے اس سے جو چھوڑا اس (ماں باپ) نے اور اگر ہو وہ (بیٹی)

بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کریں گے۔ایسے لوگ دنیا میں بھی جہنمی زندگی گزارتے ہیں اور انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا۔ یہاں کسی خاص قوم کا ذکر نہیں۔ مومن و کافر سب اس میں شامل ہیں۔

۱۲۔ **اولاد**۔ ولد کی جمع ۔ **اخوۃ**۔ بھائی۔ لیکن بھائی اور بہنیں دونوں شامل ہوتے ہیں۔

اس چھوٹے سے رکوع میں جس طرح تمام احکامِ وراثت کو تفصیلاً بیان کیا، یہ صرف قرآن کریم کا ہی کمال ہے۔ان احکامِ وراثت کو حل کرنے کے لئے عرب حساب دان ابو جعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے نویں صدی عیسوی کے ابتدا میں الجبرا ایجاد کیا اور وراثت کے بعض پیچیدہ مسائل کو سلجھایا ۔مسلمان دانشوروں کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ مشہور محقق اور سائنسدان البیرونی جس نے آج سے قریباً ایک ہزار سال قبل زمین کا قطر دریافت کیا جس کا فرق اس دور کے سائنسدانوں کے دریافت کردہ قطر سے صرف پندرہ کلومیٹر ہے اور مزید بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا، اس کے آخری لمحات اس کے ایک ہمعصر نے بیان کئے کہ میں نے سنا البیرونی مر رہا ہے۔میں تیزی سے اس کے گھر گیا کہ آخری بار اسے دیکھ سکوں۔ میں نے بتایا کہ میں آیا ہوں۔اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا کیا تم فلاں فلاں ہو؟ میں نے کہا۔ہاں۔اس نے کہا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم وراثت کے ایک مشکل مسئلے کا حل جانتے ہو۔ پھر اس نے ایک معروف چیستان کی طرف اشارہ کیا ۔میں نے کہا اے ابو ریحان! کیا تم اس وقت اس کا جواب چاہتے ہو؟ البیرونی نے کہا۔کیا تمہارے خیال میں یہ بہتر نہیں کہ میں آگاہ ہو کر مروں، بجائے اس کے کہ میری جان غفلت میں نکلے۔میں نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ جو مجھے معلوم تھا بتا دیا اور اس سے اجازت چاہی۔میں ابھی اس کے گھر سے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ مجھے اندر سے چیخوں کی آواز آئی۔البیرونی مر چکا تھا۔وہ محقق اور سائنسدان مر چکا تھا جس نے اپنی زندگی کے آخری لمحات بھی حصولِ علم کے لئے مختص رکھے۔

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ایک تو اس کے لیے نصف ہے اور واسطے اس (میت) کے ماں باپ کے (یعنی) واسطے ہر ایک کے ان میں سے

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن

چھٹا حصہ ہے اس کا جو چھوڑا اس (میت) نے اگر ہو واسطے اس (میت) کے اولاد پس اگر نہ ہو واسطے

لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ

اس کے اولاد اور وارث ہوں اسکے ماں باپ اسکے تو اس کی والدہ کیلئے تیسرا حصہ ہے پھر اگر ہوں اس (میت) کے

إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا

بھائی تو اسکی والدہ کے لیے چھٹا حصہ ہے بعد وصیت کے کہ وصیت کرے (میت) اسکی

احکامِ وراثت کا اصل مقصد عورتوں اور یتیموں کو ان کا حق دلانا تھا۔والدین بھی کمزور و ضعیف ہوتے ہیں۔وراثت میں ان کا حق بھی دلایا۔اسلام کے مقابلہ میں دو معیشتیں دنیا میں رائج ہوئیں جنہوں نے کمزوروں کو سبز باغ دکھائے ایک تو بولشزم (Bolshevism) جس کی ہوا نکل چکی ہے اور اپنی موت مرچکی ہے۔دوسری نظامِ سرمایہ داری (Capitalism) جو اپنے زخمی پاؤں پر ڈگمگا رہی ہے۔اس کا انجام بھی قریب ہے۔صرف اسلام ہی ایک ایسا لائحہ عمل پیش کرتا ہے جس پر چل کر دنیا ظلم و زیادتی اور دکھوں سے بچ سکتی ہے اور ایک پرسکون معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔جس میں بحیثیت انسان مومن و کافر، کالے اور گورے، کمزور و طاقتور، امیر و غریب اور آقا و غلام میں کوئی تمیز نہیں ہوگی۔گویا اسلامی قانون ہی عملی مساوات پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلے نسبی حقوق بیان فرمائے۔قوانین وراثت مختصر طور پر اس طرح ہیں۔مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دگنا ہے۔یہ ہرگز ناانصافی نہیں اس لئے کہ عورت خاوند کی طرف سے حق مہر اور جائیداد میں حصے کی حقدار ہے اور اسلامی معاشرہ میں کسب معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے۔کنبے کے اخراجات کا کفیل مرد کو ٹھہرایا، عورت کو نہیں۔(بقیہ سورۃ کے آخر میں ملاحظہ کیجئے) اسلام نے تقسیم ورثہ میں اصل حق قرابت اور زوجیت کا رکھا ہے۔سب سے پہلے اولاد اور ماں باپ کا حق ہے۔ان کے ہوتے ہوئے بہن بھائیوں کا حصہ نہیں۔پھر خاوند اور بیوی کے حصے ہیں۔اگر اولاد نہ ہو تو بعض حالات میں بھائیوں کا حصہ ہے۔اس طرح جتنا کوئی قریبی ہو اتنا ہی زیادہ حق دار ہے۔ادائیگی وصیت میں سب سے پہلے متوفی کا قرض ادا ہوگا۔اسلام میں قرض ادا کرنے کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی مقروض کا نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ فرماتے کہ کوئی صحابی جنازہ پڑھا دے۔ آپؐ نے فرمایا! کہ قرض شہید کا بھی معاف نہیں ہوگا۔(بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسلم)

أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ

یا (اور) قرضہ کے باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے نہیں جانتے تم کہ کون ان میں سے

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

زیادہ قریب ہے تمہارے لیے نفع میں (یہ تقسیم) فرض ہے اللہ کی طرف سے یقیناً اللہ ہے

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٢﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن

خوب جاننے والا حکمت والا اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے اگر

لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

نہ ہو واسطے ان کے اولاد پس اگر ہو واسطے انکے اولاد تو واسطے تمہارے چوتھا حصہ ہے

ادائیگی قرض کے بعد جو اس نے وصیت کی ہوئی ہے وہ ادا ہوگی۔قانون وصیت یہ ہے کہ ۱/۳ حصہ تک کل جائیداد میں سے کسی بھی رفاہی ادارے، اشاعتِ دین یا غیروارثوں میں سے جن کو مناسب سمجھے، دے سکتا ہے۔یہاں پوتے والا مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ اگر دادا چاہے تو اسے یا کسی بھی غیر وارث کو اپنی جائیداد میں سے ۱/۳ تک دے سکتا ہے۔حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں۔(کہ کسی ایک وارث کو زیادہ حصے کی وصیت کرجائے) ہاں زندگی میں جس طرح چاہے کرے۔بہر حال اولاد کے معاملہ میں بھی انصاف کی ہی تلقین ہے۔(مشکوٰۃ) جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ان کے والد ان کو لائے اور عرض کیا! میں نے اس بچے کو ایک غلام تحفہ دیا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا تحفہ دیا ہے۔میرے ابا نے عرض کیا! نہیں حضورؐ۔ آپؐ نے فرمایا! یہ تحفہ واپس لے لو۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد سے انصاف اور مساوات کا سلوک کرو۔اس پر میرے والد نے وہ تحفہ واپس لے لیا۔ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! مجھے اس ہبہ کا گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم کا گواہ نہیں بن سکتا۔(بخاری)

قرضہ ادا کرنے سے پہلے وصیت کا ذکر اس لئے کیا کہ وصیت کل جائیداد کی ۱/۳ تک کی جاسکتی ہے۔پس سب سے پہلے قرضہ ادا ہوگا پھر ادائیگی وصیت۔جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ آپ لوگ یہ آیت تلاوت کرتے ہیں **من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین** ط۔ اس میں گو لفظ وصیت کو مقدم رکھا لیکن عملی طور پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین کے بعد رکھا۔(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی صفحہ ۲۶۴)۔اگر حق مہر ادا نہیں ہوا تو وہ

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَ

اس کا جو چھوڑا انہوں نے بعد وصیت کے کہ وصیت کریں وہ جس کی یا قرض کے اور

لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

واسطے ان (تمہاری بیویوں) کے چوتھا حصہ ہے اسکا جو چھوڑا تم نے اگر نہ ہو واسطے تمہارے اولاد پس

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اگر ہو واسطے تمہارے اولاد تو واسطے ان کے آٹھواں حصہ ہے اس کا جو چھوڑا تم نے بعد

وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ

وصیت کے کہ تم وصیت کرو جس کی یا قرض کے اور اگر ہو کوئی مرد جس کا کسی نے وارث ہونا

كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ہو کلالہ یا عورت ہو (کلالہ) اور واسطے اس (کلالہ) کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو واسطے ہر ایک کے ان دونوں میں سے

بھی قرضہ میں شامل ہوگا۔پھر باقی جائیداد میں سے تقسیم اس طرح عمل میں آئے گی۔عورت = ۳/۱، مرد = ۳/۲ حصہ ہے۔ اگر صرف لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لئے ترکہ کا ۳/۲ حصہ ہے۔اگر ایک ہی لڑکی ہو تو کل میں سے نصف اس کا ہے۔باقی جائیداد رشتہ داروں کو جائے گی۔اگر متوفٰی کے ماں باپ ہوں تو اولاد کو اسی حساب سے ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو کُل جائیداد کا ٦/١ حصہ ملے گا۔ اگر متوفٰی بے اولاد ہو بہن بھائی نہ ہوں اور صرف ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا ایک تہائی اور باپ کا ظاہر ہے کہ دوتہائی ہے۔ اگر متوفٰی کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا حصہ ٦/١ ہے ۔حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ جو ماں کا حصہ کم ہوا وہ بہن بھائیوں کو ملے یعنی ٦/١ اور باپ کو باقی ۳/۲۔

قرآن کریم نے بعض باتیں مصلحتاً کھول کر نہیں بتائیں اور اکثر کے کئی کئی معانی ہیں۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اہل علم و دانش زمانہ اور حالات کے مطابق استدلال کریں۔قانونِ وراثت میں بھی یہی گہری حکمت ہے۔فرمایا تم نہیں جانتے کہ ماں باپ یا بیٹوں میں سے بااعتبار نفع رسانی کون تم سے قریب ہے پس جو حصے خدا نے مقرر کئے ہیں ان پر کاربند ہوجاؤ۔ خدا تعالیٰ ہی ہر مصلحت سے واقف ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔

۱۳۔اب عقدی رشتوں کی وراثت کے اصول بتائے کہ اگر تمہاری بیویاں لاولد مرجائیں تو ان کے ترکہ میں تمہارا حصہ ۲/۱ ہے۔اگر وہ صاحب اولاد ہیں تو تمہارا حصہ ۴/۱ ہے۔ شرط وہی ہے کہ قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد عمل درآمد ہوگا۔اسی طرح اگر تم لاولد مرجاؤ تو تمہاری

السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ

چھٹا حصہ ہے پس اگر ہوں وہ (بھائی بہن) زیادہ اس سے تو وہ شریک ہوں گے

فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ

تیسرے حصہ میں بعد وصیت کے کہ وصیت کیجاوے جس کی یا قرض کے

غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بغیر نقصان پہنچانے کے یہ احکام بطور وصیت کے ہیں اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب جاننے والا ہے بردبار ہے

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو شخص اطاعت کریگا اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل کرے گا اُسے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

باغات میں کہ بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں ان (باغات) میں اور یہ

بیویوں کا حصہ تمہارے ترکہ میں سے ۴/۱ ہے۔ تمہاری اولاد کی صورت میں ان کا حصہ ۸/۱ ہوگا ۔ پہلے میاں یا بیوی کو حصہ ملے گا پھر اولاد کو جائے گا۔اگر مرد نے زندگی میں حق مہر ادا نہیں کیا تو بیوی پہلے مہر وصول کرے گی پھر ترکہ کا حصہ۔اگر مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی لاوارث ہوں۔ان کے ماں باپ ہوں نہ اولاد البتہ ماں کی طرف سے ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو ہر ایک کو ٦/١ ملے گا اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو ۳/۱ میں سب شریک ہوں گے۔ قرض اور وصیت کی ادائیگی پہلے ضروری ہے بشرطیکہ اس قرض یا وصیت کے ذریعہ مرنے والے نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ مثلاً وصیت ۳/۱ سے زیادہ ہو یا فرضی قرضہ ظاہر کیا ہو۔یہ خدا کا حکم ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔اسے ہر غلط کام کا علم ہے لیکن علم کے باوجود سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔اشارہ ہے کہ تم بھی وارثوں کی بعض ایسی حرکات کی وجہ سے جو تمہیں پسند نہیں انہیں وراثت سے محروم نہ کرو۔

یہاں یہ ذکر نہیں کہ اگر ماں باپ ہوں تو ان کا حصہ کتنا ہے۔جمہور علماء کے نزدیک اگر ماں باپ ہوں تو پہلے خاوند یا بیوی کو حصہ ملے گا پھر والدین کو اور بقیہ اولاد کو۔گویا خاوند کے مرنے پر پہلے بیوی کو کل کا ۸/۱۔ ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو کل کا ٦/١ یعنی دونوں کو ۳/۱، بقیہ اولاد کو جائے گا۔ اگر والدین اور اولاد نہ ہو تو خاوند یا بیوی کے بعد بقیہ بہن بھائیوں کو ملے گا۔ طلاق رجعی کی صورت میں اگر رجوع اور عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند کی وفات ہو جائے تو بیوی ترکہ میں حصہ دار ہے۔اگر بیوی حاملہ ہے تو ہونے والے بچے کا بھی پورا حصہ ہے۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۴﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

کامیابی ہے بڑی اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۵﴾

حدود سے اسکی تو داخل کریگا اُسے آگ میں رہ پڑنے والا ہوگا (وہ شخص) اس میں اور واسطے اسکے عذاب ہے ذلیل کرنے والا

ع ۲ ۱۴

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا

اور وہ عورتیں جو کریں بے حیائی تمہاری بیویوں میں سے تو گواہ بنالو

عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي

ان پر چار کو اپنے (لوگوں) میں سے پس اگر وہ گواہی دیں تو روک رکھو ان (بیویوں) کو

الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ

گھروں میں یہاں تک کہ رُوح قبض کرے ان کی موت یا بنادے اللہ ان کے لیے

سَبِيْلًا ﴿۱۶﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ

کوئی راستہ اور وہ دو مرد جو مرتکب ہوں اس (بےحیائی) کے تم میں سے تو تکلیف (سزا) دو ان کو پھر اگر وہ

۱۴۔۱۵۔ یہ احکامِ وراثت اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں جو انسان کے فائدہ کے لئے ہی ہیں۔ جنہوں نے ان پر عمل کیا اور خدا اور رسول کی اطاعت کی ان کے لئے ہمیشگی کی جنتوں کی بشارت ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے۔ جنہوں نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی اور اس کی حدود سے تجاوز کیا۔ ان کے لئے سخت وعید ہے۔ وہ اسے معمولی نافرمانی نہ سمجھیں۔ وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے رسواکن عذاب ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! مرد اور عورت ساٹھ برس تک خدا کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ وصیت کرکے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح اپنے لئے دوزخ واجب کرتے ہیں۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ) اس حدیث سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وارثوں کے معاملہ میں انصاف کی کس قدر تاکید ہے اور جو لوگ معمولی معمولی باتوں پر اپنی اولاد کو جائیداد سے عاق کر دیتے ہیں ان کے لئے عبرت کا مقام ہے۔ وہ اپنی اصلاح کریں۔

۱۶۔۱۷۔ **فاحشة** ۔فحش ۔ناپسندیدہ ۔ غیر شریفانہ ۔فعل قبیح ۔ **الّذٰنِ** ۔ دو مرد۔ لیکن مرد اور عورت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

پہلے عورتوں کو ان کے حقوق دلائے اور مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کیا۔ اب ان کو ان کی

تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا

توبہ کریں اور اصلاح کریں تو اعراض کرو ان سے یقیناً اللہ ہے بہت فضل سے متوجہ ہونے والا

رَّحِيْمًا ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

بہت رحم کرنے والا سوائے اس کے نہیں کہ (قبولیت) توبہ کی اللہ کے ذمہ ہے ان لوگوں کے لیے جو کرتے ہیں

ذمہ داریوں کا احساس دلایا کہ وہ ایک پاکیزہ معاشرے کی اہم رکن ہیں اس لئے ناپسندیدہ افعال اور بے حیائی سے خود کو بچائیں جو اُس وقت بھی معاشرے میں ناسور کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ جس کا آخری نتیجہ زنا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ گویا برائی کو ابتدا میں ہی پکڑیں اور جو عزت اللہ تعالیٰ نے عورت کو دی ہے وہ اسے قائم رکھے اس طرح انہیں حفاظت مال کے بعد تحفظ عصمت کی طرف توجہ دلائی۔

اسلام نے ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کو تدریجاً اصلاح اور ہدایت کی طرف گامزن کیا۔ سب سے پہلے احکامِ پردہ کے ذریعہ مرد اور عورت کو مخلوط میل جول اور غیر محرم کے ساتھ خلوت سے روکا۔ عورتوں کو بن سنور کر گھروں سے نکلنے سے منع فرمایا نیز باہر نکلتے وقت بڑی چادر سے پردہ کا حکم دیا۔ پھر مرد اور عورت دونوں پر غضِ بصر کی پابندی لگائی اور فحاشی سے روکا۔ فحاشی کے معنی بڑے وسیع ہیں۔ غیر مردوں کے ساتھ گھومنا پھرنا، ناشائستہ حرکات اور اسی طرح کی دوسری بے حیائیاں جو آخر کار زنا کا موجب بنتی ہیں۔ فرمایا کہ اگر فحاشی کی مرتکب ہوں تو اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ۔ اپنوں کی چار گواہیاں عورت کو جھوٹے الزامات سے بچانے کے لئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ یہاں ایک ایسی فحاشی کی طرف بھی اشارہ ہے جو آئندہ زمانے میں کھلی کھلی بے حیائی کے طور پر سامنے آنے والی تھی یعنی عورتوں کی ہم جنس پرستی۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو ان کی باہر جانے کی آزادی پر پابندی لگا دو۔ یعنی بغیر نگرانی کہیں نہ جائیں۔ یہاں تک کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے۔ **یجعل اللّٰهُ لهُنَّ سبيلًا** ٥ کا مطلب مفسرین نے ان کا نکاح کردینا بھی لیا ہے۔ موت تک روکنے سے یہ مراد ہے کہ جب تک توبہ اور اصلاح نہ کریں۔ جو آیت:۱۷ سے ثابت ہے جس میں مرد اور عورت دونوں مخاطب ہیں۔

ان کے اِدھر اُدھر گھروں میں آنے جانے اور بازاروں میں نکلنے پر پابندی رکھو تاکہ خود مجبور ہوکر رک جائیں اور ان کی فحاشی کا دوسروں پر بد اثر نہ پڑے تاہم خاوند کو طلاق کا حکم نہیں۔

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ
بدی جہالت سے پھر وہ توبہ کر لیتے ہیں جلد ہی تو یہ لوگ وہ ہیں

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۸﴾ وَ
کر فضل سے متوجہ ہوتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ خوب جاننے والا حکمت والا اور

لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا
نہیں ہے (قبولیت) توبہ واسطے ان لوگوں کے جو کرتے ہیں بدیاں یہاں تک کہ جب

حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ
حاضر ہوتی ہے ان میں سے کسی کو موت تو کہتا ہے کہ میں نے توبہ کی اب اور نہ واسطے ان لوگوں کے

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
جو مر جاتے ہیں ایسے حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں کہ تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب

اَلِيْمًا ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا
دردناک اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہیں جائز تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ تم

مردوں کی فحاشی اور بے حیائی بھی اسی طرح معیوب ہے جس طرح عورتوں کی لیکن سزا میں فرق رکھا۔ عورت کا زیادہ کام کاج گھر کے اندر ہوتا ہے اس لئے اسے گھر میں پابند کردیا اور آزادی پر قدغن لگا دی لیکن مرد کو گھر میں روکنے سے کسب معاش پر اثر پڑتا۔ اس لئے مرد کی سزا اذیت دینا یعنی مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ یا ذلیل کرنا ہے۔ پھر اگر توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو درگزر کرو۔ اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اگر والّذٰن سے مراد دو مرد لئے جائیں تو بھی ان کے ناپسندیدہ فعل سے مراد لڑائی جھگڑا یا دنگا فساد وغیرہ ہے۔ فحاشی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ جو ہم جنس پرستی ہے۔ اس کی سزا کوڑے ہیں۔

۱۸۔۱۹۔ انسان جو بدی بھی کرتا ہے جہالت سے ہی کرتا ہے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس جہالت سے نکل جائے۔ اُسے سمجھ آ جائے اور ہمیشہ کے لئے اس بدی کو چھوڑ دے۔ توبہ جتنی جلد ہوگی اتنی ہی جلد قبولیت ہوگی۔ جتنی دیر سے ہوگی اتنی ہی عادت پختہ ہو جائے گی اور توبہ کی قبولیت میں بھی دیر لگے گی۔ گویا عادی مجرم بننے سے پہلے توبہ کریں۔ تاہم موت سے پہلے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ پس توبہ خلوص دل سے ہو اور دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کبھی گناہ نہیں کیا (مشکوٰۃ شریف) صرف زبانی توبہ توبہ کرتے رہنا اور عمل نہ کرنا بے فائدہ ہے۔ وہ عادی مجرم جو تمام عمر گناہوں میں

النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ
عورتوں کے زبردستی اور نہ روک رکھو تم ان کو تاکہ لے جاؤ تم بعض (وہ مال)

مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ
جو دیا تم نے ان کو سوائے اس (صورت) کے کہ وہ کریں بے حیائی کھلی کھلی اور

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى
زندگی بسر کرو ان کے ساتھ مناسب طور سے پھر اگر ناپسند کرو تم ان کو تو ہو سکتا ہے

اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۲۰﴾ وَ
کہ ناپسند کرو تم کوئی بات اور بنا دے اللہ اس میں بہتری بہت اور

بسر کرتے ہیں اور موت کو سامنے دیکھ کر نادم ہوتے اور توبہ کرتے ہیں، ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی جو مرتے وقت بھی نادم نہیں ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے۔ ان دونوں نے تا زندگی توبہ سے فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ اصلاح کی۔ ان کی اصلاح بعد از موت اس درد ناک عذاب سے ہوگی جو ان کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر اس حد تک رحیم ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ اس پر موت کا غرغرہ نہیں آتا۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب فضل التوبة)

۲۰۔ **تعضلوا** ۔تم روکتے ہو۔ **عاشروا**۔تم زندگی بسر کرو۔ مادہ عشر ہے۔ بمعنی دس۔ دس کامل عدد سمجھا جاتا ہے۔ ایک شخص کے اہل کو بھی کہتے ہیں گویا وہ اس کے لئے عدد کامل ہے۔ عشیر۔ قریبی دوست۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے عشیر ہیں گویا قریبی دوستوں کی طرح ہیں۔ **فاحشة مبينة** ۔کھلی بے حیائی۔ حضرت ضحاکؒ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس سے مراد خاوند کی نافرمانی، اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور بداخلاقی لیا ہے۔ قرآن کریم کی بلاغت ہے کہ چند الفاظ میں بہت سے احکام و نصائح بیان کرتا ہے۔ اس طرح اس آیت میں ایام جاہلیت کی کئی بد رسوم کی بیخکنی کی۔ احکام وراثت کے بعد کہا کہ عورت تو خود ورثہ کی حقدار ہے۔ ایام جاہلیت کی طرح تمہارا اسے ورثہ میں لینا ہرگز جائز نہیں۔ خاوند کے مرنے کے بعد عدت گزار کر جہاں جانا چاہے اور جس سے نکاح کرنا چاہے اسے حق حاصل ہے۔ وہ اپنے تمام معاملات میں مختار اور آزاد ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ خواہ بیوہ ہو یا غیر شادی شدہ، بغیر عورت کی مرضی کے زبردستی نکاح نہیں ہوسکتا۔ دوسری بد رسم یہ تھی کہ بعض مرد اپنی بیویوں کو تنگ کرتے نہ ان سے کوئی تعلق رکھتے، نہ ہی جانے دیتے۔ کیونکہ طلاق کی صورت میں وہ مہر کی رقم یا بیوی کو دی ہوئی جائیداد واپس لینے کے حقدار نہیں رہتے۔ اس

اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ

اگر ارادہ کرو تم بدل لینے کا ایک بیوی کو بجائے کسی بیوی کے اور دے چکے ہو تم

اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ

ایک کو ان میں سے بہت سا مال تو نہ لو تم اس سے کچھ بھی

اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۱ وَكَيْفَ

کیا لوگے تم اُسے بہتان کے طور پر اور گناہ کے طور پر (جو) کُھلا کُھلا (ہے) اور کس طرح

لئے بیوی کو تنگ کر کے مجبور کرتے کہ وہ کچھ حصہ خاوند کو دے کر خلع حاصل کر لے۔اس لئے فرمایا کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ چھیننے کے لئے نہ روکو۔

ہاں فاحشہ مبینہ کی صورت میں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے بطور سزا روک سکتے ہو۔ فحشاء کے علاوہ عورتوں کی کمزوریوں سے حتی الوسع درگزر کرنا چاہیئے۔اگر بیوی کی کوئی عادت تمہیں پسند نہیں تو بھی صبر کرو اور اس سے دوستانہ اور نہایت عمدہ سلوک کرو مہربانی اور محبت کا برتاؤ کرو اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ طلاق میں جلد بازی نہ کرو۔ ممکن ہے ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سا بہتری کا سامان رکھ دے اور اس نیکی کے بدلہ میں بہتر سے بہتر اجر دے۔

۲۱۔ پچھلی آیت میں بتایا کہ بیوی کی کوئی عادت ناپسند بھی ہو تو طبیعت پر جبر کر کے نباہ کی کوشش کرو۔ یہاں بتایا کہ اگر طبیعتوں کا اختلاف ناقابل اصلاح ہو اور حالات اس حد تک خراب ہو جائیں کہ نباہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور تم طلاق دینے پر مجبور ہو جاؤ تو طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لو کیونکہ مجردانہ زندگی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اگر خاوند اپنی بیوی کو سونے کا ڈھیر بھی مہر یا تحفہ میں دے چکا ہو تو بھی واپس لینے کا مجاز نہیں۔ فرمایا کہ کیا تم کچھ مال لینے کے لئے عورت پر تہمتیں لگاؤ گے یا اس پر ظلم و زیادتی کرو گے کہ تنگ آ کر خلع لے لے۔

اسلام نے مہر کا تعین نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دولت کی فراوانی ہوئی تو مہر بھی زیادہ رکھے جانے لگے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔(احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ابن ماجہ دارمی) اگر مہر میں زیادتی اللہ کے نزدیک تقویٰ اور عزت کا موجب ہوتی تو تم ان سے اس بارے میں سبقت نہ لے جاتے۔اس لئے جس قدر مہر چار سو درہم سے زیادہ ہوگا، بیت المال میں داخل کروں گا۔ آپ منبر سے اترے تو ایک قریش عورت سامنے آئی اور

تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ

لوگے تم اُسے جبکہ یقیناً مل چکا ہے بعض تمہارا ساتھ بعض کے اور وہ (تمہاری بیویاں)

مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۲ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

لے چکی تم سے عہد پختہ اور نہ نکاح کرو ان سے کہ نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ

عورتوں سے سوائے اس کے جو پہلے ہو چکا یقیناً یہ ہے بے حیائی اور

کہا اے خطاب کے بیٹے! تو ہم سے روکتا ہے اور اللہ ہم کو دیتا ہے اور یہ آیت پڑھی۔ آپ نے فرمایا! مدینہ کی عورتیں عمر سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ تب حضرت عمرؓ منبر پر واپس تشریف لے گئے اور فرمایا! جس قدر کوئی چاہے اپنے مال سے مہر دے سکتا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا خلیفہ جس سے بڑی بڑی حکومتیں لرزہ براندام رہتی تھیں، اس کے سامنے ایک عام عورت اٹھ کر آپ کی غلطی کی نشاندہی کرتی ہے اور آپ بشاشت قلب سے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہی اسلام کی روح ہے۔پس مہر کے طور پر صاحب مقدور سونے کا ڈھیر بھی دے سکتے ہیں لیکن عام آدمی کو اپنی استطاعت کے مطابق مقرر کرنا چاہیئے تا کہ جلد ادا کر سکے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ سب سے بڑھ کر برکت والی وہ عورت ہے جس کے مہر میں سہولت ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر ۵۰۰ درہم تھا جو آج کل کے حساب سے قریباً دس ہزار روپیہ بنتا ہے۔ ازواج مطہرات کا مہر بھی تقریباً اتنا ہی ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو کم از کم مہر رکھا گیا وہ دس درہم تھا۔ جس کی قیمت کسی وقت بتیس روپیہ ہوگی۔آج اس کی قیمت قریباً دو صد روپیہ ہے۔ یہ ہرگز شرعی مہر نہیں ، نہ پسندیدہ ہے۔ جماعت احمدیہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ ماہ سے ایک سال کی آمد بطور حق مہر مقرر فرمائی۔ تاہم اس معاملہ میں سختی ہرگز نہیں۔

۲۲۔ **افضٰی** ۔وہ پہنچا۔ وہ ملا۔

تم اس مال کو کس طرح واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے خلوت میں فائدہ اٹھا چکے ہو اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں۔ یہ عہد نکاح ہے چونکہ عورت سے کوئی امر خلاف وعدہ سرزد نہیں ہوا۔اس لئے اسے سزا نہیں مِل سکتی چونکہ خاوند نے معاہدہ توڑا اور طلاق دی اس لئے وہ مہر واپس لینے کا حقدار نہیں۔اگر عورت معاہدہ کی خلاف ورزی کرے اور خلع لے تو مہر کا حصہ بھی خاوند کو واپس دے۔فیصلہ خلیفۂ وقت یا حکام کے ذمہ ہے۔

ع ۸/۱۴

مَقْتًا ۚ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ
ناراضگی کاسبب اور بُرا ہے راستہ حرام کی گئیں تم پر مائیں تمہاری اور

بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ
بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور بیٹیاں بھائی کی

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ
اور بیٹیاں بہن کی اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری

مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ
دودھ کی اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری وہ ربیبہ (لڑکیاں) جو کہ

حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ
تمہاری گودوں میں ہیں تمہاری ان بیویوں میں سے کہ داخل ہو چکے تم جن پر پس اگر

۲۳۔ نکاح کی حرمت میں سب سے پہلے باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت میں جو ہوچکا اس پر مواخذہ نہیں لیکن اب ایسے تمام نکاح منسوخ ہیں۔ کیونکہ یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔

۲۴۔ **ربائب** ۔ واحد **ربیبة**۔ عورت کی سابق شوہر سے بیٹیاں ۔**حجور**۔ حجر ۔ لفظی معنی روکنا ہے۔ پتھر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فی حجورکم۔ تمہارے گھروں میں۔ مراد تمہاری حفاظت میں۔ **حلائل** ۔**حلّ** ۔حلال ہونا کھلنا۔ واحد **حليلة** ۔ مراد شادی شدہ عورتیں۔

قریباً تمام گذشتہ اقوام میں سگی ماں ، بہن اور بیٹی سے نکاح کا رواج نہیں تھا لیکن اتنی تفصیل کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتی۔ صرف ایک آیت میں قریباً تمام حرمتِ نکاح کا تفصیل سے بیان صرف قرآن کریم سے خاص ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے اپنی خدا داد فراست سے نہایت عمدہ وضاحت فرمائی اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

طبّی نکتہ نظر سے بھی قریبی رشہ داروں سے نکاح میں کئی قباحتیں ہیں۔ موروثی بیماریاں نسلوں میں چلتی ہیں۔ باربار ایک ہی خاندان کے اندر رشتوں سے بچے نارمل پیدا نہیں ہوتے۔ اس لئے بہت قریبی رشتہ داروں سے نکاح کی تو قطعاً ممانعت کر دی اور دوسرے رشتوں کو جائز رکھا۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے غیررشتہ داروں سے نکاح کو ترجیح دی تا کہ پہلی رشتہ داریوں پر اثر نہ پڑے۔

حرمتِ نکاح میں فرمایا تمہاری مائیں تم پر حرام ہیں۔ جنہوں نے تمہیں جنا اور جنہوں نے انہیں جنا یعنی تمہاری نانیاں ،دادیاں ،پردادیاں وغیرہ ۔ یہ حرمتیں آیت ۲۳ سے ثابت ہیں۔ احادیث

لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ
نہیں ہوچکے تم داخل ان پر تو نہیں کوئی گناہ تم پر اور بیویاں

اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ
تمہارے بیٹوں کی وہ جو پشت سے ہیں تمہاری اور یہ کہ اکٹھا کرو تم

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾
دو بہنوں کو سوائے اس کے جو ہو چکا یقیناً اللہ ہے بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا

میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ تمہاری بیٹیاں سگی ہوں یا سوتیلی پھر ان کی بیٹیاں وغیرہ۔ تمہاری بہنیں سگی اور سوتیلی۔ ماں باپ کی طرف سے یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے سب تم پر حرام ہیں۔ **عمّٰت** **عمة** کی جمع ہے۔ **عمّ** چچااور **عمة** پھوپھی۔ اس میں سگی اور سوتیلی پھوپھیاں دادا کی بہنیں اور نانا کی بہنیں سب شامل ہیں۔ **خـــالات**۔ خالہ کی جمع ہے اس میں ماں کی سگی اور سوتیلی بہنیں۔ نانی اور دادی کی بہنیں شامل ہیں۔ بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں، تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور رضائی بہنیں۔ دودھ پلانے کی مدت قریباً دو سال ہے۔ دودھ خوب پیٹ بھر کر کم از کم پانچ بار سے زائد پلایا ہو۔ (فقہ احمدیہ صفحہ ۳۳)متفق حدیث ہے کہ جن جن رشتوں کی بوجہ نسب ممانعت ہے انہی رشتوں کی بوجہ رضاعت ممانعت ہے۔ یعنی ان سے نکاح حرام ہے۔ ہاں ان کے دوسرے بہن بھائیوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ رضاعی رشتے صرف اسلام نے حرام کئے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ ایک مرد سے باتیں کررہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ کے استفسار پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا! کہ یہ میرا رضائی بھائی ہے اس کے جانے کے بعد آپؐ نے فرمایا! کہ تم اپنے بھائیوں کو پرکھ لیا کرو۔ یعنی صرف رضاعت کافی نہیں ان کے کردار کی چھان بین بھی ضروری ہے۔ غالبًا وہ شخص اچھے کردار کا مالک نہیں تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی محرم عمدہ کردار کا مالک نہ ہو تو اس سے بھی بے تکلفی یا تخلیہ میں ملنا مناسب نہیں۔ تمہاری ساسیں اور تمہاری بیویوں کی سابق شوہر سے بیٹیاں جو تمہارے گھر میں پلی ہیں ، وہ تم پر حرام ہیں لیکن ایسی **ربیبـــہ** جس سے بیٹیوں والا نفسیاتی تعلق قائم نہیں ہوا۔ وہ گھر میں بیٹیوں کی طرح نہ پلی بڑھی ، نہ اس کا گھر میں آنا جانا تھا۔ اس کی ماں کی وفات کے بعد اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اگر بیٹی کو نکاح کے بعد رخصتی سے قبل طلاق ہوگئی تو ماں کا اس شخص سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تمہارے بیٹوں کی بیویاں جس طرح تم پر حرام ہیں اسی طرح تمہارے باپ دادا اور نانا پر حرام ہیں

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ

اور (حرام کی گئیں تم پر) خاوند والی عورتیں سوائے انکے کہ مالک ہوئے (جنکے) دائیں ہاتھ تمہارے

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ

(لازم پکڑو) قانون کو اللہ کے اوپر اپنے اور جائز کیا گیا واسطے تمہارے جو علاوہ ہے اس کے اس طرح پر کہ

تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ

چاہو تم (عورتوں سے تعلق کرنا) اپنے مالوں کے ساتھ نکاح کرتے ہوئے نہ شہوت مٹاتے ہوئے

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

پھر جو (عورت کر) فائدہ اٹھایا تم نے اس سے ان (عورتوں) میں سے تو، دو ان کو مہر ان کے

فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

مقرر شدہ اور نہیں کوئی گناہ تم پر اس بات میں کہ آپس میں راضی ہوئے تم جس (بات) پر

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۵﴾ وَ

بعد مقررہ (مہر) کے یقیناً اللہ ہے خوب جاننے والا حکمت والا

لیکن متبنٰی یعنی لے پالک کی بیویاں ان میں شامل نہیں اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے بحکم الٰہی اپنے متبنٰی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تا کہ اس رسم کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔دو بہنوں کو اکٹھا نکاح میں رکھنا حرام ہے۔اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کا اکٹھا نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔مراد یہ ہے کہ بیوی کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح حرام ہے لیکن بیوی کی وفات یا اس سے علیحدگی کی صورت میں جائز ہے۔سوائے اس کے جو گزر چکا۔اس پر مواخذہ نہیں لیکن ان آیات کے نزول کے بعد جن سے نکاح حرام ہے ان کو فوری طلاق دینی ہوگی۔اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔یعنی تمہاری گذشتہ کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا۔

۲۵۔ **المحصنٰت۔ محصنة** کی جمع ہے۔حصن قلعہ اور حفاظت کے معنی دیتا ہے۔
محصنة ۔ جو محفوظ ہو بوجہ پاکدامنی ، نکاح اور آزادی کے ۔ مراد بیاہی ہوئی عورتیں۔
مسافحین ۔ سفح ۔پانی یا خون کا بہانا۔ مسافح واحد۔**مسافحین**۔ بدکاری کرنے والے ۔
مسافحات۔واحد **مسافحة** ۔عورت کا بغیر نکاح مرد کے ساتھ بدکاری کی حالت میں رہنا۔بدکاری کرنے والیاں۔ **استمتعتم**۔متع ۔ متاع ۔ نفع اٹھانا۔ **اجور**۔ اجر کی جمع۔ مراد مہر۔

اسی طرح پہلے سے منکوحہ عورتیں خواہ کسی مذہب و ملت کی ہوں تم پر حرام ہیں۔قرآن کریم میں ان حرمتوں کے علاوہ تین بار کی مطلقہ کا اسی شوہر سے پھر نکاح حرام ہے۔مشرکہ، لعان

کی ہوئی عورت ،چار کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی انتہا ہے کہ ہر آیت اور ہر حکم اتنا ذومعنی اور لچکدار ہے کہ قیامت تک کے لئے قابل عمل ہے۔**ماملکت ایمانکم** بھی انہی الفاظ میں سے ہے۔لفظی معنی جن کے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ۔یہ لفظ لونڈیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو جنگی قیدی ہوتیں۔جنہوں نے جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا ہوتا۔اگر مسلمان اس پر عمل نہ کرتے تو دشمن زیادہ دلیر ہوجاتا۔اس زمانہ میں تو یہی مطلب تھا کہ لونڈیوں سے نکاح جائز ہے باوجود اس کے کہ وہ منکوحہ ہوں۔یمن کا دوسرا مطلب معاہدہ بھی ہے اس لئے نکاح کو بھی یمن کہا۔بقول امام رازیؔ اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو نکاح کے ذریعہ تمہارے قبضہ میں ہیں گویا تمہاری منکوحہ بیویاں۔یہ معنی اس زمانہ کے لئے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے اوپر کی بیان کردہ عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔اس صورت میں کہ مہر ادا کردو اور نکاح کی غرض تقویٰ و پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہونا ہو۔ تا کہ گناہوں سے بچو نہ کہ بدکاری کی غرض سے بغیر نکاح مباشرت رکھو۔ نکاح کرکے بیوی سے منفعت کے طالب ہو تو مقررہ مہر ادا کرو۔ہاں باہم رضامندی سے اگر مقررہ مہر میں کمی بیشی کرلو، تو کوئی گناہ نہیں۔**استمتعتم**۔کے لفظ سے شیعہ حضرات نے متعہ کا جواز نکالا ہے۔متعہ ایام جاہلیت کی بد رسوم میں سے ایک تھی جسے اسلام نے ہمیشہ کے لئے ختم کیا۔عام طور پر ایام جنگ میں وقتی نکاح مہر کے ساتھ کچھ مدت کے لئے کرلیتے ، بعد میں ختم کر دیتے۔ ایسی بیوی یا اولاد وارث نہ ہوتے۔اسلام نے بتدریج برائیوں کو ختم کیا چنانچہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے اس رسم کی حرمت کا اعلان فرمایا اور قیامت تک کے لئے حرام قرار دیا۔ صحیحین میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ سے روک دیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خطبہ میں فرمایا! کہ اگر کسی شخص کے متعلق علم ہوا کہ نکاح شدہ ہونے کے باوجود متعہ کیا تو میں اسے سنگسار کردوں گا۔(ابن ماجہ)

اسلامی قوانین کے تحت لونڈیوں کے مسائل یہ تھے کہ جو لونڈیاں جنگ میں پکڑی جاتیں وہ باقاعدہ حکومت اسلامی کے سپرد ہوتیں۔ کسی سپاہی کا مال غنیمت یا لونڈیوں میں از خود کوئی تصرف نہ تھا۔اربابِ حکومت کو اختیار تھا۔ خواہ فدیہ لے کر چھوڑیں ،خواہ مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کریں ۔ جو حاملہ نہ ہوتیں اور انہیں فدیہ دے کر چھڑوانے والا کوئی نہ ہوتا، ایک حیض کے بعد حکومت ان کا ولی مقرر کرکے ان کا نکاح کر دیتی۔چونکہ انہیں قید رکھنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا اس لئے قومی

مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو نہ طاقت رکھے تم میں سے دولت کے لحاظ سے کہ نکاح کرے آزاد

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ
مومن عورتوں سے تو ان میں سے (نکاح کرو) کہ مالک ہوئے (جن) کے داہنے ہاتھ تمہارے اپنی لونڈیوں سے

الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ
جو مومن ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو ۔ بعض تمہارے

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
بعض سے ہیں پس نکاح کرو ان (لونڈیوں) سے باجازت انکے مالکوں کے اور دو ان کو مہر ان کے

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ
مناسب طریق سے جبکہ وہ نکاح کرنے والیاں ہوں نہ شہوت مٹانے والیاں اور نہ بنانے والیاں

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
چھپے دوست پھر جب ان کا نکاح ہوجائے تو اگر وہ کریں کوئی بے حیائی تو ان پر

اخلاق کو درست رکھنے کے لئے ایسا کیاجاتا۔اگر وہ شخص کسی دوسرے کے نکاح میں دیتا تو اس کے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے۔گویا ایک لونڈی ایک وقت میں ایک ہی خاوند کے پاس رہتی۔اس کی اولاد باپ کی جائیداد کی جائز حقدار ہوتی۔ صاحب اولاد لونڈی کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی آزاد ہو جاتی۔لونڈیوں کی تعداد پر پابندی نہیں تھی۔آیت کو **علیمًا حکیمًاo** پر ختم کیاکہ قید نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ کے خاص علم وحکمت پر مبنی ہے۔اسلام نے ایسے قوانین وضع کئے کہ آہستہ آہستہ ایام جاہلیت کی رسوم کا خاتمہ ہوا۔بعد میں فوجیں تشکیل پائیں اور فوجی قیدی فوج کی حراست میں رکھے جانے لگے۔

۲۶۔ **طَول**۔ طول لمبائی کو کہتے ہیں۔ طول فضل واحسان ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفت ذی الطَّول ہے (المومن :۳) **اولوا الطَول** (التوبہ:۸۶) صاحب وسعت لوگ ہیں۔یہاں مراد فراخی ہے۔ **فتیٰت** ۔فتاۃ کی جمع ہے جو فتٰی کی مونث ہے۔مراد لونڈیاں۔**اخدان** ۔واحد خدن۔دوست۔ مراد چھپی ہوئی آشنائیاں جب کہ مسافحات کھلی کھلی بدکاریاں ہیں۔**عَنت** ۔تکلیف ، مشقت ، گناہ یا ہلاکت (میں پڑنا)

پہلے آزاد بیبیوں کے ساتھ نکاح کے احکام وشرائط بیان فرمائے۔یہاں لونڈیوں کو نکاح میں لانے کی شرائط بتائیں۔

سوائے سخت مجبوری کے لونڈیوں سے نکاح کرنے سے روکا بلکہ صالح لونڈیوں اور غلاموں

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ
نصف اس (سزا) کا ہے جو آزاد عورتوں پر سزا ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس

خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
کیلئے ہے جسے خوف ہو بدکاری کا تم میں سے اور یہ کہ صبر کرو بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ بہت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ ع ۴ ۱
بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے چاہتا ہے اللہ کہ کھول کر بیان کرے واسطے تمہارے اور ہدایت دے تم کو

کو آپس میں نکاح کرنے کا حکم دیا۔(النور:۳۳) فرمایا اگر تمہیں گناہ میں پڑنے کا خطرہ ہو اور تم مالی طور پر کمزور ہو اور آزاد بیبیوں کے مہر اور نفقہ کے متحمل نہیں ہوسکتے تولونڈیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کا مہر اور نفقہ کم ہے۔ اگر صبر کرو ، اپنے نفس پر قابو رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔لونڈیوں کے لئے بھی مومنہ ہونا شرط ہے۔ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور مہر دو۔ تمام بنی نوع انسان برابر ہیں۔آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں۔بطور انسان تم سب ایک جیسے ہو۔ہاں ماحول کی وجہ سے بعض غلط عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔اب نکاح کرلیا ہے تو ان کے حقوق پورے ادا کرو لیکن وہ بھی شریف بیبیوں کی طرح رہیں۔کھلے طور پر بدکاریاں کرنے والی ہوں نہ چوری چھپے دوستیاں کرنے والی ہوں۔اگر نکاح میں آ کر بھی ان بے حیائیوں کی مرتکب ہوں تو انہیں آزاد بی بی سے نصف سزا ہے اگر لونڈیوں کے حقوق کم ہیں تو سزا بھی کم ہے۔کیونکہ جس ماحول سے یہ آئی ہیں ان کا اخلاقی معیار شریف زادیوں جیسا نہیں ہو سکتا۔پس ان کی تربیت آہستہ آہستہ ہوگی۔یہی وجہ تھی جو اِن سے نکاح سے روکا۔تا کہ ماں کا اثر آئندہ نسلوں تک نہ جائے۔ نصف سزا سے ثابت ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں بلکہ سو کوڑے ہیں نیز یہ آیت: ۱۶ والی فاحشہ نہیں کیونکہ ان کی سزا کا نصف ممکن نہیں۔یہاں زنا کی طرف اشارہ ہے۔

اسلام سے پہلے لونڈیاں بغیر نکاح کے بھی رکھی جاتی تھیں۔جسے اسلام نے قطعاً حرام قرار دیا۔ہمارے لئے آنحضرت ﷺ کی سنت ہی مشعلِ راہ ہے۔آپؐ کی بی بی حضرت صفیہؓ فتح خیبر کے بعد بطور لونڈی آئیں اور بی بی حضرت ماریہ قبطیہؓ کو شاہِ مصر نے بطور لونڈی تحفتاً بھیجا۔ جن کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔اس طرح حضرت ریحانہؓ بھی لونڈی تھیں۔آپؐ نے ان سب کو آزاد کرکے نکاح کیا اور انہیں دوسری ازواجِ مطہرات کے برابر حقوق دیئے۔بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے۔اسے آداب سکھائے اور اچھے آداب سکھائے۔پھر اسے آزاد کرے اور نکاح کرے تو اس کے لئے دگنا اجر ہے۔

سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

طریقوں کی ان لوگوں کے جو پہلے تھے تم سے اور فضل سے متوجہ ہو تم پر اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَ

خوب جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ فضل سے متوجہ ہو تم پر اور

يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں خواہشات کی کہ جھک جاؤ تم جھک جانا

عَظِيْمًا ﴿۲۸﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ

بہت چاہتا ہے اللہ کہ ہلکا کرے (بوجھ) تم سے اور پیدا کیا گیا ہے

پس بطور لونڈی کسی کو نکاح میں رکھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔اُس وقت یہ رواج ضرور تھا جسے اسلام نے آہستہ آہستہ ختم کیا۔نکاح میں مہر اور اعلان ہوتا ہے۔ لونڈی کی آزادی اس کا مہر ہوسکتی ہے۔جیسا کہ حضرت صفیہؓ کے لئے ہوا۔اس لئے لونڈی کو آزاد کرکے نکاح کرنا ہی آپؐ کی سنت سے ثابت ہے۔اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور رحیم ہے۔تم بھی انہی صفات کو اپنا کر ان سے حسن سلوک کرو۔

۲۷۔ فرمایا یہ تمام احکامِ شریعت جو عائلی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔اللہ نے اس لئے کھول کر بیان فرمائے ہیں تاکہ تمہیں پہلے انبیاء و صالحین کی راہیں بتائے جنہوں نے احکامِ الٰہی پر عمل کرکے قربِ الٰہی حاصل کیا۔پس تم بھی انہی پہلوں کی راہوں پر چلو تاکہ تم پر بھی اسی طرح شفقت سے توجہ فرمائے۔ان راہوں کا بتانا اسی کا کام ہے جسے ہر علم ہے اور ہر حکمت کو جانتا ہے۔ پس الٰہی علم وحکمت سے تم بھی حصہ پاؤ۔

۲۸۔ تمام احکام اس قدر وضاحت سے بتانے کی غرض یہی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تم پر خاص طور پر متوجہ برحمت ہونا چاہتا تھا کہ تم ان بداعتدالیوں سے بچ جاؤ جو اس گمراہ کن معاشرے کا حصہ تھیں لیکن شہواتِ نفسانی کے پیرو بجائے اپنی اصلاح کے چاہتے ہیں کہ تم بھی ان شرعی پابندیوں کو چھوڑ کر انہیں کے فرسودہ رسوم و رواج کی پیروی کرو اور جادۂ اعتدال سے ہٹ جاؤ اور بدی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ۔بلاشبہ یہ شہواتِ دنیوی میں غرق یہود و نصاریٰ تھے۔جن میں نصاریٰ تو خاص طور پر آج تک شہوات کو ہی معراجِ انسانی سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی وہی رنگ ڈھنگ اختیار کریں۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! بیشک، احمدیت مغربی ممالک میں پھیلے گی مگر خطرہ ہے کہ اہل یورپ اسلامی تہذیب پر اثر انداز ہوں گے۔۔۔۔۔ آپ فرماتے ہیں اس مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا علاج سوچیں۔۔۔۔۔ اس مصیبت کو کبھی نہ بھولنا۔ اسلام کی شکل کو کبھی نہ بدلنے دینا جس خدا نے مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے وہ ضرور کوئی راستہ نجات کا نکال دے

الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا

انسان ضعیف اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ کھاؤ

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

مال اپنے آپس میں ناجائز طور پر سوائے اس کے ہو تجارت

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

رضامندی سے تمہاری اور نہ قتل کرو اپنے تئیں یقیناً اللہ

گا۔(ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۲۴ء)حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آج یورپ کی سوسائٹی یہی چاہتی ہے کہ وہاں بسنے والا ہر مسلمان اپنی قدریں فراموش کرکے ان جیسی فحاشیوں میں مبتلا ہو جائے۔ایسی صورت میں وہ انہیں دل سے قبول کرتے ہیں حالانکہ عیسائیت کا ان بے حیائیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۹۔فرمایا انسان ضعیف و کمزور پیدا کیا گیا ہے۔وہ خود بخود رضائے الٰہی کی راہوں کو نہیں پاسکتا۔یہ اس کا فضل و احسان تھا کہ انبیاء کے ذریعہ احکامِ شریعت عطا فرمائے۔جن پر چل کر وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے لیکن موسوی شریعت کے علمبرداروں نے اپنے خود ساختہ احکام و قوانین اور رسوم و رواج کے طوق و سلاسل سے انسان کے لئے ان پر عمل پیرا ہونا محال کر دیا۔اسی لئے ایک طبقہ نے تو شریعت کو لعنت کہہ کر جان چھڑائی اور دوسرے ان بوجھوں تلے دبتے چلے گئے۔ پس اسلام ایک کامل اور ہلکی پھلکی شریعت لایا۔جو انسان کے مزاج کے عین مطابق تھی اور اس پر عمل اس کی وسعت اور طاقت کے اندر تھا، افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال پر قائم تھی۔ ایک عام انسان سے لے کر انسانِ کامل تک کے لئے رہنما تھی تاکہ اس بوجھ کو ہلکا کرے جس میں انسانیت پس رہی تھی۔پس انہیں قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہوکر وہ اس اعلیٰ و ارفع مقام کو حاصل کرسکتا ہے جو مقصودِ حیات ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ پچھلی آیت کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ انسان فطرتاً کمزور ہے اور جلد اثر قبول کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلامی قوانین میں بہت لچک رکھی ہے۔وہ اس گندی سوسائٹی میں رہ کر بھی اپنا دامن ان گندگیوں سے بچاتے ہوئے اسلامی اقدار کو اپنا کر اس معاشرے کا حصہ بن سکتا ہے اور اس معاشرے میں مثبت انداز سے اثر انداز ہوسکتا ہے۔

۳۰۔ تیموں اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے پھر تاکیدی حکم دیا کہ ان کے حقوق

كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ

ہے تم پر بہت رحم کرنیوالا اور جو شخص کرے گا ایسا زیادتی سے اور

ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

ظلم سے تو ضرور ہم داخل کریں گے اُسے آگ میں اور ہے یہ اللہ پر

يَسِيرًا ﴿۳۱﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

آسان اگر بچو تم بڑے گناہوں سے کہ روکا جاتا ہے تم کو جن سے

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۲﴾

ہم دُور کریں گے تم سے بدیاں تمہاری اور ہم داخل کریں گے تم کو گھر عزت والے میں

کھول کر بتا دیئے گئے ہیں اگر پھر بھی ایک ددسرے کا مال ناجائز طریق سے کھانے کی کوشش کروگے تو وہ باطل اور ناحق ہوگا۔ہاں باہم رضا مندی سے تجارت کرنے میں مضائقہ نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ رزق کے دس حصوں میں سے نو تجارت میں ہیں اور تجارت کو طیب ذریعہ معاش کہا لیکن تجارت میں بھی اپنوں کو ہی نقصان نہ پہنچاؤ کیونکہ یتیموں اور بیواؤں کی حق تلفی بھی قومی قتل ہی ہے۔یہ بھی مطلب ہے کہ تجارت میں بے ایمانیاں کرکے اپنے ہی نفس کو ہلاک کرو گے۔**لاتقتلوٓا انفسکم** میں دونوں مفہوم شامل ہیں کہ نہ دوسروں پر ظلم و زیادتی کرو جو تمہارے اپنے ہیں نہ اپنی حق تلفی کرکے خود کو اقتصادی طور پر قتل کرو۔اللہ تعالیٰ تو تم پر بے حد رحم کرنے والا ہے تم بھی اس کے کمزور اور بے آسرا بندوں پر رحم کرو اور ظلم و زیادتی سے بچو۔

۳۱۔فرمایا! یاد رکھو اگر باربار کی تنبیہ کے باوجود تم نے ظلم و زیادتی ، بے ایمانی اور بددیانتی کو اپنا شعار بنائے رکھا اوراس طرح کمزورں کے مال کھاتے رہے تو دنیا میں بطور قوم تباہ ہوجاؤ گے کیونکہ کوئی معاشرہ ظلم و زیادتی اور بے ایمانی سے پنپ نہیں سکتا۔جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا! کہ ایک مشرک حکومت قائم رہ سکتی ہے ، ظالم نہیں ، یہ تو دنیا کی سزا ہوگی۔ آخرت میں آگ میں جھونکے جاؤگے اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

۳۲۔**اجتنبوا**۔جب ۔ پہلو ۔اجتناب کرنا۔ الگ ہونا ۔بچنا۔

فرمایا بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا عزم کرلو۔ تو چھوٹی غلطیوں سے بچنے کا انتظام ہم خود کردیں گے۔حدیث میں ہے کہ اگر کبائر نہ ہوں تو ہرنماز، دوسری نماز تک کے صغائر کو دھو دیتی

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ

اور نہ آرزو کرو تم اسکی کہ فضیلت دی اللہ نے اس کے ذریعہ تمہارے بعض کو بعض پر

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ

مردوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو کمایا انہوں نے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ

اس سے جو کمایا انہوں نے اور مانگو اللہ سے فضل اس کا یقیناً اللہ

كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۳﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا

ہے ہر بات کو خوب جاننے والا اور ہرایک کے لیئے ہیں بنائے ہم نے وارث اس (مال) کے

ہے۔ اسلام نے کبیرہ گناہوں کو معین نہیں کیا کیونکہ ایسا ممکن نہ تھا۔ماحول اور حالات کے مطابق ایک گناہ کسی کے لئے کبیرہ ہے اورکسی کے لئے صغیرہ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس کی حالت کے مطابق جواب دیا۔صحیحین میں سات گناہوں کو کبیرہ کہا۔ شرک۔ سحر۔قتل ۔ مالِ یتیم کا کھانا۔ سود کھانا۔ جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا۔پاک دامن مومن عورتوں پر الزام لگانا۔ صحیحین میں ہی تین کو کبیرہ کہا۔ شرک ،والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی دینا۔دوسری جگہ شرک ، قتلِ اولاد اور ہمسایہ کی جورو سے زنا ہے۔اسی طرح غیبت ، تکبر اور دوسری برائیوں کا ذکر ہے۔ایک جگہ زنا، سرقہ اورقتل ہے۔ اسی لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سامنے جب کسی نے کہا کبیرہ گناہ سات ہیں توآپ نے فرمایا! ستر سے زیادہ ہیں ۔ دوسری جگہ فرمایا !سات سو سے زیادہ ہیں۔آپ ہی نے فرمایا کہ جس چیز سے خدا نے روک دیا وہ کبیرہ ہے اوریہی صحیح ہے۔ پس ہر نافرمانی کی ابتدا صغیرہ اور انتہا کبیرہ ہے۔ جب انسان ان تمام گناہوں سے جن سے خداتعالیٰ نے روکا رک جائے گا۔تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چھوٹی موٹی بدیاں خداتعالیٰ کے فضل سے خود ہی دورہوجائیں گی کیونکہ جب کبائر کو چھوڑنے کا عزم کرلیا اور ان پر غالب آ گیا اور نیکیوں کا عادی ہوگیا تو آہستہ آہستہ اس میں بدی کا میلان ہی ختم ہو جائے گا۔ یہی وہ مقام ہے جس پر اسلام ہر انسان کو دیکھنا چاہتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک پر سکون اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔یہی وہ عزت کا مقام ہے جو دنیا میں ملے گا اور آخرت کا وعدہ بھی حق ہے۔

۳۳۔پہلے ایک دوسرے کے مال کو ظاہری طور پر کھانے سے منع فرمایا۔اب ایک اندرونی کمزوری سے منع فرمایا کہ ایک دوسرے کے بعض فضائل کی جو خداتعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئے ہیں، بیکار آرزو نہ کرو۔مثلاً اللہ تعالیٰ انسان کو جو کچھ اپنی صفت رحمانیت کے طفیل عطا کرتا

ہے۔ جیسے حسن و جمال۔خاندانی وجاہت جسم و طاقت۔عقل و دانش اور دماغی صلاحیتیں یا عورت اور مرد کی تقسیم وغیرہ۔ان کے لئے بلاوجہ کڑھنا کہ ہمیں یہ نہیں ملا یا وہ نہیں ملا ،بے فائدہ اور بیکار تمنائیں ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں۔ہاں مرد اپنی صلاحیتوں سے جو کچھ حاصل کرسکتا ہے یا عورتیں اپنی صلاحیتوں سے جو حاصل کرسکتی ہیں اس میں دونوں برابر ہیں۔دونوں کے لئے دینی و دنیوی ترقیات کی تمام راہیں کھلی ہیں اور وہ ان سے بہرہ افروز ہوسکتے ہیں۔البتہ اللہ سے اس کے فضل کے طالب رہیں۔دعائیں کرتے رہیں اور بجائے حسد کے خداتعالیٰ سے طلب کریں اور رشک کریں۔بغیر اس کے فضل کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔وہ اپنے علم و حکمت سے جو مناسب سمجھے گا عطا فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔اس نے کہیں بے انصافی نہیں کی۔اگر تمہیں بظاہر تضاد نظر آتا ہے تو اس میں بھی ایک حُسن ہے اور عین مقتضائے حکمت ہے پس تمہارا اس انداز سے سوچنا بے فائدہ ہے۔مرد و عورت کی تقسیم میں بھی عورت پر ہرگز کوئی ظلم نہیں ہوا۔اس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔حدیث میں ہے کہ عورتوں نے آنحضرتﷺ سے عرض کیا کہ مرد ہم پر سبقت لے گئے ان کو جہاد کا موقع ملا،وہ بہت ثواب حاصل کرسکتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرسکتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا! تم میں سے حاملہ عورت کے لئے اس شخص کا اجر ہے۔جو دن کو روزے رکھتاہے اور رات کو ذکر الٰہی میں کھڑا رہتاہے۔پھر جب وہ جنتی ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اس کے لئے کس قدر اجر ہے پھر اگر وہ دودھ پلاتی ہے تو ہر ایک مرتبہ جو بچہ اس کا دودھ چوستا ہے اس کو ایک نفس کے احیاء کا اجرملتاہے۔(تفسیر غرائب القرآن)۔ہمارے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنفِ نازک کے لئے جنت کا حصول نہایت آسان کردیا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! جو عورت پانچ وقت نماز اداکرے ، رمضان کے روزے رکھے ، اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت گزار ہو۔اسے کہاجائے گا جنت کے جس دروازہ سے چاہو داخل ہو جاؤ۔(مسنداحمد حدیث: ۱۵۷۳)

حضرت امّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو عورت اس حالت میں فوت ہوئی کہ اس کا خاوند اس سے خوش اور راضی ہے تو وہ جنت میں جائے گی (ابن ماجہ) پس اس آیت میں رضا بالقضا کا بہترین سبق ہے۔ہاں جائز طریقوں سے اکتساب علم و دولت سے منع نہیں فرمایا نہ مرد کو نہ عورت کو۔

۳۴۔ **موالي**۔ مولیٰ کی جمع۔ جو ولی سے ہے یعنی قریبی۔ بمعنی وارث۔

تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ
جو چھوڑا | والدین | اور رشتہ داروں نے | اور وہ جن سے | تعلق قائم کیا

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
تمہاری قسموں نے | تو دو ان کو | حصہ | ان کا | یقیناً | اللہ | ہے

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۞ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا
ہر | بات پر | نگران | مرد | نگران ہیں | عورتوں پر | اس لیے کہ

فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ
فضیلت دی اللہ نے | ان کے بعض کو | بعض پر | اور اس لیے کہ خرچ کئے انہوں نے | اپنے مال

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَ
پس نیک عورتیں | فرمانبردار ہیں | حفاظت کرنیوالی ہیں پوشیدہ (پیٹ کے بچہ) چیز کی | اس لیے کہ حفاظت کی اللہ نے | اور

الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
وہ عورتیں کہ ڈرتے ہو تم | نافرمانی سے ان کی | تو نصیحت کرو ان کو | اور | جدا رہو | ان سے

وراثت کے تفصیلی احکام میں کئی ضمنی احکام کے بعد پھر وراثت کے متعلق فرمایا کہ ہر ایک کے لئے ہم نے اس مال کے وارث مقرر کر دیئے ہیں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں۔ میاں اور بیوی جو ایک مضبوط معاہدہ کے تحت ایک دوسرے کے نکاح میں آئے ہیں ، ان کو بھی ان کا مقررہ حصہ دو۔ایام جاہلیت میں غیر وارثوں کو بھی ترکہ میں حصہ ملتا۔جیسے متبنّیٰ یا منہ بولے بہن بھائی وغیرہ۔ اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا۔ہاں بذریعہ وصیت جسے چاہو ۱/۳ تک دینے کے مجاز ہو۔

۳۵۔ **قوّامون**۔قوام کی جمع ہے۔قیام سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ متکفل۔نگران۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قوام کی تشریح فرمائی کہ قوام میں بیویوں کو سیدھی راہ پر رکھنے کا اشارہ بھی ہے۔اگر کوئی خاوند بیوی کو کجی کی طرف لے جانا چاہے تو بیوی پر اس کی اطاعت واجب نہیں ہوگی۔قوام میں نگرانی کامفہوم بھی ہے۔عورت کی فطرت میں ہے کہ کوئی اس کا نگران اور محافظ ہو **قٰنتٰت**۔قنوت۔خضوع کے ساتھ فرمانبرداری لازم کرلینا۔عام طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر قرآن کریم میں آیا ہے۔یہاں مراد شوہر کی فرمانبردار ہیں۔**نشوز**۔اٹھنا۔مراد مرد کے خلاف سرکشی سے اٹھ کھڑا ہونا۔ باغیانہ رویہ اختیار کرنا۔ **ھجر**۔الگ۔اسی سے ہجرت ہے۔

عورتوں کے حقوق کے تفصیلی بیان کے بعد مردوں کے حقوق کا ذکر کیا۔ پہلے بتایا جاچکا

فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
سونے کی جگہوں میں اور مارو ان کو پھر اگر اطاعت کریں تمہاری تو نہ تلاش کرو
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۵ وَاِنْ خِفْتُمْ
ان کے ذمہ کوئی الزام یقیناً اللہ ہے بہت بلند بہت بڑا اور اگر ڈرو تم

ہے کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ (البقرہ : ۲۲۹) گویا دونوں گاڑی کے دو پہیئے ہیں جو مل کر گھر کا نظم ونسق چلاتے ہیں۔تاہم مردوں کو عورتوں پر نگران مقرر کیا ہے کیونکہ مردوں کو بعض امور میں عورتوں پر فضیلت ہے۔مثلاً قوائے جسمانی کے لحاظ سے عورتوں پر فائق ہیں۔ان میں طاقت ،دلیری اور بہادری وغیرہ بھی جنس مخالف سے بدر جہا زیادہ ہے۔اس لئے روزی مہیا کرنا اور اہل و عیال بلکہ ملک وقوم کی حفاظت ان کے ذمہ ہے۔ دوسری وجہ فضیلت یہ ہے کہ مرد اپنے مال کو اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہیں گویا ان کے متکفل ہیں جب کہ بیوی اس کی ذمہ دار نہیں۔

نیک اور صالح عورتوں کی دو صفات بیان فرمائیں۔وہ اللہ کی فرمانبردار ہیں یعنی حقوق اللہ ادا کرنے والی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد خاوند کے حقوق کا ذکر کیا، جس سے اس کی اہمیت واضح ہے۔خاوند کے پسِ پشت ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جن کی حفاظت کی اللہ نے تاکید کی۔اس میں اپنی عفت کی حفاظت جو گویا خاوند کی امانت ہے۔خاوند کے مال کی حفاظت کہ ناجائز تصرف اور فضول خرچی نہ کرے ،یہ بھی کہ خاوند کے پردہ کی باتوں کو ظاہر نہ کرے۔بما حفظ اللہ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی حفاظت فرمائی ہے۔ جن کو وہ خود نہیں لے سکتی تھیں۔اس لئے اب ان کا بھی فرض ہے کہ خاوندوں کے حقوق کی حفاظت کریں اور ان کی پوری پوری اطاعت کریں۔اہل مغرب نے اس بات پر کہ اسلام میں عورت کو اطاعت کا حکم ہے، بہت شور مچایا ہے حالانکہ اسلام میں میاں بیوی کی حیثیت بادشاہ اور وزیر کی ہے۔حقوق دونوں کے برابر ہیں لیکن انتظامی فیصلوں میں مرد کو فوقیت دینا عائلی زندگی کی کامیابی کے لئے ازبس ضروری ہے اس لئے کہ وہ امیر بنایا گیا ہے۔ پس دل سے ان کی تعظیم کریں اور پیٹھ پیچھے ان کی خیرخواہ ہوں۔اس حدیث کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ قریباً بیس راویوں نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں (ترمذی) نیز آپؐ نے فرمایا! کہ اگر خاوند نفلی عبادت اور نفلی روزہ سے منع کرے تو فوراً رک جائے۔

اس آیت کی تشریح آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائی کہ بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ اطاعت کرے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ (بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ۔ بیہقی)

نیک اور اطاعت گزار عورتوں کے بعد ان سرکش عورتوں کا ذکر کیا جو خاوندوں کی نافرمان ہیں جبکہ خاوند قصوروار نہ ہوں۔ دونوں کے قصور یا خاوند کے قصوروار ہونے کا ذکر بعد میں آئے گا۔نشوز کے معنی وسیع ہیں جیسے خاوند کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا ،باغیانہ طریق اختیار کرنا ،گالی گلوچ اور مارکٹائی پر اتر آنا، نافرمانی کرنا، بغض و عداوت رکھنا۔ان کے گھروں میں نہ بسنا وغیرہ وغیرہ۔ اس نشوز کے تین علاج بتائے جو انسانی نفسیات کے عین مطابق ہیں۔پہلا نصیحت کرنا، پیار اور محبت سے سمجھانا۔اگر اس کا کچھ اثر نہ ہو اور اپنی بدخوئی سے باز نہ آئیں اور اپنے غلط رویے کی اصلاح نہ کریں تو انہیں خوابگاہوں میں اکیلا چھوڑ دو۔اس میں بھی ان کی عزت افزائی کو مدنظر رکھا کہ انہیں گھروں سے نہ نکالیں بلکہ خود کچھ دیر کے لئے الگ ہو جائیں تاکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اور اپنی اصلاح کرلیں۔ایک شریف عورت کے لئے شوہر کی ناراضگی کافی سزا ہے وہ ضرور غلط فہمی دور کر کے خوش باش زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔اسلامی تعلیم تمام دنیا کے لئے اور ہر قسم کے طبائع کے لئے ہے۔کچھ جھگڑالو اور بد خصلت عورتیں ضرور ایسی ہوتی ہیں جو محبت کی زبان نہیں سمجھتیں۔اسلام میں طلاق سخت ناپسندیدہ ہے اس لئے طلاق کی بجائے ان کے لئے کسی قدر سختی کی ضرورت ہے۔مارنے کے لفظ سے لوگوں میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ عورت پر ظلم ہے لیکن یہ آخری علاج ہے ۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اہل مغرب مار سے بھی اسلامی قوانین کو دقیانوسی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے ترقی یافتہ معاشرہ میں عورتوں کو شدید تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔شراب کے نشہ میں دُھت شوہر بعض اوقات بیویوں کو جان سے مار دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔آئے دن ایسی رپورٹیں پولیس کو پہنچتی رہتی ہیں جبکہ اکثر عورتیں مار کھا کر خاموش رہتی ہیں۔غرض بیویوں کو مارنے پیٹنے کے واقعات ترقی یافتہ ممالک میں اسلامی ممالک سے بہت زیادہ ہیں۔حدیث میں ہے کہ عورتوں پر سختی کی شکایت ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچی تو آپؐ نے فرمایا!۔ ہمارے گھروں میں بہت سی عورتیں آتی ہیں جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں۔ یہ لوگ تم میں سے اخیار نہیں ہیں۔(ابوداؤد۔نسائی ۔ابن ماجہ) یعنی خاندانی اور

شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ
مخالفت سے درمیان ان دونوں کے تو مقرر کرو ایک منصف خاندان سے اس مرد کے اور ایک منصف

اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ
خاندان سے اس عورت کے اگر وہ دونوں چاہیں گے اصلاح موافقت پیدا کرے گا اللہ درمیان ان دونوں کے یقیناً

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ
اللہ ہے خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک ٹھہراؤ ساتھ اس کے

اعلیٰ طبقہ کے نہیں ہیں بلکہ ادنیٰ طبقہ کے ہیں جو جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کے حقوق اورحرمت کے ضمن میں مغرب کی صورتحال جتنی خوش آئند نظر آتی ہے اتنی ہے نہیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مغربی عورت کے مقابلہ میں اسلامی اقدار کی حامل مشرقی عورت زیادہ عزت اور وقار کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ وہاں کی عورت کو اپنے بہن بھائیوں ماں باپ اور شوہر کا وہ پیار میسر نہیں جو اسلام نے اسے دیا۔ وہاں عورت دل بہلانے کا ذریعہ ہے اسے مردوں کے ساتھ معاشی بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے۔ بیوی اور محبوبہ کو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا جب چاہیں چھوڑ دیں۔ ملازمتوں کے معاملہ میں بھی عورت کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے اسے ایک سطح سے اوپر نہیں جانے دیا جاتا۔ غرض مغربی عورت کی خوش نمائیوں پر نہ جائیں ان کے دکھ بہت گہرے ہیں۔

اسی طرح حجتہ الوداع میں آپ نے ایسی عورت کو مارنے کی اجازت دی جو خاوند کی مرضی کے خلاف دوسرے مرد کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔ ایسے سخت جرم میں بھی ایسی نرم مار ہو جس کا نشان نہ پڑے نیز چہرے پر مارنے سے سختی سے منع فرمایا۔ گویا مقصد صرف ناراضگی کا اظہار ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسواک یا کسی ایسی ہی چیز سے مارنے کی اجازت ہے (شوکانی) جس کا مقصد عورت کو شرم دلانا ہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سنت ہمارے سامنے ہے۔ آپؑ اپنی بیویوں کے لئے نہایت حلیم و کریم تھے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر راہ راست پر آجائیں اور نشوز ترک کر دیں تو پھر تمہیں ان پر زیادتی کا کوئی حق نہیں۔ کبریائی تو اللہ تعالیٰ کو ہی مسلم ہے، تم اپنے آپ کو بہت بڑا نہ سمجھو کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں بلکہ تواضع سے پیش آؤ۔

۳۶۔ **شقاق** ۔ شق ۔ پھٹنا ۔ دشمنی ۔ ضد ۔ لڑائی ۔ شدید اختلاف ۔ **یوفق** ۔ وفق ۔ موافقت پیدا ہونا ۔ مطابقت ۔ **یوفق** ۔ وہ موافقت پیدا کردے گا ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
کسی کو اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرو اور ساتھ رشتہ داروں کے اور یتیموں کے اور

الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
مسکینوں کے اور رشتہ دار ہمسایہ کے اور اجنبی ہمسایہ کے اور ہم نشین

بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
پہلو والے کے اور مسافروں کے اور (ساتھ) انکے کہ مالک ہوئے (جنکے) داہنے ہاتھ تمہارے یقیناً اللہ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۷﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ
نہیں پسند کرتا اُسے جو ہو تکبر کرنے والا فخر کرنے والا وہ جو کہ بخل کرتے ہیں اور

ہے کہ اوّل زبان سے نصیحت کرو۔ اگر رک جائے تو اس پر کوئی الزام نہیں لیکن اگر انکار کرے تو مفارقت کرو۔ پھر بھی انکار کرے تو مارو، پھر بھی انکار کرے تو دو حکم مقرر کئے جائیں۔

پس جب اوپر کی تمام تدابیر کے باوجود بیوی صلح پر راغب نہیں ہوئی اور اختلاف بڑھتا چلا گیا۔ یا دوسرے حالات میں جب میاں بیوی دونوں قصوروار ہوں۔ تو بھی یہی حالات پیدا ہو جاتے ہیں اور دونوں میں ضد اور دشمنی کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور علیحدگی کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مصالحت کی آخری کوشش کریں۔ ایک منصف یعنی حکم خاوند کے اہل سے اور ایک بیوی کے اہل سے مقرر ہو کیونکہ انہیں غیروں کی نسبت حالات اور طبائع کا علم زیادہ ہوگا اور دونوں کے زیادہ ہمدرد ہوں گے۔ پس اگر وہ صلح کی کوشش کریں گے اور میاں بیوی بھی صلح کا ہاتھ بڑھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں موافقت پیدا کر دے گا۔ اس طرح معاملہ گھر میں ہی سلجھ جائے گا اور دو خاندان تباہ ہونے، عدالت کی رسوائیوں اور بے جا اخراجات سے بچ جائیں گے۔

۳۷۔ **جار** ۔ ہمسایہ ۔ **جنب** ۔ پہلو ۔ دور کے معنی دیتا ہے اسی سے اجتناب یعنی پہلوتہی ہے۔ **مختالاً** ۔ خیل ۔ اسی سے خیال ہے چونکہ انسان اپنے نفس میں خود کو بڑا خیال کرتا ہے۔ اس لئے متکبر کے معنی میں آتا ہے۔

قرابت داروں اور بیویوں کے حقوق کی وضاحت اور ان سے حسن سلوک کے احکام کے بعد تمام مخلوق سے احسان اور حسنِ سلوک کا درس دیا۔ سب سے پہلے اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کا حکم دیا کہ جب اپنے محسن کو پہچان لوگے تو اس کی مخلوق پر احسان کرنا آسان ہوجائے گا۔ خدا تعالیٰ کے بعد انسان کے پہلے محسن و مربی اس کے والدین ہیں۔ ان سے احسان اور حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ پھر اقرباء سے علیٰ حسبِ مراتب پھر یتامیٰ اور مساکین سے، نیز قریبی

يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور چھپاتے ہیں جو دیا ان کو اللہ نے اپنے

اور دور کے ہمسائیوں سے احسان کا حکم دیا ان میں رشتہ دار ہمسائے اور غیر رشتہ دار دونوں شامل ہیں۔ **الجارذی القربٰی** سے مراد ایسے ہمسائے بھی ہیں جن کے عزیز و اقرباء ہوں لیکن وہ ان کا خیال نہ رکھتے ہوں۔خواہ ایسے ہمسائے بالکل قریب نہ بھی ہوں۔ایک حدیث کی رو سے اردگرد کے چالیس گھروں میں اگر کوئی شخص بھوکا سویا تو ہمسائے جواب دہ ہوں گے۔گویا حقوقِ ہمسائیگی پورے محلّہ پر محیط ہے۔ان میں مسلم اور مشرک کی کوئی تفریق نہیں۔حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمسایہ کے متعلق اتنی تاکید کرتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ ان کو ورثہ دلایا جائے گا (بخاری کتاب الادب باب الوصایا بالجار) پھر **الصاحب بالجنب** ہم جلیس یعنی پاس بیٹھنے والے۔ان میں سکول اور کالج کے ساتھی، دفتر، گھر، باہر، سفر و حضر میں جو بھی ہمنشین ہو اس کا حق ہے کہ اس پر احسان کیا جائے نیز مسافر جو سفر میں ہماری ہمدردی اور حسن سلوک کے مستحق ہیں۔فرمایا جو بھی تمہارے قبضہ میں ہیں۔ان میں جنگی قیدیوں کے علاوہ ماتحت و ملازم، ہر جاندار اور جانور جو آپ کے قبضہ میں ہے۔فرمایا اللہ تعالیٰ کو تکبر کرنے والا اور فخر کرنے والا پسند نہیں۔جب تمہارے احسان کا دائرہ تمام دنیا پر محیط ہوجائے گا تو دیکھنا کہیں دل کے کسی گوشے میں اپنی بڑائی کا خیال تک نہ گزرے بلکہ اس مولا کا شکر گزار ہونا جس نے اس نیکی کے لئے تمہیں چنا اور توفیق دی۔ثابت بن قیس سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔**ان اللّٰہ لایحب من کان مختالًا فخورا** ۝ اور تکبر اور اس کی برائی کا ذکر کیا۔تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا! کہ کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں تو ایک ایسا آدمی ہوں جو خوبصورتی سے محبت رکھتا ہوں۔یہاں تک کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میری جوتی کا تسمہ بھی خوبصورت ہو۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا! پھر تم تو اہل جنت میں سے ہو۔فرمایا یہ تکبر نہیں کہ تم اپنی سواری اور پالان کو اچھا بناؤ بلکہ متکبر وہ ہے جو حق کو ہلکا جانتا ہے یعنی خدائی احکام کو معمولی جانتا ہے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے (رواۃ مسلم۔ریاض الصالحین، باب تحریم الاحتقار المسلمین) پس آپؐ نے تکبر کی وضاحت فرما دی۔

۳۸۔تمام دنیا پر احسان کرنے کی تعلیم دی تو ساتھ ہی بخل سے روکا کیونکہ بخیل نہ صرف خود بندگان خدا سے حسن سلوک سے محروم رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی یہی تحریک کرتے ہیں اور جو

فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

فضل سے اور تیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا اور وہ لوگ جو

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

خرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھانے کے لیے لوگوں کو اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ

روزِ قیامت پر اور جو شخص کہ ہوا شیطان اس کا ساتھی تو کیا ہی بُرا ہے

قَرِيْنًا ﴿۳۹﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

وہ ساتھی اور کیا تھا ان پر (مضائقہ) اگر وہ ایمان لے آتے اللہ پر اور روزِ آخر پر اور

کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھالے۔پس دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنا، کسی کو صحیح مشورہ نہ دینا، ادھار نہ دینا اور اپنے حلیہ سے یہ ظاہر کرنا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔یہ سب بخل میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔فرمایا کفران نعمت کرنے والوں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ابوالاحرص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ میں نے ناکارہ اور گھٹیا کپڑے پہن رکھے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تیرے پاس مال ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں یارسول اللہ ﷺ۔فرمایا! کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کی سب طرح کا مال اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا ہے اونٹ، گائے، بیل، بکری، گھوڑے، غلام۔ارشاد ہوا جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تیرے وجود پر بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔(مسند احمد۔نسائی) آنحضرت ﷺ نہایت نفیس الطبع اور خوش لباس تھے۔جب باہر سے کوئی عمدہ کپڑا آیا آپؐ نے پہن لیا۔

۳۹۔ **قرین** ۔قرن۔دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ملنا۔ساتھی۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں تو سخت بخیل ہیں لیکن جہاں جھوٹے دکھاوے، نمود و نمائش اور رسوم و رواج کے مواقع ہوں تو خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔اگر خدا پر اور یوم آخر پر ایمان ہوتا تو اس کی رضا پر خرچ کرتے یہاں بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان کو مسلمان ہونے کے مترادف رکھا ہے چونکہ ایمان نہیں اس لئے غلط مواقع پر خرچ کرتے ہیں۔ان کا ساتھی شیطان ہے۔یہ نفس کا شیطان بھی ہے اور بُرا ساتھی بھی ہے جو نمود و نمائش کے لئے خرچ کرنے کا مشورہ

اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ

خرچ کرتے اس سے جو دیا ان کو اللہ نے اور ہے اللہ ان کو خوب جاننے والا یقیناً

اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا

اللہ نہیں ظلم کرتا برابر ذرہ کے اور اگر ہو نیکی بڑھاتا ہے اُسے

وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۴۱﴾ فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ

اور دیتا ہے اپنی جناب سے اجر بڑا پس کیا حال ہوگا جب لاویں گے ہم

كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيۡدًا ﴿۴۲﴾

ہرایک اُمت سے ایک گواہ اور لاویں گے ہم تجھے خلاف ان لوگوں کے گواہ

دیتا ہے۔جس کا ساتھی شیطان ہو وہ کیا ہی برا ساتھی ہے؟

۴۰۔ **ماذاعلیهم** ۔توبیخ کے لئے ہے کہ ان پر کیا افتاد پڑ جاتی۔

یعنی ان پر کیا آفت آتی یا ان پر کیا مشکل تھی اگر وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے۔گویا اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہی اس کی راہ میں خرچ کرنے کا محرک ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔کہ خرچ کرنے کا مقصد رضائے الٰہی ہے یا دنیاداری اور دکھاوا۔

۴۱۔ **مثقال**۔نام وزن جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ہم وزن۔برابر۔

اللہ تعالیٰ تو کسی پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ یعنی کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔اگر ریاکاری پر خرچ کیا ہوا کسی اجر کا مستحق نہیں تو یہ ظلم نہیں۔ **الاعمال بالنیات** ۔پس جنہوں نے اللہ کی رضا پر خرچ کیا یا کوئی بھی نیکی کی۔ تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور اس کا اجر دے گا اور اس اجر کو دنیا و آخرت میں بڑھائے گا۔احادیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تک ملتا ہے اور اس کے نتائج دوررس ہوتے ہیں اور اس کا اثر پشتوں تک جاتا ہے جبکہ آخرت میں ہر نیکی کا بدلہ ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ ملتا ہے یہ تو نیکیوں کا بڑھانا ہے جو اپنے حضور سے اجر عظیم عطا فرمائے گا اس کا تو کچھ حد و حساب نہیں۔جب کہ برائی کی سزا برائی کے برابر ملتی ہے یا بخش دیتا ہے۔(مسلم کتاب الایمان بروایت حضرت ابن عباسؓ) بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور جاری رحمانی قانون ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال ضرور بڑھے گا۔ہندو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خیراتی ادارے قائم کرنے اور دان وغیرہ دینے سے ان کے مالوں میں برکت پڑتی ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۴۲۔ **فکیف** ۔تعجب کے لئے آتا ہے۔یعنی تیرا کیا حال ہو گا۔دوسری جگہ ہے

يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ

اس دن چاہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش

تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا ﴿۴۳﴾ ع ۶/۴

ہموار کردی جاوے ان پر زمین اور نہیں چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات

فلنسئلن الذین ارسل الیهم ونسئلن المرسلین ۔یعنی ہر امت کے ہر فرد سے اور اس کے رسول سے سوال ہوگا کہ رسول نے پیغام حق کہاں تک پہنچایا اور امت نے کہاں تک عمل کیا۔یہاں فرمایا ہر نبی اپنی امت پر اس امر کا گواہ ہوگا کہ اس نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا جیسا کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم گواہ ہو کہ میں نے پیغام حق پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم گواہ ہیں آپ نے پیغام حق پہنچا دیا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اس لئے فرمایا کہ ہم تجھے ان سب پر بطور گواہ لائیں گے۔یہاں اس عظیم ذمہ داری کی طرف بھی اشارہ ہے جو آپؐ کی امت پر اقوام عالم کی تربیت و اصلاح کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں اور آپؐ پر ہی تو نازل ہوا ہے۔فرمایا! ہاں مجھے پسند آتا ہے کہ میں دوسروں سے سنوں، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ آپ اس آیت پر پہنچے فکیف ۔۔۔تو آپؐ نے فرمایا! بس کرو اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت ابن جریرؒ کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا! جب تک میں ان میں ہوں، ان پر گواہ ہوں۔جب تو مجھے وفات دے دے تو تو ہی ان پر نگران ہے۔آپؐ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو امت کی پچھلی حالت کی خبر دی گئی تھی۔ جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

۴۳۔ وہ لوگ جنہوں نے احکام خداوندی کا انکار کیا۔حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کئے ،اس طرح رسول کی نافرمانی کی، اس دن خواہش کریں گے۔ کہ کاش وہ زمین میں دفن رہتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے گویا ان کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا تا کہ ان کی بدیاں جس طرح دنیا میں چھپی رہیں اس طرح اب مٹی میں ان کے ساتھ چھپی رہتیں لیکن ہر چیز ظاہر ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ قریب جاؤ نماز کے جبکہ تم

سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا

مدہوش ہو یہاں تک کہ جان لو تم جو کہتے ہو تم اور نہ (قریب جاؤ) جنبی ہونیکی حالت میں

عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

سوائے راہ گیر ہونے کے یہاں تک کہ نہالو اور اگر ہو تم بیمار

اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ

یا سفر پر یا آوے کوئی تم میں سے قضاء حاجت سے یا

لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

یا چھوؤ تم عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو مٹی

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

پاک سے پھر مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر یقیناً اللہ ہے

عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

بہت معاف کرنوالا بہت بخشنے والا کیا نہیں دیکھا تُونے ان لوگوں کو جو دیئے گئے ایک حصہ

۴۴۔ **الصلوٰۃ** ۔نماز ۔مسجد۔ **سکٰری** ۔سکر، نیند کا غلبہ، شراب کا نشہ، **جنبًا**۔ جب۔ حالت جنابت میں ہونا، جب مباشرت یا احتلام سے غسل واجب ہو ۔ حالتِ ناپاکی۔ **عابری** (عابرین تھا ن گر گیا)۔عبور کرنے والے ۔گزرنے والے۔ مسافر۔واحد عابر۔ **صعیدًا** ۔صعود۔ اوپر چڑھنا۔ غبار۔ مٹی۔

پچھلے رکوع میں حقوق اللہ اورحقوق العباد کا بیان تھا۔اس رکوع میں حقوق اللہ میں نماز کے بعض مسائل کا بیان ہے اور یہود کا ذکر ہے جنہوں نے احکام الٰہی سے منہ موڑا۔

نشہ اور جنسی تعلقات میں بے شک جسمانی سرور ہے لیکن نماز کی لذت اور سرور کا مقابلہ نہیں۔جیسا کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ تمہاری دنیا کی چیزوں میں مجھے خوشبو اور عورت محبوب ہے۔مگر میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے(سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء ج ۲ س۴۵۴) یعنی جو حقیقی راحت اورسکون نماز میں ہے وہ دنیا کی کسی چیز میں نہیں۔

قرآن کریم نے شراب کو بتدریج ختم کیا۔ پہلا حکم سورہ بقرہ آیت ۲۲۰ میں تھا کہ شراب اور جوئے کے گناہ کے پہلو یعنی ان کے نقصانات ان کے فوائد سے بہت بڑھ کر ہیں۔دوسرا حکم یہاں آیا ۔تیسرا اور قطعی حکم سورہ مائدہ میں آیا۔ یہاں فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ جو

الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

کتاب کا خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ گمراہ ہوجاؤ تم

السَّبِيْلَ ۝۴۵ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

راستہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے دشمنوں کو تمہارے اور کافی ہے اللہ

وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝۴۶ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا

دوست اور کافی ہے اللہ مددگار (یہ دشمن) ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہوئے

کہو اسے سمجھ نہ سکو۔ چونکہ قرآن کریم قیامت تک کے لئے ہے اس لئے شراب کی قطعی حرمت کے بعد اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نیند کے انتہائی غلبہ میں نماز نہ پڑھو۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اونگھ آجائے تو چاہیئے کہ وہ چلا جائے اور سوئے یہاں تک کہ جو کچھ کہتا ہے، اسے جانے۔جو لوگ ساری عمر بغیر سمجھے نمازیں پڑھتے ہیں انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور کم از کم نماز کا ترجمہ سیکھنا چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ نہ ہی جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھو جب تک کہ غسل نہ کرلو۔ غسلِ جنابت میں کلی ، ناک میں پانی ڈالنا اور سر سے پاؤں تک پانی بہانا کم از کم ہے۔ہاں اگر مسافر ہو اور غسل کی سہولت میسر نہیں تو اس کا حل تیمّم کی صورت میں آئے گا۔ دوسرا معنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ لیا ہے کہ حالت جنابت میں بوجہ مجبوری مسجد میں سے گزر جانا جائز ہے۔بیٹھنا جائز نہیں۔جب کہ بعض آئمہ کے نزدیک وضو کرکے مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں۔اگر تم مریض ہو اور غسل یا وضو نقصان دہ ہے تو باوجود پانی کے تیمّم کرو۔ایک زخمی صحابی حالت جنابت میں نہانے کی وجہ سے وفات پاگئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا! لوگوں نے اسے مار دیا یعنی اسے بتانا چاہیئے تھا کہ تیمّم کرتے۔فرمایا اگر سفر میں تمہیں وضو، طہارت یا غسل جنابت کے لئے پانی نہ ملے یا دیگر اہم ضروریات کے لئے پانی کم ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو اور مٹی والے ہاتھوں کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ملو۔تیمّم کا صحیح طریق جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے یہی ہے کہ صاف زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر پھونک مار کر زائد مٹی اڑا دے۔دونوں ہاتھ منہ پر پھیر کر پہنچوں تک ایک دوسرے پر مل لے۔اگر مٹی بظاہر ہاتھ کو نہ لگے تو بھی تیمّم ہوجائے گا۔(بخاری کتاب التیمم بروایت عبدالرحمٰن بن ابزیٰؓ) اللہ تعالیٰ تو تمہاری خطاؤں سے بہت درگزر کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

۴۵۔۴۶۔ قرآن کریم کے احکام بتلا کر یہود کی حالت پر مسلمانوں کو توجہ دلائی جنہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا ہوا تھا۔انہیں تورات بطور ایک کامل کتاب نہیں دی گئی لیکن جو احکام

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا
وہ بدلاتے ہیں باتوں کو ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں سُنا ہم نے

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ
اور نافرمانی کی ہم نے اور تو سن نہ سنایا جاوے تو اور (کہتے ہیں) راعِنَا موڑکر اپنی زبانوں کو

وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ
اور طعن کے طور پر دین میں اور اگر وہ کہتے کہ سُنا ہم نے اور

اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ
اطاعت کی ہم نے اور تو سن اور تو دیکھ ہم کو تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور زیادہ درست

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۷﴾
لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بسبب انکے کفر کے پس نہ ایمان لاویں گے مگر تھوڑے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا
اے لوگو جو دیئے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو اتارا ہم نے مصدق بنا کر

بھی دیئے ان پر بھی عمل کرنے کے روادار نہیں، نیکیوں کو اختیار کرنے کی بجائے بدیوں کو اختیار کرنے کے لئے اپنا مال برباد کر رہے ہیں۔ بجائے خود ہدایت پر گامزن ہونے کے چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی غلط راہوں کو اختیار کرو۔ تم انہیں اپنا ہمدرد نہ سمجھو، وہ تمہارے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اللہ تو بطور دوست بھی کافی ہے اور مددگار ہونے کے لحاظ سے بھی کافی ہے۔ پس جس کا اللہ دوست اور مددگار ہو جائے اسے اور کسی کی کیا ضرورت ہے۔

۴۷۔ **مواضعہٖ** ۔موضع کی جمع ہے ۔وضع ۔مقام۔ اس کے مقام سے۔ **غیر مسمع** ۔تو نہ سنوایا جائے یعنی تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے۔ **طعن**۔لفظی معنی ہیں نیزہ مارنا۔ مراد زبان سے عزت پر حملہ کرنا۔ عیب لگانا۔ **اقوم** ۔قام ۔زیادہ عدل کی بات۔ زیادہ درست زیادہ مضبوط قول ۔ **راعنا** ۔ ہماری رعایت کیجئے۔ یہود میں ایسے بھی تھے جو اپنی کتاب میں تحریف کرتے رہتے تھے جس کا متعدد بار ذکر آیا یہاں یہ بھی مراد ہے کہ کلام الٰہی کی آیات اور الفاظ کو یعنی قرآنی الفاظ کو آگے پیچھے کرکے عوام کو دھوکا دیتے۔ آنحضرت ﷺ کو نہایت دیدہ دلیری سے کہتے۔ **سمعنا و عصینا**۔ کہ ہم نے سن لیا۔ اگر ٹھیک ہو اور ہمارے عقائد کے مطابق بھی ہو تو بھی ہم نہیں مانتے ۔ فرمایا کہ اگر وہ اس کی بجائے **سمعنا واطعنا** ۔کہتے کہ ہم نے خدا کا کلام سنا اور ہم نے مان لیا تو ان کے لئے کیا ہی اچھا ہوتا۔ ان کی گستاخی کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کلام

لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى
اس (کتاب) کا جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کے کہ ہم مٹا دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں

اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ
انکی پیٹھوں پر یا ہم لعنت کریں ان پر جیسا کہ لعنت کی ہم نے سبت والوں پر اور

كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ
ہے حکم اللہ کا ہو کر رہنے والا یقیناً اللہ نہیں معاف کرتا کہ شریک بنایا جاوے

کرتے تو ذومعنی الفاظ استعمال کرتے اور اپنی طرف سے **معاذاللّٰہ علیٰ ذالک** آپؐ کو بیوقوف بناتے۔ اپنی زبانوں کو موڑ کر بعض کلمات اس طرح کہتے کہ سننے والا کچھ اور سمجھتا اور اصل مطلب کچھ اور ہوتا۔ اس طرح دین میں طعن کرتے۔ آپؐ کی شان میں کہتے۔ **وسمع غیر مسمع** ۔یہ دعائیہ کلمہ بھی ہے کہ تجھے کوئی بات غیر پسندیدہ نہ سنائی جائے۔ یہی کلمہ بددعا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے کہ سن تو نہ سنوایا جائے یعنی مقبول نہ ہو۔ اس طرح سے تمسخر اڑاتے کہ پکڑے بھی نہ جاتے۔ فرمایا اس کی بجائے **واسمع وانظرنا** ۔ کہتے تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ درست طریق ہوتا کہ ہماری بات سنئے اور ہم پر رحمت کی نظر کیجئے یا یہ کہ ہمیں مہلت دیجئے تاکہ ہم غور کر سکیں۔ اسی طرح آپؐ کی شان میں راعنا کہتے۔ جس کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجئے۔ رعونت کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ نیز زبان کو مروڑ کر **راعینا** کہتے یعنی اے ہمارے چرواہے۔

جو قوم اپنے نبی کے ساتھ جو ان کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق آیا گستاخیوں میں اتنی دیدہ دلیر ہو جائے، ان پر ان کے کفر کے سبب اللہ نے لعنت کر دی ہے یعنی وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو گئے ہیں۔ پس ان میں بہت کم ہیں جو ایمان لائیں گے۔

۴۸۔ **نطمس** ۔طمس ۔محو کرنا۔ مٹا دینا۔ **وجوہ** ۔وجہ ۔منہ اور توجہ نیز قوم کے سردار۔

یہود کی بد زبانیاں اور گستاخیاں جب حد سے بڑھ گئیں اور آنحضرت ﷺ کے دو بدو بیٹھ کر آپؐ کی شان میں ہتک آمیز کلمات کہہ جاتے تو گویا اتمام حجت ہو گئی۔ فرمایا کہ اگر وہ اس کتاب پر ایمان نہ لائے جو اب اتاری ہے اور جو ان کی اپنی کتاب کی مصدق ہے تو ان کو دو قسم کی سزائیں دی جائیں گی۔ پہلی تو یہ کہ ان کے چہروں کو مٹا دیں گے اور ان کے مونہوں کو ان کی پیٹھوں کی طرف پھیر دیں گے۔ مراد یہ کہ ان کے سرداروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور انہیں ذلیل کر دیں گے، جن کے بل بوتے پر یہ شرارتیں کرتے ہیں۔ ورنہ سچ مُچ منہ پیٹھ کی طرف نہیں

بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

اسکے ساتھ اور معاف کرتا ہے وہ (گناہ) جو کم اس سے ہے جس کے لیے چاہے اور جو شریک بناتا ہے

بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

اللہ کیساتھ تو یقیناً کیا اس نے گناہ عظیم کیا نہیں دیکھا تونے طرف ان لوگوں کی

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

جو پاک ٹھہراتے ہیں اپنے آپ کو حالانکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور نہیں ظلم کئے جاویں گے وہ

پھیرے۔ دوسری یہ کہ اصحاب سبت کی طرح ان پر لعنت کریں گے۔اصحاب سبت بندر نہیں بنے تھے بلکہ بندروں والے خصائل ان میں پیدا ہو گئے تھے اور بندروں کی طرح ذلیل ہوئے تھے اور نہ آنحضرت ﷺ کے دشمن بندر بنے بلکہ ان میں بھی بندروں والے خصائل پیدا ہوئے اور وہ بھی ذلیل ہوئے اور دربدر ہوئے۔ بنو نضیر کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں جلاوطن ہوئے۔ فرمایا یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو پورا ہو کر رہنے والا ہے۔(تشریح ۲۔۶۶)

۴۹۔ یہود کی بداعمالیوں کا ذکر تھا جو شرک میں بھی مبتلا ہو چکے تھے۔ شرک محض پتھر کے بتوں کا پوجنا نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ انسان نے اپنے دل میں بے شمار بت سجا رکھے ہیں۔ان میں سے ہر ایک کو نکالنا بت پرستی کی جڑ کاٹنا ہے پس سوائے خدا کے کسی پر بھروسہ کرنا خواہ مال ہو یا جاہ و جلال، اعلیٰ مرتبہ ہو یا اولاد و اقربا، صحت و حسن بلکہ اپنے نفس پر بھروسہ کرنا بھی شرک ہے۔ حدیث میں ہے کہ شرک کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔

جس طرح توحید ہر نیکی کی جڑ ہے ، شرک ہر بدی کی جڑ ہے۔حضرت عتبان بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جس نے خدا کی رضاجوئی کے لئے **لا اله الا اللّٰه** پڑھا خدا نے اس پر دوزخ حرام کردی ہے۔(بخاری کتاب الأطعمة باب خزیرہ) پس جس کا معبود اور مقصود و مطلوب صرف خدا تعالیٰ ہوگا تو شرک کیسا؟ بلکہ وہ تو ہر گناہ سے بچے گا۔ہاں مشرک بھی توبہ کرلے گا تو بخشا جائے گا ورنہ شرک کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا مشرک ہو جائے یا موحّد، خدا تعالیٰ کی خدائی میں ہرگز کچھ فرق نہیں پڑتا۔انسان شرک کر کے خود ہی ذلیل ہوتا ہے۔انسان خدا کا نائب ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت رکھی گئی ہے وہ احسن تقویم پر پیدا کیا گیا ہے اگر وہ خدا کو چھوڑ کر اپنے جیسے یا اپنے سے کم تر پر بھروسہ کرے گا تو اپنے مرتبے کو خود گرائے گا اور اسفل سفلین میں شامل ہوگا۔

لوگوں نے شرک کو انبیاء اور راستبازوں کی طرف منسوب کیا اور انہیں خدائی صفات میں شریک کیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ پر افترا کیا حالانکہ انہوں نے ہرگز ایسی تعلیم نہیں دی۔ وہ تو آئے

فَتِيْلًا ﴿۵۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۚ وَكَفٰى

ایک بتی کے برابر بھی دیکھ کس طرح گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہ

بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۱﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

(افتراء کرنا) بطور کھلے گناہ کے کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو دیئے گئے ایک حصہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ

کتاب کا (پھر) وہ ایمان لاتے ہیں بتوں پر اور شیطان پر اور کہتے ہیں ان

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۲﴾

لوگوں کی نسبت جو کافر ہوئے کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت پر ہیں بہ نسبت مسلمانوں کے راہ کے لحاظ سے

ہی شرک کا قلع قمع کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرانے کے لئے تھے۔

۵۰۔ **فتیلا**۔ نہایت حقیر چیز کو کہتے ہیں ۔ جیسے دھاگہ یا کھجور کی گٹھلی کی شق کا دھاگہ۔

یہود چونکہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں زیادہ پڑھے لکھے ،مالدار اور مہذب تھے۔اس لئے اپنی تمام تر نالائقیوں کے باوجود اپنی پارسائی کے بڑے دعویدار تھے۔قرآن کریم نے بار بار فرمایا کہ نیک اعمال بجا لاکر اپنے نفسوں کو پاک کرو لیکن یہ بجائے نیک اعمال کے اپنے منہ میاں مٹھو بنتے اور ایک دوسرے کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے۔گویا من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔اللہ تعالیٰ نے اسے سخت ناپسند فرمایا۔صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے کی بہت تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا تجھ پر افسوس تو نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ پھر فرمایا اگر اپنے دوست کی تعریف کرنی ہو تو یوں کہو کہ میں اسے ایسا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جھوٹی تعریف انسان کو متکبر بنا دیتی ہے اگر نیک اعمال کا مقصد اللہ کی رضا ہے تو کسی پر احسان نہیں ۔اس سے انکساری اور فروتنی پیدا ہوتی ہے اور یہی تزکیہ ہے۔اگر ان کے بداعمال کی وجہ سے ان کو پاک قرار نہیں دیا تو ان پر ایک ذرہ برابر ظلم نہیں ہوا کیونکہ ان کے اعمال ہی اس قابل نہیں تھے۔

۵۱۔دیکھو کس طرح خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ہم پاک و مطہر ہیں۔ ان کا خود کو پاک سمجھنے کا متکبرانہ دعویٰ اتنا بڑا گناہ ہے کہ کوئی دوسرا گناہ نہ بھی ہوتا تو یہی گناہ کافی تھا۔

۵۲۔**جِبت** ۔ جادو۔ بت ۔شیطان ۔ **طاغوت**۔حد سے بڑھنے والا۔ سرکش۔ کاہن۔ شیطان۔ بت۔

یہود و نصاریٰ کو ضرورت کے مطابق کتاب کا ایک حصہ ہی دیا گیا۔ افسوس اس پر بھی عمل

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَن
یہ لوگ وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہیں

تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿۵۲﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا
پائے گا تو اس کا کوئی مددگار کیا ان کے لیے حصہ ہے حکومت سے پس تب تو نہیں

يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ
دیں گے وہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے تنکاف کے برابر بھی کیا یہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا

اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ إِبْرٰهِيمَ الْكِتٰبَ
ان (لوگوں) کو اللہ نے اپنے فضل سے پس یقیناً دی ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب

نہیں۔ان کے ایمان کی حالت یہ ہے کہ جادو ٹونے اور کاہنوں پر اعتقاد ہے ہر قبیلہ کا ایک کاہن ہوتا تھا جس سے فیصلہ کرواتے۔یہ خود کو پاک کہنے والے روحانیت کے دعویدار ضد میں اتنے اندھے ہوگئے ہیں کہ کفار اور مشرکین کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔گویابت پرستی توحید کی تعلیم ۔سے اچھی ہے اوراخلاق سے گری ہوئی ان کی حالت مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق سے بہتر ہے..اسی لئے ان سے مل کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کرتے رہتے۔اگر اپنی کتابوں کو بغور پڑھتے تو یقیناً انہیں توحید کا ہی درس ملتا کیونکہ یہودیت میں شرک قطعاً نہیں۔ہاں کفار و مشرکین کی صحبت میں رہ کر ان کا رنگ ضرور لیا۔

۵۳۔فرمایا! یہی وہ لوگ ہیں۔جن پر اللہ نے لعنت کی اور جو اللہ کی رحمت سے دور ہوا تو کون اس کا مددگار ہوگا۔خداتعالیٰ کی لعنت نبوت کا جاتے رہنا۔حکومت کا چھن جانا ذلیل و خوار ہونا۔دربدر ہونا۔یہ سب یہود کے ساتھ ہوا اور مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔کیونکہ قرآن کریم نے جب بھی یہود کو مخاطب کیا وہاں مراد مسلمان بھی ہیں جو قرآن کریم پڑھتے ہیں اور جنہوں نے یہود کے قدم پر قدم مارا اُن میں کون سے عیوب ہیں جو اِن میں نہیں بلکہ اس وقت تو ان سے بدتر ہیں۔

۵۴۔ **نقیرًا**۔لفظی معنی کریدنا۔ اسی سے منقار ہے یعنی چونچ۔ کھجور کی گٹھلی کے ننھے سے گڑھے کو کہتے ہیں۔ مراد نہایت حقیر چیز۔

یہود کا دعویٰ تھا کہ نبوت صرف ہمارا حق ہے۔بتایا کہ نبوت تو روحانی بادشاہت ہے تم تو دنیوی بادشاہت کے بھی اہل نہیں۔اگر انہیں حکومت کا کچھ حصہ ہی مل جائے تو یہ تو اتنے ذلیل اور بخیل ہیں کہ حقیر ترین شے بھی کسی کو دینے کے روادار نہیں ہوں گے۔ گویا حکومت کے لئے بڑے

وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُم مَّنْ اٰمَنَ
اور حکمت اور دیا ہم نے انکو ملک عظیم پس بعض ان میں سے جو ایمان لائے

بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾ إِنَّ
اس (قرآن) پر اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو رُکتے ہیں اس سے اور کافی ہے جہنم جلانے میں یقیناً

الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا
جنہوں نے کفر کیا ہماری آیات کا عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو آگ میں جب کبھی

نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا
پک جائیں گی کھالیں ان کی بدل دیں گے ہم ان کی کھالیں سوائے ان (پہلی) کے تاکہ چکھیں وہ

الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِينَ
عذاب یقیناً اللہ ہے غالب حکمت والا اور وہ لوگ جو

حوصلہ اور فراخدلی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بادشاہ کا داد و دہش غرباء کو خوشحال بنادے۔ اتنے تنگ دل اور بخیل تو حکومت کے قابل نہیں نبوت تو بہت بڑی بات ہے۔

۵۵۔فرمایا!ان کے آباء و اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو ہم نے کتاب و حکمت دی یعنی نبوت سے نوازا اور دنیوی طور پر ایک عظیم الشان بادشاہت دی۔اب اگر اِن کے بھائیوں اور حضرت ابرہیم علیہ السلام کی ہی اولاد بنی اسماعیل کو اپنے فضل سے انہی انعامات سے نوازا اور کتاب وحکمت عطافرمائی اور ایک عظیم الشان مملکت کا وعدہ دیا تو ان کا حسد میں جلنا بے معنی ہے۔جب تک یہ ان نعمتوں کے قابل تھے ان میں رہیں۔اب یہ اس قابل نہیں تو خدائی وعدوں کے مطابق بنی اسماعیل کو عطا ہوئیں اور یہ قیامت تک کے لئے وعدے ہیں۔بے شک آج ان کی نااہلی سے یہ نعمتیں وقتی طور پر ان سے چھن گئی ہیں۔

۵۶۔ان یہود میں سے کچھ تو اس نبی پر ایمان لے آئے اور ان تمام انعامات کے وارث ٹھہرے اور کچھ نے منہ موڑلیا اور بدنصیب رہے۔ان کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔

۵۷۔ **نضجت** ۔نضج۔ گوشت کے ہانڈی میں پکنے یا سیخ پر کباب کے طور پر پکنے پر بولا جاتا ہے۔ نضجت۔وہ پک گئی۔

یہاں خاص طور پر اس عذاب کا ذکر ہے جو یہود کے لئے مقدر ہے۔جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے انہیں بطور سزا ملے گا کیونکہ انہوں نے صاحب علم ہونے کی وجہ سے آپ کو پہچان لیا تھا

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
ایمان لائے اور انہوں نے کیں نیکیاں ضرور ہم داخل کریں گے انکو باغات میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ
نیچے جن کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ان کیلئے ان (باغات) میں

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ
بیویاں ہیں پاکیزہ اور ہم داخل کریں گے ان کو سائے گھنے میں یقیناً اللہ

کہ یہی وہ موعود نبی ہے جس کو ماننے کی تاکید ان کے نوشتوں میں باربار آئی تھی اور جس پر ایمان لانے سے ہی تمام انعامات مقدر تھے اور ساتھ ہی وعید بھی تھی کہ انکار کرنے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ جس طرح نعمائے جنت کی حقیقت کو سوائے ان کے ناموں کے دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا اسی طرح جہنم کی سزاؤں کو بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے اس تصور کے جو ناموں کی وجہ سے ذہن میں آتا ہے۔ دنیا میں کوئی دکھ کتنا ہی تکلیف دہ ہو ایک وقت آتا ہے کہ انسان اس کا عادی ہوجاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ایک جلد جل کر ختم ہوجائے گی تو دوسری بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔ نئی تحقیق سے بھی یہی ثابت ہے کہ تکلیف کا احساس جلد میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ گوشت بدل دیں گے نیز یہ کہ سب سے معقول D.N.A جلد کا ہے۔

یہ قوم آج تک علم وفضل، ذہانت اور بے شمار دولت کے باوجود دنیا میں بھی بار بار عذاب کی بھٹی میں ڈالی گئی۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ سزا دینے کا مجاز ہے۔ حکیم بھی ہے اس کی سزا میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۵۸۔ **ظلاً۔ ظل** ۔ سایہ۔ جہاں دھوپ نہ پہنچے جب کہ فئے وہ سایہ جہاں سورج پہنچ کر ہٹ گیا ہو۔ **ظل** کے معنی حفاظت میں لینے کے بھی ہیں۔ **ظلیلاً** ۔ ظل سے تاکید کے لئے صفت مشتق ہے یعنی گھنا سایہ۔

قرآنی تعلیم انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ آپؐ کے منکرین کے ذکر اور ان کی عبرت ناک سزاؤں کے معاً بعد ان کا ذکر کیا جو ایمان لائے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی بجا لائے ان کے لئے نعمائے جنت کی بشارت دی۔ جہاں باغ و انہار ہوں گے اور پاکیزہ ساتھی ہوں گے۔ جہاں خدا کے سایۂ عاطفت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ گھنے سایہ میں ہمیشہ

يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ
حکم دیتا ہے تم کو کہ ادا کرو امانتیں ان امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرو تم

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا
درمیان لوگوں کے تو فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے یقیناً اللہ کیا ہی اچھی بات کا

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
وعظ کرتا ہے تم کو یقیناً اللہ ہے خوب سننے والا خوب دیکھنے والا اے لوگو جو

رہیں گے۔

۵۹۔ امانت خدا کی طرف سے دی ہوئی ذمہ داری ہے۔ امانت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ جس پر امین بنایا جائے۔ فرائض جیسا کہ **انا عرضنا الا مانة علی السمٰوٰت والارض** (احزاب :۷۳) اس کے علاوہ اطاعت، عبادت، ودیعت اور امان وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں یہ آیت امّ الآیات میں سے ہے اور بہت سے احکام شریعت پر مشتمل ہے۔ اوّل والیانِ مملکت مخاطب ہیں۔ پھر تمام انسان اپنی تمام امانتوں کے ذمہ دار ہیں گویا یہ ذمہ داری حاکم کے بعد درجہ بدرجہ رعایا پر ہے۔ عدل کا دائرہ حکومت سے لے کر ہر گھر تک وسیع ہوگا۔ جیسا کہ اس سورۃ میں میاں بیوی اور دیگر اقرباء کے حقوق میں عدل کا بیان گزرا۔

یہود کی نافرمانیوں کے ذکر میں امانتوں کے ادا کرنے اور عدل کا حکم آ گیا۔ دراصل یہود نے خدا تعالیٰ کی امانتوں کو ضائع کیا۔ یعنی اس کی دی ہوئی طاقتوں سے صحیح کام نہ لیا، حقوق اللہ ادا کئے نہ حقوق العباد۔ مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ وہ ان غلطیوں سے بچیں ورنہ ان کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کی امانت ہے۔ ہمیں اپنے تمام قویٰ، عقل، علم، جان، مال اور اولاد کو ہر وقت اس کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہود نے حکام اور مذہبی رہنما کاہن وغیرہ نااہل چنے جن کی قیادت میں پوری قوم پستیوں میں گرتی چلی گئی۔

جیسا کہ اس سورۃ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہے۔ درمیان میں نماز کے احکام بھی حقوق اللہ کی ہی کڑی تھے۔ پہلے انفرادی اور خاندانی حقوق کی تفصیل تھی جس میں والدین، بیوی، بچے، عزیز و اقارب یہاں تک کہ ہمسائے اور ہمنشین تک شامل تھے۔ یہاں قومی حقوق کا ذکر

ہے۔یعنی حاکم و محکوم کے حقوق۔ پیچھے سے حکومت کا ذکر جاری ہے۔(آیت نمبر۵۴-۵۵) امانتیں بے شمار ہیں اور سبھی کو ادا کرنا ضروری ہے لیکن یہاں سب سے بڑی امانت یعنی حکومت کا ذکر ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ سب سے پہلے عوام اور اہلِ دانش مخاطب ہیں کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق کا انتظام کرنے کے لئے حکام چنو تو اہلیت دیکھو۔وہ انتظامی صلاحیت کے مالک ہوں۔مخلوق خدا کے ہمدرد اور خادم ،بے غرض، انصاف پسند، اعلیٰ ظرف کے مالک ، دیانتدار ، باکردار جن کا ماضی بے داغ ہو۔ یہاں نیچے سے اوپر تک حکام کے منصفانہ انتخاب کا حکم ہے۔بلدیاتی انتخاب ہو یا صوبائی اور قومی اسمبلی کا انتخاب۔یہ عوام اور اہل دانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ بہترین انتخاب کریں اور ملکی ذمہ داریاں ان لوگوں کے سپرد کریں جو اِن کو احسن طریق سے نبھاسکیں۔پھر حکام کی ذمہ داری بتائی کہ جب انہیں مخلوقِ خدا پر حاکم بنایا جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کریں۔رعایت،اقرباء پروری اور بے انصافی سے خود کو بچائیں۔الناس کہہ کر مومن و کافر اور دوست و دشمن کی تفریق کو مٹا دیا۔ اگر حاکم منصف مزاج ہوگا، عوام کو انصاف ملے گا،کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی، حکومت کا روپیہ ملکی فلاح و بہبود پر خرچ ہوگا تو ملک ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا اور زمین پر جنت کا ٹکڑا ہوگا۔یہ ہے وہ جمہوریت جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو یقیناً بہت ہی اچھی باتوں کی تمہیں نصیحت کرتا ہے۔حکام کو ہمیشہ خدا سے ڈرنا چاہیئے اور اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی سننے والا نہ ہو اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس وقت بھی ایک ہستی موجود ہے جو بہت سننے والی اور بہت دیکھنے والی ہے۔

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین نے لکھا کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جو خانہ کعبہ کے محافظ اور کلید بردار تھے اور مشرک تھے ، خانہ کعبہ کی چابی مانگی۔انہوں نے دینے سے انکار کیا لیکن بعد میں آپؐ نے لے لی۔ہجرت سے پہلے آپؐ انہیں بتلا چکے تھے کہ عنقریب یہ چابی تم مجھے دو گے۔حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے مشورہ دیا کہ حاجب (محافظ) کا عہدہ بھی سقایا کے ساتھ جمع کر دیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے چابی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو واپس کر دی اور فرمایا!"میں یہ چابیاں ہمیشہ کے لئے تمہیں اور تمہارے خاندان کو دیتا ہوں" حضرت عثمان بن طلحہؓ نے اسی وقت اسلام قبول کیا۔یہ چابی آج تک ان کے خاندان میں ہے۔(السیرۃ الحلبیۃ جلد۳ صفحہ۱۰۱) شانِ نزول کچھ بھی ہو۔قرآنی آیات مستقل اہمیت کی حامل ہیں۔انہیں کسی خاص واقعہ سے منسوب کرنا قرآنی تعلیم کے منافی ہے۔اس بات سے آنحضرت ﷺ کے وسعتِ حوصلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔فاتح کی صورت

اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکومت والوں کی اپنے میں سے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ

پھر اگر جھگڑو تم آپس میں کسی بات کے بارہ میں تو لوٹاؤ اُسے اللہ اور رسول کی طرف اگر

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ

ہو تم ایمان لاتے اللہ پر اور آخری دن پر یہ بہتر ہے اور

اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۶۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ ع ۹ ۵

زیادہ اچھا ہے انجام کے لحاظ سے کیا نہیں دیکھا تُو نے ان لوگوں کی طرف جو کہتے ہیں کہ وہ

مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ایک مشرک شخص چابی دینے سے انکار کرتا ہے لیکن آپؐ اس پر کوئی سختی نہیں کرتے۔جب دے دیتا ہے تو خدائی حکم سے استدلال کر کے چابی اسی کو واپس کر دیتے ہیں۔اس طرح آپؐ نے انصاف و رواداری کی ایسی مثال قائم کی جو قیامت تک کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

۶۰۔ **اولی الامر** ۔امر بمعنی حکم۔ اولی الامر۔ حاکم ۔ ان میں روحانی بادشاہ یعنی انبیاء و مجدّدین ،امام الزمان اور خلیفۂ وقت نیز دنیوی حکاّم اور ان کے نائبین وغیرہ شامل ہیں۔

پچھلی آیت میں حاکم کا چناؤ اور اس کے فرائض بتائے کہ وہ رعایا سے انصاف کرے۔ یہاں رعایا کے فرائض بتائے۔پہلا فرض تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کا حکم مانے، دوسرا یہ کہ حکام کی اطاعت کرے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اگر حاکم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کی اتباع ہرگز جائز نہیں۔**منکم** کے لفظ سے یہ معنی لینا کہ صرف مسلمان حاکم کی اطاعت فرض ہے،درست نہیں ۔اگر ایسا ہوتا تو حبشہ میں ایک عیسائی حکومت کے ماتحت مسلمان نہ رہتے اور تمام مبلغین اسلام جنہوں نے اسلامی حکومتوں سے پہلے مشرک حکومتوں کے ماتحت رہ کر اسلام پھیلایا جیسے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ،وہ بھی شرعاً وہاں نہ رہ سکتے۔منکم سے مراد تمہارے اپنے حکام ہیں خواہ کسی مذہب کے ہوں۔ہاں خلاف شریعت حکم دیں تو نہ مانیں، مجبور کریں تو ہجرت کر جائیں۔اگر تم کسی معاملہ میں حکاّم سے اختلاف کرو تو اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔یعنی پہلے قرآن کریم میں حل تلاش کرو پھر اقوالِ رسول یعنی احادیث میں بشرطیکہ قرآن کریم کے تابع ہوں اور ان کے احکام کی روشنی میں معاملات طے کرو اور یاد رکھو کہ سیرت رسولؐ کے بغیر قرآن اور احوالِ صحابہؓ کے بغیر سیرت کا ادراک ممکن نہیں۔پس اطاعت میں ہی اتحادِ قومی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت

اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ

ایمان لائے اس پر جو اُتارا گیا طرف تیری اور جو اُتارا گیا پہلے تجھ سے وہ چاہتے ہیں

اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا

کہ فیصلے جاویں طرف شیطان کے حالانکہ یقیناً انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ انکار کریں

بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿٦١﴾ وَ

اس کا اور چاہتا ہے شیطان کہ گمراہ کرے ان کو گمراہی دُور کی اور

ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! سنو اور اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ ایک حبشی غلام کو ہی کیوں نہ تمہارا افسر مقرر کر دیا جائے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تنگدستی اور خوشحالی، خوشی اور ناخوشی، حق تلفی اور ترجیحی سلوک، غرض ہر حالت میں تیرے لئے حاکمِ وقت کے حکم کو سننا، صرف قانونی چارہ جوئی کی حد کے اندر رہنا اور اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ (مسلم) صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے چاہیئے کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر ہٹتا ہے اور پھر مرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ فرمایا یہی طریق بہتر اور انجام کار اچھا ہے کیونکہ اس طرح امت کا اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ ان دو آیتوں میں جمہوریت کا اعلیٰ ترین سبق دیا۔

۶۱۔ **یــزعــمُــون** ۔زعم ۔ایسی بات جس میں جھوٹ کا گمان ہو۔ جھوٹا دعویٰ۔وہ گمان کرتے ہیں۔

اس رکوع میں آپؐ سے فیصلہ نہ کروانے والوں کو منافق کہا اور بتایا کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ اعلیٰ ترین انعامات کے وارث ہوں گے۔وہ نبی، صدیق ۔ شہید اور صالح کے مراتب عالیہ سے نوازے جائیں گے (آیت نمبر۷۰) منافقین کو اگر خدشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے حق میں نہیں ہوگا تو وہ آنحضرت ﷺ سے فیصلہ نہ کرواتے حالانکہ اپنی زندگی میں آپؐ ہی حکم تھے آپؐ کے بعد قرآن کریم قولِ رسول، فقہاء کا اجتہاد اور حکام کا فیصلہ جو قرآن کریم کے تابع ہوگا۔ اس رکوع میں ایسے منافقین کو سخت سرزنش فرمائی جو آپؐ کا فیصلہ تسلیم نہ کرتے اور اپنے جھگڑوں کا فیصلہ دوسروں سے کرواتے۔

پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ اور رسول کو اپنے تمام جھگڑوں میں حکم و عدل بنانے کا حکم دیا تھا

اِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

جب کہا جاتا ہے انکو کہ آؤ طرف اس کی جو اُتارا اللہ نے اور طرف رسول کی

رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦٢﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

دیکھتا ہے تو منافقوں کو کہ رُکتے ہیں تجھ سے رُکنا پس کیا حال ہوا جب

اَصَابَتْھُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ

پہنچی ان کو مصیبت بسبب اس کے جو بھیجا آگے انکے ہاتھوں نے پھر آئے تیرے پاس

يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٣﴾

قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر احسان اور موافقت کا

یہاں ان منافقین کا ذکر کیا جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کروانے کی بجائے شیطان صفت لوگوں سے کروانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ان سے فیصلہ نہ کروائیں۔ شیطان تو انہیں راہ راست سے ہٹا کر ضلالت میں بہت دور لے جانا چاہتا ہے کیونکہ جب شیطان صفت لوگوں سے غلط فیصلے کروائیں گے تو آہستہ آہستہ وہی ان کے مونس و غمخوار بن جائیں گے اور انہی کے رنگ ڈھنگ اختیار کریں گے۔

۶۲۔جب بھی منافقین کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتا کہ ان کی پیروی کریں اور اپنے معاملات کا فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کروائیں تو وہ تجھ سے بالکل ہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک یہودی اور منافق کا جھگڑا ہوگیا۔وہ دونوں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہودی کو ڈگری دی۔منافق نے کہا میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ مانوں گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔حضرت عمرؓ نے کہا میں تمہاری گردن اڑاتا ہوں کہ تم نے نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کو نہیں مانا۔

۶۳۔ **توفیقًا**۔ موافقت پیدا کرنا۔ صلح کرنا۔

جب اپنی ہی بداعمالیوں سے کسی مصیبت میں پھنستے ہیں یا ان کے کفار سے تعلقات اور ان سے فیصلے کروانے کا مسلمانوں کو علم ہو جاتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ بازپرس ہوگی تو قسمیں کھاتے ہوئے تیرے پاس آتے ہیں کہ دوسروں سے تعلقات کی وجہ محض یہ تھی کہ ہم فریقین میں بھلائی اور صلح و موافقت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ **انما نحن مصلحون** میں کہا۔(سورۃ البقرہ :۱۲) یعنی باوجود اس کے کہ ان سے تعلقات رکھ کر اور فیصلے کروا کر نقصان ہی اٹھاتے ہیں لیکن ان سے فیصلے کروانے سے باز نہیں آتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ

یہ لوگ وہ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو دلوں میں ہے ان کے پس اعراض کر

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

ان سے اور وعظ کر ان کو اور تو کہہ ان کے لیے ان کے دلوں میں بات اثر کرنیوالی

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اطاعت کی جائے اس کی اللہ کے حکم سے اور اگر

اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا

وہ جبکہ ظلم کیا تھا انہوں نے اپنی جانوں پر آتے تیرے پاس پھر وہ بخشش مانگتے

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

اللہ سے اور بخشش مانگتا ان کے لیے رسول (بھی) تو پاتے وہ اللہ کو بہت فضل سے متوجہ ہونیوالا

رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ

بہت رحم کرنیوالا پس نہیں قسم ہے تیرے رب کی کہ نہیں مومن ہوں گے وہ یہاں تک کہ وہ منصف بنادیں تجھے

۶۴۔ **اعرض**۔ منہ پھیر۔ٹال دے۔تغافل کر۔ **فی انفسھم** ۔ان کے دلوں میں **بلیغا** ۔بلیغ۔ درست اور دلوں پر اثر کرنے والا۔

قرآن کریم کی غرض بندوں کی اصلاح ہے پس منافقین کو کبھی بھی مسلمانوں سے الگ نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ ہمیشہ جمع کے صیغہ میں آیا۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی منافقت کو خوب جانتا ہے پس ان سے چشم پوشی کرو،ان کو نصیحت کرو یعنی سمجھاتے رہو اور ایسی بات کہو جو ان کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑنے والی ہو کیونکہ ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا ورنہ کبھی منافقت نہ کرتے۔چنانچہ اگلی آیات میں نہایت پر اثر انداز میں نصیحت فرمائی۔

۶۵۔ان منافقین کو سمجھاؤ کہ ہر رسول کے آنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔اگر ان خدائی احکام وقوانین کو نہ مانا جو وہ خدا کی طرف سے لے کر آیا ہے اور اس کے فیصلوں کو تسلیم نہ کیا تو رسول پر ایمان لانے کے کیا معنی۔اگر ایسا ہوتا کہ اس وقت بھی جب انہوں نے تیرے فیصلوں کو نہ مان کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا،تیرے پاس حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پاتے۔

۶۶۔ **حرج**۔تنگی ۔**یسلّموا تسلیمًا**۔دل سے تسلیم کرنا اور اس پر پابند ہونا۔کامل

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا

اس میں جو جھگڑا ہو درمیان ان کے پھر نہ پاویں وہ اپنے دلوں میں کوئی انقباض

مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِــيْمًا ﴿۶۶﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا

اس سے جو فیصلہ کیا تو نے اور تسلیم کریں اچھی طرح تسلیم کرنا اور اگر ہم فرض کرتے

عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا

ان پر کہ قتل کرو اپنے تئیں یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ

فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ

کرتے اُسے مگر تھوڑے سے ان میں سے اور اگر وہ کریں وہ کو انہیں نصیحت کی جاتی ہے

فرمانبرداری اختیار کریں۔

فلا میں لاکسی پہلی بات کی نفی ہے جیسا کہ اس رکوع میں ان کے جھوٹے دعووں کا بار بار ذکر ہے کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے۔اسی کی نفی فرمائی۔فرمایا اے رسول تیرے ہی رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں سکتے جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کروائیں۔پھر محض فیصلہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے نفس میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور شرح صدر سے اسے قبول کریں اور کامل فرمانبرداری اختیار کریں۔ آنحضرت ﷺ لوگوں کے فیصلے وحی خفی کے تحت پیغمبرانہ فراست سے فرماتے اور غلطی کا شائبہ بہت کم ہوتا۔تاہم آپؐ نے فرمایا! کہ لوگ مجھ سے فیصلہ کرواتے ہیں اور اپنی چرب زبانی سے دوسروں کا حق مارتے ہیں لیکن وہ اپنے لئے آگ لیتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت ایک انسان آپؐ سے بھی غلطی کا امکان ہے لیکن آپؐ کے ہر فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنا مومن کا فرض ہے۔

۶۷۔ پچھلی آیات میں حکم تھا کہ آپؐ کے فیصلوں کو کمال اطاعت اور دلی رضامندی سے قبول کریں۔یہاں بتایا کہ منافقین اتنا لیت ولعل کر رہے ہیں حالانکہ اس حکم پر عمل اتنا مشکل نہیں۔ انسان اپنے لواحقین کے ساتھ رہ کر دینی اور دنیوی امور سرانجام دیتے ہوئے آپؐ کے احکام اور فیصلوں پر عملدر آمد کرسکتا ہے۔البتہ مشکل ترین مقامِ اطاعت تو یہ ہے۔اگر ہم نے فرض کر دیا ہوتا کہ دین کے لئے ایسے کام کرو،گویا خود کو ہلاک ہی کردو۔جیسے جہاد یا خدا کی راہ میں شدید مجاہدات یا نامساعد حالات میں تبلیغِ دین یا کوئی اور دینی قربانی جس میں جان تک قربان کرنی پڑے یا یہ حکم کہ گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔یہ ہجرت بھی ہے جو اس وقت فرض تھی کیونکہ مدینہ کے علاوہ کہیں اسلامی احکام پر عملدر آمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔یہ جہاد کے لئے بھی ہے نیز تبلیغ دین یا کسی اور اہم دینی امور کی انجام دہی کے لئے بھی ہے۔فرمایا یہ وہ سخت احکام ہیں جن پر عمل کرکے

بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۷﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

جس کی تو ہو زیادہ بہتر ان کے لیے اور بہت زیادہ مضبوط کرنے کے لحاظ سے اور اس وقت ضرور دیں ہم ان کو

مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

اپنی جناب سے اجر عظیم اور ضرور ہدایت دیں ہم ان کو راستے

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۹﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

سیدھے کی اور جو اطاعت کریگا اللہ کی اور رسول کی تو یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہونگے

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

کہ انعام کیا اللہ نے جن پر یعنی نبی اور صدیق اور شہید

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۷۰﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اور صلحاء اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفیق یہ فضل ہے

اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں تاہم ہر مومن کو اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پس آپ کو حکم و عدل ماننا، آپؐ کے احکام اور فیصلوں کو دلی بشاشت سے قبول کرنا ہی وہ اعمال ہیں کہ اگر ان پر کاربند ہو جاتے تو دنیا میں ان کے لئے بہتر ہوتا اور دینی طور پر بھی ایمان کی مضبوطی اور ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔ ہر قرآنی آیت کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ امتِ محمدیہ کو سخت احکام پر پابند نہیں کیا گیا آنحضرت ﷺ نے حسبِ حالات ہمیشہ نرمی کا پہلو اختیار فرمایا اور امت کے لئے دین کو آسان بنا دیا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جب دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی تو آپؐ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے اگر وہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر وہ کام گناہ کا سبب ہوتا تو آپؐ اس سے دور ہو جاتے۔۔۔۔۔۔ (متفق علیہ)

۶۸۔۶۹۔ ایسی صورت میں کہ انہوں نے احکامِ خداوندی اور رسول کے فیصلوں کو دل سے قبول کیا ہوتا تو ہم یقیناً انہیں اپنی جناب سے بہت بڑا اجر عطا کرتے اور ضرور انہیں سیدھے راستہ پر چلا دیتے۔ چنانچہ صحابہؓ نے ان پر عملدرآمد کر کے دنیا میں بہترین انعامات پائے اور آخرت میں اجر عظیم کے مستحق ٹھہرے۔ اگلی آیت میں خوب کھول کر بتایا کہ **صراط مستقیم** پر چلنے والے کون لوگ ہیں۔

۷۰۔ پچھلی آیات سے اطاعت رسول کا ذکر جاری ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا، اجر عظیم کا مستحق ہوگا اور ضرور سیدھے راستہ کو پالے گا۔ اس رکوع کے آخر میں فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور

رسول کی اطاعت کرے گا تو ہم انہیں اعلیٰ ترین انعامات سے نوازیں گے۔ یعنی وہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مع بسااوقات مِن کا معنی بھی دیتا ہے جیسے **توفنا مع الابرار** یا اسی سورت کی آیت نمبر ۱۴۷۔ پس اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہم انہیں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں شامل کر دیں گے جو منعم علیہ گروہ ہے، دنیا و آخرت میں بہترین رفیق یہی ہیں مگر یہ سب انعامات آپؐ کی اطاعت سے مشروط ہیں ورنہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیروکار دن رات ماتھا رگڑیں تو بھی وہ ان روحانی مقامات کو حاصل نہیں کر سکتے نہ خدا ان سے کلام کرسکتا ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی اور فیضان جاریہ کا کمال ہے کہ آپؐ کی اتباعِ کامل سے مومن ان مقامات عالی کو حاصل کرسکتا ہے۔

نماز میں ہر رکعت میں دعا مانگتے ہیں۔ **اھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم**۔ جس کی تشریح یہاں بیان فرمائی کہ **منعم علیہ** چار قسم کے لوگ ہیں نبی، صدیق، شہید اور صالح، علیٰ حسب مراتب۔ پس ہر انسان کا فرض ہے کہ ان کمالات کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدۂ صحیحہ کرے اور نماز میں **ایاک نعبد و ایاک نستعین** اور **اھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم** کی تکرار کرے۔ چاروں درجوں کو خداتعالیٰ نے اکٹھے بیان فرمایا۔ اگر تین درجے مل سکتے ہیں تو لازماً چوتھا بھی مل سکتا ہے۔ تشریعی نبوت ختم ہے کیونکہ شریعت قیامت تک کے لئے آچکی ہے۔ البتہ آپؐ کی اطاعت و ظلّیت میں نبوت مل سکتی ہے۔ اس لئے یہ ظلی یا غیر تشریعی نبوت ہوگی نہ کہ تشریعی۔ جیسا کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی اور ظلی نبی تھے۔

ربّ کا سب سے بڑا احسان اپنے بندے کو خلعت نبوت سے سرفراز کرنا ہے۔ نبی نبأ سے نکلا ہے خبر دینے والا۔ گویا انبیاء کا **تبتل الی اللّٰہ** اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خدا سے کلام کرتے اور وحی پاتے ہیں۔ یہ کلام غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے اور مخلوق کے لئے بطور نشان ہوتا ہے۔ نبوت موہبت ہے۔ اکتساب نہیں۔ تاہم پہلے مجاہدہ اپنے کمال کو پہنچا ہوتا ہے۔ ایک نبی میں یہ سارے کمالات ہوتے ہیں گویا وہ زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے جو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ وہ دنیا کا خواہشمند نہیں ہوتا لیکن خدا دنیا کو اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ وہ صدیق بھی ہوتا ہے شہید بھی اور صالح بھی۔ صدیق نہایت راستباز ہوتا ہے اور راستی کو پہچاننے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس میں صدق اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے اور صداقت کے اعلیٰ حقائق اس پر کھولے جاتے ہیں اور ایک خاص بصیرت معارف قرآنی کی اس کو عطا ہوتی ہے۔

اللّٰہِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا

اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ خوب جاننے والا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اختیار کرو

حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ

بچاؤ اپنا پس کوچ کرو گروہ گروہ ہو کر یا کوچ کرو سب کے سب اور یقیناً بعض تم میں سے

صدیق کا خطاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو ملا۔ جو آپ کے مراتبِ کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل کے اندر ہے۔ آپ کے صدق کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ صدیق نبی سے ایک قرب رکھتا ہے۔ صدیق کے بعد شہید کا مرتبہ ہے۔ شہید وہ ہے جو ابتلاؤں میں ثابت قدمی دکھاتا ہے اور اپنی قوتِ ایمانی اور کمالِ علمی کے لحاظ سے اس مقام پر ہوتا ہے گویا خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اسی لئے جان تک دینے میں تامل نہیں کرتا۔ شہید صدیق کے قریب ہوتا ہے۔

صالح وہ ہے جس کی اصلاح ہو چکی ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کے فساد سے دور ہوتا ہے۔ اس میں کامل صلاحیت بطور نشان کے ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے بار بار **امنوا وعملوا الصالحٰت** کہہ کر صالح کے کمال کو عمل سے وابستہ کیا ہے۔ گویا سالک کے لئے پہلا زینہ عملِ صالحہ کا ہے پھر مجاہدات سے خدا کے فضل سے مزید مراتب حاصل کرسکتا ہے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کی روشنی میں حصہ دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا)

۷۱۔ یہ فضل اللہ ہی کی طرف سے ملتا ہے، جو چاہے اللہ اور رسول کی اطاعت سے حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ کہ کون اس کا اہل ہے اور کس کو اپنے فضل سے نوازے۔ سورۃ الجمعہ میں بھی اٰخرین کو بشارت دے کر **ذٰلک فضل اللّٰہ** کہا۔

۷۲۔ *حذر*۔ حذر کے معنی ڈرانے والی چیز سے دور رہنے کے ہیں۔ حِذر وہ ہے جس میں بچاؤ کا سامان ہو۔ جیسے ہتھیار وغیرہ۔ **انفـــرو**۔ نفر۔ بھاگنا۔ اسی سے نفور نفرت کے معنی میں ہے۔ یعنی پیچھے ہٹ جانا۔ نفر نکلنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد لڑائی کے لئے نکلنا ہے۔

ثبات ۔ **ثبة** کی جمع ہے۔ گروہ ۔ جو جماعت سے الگ ہو۔ منعم علیہ لوگوں کے ذکر کے بعد اس رکوع میں پھر منافقین کا ذکر ہے ۔ جن کی منافقت جہاد کے وقت کھل کر سامنے آتی ہے جب اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ کا مضمون حقوق اللہ اور حقوق العباد ہے یہاں بتایا کہ جہاد خدا کے لئے ہو تو حقوق اللہ ہے جب مظلوموں کو ظلم کے پنجہ سے رہائی دلانے کے لئے ہو تو حقوق العباد ہے ۔ یہ سورۃ جنگ احد کے بعد کی ہے جب کہ کفار کے حوصلے بہت

لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ

البتہ ایسے ہیں جو پیچھے رہتے ہیں پھر اگر پہنچے تم کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں یقیناً انعام کیا

اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۳﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ

اللہ نے مجھ پر جب کہ نہ تھا میں ساتھ ان کے موجود اور اگر پہنچے تم کو

فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ

فضل اللہ کی طرف سے تو کہتا ہے اس طرح پر گویا نہیں ہے درمیان تمہارے اور درمیان اسکے

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

محبت اے کاش میں ہوتا ساتھ ان کے تو کامیاب ہوتا کامیابی بڑی

بڑھے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو دن رات جنگ کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔

فرمایا اے مومنو! خواہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں نکلو یا بڑی جمعیت کی صورت میں، حفاظت کا سامان اپنے پاس رکھا کرو۔ یعنی ہتھیار بند نکلا کرو اور دیگر ضروری اشیاء ساتھ لے کر چلو۔ قرآنی احکام قیامت تک کے لئے ہیں اس لئے زمانہ امن میں یہ معنی ہوں گے کہ دشمن سے کسی وقت غافل نہ رہو۔ اگر تلوار کا زمانہ ہے تو تلوار سے، بم کا زمانہ ہے تو بم سے، قلم کا زمانہ ہے تو قلم سے، بحث و مباحثہ کا زمانہ ہے تو بحث و مباحثہ سے، غرض حالات کے مطابق دشمن کے خلاف ہر طرح کیل کانٹے سے لیس رہو۔

۷۳۔۷۴۔ **لیبطّئنّ۔ یبطی ۔بطو**۔ لازماً پیچھے رہ جانا۔ چلنے میں دیر کرنا۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ دوسروں کو روکتے ہیں۔ متضاد اسرع ہے۔ جلدی چلنا۔ منافقین کا ہی ذکر ہے جو جہاد سے تو گھبراتے تھے لیکن مال غنیمت کے لئے شدید بے تاب رہتے تھے۔ فرمایا یقیناً تم میں ایسے بھی کئی لوگ ہیں جو ہر کام میں جان بوجھ کر دیر کرتے ہیں اور ضرور پیچھے رہ جاتے ہیں بلکہ دوسروں کی ہمتیں بھی پست کرتے ہیں اور انہیں روکتے ہیں۔ یہ منافقین کے خاص خصائل تھے ۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم پر اللہ نے احسان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کوئی فضل نصیب ہو۔ تو کہتے ہیں کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تا کہ بڑی کامیابی حاصل کرتے۔ گویا ان کے اور تمہارے درمیان کوئی دوستانہ تعلق تھا ہی نہیں جو پیچھے رہ گئے۔ یہ تو اموالِ غنیمت دیکھ کر اس طرح پچھتا رہے ہیں گویا غیر تھے اور تمہارے ساتھ جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے تھے حالانکہ جہاد ان پر فرض تھا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے دکھ سکھ میں انہیں برابر کا شریک ہونا چاہیئے تھا۔

۷۵۔ منافقین کے ذکر کے بعد کہ انہیں ہمیشہ دنیوی لالچ مدنظر رہتا ہے مومنینِ کامل کا ذکر

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
پس چاہیئے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں زندگی ورلی

بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ
بدلہ آخرت کے اور جو لڑائی کریگا اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے گا یا غالب آئیگا

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ
عنقریب ضرور ہم دیں گے اُسے اجر عظیم اور کیا ہوا تم کو کہ نہ لڑو تم

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
اللہ کی راہ میں جبکہ بے بس مرد اور عورتیں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ
اور بچے ـ جو کہہ رہے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس

کیا۔ جنہوں نے اپنی کل متاع کو خدا کی راہ میں دے دیا۔ان کا اپنا کچھ بھی نہیں رہا۔پس ایسے ہی لوگوں کو جہاد میں حصہ لینا چاہیئے ۔یہ لوگ محض اللہ کی رضا کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں اس حال میں آتے ہیں کہ مال غنیمت کا لالچ ہوتا ہے نہ دیگر کسی دنیوی فائدے کا ،جاہ و حشم کی تمنا ہوتی ہے اور نہ تخت و تاج ، کی یہ اللہ اور رسول کے حکم کے تحت محض اللہ کی رضا کے لئے جنگ کرتے ہیں۔پھر یا تو شہید ہوجاتے ہیں یا غالب آجاتے ہیں دونوں صورتوں میں ان کے لئے بہت جلد ملنے والا اجر عظیم ہے۔جس طرح فتح کی صورت میں فوراً اجر مل جاتا ہے۔اس طرح شہادت کی صورت میں بھی اخروی نعمتیں شہیدوں کو دوسروں کی نسبت بہت جلد ملتی ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلسِ عرفان ۲۶ نومبر ۱۹۹۹ء میں وضاحت فرمائی کہ روح کا بدن سے تعلق تین سے چالیس دن تک رہتا ہے۔شہداء و انبیاء اور مقدس بزرگوں کی روحیں تین دن کے بعد جسم کو چھوڑ دیتی ہیں اور دنیا سے اِن کا تعلق کٹ جاتا ہے۔مختلف مراتب ہیں۔ بعض بزرگوں کا تعلق بیس دن تک رہتا ہے۔اگرچہ جسم میں جان نہیں ہوتی لیکن روح کا کچھ نہ کچھ تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں! ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ہے جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہے اور وہ کچھ دنیا کی غرض بھی رکھتا ہے۔آپؐ نے فرمایا! **لااجر لہ** (ابوداؤد) کہ اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔گویا جس قربانی میں نفس کی ملونی ہو وہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔

۷۶۔ **مستضعفین** ۔ضعف۔ کمزوری ۔کمزور و ناتواں۔ **ولدان** ۔واحد ولید۔ بچے۔ لڑکے۔ غلام۔

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ
بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے رہنے والے اور بنا ہمارے لیے اپنی جناب سے کوئی دوست

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ
اور بنا ہمارے لیے اپنی جناب سے کوئی مددگار وہ لوگ جو ایمان لائے وہ لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللہ کی راہ میں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ لڑتے ہیں راہ میں

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
شیطان کی پس لڑو تم دوستوں سے شیطان کے یقیناً جنگ شیطان کی

كَانَ ضَعِيْفًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا ع
ہے کمزور کیا نہیں دیکھا تُونے طرف ان لوگوں کی کہ کہا گیا ان کو روکے رکھو

اس آیت میں بتایا کہ جہاد کی ضرورت کن حالات کے تحت ہے۔ پہلے فی سبیل اللہ فرمایا۔ یعنی اللہ کی راہ میں ہو گویا جہاد کی غرض اللہ کے دین کی حفاظت ہو۔جب کہ اسے تلوار سے مٹایا جا رہا ہو۔دوسری ضرورت یہ بتائی کہ مظلوموں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے جہاد کرو۔یہ کمزور مرد عورتیں اور بچے تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور اطراف مدینہ کے قبائل میں رہتے تھے۔یہ ہجرت کے قابل نہ تھے اور ظالموں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ان کے ہاتھوں سخت دکھ اٹھا رہے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بخاری میں روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری ماں بھی مستضعفین میں شامل تھے نیز بعض روایات سے ابو جندل کو ان میں شامل کیا گیا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے صلح نامہ حدیبیہ کے وقت پہنچے اور جنہیں معاہدہ کی رو سے واپس کردیا گیا۔سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے نام بھی ملتے ہیں نیز کچھ اور بھی ہوں گے جو ظلم کی چکی میں پس رہے تھے اور دن رات دعائیں کرتے تھے کہ اے رب! ہمیں اس ظالموں کی بستی سے نکال اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا کر بھیج جو ہمیں رہائی دلائے یا اپنے حضور سے ہمارا کوئی مددگار مقرر فرما۔

۷۷۔اس سورۃ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیان تھا۔جیسا کہ رکوع کے شروع میں بتایا کہ جہاد کی غرض بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت ہی ہے۔مومن کی جنگ خدا کی راہ میں ہوتی ہے گویا دین الٰہی کی حفاظت کے لئے۔ یہی حقوق اللہ کی حفاظت ہے۔جنگ کی دوسری غرض حقوق العباد کی حفاظت ہے جیسا کہ پچھلی آیت میں ہے کہ بندگان خدا پر ہونے والے ظلم و ستم کو روکنا، ان کے حقوق کی حفاظت ، نیز فتنہ و فساد دور کرکے امن و امان قائم کرنا ، یہ سب جنگ کی

اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

ہاتھ اپنے اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ پھر جب فرض کیا گیا

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

ان پر لڑنا اچانک ایک فریق ان میں سے ڈرتے ہیں لوگوں سے

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

مانند ڈرنے اللہ کے بلکہ زیادہ ڈر اور کہا انہوں نے اے رب ہمارے کیوں فرض کیا تو نے

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ

ہم پر لڑنا کیوں نہیں ڈھیل دی تو نے ہم کو میعاد قریب تک تو کہدے

مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا

سامان دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اسکے لیے جس نے تقویٰ کیا اور نہ

اغراض ہیں۔جب کہ کفار کی جنگ طاغوت کی راہ میں ہوتی ہے۔طاغوت کے لفظی معنی سرکش اور باغی کے ہیں۔گویا کفار کی جنگ سرکش اور باغی قوتوں کی حمایت کے لئے ہے۔ ان کی جنگ کی غرض بندگان خدا پر ظلم و ستم،ان کے حقوق تلف کرنااور فتنہ و فساد برپا کرکے امن عامہ کو تباہ کرنا ہے۔ پس جو بھی شیطان کے معاون و مددگار ہیں ، سب سے اعلان جنگ کرو اور ان کی خطرناک شیطانی چالوں سے ہرگز نہ ڈرو۔ان کی تدبیریں نہایت کمزور ہیں۔اس میں اسلام کے غلبہ کی پیشگوئی ہے کہ ظلم و زیادتی کا غلبہ نہ آج ہوگا جب کہ اسلام نہایت کمزوری کی حالت میں ہے اور نہ قیامت تک ہوگا۔

۷۸۔اس رکوع میں بھی منافقین کا ہی ذکر ہے جو جنگ سے بھاگتے تھے اورموت سے ڈرتے تھے فرمایا تم موت سے بچ کرکہیں نہیں بھاگ سکتے۔

آنحضرتﷺ نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جاتے ہیں۔(متفق علیہ) گویا اصلاحِ نفسِ انسانی کوجہادِ اکبر کہا۔ پس پہلے جہادِاکبر کا حکم ہے اور اسے مقدم رکھا کہ نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں یہ سب سے ابتدائی احکام تھے۔سورۃ مزمل:۲۱ جن پر عمل پیرا ہو کر نفوس کی اصلاح ہونی تھی کیونکہ نماز سے عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے۔اس لئے عبادت سے انسان حقوق اللہ ادا کرتا ہے، جب کہ زکوٰۃ سے مخلوق خدا کے حقوق ادا کرنے کی عادت پڑتی ہے۔جن اقوام نے اصلاح نفس کے بغیر جنگیں کیں انہوں نے بندوں پر بے حد مظالم توڑے محکوموں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا اور انہیں خوب ذلیل کیا۔پس مسلمانوں پر فرض ہے کہ سپاہی سے لے کر جرنیل تک پہلے نماز و زکوٰۃ سے اپنے نفوس کی اصلاح کریں۔حقوق اللہ اورحقوق العباد ادا

تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۸ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ

ظلم کئے جاؤ گے تم ایک بتی برابر بھی جہاں کہیں تم ہو گے پالے گی تم کو موت

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

اور اگرچہ ہو تم قلعوں پختہ میں اور اگر پہنچے ان کو

حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

بھلائی (آرام) کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر پہنچے ان کو

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ

بُرائی (تکلیف) کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے تو کہدے سب اللہ کی طرف سے ہے

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۹

پس کیا ہوا ان لوگوں کو کہ نہیں قریب ہوتے کہ سمجھیں بات

کریں۔جب اس جہاد میں کامیاب ہوجائیں تو بوقت ضرورت جہاد بالسیف میں حصہ لیں تاکہ ان کا جہاد صحیح معنوں میں فی سبیل اللہ ہو جس میں نہ کسی پر ظلم ہو نہ کسی کی حق تلفی ہو۔

منافقین نے نماز اور زکوٰۃ میں تو سستی کی اور اصلاح نفس سے غافل رہے۔البتہ جنگ کے لئے بہت بیتاب تھے کہ ہم کیوں مظالم کا شکار ہوں اورکیوں طاقت کا جواب طاقت سے نہ دیں لیکن جب تک ماریں کھاتے کھاتے ان دونوں ارکان میں پختگی پیدا نہیں ہوئی جہاد کا حکم نہیں آیا بلکہ انہیں حکم تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں۔آپؐ کی آمد کی اصل غرض لوگوں کی اصلاح تھی جو نماز اور زکوٰۃ سے ہی ممکن تھی۔ہاں وقتی ضروریات کے تحت حفاظت دین کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت اُس وقت ملی جب دشمن کی طرف سے ابتدا ہوئی۔جب تک دشمن کی طرف سے پہل نہیں ہوئی آنحضرتﷺ نے کبھی جنگ شروع نہیں کی۔جب جنگ فرض ہوئی اور امتحان کا وقت آیا تو منافقین نماز اور زکوٰۃ کی طرح یہاں بھی سستی دکھانے اورلیت ولعل کرنے لگے۔

مومنین تو صرف خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ کیونکہ ان کی اصلاحِ نفس اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے بے دریغ جنگ میں حصہ لیا۔جبکہ منافقین خدا سے زیادہ لوگوں سے ڈرنے لگے کہ کسی طرح کچھ دیر کے لئے جنگ ٹل جائے۔ فرمایا اگر چند دن کے لئے ٹل بھی گئی تو یہ چند روزہ دنیوی فوائد نہایت حقیر ہیں۔ متقین کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے۔ان کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ان کی قربانیوں کا دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ ملے گا۔

۷۹۔ **بروج۔** برج کی جمع ہے۔گنبد یا کوئی بھی گول چیز جو بلندی پر ہو۔قلعہ یاستارے وغیرہ۔ستاروں کی مخصوص منازل کو بروج کہا گیا ہے۔آسمان میں بارہ برج متصور کئے گئے ہیں۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ
جو پہنچے تجھے کوئی بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھے کوئی

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَ
برائی تو تیرے نفس کی طرف سے ہے اور بھیجا ہم نے تجھے لوگوں کے لیے رسول بنا کر اور

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۸۰﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج
کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کریگا رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی

یہ فرضی مقامات ہیں۔ **مشیّدۃ**۔ **شیّد**۔ چونہ اور پتھر وغیرہ سے دیوار یا قلعہ و محل کو مضبوط و مزین کرنا۔

منافقین جہاد سے گھبراتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ خواہ کیسی ہی حفاظتی تدابیر کرلو تم موت سے نہیں بچ سکتے۔ ڈرکرلڑائی سے بھاگنا موت کو خود دعوت دینا ہے۔ کفار دلیر ہو کر مدینہ پر چڑھائی کر دیں گے جیسا کہ بعد میں جنگ احزاب میں ہوا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنی حفاظت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ کہ خواہ کیسی ہی حفاظت کرو قلعہ بند بھی ہو جاؤ، موت سے مفر نہیں۔ پس فرائض کی ادائیگی کے لئے موت سے ڈرنا بزدلی ہے۔ منافقین کی حالت یہ ہے کہ جب انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے جیسے جنگِ بدر کی فتح تھی تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک وہ اللہ کی طرف سے تھی مگر آپؐ کی حسن تدبیر آپؐ کی دعاؤں اور آپؐ ہی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا تھا۔ جب انہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے جیسا کہ جنگ احد میں پہنچا تو آپؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپؐ نے ہماری بات نہ مانی حالانکہ وہ آپؐ کی حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔ فرمایا دکھ سکھ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچتے ہیں لیکن وہ یہ بات نہیں سمجھتے۔

۸۰۔ دین و دنیا کے سب کام حکم الٰہی سے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے جو سکھ بھی انسان کو پہنچے تو بے شک انسان کے اعمال کا بھی اس میں دخل ہو۔ منسوب خداتعالیٰ کی طرف ہی ہوگا۔ کیونکہ اسی کی دی ہوئی توفیق اور طاقت سے ایسا ممکن ہوا اور اسی کا فضل و احسان تھا کہ اس انعام کے قابل سمجھا۔ ہاں دکھ تمہاری اپنی شامت اعمال کا نتیجہ ہیں یعنی تمہارے نفس کی کمزوریوں کی وجہ سے ہیں۔ جیسے جنگ احد میں پہلے آپؐ کے مشورہ کو اہمیت نہ دی پھر آپؐ کے حکم سے انحراف کر کے فتح کی خوشی اور مالِ غنیمت کے لالچ میں مورچہ چھوڑا۔ پھر یہ کہنا کہ آپؐ کی وجہ سے ہزیمت اٹھانا پڑی سراسر غلط ہے۔ ہاں اگر کبھی انسان کو ایسا دکھ پہنچے جس میں بظاہر اس کی کوتاہی کا دخل نہ ہو تو خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس دکھ کا بہترین اجر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۱﴾ ط وَيَقُوْلُوْنَ
اور جو پھر گیا تو نہیں بھیجا ہم نے تجھے ان پر محافظ اور وہ کہتے ہیں کہ (ہمارا کام)

طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اطاعت ہے پھر جب باہر جاتے ہیں تیرے پاس سے منصوبہ باندھتا ہے رات کو ایک گروہ ان میں سے

غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ط وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ج فَاَعْرِضْ
خلاف اس کے جو تو کہتا ہے (انہیں) اور اللہ لکھتا ہے جو وہ بات کو منصوبہ بندھتے ہیں پس اعراض کر

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۲﴾ اَفَلَا
ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز کیا پھر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ مسلمان کو کوئی رنج، کوئی دکھ، کوئی فکر، کوئی غم اور کوئی ایذا نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ کوئی کانٹا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے گناہوں کو دور کرتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم) فرمایا! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا یعنی آپؐ کی اطاعت میں ہی سب کی بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب اچھا گواہ ہے۔ یعنی وہ یہ ثابت کر دے گا۔

۸۱۔ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت سے الگ نہیں۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی ہی اطاعت کی۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآنی احکام کے بعد رسول کے احکام واجب العمل ہیں جو قرآن کریم کے تابع ہوں کیوں کہ احادیث میں غلطی کا امکان ہے۔ اگر جنگ میں پیٹھ پھیر گئے یا تمہاری اطاعت سے روگردانی کی تو اے رسول! تو ان کے اعمال کا ذمہ دار نہیں۔ ہم نے تجھے ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا۔ وہ خود تیری اطاعت سے نکل کر خدا کی اطاعت اور حفاظت سے نکل گئے اور تکالیف اٹھائی۔ یہ جنگِ احد میں بھی ہوا اور ہمیشہ کے لئے بھی قرآنی حکم ہے۔

۸۲۔ **بیّت**۔ بات۔ رات کاٹی۔ اسی سے بیت ہے رات کاٹنے کی جگہ یعنی گھر۔ **بیّت**۔ اس نے رات کو مشورہ کیا۔ مراد رات کو منصوبہ بندیاں کرنا۔

یہ منافقین تیرے سامنے تیری اطاعت کا دم بھرتے ہیں لیکن تجھ سے الگ ہو کر ایک گروہ ایسی باتیں کرتے ہوئے رات گزارتا ہے جو تیری کہی ہوئی باتوں سے قطعاً مختلف ہیں۔ گویا تیری غیر موجودگی میں کسی پہلو سے تیری اطاعت کرنے کو تیار نہیں۔ خیال کرتے ہیں کہ کسی کو علم نہیں ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ ان کی رات کی باتوں کو لکھ رہا ہے۔ یعنی انہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گا۔ یہ لکھنا جس طریق سے بھی ہو لیکن آج سائنسدانوں نے ثابت کیا کہ ہر آواز کا ریکارڈ فضا میں محفوظ رہتا ہے۔ اس پر تحقیق جاری ہے۔ سائنسدان ہزاروں سال قبل کی اس گفتگو کو ریکارڈ کرنے میں کامیاب

يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
نہیں غور کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا اللہ کے غیر کی طرف سے

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۳﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ
تو ضرور پاتے اس میں اختلاف بہت اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی امر از قسم

ہوگئے ہیں جو ابتدا میں اہرامِ مصر کے اندر ہوئی۔تو ان کی پرواہ نہ کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اللہ تعالیٰ کارساز کے طور پر کافی ہے۔یعنی اپنے تمام کام اسی کے سپرد کردے۔

۸۳۔منافقین قرآنی احکام کو خدا کی طرف سے نہ سمجھتے اور ان کے خلاف منصوبے کرتے۔یہاں انہیں قرآن کریم پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی تا کہ ان کی غلط فہمیاں دور ہوں جو سطحی طور پر پڑھنے سے اُس وقت بھی پیدا ہونے کا امکان تھااور آج بھی ہے قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ،صرف منافقین کے لئے نہ تھا بلکہ تمام دنیا کے مدبرین کے لئے قیامت تک کے لئے ایک چیلنج ہے۔

قرآن مجید کے معاملہ میں تمام دنیا کے مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن ایک آیت بھی دوسری کے خلاف نہ نکال سکے۔یہ مسلمانوں کی ناسمجھی تھی کہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ پیدا کیا کہ جسے کوئی آیت سمجھ نہ آئی اس نے اس آیت کو منسوخ قرار دے دیا حالانکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اگر تدبر کرو گے تو جان لوگے کہ قرآن کریم میں کوئی اختلاف نہیں۔

قرآن کریم ایک امّی پر اس کی زندگی کے مختلف ادوار ، دکھ میں ، سکھ میں ، جنگ میں ، امن میں ، دشمنوں کے نرغے میں ، دوستوں کے درمیان ، غرض ہر حال میں تئیس سال کے لمبے عرصہ تک ٹکڑوں کی صورت میں نازل ہوتا رہا۔کبھی کوئی آیت کہیں رکھنے کا حکم فرماتے اور کبھی کہیں۔ آخر میں ایک نہایت متناسب و مربوط مجموعہ کا بن جانا جس میں ایک خاص تسلسل قائم رہے ، کوئی بات غیر محل نہ ہو ، کوئی تضاد نہ ہو ،اوّل سے آخر تک ایک ہی طرز کا کلام ہو ،نہ اس کی فصاحت و بلاغت میں فرق آئے کہ تئیس سال میں پہلے سے بہتر ہوگئی ہو ،نہ احکام میں فرق ہو کہ اتنے عرصہ بعد ایک انسان کچھ بھول جاتا ہے۔ یا پہلے سے بہتر احکام دینا چاہتا ہے۔غرض ہر آیت کے بے شمار معانی ہیں جن کا ہر زمانہ پر اطلاق ہوتا ہے۔جاہل اپنی سمجھ کے مطابق اسے سمجھتا ہے اور ایک عالم کے لئے گویا وہ ایک بحر بیکراں ہے جس میں غوطہ زن ہو کر وہ لا تعداد گوہر نایاب چن لاتا ہے۔ قرآن کریم میں اَن گنت پیشگوئیاں ہیں جو اپنے اپنے وقت میں سچی ثابت ہوتی رہتی ہیں۔قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ رسول اور اس کے ساتھی ہی کامیاب و کامران ہوں گے، روزِ روشن کی طرح پورا

الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ
امن یا خوف پھیلاتے ہیں اُسے اور اگر لے جاویں اسے رسول کی طرف

وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
اور حکومت والوں کی طرف اپنے میں سے تو ضرور جان لیں اُسے وہ لوگ جو حقیقت اخذ کرسکتے ہیں اس کی

مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ
ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی تو پیرو ہوجاتے تم

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۴﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ
شیطان کے سوائے تھوڑوں کے پس تو لڑ راہ میں اللہ کی نہیں ذمہ دار بنایا جاتا تو

ہوا حالانکہ جب یہ دعویٰ کیا گیا تو کفار کے مطابق معاذ اللہ علیٰ ذٰلک یہ ایک مجنوں کی بڑ تھی۔قرآنی تعلیم مشترکہ تعلیم انبیاء کے مطابق ہے اور ان کی مصدق ہے۔اس لئے قرآن کریم نے جابجا تورات اور انجیل کے حوالے دیئے ۔اگر کہیں توریت و انجیل سے تضاد ہے تو آخر غلطی تورات یا انجیل کی ہی ثابت ہوئی اور قرآن کریم نے ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائی۔دنیا میں نئی نئی دریافتیں ہوتی رہتی ہیں اور پرانی غلط ثابت ہوجاتی ہیں لیکن قرآن کریم کے مخالفین باوجود اپنی انتہائی کوشش کے ایسی کوئی بات قرآن کریم سے نہیں نکال سکے۔بلکہ آج سائنس کے جدید انکشافات قرآنی حقائق پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ پس قرآن کریم کا کسی بات میں بھی تضاد ثابت نہ ہونا اس کے من جانب اللہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

۸۴۔ **یستنبطون - نبط**۔لفظی معنی کھودنا کے ہیں۔ استنباط۔ بات کی تہ تک پہنچ کر صحیح معنی نکالنا۔ **اَذَاعُوا** ۔ وہ مشہور کردیتے ہیں۔

پچھلی آیت جملہ معترضہ کے طور پر تھی اور نہایت مناسب جگہ پر تھی۔یہاں سے پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کیا اور ایک نہایت اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی۔جنگ احد کے بعد کا زمانہ زمانۂ جنگ تھا۔ہمہ وقت دشمن کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا۔زمانہ جنگ میں فریقِ مخالف کو صحیح صورتحال سے بے خبر رکھنے کے لئے دشمن کئی چالیں چلتا ہے۔جن میں خاص طور پر افواہیں پھیلانا ہے۔بعض دفعہ دشمن بالکل سر پر ہوتا ہے اور لوگوں میں مشہور کیا جاتا ہے کہ کوئی خطرہ نہیں۔اسی طرح امن کی صورت میں خوف و ہراس پھیلایا جاتا ہے تا کہ امنِ عامہ تباہ ہو اور عام افراتفری پھیلے۔پس ایسی باتیں جن سے معاشرہ میں خلل پیدا ہو خصوصاً جنگ کے دنوں میں پھیلانے سے منع فرمایا اور بتایا کہ اگر وہ ایسی باتوں کو ادھرادھر پھیلانے کی بجائے رسول کے پاس لے جاتے یا اپنے صاحبِ اختیار لوگوں تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو معاملے کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ

إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ
مگر اپنے نفس کا اور ترغیب دے مومنوں کو قریب ہے اللہ کہ روک دے جنگ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّأَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۵﴾ مَنْ
ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ سخت ہے جنگ میں اور سخت ہے سزا دینے میں جو
يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ
سفارش کریگا سفارش اچھی ہوگا اس کیلئے حصہ اس سے

ضرور صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے اور حقیقت کو جان لیتے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ حکام کا صاحب بصیرت ہونا ضروری ہے جو نامساعد حالات کو کنٹرول کرسکیں۔ خداتعالیٰ کا تم پر خاص فضل و احسان ہے کہ رسول تم میں ہدایت دینے کے لئے موجود ہے۔ ورنہ سوائے چند کے تم ضرور ان شیطان صفت لوگوں کی باتوں میں آجاتے۔

۸۵۔ **حرّض**۔ حرض۔ ترغیب دینا۔ تحریض دلانا۔ **تنکیل** ۔نکل ۔قید کرنا۔ روکنا۔ نکیل ڈالنا۔ تنکیل اور نکال ہم معنی ہے۔ ایسی عبرتناک سزا دینا کہ دوسرا رک جائے۔

یہاں آنحضرت ﷺ کو اکیلا ہی جنگ کے لئے مکلّف کیا گویا اگر باطل قوتوں کے خلاف مومن کو اکیلا بھی نبرد آزما ہونا پڑے تو بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ ہاں مومنین کو جہاد کی ترغیب دینا، ان کی جنگی تربیت کرنا ان کے حوصلے بلند رکھنا، ان کی جنگی ضروریات کا خیال رکھنا، یہ ساری ذمہ داریاں آنحضرت ﷺ پر اور آپؐ کے بعد ہر سپہ سالار پر ہیں ، پھر بھی اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو تم ان کے ذمہ دار نہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! مجھے اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے جنگ کے لئے تنہا بھی نکلنا پڑے تو بھی میں ضرور نکلوں گا لیکن آپؐ کے جانثار صحابہؓ آپؐ پر پروانہ وار فدا تھے۔انہوں نے آپؐ پر آنچ تک آنے نہیں دی۔ ساتھ ہی خوشخبری دی کہ عنقریب کافروں کی جنگ رک جائے گی۔ جیسا کہ جنگ احزاب کے بعد وہ حملہ آور نہیں ہوئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی جنگ سب سے زیادہ سخت ہے اس کا عذاب بھی عبرتناک ہے گویا بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نکیل ڈال کر سیدھا کرتا ہے۔(الحکم ۱۹ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۷۳) جیسا کہ کفار کو پے در پے شکستوں اور ذلتوں کے بعد ہدایت نصیب ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ یہ بھی مراد ہے کہ مومن اس مقام پر ہوں کہ ان کی لڑائی اللہ کی لڑائی بن جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ لڑائی کا خود جواب دے۔ جیسا کہ بعض دفعہ ان کے باہمی اختلافات اور آپس کی خانہ جنگی ان کی تباہی کا باعث ہوئی اور مومنین ان کے شر سے محفوظ ہوگئے۔ بعض دفعہ آفاتِ سماوی نے ان کی کمر توڑ دی جیسا کہ

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ
اور جو سفارش کریگا سفارش بُری ہوگا اس کیلئے حصہ اس سے
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۶﴾ وَإِذَا حُيِّيْتُمْ
اور ہے اللہ ہر بات پر محافظ اور جب سلام کیا جائے تم کو
بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ
کوئی سلام تو سلام کرو زیادہ بہتر اس سے یا دُہرا دو وہی یقیناً اللہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۷﴾ اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
ہر بات کا حساب لینے والا ہے اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی خدا سوائے اسکے ضرور اکٹھا کریگا تم کو

النصف

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ میں سات سالہ قحط یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں طاعون اور زلزلوں نے تباہی مچائی۔

۸۶۔ **کِفلٌ** ۔ حصہ ۔**مقیتاً**۔مقیت قوت والا۔اسم الٰہی میں سے ہے۔اللہ جو ہر چیز کو قوت دیتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ کامل قدرت رکھنے والا۔

مومنین کو جنگ کی ترغیب دلانا بھی گویا اچھی سفارش کرنا ہی ہے جس کا اجر ترغیب دلانے والے کو بھی ملتا ہے ۔عام حکم بھی ہے کہ ہر اچھی سفارش کرنے والے کو اس کا اچھا اجر ملتا ہے اور ہر بُری سفارش کرنے والے کو اس کا بُرا بدلہ ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا! تم سفارش کیا کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائے اس پر راضی رہو۔ یہاں مراد اچھی یا بری راہ کی ترغیب دینا بھی ہے جس کا اچھا یا برا اجر ملتا ہے۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جو اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس کا اجر بھی جو اس پر عمل کرے اور جو کوئی بری راہ نکالے اس پر اس کا بوجھ ہے اور اس کا بوجھ بھی جو اس پر عمل کرے۔ (مفرداتِ راغب) بعض نے بمعنی کفیل لیا ہے یعنی متنبہ کیا کہ جو شخص برائی کا جویا ہوگا تو وہ برائی اس پر کفیل ہوگی جو اس سے باز پرس کرے گی۔ (مفرداتِ راغب)

۸۷۔**تحیّة**۔مادہ حی ہے یا حیاۃ۔ بمعنی زندگی۔ تحیۃ اصل میں حیاک اللہ ہے۔یعنی زندگی کی دعا ہے کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ ہر دعا پر استعمال ہوتا ہے۔اسلام کا تحیۃ السلام علیکم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسی سلام سے خطاب کیا۔(لوقا ۲۴۔۳۶) پچھلی آیت میں بتایا تھا کہ اچھی راہ دکھانے کا بھی اجر ہے یہاں بتایا کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا اجر ہے یہاں تک کہ سلام کرنے کا بھی۔اس سورۃ میں تمدن اور معاشرت کے چھوٹے چھوٹے امور کی طرف توجہ دلائی۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ

بروز قیامت نہیں کوئی شک اس میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے

حَدِيْثًا ﴿۸۸﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ

بات میں پس کیوں ہیں تمہارے منافقوں کے بارہ میں دو گروہ جبکہ اللہ نے اوندھے منہ گرایا ان

ع ۸ ۱۱

بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ

(منافقوں) کو بسبب اسکے جو کمایا انہوں نے کیا تم چاہتے ہو کہ ہدایت دو تم جسے گمراہ کیا اللہ نے اور جسے

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۹﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ

گمراہ کرے اللہ تو ہرگز نہیں پاوے گا تو اس کیلئے کوئی راہ انہوں نے چاہا کہ کاش کافر ہو جاؤ تم

فرمایا کہ دعائے ملاقات میں بھی اس چیز کو مدنظر رکھو۔ کہ جو دعا تمہیں دی جائے تم اس سے بہتر دعا دو یا کم ازکم ویسی ہی لوٹا دو۔ گویا اگر کوئی السلام علیکم کہے تو تم وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ کہو۔ یہ بھی معنی ہیں کہ دوسروں سے زیادہ بہتر سلوک کرو۔ اگر کوئی تحفہ وغیرہ دے تو اس سے بہتر دو یا کم ازکم ویسا دو۔ اگر یہ بھی ممکن نہ تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔

اسلام میں سلام کی بڑی تلقین ہے اوراس پر اجر ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! لوگو سلام کو عام کرو نیز فرمایا! ہر چھوٹا بڑے کو، ہر کھڑا بیٹھنے والے کو، ہر سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ اس سے محبت بڑھتی ہے، انکساری پیدا ہوتی ہے اور تکبر ختم ہوتا ہے۔ (صحیحین)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب رکھتا ہے تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی ضائع نہیں جائے گی۔ ہاں تمہیں اپنی نیکیوں کے حساب کتاب کی ضرورت نہیں کہ میں نے فلاں سے یہ نیکی کی ہے۔ تم ہر کس و ناکس سے نیکی کرو اور اپنی نیکی کا دائرہ بہت وسیع رکھو۔

۸۸۔ پچھلا سلسلہ کلام اس رکوع کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

انسانی فطرت ہے کہ دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔ بتایا کہ قیامت کو تم ساری دنیا کے سامنے پیش ہوگے اور تمہارے اعمال نامے کھولے جائیں گے پس اس ذلت سے خود کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟ گویا یہ حقیقت تھی جس سے تمہیں مطلع کر دیا گیا ہے۔

۸۹۔ **ارکس۔ رکس** ۔ سر کے بل الٹا کر دینا۔ اوّل کا آخر کی طرف الٹا دینا۔ یہاں مراد قبولِ اسلام کے بعد کفر کی طرف لوٹ آنا ہے۔

پچھلے تین رکوع میں ان منافقین کا ذکر تھا جو مدینہ میں رہتے تھے۔ ان کی منافقت کبھی آنحضرت ﷺ کو حکم تسلیم نہ کرنے سے اور کبھی جہاد میں حصہ نہ لینے سے ظاہر ہوتی رہتی لیکن ان

كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

جس طرح کافر ہوئے وہ پھر ہو جاؤ تم ایک جیسے پس نہ بناؤ تم ان (منافقوں میں) سے

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا

دوست یہانتک کہ ہجرت کریں وہ راہ میں اللہ کی پھر اگر وہ پھر جاویں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا

تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور نہ

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۹۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

بناؤ ان میں سے دوست اور نہ مددگار سوائے ان لوگوں کے جو

کے لئے کبھی کوئی سزا تجویز نہیں ہوئی۔ اس رکوع میں ان منافقین کا ذکر ہے جو مکہ میں اور مدینہ کے اردگرد قبائل میں رہتے اور کفار کے دباؤ کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف کفار کی معاندانہ سرگرمیوں اور جنگوں میں حصہ لیتے۔ ان کے تعلق میں مسلمان مختلف رائے رکھتے، کچھ انہیں کفار میں شامل سمجھتے کچھ مسلمانوں میں اور جنگ کے دوران ان سے نرمی کا سلوک کرتے کہ شاید ہدایت پا جائیں۔ فرمایا یہ اپنے اعمال کی وجہ سے ایمان سے کفر کی طرف واپس لوٹ گئے ہیں۔ اس لئے کفار کے زمرہ میں ہیں۔ پس باوجود مومنوں کی خواہش کے ہدایت نہیں پائیں گے۔ اس رکوع میں بتایا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

۹۰۔ آیت ۸۹ والے منافقین کا ہی ذکر ہے۔ چونکہ دارالکفر میں رہنے والے منافقین کو مذہبی فرائض کی ادائیگی سے روکا جاتا، ان پر ظلم و ستم کیا جاتا اور ان پر ہر طرح سے کفار کا دباؤ تھا اس لئے حکمِ الٰہی سے آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا حکم فرمایا! (بخاری باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ بروایت حضرت عائشہؓ) کہ سوائے مستضعفین کے مدینہ ہجرت کر جائیں۔ خدا اور رسول کے حکم کی وجہ سے ان پر ہجرت فرض تھی۔ پس جو ہجرت کرگئے وہ مومنین میں شامل ہوئے اور مسلمانوں کے جگری دوست تھے۔ جنہوں نے دنیوی مفاد اور عزیز و اقارب سے مفارقت کی وجہ سے ہجرت نہ کی اور مسلمانوں کو بھی دینِ حق سے پھیرنے کے خواہشمند تھے۔ کفار کی طرح ان سے بھی دوستی سے منع فرمایا۔ فرمایا اگر یہ پھر جائیں یعنی اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائیں اور تمہارا حکم نہ مانیں اور کفار سے مل کر تمہارے خلاف جنگ کریں تو یہ کفار کے زُمرہ میں آتے ہیں۔ تم اس وجہ سے کہ یہ کبھی مسلمان تھے ان کا ہرگز لحاظ نہ کرنا۔ جنگ میں کفار کی طرح انہیں جہاں پاؤ پکڑو اور قتل کرو انہیں ہرگز اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔ اس لحاظ سے ہجرت ہمیشہ کے لئے فرض ہے ورنہ ہجرتِ مکانی مخصوص حالات میں

يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

مل جاتے ہیں ایسی قوم کیساتھ کہ درمیان تمہارے اور درمیان ان کے معاہدہ ہو یا

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ

آویں تمہارے پاس ایسے حال میں کہ منقبض ہوں ان کے سینے کہ وہ لڑیں تم سے یا

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

لڑیں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تم پر

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا

پھر ضرور لڑتے وہ تم سے پس اگر کنارہ کریں تم سے پھر نہ لڑیں تم سے اور کریں

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۱﴾

تم سے صلح تو نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راستہ (لڑنے) کا

فرض ہے۔

۹۱۔ **حصرت** ۔حصر۔تنگی۔ انقباض ۔**حَصِرَت**۔ وہ تنگ ہوئی۔

منافقین میں سے اہل مدینہ کو ان کی تمام تر حکم عدولی کے باوجود کوئی سزا نہیں دی کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیا۔دوسرے گروہ کا ابھی ذکر ہوا جو علی الاعلان مرتد ہوا اور آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ خود بھی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو بھی شہید کیا۔ انہی میں سے جو لوگ آپ ؐ کی حلیف قوموں سے مل گئے جن سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ امن تھا کہ نہ وہ آپ ؐ کی معیت میں، کفار سے لڑیں اور نہ کفار کے ساتھ مل کر آپ ؐ سے جنگ کریں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔جیسا کہ ہلال بن عویمر اسلمی سے آپ ؐ کا معاہدہ تھا۔ پس اگر کوئی کسی ایسی قوم سے مل جائے تو خواہ وہ واجب القتل بھی ہو۔ حلیف قوم سے مل جانے کی وجہ سے اسی قوم میں سے سمجھا جائے گا۔اب چوتھے گروہِ منافقین کا ذکر ہے جو اسلام سے مرتد ہوکر تمہارے پاس آتے ہیں۔نہ تم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے یعنی کفار سے حالانکہ اگر ان میں طاقت ہوتی یا انہیں موقع ملتا تو ضرور تم سے لڑتے ۔یعنی اس صورت میں بھی کہ وہ مجبوراً تم سے صلح کی درخواست کرتے ہیں ،تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ مرتد ہونے کی وجہ سے تم انہیں کوئی سزا دو۔بنی مولج سے اسی حکم کے تحت صلح کی۔

پس مرتدین سے جنگ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ وہ خود یا کفار سے مل کر جنگ کریں۔ورنہ تبدیلئ مذہب کوئی جرم نہیں۔ **لا اکراہ فی الدین**۔پس اللہ نے تمہارے لئے

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا

ضرور پاؤگے تم کچھ اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں رہیں

قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ

اپنی قوم سے جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں طرف فساد کی اوندھے منہ گرائے جاتے ہیں اس میں پس اگر

لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ

نہ کنارہ کش ہوں تم سے اور نہ کریں تم سے صلح اور نہ روکیں اپنے ہاتھ

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ

تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور یہ لوگ ہیں کہ

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۲﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

بنایا ہم نے تمہارے لیے ان پر غلبہ کھلا کھلا اور نہیں ہے شان کسی مومن کی

ع ۱۲ ۹

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے کسی مومن کو غلطی سے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ

تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور خون بہا ہے جو دیا جانے والا ہے اس (مقتول) کے خاندان کو

ان کے خلاف زیادتی کی کوئی راہ باقی نہیں رکھی۔جب کہ وہ تم سے جنگ کے معاملہ میں الگ رہیں ، جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی درخواست کریں ۔

۹۲۔ اب ایک پانچویں قسم کے گروہ منافقین کا ذکر ہے۔جو تمہاری طرف سے امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم یعنی کفار کی طرف سے بھی۔ یعنی بظاہر دونوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں لیکن کسی معاہدہ کے تحت نہیں ہیں لیکن جب کبھی ان کی قوم انہیں تمہارے خلاف کسی فتنہ کے لئے بلائے خواہ یہ فتنہ جنگ کا ہو یا کسی اور بدامنی یا تخریب کاری کا تو اندھا دھند اس میں کود جاتے ہیں یعنی بغیر سوچے سمجھے ان کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں۔ان غلط کاریوں کے بعد بھی اگر تمہارے مقابلہ سے باز رہیں اور صلح کی درخواست کریں اور اپنے ہاتھوں کو روک دیں تو ان کے خلاف کوئی باز پرس نہیں۔ہاں اگر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتے یعنی مقابلہ سے باز نہیں آتے ،نہ صلح کی درخواست کرتے ہیں اور نہ دست درازیوں سے باز آتے ہیں تو کفار کے حکم میں ہیں۔انہیں گرفتار کرو ،جنگ میں تم انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے خلاف تمہیں روشن دلیل دی ہے یعنی ایسا کرنے کا تمہارے پاس جواز ہے۔

۹۳۔ **دیة**۔ اصل ودی ہے۔ یعنی خون بہانا اسی سے وادی ہے جہاں پانی بہتا ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ

سوائے اسکے کہ وہ معاف کردیں پھر اگر ہو وہ (مقتول) ایسی قوم سے جو دشمن ہو تمہاری اور خود (مقتول)

مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

مومن ہو تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور اگر ہو (مقتول) ایسی قوم سے کہ

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ

درمیان تمہارے اور درمیان انکے معاہدہ ہو تو خون بہا ہے (جو) دیا جانیوالا ہے اس (مقتول) کے خاندان کو

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

اور آزاد کرنا ہے ایک گردن کا مسلمان کی پھر جو نہ پاوے (گردن) تو روزے ہیں

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

دو مہینوں کے متواتر بطور توبہ کے اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ

عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا

خوب جاننے والا حکمت والا اور جو قتل کرے کسی مومن کو عمداً

دیَت خون بہا۔ہے۔خون کا معاوضہ جو مقتول کے وارثوں کو دیا جاتا ہے۔پچھلے رکوع میں منافقین سے سلوک کا ذکر تھا یہاں بتایا کہ اگر نادانستہ طور پر مومن کے ہاتھ سے مومن مارا جائے تو کیا سزا ہے۔

فرمایا مومن کی تو یہ شان ہی نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے۔اس میں ایذا دینا بھی شامل ہے۔ہاں بعض اوقات غلطی سے ایسا ممکن ہے۔جیسے کسی قبیلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی اور کوئی مومن مارا گیا یا کسی نے دوران جنگ ہی اسلام قبول کر لیا۔ یا کسی مومن کو زبردستی میدان جنگ میں لے آئے یا غیرارادی طور پر کوئی مارا گیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور وارثوں کو خون بہا دے سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔معافی کا فیصلہ ورثاء نے کرنا ہے اور قصاص یا دِیَت کا فیصلہ خلیفۂ وقت ،قاضی یا حاکمِ وقت کے ذمہ ہے۔ہاں اگر مقتول مومن تمہارے دشمن قبیلے سے ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہی کافی ہے۔کیونکہ اس کے رشتہ دار کافر ہیں۔اگر کسی معاہد قبیلے سے ہے تو مقتول کافر ہو یا مومن پہلے خون بہا دے اور پھر مومن غلام آزاد کرے۔گویا کسی غیر مومن کا نادانستہ قتل بھی سزا کا مستحق بناتا ہے۔یہاں پہلے خون بہا دینے کا مقصد اپنے حلیف کی دل جوئی ہے۔اگر اس کی طاقت یا توفیق نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے ہیں یعنی اگر بغیر شرعی عذر ایک بھی چھوٹ جائے تو ازسرنو شروع کرے۔مستند احادیث سے ثابت ہے کہ دِیَت کے لئے آنحضرت ﷺ نے خون بہا کی مقدار ۱۰۰ اونٹ یا ۲۰۰ گائے یا ایک ہزار بکریاں مقرر فرمائیں ۔ نقد کی صورت میں آٹھ سو دینار یعنی اشرفی یا دس ہزار درہم یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی فی سکہ مقرر فرمائے۔

فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

تو بدلہ اس کا جہنم ہے رہ پڑنے والا ہے اس میں اور غضب کیا اللہ نے اس پر

وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ

اور لعنت کی اس پر اور تیار کیا اس کے لیے عذاب عظیم اے لوگو جو

اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا

ایمان لائے ہو جب سفر کرو تم راہ میں اللہ کی تو تحقیق کر لیا کرو اور نہ

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

کہو اسے جو کرے تم کو سلام کہ نہیں ہے تو مسلمان

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اپنے زمانہ میں اونٹ کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم یعنی تین ہزار روپیہ مقرر فرمائے۔یہ اس زمانے کے تین ہزار ہیں۔ آج کے حساب سے قریباً بیس لاکھ روپے ہیں۔فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا طریق ہے ۔ وہ اپنے بندوں سے خوب واقف ہے اور اس کی ہر بات میں حکمت ہے۔

۹۴۔اگر کوئی مومن کسی مومن کو دانستہ قتل کر دے تو اس کی سزا جان کے بدلے جان ہے سوائے اس کے کہ ورثاء خون بہا پر راضی ہو جائیں۔(البقرہ: ۱۷۹) یہ دنیوی سزا تھی۔ اگر سچی توبہ کے بغیر مرجائے تو مرنے کے بعد اس کی سزا جہنم ہے۔جہنم کے علاوہ خدا تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے گا اور خداتعالیٰ کی رحمت سے دور رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے بعض کا خیال ہے کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن خدا کی رحمت بے حد وسیع ہے۔وہ ہر توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا **وانی لغفار لمن تاب** (طہ :۸۳) اسی طرح حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے !جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دوں گا اور اگر وہ برائی کرتا ہے تو اس کو اس کی برائی کے برابر سزا دوں گا یا اسے بخش دوں گا۔جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔جو ایک گز میرے قریب ہوتا ہے میں دو گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے قریب چلتے ہوئے آتا ہے میں اس کے قریب دوڑتے ہوئے جاتا ہوں اور اگر کوئی دنیا بھر کے گناہ لے کر میرے پاس آئے گا۔ بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اس کے ساتھ اتنی ہی بڑی مغفرت اور بخشش سے پیش آؤں گا اور اسے معاف کردوں گا۔(مسلم کتاب الذکر باب فضل الذکر والدعاء)

۹۵۔ **تبیّنوا**۔ بیّن ۔ظاہر۔کھلا کھلا۔ چھان بین کرنا۔**عَرَض**۔چوڑائی۔ **عَرَضَ**۔

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ

تم چاہتے ہو سامان زندگی درلی کا پس پاس اللہ کے

مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ

غنیمتیں ہیں بہت اسی طرح تھے تم پہلے پھر احسان کیا اللہ نے

عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

تم پر پس تحقیق کرلیا کرو یقیناً اللہ ہے اس کی جو تم کرتے ہو

خَبِيْرًا ﴿۹۵﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ

خوب خبر رکھنے والا نہیں برابر ہوتے (جہاد سے) بیٹھے رہنے والے مومن سوائے

اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

عذر والوں کے اور جہاد کرنے والے راہ میں اللہ کی ساتھ اپنے مالوں کے

مال و اسباب۔ **مغانم۔** غنم۔بکری۔شروع میں مال غنیمت میں زیادہ تر بکریاں حاصل ہوتیں بعد میں مال غنیمت دوسری ہر قسم کی نعمتوں کے لئے استعمال ہوا۔مراد غنیمتیں۔

اے گروہِ مومنین !جب تم خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو کسی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو۔اگر کوئی تمہیں السلام علیکم کہے یا کسی اور علامت سے مسلمان ظاہر ہو تو اسے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں اور اس پر ہرگز جلد بازی سے مال و اسباب کے لالچ میں بغیر تحقیق کئے حملہ نہ کرو۔گویا جسے مالِ غنیمت کا لالچ ہو اس کا جہاد فی سبیل اللہ نہیں اور کسی کا السلام علیکم کہنا یا کلمہ پڑھنا ہی اسے مسلمان سمجھنے کے لئے کافی ہے۔اللہ کے پاس تو بے شمار نعمتیں ہیں۔ دنیوی بھی اور اخروی بھی۔ پہلے تم اسی طرح ہوا کرتے تھے کہ معمولی معمولی باتوں پر مشتعل ہوجاتے تھے اور بلا تحقیق لوگوں پر خون خرابہ کرتے تھے پھر خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیااور اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ پس تمہیں اچھی طرح چھان بین کے بعد کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔بقول حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ **تبیّنوا** سے یہ بھی مراد ہے کہ کسی دینی یا دنیوی غرض سے کہیں جاؤ تو وہاں کے حالات معلوم کرلیا کرو۔تاکہ تمہاری کسی بات سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ایک جنگ میں ایک کافر کو باوجود کلمہ پڑھنے کے قتل کردیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس پر غلبہ پالیا تو اس نے ڈر کر کلمہ پڑھا۔آپؐ نے فرمایا! کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟اے اسامہ تمہارا کیاحال ہوگا جب وہ اللہ کے حضور اپنا کلمہ پیش کرے گا۔حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اور اپنی جانوں کے فضیلت دی اللہ نے ان کو جو جہاد کرنیوالے ہیں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کیساتھ

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ

بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور فضیلت دی

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۶﴾ دَرَجٰتٍ

اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں (اور) درجوں میں

فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض تھے کہ میں نے کہا کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!کہ اس جرم کے بعد تم اس حالت میں اٹھائے جاؤ گے جس حالت میں تم مسلمان ہونے سے پہلے تھے اور مقتول تمہاری ایمانی حالت میں اٹھایا جائے گا۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تو حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں شدید حسرت پیدا ہوئی کہ کاش میں اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔(بخاری کتاب الدیات)

۹۶۔ **اولی الضّرر**۔ضرر والے۔نقصان دکھ یا تکلیف والے ۔ بدن میں ہو تو اندھے ، لولے لنگڑے، عمر رسیدہ اور بیمار وغیرہ شامل ہیں یعنی معذور۔مالی لحاظ سے غرباء شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسلمانوں کی تعداد کفار کی نسبت بہت کم تھی۔ اس لئے سوائے معذور افراد کے یا جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصلحت کی بنا پر پیچھے چھوڑتے ،تمام مومنین پر جہاد فرضِ عین تھا۔ صرف منافقین ہی جھوٹے عذر کرکے پیچھے رہتے جیساکہ جنگ تبوک میں ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت ابو بکرؓ اور بعض دیگر جید صحابہؓ نے بعض جنگوں میں حصہ نہیں لیا اس کا مطلب یہی ہے کہ جنگ امامِ وقت کے حکم کے تحت ہے۔حالات کے مطابق جس طرح ضرورت سمجھے حکم دے اور مومن اسی حکم کے پابند ہوں گے۔

قرآنِ کریم قیامت تک کے لئے ہے اور ایک ایک آیت کے کئی کئی معانی ہیں۔بعد میں ان آیات کا مطلب جہادِ اکبر یعنی نفس کے جہاد کے معنی میں ہوگیا اور جہادِ فی سبیل اللہ فرض کفایہ کے تحت آ گیا اور سب پر فرض نہ رہا یعنی کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے باقی لوگوں کو معافی مل گئی۔ تاہم فرمایا کہ مجاہدین بوجہ مالی اور جانی قربانی کے بلا عذر پیچھے رہنے والے ایسے لوگوں سے جو معذور نہیں بہرحال درجہ میں افضل ہیں اگرچہ بھلائی کا وعدہ دونوں فریق سے ہے لیکن مجاہدین کو پیچھے رہنے والوں کی نسبت بہت بڑے اجر کا وعدہ کرکے فضیلت دی۔پس ثابت ہوا کہ سست رو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں کرنے والوں نیز تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے والوں کے برابر

مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۷﴾

اپنی طرف سے اور مغفرت میں اور رحمت میں اور ہے اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا

یقیناً وہ لوگ کہ وفات دیتے ہیں ان کو فرشتے جبکہ وہ ظلم کرنیوالے ہوتے ہیں اپنے نفسوں پر تو کہتے ہیں

فِيْمَ كُنْتُمْ ۗ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ

کس حالت میں تھے تم وہ کہتے ہیں تھے ہم کمزور زمین میں

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۗ

(وہ فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا نہ تھی زمین اللہ کی وسیع کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۸﴾ اِلَّا

پس یہ لوگ وہ ہیں کہ ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا سوائے

نہیں ہوسکتے۔

۹۷۔یہ فضیلت خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑے درجات اور مغفرت اور رحمت کا ملنا ہے۔اللہ تو بہت ہی معاف کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۹۸۔جو منافقین کفار کے زیر اثر رہے۔یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کی،ان کے متعلق احکام کی وضاحت گذشتہ آیات میں درج ہے کہ وہ کفار کے زمرہ میں ہیں۔ یہاں مومنین کا ذکر ہے جو اپنی جائیدادیں اور رشتہ داریاں قربان نہ کرسکے،باوجود استطاعت کے ہجرت نہ کی، کفار کے زیراثر ان کے رنگ ڈھنگ اختیار کئے اور وفات پائی۔یہ گویا فرشتوں سے بھی جھوٹ بولیں گے کہ ہم کمزور و مجبور تھے۔اس لئے ہجرت نہیں کرسکے۔فرمایا یہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی ، دنیوی مفاد کو رسول کے حکم پر ترجیح دی اور گنہگار ہوئے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔کفار میں رہ کر ان کے ظلم وستم کا نشانہ بننا اور مذہبی فرائض کو کماحقہ ادا نہ کرسکنا، جیسا کہ نماز باجماعت اور جہاد میں شمولیت نہ کرنا بھی خود پر ظلم کرنا ہی ہے۔پس کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر مذہبی فرائض انجام دیتے۔پس رسول کی نافرمانی کی وجہ سے یہ بھی کفار کے زمرہ میں آتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ غلط صحبت اور ماحول سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے جس سے انسان کے اخلاق اور ایمان پر برا اثر پڑتا ہو۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاسMTAمیں) فرماتے ہیں کہ آج بھی اگر کوئی مومن کسی ایسے ملک میں رہ رہا ہے کہ اپنے دین کی حفاظت نہیں کرسکتا ، دشمن کے رعب یا دباؤ کی وجہ سے بداعتقادیوں اور

الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۹﴾ فَاُولٰٓئِكَ

جو نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی اور نہیں راہ پاتے کسی راستہ کی پس یہ لوگ

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

قریب ہے اللہ کہ درگذر کرے ان سے اور ہے اللہ بہت معاف کرنیوالا بہت بخشنے والا

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ

اور جو ہجرت کرے گا راہ میں اللہ کی وہ پائے گا زمین میں

مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۗ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ

پناہ کی جگہ بہت سی اور گنجائش اور جو نکلے گا اپنے گھر سے

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

ہجرت کرتا ہوا طرف اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر پالیوے اُسے موت

بداعمالیوں کا خطرہ ہے تو اس پر ہجرت فرض ہے۔اگر اپنے دین کی حفاظت کرسکتا ہے اور استقامت دکھا رہا ہے تو اس پر ہجرت فرض نہیں۔خلیفۂ وقت یا امیر جماعت کا حکم بہر حال مقدم ہے۔

۹۹۔۱۰۰۔ **حیلة** ۔حول ۔تدبیر۔ طاقت۔گرِد۔برس۔ **عفو۔** اللہ کے عفو سے مراد چھوٹی موٹی غلطیوں سے صرف نظر کرنا ہے گویا دیکھا ہی نہیں۔**غفور۔** حقیقی غلطیوں پر معاف کرنے والا اور بخشنے والا۔

ہاں جو مردوں ،عورتوں ،بچوں نیز غلام اور لونڈیوں میں فی الواقع کمزور و ناتواں ہیں اور کسی تدبیر کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ انہیں وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ملتا ہے۔وہ اس حکم میں نہیں آتے اوراللہ انہیں معاف کر دے گا۔اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

اس آیت کا علم مکہ میں مقیم ایک نہایت عمر رسیدہ صحابی جندب بن ضمرہ کو ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو کہا میں ان میں نہیں جنہیں استطاعت نہ ہو۔ چنانچہ ان کے بیٹے انہیں چارپائی پر ڈال کر مدینہ لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔یہ اطاعت کی ایسی روح تھی جس نے ایک خانہ بدوش قوم کو دنیا کا امام بنا دیا۔

۱۰۱۔ **مراغماً**۔رغام۔رغم بمعنی مٹی۔مراد راستہ۔جگہ ۔قلعہ جو جائے پناہ ہے بعض دفعہ مٹی ڈالنا یعنی ذلیل کرنا بھی مراد ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ تم نے معمولی دنیوی فوائد کی وجہ سے ہجرت نہیں کی حالانکہ اللہ نے اپنی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اپنی جناب سے بے حد نوازا۔

ع ۱۴ / ۱۱

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۱

تو یقیناً پڑ گیا اجر اس کا ذمہ اللہ کے اور ہے اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

اور جب سفر کرو تم زمین میں تو نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ

تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ

قصر کرو نماز اگر ڈرو تم کہ فتنہ میں ڈالیں گے تم کو وہ لوگ جنہوں

كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۲

نے کفر کیا یقیناً کافر ہیں تمہارے دشمن کھلے کھلے

ثواب اسی ہجرت میں ہے جو فی سبیل اللہ ہو جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔انسان کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی نیت کرے۔جس نے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کی نیت کی تو اس کی ہجرت خدا اور رسول کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا پانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ (مسلم کتاب الامارة باب انما الاعمال بالنية) پس جس نے خدا کی رضا اور خدمت دین کے لئے گھر بار عزیز و اقارب اور وطن عزیز چھوڑا اس کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں بہت سی آرام کی جگہیں اور فراخی کا سامان مہیا فرمائے گا۔یعنی جب بھی حقیقتاً ہجرت کی ضرورت پڑے تو خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔وہ ضرور کوئی ٹھکانا اور سامان زیست عطا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حبشہ اور مدینہ میں ہوا۔پس وہ ہجرت کی غرض یعنی خدمت دین خوب اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ہاں اگر کسی کو راستہ میں موت آجائے اور خدمت دین کا موقع نہ ملے جیسے حضرت جندب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی نیت کا اجر ضرور ملے گا اور وہ اللہ کے ذمہ ہے۔گویا اللہ تعالیٰ پر فرض ہوگیا ہے۔اللہ بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔چونکہ مراغماً ذلیل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔اس لئے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دشمنوں کو نامراد کرنے کے کئی مواقع بھی پائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے ذلت و نامرادی سے بچائے گا۔

۱۰۲۔ اس رکوع میں پھر اصل غرض یعنی نماز کی طرف توجہ دلائی۔جو مشکل ترین حالات میں بھی معاف نہیں۔ **قصر**۔کم کرنا۔

جہاد اور ہجرت میں سفر درپیش ہوتے اور اکثر اوقات خطرات بھی ہوتے اس لئے نماز میں قصر کا حکم دیا۔یہ خیال بھی ہوسکتا تھا کہ نماز میں کمی سے ثواب میں بھی کمی نہ ہو۔اس لئے فرمایا کہ

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ

اور جب ہو تم ان میں پھر کھڑی کرے تو انکے لیے نماز تو چاہیئے کہ کھڑی ہو

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا

ایک جماعت ان میں سے ساتھ تیرے اور چاہیئے کریویں وہ ہتھیار اپنے پھر جب

سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ

سجدہ کر چکیں وہ تو چاہیئے کہ ہو جاویں وہ پیچھے تمہارے اور چاہیئے کہ آوے گروہ

اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

دوسرا نہیں پڑھی نماز جنہوں نے پس وہ نماز پڑھیں ساتھ تیرے اور چاہیئے کہ لیویں وہ

نماز کم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث ہے کہ پہلے دو فرض ہی مقرر تھے ۔اس کے بعد سفر میں دو رہنے دیئے اور حضر میں دو کی بجائے چار کر دیئے۔(بخاری)

پس یہاں جو فرمایا کہ اگر کافروں کی طرف سے خطرہ ہو تو نماز کم کر دو تو اس کا مطلب نماز کی قرأت میں کمی یعنی وقت میں کمی ہے اور نماز کو جلد جلد ادا کرنے کی اجازت ہے۔یہاں عام خوف کی صورت ہے ورنہ صلوٰةِ خوف کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔آنحضرت ﷺ سے ہر سفر میں قصر نماز ثابت ہے جیسا کہ یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے سوال کیا کہ باوجود حالت امن میں ہونے کے آپ قصر کیوں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس بات پر تمہیں تعجب ہوا ہے اس پر مجھے بھی تعجب ہوا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا! کہ قصر صلوٰة ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا، پس اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزائم (فرائض) پر عمل سے خوش ہوتا ہے ، اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے سے خوش ہوتا ہے۔جس سے پتہ چلا کہ قصر صلوٰة خوف سے مشروط نہیں بلکہ سفر سے مشروط ہے۔سفر میں تین طور سے نماز قصر ادا ہوتی ہے۔چار رکعت فرض کی بجائے دو فرض پڑھے جاتے ہیں مغرب کے تین فرض ہی رہیں گے البتہ صبح کی دو سنت مؤکدہ اور عشاء کے تین وتر ضروری ہیں۔باقی سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ظہر و عصر اور مغرب و عشاء جمع ہوسکتی ہیں۔ خوف کی صورت میں قرأت میں کمی ہوسکتی ہے۔قصر کے مسائل یہ ہیں کہ اگر پندرہ دن سے کم کا قیام ہو تو قصر کرے۔جب بھی سفر کے ارادہ سے نکلے سفر ہے۔سرکاری یا تجارتی دورے سفر نہیں۔ مقامی مریض کے لئے قصر نہیں۔بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کر سکتا ہے۔امام مقیم ہو تو مقتدی اس کے پیچھے پوری نماز پڑھیں۔امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو مقتدی امام کے سلام کے بعد نماز پوری کریں۔

۱۰۳۔اس آیت میں بے شک مخاطب آنحضرت ﷺ ہی ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

بچاؤ اپنا اور ہتھیار اپنے چاہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ کاش

تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

غافل ہو تم اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامانوں سے تو وہ ٹوٹ پڑیں

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ

تم پر ٹوٹ پڑنا یکدم اور نہیں کوئی گناہ تم پر اگر ہو

بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

تمہیں تکلیف بارش کی یا ہو تم بیمار کہ رکھدو

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

ہتھیار اپنے اور اختیار کرو بچاؤ اپنا یقیناً اللہ نے تیار کیا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۳﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا پھر جب ادا کر چکو تم نماز

آپ کے قائم مقام امیر بھی اس میں شامل ہیں۔ (قرطبی)

اس آیت سے نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ گھمسان کی جنگ میں بھی جہاں تک ممکن ہو نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔ صلوٰۃِ خوف کی پہلی صورت سورۃ بقرہ ۲۴۰ میں گزر چکی ہے کہ شدید جنگ کے دوران جب کہ نماز باجماعت ممکن نہ ہو، انفرادی نماز جس صورت بن پڑے پڑھ لینے کا حکم ہے۔ یہاں حالات ایسے ہیں کہ مجاہدین میدان جنگ میں دشمن کے بالمقابل مسلح کھڑے ہیں، کسی وقت بھی دشمن کا اچانک حملہ متوقع ہے چونکہ حالت جنگ نہیں اس لئے نماز باجماعت ہوسکتی ہے۔ البتہ نماز کے دوران ہتھیار بند رہنے کا اور ہر طرح سے اپنے بچاؤ کا انتظام کئے رکھنے کا حکم ہے ہاں بارش یا بیماری کی وجہ سے اسلحہ اتار کر رکھ سکتے ہیں تاہم اپنے بچاؤ کے لئے پوری پوری احتیاط کرنی لازم ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں آنخضرت ﷺ نے یوں نماز ادا کی کہ ایک گروہ نے آپؐ کے پیچھے صف باندھی وہ مسلح تھا اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہا۔ جب آپؐ ایک رکعت ادا کر چکے تو آپؐ حالت قیام میں رہے یہاں تک کہ جو گروہ آپؐ کے پیچھے تھا وہ دوسری رکعت ادا کر کے پیچھے ہٹ گیا اور دشمن کے مقابل ہوگیا اور دوسرا گروہ جو پہلے دشمن کے مقابل تھا وہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور آپؐ نے دوسری رکعت اس کے ساتھ ادا کی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو اس گروہ نے اٹھ کر بقیہ رکعت پوری کی۔ (بخاری۔ مسلم۔ احمد) بعض روایات

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ

تو یاد کرو تم اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر اپنے

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

پھر جب مطمئن ہو جاؤ تم تو قائم کرو نماز کو یقیناً نماز ہے

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ

مومنوں پر فرض باوقت اور نہ سست ہو پیچھا کرنے میں ان

میں ہے کہ ایک ایک رکعت آپؐ کے پیچھے پڑھ کر مقتدیوں نے نماز با جماعت ختم کرلی۔ احادیث میں ہے کہ غزوہ خندق میں چار نمازیں قضا ہوئیں جو آپؐ نے علی الترتیب ادا کیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی سختی سے تردید فرمائی آپ نے لکھا کہ فتح البیان شرح بخاری کی رو سے صرف نماز عصر تنگ وقت میں ادا کی گئی۔ (نور القرآن حصہ دوئم بار دوئم صفحہ ۱۰۔۱۱) اس سے غزوہ خندق کی شدت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پس حالات کے مطابق جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ احادیث سے گیارہ طریق سے صلوٰۃِ خوف ادا کرنا ثابت ہے۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ مومن کو غفلت ہرگز زیبا نہیں، نہ حالت جنگ میں نہ زندگی کے دیگر امور میں دینی ہوں یا دنیوی۔

فرمایا اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کن سزا تیار کر رکھی ہے جو انہیں ملے گی۔ یعنی یہ تو چند احتیاطی تدابیر ہیں ورنہ ان کی شکست تو مقدر ہو چکی ہے۔

۱۰۴۔ **کِتٰبًا**۔ لکھا ہوا۔ فرض کیا ہوا۔ **موقوتًا**۔ جس کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں صلوٰۃِ خوف کے لئے **قضیتم** کا لفظ استعمال ہوا۔ گویا جلدی جلدی جس طرح بھی بن پڑا اور جتنی رکعات میسر آئیں تم نے نماز پڑھ کر فرض ادا کر دیا لیکن اب اٹھتے بیٹھتے یہاں تک کہ لیٹے ہوئے بھی ذکر الٰہی سے اس کمی کو پورا کرو۔ گویا دورانِ جنگ ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اپنی کمزوریوں کی معافی کے لئے بھی اور مدد الٰہی سے فتح و نصرت کے لئے بھی ذکر الٰہی کرو جس کی تفصیل احادیث سے ملتی ہے۔ آنخضرت ﷺ نے فرمایا! ہر وقت تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے (بروایت عبداللہ بن بسرؓ۔ جامع ترمذی کتاب الدعوات باب فضل الذکر حدیث نمبر ۳۲۹۷) آپؐ نے فرمایا! اگر میں ایک مرتبہ **سبحان اللّٰہِ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الّا اللّٰہُ واللّٰہُ اکبر** کہہ دوں تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ پیارا ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۰) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دو کلمے ہیں زبان سے کہنے میں ہلکے لیکن اعمال کے ترازو میں

الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا

(دشمن) لوگوں کا اگر ہو تم تکلیف اُٹھاتے تو یقیناً وہ بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں جیسا کہ

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ

تکلیف اٹھاتے تم اور امید رکھتے ہو تم اللہ سے جس کی نہیں وہ امید رکھتے اور ہے

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

اللہ خوب جاننے والا حکمت والا یقیناً اتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب

بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا

ساتھ حق کے تاکہ تو فیصلہ کرے درمیان لوگوں کے مطابق اسکے جو سمجھا دے تجھے اللہ اور نہ

تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہو تو خائنوں کی طرف سے حامی اور بخشش مانگ اللہ سے یقیناً اللہ

ع ۱۵ / ۱۴

بھاری اور بخشنے والے خدا کے نزدیک بہت پیارے اور وہ ہیں۔ **سُبحانَ اللّٰہِ وبحمدہٖ ،سُبحانَ اللّٰہِ العظیم** ط میں اللہ کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی حمد میں مشغول ہوں۔ میں عظمت والے ،بڑی شان والے خدائے واحد کی تسبیح کرتا ہوں۔(بخاری) پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ اور کوئی خطرہ نہ ہو تو نماز کو حسب سابق پوری شرائط اور عمدگی سے ادا کرو۔ گویا جلدی میں پڑھی ہوئی نماز اقیموا الصّلوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی۔ یقیناً نماز مومنوں پر وقتِ مقررہ کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

۱۰۵۔ **ابتغآء**۔ چاہنا۔ تلاش کرنا۔ مراد پیچھا کرنا۔

جنگ کے بعد نماز کو صحیح طریق سے ادا کرنے کا حکم تھا۔ اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ دشمن کا پیچھا کرنے سے نماز صحیح طریق سے ادا نہ ہو سکے اور اس میں کمی کرنی پڑے۔ اس لئے فرمایا کہ تعاقب میں سستی نہ کرو۔ چاہے نماز میں کمی کرنی پڑے۔ چونکہ جنگ میں بچاؤ کا ہر ممکن طریق اختیار کرنے کا حکم تھا۔ اس لئے فتح کے بعد یہ بھی بچاؤ کا ایک طریق بتایا تاکہ دشمن پلٹ کر حملہ نہ کر سکے۔ فرمایا جس طرح جنگ سے تمہیں تکلیف پہنچی اس طرح دشمن بھی تکلیف اٹھا رہا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جن انعامات کے ملنے کی تمہیں امید ہے۔ انہیں ہرگز نہیں یعنی اسلام کے ساتھ جو فتح و کامرانی کی بشارتیں ہیں انہیں وہ نصیب نہیں۔ شہادت کی صورت میں بھی مومنین کے لئے ہمیشگی کی جنت کے وعدے ہیں جب کہ کفار کے لئے جہنم ہے۔ اللہ علیم وحکیم ہے اس کا ہر حکم علم و حکمت کی بنا پر ہے۔ اگر دشمن کے تعاقب کا حکم دیا تو یہ بھی حکمت کی وجہ سے ہے۔

قرآن کریم میں ہر لفظ کے بے شمار معانی ہیں یہاں قوم کا لفظ لا کر بتا دیا کہ حالت امن میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قوم کے مفاد کی تلاش میں سرگرم عمل رہو اور سستی نہ کرو۔

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

ہے بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور نہ تو جھگڑا کر ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں

اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۸﴾

اپنے آپ کی یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا اُسے جو ہو بہت خیانت کرنیوالا گناہ گار ہے۔

۱۰۶۔ **اَرٰىكَ اللّٰہ**۔ جو اللہ نے تمہیں دکھایا یعنی تمہیں علم دیا۔ **خائن**۔ خیانت کرنے والا۔

کفار اور مومنین کی جنگوں اور ان میں پیداشدہ مسائل کا بیان جاری تھا۔ بے شک جنگ کے دوران ایک کافر واجب القتل ہے لیکن کسی بھی جھگڑے کا فیصلہ اس جامع صداقت کتاب کے احکام کی روشنی میں ہوگا جس کا علم اللہ نے آپؐ کو دیا ہے ، کافر اور مومن کی کوئی تفریق نہیں ہوگی بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ خیانت کس نے کی اور حق کس کا مارا گیا اور تم کبھی خیانت کرنے والوں کی حمایت نہ کرنا۔ قرآن کریم کی ہر آیت سے امت کی تعلیم و تربیت ہی مقصود ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کا تو ہر کام رضائے الٰہی کے تحت ہی ہوا کرتا تھا اور آپؐ امین تھے۔ بے شک ایسی تمام آیات بظاہر کسی خاص واقعہ سے منسوب ہوں لیکن قرآنی احکام عام ہیں۔ یعنی ان خاص واقعات کے علاوہ ان میں عالمی ہدایات مضمر ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک انصاری طعمہ بن البیرق نے ایک زرہ چرائی اور ایک یہودی کے پاس رکھوا دی جب تحقیق ہوئی تو زرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی۔ یہودی نے طعمہ کا پتہ بتایا۔ مگر طعمہ نے انکار کیا اور اس کے قبیلے بنی ظفر اور ساتھیوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی بریت کی۔ مگر وحی الٰہی نے آپؐ کی دستگیری فرمائی اور آپؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب یہود آپؐ کے جانی دشمن تھے لیکن آپؐ نے انصاف کے معاملہ میں دوست اور دشمن میں کوئی تمیز نہیں کی۔

۱۰۷۔ پس کسی بھی بددیانت کی حمایت نہیں ہونی چاہئے لیکن جن سے غلطی ہو جائے ان کے لئے بخشش طلب کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو معاف فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مشرک کے لئے دعا ہو سکتی ہے۔ دعاؤں کے طفیل ہی مشرکینِ مکہ ایمان لائے۔ اگر شرک کی حالت میں مر جائیں تو پھر ان کے لئے دعا منع ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ قاضی یا جج کو صحیح فیصلہ کے لئے دعا و استغفار کرتے رہنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے صحیح فیصلہ کی توفیق دے اور غلطی سے بچائے۔

۱۰۸۔ اللہ تعالیٰ نے جو حقوق انسان کے ذمہ لگائے ہیں وہ گویا امانت ہیں۔ ان میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد شامل ہیں۔ انفسہم میں اپنے نفس کے حقوق نیز اپنے بھائی بندوں اور قوم

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
یہ چھپ سکتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے اللہ سے

وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ
اور وہ تو ساتھ ہوتا ہے انکے جب کہ وہ منصوبہ کرتے ہیں رات کو اس کا کہ نہیں پسند کرتا وہ (اللہ) جس بات کو

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۹﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ
اور ہے اللہ اس پر جو وہ کرتے ہیں احاطہ کئے ہوئے دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ

جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ
جھگڑا کیا تم نے ان لوگوں کی طرف سے زندگی دنیا میں پس کون جھگڑے گا

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ
اللہ سے ان کی طرف سے بروز قیامت یا کون ہوگا ان کا

کے حقوق شامل ہیں جن کو کماحقہ' ادا نہ کرنا خیانت ہے۔

خیانت کو دھوکے کے مفہوم میں لیاجائے تو خود کو دھوکا دینا گویا اپنوں اور قوم کو دھوکا دینا ہے۔یہ منافقوں کا کام ہے جو نہ صرف خود کو دھوکا دیتے ہیں بلکہ اپنے زعم میں پوری قوم کو بیوقوف بناتے ہیں کہ دل سے ان کے وفادار نہیں ہوتے۔ پس جو خیانت اور گناہوں میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ نہ اپنے حقوق کا خیال ہوتا ہے اور نہ قوم کا۔تو ان کی طرف سے بحث نہ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کی رعایت کرے اور ان کو معاف کردے۔اللہ ایسوں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان سے نفرت کرتا ہے جو سخت خیانت کرنے والے اور گنہگار ہیں۔

۱۰۹۔یہاں کھول کر بتادیا کہ **خوانًا** اور **اثیمًا** منافق ہیں، جو راتوں کو چھپ کر آپ کے خلاف مشورے کرتے ہیں یا ایسی باتوں میں رات گزارتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا حالانکہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے بلکہ ان کے پاس ہوتا ہے۔وہ بندوں سے چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے چھپ نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی ان کا سزا سے بچ نکلنا ممکن نہیں۔

دنیا میں تمام غلط کام زیادہ تر رات کو ہی ہوتے ہیں۔اس لئے ایسے تمام لوگوں کو شرم دلائی جو راتوں کو چھپ کر افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ نہیں چلے گا لیکن اللہ تعالیٰ سے ان کے افعال پوشیدہ نہیں اور وہ سخت سزا پائیں گے۔

۱۱۰۔ مومنوں کو خبردار کیا کہ یہاں تو تم ان کی حمایت کرتے ہو اگرچہ وہ بددیانت ہوں یا منافق یا کسی اور گناہ کے مرتکب ہوں،اور ان کے حق میں بحثیں کرتے ہو،خواہ یہ حمایت کسی غلط فہمی

وَكِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
کارساز اور جو شخص کرے کوئی برائی یا ظلم کرے اپنے پر پھر

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ
بخشش مانگے اللہ سے پاوے گا اللہ کو بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور جو شخص

کی وجہ سے ہو یا خاندانی اور قومی طرفداری کی وجہ سے اور ہوسکتا ہے تمہاری حمایت یا وکالت کی وجہ سے وہ قانون کی گرفت سے بچ بھی جائیں لیکن قیامت کو خدا کے حضور ان مجرموں کی وکالت کون کرے گا اور وہ سزا سے کیوں کر بچ سکیں گے۔

۱۱۱۔ان مجرموں کی حمایت ان کا علاج نہیں بلکہ اگر تم واقعی ان کے ہمدرد ہو تو انہیں بتلاؤ کہ ان کا علاج یہ ہے کہ کوئی بھی مجرم خواہ کسی بھی جرم کا مرتکب ہوا ہو یا اپنے نفس پر ظلم و زیادتی کرچکا ہو، جب بھی پریشان ہوکر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے گا تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائے گا اور تم بھی بجائے ان کی غلط طرفداری کے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔احادیث میں استغفار کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اگر مسلمان سے کوئی کمزوری سرزد ہوجائے تو دو رکعت نماز پڑھے اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جو شخص اپنے اوپر استغفار لازم کرلے تو اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ اس کے لئے نکال دیتا ہے اور ہر رنج وغم سے اسے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ابن ماجہ) **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ** ط آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اس شخص کو مبارک ہو جس کے نامہ اعمال میں استغفار بہت زیادہ لکھا گیا۔آپؐ کے استغفار کا مقام بہت بلند تھا۔ آپؐ نے فرمایا! میں استغفار کرتا ہوں ایک دن میں ستر (۷۰) بار سے زیادہ۔ حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کہ جو کوئی یہ دعا (سیدالاستغفار) صبح کے وقت پڑھے اور شام سے پہلے پہلے فوت ہوجائے تو خود کو جنت میں پائے گا۔ جو اسے رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے وفات پاجائے تو وہ جنت میں ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِىْ، فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔ (ابو داؤد ۔سید الاستغفار و صحیح بخاری کتاب الدعوات باب فضل الاستغفار) اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ
کرے کوئی گناہ تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ کرتا ہے اسے خلاف اپنے نفس کے اور ہے
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ
اللہ خوب جاننے والا حکمت والا اور جو کرے کوئی غلطی یا
اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا
کوئی گناہ پھر الزام لگا دے اس کا کسی بے گناہ پر تو یقیناً اس نے اٹھایا اپنے کندھے پر جھوٹا الزام
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
اور گناہ کھلا کھلا اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تجھ پر اور رحمت اس کی
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ
تو ارادہ کر لیا تھا ایک جماعت نے ان میں سے کہ بے راہ کر دیں تجھے حالانکہ نہیں بے راہ کرتے وہ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
مگر اپنے آپ کو اور نہیں یہ نقصان پہنچا سکیں گے تجھ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ نے

معبود نہیں۔تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں حسبِ توفیق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔میں اپنے عمل کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں اپنی ذات پر تیری نعمتوں اور احسانوں کا اعتراف کرتا ہوں اور تیرے حضور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔

۱۱۲۔تم ان کے لئے مغفرت کی دعا تو کر سکتے ہو لیکن ان کے گناہ نہیں بانٹ سکتے۔کیونکہ ہر بدی کرنے والے کی بدی کا وبال اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا اور وہی سزا بھگتے گا۔کسی دوسرے کو کسی کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی۔اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یعنی وہ مجرم کو بھی جانتا ہے اور اس کے جرم کی نوعیت کو بھی۔پس اس کی سزا بھی گہری حکمت کی بنا پر ہوگی۔

۱۱۳۔کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ تو کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ہاں کسی معصوم کے سر اپنی غلطی یا گناہ کا الزام تھوپ کر خود دوہرے گناہ کا بوجھ ضرور اٹھائے گا ۔ایک تو اپنا گناہ دوسرا کسی بے گناہ پر تہمت لگانے کا گناہ ۔یہ خصلت بھی منافقین سے خاص ہے۔

مبین بمعنی کاٹنا بھی ہے گویا بہتان ایسا گناہ ہے جو بندے اور خدا کے رشتہ کو کاٹ ڈالتا ہے۔پس کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں نہیں ہے بہتان ہے۔اسلام نے بہتان کی سخت مذمت کی ہے اور اس پر حد مقرر ہے۔ بار ثبوت تہمت لگانے والے پر رکھا ہے۔اگر الزام لگانے والا الزام ثابت نہ کر سکے تو سزا کے لائق ہوگا۔ پس ایسے شخص کی بخشش بہت مشکل ہے۔

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ
تجھ پر یہ کتاب اور حکمت اور سکھایا ہے تجھے وہ جو نہیں تھا تو جانتا
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ
اور ہے فضل اللہ کا تجھ پر بڑا نہیں بھلائی بہت سے
نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ
مشوروں میں ان کے سوائے اس کے جس نے حکم دیا صدقہ کا یا مناسب بات کا یا اصلاح کا
بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
درمیان لوگوں کے اور جس نے کیا یہ کام چاہنے کے لیے رضا مندی
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ
اللہ کی تو ضرور ہم دیں گے اسے اجر بڑا اور جو مخالفت کرے گا

۱۱۴۔**لھمّت**۔ قصد کرنا۔**یضلّوک۔الضّلال**۔کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانا کے ہیں۔کسی کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کے معنی بھی دیتا ہے۔وہ ضرور تجھے گمراہ کر دیں گے۔

پچھلی آیات سے ظاہر ہے کہ منافقین نہ صرف جنگ میں حصہ نہ لیتے بلکہ آپؐ کے خلاف منصوبوں میں سرگرم عمل رہتے اور آپؐ کو اور اسلام کو تباہ کرنے کی تدبیریں کرتے۔وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ آپؐ سے کوئی بھول چوک ہوجائے یا کسی فیصلہ میں کوئی غلطی سرزد ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ قرآنی وحی سے آپؐ کی رہنمائی فرماتا۔

پس آپؐ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان اور اس کی رحمت تھی ورنہ ان میں سے ایک گروہ نے تو آپؐ کو راہِ راست سے ہٹانے کا تہیہ کیا ہوا تھا لیکن وہ خود ہی گمراہیوں کی دلدل میں پھنستے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ تجھے ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اللہ تعالیٰ نے تو تجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کیونکہ اس نے تجھے کتاب وحکمت اور معرفت سکھائی اور تجھے وہ علوم سکھائے جو تو خود نہیں سیکھ سکتا تھا پس جس کے پاس قرآن کریم کا علم ہے اسے وہ کس طرح راہ راست سے ہٹا سکتے ہیں یا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

امت کو بھی خبردار کیا کہ اگر ساری دنیا بھی تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے تو قرآنی علوم کی معرفت اور ان پر عمل تمہیں ہر گمراہی سے محفوظ رکھے گا۔

۱۱۵۔بار بار خفیہ مشوروں سے منع فرمایا تو ہوسکتا ہے کہ کوئی نیکی اور بھلائی کے مشوروں کو بھی منع سمجھتا۔اس لئے وضاحت فرمائی کہ منافقین کے اکثر مشورے خیر و بھلائی سے خالی ہوتے ہیں اس لئے منع فرمایا ورنہ ایسے مشورے جن میں صدقہ و خیرات کی تلقین ہو یا دوسرے نیک کاموں کی

الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ

رسول کی بعد اس کے کہ ظاہر ہو گئی اس کے لیے ہدایت اور پیروی کرے گا

غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

سوائے راستہ مومنوں کے ہم پھیر دیں گے اُسے جس کی طرف وہ (خود) پھرا اور ہم داخل کرینگے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ ع ۱۴

اُسے جہنم میں اور کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا یقیناً اللہ نہیں معاف کرتا کہ

يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ

شریک بنایا جاوے ساتھ اسکے اور معاف کرتا ہے سوائے اس کے جس کے لیے چاہے اور جو

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ

شریک بناتا ہے ساتھ اللہ کے تو یقیناً وہ گمراہ ہے گمراہی دُور کی میں نہیں وہ پکارتے

تحریص ہو یا اصلاح کی کوشش کرنے کے لئے مشورے کئے جائیں، وہ ہرگز منع نہیں۔ان میں تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔گویا نیک کام تو ہمیشہ ہی اچھے ہوتے ہیں اور دنیا میں اچھا پھل ہی لاتے ہیں لیکن اگر یہی کام رضاء الٰہی کے تحت کئے جائیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر ہو تو ہم انہیں جلد ہی بہت بڑا اجر دیں گے۔ جلد اجر میں دنیا کے اجر کی طرف اشارہ ہے۔یعنی خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے گئے کاموں کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی اجر عظیم ہے۔

۱۱۶۔ منافقین کا ہی ذکر ہے۔فرمایا جس شخص پر اسلام کے حقائق پوری طرح کھل چکے پھر باوجود ہر بات سمجھ لینے کے وہ رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جس راہ پر مومن چل رہے ہیں اسے چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا ہے یعنی کفار سے جا ملتا ہے تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم اسی طرف اسے پھیر دیں گے اور زبردستی اسلام کی طرف نہیں لائیں گے۔یہاں ان منافقین کا ذکر ہے جو کفار سے جا ملے اور کھلم کھلا مرتد ہوگئے۔یہاں بھی مرتد کی کوئی سزا نہیں بلکہ اس کی سزا آخرت تک موخر کی جب کہ وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

۱۱۷۔ منافقین اسلام کو چھوڑ کر مشرکین سے مل گئے ۔اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ہاں جو گناہ اس سے کم ہوگا وہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ خدا کا انکار شرک سے بہت بڑھ کر ہے۔اس لئے وہ بھی قطعاً ناقابل معافی ہے۔

دنیا میں جتنی مشرک قومیں ہیں وہ ایک خدا کو ہی مانتی ہیں اور یہ بھی کہ زمین و آسمان کو اسی نے پیدا کیا لیکن اس کی عبادت میں شرک کرتی ہیں اور دیوی دیوتاؤں کو بطور وسیلہ مانتی ہیں۔ان

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۸﴾

سوائے اس (اللہ) کے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا

لعنت کی ان پر اللہ نے اور کہا اس نے ضرور لوں گا میں تیرے بندوں سے حصہ

مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۹﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

مقررہ اور البتہ میں ضرور گمراہ کروں گا اور البتہ ضرور میں آرزوئیں دلاؤں گا اور البتہ ضرور حکم دوں گا میں

فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

ان کو پھر البتہ ضرور کاٹیں گے وہ کان مویشیوں کے اور البتہ ضرور حکم دوں گا میں انکو پھر ضرور وہ بدلا دیں گے

خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پیدائش اللہ کی اور جو بناوے شیطان کو دوست سوائے اللہ کے

سے حاجات مانگتی اور ان کے آگے سجدہ کرتی ہیں۔تمام انبیاء اسی شرک کی بیخ کنی کے لئے آئے۔ افسوس آج بعض جاہل مسلمان بھی مُردوں سے حاجتیں مانگتے اور ان کے مزاروں پر سجدے کرتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں۔ سوائے خدا کے کسی پر بھروسہ کرنا شرک خفی ہے خواہ مال و اولاد ہو یا صحت ، عزت ، خاندان اور عہدہ وغیرہ ہو۔ شرک خفی کی بے شمار اقسام ہیں جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دے کر اس شرک سے بچا لیا کہ بڑھاپے میں میرا سہارا بنیں گے۔مشرک گمراہی میں اس قدر دور نکل جاتا ہے کہ اس کا واپس لوٹنا مشکل ہے۔

۱۱۸۔ اِنٰثًا۔ واحد اُنثٰی۔ عورتیں۔ بیجان چیزیں ۔**مریدًا**۔ جمع **مَردة**۔ باغی، سرکش ۔ مشرکین عبادت کے لئے خدا کی بجائے دیویوں اور پتھروں کو پکارتے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سرکش شیطان کو ہی پکارتے ہیں۔ یہاں بتایا کہ جھوٹے معبودوں کی عبادت گویا شیطان کی عبادت ہی ہے کیونکہ جو شیطان کے بہکاوے میں آتے ہیں وہی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۱۱۹۔ یہ وہی شیطان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور جس نے یہ کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ضرور ہی ایک معین حصہ لوں گا۔پس یہ مشرک بھی انہی میں سے ہیں جو اس کے ساتھ شامل ہوگئے اور جنہوں نے اس کی اطاعت کو پسند کیا۔اگر وہ اس کی اطاعت کو پسند نہ کرتے تو وہ زبردستی ان کو لینے کا مجاز نہیں تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا اسی طرح شیطان بھی زبردستی گمراہ نہیں کرسکتا۔

۱۲۰۔ **يبتكُنّ ۔بَتَكَ يابتُ**۔ قطع کرنا۔ چیرنا۔

یہاں جملہ شیطانی کاموں کی تفصیل بتائی کہ شیطان تو ضرور ہی بندوں کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرے گا اور انہیں بڑی بڑی امیدوں میں الجھائے رکھے گا۔یعنی ایسی آرزوؤں کا غلام بنا دے گا جو رحمٰن سے ہٹا کر شیطان کی طرف لے جائیں گی اور یہ حکم بھی دے گا کہ وہ ضرور اپنے پالتو جانوروں کے کان چیر دیں۔عرب میں یہ ایک مشرکانہ رسم تھی کہ اونٹ اور بکری وغیرہ کو جنہیں انسانی فائدے کے لئے پیدا کیا پانچ دس بچے جننے کے بعد کان چیر کر کھلا چھوڑ دیتے کہ یہ فلاں بت کا چڑھاوا ہے۔اس سے کوئی کام لینا،دودھ دوہنا یا ذبح کرنا حرام ہے۔بعض جاہل مسلمانوں میں بھی اسی طرح کی توہم پرستانہ رسوم ہیں جو ہندوؤں سے آئی ہیں جیسے پیروں کی مَنت مان کر لڑکوں کی چٹیا رکھنا،ان کے کان وغیرہ چھدوانا ، مانگے کے کپڑے پہنانا وغیرہ وغیرہ۔یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن کا تعلق آج کے زمانے سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور خاص قرآنی شعور رکھتے تھے۔مگر آپؐ اُس زمانہ کے لحاظ سے روحانی معنی کرنے پر مجبور تھے آپؐ تفصیل نہیں بتاتے تھے کہ اُس زمانہ کا انسان بھٹک نہ جائے۔آپؐ نے حضرت علیؓ کو جو باب العلوم تھے فرمایا۔اے علی! لوگوں کو اتنا بتاؤ جتنا وہ سمجھ سکیں۔کیا تم چاہتے ہو کہ قرآن کو جھٹلایا جائے؟(بخاری)پس پہلے تمام تراجم بھی درست ہیں کیونکہ اس زمانہ میں بعض حقائق سے پردہ نہیں اٹھا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اُس آیت کی تشریح میں بتلایا کہ اس آیت کے دو حصے ہیں۔پہلے حصہ میں تبدیلی خلق کا آغاز ایک چھید سے ہوا تھا۔یہ شیطان کا پہلا حکم تھا جس سے اُس زمانہ میں منع کیا گیا۔ **ولاٰمُرَنّھم فَلَیُغَیِّرُنَّ خلق اللّٰہ** ط یہ شیطان کا دوسرا حکم ہے جس کا تعلق آج کے زمانہ سے ہے۔کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کر دیں گے۔یہاں Genetic Engineering کی طرف اشارہ ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان یا دوسرے جانداروں یا نباتات وغیرہ کی تخلیق جن خلیوں (Cells) سے ہوئی ان خلیوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کا کام کمپیوٹرائز کیا ہوا ہے۔آج کے سائنسدان خلیوں کے کاموں میں دخل اندازی کر چکے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ نباتات میں تبدیلی سے سبزیوں وغیرہ کے حجم بڑھ گئے ہیں ،انڈوں کا سائز بڑھ گیا ہے۔بظاہر محسوس ہوا کہ غذائی ضروریات پر قابو پا لیا جائے گا لیکن جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ غذا ناقص اور صحت انسانی کے لئے مضر ہے۔کئی بیماریاں اور کمزوریاں لاحق ہوں گی۔ لہٰذا اسے روک دیا گیا۔انسانی خلیوں میں دخل اندازی سے ایک بھیانک نتیجہ نکلے گا۔نئی قسم کی مخلوق وجود میں آئے گی جو Echo System پر اثرانداز ہوگی یہ **خُسرانًا مُّبینًا** o ہے۔کلوننگ سے کسی جاندار کی کاربن کاپی بنائی جاسکتی ہے۔یہ ایک طاقتور ٹیکنولجی (Technology) ہے۔ اس علم کو انسانی فائدے کے لئے استعمال

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۲۰﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَ

تو یقیناً گھاٹا پائیگا گھاٹا کھلا کھلا وہ (شیطان) وعدہ دیتا ہے انکو اور آرزو دلاتا ہے انکو اور

مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان سوائے فریب کے یہ لوگ وہ ہیں کہ ٹھکانا ان کا

جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جہنم ہے اور نہیں پائیں گے وہ اس سے بھاگنے کی جگہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور کیں انہوں نے نیکیاں ضرور ہم داخل کریں گے انکو باغات میں کہ بہتی ہیں نیچے انکے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ

نہریں وہ پڑے رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور کون ہے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۳﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ

زیادہ سچا اللہ سے قول میں نہیں ہے (بہشت میں جانا) وابستہ تمہاری آرزو سے اور نہ آرزوؤں سے

کیا جائے تو جائز ہے۔اس سے اعضاء بنائے جاسکتے ہیں ، تبدیل بھی ہوسکتے ہیں۔خلیوں کی خرابی کو دور کر کے بعض بیماریوں سے بچانا یا معذور بچوں کی پیدائش کو روکنا، یہ تخلیق میں تبدیلی نہیں بلکہ کسی بیماری کی وجہ سے پیدا شدہ تبدیلیوں کو دور کرنا ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۲۱۔۱۲۲۔شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ، جھوٹے وعدے دینا اور جھوٹی امیدیں دلانا اس کا کام ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ شیطانی جھوٹے وعدے اور جھوٹی امیدیں وہ وقتی مزے اور لطف ہیں جو گناہوں سے حاصل ہوتے ہیں جن کا انجام دنیا میں بھی جہنم اور آخرت میں بھی جہنم ہے۔ان میں اس طرح پھنستے ہیں کہ نکل نہیں سکتے۔آج جنسیات کے جنون نے انسان کو پاگل کیا ہوا ہے۔ ایڈز ہم جنس پرستی کا نتیجہ ہے جو لاعلاج قرار پا چکا ہے۔منشیات (Drug Addiction) میں بھی یہی وقتی نشہ ہے جو دیگر جرائم کو جنم دیتا ہے اور قوموں کی تباہی کا باعث ہے۔ پس یہ شیطانی جھوٹے وعدوں کے جال میں پھنس کر دنیوی جہنم سے نہیں نکل سکتے تو اُخروی جہنم سے کیسے نکل سکیں گے ؟(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۲۳۔ قرآنی تعلیم انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے جب شیطان کے جھوٹے وعدوں کا ذکر کیا کہ وہ لوگوں کو سبز باغ دکھاتا ہے حالانکہ اس کے متبعین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔تو ساتھ ہی اللہ کے سچے وعدہ کا ذکر کیا جو انّ مومنین سے خاص ہے جو محض ایمان ہی نہیں لاتے بلکہ اعمال صالحہ بھی بجا لاتے ہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور قول میں اللہ سے زیادہ سچا اور کون ہے کہ وہ انہیں ایسے باغوں

أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ

اہل کتاب کی جو بھی کرے گا برائی اسے بدلا دیا جائیگا اسکا اور نہ پاویگا وہ

لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار اور جو کرے گا

الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

نیکیاں خواہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ ایماندار ہو تو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٥﴾ وَمَنْ

داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے سوارخ کے برابر بھی اور کون

میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خلود لمبے عرصہ کے لئے آتا ہے اس کے معنی میں ہیشگی نہیں۔ابد ہیشگی کے معنی میں آتا ہے۔بندے کے اعمال عارضی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ صفت رحیمیت کے تحت احسان فرماتا ہے اور عارضی اعمال کو ابدیت عطا فرماتا ہے رحیمیت کا تقاضا ہے کہ بدی کی سزا بدی سے زیادہ نہ دے یا چاہے تو معاف فرمادے۔

۱۲۴۔ کُم سے مراد کفار ومشرکین ہیں۔ فرمایا!اے گروہِ کفار و مشرکین اور اے اہل کتاب فیصلہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق نہیں ہوگا۔تم دونوں نے ایک جھوٹی جنت بنالی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بدی کرے گا اسے اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔یہاں ایک عام اصول بتا دیا کہ خواہ مسلمان ہوں یا یہود و نصاریٰ یا کفار ومشرکین، صرف آرزوؤں اور زبانی اعتقاد سے جنت حاصل نہیں کرسکتے جب تک ایمان کامل کے بعد اعمال صالحہ ساتھ نہ ہوں۔جیسا کہ اگلی آیت میں بتلایا۔ اسلام کی تو غرض ہی اعمال صالحہ بجا لانا ہے۔جو مسلمان ہو کر قرآن کریم کے مطابق اعمال صالحہ بجا نہیں لاتا وہ سزا پائے گا۔جو غیر مذہب والا اچھے کام کرے گا ،وہ اس کی جزا پائے گا۔پس جو بھی برائی کرے گا اسے اس کے مطابق سزا ملے گی اور وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست و مددگار نہیں پائے گا۔گویا جہنم میں بھی دوست و مددگار خدا تعالیٰ ہی ہے جو انہیں وہاں سے نکالے گا۔ مومنینِ کامل کے لئے خوشخبری ہے کہ جن کا دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ ہو انہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

۱۲۵۔ **نـــقيــرًا** ۔نکتہ نمو ہے جہاں سے کونپل پھوٹتی ہے کھجور کی گٹھلی کا دھاگہ یا ننھا سا سوراخ ۔ مراد نہایت خفیف چیز۔

اسلام میں عمل کے لحاظ سے مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں اسے ویرّی جیسے مستشرق نے بھی تسلیم کیا کہ اسلام میں مرد وعورت برابر ہیں۔جو بھی اعمال صالحہ بجالائے گا بشرطیکہ مومن ہو تو

أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

زیادہ اچھا ہے دین میں اس شخص سے جس نے سونپ دی توجہ اپنی اللہ کو جبکہ وہ احسان کرنیوالا ہو

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ

اور پیروی کرے مذہب ابراہیم موحد کی اور بنایا اللہ نے ابراہیم کو

خَلِيْلًا ﴿١٢٦﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ

خاص دوست اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور ہے

اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٧﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۗ

اللہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے اور فتویٰ پوچھتے ہیں تجھ سے عورتوں کے بارہ میں

١٨ ع ١١ ١٥

جنت میں داخل ہوگا اور اُس کی ذرا بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔گویا جس نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے اس کے لئے جنت کا وعدہ ہے جو بغیر ایمان نیک اعمال کرے اس کے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا لیکن جنت کا وعدہ نہیں۔اگر اس تک اسلام کا پیغام پہنچ گیا اور باوجود سمجھ جانے کے ایمان نہیں لایا تو ہرگز جنت کا مستحق نہیں ہاں اگر اس تک اسلام نہیں پہنچا یا پہنچانے والا قائل نہیں کرسکا۔ تو اللہ تعالیٰ انصاف ضرور کرے گا اور اچھے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔

۱۲۶۔ نجات کا طریق ابھی بتایا کہ ایمان کے ساتھ عمل صالحہ ہو یہاں بتایا کہ دین میں اس سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو ابراہیمی انداز اپنائے؟یعنی خود کو کلیتہً خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے جب اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی مرضی ہی اپنی مرضی ہو اور اسی کی رضا پر راضی ہو جائے۔گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ تو یہ تعلق ہو اور مخلوق کے ساتھ احسان کرنے والا ہو ، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دے اور خود اپنے حق سے کم لے۔غرض صحیح طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہی طریق پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص دوست بنا لیا تھا۔اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کا دوست بننا چاہتے ہو تو ابراہیمی انداز اختیار کرو۔ وہ ابراہیمؑ جو حنیف تھا، جس کا جھکاؤ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھا۔یہاں بتایا کہ تمام انبیاء کا مقصد اور بنیادی تعلیم ایک ہی تھی یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پر لوگوں کو قائم کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سب کے لئے قابلِ احترام تھے ، ان کے دین کی طرف بلایا جو اسلام ہی تھا۔یہاں رسول اللہ ﷺ کا حوالہ نہیں دیا اس لئے کہ بقول خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام خلیل اللہ سے بڑھ کر تھا۔ ابراہیم خلیل تھے تو آپ ؐ خلیل گر تھے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۲۷۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے پیار کیا تو

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ

تو کہدے اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو ان کے بارہ میں اور (فتویٰ دیتا ہے) اس کا جو پڑھا جاتا ہے تم پر اس کتاب میں

فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

یتیم عورتوں کے بارہ میں حالانکہ نہیں دیتے تم ان کو جو مقرر کیا گیا ان کے لیے

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

اور رغبت کرتے ہو کہ نکاح کرو تم ان سے اور (فتویٰ دیتا ہے تم کو) کمزور

الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا

بچوں کے متعلق اور یہ کہ کھڑے ہو جاؤ یتیموں کے لیے ساتھ انصاف کے اور جو

خداتعالیٰ نے بھی اسے اپنا پیارا بنا لیا۔اس سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت تھی۔اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے ، زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کے تابع فرمان ہے اور اپنے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔انسان بھی انہی میں شامل ہے ۔پس یاد رکھوکہ سرکشی کی صورت میں اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

۱۲۸۔ **ترغبون ان تنکحوهن** ۔ رغبۃ کا **صله فی** ہوتو معنی ہیں۔ رغبت کرنا۔ چاہنا۔ صلہ عن ہوتو معنی ہیں بے رغبتی ۔اعراض کرنا۔ یہاں صلہ اَن ہے جو دونوں معنی دیتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہیں کہ حق مہر دینا نہیں چاہتے مگر مال یا حسن وجمال کی وجہ سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔ دوسری صورت میں معنی ہوں گے کہ حسین نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتے لیکن مہر اداکرکے فارغ بھی نہیں کرتے تا کہ مال سے محروم نہ ہو جائیں۔ **ما كُتب لهنّ**۔ مہر جو مقرر کئے گئے یادوسرے حقوق۔

پچھلے رکوع میں مخلوق خدا سے احسان کا ذکر تھا یہاں پھر اصل موضوع کی طرف رجوع فرمایا اورکمزور عورتوں اوریتیم بچوں سے احسان کا حکم دیا۔فرمایا کہ یہ احکام آغاز سورۃ (آیت:۴) میں پڑھ کرسنائے جاچکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے والے کو ملزم قرار دیاہے کیونکہ اس بارہ میں تمام تعلیمات پہلے گزرچکی ہیں۔ایسے لوگ چاہتے تھے کہ ان کے مقاصد کے مطابق احکام نازل ہوں۔اللہ تعالیٰ ایسانہیں کرے گا۔ تاہم احکامات مزید کھول کر بتائے۔**يتٰمى النسآء** کی تشریح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی حدیث سے ہوتی ہے۔آپ نے فرمایا!اس سے مراد یتیم لڑکی ہے۔جس کا ولی اس کے مال کو اپنے ساتھ شریک کرلیتاہے۔نہ خود اس سے نکاح کرنا چاہتاہے نہ کسی دوسرے سے نکاح کروانا پسندکرتاہے۔اس خوف سے کہ وہ مال اس کے ہاتھ سے جاتا نہ

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۸﴾ وَاِنِ

بھی کروگے تم کوئی نیکی تو یقیناً اللہ ہے اس کو خوب جاننے والا اور اگر

امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کی طرف سے ظلم یا بے توجہی سے تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ

ان دونوں پر کہ وہ صلح کرلیں آپس میں کوئی صلح اور صلح بہتر ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا

اور موجود کیا گیا ہے طبیعتوں میں بخل اور اگر احسان کرو تم اور تقویٰ کرو تم

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۹﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا

تو یقیناً اللہ ہے اس کی جو کرتے ہو تم خوب خبر رکھنے والا اور ہرگز نہیں طاقت رکھتے تم

رہے۔(بخاری)ایسی یتیم عورتیں بھی ہیں جن کو ان کے مقررکردہ حقوق ادانہیں کرتے اوران سے نکاح کے خواہشمند ہیں۔حق مہر کی طرف بھی اشارہ ہے اور دیگرحقوق کی طرف بھی۔

پس تاکید کے طور پر یہ احکام یاد دلائے کہ کمزور وبیکس بچوں کے متعلق بھی تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ ان کے حقوق اداکرو اور یہ بھی کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو۔جو بھلائی بھی تم کرو گے۔اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتاہے۔یتیم بچیوں کی جب تک شادی نہیں ہو جاتی انہیں یتیم ہی کہا جائے گا۔ آنحضرتﷺ کا فرمان ہے کہ نابالغ لڑکی کی شادی نہیں ہوسکتی۔اگر بچپن میں نکاح ہوگیا تو بالغ ہونے پر پوچھاجائے گا۔اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر کاکوئی جواز نہیں۔(ابو داؤد)

۱۲۹۔ **نشوزًا**۔بدسلوکی۔زیادتی۔مخاصمانہ رویہ **فلاجناح**۔کوئی گناہ نہیں کوئی حرج نہیں۔ یہ تنبیہ اور نصیحت کے لئے ہے۔جیسے اکثر بچوں کو ڈانٹا جاتا ہے کہ اگر پڑھ لو تو کوئی گناہ نہیں یعنی ضرور پڑھنا چاہیئے ۔**الشّحّ**۔خودغرضی جس میں بخل وحرص شامل ہو۔دوسروں کا مال اپنانے کی حرص۔ آپس کے جھگڑوں میں خاص طور پر بیوی کا قصور ہو یا میاں بیوی دونوں کا قصور ہو اس کے احکام پہلے گزرچکے ہیں۔یہاں ایسی صورت حال کا ذکر ہے کہ بیوی کو خاوندکی طرف سے زیادتی یا عدم توجہی کا خوف ہو جس کازیادہ امکان تعدد ازدواج کی صورت میں ہی ہوتاہے۔فرمایا کہ اگر ایسا ہوتو دونوں کو اصلاح کے پیش نظر صلح کرلینی چاہیئے اور صلح میں ہی خیر و برکت ہے۔صلح کروانے والے اگر اپنے فریق کی طرفداری کریں گے تو صلح نہیں ہوسکتی۔امام رازیؒ فرماتے ہیں صلح کروانے والے جوڑنے کی کوشش کریں۔توڑنے کی کوشش نہ کریں۔انسانی نفوس کی سرشت میں بخل و خودغرضی ہی رہتی ہے میاں بیوی کے جھگڑوں کی ایک وجہ بعض مردوں کی طبیعت کا بخل بھی ہے۔وہ خاص طور پر پہلی

اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

کہ عدل کرو درمیان بیویوں کے اور اگرچہ بہت خواہش کرو تم پس نہ جھکو تم

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ

بالکل جھک جانا کہ چھوڑ دو اُسے مانند (کھونٹی پر) لٹکائی ہوئی (چیز) کے اور اگر اصلاح کرو تم اور

تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا

تقویٰ کرو تو یقیناً اللہ ہے بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور اگر دونوں جدا ہو جاویں

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

تو بے پروا کر دے گا اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے اور ہے اللہ وسعت والا

بیوی کو خرچ کے معاملہ میں تنگ رکھتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی اپنا حق چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا حق چھیننے کو تیار رہتا ہے۔فرمایا جھگڑے کا حل یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ احسان کرو۔ دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق سے کم لو۔گویا قربانی کرنا سیکھو اور تقویٰ سے کام لو یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جب اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو ہرگز زیادتی نہیں کرو گے۔

اس آیت میں مردوں کو خاص طور پر عورتوں پر ہر قسم کی زیادتی اور بے رخی سے منع فرمایا۔ عورتوں پر احسان کرنے اور ان کے معاملہ میں خداتعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔اگر خاوند اس لئے زیادتی کرتا ہے کہ خود کو طاقتور سمجھتا ہے تو اسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔یعنی تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں سزا دینے پر قادر ہے۔

۱۳۰۔شروع سورۃ میں ظاہری تعلقات میں عدل کا حکم تھا یعنی خرچ اور باری وغیرہ میں اور حکم تھا کہ اگر عدل نہ کرسکو تو ایک پر ہی اکتفا کرو۔یہاں محبت اور جذبات میں برابری کا ذکر ہے۔کہ اس کی تمہیں استطاعت نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ تمام اختیاری معاملات میں بیویوں سے برابر کا سلوک فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''الٰہی یہ میرا سلوک ان معاملات میں ہے جن پر مجھے اختیار ہے۔جن میں تجھے اختیار ہے مجھے اختیار نہیں ان میں مجھے ملزم نہ کریو''۔بے شک دلی جذبات کے لحاظ سے عدل ممکن نہیں تاہم ظاہری سلوک میں ایسا طریق اختیار نہ کرو کہ ایک معلقہ کی طرح رہ جائے کہ نہ مطلقہ کہلا سکے اور نہ بیوی والے حقوق حاصل ہوں۔بیویوں کے معاملہ میں اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ ان سے کوئی زیادتی نہ ہو۔بہتر تو یہ کہ اگر انصاف نہیں کرسکتے تو دوسری شادی ہی نہ کرو۔جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔وہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

۱۳۱۔حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ کو حلال

حَكِيْمًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ

حکمت والا اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور یقیناً یقیناً

وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ

تاکیدی حکم دیا ہم نے ان لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے اور تم کو بھی کہ

اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

ڈرو اللہ سے اور اگر کفر کرو تم تو یقیناً اللہ کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور

مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۲﴾ وَلِلّٰهِ مَا

جو زمین میں ہے اور ہے اللہ بے پروا بہت خوبیوں والا اور اللہ ہی کا ہے جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۳﴾ اِنْ

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز اگر وہ

يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ

چاہے لے جاوے تم کو اے لوگو اور لاوے دوسروں کو اور ہے

چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔(ابوداؤد کتاب الطلاق) پس جب باوجود ہر قسم کی کوشش کے اختلافات اس حد تک بڑھ جائیں کہ صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور شرعی طور پر اتمام حجت ہو جائے اور دونوں علیحدگی اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو اپنی جناب سے کشائش دے کر غنی کر دے گا۔یا تو بہتر ساتھی عطا فرمائے گا یا کوئی اور بہتر انتظام فرمائے گا۔وہی اپنے بندوں کے لئے بہت کشائش پیدا کرنے والا اور حکمتوں والا ہے۔یعنی دونوں میں سے کسی کو بھی یہ زعم نہیں ہونا چاہیئے کہ اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو اس کا دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں ہوگا یا بھوکوں مرجائے گا۔

۱۳۲-۱۳۳۔ اس رکوع میں میاں بیوی کے اختلافات پر آخری نصیحت کرکے اس موضوع کو ختم کیا۔ فرمایا تمہیں بھی اور تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی تقویٰ کا ہی حکم ملا تھا۔اگر میاں بیوی کے اختلافات میں بھی تقویٰ کو ہی مدنظر رکھتے۔ اللہ سے ڈرتے رہتے اور اس کے احکام و قوانین پر عمل کرتے جو سراسر تمہارے فائدے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں تو کبھی نوبت یہاں تک نہ پہنچتی اور تمہارا گھریلو سکون برباد نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں بار بار تقویٰ کا حکم دیا۔

ان دو آیات میں تین دفعہ توجہ دلائی کہ اس وسیع کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے۔چند انسانوں کی حکم عدولی سے اس کا کچھ نقصان نہیں بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے ہو۔ ورنہ اسے تمہاری اطاعت کی ضرورت ہے نہ ستائش کی۔ جب زمین و آسمان کی ہرچیز اسی کے تابع فرمان ہے تو اسی پر بھروسہ کرو۔ یعنی اپنے تمام کام اس کے سپرد کر دو۔وہ تجھے کافی ہے کہ تیرے

اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اللہ اس پر بہت قدرت رکھنے والا جو ہو چاہتا بدلہ دُنیا کا

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

تو پاس اللہ کے بدلہ ہے دنیا کا اور آخرت کا اور ہے اللہ خوب سُننے والا

بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

خوب دیکھنے والا اے لوگو جو ایمان لائے ہو ہو جاؤ خوب قائم

بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ

انصاف پر جبکہ تم گواہ ہو اللہ کی خاطر اور اگرچہ (تمہاری گواہی) خلاف تمہارے اپنے ہو یا ماں باپ اور

الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫

رشتہ داروں کے ہو اگر ہے وہ (جسکے خلاف گواہی ہے) دولتمند یا فقیر تو اللہ زیادہ حامی ہے ان دونوں کا۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا

پس نہ پیچھے لگنا (اس) خواہش کے کہ عدل نہ کرو تم اور اگر پیچدار بات کروتم یا رُک جاؤ تم

معاملہ کا ذمہ دار بن جائے۔صفتِ ''**غنی**'' کا تقاضا ہے کہ اپنے بندوں کی حاجت روائی فرمائے۔

۱۳۴۔عائلی احکام و قوانین خوب واضح کر دینے کے بعد یک دم جلالی انداز میں فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں سمجھو گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دی گئی سہولتوں سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوگے تو خداتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے جو اس کے احکام پر چلنے والے ہوں۔میاں بیوی کے تعلقات کے متعلق تمام احکام دینے کے بعد اس آیت کا آنا بتاتا ہے کہ معاشرتی تعلقات کی کس قدر اہمیت ہے اور اللہ تعالیٰ اس تمدن کو تباہ کرنے پر قادر ہے جہاں معاشرتی قدریں پامال ہوتی ہوں۔ تاریخی ادوار بتاتے ہیں کہ جب ایک دور مٹا تو اس سے بہتر دور آیا۔

۱۳۵۔خدائی احکام سے انحراف کی وجہ اکثر دنیوی مفاد ہی ہوتے ہیں جبکہ اس انحراف سے دنیوی مفاد کا حصول ضروری نہیں۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے،پوری کوشش اور دعاؤں سے کام لیتے تو دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتوں سے نوازے جاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کو بھی سنتا ہے اورتمہارے احوال سے بھی باخبر ہے وہ ضرورتمہیں نوازتا۔

۱۳۶۔**اولٰی**۔حقدار۔زیادہ خیرخواہ۔اس رکوع میں انصاف کی تاکیدفرمائی تاکہ کمزور عورتیں اور بچے ظلم و بے انصافی سے محفوظ رہ سکیں اور ایک ایسامعاشرہ وجودمیں آئے جس میں انصاف اپنے کمال تک پہنچا ہوا ہو اور سب کے حقوق کی حفاظت ہو نیز خاوند بیوی کے جھگڑوں میں اکثر

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

تو یقیناً اللہ ہے اس کی جو تم کرتے ہو خوب خبر رکھنے والا اے لوگو جو

اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ

ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور رسول اسکے پر اور اس کتاب پر جو اس نے اُتاری

عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ

اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اُتاری ہوئی ہے پہلے سے اور جو

گواہیوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی خاطر سچی گواہی دیا کرو۔اس طرح جھوٹی گواہی دینے کے تمام امکانات کی نفی فرمائی نیز منافقین کا بھی ذکر کیاجن میں یہ تمام عیوب پائے جاتے تھے۔

مومنوں کو خطاب کیا کہ جب تک تمام آزمائشوں میں پورے نہ اترو صحیح مومن نہیں بن سکتے۔ فرمایا اے مومنو!انصاف پر مضبوطی سے قائم ہونے والے بن جاؤ اوراللہ تعالیٰ کی خاطر گواہ بنتے ہوئے سچی گواہی دیاکرو۔ کیونکہ سچی گواہی کے بغیرعدل ناممکن ہے۔خواہ اس سچی گواہی کی زد میں تم آ ؤ یعنی تمہیں خود اپنے مفاد کے خلاف گواہی دینی پڑے جس سے تمہارا اپنا نقصان ہو، یا تمہارے والدین اوربیوی بچوں یا اقربین کے خلاف ہو اورانہیں نقصان پہنچے،تمہیں بہرصورت سچی گواہی دینا ہے۔یہ ایمان کا مشکل ترین مرحلہ ہے اوربڑے دل گردے کی بات ہے ورنہ اکثر بڑے بڑے پارسائی کے دعویدار بھی اس معاملہ میں کمزوری دکھا دیتے ہیں۔تمہاری یہ سوچ بھی سچی گواہی دینے میں مانع نہ ہو کہ کسی مالدار کو ضرورت سے زیادہ مال ملا تو اس کی طرفداری نہ ہو جائے یا کسی محتاج کی حق تلفی نہ ہو۔یہ سوچنا تمہارا کام نہیں۔ اللہ تم سے زیادہ ان دونوں کا خیرخواہ ہے۔ایک اورکمزوری کی نشاندہی فرمائی کہ بعض دفعہ ذاتی رجحانات عدل میں رکاوٹ بنتے ہیں۔پس ایسانہ ہوکہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی میں عدل نہ کرسکو۔ جھوٹی گواہی کا ایک اور طریقہ بھی ہے کہ گواہی کو توڑمروڑکرپیش کیاجاتاہے۔گویاقولِ سدید پر عمل نہیں ہوتا۔پس حقائق کانہایت صاف صاف بیان ہو۔اظہارِحق سے ہرگز گریز نہ کرو۔ سچی اور کھری گواہی دو۔گواہی کو چھپانایاگواہ کاپیش نہ ہونا بھی اخلاقی جرم ہے۔یادرکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بہت باخبر ہے۔

۱۳۷۔ پچھلی آیت میں اور اس میں ایمان لانے والوں کو پھر ایمان کی طرف بلایا چونکہ اصل ذکر منافقین کا ہے اس لئے بتایا کہ زبانی ایمان لاناکوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ دل سے ایمان نہ لاؤ اور اسلامی احکام وقوانین پر دل سے عمل پیرا نہ ہو۔ اس تعلق میں پہلے انصاف اور سچی

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ

کفر کریگا اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور روز

الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

آخر کا تو یقیناً وہ گمراہ ہوا گمراہی دور کی یقیناً جو لوگ ایمان لائے

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر بڑھ گئے کفر میں

لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۸﴾

نہیں ہے اللہ کہ معاف کرے ان کو اور نہ یہ کہ راہ نمائی کرے ان کو راہ سیدھی کی

گواہی پر زور دیا تا کہ انصاف اور سچ پر قائم ہو کر منافقت دل سے نکل جائے۔ پھر اسلام کے بنیادی اصولوں پر پوری طرح عمل کرنے کی دعوت دی اور بتایا کہ اِن پر دل و جان سے عمل کر کے تم اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہو۔اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ ، اس کی کتابوں ، اس کے رسولوں اور یوم آخر سے انکار کا مطلب بھی دلی طور پر احکام الٰہی کی پابندی نہ کرنا ہے وگرنہ ان پر ایمان ہو تو حکم عدولی کیونکر ممکن ہے ؟ پس جو ان کا انکار کرتا ہے وہ حق سے بہت دور جا پڑتا ہے یعنی نجات سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس اس کی اصلاح ممکن نہیں۔

۱۳۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے۔(بخاری کتاب الایمان)

یہاں منافقین کی بدترین قسم بتائی جو کبھی ایمان لاتے ہیں اور کبھی کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔اسلام میں فائدہ نظر آیا تو مسلمانوں میں شامل ہو گئے، کفر میں کوئی کشش یا مادی مفاد نظر آیا تو ارتداد اختیار کر لیا۔قبولِ اسلام بندے اور خدا کے درمیان ایک معاہدہ ہے جسے کفر اختیار کر کے توڑتے ہیں۔دین بطور امانت ان کے سپرد تھا جس میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ منہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے منکر ہوتے ہیں گویا سب سے بڑا جھوٹ بولتے ہیں بار بار ایمان اور کفر کے چکر کے بعد آخر کفر پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں اور اس میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں یعنی ہر ممکن طریق سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ان کے لئے مغفرت اور نجات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں گویا یہ مغفرت اور نجات چاہتے ہی نہیں۔یہاں بھی خوب واضح ہے کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ورنہ دوبارہ ایمان کیسے لاتے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۹﴾ الَّذِيْنَ

تو بشارت دے منافقوں کو کہ ان کے لیے عذاب ہے دردناک وہ جو

يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

بناتے ہیں کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾

کیا یہ (منافق) چاہتے ہیں ان (کافروں) کے پاس عزت تو (سن لو کہ) یقیناً عزت ہے اللہ کیلئے سب کی سب

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ

اور یقیناً اتارا ہم نے تم پر اس کتاب میں کہ جب سنو تم اللہ کی

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

آیات کو کہ کفر کیا جاتا ہے ان کا اور استہزا کیا جاتا ہے ساتھ انکے تو نہ بیٹھو ساتھ ان کے

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ

یہاں تک کہ وہ لگ جاویں کسی بات میں اس کے سوا یقیناً تم اس وقت مانند ہوگے ان کی

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ

یقیناً اللہ اکٹھا کرنیوالا ہے منافقوں کو اور کافروں کو جہنم میں

جَمِيْعًا ﴿۱۴۱﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ

سب کے سب کو وہ جو کہ انتظار کرتے رہتے ہیں تمہارے متعلق پھر اگر ہو تمہارے لیے فتح

۱۳۹۔۱۴۰۔ یہاں ان منافقین کا ذکر ہے جو ابھی بھی اسلام کا لیبل لگائے ہوئے ہیں۔ فرمایا اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ان کے لئے دردناک عذاب ہے جنہوں نے دین کو ایک تماشا بنایا ہوا ہے۔یہ مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں کرتے ہیں اور جھوٹی عزت حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں۔ چونکہ اس وقت تک مسلمانوں میں زیادہ تر غرباء تھے جب کہ کفار ئیں بڑے بڑے رئیس تھے۔اس لئے منافقین کفار سے دوستیاں کرتے تا کہ ان کی وجہ سے ان کا شمار بھی معززین میں ہو۔ اگر پکے مومن ہوتے تو جان لیتے کہ کل عزت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔دشمنان دین سے عزت کی بھیک مانگنے نہ جاتے۔

۱۴۱۔ **یَخوضوا**۔ خوض۔ پانی میں راستہ بنانا اور اس میں گزرنا۔ عام استعمال ذَم کے مقام میں ہے۔ جھوٹی باتوں میں پڑنا۔ بیہودہ بکواس کرنا۔**یخوضوا**۔وہ مشغول ہو جائیں۔ باتوں میں لگ جائیں۔ **کنانخوض ونلعب**ط۔ (التوبہ:۶۵)

منافقین کفار کی محفلوں میں جھوٹی عزت اور دوستیوں کے شوق میں جاتے اور اسلام کے خلاف ان کی بیہودہ باتیں سنتے۔یہاں بتایا کہ اس سے پہلے سورۃ انعام :۶۹ میں اس بات سے منع

مِنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ

اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کہ کیا نہ تھے ہم تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے

نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ

کچھ حصہ کہتے ہیں (کافروں کو) کیا نہ غالب آئے تھے ہم تم پر اور نہ روکا تھا تم کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ

مسلمانوں سے پس اللہ فیصلہ کرے گا درمیان تمہارے بروز قیامت اور

لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

ہرگز نہیں بناویگا اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی حجت

ع ۲۰ / ۱۷

کیا تھا کہ کفار کی مجالس میں جب آیاتِ الٰہی کے متعلق انکار کرتے ہوئے سنو یا ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہو تو ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ ان باتوں کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ یہ مراد نہیں کہ اس انتظار میں بیٹھے رہو کہ خدا اور رسول کے متعلق ہتک آمیز بکواس کب بند کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ایسی محفلوں سے خاموشی سے اٹھ جاؤ۔ یہ بھی اصلاح کا ایک طریق ہے۔ ہاں کسی اور موقع پر اگر دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو ان کی محفل میں شریک ہو سکتے ہو۔ ورنہ تم بھی ان جیسے ہی متصور ہوگے ۔ یہاں کفار اور منافقین کو ایک فہرست میں رکھا کہ دونوں کو اکٹھا جہنم میں رکھا جائے گا کیونکہ دنیا میں بھی انہوں نے تعلق نہیں توڑا۔

مومنین کو کفار سے میل جول سے نہیں روکا اور نہ قطع تعلق کا حکم دیا ورنہ تبلیغ بند ہو جاتی۔ بلکہ ان کی ایسی مجالس میں شرکت سے روکا جن میں احکام الٰہی کی تحقیر ہوتی ہو تا کہ مومنین کفار کی گندی صحبت کے بداثر سے محفوظ رہیں اور ان میں دینی غیرت پیدا ہو۔

جو آیات پہلے نازل ہوئیں اور قرآن کریم میں ترتیب کے لحاظ سے رکھی بھی پہلے جانی تھیں ان کے لئے ہر جگہ **مایتلٰی** کا لفظ استعمال ہوا ۔ جو آیتیں نازل پہلے ہوئیں لیکن رکھی بعد میں جانی تھیں ان کے لئے ہر جگہ **نزّل** اور **اوحیٰ** فرمایا۔ یہ اس چیز کا بین ثبوت ہے کہ ترتیب قرآن خدا کی طرف سے ہے ورنہ بندے کے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں تھا۔

۱۴۲۔ **یتربّصون - ربص**۔ انتظار کرنا۔ **نستحوِذ**۔ حوذ۔ اونٹ کو سختی سے ہانک کر چلانا۔ یہاں معنی ہیں کہ ہم تم پر غالب آ گئے تھے۔

یہاں منافقین کی اصلیت ظاہر کی کہ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح و نصرت کی بشارتوں پر یقین نہیں۔ اس لئے مومنین اور کفار دونوں کو ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں تا کہ جدھر پلہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا

یقیناً منافق فریب دیتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکا کی سزا دینے والا ہے انکو اور جب

قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا

کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں سست ہو کر دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۤ

یاد کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا متردد ہیں درمیان اس کے

بھاری ہو ادھر ہی جھک جائیں اور فائدہ اٹھائیں۔

فرمایا کہ انہیں مومنین کی طرف سے بری خبر کا انتظار رہتا ہے گویا کفار سے ہمدردیاں زیادہ ہیں۔ اگر مومنین کو اللہ تعالیٰ فتح سے نوازے تو اپنا احسان جتاتے ہیں کہ ہماری وجہ سے فتح ہوئی کہ ہم تمہارے ساتھ تھے۔ چونکہ مومنین اور کفار دونوں پر اپنی وفاداریاں ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے کفار کی معمولی سی کامیابی پر بھی اپنا ہی احسان جتاتے ہیں کہ جب ہمیں تم پر غلبہ نصیب ہوا تھا اور ہم مومنوں کے ساتھ جنگ میں شریک تھے تو ہمارے دل اس وقت بھی تمہارے ہی ساتھ تھے اور ہم نے ہی تمہیں بچایا تھا۔ گویا آنحضرت ﷺ کا بے مثال عفو و درگزر اور آپؐ کی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے تم نہیں بچے تھے بلکہ ہماری کوشش اور سفارش سے تم بچ گئے تھے جس کی وجہ سے دوبارہ حملہ کر کے کچھ معمولی سی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ فرمایا تمہارے درمیان فیصلہ قیامت کو ہی ہوگا یعنی منافقین کو بظاہر دنیا میں سزا نہیں ملی لیکن سارے عرب کا رسول اللہ ﷺ کے زیرنگیں آ جانا، ان کے لئے قیامت سے کم نہیں تھا۔ کفار کو مومنین کے مقابل کبھی فتح مبین حاصل نہیں ہوئی اس لئے مومنین کے لئے فتح کا لفظ کہا اور کفار کے لئے نصیب کا لفظ یعنی تھوڑی سی کامیابی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر کوئی اختیار نہیں دے گا یعنی کبھی غلبہ نہیں دے گا گویا فتح کی بشارت دی۔

۱۴۳۔ اس رکوع میں بھی منافقین کا ذکر ہی جاری ہے اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔ پچھلے رکوع میں منافقین کا ذکر تھا کہ کس طرح مومنین کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں حالانکہ ان کی دلی ہمدردیاں ہمیشہ کفار کے ساتھ تھیں۔ فرمایا یہ مسلمانوں کو ہی دھوکا نہیں دیتے، خدا تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ انہیں دھوکہ دے گا۔ یہاں ایک اصول بتایا کہ جب بھی کوئی فعل خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو صرف اس فعل کا نتیجہ باقی رہ جاتا ہے اور ذریعہ مفقود ہو جاتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ کا دھوکہ دینا دھوکے کا نتیجہ ملنا ہے یعنی دھوکے کی سزا ملنا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حسبِ ارشاد مومن کی نشانی نماز باجماعت تھی۔ جو ہمیشہ کے لئے فرض

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ
نہ ان (مسلمان) لوگوں کی طرف ہیں اور نہ اُن (کافر) لوگوں کی طرف ہیں اور جسے گمراہ ٹھہرائے اللہ تو ہرگز نہ پاوے گا تو

لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ
اس کیلئے کوئی راہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ کافروں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا
دوست چھوڑ کر مومنوں کو کیاتم چاہتے ہو کہ بناؤ تم

تھی۔منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے اور ان کے ایمان کا مقصد محض دنیوی فوائد کاحصول تھا۔اس لئے ان کے لئے نماز میں مومنوں والی کشش نہیں تھی۔شریک بہرحال ہوناپڑتا ورنہ دائرہ اسلام سے باہر متصور ہوتے پس نماز جو مومن کی معراج اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس میں منافقین مجبوراً ، بادل نخواستہ ، کاہلی اور بے دلی سے شامل ہوتے اورمقصد محض لوگوں کو دکھانا ہوتا کہ ہم بھی مسلمان ہیں ورنہ نماز کی روح یعنی چستی ، خشوع وخضوع اور ذکر الٰہی سے محروم رہتے پس جو لوگ نماز کو بوجھ سمجھ کرچند ٹکریں مارلیتے ہیں اوران کا مقصد رضائے الٰہی حاصل کرنا نہیں ہوتاوہ اس لحاظ سے منافقین میں شمار ہوں گے۔نماز کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! **قرة عينى فى الصلوٰة** (سنن نسائی)یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے پس جب تک یہ کیفیت نہ ہو اور نماز دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ مرغوب نہ ہو اس وقت تک قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں بنتی۔تفسیر امام رازیؒ کے مطابق ذکر سے مراد نماز ہے۔منافقین کاذکر الٰہی کم کرنا،نمازیں کم پڑھنا ہے۔صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ منافق کی نشانی یہ ہے کہ دنیاکے بکھیڑوں میں ایسا مستغرق ہوتاہے کہ اللہ تعالیٰ یاد ہی نہیں آتا جبکہ مومن دنیاکے کسی بھی کام میں مشغول ہو ،ذکر الٰہی کرتا رہتاہے۔اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رہتاہے۔

۱۴۴۔ایسے تمام منافقین تذبذب کی حالت میں حیران و پریشان رہتے ہیں۔انہیں اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔یہ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ اِن لوگوں کی طرف ہیں نہ اُن لوگوں کی طرف۔مومنوں کی طرف فائدہ دیکھا اِدھر جھک گئے کفارکی طرف فائدہ نظرآیا تو اُدھر چلے گئے۔ فرمایا جسے اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے دے اس کے لئے تُو نجات کا کوئی راستہ نہیں پائے گا یعنی اپنی بداعمالیوں سے انہوں نے خود گمراہی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی گمراہ قرار دے دیا۔وہ کسی کو زبردستی ہدایت کی طرف نہیں لاتا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ منافق کی مثال اُس بھیڑکی طرح ہے جو اپنی حیرانی اور تردد میں دو ریوڑوں کے درمیان اِدھراُدھر آجا رہی ہو۔(بخاری ،مسلم)

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ
اللہ کیلیے اپنے پر حجت کھلی کھلی یقیناً منافق سب سے نچلے درجہ میں

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
ہوں گے آگ کے اور ہرگز نہیں پاوے گا تو ان کیلئے کوئی مددگار سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے

۱۴۵۔**سُلطٰنًا۔سلطان**۔ بادشاہ جو غالب ہو۔ وہ دلیل جس میں غالب آنے کی قوت ہو۔

جن لوگوں سے دوستی ہو ان کے رنگ میں رنگے جانا اور ان سے ہمدردی ہونا فطری امر ہے۔ منافقین نے کفار سے دوستیاں کرکے آخر ایک دن ایمان کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیا۔ اس لئے یہاں مومنین کے مفاد کے خلاف کفار سے دلی دوستی کرنے سے منع فرمایا اور کہاکہ کیاتم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف سزا کے لئے خدا کو کھلی کھلی دلیل دو۔ یعنی تمہارا مومنین کے خلاف کفار سے دلی دوستی کرنا ایسا جرم ہے کہ تمہیں سزا دینے کے لئے مزید کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔گویا اس جرم کی سزا ضرور ملے گی۔

۱۴۶۔**الدّرک** اور **درج** کے ایک ہی معنی ہیں۔لیکن **الدرج** اوپر چڑھنے کے لحاظ سے ہے جبکہ **درک** نیچے اترنے کے لحاظ سے ہے۔سمندرکی گہرائی۔اسی سے ادراک ہے۔

منافقین پر اسلام کے حقائق کھل چکے تھے پھربھی انہوں نے دنیوی مفاد کے لئے اسلام دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔انہوں نے دوہرے جرم کا ارتکاب کیا۔ یعنی منافقت کے ساتھ کفربھی کیا۔پس کفار سے زیادہ سزا کے حقدار ہیں۔بیشک یہ دنیا میں ذلیل ہوں گے لیکن باقی جرموں کی طرح ان کے لئے عام طورپر دنیوی سزا نہیں، بلکہ اخروی بدترین سزاکے مستحق ہیں اورجہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور تُو ان کا کوئی رفیق و مددگار نہیں پائے گا۔ دنیا میں دونوں طرف دوستیاں گانٹھتے تھے لیکن انجام کار ان کا کوئی دوست و ہمدم نہیں ہوگا۔سب سے نیچے ہونے میں ذلیل کے علاوہ یہ بھی اشارہ ہے کہ جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے بلکہ جہنم کا باعث ہوں گے۔ باہر نکالنے کے لئے بھی پہلے اوپر کا حصہ باہر نکالا جاتاہے اوریہ آخرمیں نکلیں گے۔

۱۴۷۔ ملحقہ آیت میں منافقین کے لئے شدید ترین عذاب کی وعید تھی۔ یہاں ساتھ ہی تسلی دی کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلاہے۔اب بھی اس ذلت سے بچ سکتے ہولیکن اس کے لئے سچی توبہ کرو یعنی منافقت و ریاکاری اور دنیوی مفاد کے خیال کو دل سے نکال دو۔محض توبہ بھی فائدہ نہیں دے گی،جب تک پوری طرح اپنی اصلاح نہ کرلو گویا اپنے طور طریقوں کو کلیتہً

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ
توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص کیا اپنے دین کو

لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ
اللہ کے لیے یہ لوگ ساتھ ہوں گے مومنوں کے اور عنقریب دے گا اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ
مومنوں کو اجر عظیم کیا کرے گا اللہ عذاب دے کر تم کو

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾
اگر شکرگزار ہو تم اور ایمان لاؤ تم اور ہے اللہ قدر دان خوب جاننے والا

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا
نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا بری بات کو سوائے

اسلام کے تابع کر دو۔ اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے تھام لو یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرو جس میں کبھی کمزوری واقع نہ ہو اور اپنی اطاعت و عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کردو۔ پس جو ان تمام احکام پر عمل پیرا ہوگا وہ مومنین میں شمار ہوگا۔ یہاں **مع** ، **فی** کے معنی دیتا ہے ورنہ یہ مطلب ہوگا کہ مومنوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود مومن نہ ہوں گے جو خدائی منشا کے خلاف ہے عنقریب اللہ تعالیٰ مومنوں کو ایک بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

۱۴۸۔ یہاں پیشگوئی فرمائی کہ اگر تم شکر گزار اور مومن بن جاؤ تو عذاب ٹل جائے گا۔گویا کفران نعمت عذاب کا موجب ہے۔ شکر کا لفظ بندہ اور ربّ دونوں کے لئے آیا۔بندے کے لئے آئے تو خداتعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اوراحسانات کی قدرکرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے لئے آئے تو بندے کے نیک اعمال کی قدرکرنا اور اس کے حق سے زیادہ جزا دینا ہے۔

بندے کا شکر کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اسی سے منسوب کرے اور دل سے سمجھے کہ یہ سب اسی کی عطا ہے اس میں میرا یا کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں۔اگر بظاہر ہے بھی تو بھی اسی کی توفیق اور اس کے فضل سے ہے۔جب سب کچھ اس کی عطا ہے تو اس کے ہر حکم پر دل و جان سے عمل کرے اور اس کا سچا وفادار بن جائے۔ پھراس جیسی محبت کسی سے نہ کرے گویا بندے کا شکر اس کے ہر قول اور فعل سے ظاہر ہو تب خدا کو بھی قدردان اور علیم پائے گا۔وہ قدردان ہے ۔تمہارے تھوڑے عمل کی بھی بہت زیادہ جزادینے پر قادر ہے۔علیم ہے اسے تمہاری نیتوں کا علم ہے۔

۱۴۹۔ عام طور پر کسی کی برائی کی تشہیر اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے لیکن مظلوم کے لئے

مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۹﴾ اِنْ تُبْدُوْا
جس پر ظلم کیا گیا اور ہے اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا اگر ظاہر کرو تم

خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا درگذر کرو تم کسی بدی سے تو یقیناً اللہ ہے بہت

عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۵۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
معاف کرنیوالا بہت قدرت رکھنے والا یقیناً جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کا اور اسکے رسول کا

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ
اور چاہتے ہیں کہ تفرقہ کریں درمیان اللہ اور اسکے رسولوں کے وہ

يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہم بعض پر اور ہم انکار کرتے ہیں بعض کا اور وہ چاہتے ہیں

رعایت ہے کہ وہ اپنے ظلم کا اظہار کرسکتا ہے۔خاص کر اس کے روبرو جو اس ظلم کا ازالہ کر سکے۔گویا عدل کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا جائز ہے۔اللہ تو ہر فریاد کو سننے والا ہے اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔پس اسے تمہارے حالات کی خوب خبر ہے۔ پچھلے متعدد رکوع اس مضمون کے گزر چکے ہیں جن میں منافقین کی بدیاں خوب کھول کر بیان فرمائیں۔اس رکوع میں ان کا ذکر ختم کرتے ہوئے بتایا کہ اگر وہ مسلمانوں پر ظلم نہ کرتے اور ان کی تباہی کے درپے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنی صفت ستاری کے تحت ان کی بدیوں کی تشہیر نہ کرتا۔لیکن انہوں نے مومنین کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! **فاسق** کی خرابیوں کو بیان کروتا کہ لوگ اس سے ہوشیار ہو جائیں۔

۱۵۰۔ پیچھے سے منافقین کی دکھاوے کی نیکیوں کا ذکر جاری تھا اس لئے فرمایا کہ بعض دفعہ نیکی کو ظاہر کرنا مفید ہوتا ہے کہ دوسروں کو تحریص ہو اور بعض دفعہ خود ریا سے بچنے اور دوسرے کی عزت نفس کے لئے نیکی کو چھپانا مفید ہوتا ہے۔اسلام نے ہر معاملہ میں لچک رکھی ،یہود کی طرح سخت اور نصاریٰ کی طرح محض نرمی کا حکم نہیں دیا بلکہ موقع ومحل کے مطابق خود فیصلہ کا حق دیا لیکن جہاں تک بدی کا معاملہ ہے، بے شک مظلوم کو تشہیر کا حق دیا اور بعض دفعہ سزا بھی ضروری قرار دی گئی ہے لیکن افضل معاف کرنا ہی ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ باوجود قدرت کے معاف کرتا ہے اور جو شخص باوجود قدرت کے معاف کرے گا وہ گویا ظلّی طور پر خدائی صفات سے متصف ہوگا اور اللہ تعالیٰ بھی امید ہے کہ آخرت میں باوجود قدرت کے اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔پس منافقین کے بارہ میں بھی عفو ہی بہتر ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ! مجرد عفو خلق نہیں۔ خلق

اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

کہ بنا دیں درمیان اس کے راہ یہ لوگ وہی کافر ہیں

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ

سچ مچ اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا اور وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور نہیں تفرقہ کیا انہوں نے درمیان کسی کے ان میں سے

اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

یہ لوگ وہ ہیں کہ عنقریب دیگا (اللہ) ان کو اجر ان کے اور ہے اللہ بہت بخشنے والا

ع ۲۱ / ۱۱

رَّحِیْمًا ﴿۱۵۳﴾ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا

بہت رحم کرنیوالا درخواست کرتے ہیں تجھ سے اہل کتاب کہ تو اتارے ان پر کوئی کتاب

مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا

آسمان سے پس یقیناً مانگی انہوں نے موسیٰ سے زیادہ بڑی (بات) اس سے پس کہا انہوں نے

یہ ہے کہ مواقع ہوں عفو کرنے اور نہ کرنے کے۔پھر خداتعالیٰ کے لئے عفو پر قائم ہو۔یہ خُلق ہے۔(تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حصہ دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا)

۱۵۱۔۱۵۲۔منافقین کو کفار کے زمرہ میں رکھا اور فرمایا کہ خداتعالیٰ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے اور ان میں تفریق کرتے ہیں یعنی کسی کو مانا اور کسی کو نہ مانا۔اس طرح کوئی درمیانی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔یہاں خداتعالیٰ کے ساتھ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور کسی ایک رسول پر بھی ایمان نہ لانے والے کو پکا کافر کہا اور فرمایا کہ ہم نے ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۱۵۳۔ان کے برعکس جو اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کوئی تفریق نہیں کی وہ انہیں جلد ہی ان کے اجر عطا کرے گا اور ان کے ساتھ بخشش اور رحم کا معاملہ فرمائے گا۔یہاں واضح طور پر بتا دیا کہ کسی نبی کا انکار خدا کا انکار ہے۔جس نے ایک نبی کا انکار کیا اس نے دراصل سب کا انکار کیا کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا واجب ہے(ابن کثیر) یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر اب بھی کفار و منافقین توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے کیونکہ قبول اسلام سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۱۵۴۔اس رکوع میں یہود کی بداعمالیوں کا ذکر کیا جس کا تفصیلاً بیان سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے یہاں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی زیادتیوں کا ذکر کرنا مقصود تھا اس لئے ان کے جرائم کو دہرایا اور بتایا کہ شریر لوگ جب ایمان لانا نہیں چاہتے تو طرح طرح کے بہانے تراشتے

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

دکھا ہمیں اللہ کھلم کھلا پس پکڑا انہیں بجلی نے بسبب ظلم کے ان کے

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ

پھر بنایا انہوں نے بچھڑا (معبود) بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس دلیلیں

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۴﴾

پھر درگذر کیا ہم نے اس (جرم) سے اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ کھلا

ہیں۔اگر انہوں نے تمہیں آسمان سے کتاب لانے کو کہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی بڑھ کر فرمائش کی کہ ہمیں خدا بے حجاب دکھا دے۔حضرت موسیٰؑ کو ایمان کامل کے بعد دیدار الٰہی کا شوق تھا کہ اپنے محبوب کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے لیکن بنی اسرائیل بغیر دیکھے ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔وہ ایمان بالغیب کے مقام پر نہیں تھے۔اس لئے جب بچھڑا نظر آیا تو اس کی پرستش کرنے لگے۔ ان کی اس گستاخی کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔پس وہ عذاب کے مورد ہوئے اور ان پر بجلی گری۔اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھنے کا مطالبہ کرنے والے بجلی کا کڑکا برداشت نہ کر سکے اور ظاہری نور بھی نہ دیکھ سکے۔وہ ان آنکھوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبوب خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا؟حضرت عائشہؓ سے یہی سوال حضرت مسروقؒ نے کیا۔جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ آپؐ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے یہی سوال ہوا اور آپؐ نے فرمایا! میرا رب تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں(مسلم کتاب الایمان باب فی قولـــــہ نور حدیث نمبر۲۶۱۔بروایت حضرت ابوذرؓ)قرآن کریم و احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپؐ معراج کی رات اللہ تعالیٰ کے بہت قریب گئے یہاں تک کہ آپؐ دو قوسوں کے وتر کی مانند ہوگئے یا اس سے بھی قریب تر(۵۳۔۱۰)آپؐ کی اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ گفتگو ہوئی اور آپؐ کو احکام ملے ، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سینہ پر ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک آپؐ کو صبح تک محسوس ہوتی رہی۔اس کے باوجود آپؐ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ یہاں صاعقہ عذاب کے معنی میں بھی ہے۔جیسا کہ ان میں طاعون پھیلی اور دوسرے عذاب آئے محض نبی کا انکار عذاب کا مورد نہیں بناتا۔عذاب شوخیوں اور خداتعالیٰ کے فرستادوں پر ظلم و ستم کی وجہ سے آتے ہیں۔سب کچھ سمجھ لینے کے بعد کتاب آسمان سے لانے کا مطالبہ انہیں عذاب کا مستحق بنائے گا۔جیسا کہ بعد میں یہود پر عذاب آئے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو قبل ازیں بچھڑے کے شرک کو بھی معاف کر دیا تھا۔گویا ان کا

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ

اور اٹھایا ہم نے اوپر ان کے طور وقت وعدہ لینے کے ان سے اور کہا ہم نے ان کو

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي

داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ہم نے ان کو نہ حد سے بڑھو بارہ

السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۵﴾ فَبِمَا

میں سبت کے اور لیا ہم نے ان سے عہد پختہ پس بسبب

کفر و شرک بھی قابل معافی ہے اگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ شوخیوں اور ظلم سے باز آ جائیں۔فرمایا ہم نے حضرت موسیٰؑ کو کھلا کھلا غلبہ دیا۔یہاں پیشگوئی فرمائی کہ مثیل موسیٰ کو بھی فتح مبین سے نوازا جائے گا۔

۱۵۵۔ شرک کی معافی ایک میثاق کے ساتھ مشروط تھی جو دامن کوہ میں بنی اسرائیل کے بزرگوں سے لیا گیا اس عہد کا تفصیلی ذکر سورۃ بقرہ آیت ۶۴ میں گزر چکا ہے۔وہاں پہاڑ سائبان کی طرح بڑھا ہوا تھا۔اس کے نیچے یہود سے پختہ عہد لئے گئے۔(خروج باب ۱۹ آیت ۱۷)ان میں ایک نبیوں کا عہد کہلاتا ہے گویا یہ عہد تمام نبیوں سے لیا گیا کہ جب تم میں رسول آئے جس کی تعلیم تم سے ملتی جلتی ہو یعنی بنیادی طور پر وہی تعلیم پیش کرے جو تمہارے پاس ہے تو اس پر ایمان لانا۔ اس عہد کو **میثاقا غلیظا** کہا گیا یہی عہد سورۃ احزاب :۸ میں آنحضرت ﷺ سے بھی لیا گیا۔ یہود سے خاص عہد آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی لیا گیا کہ جب ''وہ'' نبی آئے تو اس پر ایمان لانا،اس کی مدد کرنا اور بائبل کی گواہی کو نہ چھپانا۔جبکہ یہود نے بعض دفعہ عملاً ہاتھ رکھ کر ایسی آیتوں کو چھپایا۔بعد میں یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی شامل ہوگئے۔تاکستان والی مثال کہ جب بیٹے کو ماریں گے تو مالک خود آئے گا،سوائے رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر صادق نہیں آتی اور نہ آج تک کسی نے ان پیشین گوئیوں کا مصداق ہونے کا دعویٰ کیا۔بنی اسرائیل کو جو احکام ملے ان میں اس پختہ عہد کے علاوہ دو کا ذکر اس آیت میں ہے۔۱۔ان کو نصیحت تھی کہ جب شہر میں داخل ہونے لگو تو عاجزی سے دعائیں کرتے ہوئے مطیع و فرمانبردار بن کر صدر دروازے میں داخل ہو جاؤ اور شوخیوں سے باز رہو۔۲۔سبت میں زیادتی نہ کرو۔یعنی ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص رکھو اور دنیوی کاروبار یعنی مچھلیاں وغیرہ پکڑنے سے پرہیز کرو۔ان کے علاوہ اور بھی عہد تھے جن کا الگ ذکر ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو تیس احکامات دیئے گئے یعنی کلمات اللہ۔ان میں دس مومنوں کی صفات میں سورۃ برأت میں دس سورۃ احزاب میں دس سورۃ معارج میں ہیں۔

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ

ان کے توڑنے کے اپنا عہد اور انکے کفر کرنے کے ساتھ آیات اللہ کی کے اور (بسبب) انکے قتل کرنے

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

کے نبیوں کو بغیر حق کے اور (بسبب) ان کے کہنے کے کہ دل ہمارے غلافوں میں ہیں (نہیں) بلکہ

طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۶﴾

مہر کردی ہے اللہ نے ان کے (دلوں) پر بسبب انکے کفر کے پس نہ ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۷﴾ وَّ

اور بسبب ان کے کفر کے اور بسبب انکے کہنے کے مریم پر بہتان عظیم اور

قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

(بسبب) ان کے کہنے کے یقیناً ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول کو

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ

اللہ کے حالانکہ نہیں قتل کیا انہوں نے اور نہیں صلیب پر مارا اسے ولیکن وہ (یعنی مسیح) مشابہ کیا گیا (مصلوبکے) واسطے انکے

۱۵۶۔ پس انہوں نے اپنے عہد کو توڑا شہروں میں بغاوتیں کیں۔سبت میں زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اس کے نبیوں کے قتل کے درپے رہے۔قتل سے مراد ان کے مقاصد کا قتل اور ان پر شدید مظالم ہیں۔تاریخ سے کسی نبی کا قتل ثابت نہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو انہوں نے اپنی دانست میں قتل کر ہی دیا اور آنحضرت ﷺ کو متعدد بار قتل کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ نے آپ کو بچالیا۔(ابوداؤد کتاب الخراج) پھر ان کا یہ گستاخانہ رویہ کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔تمہاری باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں یا ہم مزید جاننا نہیں چاہتے۔پس اُن تمام گستاخیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس ان میں تھوڑے ہی ایمان لائیں گے۔

۱۵۷تا۱۵۹۔ان آیات کی تفسیر کا مفہوم زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفاسیر سے لیا گیا ہے کیونکہ اس موضوع پر آپ نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قرآن کریم یہود و نصاریٰ کے متنازعہ فیہ امور میں بطور حکم آیا تھا۔ان میں سب سے بڑا اختلاف وفات مسیح پر ہی تھا۔جسے قرآن کریم نے ان آیات میں حل کیا اور مریم اور ابن مریم دونوں کو یہود کے بہتان عظیم سے بری فرمایا۔حضرت مریم پر **نعوذ باللہ علیٰ ذٰلک** ناجائز بچے کی ولادت کا الزام تھا جسے بہتان عظیم کہہ کر رد کیا۔حضرت عیسیٰؑ پر صلیب کی لعنتی موت کا الزام تھا جسے لفظ **رفع** نے ردّ کیا۔یہود کا دعویٰ تھا کہ تورات کے مطابق مسیح صلیب پر مرکر لعنتی ہوا۔تورات میں ہے کہ جو صلیب پر مرے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ (استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳)اور اس کا راستبازوں کی طرح **رفع** روحانی نہیں ہوتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ

اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا اس میں البتہ شک میں ہیں اس (واقعہ) کے نہیں انہیں متعلق اس کے

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ۙ﴿۱۵۸﴾ بَلْ

کوئی علم سوائے پیروی کرنے کے ظن کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اُسے یقیناً بلکہ

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۵۹﴾ وَاِنْ مِّنْ

قرب بخشا اسے اللہ نے اپنی طرف سے اور ہے اللہ عزت والا حکمت والا اور نہیں کوئی

رفع جسمانی ہرگز یہود کے الزامات کا جواب نہیں تھا۔ہاں صلیبی موت سے زندہ بچ جانا آپ کو لعنت سے بچا سکتا تھا اور وہی قرآن کریم نے یہاں ثابت کیا۔کچھ یہود کا عقیدہ تھا کہ پہلے آپ کو قتل کیا پھر صلیب دیا۔کچھ پہلے صلیب اور پھر قتل کے قائل تھے کیونکہ دو تین گھنٹہ یا اس سے بھی کم عرصہ میں صلیب پر مرنا ناممکن تھا۔ نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق مسیح خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے۔جو مخلوق کو نجات دلانے کی خاطر صلیب پر مارا گیا اور لعنتی ہوا اور تین دن جہنم میں رکھا گیا اس کے بعد عرش پر اٹھایا گیا اور ہمیشہ کے لئے خدا کے دائیں ہاتھ بٹھایا گیا ہے۔قرآن کریم نے یہاں دونوں کا رد کیا۔بتایا کہ یہود آپ کو قتل کر سکے نہ صلیب پر مار سکے مگر یہ امر ان پر مشتبہ ہوگیا یعنی دونوں کو دھوکہ لگا کہ مرگئے حالانکہ وہ صلیب کے صدمہ سے بے ہوش تھے۔فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف رکھنے والے دونوں گروہ یہود و نصاریٰ محض شک میں پڑے ہوئے ہیں حقیقت حال کی انہیں کچھ خبر نہیں۔ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔خود یہود کو آپ کے قتل کا یقین نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا رفع کیا۔چونکہ ملعون خداتعالیٰ کی معرفت سے بالکل بدنصیب ہوتا ہے وہ اندھا اور گمراہ ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لعنت سے پاک قرار دینے کے لئے **رفع الی اللّٰہ** کا لفظ استعمال کیا یعنی طبعی موت دے کر مقربان الٰہی کی طرح ان کا رفع الی اللہ کیا کیونکہ وہ عزیز اور حکیم ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور اپنی حکمت سے نہایت نامساعد حالات میں بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے تین سو سال بعد یہود کا منہ بند کرنے کے لئے یہ قصے گھڑے کہ کسی بے گناہ کو آپ کی جگہ پکڑ کر صلیب دیا گیا تھا جن کا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں اور بے بنیاد ہیں۔جب عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو ان عقیدوں کو بھی ساتھ لائے اور بڑے بڑے علماء کو بھی دھوکہ لگا تا آنکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر الہامِ الٰہی کی روشنی میں اس راز سے پردہ اٹھایا۔ تاہم ازمنہ گذشتہ میں بھی بہت سے علماء آپ کی طبعی وفات کے قائل

تھے۔علامہ زمخشری لسان العرب کے مسلّم عالم ہیں آپ نے **انی متوفیک ورافعک الیّ**۔ (آل عمران :۵٦) کا ترجمہ کیا کہ اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دوں گا۔اس آیت کی تفسیر میں اس موضوع پر تفصیلاً بحث گزر چکی ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے آپ کے جسمانی رفع کا رد ہوتا ہے جیسے آل عمران کی ہی آیت ۱۴۴ یا **فیھا تحیون وفیھا تموتونَ ومنھا تخرجون** ۝(الاعراف:٢٦) اور مائدہ ۱۱۷۔۱۱۸ نیز **لا یذوقون فیھا الموت الا الموتة الاولیٰ** ج۔(الدخان؛۵۷) اور قرآن کریم کی کسی دو آیات میں اختلاف نہیں جیسے فرمایا **وَلو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرًا**۝(۴:۸۳)

رفع کا لفظ تو قرآن کریم میں بلعم کے لئے بھی آیا کہ ہم نے ارادہ کیا کہ بلعم کا رفع کریں لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ کیا اسے بھی مع جسم آسمان پر اٹھانا تھا۔ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیحؑ کے رفع کرنے سے مراد ان کو وفات دینا اور یہود کے الزامات سے ان کی تطہیر کرنا ہے۔

اس ضمن میں احادیث بھی بہت ہیں جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ۱۲۰ سال زندہ رہے اور میں قریباً ٦۰ سال زندہ رہوں گا (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸) ''یہ جو روایات مشہور ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کی عمر میں اٹھا لئے گئے یہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے آنحضرت ﷺ کی حدیث تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲۰ سال زندہ رہے'' (زرقانی جلد ۵ صفحہ ۴۲۱) نیز معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے عیسیٰؑ کو وفات شدگان کی ارواح کے ساتھ دیکھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کا محرک یہ تھا کہ یہود کو تورات کے مطابق ایلیاء نبی کا انتظار تھا کہ پہلے وہ آسمان سے اترے گا پھر مسیح آئے گا۔جب حضرت عیسیٰؑ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) ایلیاء کے قائم مقام آ گیا ہے۔ایلیاء (حضرت الیاس علیہ السلام) فوت ہو چکا ہے۔وہ دوبارہ نہیں آئے گا تو یہود کو آپ کی یہ تاویل پسند نہ آئی۔ انہوں نے آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے صلیب دینے کا فیصلہ کیا تا توریت کے مطابق (استثناء ۲۱۔۲۳) لعنتی موت ثابت کریں۔افسوس مسلمانوں نے یہود سے سبق نہ سیکھا اور ایلیاء کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا انتظار کرتے رہے اور قیامت تک کرتے رہیں گے کیونکہ احادیث صحیحہ کے مطابق اس نے چودھویں صدی کے شروع میں آنا تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام کے دعوے کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی جگہ آ چکے ہیں

کاش یہ غور کریں۔ یہود کے پاس کوئی مثال نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ افسوس مسلمانوں نے ایک واضح مثال کے ہوتے ہوئے ٹھوکر کھائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب کا واقعہ یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں یروشلم قیصرروم کے ماتحت تھا اور پلاطوس قیصر کی طرف سے گورنر مقرر تھا۔ جب یہود نے آپ کو صلیب دینے کا فیصلہ کیا تو صلیب سے پہلی رات باغ میں مسیح ساری رات روتا رہا اور جناب الٰہی میں چیخیں مارتا رہا اور ساری رات اس کے آنسو جاری رہے۔ پس تقویٰ کی وجہ سے اس کی دعا قبول کی گئی عبرانیوں ۵/۷ اور موت کا پیالہ اس سے ٹال دیا اور وہ صلیب سے زندہ اتر آیا اور لعنتی موت سے بچ گیا۔ مسیح ؑ نے کہا میں یونس نبی کی طرح تین دن قبر میں رہوں گا۔ یونس نبیؑ زندہ مچھلی کے پیٹ میں گیا اور زندہ ہی نکلا۔ پس مسیح ؑ بھی زندہ قبر میں گیا اور زندہ باہر آیا۔ غرض آپ کو پیلاطوس کی عدالت میں پیش کیا گیا تو پیلاطوس کی جورو نے دربار میں کہلا بھیجا کہ آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ اس کے قتل میں ہماری تباہی ہے (متی ۱۹:۲۷) پیلاطوس آپ کو بے گناہ سمجھتا تھا۔ اس نے فقیہوں اور علمائے یہود کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ اس خونِ ناحق سے باز آ جائیں لیکن وہ چیخ چیخ کر مسیحؑ کو صلیب دینے پر اصرار کرتے رہے اور کہا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا دعویدار ہے۔ (یوحنا:۱۹۔۱۲) گویا قیصر کا باغی ہے پس اگر تم نے اسے چھوڑا تو قیصر کے باغی کو پناہ دی۔ اس پر وہ ڈر گیا اور دربار میں پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے کہ میں اس کے خون سے ہاتھ دھوتا ہوں اور اس راستباز کے قتل سے بری ہوں۔ اس پر تمام فقیہوں نے کہا کہ اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہے۔ غرض مسیح ؑ ان ظالموں کے حوالے ہوئے۔ آپ اپنی صلیب خود اٹھائے طمانچے اور گالیاں کھاتے، کوڑوں سے پٹتے، گرتے پڑتے مقتل تک پہنچے۔ آپ کے منہ پر تھوکا گیا، آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اور ٹھٹھا اڑایا گیا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے، آپ کے ساتھ دو چوروں کو بھی صلیب دی گئی اور دستور کے مطابق آپ کے ہاتھوں پر اور دونوں پاؤں پر کیل ٹھونکے گئے عام طور پر مجرم تین دن خون بہنے سے اور دھوپ میں پیاس اور نقاہت سے سسک سسک کر مرجاتے۔ اگر نہ مرتے تو تیسرے دن ان کی ٹانگوں کی ہڈیوں کو توڑ کر ان کو مار دیا جاتا لیکن مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کی حکمت سے جمعہ کے دن عصر کے وقت صلیب دی گئی اگلے دن سبت اور عید فسح کا دن تھا مغرب کے بعد سبت کا دن آنے والا تھا جس میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہیں رہ سکتی تھی آپ کو صلیب پر چڑھانے کے بعد شدید بارش، بھونچال اور سخت سیاہ آندھی آئی جو تین گھنٹہ تک رہی جس سے شدید اندھیرا چھا گیا (مرقس:۱۵۔ ۳۳) یہود ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سورج غروب ہونے کا پتہ نہ چلے لہٰذا آپ کو

مع چوروں کے صلیب سے اتار دیا۔ (یوحنا: ۱۹۔ ۱۴) کے مطابق آپ تین گھنٹہ صلیب پر رہے اور بعض حوالوں سے اس سے بھی کم عرصہ بنتا ہے۔ چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ آپ گہری بیہوشی میں تھے۔ آپ کو مردہ قرار دے کر ہڈیاں نہیں توڑیں۔ ایک بھالا سے پسلی کو چھیدا تو خون اور پانی بہہ نکلا۔ (یوحنا۱۹۔۳۱ تا ۳۴) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پسلیوں سے خون کے ساتھ پانی نکلنا پلورسی کی وجہ سے تھا جو تین گھنٹہ لٹکنے کے سبب سینہ میں اکٹھا ہونا ضروری تھا۔ آپ کے ایک شاگرد یوسف آرمیتیا نے جو ایک نامور آدمی تھا، دلیری سے پیلاطوس سے آپ کی لاش مانگی اور تیزی سے اندھیرے میں لے گیا۔ پیلاطوس سخت متعجب ہوا کہ اتنی جلد کیسے مرگیا۔ (مرقس ۴۲:۱۶ تا ۴۴) آپ کو ایک کمرہ نما قبر میں رکھا جس میں ایک کھڑکی تھی۔ (مرقس ۱۵ :۴۶) اس زمانہ میں یہود کی قبریں اسی طرح کی ہوتی تھیں اور پہلے سے تیار رکھی جاتی تھیں وہاں چند گھنٹے بعد آپ کو ہوش آئی اور اس زمانہ کے مشہور حکیم نقدیموئس نامی نے آپ کا علاج ایک مرہم سے کیا جو آج تک مرہم عیسیٰ کے نام سے مشہور ہے اور قدیم ترین قریباً ایک ہزار طب کی کتابوں میں یہ نسخہ نام اور وجہ تسمیہ سمیت درج ہے۔ آپ کی زندگی کو یہود کے ڈر سے نہایت خفیہ رکھا گیا تیسرے دن مریم مگدلینی قبر پر منہ اندھیرے آئیں تو پتھر ہٹا ہوا تھا۔ (مرقس۱۶:۴) اور اندر مسیح کی لاش نہیں تھی۔ (لوقا۲۴:۲۔۳) آپ اس صبح مریم مگدلینی کو ملے جس نے حواریوں کو خبر دی کہ مسیح جیتا ہے لیکن وہ یقین نہ لائے۔ پھر آپ گلیل کی طرف جانے والی سڑک پر جاتے ہوئے دو حواریوں کو ملے۔ پھر ان گیارہ حواریوں کو ملے جو کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے ان کی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی (مرقس ۱۶:۹ تا ۱۴) آپ نے انہیں اپنے زخمی ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ روح ہے۔ تب اس نے کہا "مجھے چھوؤ اور دیکھو کہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھے دیکھتے ہو اور ان سے بھنی ہوئی مچھلی اور شہد کا چھتہ لے کر ان کے سامنے کھایا" (مرقس ۱۶:۱۴) و (لوقا ۲۴:۳۹ تا ۴۲) اور وہ اس رات اکٹھے رہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۱۳ صفحہ ۶۶۹ میں لکھا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد "مسیح ؑ نے دس مرتبہ لوگوں سے ملاقات کی وہ صرف تین گھنٹہ صلیب پر رہا اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ضرور صلیب سے بچ گیا ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے وہ یہودیوں کے حملہ سے بچتا رہا۔"

Modern Doubt and Christian Belief کے صفحہ ۴۵۵ تا ۴۵۷ کا ترجمہ یہ ہے۔ Mekhor Sheller میخر شیلر اور قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہرا موت کی سی حالت ہوگئی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے

ساتھ پھرتا رہا پھر دوسری یعنی اصل موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہوگیا''۔
نقودیموس کی انگلش انجیل مطبوعہ ۱۸۲۰ء میں صلیب کے بعد یسوع کا گلیل میں پایا جانا لکھا ہے۔
غرض مسیح صلیب کے بعد یہود سے چھپتے پھرے تا کہ وہ انہیں دوبارہ پکڑ کر قتل نہ کر دیں۔تاہم انہوں نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے پولوس کو بھیجا جو خود آپ پر ایمان لے آیا اور آپ ان درندوں سے بچتے بچاتے بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں ایک لمبے سفر پر روانہ ہوگئے آپ سیاح نبی مشہور ہوئے احادیث میں آپ کے لمبے سفروں کے اشارے ملتے ہیں۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جنگلوں میں سفر کرتے ، چشموں کا پانی پیتے ، جنگلی پھل کھاتے ، جہاں رات ہو جاتی پتھر کا تکیہ بنا کر سو جاتے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہ تا کہ تجھے پہچان کر دکھ نہ دیں۔(کنزالعمال) غرض پہلے آپ نصیبین کی طرف آئے پھر افغانستان سے ہوتے ہوئے کوہ نعمان پہنچے جہاں شہزادہ نبی کا چبوترہ اب تک موجود ہے۔وہاں سے پنجاب کی طرف آئے آخر کشمیر میں کوہ سلمان پر مدت تک عبادت کرتے رہے۔سکھوں کے زمانہ تک آپ کی یادگار کا کتبہ وہاں موجود تھا۔جس کا ذکر کتب میں درج ہے۔

حضرت ابودرداؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! سب سے پیارے خدا تعالیٰ کی جناب میں وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ مسیحؑ کی طرح دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔وہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے ساتھ ایک ہی درجہ کی جنت میں ہوں گے۔(مسلم کتاب الجھاد)

عیسائی محقق اس امر پر متفق ہیں کہ توما رسول جس کا ذکر انجیلوں میں ہے جنوبی ہند میں آیا جہاں اسرائیلی قبائل آباد تھے اور میلاپور میں شہید ہوا وہیں اس کی قبر ہے اس کے ساتھ یسوع کا ایک بھائی بھی تھا۔کشمیر کی قدیم بہت سی کتب میں درج ہے کہ ایک نبی بلادِ شام سے آیا جس پر انجیل اتری تھی۔کتاب اکمال الدین میں بھی پوری تفصیل درج ہے کہ جوزآسف نبی کو شہزادہ نبی اور عیسیٰ نبی بھی کہتے ہیں اور ان کا کشمیر میں ورود قریباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ثابت ہے۔آپ تبت تک گئے۔

بدھوں کی کتابوں میں آپ کو یشو لکھا ہے کیونکہ وہ س کو ش بولتے ہیں اور آپ کی تعلیم بعینہٖ انجیل کی تعلیم سے ملتی ہوئی لکھی ہے۔حضرت گوتم بدھ علیہ السلام نے چھ سو سال بعد اپنا دوبارہ ورود لکھا تھا۔چنانچہ جب قریباً چھ سو سال بعد آپ بدھؑ سے ملتی جلتی تعلیم لے کر آئے تو بدھ قوم نے آپ کو بدھؑ کا مثیل اور سچا جانا اور بگوا بدھا کہا۔یعنی گورا بدھ کیونکہ بدھؑ سانولے تھے۔آپ

اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ
اہل کتاب مگر البتہ ضرور ایمان لاویگا اس (واقعہ قتل پر) پہلے موت اپنی کے اور بروز
الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٦٠﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ
قیامت وہ (مسیح) ہوگا خلاف ان کے گواہ پس بسبب ظلم کے طرف سے ان لوگوں کی جو

نے اپنا مستقل قیام کشمیر میں سرینگر کے مقام میں رکھا اور وہیں وفات پائی۔آپ کی قبر سرینگر محلّہ خانیار میں مرجع خلائق ہے۔جب کہ حضرت مریم کا مزار کشمیر کے شمال میں کاشغر سے قریباً چھ میل کے فاصلہ پر ''مزار مریم'' کے نام سے موجود ہے۔مری میں اسرائیلی طرز کی بنی ہوئی مریم کی قبر موجود ہے جس کے نام پر مری آباد ہوا۔عیسائی اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔یہ غالبًا مریم مگدلینی کی قبر ہے جو راستہ میں وفات پا گئیں۔حضرت عیسیٰؑ کا اسی راستہ سے کشمیر جانا ثابت ہے۔
پروفیسر نکولیس رورخ اپنے سفرنامہ ایشیا(Heart at Asia_P_69) میں لکھتے ہیں کہ (کاشغر کے قریب) یہ قبر مقدس مریم یعنی والدہ حضرت مسیح ناصری کی طرف منسوب ہے۔۱۳ جولائی ۱۸۷۹ء میں یروشلم کے ایک راہب کورنامی کے مرنے پر اس کے کاغذات میں سے عبرانی میں لکھا ہوا پطرس حواری کا خط ملا: ''کہ میں پطرس ماہی گیر یسوع مریم کے بیٹے کا خادم اپنی عمر کے نوے سال میں یسوع مریم کے بیٹے کی وفات کے تین سال بعد یہ خط لکھ رہا ہوں''۔
اس کے بعد وادی قمران سے مسیح کے اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے صحیفوں کا برآمد ہونا، کفن مسیح اور مسیح کی قبر کا دریافت ہونا،ایسے شواہد ہیں کہ عیسیٰؑ کے صلیبی موت سے بچ کر طبعی موت مرنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی اور عیسیٰؑ کی موت کے ساتھ ہی کفارہ کے عقیدہ کی عمارت زمیں بوس ہو جاتی ہے اور عیسائیت اپنی موت آپ مرجاتی ہے نیز یہود کی لعنت کے الزام سے بھی آپ بری قرار پاتے ہیں۔

۱۶۰۔جب قرآن کریم نے مسیحؑ کی طبعی موت کا دعویٰ کیا تو اس آیت میں بتایا کہ یہود و نصاریٰ میں کوئی بھی نہیں جو عیسیٰؑ کی صلیبی موت پر ایمان نہ رکھتا ہو بلکہ ان کے مذاہب کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہے لیکن مرنے کے بعد ان پر حقیقت کھل جائے گی اور مسیحؑ ان کے خلاف گواہی دے گا کہ وہ صلیب سے بچ کر طبعی موت مرا (مفہوم خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ از تفسیر صغیر) اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات میں ان کی بدیوں کا ہی ذکر ہے اس آیت میں بھی بدی ہی بتائی، کہ مرنے تک مسیحؑ کی صلیبی موت کا یقین رکھتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ پچھلی آیات میں آپ کی ہجرت کا

هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

یہودی ہوئے حرام کر دیں ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں واسطے ان کے اور (بسبب) انکے روکنے کے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۱﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا

راہ سے اللہ کے بہت اور (بسبب) انکے لینے کے سود حالانکہ یقیناً روکے گئے تھے

عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا

وہ اس سے اور (بسبب) انکے کھانے کے مال لوگوں کے باطل طور پر اور تیار کیا ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي

کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک لیکن پختہ لوگ

الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

علم میں ان (یہود) میں سے اور مسلمان ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا طرف تیری

حال بیان ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں بحکم الٰہی کشمیر پہنچے۔وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت سے نوازا۔ آپ حکومت میں بھی شریک ہوئے اور شہزادہ نبی کہلائے۔ وہاں آپ کو ۸۷سال کے طویل عرصہ تک تبلیغ و ہدایت کا موقع ملا۔وہاں پر آباد بنی اسرائیل کے تمام قبائل جو بدھ مت اختیار کر چکے تھے، آپ پر سچا ایمان لائے۔اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ ان قبائل میں کوئی بھی نہیں تھا جو مسیحؑ کی وفات سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آیا ہو۔

۱۶۱۔۱۶۲۔ان کے جرائم کی فہرست مسیحؑ کو صلیب دینے کے ظلم تک ہی محدود نہیں۔اس کے علاوہ بھی ان کی بدیاں کم نہیں۔لوگوں کو گمراہ کرنا اور انہیں راہ حق سے روکنا، کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعلقہ پیشگوئیوں کو چھپا کر، کبھی تورات میں تحریف کر کے، کبھی اپنی کذب بیانی سے نیز تورات میں ان کو سود خواری سے منع فرمایا تھا اور حال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلکہ آج بھی دنیا کی اوّل درجہ کی سود خوار قوم ہے۔ پھر لوگوں کے اموال ناحق طریق پر کھا جانا۔ ان سب بدیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے پہلے سے تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں جو پہلے حلال تھیں۔جیسے ناخن والے جانور، گائے اور بکریوں وغیرہ کی چربیاں۔جس طرح جسمانی بیماریوں میں بعض حلال چیزوں سے پرہیز ضروری ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں میں بھی بعض حلال چیزیں منع فرمائی گئیں۔ بعض حلال چیزیں ان کے مذہب کے ٹھیکیداروں نے خود حرام قرار دیں جبکہ اسلام میں صرف روحانی اور جسمانی طور پر مضر اشیاء ہی حرام ہیں۔یہاں یہ ذکر مسیحؑ پر ظلم کے بعد آیا اور مسیحؑ کے بعد تو ان میں کوئی نبی نہیں آیا جو ان پر حلال کو مزید حرام کرتا۔پس یہاں طیّبات سے مراد روحانی غذائیں بھی ہیں۔یعنی نبی اللہ پر ظلم اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

اور جو اُتارا گیا پہلے تجھ سے اور قائم کرنے والے ہیں نماز اور دینے والے ہیں

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗئِكَ

زکوٰۃ اور ایمان لانے والے ہیں اللہ پر اور دن آخر پر یہ لوگ وہ ہیں کہ

سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۳﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ

عنقریب دیں گے ہم انہیں اجر عظیم یقیناً وحی کی ہم نے طرف تیری جس طرح

۲۲ ع ۱۰ ۲

اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى

وحی کی ہم نے طرف نوح کی اور نبیوں کی بعد اس کے اور وحی کی ہم نے طرف

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ

ابراہیم کی اور اسمٰعیل کی اور اسحاق کی اور یعقوب کی اور (اس کی) اولاد کی اور

عِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا

عیسیٰ کی اور ایوب کی اور یونس کی اور ہارون کی اور سلیمان کی اور دی ہم نے

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۴﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ

داؤد کو زبور اور (بھیجے ہم نے) کئی رسول کہ یقیناً بیان کیا ہم نے ان کا تجھ پر

سے ان پر نبوت اور کشف والہام کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ (تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تفسیر زیر آیت ھٰذا کی روشنی میں)

روحانی بادشاہت کے ساتھ آیت ۵۴ کے مطابق دنیوی بادشاہت سے بھی محروم ہوئے۔یہ تو ان کے لئے دنیوی سزائیں تھیں۔اخروی سزا کے لئے عذاب الیم تیار کیا گیا ہے۔

۱۶۳۔**راسخ**۔پختہ۔مضبوط۔ رکوع کی آخری آیت میں یہود کو تسلی دی کہ عذاب تم سے خاص نہیں۔تم میں سے بھی جو علم میں پختہ ہیں، اپنی خداداد فراست سے حق کو سمجھ گئے ہیں، اپنے باپ دادا کے فرسودہ عقائد کو چھوڑ چکے ہیں اور ایمان لے آئے ہیں۔وہ بھی اور دیگر مومنین بھی، یہ سب قرآن کریم پر اور **صُحُفِ اُولٰی** پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر یقین رکھتے ہیں تو ایسے سب لوگوں کو ہم بہت بڑا اجر دیں گے۔ایسے راسخین جن تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا یا پہنچانے والا قائل نہیں کر سکا یا وہ پہلے وفات پا گئے تو ان پر عذاب نہیں۔ اگر ان تک پیغام پہنچ جاتا ہے تو ضرور ایمان لے آتے۔

۱۶۴۔اس رکوع میں بتایا کہ جس طرح پہلے بے شمار انبیاء کو وحی سے نوازا گیا اور بعض کو کتاب دی گئی۔اسی طرح تجھ پر بھی وحی بھیجی اور کتاب سے نوازا۔جب ان کے لئے آسمان سے

قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

پہلے سے اور (بھیجے) کئی رسول کہ نہیں بیان کیا ہم نے ان کا تجھ پر اور کلام کیا اللہ نے

مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٥﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا

موسیٰ سے خوب کلام کرنا (بھیجے) رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ

کتاب نہیں آئی تو تمہارے لئے ان کا یہ مطالبہ بے معنی ہے۔وحی کا مطلب جلدی سے کسی بات کو بتانا یا تیزی سے اشارہ کرنا ہے۔وحی کی بہت سی اقسام ہیں جیسے دل میں کوئی بات ڈالنا یا فطرت میں کوئی بات رکھ دینا جیسے شہد کی مکھی کو وحی کا ہونا نیز وحی حکم الٰہی اور تقدیر الٰہی بھی ہے جیسا کہ زمین کو وحی کی کہ اپنے خزانے اُگل دے۔(الزلزال: ٦) گویا وقت آ گیا ہے کہ اپنی اندرونی چیزیں باہر نکال دے۔تاہم اس وحی کے مقابلہ میں اولیاء وانبیاء کی وحی بالکل الگ چیز ہے۔قرآ ن کریم میں فرمایا

وما کان لبشراَن یّکلّمهُ اللّٰه الّاوحیًااومن وَّرائُ حجاب اویُرسلَ رسولًا۔

(شوریٰ: ۵۲) کہ اللہ تعالیٰ بندے سے تین طرح بات کرتا ہے۔وحی الٰہی سے ،پس پردہ کلام سے یارسول بھیج کریعنی رسول بذریعہ جبریل خدا تعالیٰ کا کلام حاصل کرتے ہیں یہاں مراد یہ تیسری قسم کی وحی ہے جو انبیاء سے خاص ہے۔فرمایا آپ سے معاملہ کچھ الگ نہیں جس طرح پہلے تمام انبیاء کو وحی ہوئی تجھے بھی وحی سے نوازا۔حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی بذریعہ وحی زبور عطا کی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں یہاں بہت سے انبیاء کے ذکر میں ان کے درمیان قدر مشترک کی طرف اشارہ ہے۔حضرت ابراہیمؑ ، آپ کے دونوں بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ اورحضرت اسحاقؑ ، آپ کے پوتے حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد میں قدرمشترک قریبی رشتہ دار ہونا اور ایک ہی شریعت کے تابع ہونا تھا۔خصوصاً نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں غلو کیا اور بتایا کہ بہت سے انبیاء کی عیسیٰؑ سے مشابہت ہے۔حضرت عیسیٰؑ ،حضرت ایوبؑ اورحضرت یونسؑ میں قدر مشترک ان کی جسمانی آزمائشیں ہیں جن کے بعد یہ سب اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں سے نوازے گئے۔حضرت ہارونؑ نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح زندگی کازیادہ حصہ غریب الوطنی میں گزارا۔حضرت سلیمانؑ سے حضرت عیسیٰؑ کی مشابہت یہ ہے کہ اگر حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت ملی تو آپ نے بھی کشمیر میں بادشاہوں جیسی زندگی گزاری۔وہاں کا بادشاہ آپ پر ایسا مہربان ہوا کہ حکومت کے تمام امور آپ کے سپرد کرکے خود گوشہ نشین ہوگیا''(مسیحؑ کشمیر میں''از جناب عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل)حضرت عیسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ میں قدر مشترک دونوں کو کتاب کا ملنا ہے۔

۱۶۵۔ہاں بعض رسولوں کا ہم نے تجھ سے ذکرکیا اوربعض کاذکرتجھ سے نہیں کیا جیسا کہ

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ

رہے لوگوں کے لیے اللہ پر الزام بعد رسولوں کے اور ہے

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٦﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ

اللہ عزت والا حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو اُتارا

قرآن کریم میں صرف اٹھائیس رسولوں کا ذکر ہے البتہ احادیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا ذکر ہے۔قرآن کریم میں فرمایا کہ ہم نے ہرامت کی طرف نبی بھیجا۔تمام انبیاء کے ذکر میں اشارہ ہے کہ آپؐ تمام انبیاء کے جملہ کمالات کے حامل ہیں۔ فرمایا موسیٰ سے ہم نے خوب اچھی طرح کلام کیا جس طرح آپؐ سے کیا(روح البیان) کیونکہ آپ دونوں شریعت سے نوازے گئے۔ہاں آسمان سے کتاب موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی نہیں اتری جیسا کہ یہود کی آپؐ سے فرمائش تھی۔

۱٦٦۔ خداتعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا اور آپ کی شریعت پر عمل درآمد کروانے کے لئے رسول بھیجے جو بشارتیں دینے والے اور انذارکرنے والے تھے بلکہ پرانی شریعتوں کی تصدیق کے لئے بھی رسول اپنے اپنے وقتوں پر آتے رہے تا کہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر عذر یا اعتراض نہ رہے ۔سورہ طٰہٰ: ۱۳۵ میں فرمایا کہ ہم اگر رسولوں کو بھیجے بغیراور لوگوں کو سمجھائے بغیر ان کی غلطیوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیں تو وہ بجاطور پر اعتراض کریں گے کہ کیوں نہ رسول بھیج کر ہمیں سمجھایا؟ اگر ہم نہ مانتے تو ضرور عذاب کے مستحق تھے۔تو کیا یہی اعتراض مسلمان نہیں کریں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کروانے تو بے شمار انبیاء آئے لیکن نبیؐ آخر اور شریعت کاملہ پر جب لوگوں کاایمان کمزور ہوا تو کوئی ڈرانے والا نہ آیا۔چنانچہ مسیح موعود اور مہدی معہود کے متعلق قریباً ستر احادیث ہیں کہ امت کے بگڑنے پر آپ آ کر امت کو ہدایت دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا!معاملات شدت اختیار کرجائیں گے۔دنیا پر ادبار چھا جائے گا، لوگ بخیل ہو جائیں گے ،شریر لوگ قیامت کا منظر دیکھیں گے ،ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ کا مامور ظاہرہوگا۔ **ولاالمهدی الاعیسی بن مریم -** یعنی عیسیٰؑ کے سوا کوئی مہدی یعنی ہدایت دینے والانہیں گویا ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔(ابن ماجہ **باب** شدۃ الزماں صفحہ۲۵۷) چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن حکیم بھی ہے۔وہ اتمام حجت کے بغیر بندوں پر عذاب نہیں بھیجتا۔

اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ

طرف تیری کہ اتارا ہے اسے ساتھ اپنے علم کے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

کافی ہے اللہ گواہ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو بھی)

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

راہ سے اللہ کی یقیناً وہ گمراہ ہوئے گمراہی دُور کی یقیناً جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا

کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ کہ بخش دے ان کو اور نہ یہ کہ

لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٩﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

ہدایت دے انہیں راہ کی مگر راہ کی جہنم کے رہ پڑنے والے ہیں

١٦٧۔ قرآن کریم کی صداقت پر اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے کہ یہ کلام جو تجھ پر نازل ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قطعی علم کی بنا پر اتارا ہے گویا قرآن کریم ایسے علوم غیب کا خزینہ ہے کہ جوں جوں اس پر غور کرتے جائیں اس کا **من جانب اللّٰہ** ہونا ثابت ہوتا جائے گا۔ اس کی بے مثال پیشگوئیاں جو قیامت تک کے لئے ہیں ،اس کی صداقت پر گواہ ہیں۔ قرآن کریم کا ایک کامل ضابطۂ حیات ہونا جس میں تمام دینی ،تمدنی، معاشرتی اوراقتصادی قوانین کا بیان کر دینا جن پر عمل کر کے ایک جنتی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے یہ کسی اُمّی کی اختراع ہرگز نہیں نیز انسان کا مقصد حیات یعنی بندے کو اپنے ربّ سے ملا دینا قرآن کریم پر عمل سے خاص ہے۔

قرآن کریم کی صداقت پر فرشتوں کی گواہی یہ ہے کہ وہ راستبازوں کے دل میں جس طرح ہر نیکی کی تحریک کرتے ہیں اسی طرح قرآن کریم کی صداقت اورآنحضرتﷺ پر ایمان لانے کے لئے تحریک کرتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں بحیثیت گواہ اللہ ہی کافی ہے۔

١٦٨۔ خدا تعالیٰ اورملائکہ کی گواہی کے باوجود جنہوں نے انکار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ پر چلنے سے روکا۔جیسا کہ یہود کا طریق تھا کہ نبیٔ آخرالزماں کے متعلق تورات کی پیشگوئیوں کو چھپاتے۔فرمایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ان کی واپسی مشکل ہے۔

١٦٩-١٧٠۔یہود نے نہ صرف انکار کیا بلکہ ظلم کے بھی مرتکب ہوئے۔تو اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اس میں ہمیشہ اور ہے یہ اللہ پر آسان اے لوگو

قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا

یقیناً آیا ہے تمہارے پاس رسول ساتھ حق کے طرف سے رب تمہارے کی پس ایمان لاؤ بہتر ہے

لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ

تمہارے لیے اور اگر تم کفر کرو تو یقیناً اللہ کا ہے جو آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧١﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا

زمین میں ہے اور ہے اللہ خوب جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ

تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر سوائے حق کے

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ

سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول تھا اللہ کا اور

نہیں کہ ان کو بخش دے اور نہ یہ کہ ان کو سوائے جہنم کے کوئی راہ دکھائے۔گویا آپ پر ایمان لائے بغیر ہدایت نہیں۔یہاں بتایا کہ انکار اور ظلم جہنم تک لے جاتے ہیں۔جب تمام انبیاء کی پیشگوئیوں کا مصداق رسول شریعت کاملہ کے ساتھ آیا۔جو آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مطابق اپنی دلیل آپ ہے۔ پھر تائیداتِ غیبی اسے سچا ثابت کر رہے ہیں۔اس کے بعد بھی انکار اورظلم جہنم کا مورد بنائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔وہ بے شک رحیم و کریم ہے لیکن خداتعالیٰ کی سزا بطور آخری علاج ہوگی۔

١٧١۔یہود کو دعوتِ اسلام کے بعد اب دعوت عام دی کہ اے لوگو!تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ آ چکا ہے۔اس کے دعویٰ یا کتاب وتعلیم میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔اگر ایمان لے آ ؤ گے تو اس میں تمہاری اپنی بہتری ہے۔دنیا اور آخرت میں نوازے جاؤ گے۔اگرانکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو کیا پرواہ تمہارے کفر سے اس کا کچھ بھی حرج نہیں۔(بیضاوی) کیونکہ زمین و آسمان کی ہر شے اس کی ہے اور اس کی تابع فرمان ہے۔چند انسانوں کی نافرمانی سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔وہ علیم وحکیم ہے۔اگر تم بھی اس کی ان صفات کو اپنا کر علم و حکمت سے کام لو تو ضرور تم پر حقیقت کھل جائے گی اور تم ایمان لے آ ؤ گے۔

١٧٢۔رکوع کی اس آخری آیت میں عیسائیت کا رد ہے اورخاص نصاریٰ سے خطاب ہے

كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

کلمہ تھا اس کا کہ ڈالا اس (اللہ) نے وہ (کلمہ) طرف مریم کی اور روح تھا طرف سے اس (اللہ) کے پس ایمان لاؤ اللہ پر

وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ

اور رسولوں پر اسکے اور نہ کہو (خدا) تین ہیں باز آجاؤ (یہ) بہتر ہے تمہارے لیے

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ

صرف اللہ خدا ہے اکیلا پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا

وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

کوئی بچہ اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ

فرمایا غلو سے بچو اور اللہ تعالیٰ کی طرف صرف سچی بات منسوب کرو۔ مسیح ابن مریم تو اللہ تعالیٰ کا رسول اور اس کا ایک کلمہ تھا یعنی اس بشارت کے نتیجہ میں پیدا ہوا جو حضرت مریم کو دی گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح تھا۔ یعنی مس شیطانی کا اس میں دخل نہ تھا۔ جیسا کہ آپ پر الزام تھا۔

قرآن کریم ہر نبی پر لگائے گئے الزامات سے اس کو بری قرار دیتا ہے۔ ان الفاظ سے مریم اور ابنِ مریم پر لگائے گئے الزامات سے ان کی بریت فرمائی۔ ورنہ تمام ارواح خدا کی طرف سے ہی ہوتی ہیں اور تمام راستباز **روحٌ مّنهُ** اور **کلمة الله** ہوتے ہیں۔ ہاں کافر و فاجر کے لئے یہ الفاظ نہیں بولے جاتے۔ خدا تعالیٰ کے بے شمار کلمات میں سے وہ ایک کلمہ تھا۔ پھر خدا کیونکر ہوگیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تو کہہ! اگر سمندر میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا گو اتنا ہی پانی اور ڈال دیتے۔ (الکہف: ۱۱۰) حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بھی فرمایا کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی (الحجر آیت ۳۰) غرض دیگر انبیاء پر مسیح کو کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ دوسروں پر وہ الزامات نہیں تھے جن سے آپ کو بری کرنا مقصود تھا۔ فرمایا تم تین مت کہو اور اِس امر سے رک جاؤ۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق "اللہ کی اپنی روح مقدس مسیح کے اندر داخل ہوئی اور وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس ہیں۔ مگر تین خدا مت کہو خدا ایک ہے"۔ یہ گورکھ دھندا عیسائیوں کو خود بھی سمجھ نہیں آیا۔ اس لئے اگر پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ یہ نامعقول مذہب انہی کو مبارک ہو جب کہ اسلام نے ہر بات دلائل سے اور عقل سے پرکھنے کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! **العقل اصلُ دینی**۔ عقل میرے دین کی بنیاد ہے۔ (الشفا۔ قاضی عیاض۔ جلد اوّل صفحہ ۸۵) پس وہ ایک ہی خدا ہے، بیٹے سے پاک ہے۔

وَكِيْلًا ﴿١٧٢﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا ع ۲۳

کارساز ہرگز نہیں بُرا مناوے گا مسیح کہ ہو وہ بندہ

لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ

اللہ کا اور نہ فرشتے مقرب اور جو بُرا مناوے گا

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ

عبادت سے اس کی اور تکبر کرے گا تو ضرور اکٹھا کرے گا (اللہ) انکو اپنی طرف

جَمِيْعًا ﴿١٧٣﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سب کو پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا

پس پورے دیگا ان کو اجر ان کے اور بڑھائے گا انہیں اپنے فضل سے اور وہ

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

لوگ جنہوں نے بُرا منایا اور تکبر کیا تو عذاب دیگا انہیں عذاب

اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

دردناک اور نہ پاویں گے وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے دوست اور نہ

نَصِيْرًا ﴿١٧٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ

مددگار اے لوگو یقیناً آئی تمہارے پاس دلیل طرف سے

آسمان و زمین کی ہر شے اس کی ہے۔ فرائض الوہیت ادا کرنے کے لئے وہ اکیلا ہی کافی ہے اسے کسی بیٹے یا مددگار کی ضرورت نہیں۔

۱۷۳۔ **یستنکف**۔ نکف۔ ناک چڑھانا، برا منانا۔

تثلیث کے رد کے بعد فرمایا کہ مسیحؑ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تو جب تک زندہ رہا خود کو ایک عاجز بندہ سمجھتا رہا جیسا کہ انجیل میں اپنی عاجزی کا بار بار اظہار کیا۔ فرمایا مسیحؑ پر کیا موقوف ہے مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ بھی عبدیت کو ہی موجب فخر سمجھتے ہیں جب کہ نصاریٰ جبریل امین کو روح القدس کہہ کر تثلیث میں شامل کرتے ہیں۔ ہاں جو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔ نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے جو عقیدہ تثلیث کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس تکبر میں مبتلا ہیں کہ ان کا نبی خدائی میں شریک ہے۔ فرمایا! ایسے سب لوگ یاد رکھیں کہ ہم جلد انہیں اپنے حضور اکٹھا کریں گے۔

رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
رب کے تمہارے اور اُتارا ہم نے طرف تمہاری نُور کُھلا کُھلا پس وہ لوگ جو ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
اللہ پر اور مضبوط پکڑا انہوں نے اسے پس داخل کرے گا وہ انہیں رحمت میں طرف سے اپنی

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۶﴾
اور فضل میں اور ہدایت دے گا انہیں اپنی طرف راہ سیدھی

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ
فتویٰ پوچھتے ہیں تجھ سے تو کہدے اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو بارہ میں کلالہ کے اگر

۱۷۴۔البتہ جو ایمان لائے اور عمل صالحہ بجا لائے ان کو نہ صرف یہ کہ پورا پورا اجر ملے گا بلکہ اپنے فضل سے اور بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ البتہ گروہِ نصاریٰ جنہوں نے اپنے رب کی خالص بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ سوائے اللہ کے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔

۱۷۵۔عیسائیت میں بقول نصاریٰ عقل کو دخل نہیں اس کے مقابل صاحبِ قرآن اور قرآن کو پیش کیا جو برہان اور نورِ مبین ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کو برہان سے تعبیر فرمایا۔محمد ہست برہان محمد ۔یعنی یہ پیارا نبی اپنے قول و فعل نمونے اور تعلیم سے اپنی دلیل آپ ہے۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بطور نمونہ ہی نہیں آئے بلکہ اپنے ساتھ **نورمبین** یعنی قرآن کریم بھی لائے جو حق و باطل کو روز روشن کی طرح واضح کرتا ہے۔ خود نور ہے اور ظلمتوں میں بھٹکتے ہوئے بندوں کو نور عطا کرکے خدا نما بناتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔آپؐ قرآن کریم کی عملی تصویر تھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں **کان خلقہ القرآن** (ابوداؤدؒ جلد ۲ صفحہ ۸۸) کہ محمد ﷺ کا خلق قرآن کے عین مطابق تھا۔پس محمد ﷺ اور قرآن کریم برہان بھی ہیں اور نورِ مبین بھی۔

۱۷۶۔پس جس نے اس نورِ ہدایت کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کے ساتھ تعلق کو مضبوط کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اپنے خاص فضل و احسان سے نوازے گا اور اپنی جناب سے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمائے گا۔گویا جب تک اللہ تعالیٰ سے پکا رابطہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کو حاصل کرنا اور ہدایت پانا مشکل ہے۔پس زبانی ایمان فائدہ

امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ
کوئی آدمی مرجائے نہ ہو اس کا کوئی بچہ اور اس کی کوئی بہن ہو تو اس (بہن) کیلئے نصف ہے

مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ
جو چھوڑا اس (کلالہ) نے اور وہ (بھائی) وارث ہوگا اس (بہن) کا اور اگر نہ ہو اس (بہن) کا کوئی بچہ پھر اگر

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ
ہوں وہ (بہنیں) دو تو ان دونوں کے لیے دو تہائی ہے اس کا جو چھوڑا اس (کلالہ) نے اور اگر

كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
وہ ہوں بھائی بہن کئی مرد اور کئی عورتیں تو مرد کے لیے مانند حصہ کے

الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ
ہے دو عورتوں کے کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے تاکہ نہ گمراہ ہو تم اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾
ہر بات کو خوب جاننے والا ہے

۲۴ ع ۴

نہیں دے گا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامتناہی ہے۔جس **صراطِ مستقیم** کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ بھی لامتناہی ہے۔پس مقربانِ الٰہی دنیا میں بھی ترقیات حاصل کرتے ہیں اور یہ ترقیات مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہیں۔

۱۷۷۔اس سورۃ کا اختتام کلالہ کی وراثت سے کیا۔جس میں وارث کلالہ کا بھائی ہو۔ پیچھے سے مسیح کا ذکر جاری ہے۔یہاں اشارہ مسیح کی طرف ہی ہے جو بطور کلالہ ہے جس کے بعد اس کے بھائی بنی اسمٰعیل نبوت کے وارث ہوں گے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا) بخاری میں ابو اسحاقؓ سے روایت ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا وارث باپ ہو نہ بیٹا۔ ورثہ اسی کا ہوتا ہے جو مر جائے۔ مسیح مرچکا ہے۔اس کا ورثہ اس کے بھائی بنی اسمٰعیل کی طرف جائے گا۔ پس مسیح کے مرنے سے بنی اسرائیل کی وراثت ختم ہوئی۔ اس سورۃ کے شروع (آیت ۱۳) میں کلالہ کی وراثت کے قوانین بیان ہوئے جن میں ایسے کلالہ کا ذکر تھا جس کے ماں باپ زندہ ہوں اور اخیافی یعنی ماں کی طرف سے بہن بھائی ہوں جبکہ یہاں ایسے کلالہ کا ذکر ہے جس کے ماں باپ زندہ نہ ہوں البتہ حقیقی بہن بھائی ہوں جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہوں۔حقیقی بہن بھائی ہوں تو علاتی بہن بھائی کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔(فرمودہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ)

قرضہ کی ادائیگی اور وصیت پر عمل درآمد ہونے کے بعد اگر خاوند یا بیوی زندہ ہوں تو ان کو حصہ دینے کے بعد باقی ورثہ اس طرح تقسیم ہوگا۔اگر متوفی مرد ہو اور ایک بہن ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا ۔باقی ترکہ اقربا میں تقسیم ہوگا۔اگر متوفی عورت ہو تو کل ترکہ کا وارث بھائی ہوگا۔اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ کا دوتہائی حصہ ملے گا۔ دو سے زیادہ بہنوں کے لئے بھی یہی قانون ہوگا۔اگر بہن بھائی ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر والا قانون ہے اللہ تعالیٰ خوب کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ کسی غلطی میں نہ پڑو۔اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے ۔

☆☆☆

بقیہ آیت:۱۲۔درحقیقت دنیا میں کسی مذہب نے عورت کو ورثہ کا حقدار قرار نہیں دیا۔یہ اعزاز صرف اسلام کو جاتا ہے کہ عورت سے خاص رعایت اور احسان کا سلوک فرمایا ورنہ اسلام میں عورت کے جتنے حقوق ہیں اگر اسے ورثے میں حصہ نہ بھی ملتا تو بے انصافی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے اس کا تمام خرچہ باپ پر باپ کے نہ ہونے کی صورت میں بھائیوں اور چچاؤں وغیرہ پر ہے۔ شادی میں حق مہر ملتا ہے جو اس کی ذاتی ملکیت ہے ، باپ وغیرہ کا حق نہیں۔شادی کے بعد تمام خرچہ شوہر پر ہے گویا اسے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔اس کے باوجود والدین سے ورثہ میں بھائیوں سے نصف پاتی ہے۔ خاوند اور بیٹوں سے بھی ورثے کی حقدار ہے بلکہ بیٹے کی بیوی سے زیادہ حصہ پاتی ہے۔یہ بھی بیٹے کی بیوی پر زیادتی نہیں کیونکہ اگر اس کے بچے نابالغ ہیں تو ان سب کا ورثہ اس کے زیر تصرف ہوگا۔اگر بچے بالغ ہیں تو بچوں پر اس کے حقوق ہیں۔جبکہ بوڑھے ساس سُسر کا بیٹے کے بعد کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا الّا ماشاء اللہ۔غرض مرد کے ذمہ بیوی بچوں کے علاوہ حسبِ مراتب ماں باپ ،،بہن بھائیوں اور دوسرے لواحقین کی ذمہ داری ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ معاشیات کے معاملہ میں جتنی عورتوں کو آسانیاں اور سہولتیں ہیں مردوں پر اتنی ہی سختیاں اور ذمہ داریاں ہیں۔اسلامی قانون میں عورت کے کمانے یا اقتصادی ذمہ داری اٹھانے کا تصور نہیں۔اس لئے عورتوں اور بچوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہ اتنی جائیداد کی مالک ہوں جس پر ٹیکس لاگو ہوتا ہو۔غرض اسلامی معاشرے میں بیوی گھر کی ملکہ ہے۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ مائدہ۔یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو اکیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کا زمانہ نزول وہ تھا جب دن رات جنگوں سے واسطہ تھا اس لئے ان میں زیادہ تر جہاد کے مسائل ہیں۔ہاں سورۃ بقرہ میں زیادہ تر یہود اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ مخاطب ہیں جبکہ سورۃ نساء کا نزول جنگ احد کے بعد ہوا جس وقت بعد از جنگ کے مسائل درپیش تھے نیز ایک نئی اسلامی ریاست کے لئے جن احکام کی ضرورت تھی،وہ نازل فرمائے۔ لہٰذا اس میں زیادہ تر معاشرتی احکام ہیں جبکہ سورۃ مائدہ کا نزول صلح نامہ حدیبیہ کے بعد کا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں نے جنگوں سے سکھ کا سانس لیا اور جہاد اکبر یعنی تبلیغ و تربیت پر کھل کر توجہ دی۔عام تبلیغ کے علاوہ قیصرو کسریٰ جیسے عظیم سربراہانِ مملکت کو تبلیغی خطوط بھیجے۔اسلامی قوانین کو پوری اسلامی سلطنت میں رائج کیا۔اسی لئے اس سورۃ میں باربار عدل کا حکم دیا جو کسی بھی حکومت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔نئی اسلامی مملکت کے لئے جن مزید احکامات کی ضرورت تھی وہ نازل فرمائے ، مثلاً غذاؤں میں حلال و حرام کو مزید واضح کیا اور اکلِ حلال پر بہت زور دیا۔مذہبی امور اور عبادات میں کئی نئے اصول بتائے۔حدود کو جاری کیا۔ غرض اسلامی تمدن اور معاشرت کے لئے قریباً تمام ضروری قوانین عطا فرمائے اور انہیں نافذ کیا گیا۔

اس سورت میں زیادہ تر نصاریٰ کا ذکر ہے۔اسی تعلق میں رکوع ۱۵ میں مائدہ کا ذکر ہے کہ حواریوں کے اصرار پر مسیحؑ نے اللہ سے نزولِ مائدہ کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبولیت بخشی اور نصاریٰ کو دنیوی نعمتیں باافراط ملیں۔اس میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمانا مقصود تھا کہ اب دنیوی نعمتوں کے دروازے تم پر کھلنے والے ہیں۔نصاریٰ کی طرح انہیں اپنا حاصل مقصود نہ بنا لینا اور حقیقی مقصد حیات کو بھول نہ جانا کیونکہ قومیں اکثر اپنا نصب العین دنیوی آسائشوں اور مادی ترقیات تک ہی محدود کرلیتی ہیں۔

جیسا کہ اس سورۃ میں زیادہ تر ذکر نصاریٰ کا ہے اس سورۃ کا اختتام بھی انہیں کے ذکر سے کیا کہ موجودہ عیسائی عقائد سے مسیح کا کوئی تعلق نہیں وہ قیامت کو ان عیسائی عقائد سے جو اس کے بعد وضع کئے گئے لاعلمی کا اظہار کرے گا۔

☆☆☆

منزل ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو پورا کرو عہدوں کو حلال کئے گئے تمہارے لیے

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ

چوپائے مویشی سوائے انکے جو پڑھے جاتے ہیں تم پر نہ حلال جانتے ہوئے شکار کو

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور تم حالتِ احرام میں ہو یقیناً اللہ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اے لوگو جو

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **بھیمۃ**۔ چوپائے ۔جن میں بھیڑ، بکری، دنبہ، ہرن، گائے، نیل گائے ، بھینس اور اونٹ وغیرہ شامل ہیں۔ **محلّی**۔ حلال جاننے والے۔**صید**۔شکار۔

ایک متمدن معاشرہ میں پہلی اہم بات معاہدہ نبھانے کی ہے۔یہ نکاح کی صورت میں ہو یا آپس میں لین دین کا معاملہ ہو،امام الزمان یا خلیفۂ وقت کے ساتھ عقدِ وفاداری ہو یا حکومتوں کے حکومتوں کے ساتھ معاہدات ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے وعدے ہوں جن پر مذہب نے ہمیں پابند کیا یا اپنے ہی نفس کے ساتھ ہو کہ مَنت وغیرہ مانی ہو ۔غرض ان سب کو نبھانا ایک مسلمان کا فرض ہے۔

اس سورت کے شروع میں ہی معاہدوں کی پابندی کا حکم دیا کہ اگر مائدہ کے خواہشمند ہو اور دنیوی نعمتوں کے طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدے بھی پوری وفاداری سے نبھاؤ اور بندوں سے کئے گئے وعدے بھی۔یعنی مسلمانوں کی دنیوی نعمتیں دین پر عملدر آمد سے مشروط ہیں۔ بیشک نصاریٰ نے عیسائیت پر عمل کئے بغیر مادی ترقیات حاصل کیں، لیکن مسلمانوں کے لئے یہ مقدر نہیں جب تک کہ خدا اور بندوں سے معاملہ صاف نہ رکھیں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے بغیر دنیوی طور پر بھی محروم رہیں گے اور اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے، جس طرح اس وقت ہو رہے ہیں کہ قریباً باون اسلامی ممالک کے ہوتے ہوئے دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں۔اللہ تعالیٰ کے عہد میں اکلِ حلال کا ذکر سب سے پہلے فرمایا کہ حلال و حرام میں بھی اسی معاہدہ پر قائم رہو اور قانونِ خداوندی کا احترام کرو۔تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال قرار دیئے گئے ہیں سوائے ان کے جن

اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا

ایمان لائے ہو نہ بے حرمتی کرو نشانات کی اللہ کے اور نہ مہینہ عزت والے کی اور نہ

الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

قربانی کی اور نہ گانیوں کی اور نہ قصد کرنے والوں کی بیت الحرام کا

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ

کہ وہ چاہتے ہیں فضل اپنے رب کا اور رضامندی اور جب احرام کھول دو تم

فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

شکار کرسکتے ہو اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی کسی قوم کی کہ روکا تھا انہوں نے

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى

تمہیں مسجد الحرام سے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں مدد کرو

الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ

نیکی اور تقویٰ پر اور نہ مدد کرو آپس میں گناہ پر اور زیادتی پر

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٣﴾ حُرِّمَتْ

اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ سخت ہے سزا دینے میں حرام کیا گیا

ع

کی حرمت تمہیں قرآن کریم میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔اگر بعض حلال چیزیں احرام کی حالت میں حرام ہیں تو ان کا پورا پورا خیال رکھو۔خدا تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت ہے۔حج میں شکار کرنے سے دنیاداری میں پڑ کر حج کے مقاصدِ حقیقی سے محروم ہو جاؤ گے۔ اتنی بھیڑ میں تیر یا گولی سے کسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ قربانی سے تمہیں وافر گوشت مل جائے گا پھر شکار میں وقت ضائع کرنے کا فائدہ۔ غرض ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہو۔

۳۔ **قلآئد**۔ قلد کے معنی بٹنا۔قلادہ۔ وہ بٹی ہوئی گانی تھی جو بطور ہار قربانی کے جانور کو پہنائی جاتی۔ مراد وہ قربانی کے جانور ہیں جن کے گلے میں حرم کے ذبیحہ کے نشان کے طور پر ہار پہنائے گئے ہوں۔ **آمّین** ۔(**الامّ**۔ مقصد کی جانب متوجہ ہونا) قصد کرنے والے۔ **شعآئراللّٰہ**۔ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پتہ لگے اور خود اس کی عظمت کا بھی حکم ہو مثلاً نبی، ولی، عالم، فقیہ ،کعبہ، قربانی ، منیٰ ،عرفات، صفا و مروہ، قرآن کریم اور نبی کی اولاد جو بشارت سے ہوئی ہو۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ اگست ۱۹۰۹ء)

شعائر اللہ کی تعظیم بھی خدا کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں میں شامل ہے۔ حسن کا قول ہے کہ شعائر اللہ سے مراد دین اللہ ہے یعنی تمام دینی احکام کی حرمت لازم ہے۔یہاں ان خاص شعائر

اللہ کا ذکر کیا جو حج سے خاص ہیں۔

صلح نامہ حدیبیہ میں بظاہر کفار نے مسلمانوں سے ایسا ہتک آمیز سلوک کیا جو ان کے وقار کے منافی تھا۔اس لئے مسلمانوں کے دل میں ان کے خلاف کدورت پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ عربوں کے کئی قبیلے مدینہ کے قریب سے گزر کر حج کے لئے جاتے تھے۔ ہو سکتا تھا کہ کسی کمزور مومن کے دل میں خیال آتا کہ اگر ہمیں بلاجواز عمرہ سے روکا گیا ہے تو ہم بھی انہیں روکیں یا نقصان پہنچائیں اس لئے ان خاص حالات میں بھی ہدایت فرمائی اور جیسا کہ قرآن کریم کا دستور ہے، ہمیشہ کے لئے بھی احکام صادر فرمادیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نشان جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ پہچانا جاتا ہے، وہ قابلِ احترام ہیں۔ اسی طرح حرمت والے مہینے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندگان خدا کی سہولت کی خاطر حرمت دی اور ان میں ہر قسم کا لڑائی جھگڑا اور جنگ و جدل ممنوع قرار دیا ورنہ عرب جیسی اکھڑ قوم حاجیوں کو لوٹنے اور لڑائی جھگڑوں میں حج کی غرض و غایت سے محروم رہتی۔ قربانیاں انسان کو یہ سبق دیتی ہیں کہ اپنے آقا کے سامنے گردن جھکا دینی ہے خواہ ذبح بھی کردے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ اگست ۱۹۰۹ء) نیز قربانی دینے والے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد تازہ کرتی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے اشارے پر بیٹے تک کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور اس قربانی کو میرے پروردگار نے کس قدر قبولیت سے نوازا کہ ایک دنیا آپ کی اقتدا میں سعادت محسوس کرتی ہے۔ یہ فتح مکہ سے پہلے کی آیات ہیں گویا کفار تک کی حرمت کو واجب قرار دیا جبکہ وہ زائرین میں شامل ہوں۔اس طرح دشمن کے معاملہ میں بھی اصولوں پر کاربند رہنے اور درگزر کرنے کا سبق دیا اور دشمن بھی وہ جس نے دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔احرام کھولنے کے بعد یا حرم کی حدود سے نکلنے کے بعد بہت سی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ شکار کی اجازت حرم کی حدود سے نکلنے کے بعد ہے۔حرم کی حدود کے اندر سارا سال شکار ممنوع ہے کیونکہ سارا سال ہی زائرین کی بھیڑ رہتی ہے۔ البتہ موذی جانور کو مارنے کی اجازت ہے۔ کسی قوم کی دشمنی یا زیادتی کہ انہوں نے تمہیں خانہ کعبہ سے روکا، تمہیں زیادتی پر آمادہ نہ کرے۔ گویا تم اپنے بدترین دشمن کے معاملہ میں بھی عدل و انصاف اور عفو و درگزر سے کام لو بلکہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاؤ کہ دوست ہو یا دشمن نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے معاملہ میں ہرگز ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے چلا وہ اسلام سے نکل گیا(ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے ظالم بادشاہوں کے بڑے سے

عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور وہ کہ پکارا گیا (نام) غیر

اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اللہ کا جس پر اور گلا گھٹی ہوئی اور چوٹ لگی ہوئی اور اوپر سے گری ہوئی

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ

اور سینگ لگی ہوئی اور جسے کھا لیا ہو درندہ نے سوائے اسکے جسے ذبح کر لو تم اور جو ذبح کیا گیا

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

استھانوں پر اور یہ کہ قسمت معلوم کرو تم بذریعہ جوئے کے تیروں کے یہ گناہ ہے

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا دین سے تمہارے پس نہ ڈرو ان سے

بڑے عہدوں کو ٹھکرا دیا تا کہ ان کے ظلم میں ان کے مددگار نہ ہوں۔اس میں خصوصاً قاضی کا عہدہ ہے جو انہیں پیش کیا جاتا اور اسی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ قیامت کے روز آواز دی جائے گی کہ کہاں ہیں ظالم لوگ اور ان کے مددگار؟ یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے ظالموں کے قلم، دوات کو درست کیا ہے وہ بھی سب ایک لوہے کے تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔(تفسیر روح المعانی) اگر ان چند ہدایات پر ہی عمل ہو تو دنیا سے ہر گناہ اور ظلم کا قلع قمع ہو جائے مگر افسوس معاشرہ اس حد تک، بگڑ چکا ہے کہ لوگ سچی گواہی تک دینے سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو اس کی گرفت بہت سخت ہے۔

۴۔اکلِ حلال کی تشریح فرمائی۔اسلام نے کھانے پینے کے معاملہ میں اُنہی غذاؤں کو حلال قرار دیا جو جسمانی اور روحانی طور پر مضر نہ ہوں۔خون میں بہت سی زہریں اور بیماریوں کے جراثیم (GERMS) ہوتے ہیں اور درندگی پیدا ہوتی ہے اس لئے روحانی اور جسمانی لحاظ سے مضر ہے اور حرام ہے۔ یہ بہنے والا خون ہے ورنہ کچھ خون ذبح کے باوجود گوشت میں رہ جاتا ہے وہ مضر نہیں اس کے مضر اجزا پکانے اور بھوننے میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جانور خود بخود عام طور پر بیماری، زہر خوردنی یا زہریلا جانور کاٹنے سے یا بہت بوڑھا ہونے سے مرتا ہے اور خون گوشت کے اندر ہی رہ جاتا ہے اس لئے مردار حرام ہے نیز گلا گھٹنے سے، چوٹ لگنے سے، بلندی سے گرنے سے، سینگ یا لاٹھی وغیرہ کی ضرب سے اور درندہ کے کھانے سے بھی عموماً بہت کم خون نکلتا ہے یا بالکل ہی نہیں نکلتا اس لئے مردار کے حکم میں ہے سوائے اس کے کہ مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے

وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

اور ڈرو مجھ سے آج کامل کیا میں نے تمہارے لیے دین تمہارا اور پوری کی میں نے

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ فَمَنِ

تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پس جو

اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

مجبور ہو جاوے بھوک میں نہ جھکنے والا طرف گناہ کی تو یقیناً اللہ بہت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ اُحِلَّ

بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے۔ پوچھتے ہیں تجھ سے کیا کچھ حلال کیا گیا ہے انکے لیے تو کہدے حلال کی گئی

آنحضرت ﷺ نے احادیث میں ایک قانون کے طور پر واضح کردیا کہ ہر درندہ جو دانتوں سے پھاڑ کر کھاتا ہے حرام ہے جیسے شیر، بھیڑیا وغیرہ اور ہر جانور اور پرندہ جو اپنے پنجے سے شکار کرتا اور کھاتا ہے حرام ہے جیسے باز اور شکرا وغیرہ۔ نیز چوہا اور ہر قسم کا مردار خور جانور اور گدھا اور کتا وغیرہ بھی بوجہ مضر صحت حرام ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی بوجہ خون بہت کم ہونے کے ذبح کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ خنزیر کو خاص طور پر حرام قرار دیا کیونکہ یہ نجاست خور اور بے غیرت ہے۔ گناہوں کی جڑ غضب اور شہوت ہے جو اس جانور میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اس کے کھانے سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ پورا مغربی معاشرہ اس کا ثبوت ہے۔ جسمانی صحت کے لئے بھی مضر ہے۔ کولیسٹرول بلڈ پریشر اور دیگر کئی عوارض کے علاوہ موجودہ تحقیق سے ثابت ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کا خطرناک جرثومہ (Worm) پایا جاتا ہے جو انسان کے گھٹنوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے قریباً معذور کر دیتا ہے۔ مغربی اقوام باوجود اپنی سرتوڑ کوششوں کے اس جرثومے سے نجات حاصل نہیں کرسکیں۔ سؤر اور کتے وغیرہ کے گوشت کے نقصانات سے آج اہل مغرب اور بہت سی اقوام آگاہ ہوچکی ہیں۔ چنانچہ فلپائن کی حکومت نے ان جانوروں کے گوشت کو مضر صحت قرار دیتے ہوئے ان کے کھانے پر پابندی لگا دی ہے۔ کھانے والے کو معقول جرمانہ کے علاوہ قید کی سزا کا اعلان کیا ہے۔ (روزنامہ جنگ ۱۴ فروری ۱۹۹۶ء) نیز وہ تمام جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں یا جن کی تقسیم تیروں سے فال نکال کر ہو، حرام ہیں۔ ایسے تمام جانور جو بتوں کی قربان گاہوں پر ذبح کئے جاتے، پروہت وغیرہ کھاتے اور غریب عوام محروم رہتے نیز تیروں سے فال نکال کر جوا کھیلا جاتا۔ جس کا نام نکلتا وہ سارا گوشت لے جاتا باقی حقدار محروم رہتے۔ ایسا گوشت روحانیت کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ خدا کے علاوہ کسی کو حاجت روا ماننا، اس کے نام پر قربانی دینا، شرک اور خدا سے دوری ہے۔

اسلام نے ہر اس چیز کا قلع قمع کیا جس میں شرک کا شائبہ تک ہو یا حقوق العباد کی حق تلفی ہوتی ہو۔ غرض تمام احکام بتدریج نازل ہوئے۔ ابتدا میں توحید، فرشتوں ، رسولوں ، کتابوں پر ایمان، عبادت کے طریق، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے طریق بتلائے۔ پھر تمدن اور معاشرت کے اصول بتائے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام اور کھانے پینے تک کے احکام کھول کر بتا دیئے اور فرمایا کہ کفار جو آج تک اس دین کو مٹانے کے لئے کوششیں کرتے رہے ، اب اس کی تکمیل کی وجہ سے مایوس ہوگئے ہیں۔ وہ اب اس میں دخل اندازی نہیں کرسکیں گے۔ پس اب ان کی طرف سے تمہیں کوئی ڈر نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ امام راغبؒ نے خشیۃ اللہ کے معنی لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے مراد وہ خوف ہے جس میں تعظیم ملی ہوئی ہو یعنی اس کی عزت اور محبت دل میں ہو گویا خوف یہ ہو کہ کوئی امر اس کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔ فرمایا آج کے دن میں نے اس کتاب کے ذریعہ تمہارے دین کو مکمل کر دیا یعنی ایک کامل شریعت نازل فرما دی۔ ابن عباسؓ کے مطابق دین کی تکمیل سے مراد دین کے تمام احکام کو مکمل کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو جو تدریجاً نازل ہو رہی تھی تمام و کمال تک پہنچا دیا گویا قرآن کریم کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ جن پر قرآن نازل ہوا ان کی تربیت بھی کمال تک پہنچ گئی اور ان کی تکمیل بھی ہوگئی (حضرت مسیح موعود علیہ السلام نور القرآن نمبر ا صفحہ ۱۲۔۱۹) یعنی انہیں دینی اور دنیوی نعمتوں سے یہاں تک نوازا کہ کسی کے محتاج نہ رہے بلکہ دوسرے ان کے محتاج ہوگئے۔ فرمایا میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔ پس میری رضا اس میں ہے کہ تم دینِ اسلام قبول کرو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ یہود نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے کہ اگر ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بناتے اور یہ آیت پڑھی: **الیوم اکملت** .... حضرت عمرؓ نے فرمایا! یہ آیت کب نازل ہوئی؟ کس وقت نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفہ کا دن تھا۔ عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اکیاسی ۸۱ دن زندہ رہے نیز یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ رو پڑے کیونکہ آپ اپنی فراست سے سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات قریب ہے ، کیونکہ دین کی تکمیل سے نبی کے کام کی تکمیل کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اسی آیت میں قرآن کریم کا آخری حکم دیا کہ اگر کوئی بھوک کی شدت سے حرام کھانے پر مجبور ہو جائے ، اس حال میں کہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو حرام میں سے صرف اس قدر

لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ

ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور وہ جنہیں سکھایا تم نے شکاری جانوروں میں سے شکار کا طریق سکھاتے ہوئے

تُعَلِّمُوۡنَہُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۫ فَکُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَکۡنَ

سکھاتے ہو تم انہیں اس سے جو سکھایا تمہیں اللہ نے پس کھاؤ اس سے جو روک رکھیں وہ (شکاری

عَلَیۡکُمۡ وَاذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ عَلَیۡہِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

جانور) تم پر اور ذکر کرو نام اللہ کا اس (شکار) پر اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ

سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۝٥ اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ

جلد لینے والا ہے حساب آج حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور

کھانا جائز ہے کہ زندگی کی ڈور بندھی رہے۔ پس مجبوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یقیناً بہت معاف کرنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔

٥۔ **جوارح۔ جرح** ۔ زخم۔ جوارح شکاری جانور جو شکار کو زخمی کرکے لاتے ہیں۔ **مکلّبین** ۔ کلب بمعنی کتا۔ مکلب کتے کو سکھانے والا ۔ شکار کے پیچھے چھوڑنے کے معنی میں بھی آتا ہے (تفسیر قرطبی) مکلبین۔ کتے کو شکار سکھانے والے۔

فرمایا تمام پاک چیزیں حلال ہیں جو طیب ہوں گویا حلال میں بھی طیب کی شرط ہے۔ جیسا کہ حلال کھانا بوسیدہ ہوکر غیر طیب ہوجاتا ہے اور حلال نہیں رہتا۔ غرض جو جسمانی اور روحانی طور پر مفید ہو، ضرر رساں نہ ہو۔ اس آیت میں اس شکار کو بھی حلال قرار دیا جو حرام جانور اپنے مالک کے لئے شکار کرے خواہ شکار مرجائے یا زندہ رہے۔ زندہ ہو تو ذبح کرنا ضروری ہے البتہ شکاری پرند یا جانور کو چھوڑنے سے پہلے تکبیر پڑھنا ضروری ہے۔ اسی طرح شکار پر تیر یا گولی چلانے سے پہلے تکبیر یعنی **بسم اللہ، اللہ اکبر** پڑھنا ضروری ہے۔ بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ انسان کسی جاندار کی جان لینے کا مجاز نہیں۔ تکبیر پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرنا ہے جو مالکِ حقیقی ہے۔ باز یا کتے وغیرہ کے پکڑے ہوئے شکار کو جائز اس لئے قرار دیا کہ انسان نے ان کو تربیت دی۔ اس طرح ان کا شکار سکھانے والے کی طرف منسوب کیا۔ **ممّا علّمکم اللّٰہ** میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی جبلت میں یہ تمام علوم رکھے کہ وہ خونخوار جانوروں کو اس طرح سدھائے کہ وہ شکار کو زندہ حالت میں مالک کے لئے روکے رکھیں۔ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ کتے وغیرہ کے منہ میں موجود لاعلاج بیماری باؤلا پن (Rabies) کے جراثیم اس کے شکار کئے ہوئے گوشت کے ذریعہ تصرف الٰہی سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے جبکہ اسے خوب اچھی طرح بھون لیا گیا ہو۔

طَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمۡ ۪ وَطَعَامُکُمۡ حِلٌّ

کھانا ان لوگوں کا جو دیئے گئے کتاب حلال ہے تمہارے لیے اور کھانا تمہارا حلال ہے

لَّہُمۡ ۫ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ

ان کے لیے اور (حلال کی گئیں) پاکدامن عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور پاکدامن عورتیں ان

الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ

لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے جبکہ دے دو تم ان عورتوں کو

اُجُوۡرَہُنَّ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ

مہر ان کے قید نکاح میں لاتے ہوئے نہ شہوت مٹاتے ہوئے اور نہ بناتے ہوئے

٦۔ **محصنین** ۔ حصن بمعنی قلعہ ہے۔ محصنین گویا عفت کے قلعہ میں داخل ہوگئے۔ محصنین عام طور پر بیاہے ہوئے پرہیزگار مردوں اور **محصنٰت** بیاہی ہوئی پرہیزگار عورتوں کے لئے آتا ہے یہاں محصنین سے مراد ہے کہ ان کو قید نکاح میں لاتے ہوئے۔ **غیرمسافحین** ۔ نہ کہ کھلی بدکاری کے مرتکب بنتے ہوئے۔

اس آیت میں اسلام نے اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی پاکدامن عورتوں کو مسلمانوں پر حلال کرکے عالمی برادری کی بنیاد ڈالی۔ فرمایا کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں یہاں تک کہ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ شوکانیؒ کے مطابق اہل کتاب کا ایسا گوشت مسلمانوں پر حلال ہے اگرچہ اس پر اللہ کا نام نہ بھی لیا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں ایسا کھانا جائز نہیں۔

اگر اہل کتاب سے مراد یہود ہیں جیسا کہ مدینہ اور عرب میں اس وقت یہود ہی آباد تھے تو ان کا ذبیحہ قطعاً اسلامی ہے اور بہر صورت جائز ہے۔ اگر ان میں عیسائی بھی شامل ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے دونوں کو اہل کتاب کہا تو عیسائی اللہ کا نام لیتے ہیں نہ ذبح کرتے ہیں بلکہ مشینوں سے جھٹکا کیا جاتا ہے جو مکروہ ہے اور اضطراری صورت میں کھانے والے مسلمانوں کو بطور خاص بسم اللہ پڑھ لینی چاہیے۔ شرط بہرحال حلال اور طیب کی ہے۔ اگر علم ہو جائے کہ ان کے کھانے میں حرام کی ملاوٹ ہے تو ایسا کھانا حرام ہوگا۔ جس طرح ان کے کھانے میں پاک و طیب کی شرط ہے اسی طرح اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کے لئے پاکدامنی کی شرط ہے۔ کہ نہ تم ان سے اعلانیہ بدکاری کرنے والے بنو، نہ چھپ کر دوستیاں کرنے والے۔ یہ اسی صورت میں تمہارے لئے جائز ہیں کہ دیگر مسلمان عورتوں کی طرح انہیں نکاح میں لاکر ان کے حق مہر ادا کرو۔ کھلی بدکاریوں

اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَ

پوشیدہ یار اور جو انکار کرے ایمان کا تو یقیناً حبط ہوگئے اس کے عمل اور

هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

وہ آخرت میں ناکاموں میں سے ہے اے لوگو جو ایمان لائے

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

جب کھڑے ہو تم طرف نماز کی تو دھو لیا کرو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ

اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى

کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھو لیا کرو) اپنے پیروں کو

الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ

ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو غسل کر لیا کرو اور اگر ہو تم

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ

بیمار یا سفر پر یا آوے کوئی تم میں سے جائے ضرور سے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا

اور چھوا تم نے عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو

اور پوشیدہ دوستیوں میں آج کے مغربی معاشرہ کی صحیح تصویر کشی کی۔پاکدامنی کی اس شرط پر اس وقت کی اہل مغرب خواتین شاذ ہی پوری اترتی ہیں۔اسلام عالمی مذہب ہے پس اضطراری حالت میں ان سے شادی کو جائز تو رکھا لیکن مکروہ ضرور ہے۔جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ کے اہل کتاب سے نکاح کی اطلاع پر انہیں فوراً طلاق کا حکم دیا کہ تمہاری اقتدا میں دوسرے مسلمان بھی ایسا کریں گے اور ان عورتوں کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں کے حقوق پامال ہوں گے۔(کتاب الاثارص ١٥٦) نیز اولاد پر ماں کے مذہب اور اخلاق و اطوار کا اثر پڑنا قدرتی امر ہے سوائے اس کے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلامی حکومتوں کے زوال کا باعث مسلمان حکمرانوں کی عیسائی بیویاں بھی تھیں۔ **یکفر بالایمان** میں ان یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے جو ایمان کو سچا سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں یعنی اس پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے۔ایسے لوگوں کے اعمال یقیناً ضائع ہوگئے۔یہ دنیا کی سزا سے تو شاید بچ جائیں لیکن آخرت میں سخت گھاٹا پانے والوں میں سے ہوں گے۔

٧۔ پچھلے رکوع میں حلال و حرام کے احکام تھے۔قرآن کریم نے اکثر ظاہر و باطن کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔اس رکوع میں بھی روحانی پاکیزگی یعنی نماز سے پہلے جسمانی پاکیزگی یعنی وضو اور جنبی ہونے کی صورت میں غسل کا حکم دیا۔وضو کی کسی قدر تفصیلات بتائیں حالانکہ اسی طریق

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

مٹی پاک کا پھر مسح کرو اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا اس

مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ

(مٹی) سے نہیں چاہتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی تنگی

وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

و لیکن وہ چاہتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور تاکہ پوری کرے اپنی نعمت تم پر

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٧ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

تاکہ تم شکر کرو اور یاد کرو نعمت اللہ کی اپنے پر اور

مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ

عہد اس کا جو کر لیا اس نے تم سے جب کہ کہا تم نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے

سے وضو شروع سے رائج تھا اس سے ثابت ہوا کہ وحی خفی بھی وحی متلو کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھی جسے اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت نے آنحضرت ﷺ تک ہی محدود رکھا اور آپؐ نے اپنی سنت سے امت پر واضح کیا۔اس سے سنت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے اہم ترین رکن یعنی نماز کی وضاحت بھی سنتِ رسول سے ہی واضح ہوتی ہے۔ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ فطری امر ہے کہ ہاتھ پاک کرکے ہی منہ دھویا جاتا ہے۔

نماز سے پہلے وضو کا حکم ہے لیکن جنابت کی حالت میں غسل ضروری ہے تیمّم کی تفصیل سورۃ نساء آیت ٤٤ میں گزرچکی ہے نیز سورۃ بقرہ ٤ میں بتایا جا چکا ہے کہ وضو اور نماز میں بے شمار روحانی و جسمانی فوائد کے علاوہ طبی فوائد بھی ہیں۔پانی ضرورت سے کم ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کا حکم ہے کہ طہارت کی روح قائم رہے۔اس حکم سے غرور و نخوت کی جڑ کاٹنا بھی مقصود ہے کہ اسی مٹی سے تمہیں پیدا کیا اسی میں تم ملنے والے ہو۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ٥ اگست ١٩٠٩ء)

اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں چاہتا۔پانی نہ ہونے یا کم ہونے کی صورت میں بوقت ضرورت تیمّم، وضو یا غسل کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔شریعت کی تمام تفصیلات کا مقصد تم میں طہارت پیدا کرکے اپنی نعمتوں کو تم پر کامل کرنا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

٨۔ **وَاثَقَ**۔اس نے مضبوط کیا۔

اللہ تعالیٰ نے شریعت کاملہ یعنی ایک مکمل اور ابدی ضابطہ ہدایت دے کر تم پر جو احسان کیا ہے اسے یاد کرو اور اس عہد کو بھی یاد کرو جسے اس ذاتِ باری تعالیٰ نے تمہارے ساتھ مضبوطی

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۸ يٰٓاَيُّهَا

اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے (بات) سینوں والی کو اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ

لوگو جو ایمان لائے ہو ہو جاؤ درست اور سیدھے اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے انصاف کے ساتھ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ

اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی کسی قوم کی اس پر کہ نہ عدل کرو تم (بلکہ) عدل کرو (یہ عدل

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

کرنا) قریب تر ہے تقویٰ کے اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے اسکی

تَعْمَلُوْنَ ۝۹ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

جو تم کرتے ہو وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور کیں انہوں نے نیکیاں

سے باندھا تھا۔ یہاں کون سے عہد کا ذکر ہے؟ **الست بربکم قالوا بلٰی** بھی عہد ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہوا۔ نبیوں والا عہد بھی مراد ہو سکتا ہے جو ہر نبی نے اپنی امت سے لیا کہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ پھر **اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول** بھی ایک عہد ہے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ ۸۴) جس پر صحابہ نے لبیک کہا اور اپنی زندگی کے ظاہر و باطن کو خدائی احکام کے مطابق ڈھال دیا۔ ہر مومن کی زندگی بھی اسی حکم کی بجاآوری میں گزرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو وہ سینے کی باتوں تک کو خوب جانتا ہے۔

۹۔ **قوّامین۔ قوّام** ۔سیدھا کھڑا ہونے والا۔ نگرانی کرنے والا۔

فرمایا اے مومنو! تم انصاف کے ساتھ شہادت دیتے ہوئے، اللہ کی خاطر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ گویا یہ جوانمردوں کا کام ہے۔ کمزور ایمان والوں کا کام نہیں۔ پھر اس سے بھی بڑا کام یہ ہے کہ اپنی دشمن قوم سے انصاف کرو اور ان کے حقوق ادا کرو۔ فرمایا انصاف کرو، انصاف تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ عدل محض عدالتوں کے دائرہ کار تک محدود نہیں بلکہ معاشرتی زندگی میں ہر شخص پر عدل واجب ہے۔ کسی بھی اہل کا حق چھین کر نااہل کو دینا عدل کے منافی ہے بلکہ جائز امور میں بھی حدِ اعتدال سے بڑھنا عدل کے تقاضا کو پورا نہیں کرتا۔ خواہ کھانے پینے کا معاملہ ہو یا عیش و عشرت کا (حضرت مسیح موعود علیہ السلام البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶) پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا بھی کوئی ہے۔

۱۰۔۱۱۔ قبولِ ایمان کے بعد جن مومنین کے اعمالِ صالحہ کا پلڑا بھاری ہوگا ان کے لئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۱ يٰٓاَيُّهَا

جھٹلایا آیات کو ہماری یہ لوگ ہیں دوزخ والے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ

لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت اللہ کی اپنے پر جبکہ ارادہ کیا تھا

قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ

ایک قوم نے کہ دراز کریں طرف تمہاری اپنے ہاتھ پس روکا اس نے ہاتھوں کو انکے

عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ ع ۲

تم سے اور ڈرو اللہ سے اور اللہ پر پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں مومن

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا

اور یقیناً یقیناً لیا اللہ نے وعدہ بنی اسرائیل سے اور مقرر کئے

مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ

ان میں بارہ نقیب (سردار) اور کہا اللہ نے کہ یقیناً میں ساتھ ہوں تمہارے بشرطیکہ

اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

قائم کی تم نے نماز اور دی تم نے زکوٰۃ اور ایمان لائے تم رسولوں پر میرے

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور مدد کی تم نے ان کی اور قرض دیا تم نے اللہ کو قرض اچھا

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

ضرور ضرور دُور کردوں گا تم سے برائیاں تمہاری اور ضرور ضرور داخل کروں گا تم کو باغات میں کہ بہتی ہیں

مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے البتہ وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تو یہی ہیں جو اہل جہنم ہیں۔

۱۲۔ مکی زندگی ہو یا مدنی، کفار و مشرکین نے آپؐ پر دست درازی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا پس چند واقعات کو اس آیت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی تھا کہ ہر موقع پر ان کے ہاتھوں کو روک کر اس مٹھی بھر جماعت کو بچا لیا۔ پس ان جانی دشمنوں کے معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی ان کے معاملہ میں بھی عدل و انصاف سے کام لو۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے کہ اس عدل کی وجہ سے وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔

۱۳۔ **نقیبًا۔ نقیب** ۔نقب ۔بمعنی سوراخ کرنا۔ نقیب نگران اور سردار کے معنی میں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ

نیچے جن کے نہریں پھر جس نے کفر کیا بعد اس کے تم میں سے تو یقیناً

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۳﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

گمراہ ہوا وہ درست راہ سے پس بسبب ان کے توڑنے کے اپنا عہد

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

لعنت کی ہم نے ان پر اور بنایا ہم نے دلوں کو ان کے سخت وہ بدلا دیتے ہیں باتوں کو

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ

جگہوں سے ان کی اور بھول گئے وہ ایک حصہ اس سے کہ وہ نصیحت کئے گئے تھے جسکے ذریعہ اور تو رہے گا

تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

ہمیشہ مطلع ہوتا خیانت پر ان کی طرف سے سوائے تھوڑوں کے ان میں سے پس درگذر کر

استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ قوم کے حالات کی خبر رکھتا ہے۔ **عزّر تموھم** ۔ تعزیز وہ مدد ہے جس میں تعظیم بھی ہو۔ تعزیر سزا دینے کے لئے بھی آتا ہے کیونکہ ایک طرح سے مجرم کی مدد کرنا ہی ہے تاکہ جرم سے رک جائے۔

پہلے دو رکوع میں مسلمانوں کو اللہ تعالٰی سے کیا ہوا عہد یاد دلایا۔اس رکوع میں بتایا کہ تم سے پہلی قوموں سے بھی اللہ تعالٰی نے عہد لیا اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لئے ہر قبیلہ سے ایک ایک نگران ان پر مقرر کیا تاکہ اس عہد کی پابندی خود بھی کرے اور اپنی اپنی قوم سے بھی کروائے۔اللہ نے انہیں کہا گویا یہ اللہ کا وعدہ تھا کہ میری تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے بشرطیکہ میرے عہد کی پابندی کرو۔اس عہد میں سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہی تھا۔پھر یہ حکم تھا کہ میرے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہنا،اشاعت دین میں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرنا اور اللہ تعالٰی کو اچھا قرضہ دینا گویا رسولوں پر ایمان لانے کے بعد زکوٰۃ کافی نہیں۔ہر نبی کی آمد پر مزید مالی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو بطور قرضہ حسنہ ہے۔دوسرے ذرائع کے علاوہ نبی کی مدد کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔غرض اللہ تعالٰی کی رضا میں جو مال بھی خرچ کرو اور جو قربانی بھی دو، اسے قرضہ قرار دیا جو اللہ تعالٰی پر لوٹانا واجب ہے۔جب ایک انسان ان تمام راہوں کو اختیار کرے گا اور اللہ تعالٰی سے کئے ہوئے عہد کو نبھائے گا تو اس کی برائیاں خود بخود مٹتی چلی جائیں گی۔اگر کوئی رہ بھی گئی تو غفور الرحیم ضرور معاف فرمادے گا اور انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔جو اس کے بعد بھی انکار کرے تو وہ جان لے کہ وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا ہے۔

عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَمِنَ

ان سے اور معاف کر یقیناً اللہ پسند کرتا ہے محسنوں کو اور ان

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا

لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم عیسائی ہیں لیا تھا ہم نے وعدہ ان سے پس وہ بھول گئے

حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

ایک حصہ اس سے کہ وہ نصیحت کئے گئے تھے جس کے ذریعہ پس ڈالدی ہم نے درمیان ان کے دشمنی

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا

اور بغض تا روز قیامت اور عنقریب آگاہ کرے گا ان کو اللہ اس سے

۱۴۔**قٰسیة ۔ قسوۃ** ۔ دل کی سختی۔جس میں ذکر الٰہی اثر نہ کرے جیسے فرمایا۔ **فویل للقٰسیة قلوبھم من ذکر اللہ** ط۔ (الزمر۔۲۳)

جب یہود نے اللہ تعالٰی سے کیا ہوا پختہ عہد توڑ دیا اور احکام الٰہی پر عمل درآمد چھوڑ دیا تو اللہ تعالٰی نے بھی ان پر لعنت کی اور انہیں اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔اللہ تعالٰی کی رحمت سے محروم ہونا ان سے ہمیشہ کے لئے نبوت اور حکومت کا چھن جانا ہے۔گویا یہ دینی اور دنیوی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔پس ان کے دل سخت ہوگئے جن پر اللہ تعالٰی کے ذکر کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔اس پتھر دلی کی وجہ سے ان پر الہام و کشوف کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور یہ اتنے نڈر ہوگئے کہ کلام الٰہی میں من مانی تحریفیں کرتے ہیں۔مضارع کا صیغہ ہے گویا آئندہ بھی ایسا کریں گے۔یہ اس وقت کہا گیا کہ جب علمائے یہود کی کتاب الٰہی میں تحریف کا یہود عوام کو علم نہ تھا لیکن آج کل یورپین محققین اس تحریف کو تسلیم کرتے ہیں۔اس طرح انہوں نے خدا تعالٰی کی طرف سے دی گئی نصائح کے ایک حصہ کو بھلا دیا تھا۔یہ تو ان کی کتاب الٰہی میں خیانت تھی۔فرمایا یہ ہمیشہ خیانتیں کرتے رہیں گے جن کا علم تجھے ہمیشہ ہوتا رہے گا سوائے ان چند لوگوں کے جنہوں نے اسلام قبول کرکے ان کی روش سے علیحدگی اختیار کرلی۔جیسے عبداللہ بن سلام زید بن سعنہؓ اور مخیرؓق وغیرہ۔ان کی اپنی الہامی کتابوں سے بد دیانتی اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بدترین سلوک اور ان کی تمام تر بد اعمالیوں کے باوجود ان کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا تاکہ تم اپنے بدترین دشمن پر احسان کرکے اللہ تعالٰی کے محبوب بنو۔

۱۵۔**اغرینا۔ غرِیَ بکذا**۔ کسی چیز کے ساتھ لگنا یا چمٹ جانا ہے۔**اغرینا**۔ہم نے

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٥﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا

جو تھے وہ کرتے اے اہل کتاب یقیناً آیا تمہارے پاس رسول ہمارا

يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت کچھ اس سے جو تھے تم چھپاتے کتاب میں سے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ

اور درگذر کرتا ہے بہت سے یقیناً آیا تمہارے پاس طرف سے اللہ کی نور اور کتاب

مُّبِيْنٌ ﴿١٦﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

کھلی کھلی ہدایت دیتا ہے بذریعہ اسکے اللہ اسے جس نے پیروی کی راضی کرتے ہوئے اس (اللہ) کو راستوں

ڈال دیا۔ مراد مقدر کر دیا۔

یہ عہد یہود سے ہی خاص نہ تھا، نصاریٰ سے بھی لیا گیا اور انہوں نے بھی یہود کی طرح خدائی احکام کے ایک معتدبہ حصے کو فراموش کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیامت تک کے لئے ان میں آپس میں دشمنی اور بغض و عناد پیدا ہوگیا۔ اس آیت سے اس خیال کا رد ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے آنے سے صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ **یصنعون** میں ان کی صنعتوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششیں دنیا کے لئے ہی ہیں بلکہ اب تو تباہ کن ہتھیار بنا کر دنیا کی تباہی کے لئے بھی ہیں۔ فرمایا جو صنعتیں وہ بنایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اس کے بدانجام سے ضرور آگاہ کرے گا۔

اس وقت بظاہر عیسائیوں میں اتنا نفاق نظر نہیں آتا۔ اوّل تو یہ سب نام کے عیسائی اور لامذہب ہیں۔ ان میں جو کٹر قسم کے عیسائی ہیں جیسے رومن کیتھولک وغیرہ۔ ان میں اور پروٹسٹنٹ میں بہرحال خاصا اختلاف ہے اور بغض و عداوت بھی ہے۔ یہ بغض و عداوت ان کے لئے بطور سزا ہے جو قیامت تک کے لئے ہے۔ اس سے مسلمان اپنی حالت کا جائزہ لے سکتے ہیں جو واقعی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں کہ ان کے لئے یہ سزا ہی نہیں، خدا تعالیٰ کا عذاب بھی ہے۔ قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کے عبرت آموز حالات بتانے کا مقصد مسلمانوں کو ہی متنبہ کرنا ہے جو قرآن کریم کو پڑھتے ہیں تاکہ ان سے سبق سیکھیں۔ ورنہ یہود و نصاریٰ تو قرآن کریم نہیں پڑھتے۔

١٦۔ یہود و نصاریٰ کو بتایا کہ تمہاری پیش گوئیوں کے مطابق ہمارا یہ رسول تمہارے پاس آچکا ہے جس کی پیشگوئیوں کو تم اپنی کتاب میں چھپاتے تھے لیکن اس کے آنے سے یہ چھپی نہیں رہ سکیں۔ وہ ان میں سے بہت سی باتیں خوب کھول کر بیان کر رہا ہے اور بہت سی ایسی ہیں جن سے

السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

کی سلامتی کے اور وہ نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے طرف نور کی ساتھ اپنے حکم کے

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٧﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

اور ہدایت دیتا ہے انہیں طرف راہ سیدھی کی یقیناً یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ

جنہوں نے کہا یقیناً اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے تو کہدے پس کون

يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ

مالک ہے بمقابل اللہ کے کسی بات کا اگر وہ ارادہ کرے یہ کہ ہلاک کرے مسیح ابن

مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

مریم کو اور ماں کو اسکی اور ان کو جو زمین میں ہیں سب کو اور اللہ کی ہی ہے بادشاہی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ

آسمانوں کی اور زمین کی اور جو درمیان ہے ان دونوں کے وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور

صرفِ نظر کر رہا ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ باوجود اس کے کہ تمہاری کتابِ الٰہی میں تحریف سب پر ظاہر ہوگئی ہے۔ تمہاری بہت سی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے۔ پس اے یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور کتاب مبین آچکی ہے یہ نور ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں نور اور **سراجًا مُنیرًا** کہا (احزاب ٤٧) روشن کتاب قرآن کریم ہے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام مکتوبات جلد ٣ صفحہ ٣٧ حاشیہ) جو طالبان حق کو صحیح راستہ دکھاتی ہے۔

١٧۔ پس وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلنے والے ہمیشہ ہدایت کی تلاش میں رہتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا کوئی اور، اس روشن اور واضح کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی کی راہیں دکھا دیتا ہے یعنی جب وہ قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ضرور ہدایت پا جاتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حکم سے انہیں ہر قسم کی ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے یعنی پھر ان کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی گویا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں نور کو واحد کہا، جبکہ ظلمات جمع ہیں۔ اس لئے کہ نور ایک ہی ہے، جبکہ تاریکیاں اور گناہ بکثرت ہیں۔

١٨۔ اس آیت میں الوہیتِ مسیح کے باطل عقیدے کا رد ہے اور ان لوگوں کا جواب ہے جو مسیح کو خدا کہتے ہیں یعنی مسیحؑ کے روپ میں خدا دنیا میں آیا۔ مسیحؑ کی خدائی کا دعویٰ اس لئے بھی باطل ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اس کا ازل سے ہونا بھی ہے جبکہ مسیحؑ، مریم کے

اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۸﴾ وَقَالَتِ الۡیَہُوۡدُ وَالنَّصٰرٰی نَحۡنُ

اللہ ہربات پرخوب قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہودیوں اور عیسائیوں نے کہ ہم

اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ ؕ

بیٹے ہیں اللہ کے اور پیارے ہیں اسکے تو کہدے پھر کیوں عذاب دیتاہے تمہیں بسبب گناہوں کے تمہارے

بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ

(نہیں) بلکہ تم انسان ہو ان میں سے جو پیدا کئے اس نے وہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور

یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ

عذاب دیتاہے جسے چاہتاہے اور اللہ ہی کی ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور

مَا بَیۡنَہُمَا ۫ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۹﴾ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ

جو درمیان ہے ان دونوں کےاور طرف اس کی ٹھکانا ہے اے اہل کتاب یقیناً

بعد پیدا ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایاکہ **ان اراد** میں ان تاکیدیہ ہے(تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ ۴۵۰) یعنی بمعنی **اذ** ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ اور اس کی ماں اور ان کو جو زمین میں ہیں مارنے کا ارادہ کیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو اس کی ماں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک ہی صف میں رکھا۔پس جب آپ کی ماں وفات پاگئیں اور روئے زمین میں جو بھی تھے ہلاک ہوچکے۔تو مسیحؑ کیونکر زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابل کس کو کچھ اختیار ہے کہ اسے مارنے سے روکے۔زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی ہی حکومت ہے۔وہ جو کچھ چاہتاہے پیداکرتاہے ہر چیز پر پورا پورا قادرہے پھر مسیحؑ جو ایک کمزور انسان ہے ان خدائی صفات میں کیونکر اس کا شریک ہوگیا۔

۱۹۔یہ تو نصاریٰ کا اپنے نبی کے بارے میں زعمِ باطل تھا۔خود نصاریٰ اور یہود اپنے متعلق بھی کچھ کم خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں۔اولادِ انبیاء ہونے کی وجہ سے خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے ہیں اور دونوں خود کو خدا کے بیٹے اور پیارے سمجھتے ہیں۔آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لانے میں بھی یہی تکبر مانع تھا بیشک مقربانِ الٰہی کو گزشتہ صحیفوں میں ان الفاظ سے پکاراگیا۔جس طرح اسلام نے ولی اللہ اور عباداللہ وغیرہ کہا لیکن نصاریٰ نے اسے ظاہر پر محمول کرکے خود کو اللہ تعالیٰ کے بیٹوں سے کم نہیں سمجھا۔یہود کے زعمِ باطل میں اوّل تو انہیں دوسروں کی طرح عذاب ہوگا نہیں۔اگر ہوا بھی تو چند دن۔ نصاریٰ کے گناہوں کا تو سارا بوجھ ہی مسیحؑ نے اٹھالیااب ان کو عذاب کیسا؟ پس جب آخرت میں تمہارا اللہ تعالیٰ سے خاص معاملہ ہے تو دنیا میں تمہاری شامت اعمال سے تم پر

عذاب کیوں آتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح محض بشر ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔اگر اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لاؤ گے اور اعمال صالحہ بجا لاؤ گے تو اللہ تمہارے حق میں ضرور بخشش ہی چاہے گا۔ورنہ نافرمانوں کے لئے عذاب مقرر ہے۔ ملحقہ آیت میں الوہیت مسیح کے عقیدے کا ابطال کرکے بتایا تھا کہ زمین و آسمان پر اللہ تعالیٰ کی ہی حکومت ہے اور کوئی اس اقتدار میں اس کا شریک نہیں۔یہاں یہود و نصاریٰ کے اپنے متعلق باطل خیالات کی تردید کے بعد فرمایاکہ زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پس ان متکبرانہ خیالات سے باز آجاؤ۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTAمیں) فرماتے ہیں **وما بینھما** کا ذکر کسی مذہبی کتاب میں نہیں لیکن قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ جسے تم خلا سمجھ رہے ہو وہ کوئی خالی جگہ نہیں۔اس میں ایک دنیا آباد ہے۔اوّل تو تمام اجرامِ فلکی اسی فضا میں ہیں نیز فضا میں Dark Matter ہے جس کی وجہ سے فضا میں مہیب اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ جہاں ڈارک میٹر نہیں وہاں Ether ہے جو روشنی کی رفتار میں فرق نہیں پڑنے دیتا اور وہ ہمیشہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ رہتی ہے۔

جس طرح اوزون(Ozone) کی دیوار کاسمک ریز کو روکتی ہے اسی طرح ایک دیوار ایتھر کی لہروں کو روک کر زمین کی طرف لوٹا دیتی ہے اور ہم ریڈیو وغیرہ سن سکتے ہیں۔آئن سٹائن نے تسلیم کیا کہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کچھ نہ ہو۔

نیز آج کے محققین نے بھی ثابت کیا کہ زمین اور زمین پر موجود ہر چیز سے مختلف گیسیں اور بخارات نکل کر ہرطرف پھیل رہے ہیں۔اگر خوردبین سے دیکھاجائے تو معلوم ہوگا کہ ایک انچ خلا میں کروڑوں اجرامِ فلکی کی شعائیں(Rays)ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گزر رہی ہیں۔ پروفیسر Arthur Addington کاسمک شعاؤں(Cosmic Radiation) پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شعائیں عالم بالا سے تخلیق ارض سے پہلے روانہ ہوئیں وہ زمین پر اب پہنچ رہی ہیں۔یہ مقدار میں بہت کم اور طاقت میں بہت زیادہ ہیں۔ نباتات اور پھولوں میں تنوع انہی کی وجہ سے ہے۔

۲۰۔**فترۃ**۔درمیان میں خلل یا وقفہ پڑجانا اسی سے فتور ہے۔فترہ دو نبیوں کا درمیانی وقفہ۔ایک لمبا انقطاع۔

اہلِ کتاب ہی مخاطب ہیں کہ اتنے لمبے عرصہ سے یعنی یہود کے لئے قریباً ایک ہزار سال

جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ
آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے وقفہ پر

الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا
رسولوں کے یہ کہ کہدو تم نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ

نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
ڈرانے والا یقیناً آیا تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ ہر بات پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
خوب قدرت رکھنے والا ہے اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے قوم میری یاد کرو

ع ۳/۸

نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ
نعمت اللہ کی اپنے پر جبکہ بنائے اس نے تم میں نبی اور بنایا تم کو

مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۱﴾
بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا کسی کو تمام دُنیا میں سے

سے کیونکہ یہود کے آخری نبی ملاکی نبی تھے جو قریباً چار سو سال قبل مسیح آئے اور نصاریٰ کے لئے چھ سو سال سے کوئی نبی نہیں آیا اگر تم اپنے دعویٰ کے مطابق ایسے ہی اللہ کے پیارے اور مقرب تھے تو کوئی نہ کوئی نبی تم میں ضرور آتا۔جو اِن خرابیوں کو دور کرتا جو اس لمبے عرصہ میں پیدا ہوئیں۔اس سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ تمہارا مقربِ الٰہی ہونے کا دعویٰ غلط ہے پس رسولوں کے ایک لمبے انقطاع کے بعد تمہارے پاس یقیناً ہمارا یہ رسول آچکا ہے جو احکامِ الٰہی اور دیگر اہم امور خوب کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔پس یقیناً تمہارے پاس بشیر اور نذیر آچکا ہے۔اگراس پر ایمان لاؤ گے تو دنیا و آخرت میں جنتوں کی بشارت پاؤ گے۔ورنہ دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔اللہ ہر بات پر قادر ہے وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا و سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

۲۱۔ پچھلے رکوع میں بنی اسرائیل کو آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی اس رکوع میں بتایا کہ تم پہلے اپنے عظیم المرتبت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکم عدولی کرکے ان کی بددعا کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو چکے ہو اب مثیلِ موسیٰ پر ایمان لاکر دوبارہ ان نعمتوں کے وارث بن سکتے ہو یعنی نبوت و حکومت حاصل کرسکتے ہو۔ورنہ اب بھی ذلالت تمہارا مقدر ہوگی۔ نبوت کے لئے فرمایا کہ تم میں سے انبیاء ہوئے۔ظاہر ہے ساری قوم نبوت کی اہل نہیں ہوتی۔ان میں سے خاص کو اللہ تعالیٰ اپنی موہبت سے نبوت عطا فرماتا ہے جو ساری قوم کے لئے اللہ کی نعمت ہے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ
اے قوم میری داخل ہو ارض مقدس میں وہ جو کہ لکھدی اللہ نے

لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۲﴾
تیرے لیے اور نہ پھرو اپنی پیٹھوں پر پس ہو جاؤ گے تم ناکام

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ
انہوں نے کہا اے موسیٰ یقیناً اس میں ہے قوم سرکش اور ہم ہرگز نہیں

نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا
داخل ہونگے اسمیں یہانتک کہ نکل جاویں وہ اس سے پس اگر نکل جائیں گے وہ اس سے

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ
تو ہم داخل ہونیوالے ہیں کہا دو آدمیوں نے ان لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے انعام کیا تھا

پھر فرمایا تم سب کو بادشاہ بنایا حالانکہ بادشاہ بھی چند ایک ہوتے ہیں۔اس میں اشارہ ہے کہ جس قوم کو حکومت ملتی ہے تو گویا وہ پوری قوم ہی اس انعام میں شریک ہوتی ہے اور حکمران قوم سمجھی جاتی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر اپنے آبائی ملک فلسطین کی طرف روانہ تھے۔آپ کا مقصد بحکمِ الٰہی اسے فتح کرنا تھا چنانچہ آپ نے جہاد کی ترغیب کے طور پر پہلے انہیں خداتعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ روحانی طور پر سب سے بڑی نعمت نبوت ہے اور دنیوی طور پر حکومت۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں نعمتوں سے نوازا اور تمہیں وہ کچھ عنایت فرمایا جو تمام جہانوں میں کسی اور کو نہیں ملا۔جہانوں سے مراد گزرے ہوئے زمانے ہیں یا وہ معلوم قومیں ہیں جن کی تاریخ بنی اسرائیل کے پاس محفوظ تھی (حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر صغیر۔تفسیر زیر آیت ھٰذا)

۲۲۔چنانچہ آپ نے بیت المقدس میں بطور حملہ آور داخل ہونے کا حکم دیا اور بتایا کہ اس کی فتح کی بشارت مجھے مل چکی ہے گویا یہ تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔لہٰذا تم ہرگز پیٹھ نہ دکھانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

۲۳۔فرعون کی غلامی میں رہ کر ان میں جہاد کی روح مفقود ہو چکی تھی۔ہر چند کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اس لمبے اور تکلیف دہ سفر میں ان میں سپاہیانہ جذبہ (Spirit) پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کی تربیت فرمائی لیکن وہ ناکام رہے۔چنانچہ بنی اسرائیل نے قدم قدم

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

اللہ نے ان دونوں پر داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ میں پس جب داخل ہو جاؤ گے تم اس (دروازہ)

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

میں تو یقیناً تم غالب ہوگے اور اللہ پر پس بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

انہوں نے کہا اے موسیٰ یقیناً ہم ہرگز نہیں داخل ہونگے اس میں کبھی بھی جب تک وہ رہیں اس میں

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ

پس جا تو اور رب تیرا دونوں لڑو یقیناً ہم یہاں پر بیٹھنے والے ہیں کہا اس نے

پر اعتراضات کئے اور حکم عدولیاں کیں۔کبھی بچھڑا بنا کر، کبھی نئی نئی فرمائشیں کر کے۔اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی حکومت تھی جو قوم عاد کی شاخ تھی۔یہ اپنے قدو قامت اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھی (تفسیر ابن عباسؓ) چنانچہ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰؑ !وہاں ایک زبردست اور سرکش قوم رہتی ہے جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ہاں وہ نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

۲۴۔اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو اشخاص نے، جن پر اللہ نے احسان کیا تھا، ہر طرح ان کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی کہ جب تم ان پر حملہ کرکے شہر کے صدر دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو تم یقیناً غالب ہو گے۔اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو کبھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا۔یہ دو اشخاص حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ تھے۔بائبل کے مطابق یشوع یعنی یوشع اور کالب تھے جو بارہ سرداروں میں سے تھے اور جو بیت المقدس میں حملہ سے پہلے وہاں کے حالات دریافت کرنے گئے تھے۔(گنتی باب ۱۴ آیت ۶)

۲۵۔بنی اسرائیل اپنی روش سے باز نہ آئے۔ہر طرح جہاد کی ترغیب دینے اور فتح کا مژدہ سنانے کے باوجود اہل قریہ کی موجودگی میں وہاں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور اپنے محسن نبی کی شان میں نہایت گستاخانہ جملہ کہا کہ تو اور تیرا رب جاؤ اور ان سے جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔گویا جب فتح کر لوگے تو ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔

اس گستاخ قوم کا مقابلہ آنحضرتﷺ کے صحابہ کرامؓ سے کریں تو جنگ بدر کا مشہور واقعہ یاد آجاتا ہے جنگ بدر کے لئے مدینہ سے نکلتے وقت خیال نہیں تھا کہ اتنی بڑی فوج سے مقابلہ ہوگا۔اس لئے نہ سارے جوان جنگ کے لئے نکلے نہ پوری تیاری تھی۔راستہ میں جب واضح

رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ

اے رب میرے یقیناً میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر پس امتیاز کر درمیان ہمارے اور درمیان

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ

قوم فاسق کے فرمایا پس یقیناً وہ (زمین) حرام کی گئی ہے ان پر چالیس

سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

سال سرگرداں پھریں گے زمین میں پس نہ غم کھا تو قوم

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ ع

فاسق پر اور پڑھ ان پر خبر دو بیٹوں کی آدم کے ساتھ حق کے جبکہ

ہوگیا کہ جنگ باقاعدہ فوج سے ہوگی تو ایک مقام پر آنحضرتﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے آپؐ کی جانثاری میں تقاریر فرمائیں۔اس موقع پر حضرت مقداد بن اسودؓ نے وہ تاریخی الفاظ کہے جو سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں آپ نے فرمایا یا رسول اللہ! ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔یا رسول اللہﷺ! ہم تو آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے، آپؐ کے بائیں بھی لڑیں گے، آپؐ کے آگے بھی لڑیں گے، آپؐ کے پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ جائے۔اس کے بعد بھی آپؐ نے مشورہ طلب کیا تو انصار کے رئیس سعد بن معاذؓ اٹھے اور کہا یا رسول اللہﷺ!آپؐ کا اشارہ ہماری طرف تو نہیں؟آپؐ نے فرمایا ہاں!انصار سے خاص طور پر پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ انصار کا آپؐ سے معاہدہ مدینہ کے اندر آپؐ کی حفاظت کا تھا جبکہ جنگ مدینہ سے باہر ہو رہی تھی۔حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا یا رسول اللہﷺ! ہم آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی تصدیق کی، آپ کا جو ارادہ ہو عمل کیجئے۔قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی مبعوث فرمایا۔اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔(بخاری کتاب المغازی)اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہؓ قرآنی قصوں سے کس طرح سبق سیکھتے تھے۔

۲۶۔قوم کے اس بزدلانہ جواب پر حضرت موسیٰؑ نے خدا سے فریاد کی کہ اے اللہ! مجھے تو اپنی جان یا اپنے بھائی کی جان پر اختیار ہے پس ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان تفریق کر دے۔

۲۷۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی دعا سنی اور بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے چالیس

قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

قربانی کی ان دونوں نے کوئی قربانی پس قبول کی گئی طرف سے ایک کی ان دونوں میں سے اور نہ قبول کی گئی

مِنَ الْاٰخَرِ ۚ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۚ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ

طرف سے دوسرے کی اس نے کہا البتہ ضرور میں قتل کرونگا تجھے اس نے کہا صرف قبول کرتا ہے اللہ

مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۸﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ

متقیوں سے یقیناً اگر دراز کیا تو نے طرف میری اپنا ہاتھ تاکہ قتل کرے تو مجھے

النصف

سال تک کے لئے ان کو فتح و نصرت سے محروم کر دیا۔پس پوری قوم دشت سینا میں ماری ماری پھرتی رہی۔اس سے موسیٰ ؑ کو جس قدر دکھ ہوا اس کا اندازاہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی موسیٰ ؑ کو تسلی دی کہ تو اس نافرمان قوم پر افسردہ نہ ہو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبیوں کے ساتھ فتح و نصرت یا دیگر انعامات کے وعدے قوم کی نافرمانی سے مؤخر بھی ہو جاتے ہیں ۔یہ قصے کہ وہ اس مختصر سے صحرا سے باہر نہیں نکل سکتے تھے خلافِ عقل ہے۔حقیقت یہی تھی کہ نہ دوبارہ مصر جانا چاہتے تھے جہاں سے بمشکل جان چھڑائی تھی اور نہ جہاد کے لئے تیار ہوتے تھے۔ پس سرگرداں پھرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

۲۸۔اس رکوع میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کیا جس میں نگہِ عبرت کے لئے بہت سے اسباق ہیں۔اسی ضمن میں جان و مال کی حفاظت کی تلقین فرمائی اور ''حدود'' مقرر فرمائیں۔ حضرت آدمؑ کے بیٹوں ہابیل اور قابیل کے قصہ میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمائی تو قابیل نے مارے غصے اور حسد کے اپنے ہی بھائی کو قتل کرنا چاہا۔اس پر ہابیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے گویا قبولیت کے لئے تقویٰ کی شرط ہے پس کسی کی نعمت پر حسد کی بجائے اپنے تقویٰ کے معیار کو بلند کرنا چاہیئے ۔یہ نہیں بتایا کہ کیا قربانی تھی۔غرض جس عمل سے بھی قربِ الٰہی نصیب ہو جائے قربانی ہے۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل میں نبی مبعوث فرما کر اپنی قبولیت کا اظہار فرمایا تو بنی اسرائیل قابیل کی طرح اپنے ہی بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور اس حسد میں مبتلا ہیں کہ بنی اسمٰعیل کو انعامِ نبوت سے کیوں سرفراز فرمایا حالانکہ نبوت کے لئے جس تقویٰ کی ضرورت ہے اس سے بے بہرہ ہیں(حضرت مصلح موعودؓ تفسیر صغیرتفسیر زیر آیت ھذا) بالحق کے لفظ میں تاریخی واقعات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے جس میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ دھوکا اور نہ ہی اصل واقعہ میں کوئی تبدیلی یا کمی بیشی

مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

میں نہیں ہوں دراز کرنے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ قتل کروں میں تجھے یقیناً میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ

اللہ رب عالمین سے یقیناً میں چاہتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور

اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

گناہ اپنا پس تو ہوجاوے آگ والوں سے اور یہ بدلہ ہے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ

ظالموں کا پس رغبت دلائی اس کو نفس نے اسکے قتل کی اپنے بھائی کے پس اس نے قتل کر دیا

ہو (ابن کثیر) کسی تاریخی واقعہ کے بیان میں ہی حق لازم نہیں بلکہ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کے بیان میں بھی حق بات کہنے کی اتنی ہی اہمیت ہے۔کیونکہ ہر گناہ کی جڑ حق بات نہ کہنا ہی ہے۔ تاریخ کے سب سے پہلے قصے میں حق بات کہنے کی تاکید فرمائی۔ کیونکہ توریت کے ہر قصہ میں اتنی حاشیہ آرائی ، مبالغہ آمیزی اور غلط باتوں کی آمیزش ہے کہ قصہ بیان کرنے کا اصل مقصد ہی مفقود ہوگیا۔ الہامی کتابوں میں کسی بھی قصہ کو بیان کرنے کی غرض عبرت دلانا اور سبق سکھانا ہوتا ہے تا ان غلطیوں کا اعادہ نہ ہو یا ان میں آئندہ کے لئے پیشگوئیاں ہوتی ہیں کہ ایسے حالات امتِ مسلمہ کو بھی پیش آئیں گے تاوہ ایسی غلطیوں سے بچ سکے۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے فرمایا! اللہ تعالیٰ متقیوں کی ہی عبادات کو قبول فرماتا ہے اور پرہیز گاروں کی ہی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ نماز اور روزہ بھی متقیوں کا ہی قبول ہوتا ہے۔(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۴ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲) یہاں بتلایا کہ غصہ اور حسد بڑے سے بڑے گناہوں کا موجب ہوسکتا ہے۔آج بھی قتل کے محرک عام طور پر یہی اسباب ہوتے ہیں۔ایسے لوگ قربانیاں بھی کریں تو ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔

۲۹۔اس پر ہابیل نے وہی جواب دیا جو ایک متقی کو زیب دیتا ہے کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرو گے تو میں اپنی مدافعت تو ضرور کروں گا لیکن میرا مقصد تجھے قتل کرنا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ میں سب جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں۔

۳۰۔ **تبوآ**۔ تو رجوع کرتا ہے۔ حاصل کرتا ہے۔مراد تو اٹھالے۔

ہابیل نے کہا میں تو اپنے رب سے ڈرتا ہوں اور کبھی تجھے مارنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن اگر تیرا یہی ارادہ ہے تو پھر میں یہی چاہتا ہوں کہ تو مجھ پر ظلم کر کے میرے قتل کے

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ
اسے پس وہ ہوگیا خسارہ پانیوالوں میں سے پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کریدتا تھا

فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ
زمین میں تاکہ دکھادے اُسے کہ کس طرح ڈھانکے وہ لاش اپنے بھائی کی اس نے کہا

يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ
اے افسوس مجھ پر کیا عاجز ہوگیا میں کہ ہو جاؤں میں مانند اس کوے کی کہ ڈھانکوں میں

سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ
لاش اپنے بھائی کی پس ہوگیا وہ پشیمان ہونیوالوں میں سے بسبب اس کے

گناہ اور اپنے سارے گناہوں سمیت واصل جہنم ہو جائے (ابن عباسؓ) اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ظالم قاتل، مقتول کے گناہ اپنے سر لیتا ہے جبکہ مقتول نے زیادتی نہ کی ہو۔ دونوں نے زیادتی کی ہو تو دونوں ہی گنہگار ہوں گے جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ! قاتل تو خیر، مقتول کیوں دوزخی ہو گا؟ فرمایا!اس کی خواہش تھی اپنے ساتھی کو مار ڈالنے کی (بخاری کتاب الایمان) یہاں بتایا کہ یہود و نصاریٰ بھی آنحضرتﷺ اور صحابہؓ پر ظلم و ستم کر کے دوہرے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔شہادت کا بھی یہی فلسفہ ہے کہ جو اللہ کے ڈر سے زیادتی نہ کرے اور خدا کی راہ میں معصوم مارا جائے تو شہید کے سارے گناہ قاتل کی طرف منسوب ہوں گے۔

۳۱۔ **طوع**۔ خوشی سے۔ فرمانبرداری سے۔اسی سے **طوعا** ہے۔**اَصبَحَ**۔اس نے (اس حال میں) صبح کی۔ وہ ہو گیا۔

انسانی فطرت اسے گناہوں سے ضرور روکتی ہے لیکن نفس امارہ کا غلبہ اس آواز کو دبا دیتا ہے اور انسان کو گناہوں پر دلیر کر دیتا ہے اور وہ بڑے بڑے گناہ کر گزرتا ہے چنانچہ اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کی نظر میں اچھا کر کے دکھایا۔پس اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ دنیا و آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گیا۔

۳۲۔**یبحث**۔ بحث۔ کریدنا۔اسی سے بحث کر کے حقیقت معلوم کرنا ہے۔**یوَاری۔ وری**۔ستر ڈھانپنا چھپانا۔ **سواۃ**۔عیب۔ چھپانے کی چیز۔ستر۔ ہر قابل شرم اور قبیح قول و فعل پر بولا جاتا ہے۔ یہاں سَواۃ سے مراد لاش ہے۔**یٰویلتی**۔افسوس اور حسرت کے معنی دیتا ہے۔مجھ پر افسوس۔

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ
لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کوئی نفس بغیر

نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ
نفس کے یا فساد کرنے کے زمین میں تو گویا کہ قتل کر دیا اس نے لوگوں کو سب کو

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ
اور جس نے زندہ کیا اس کو تو گویا کہ زندہ کیا اس نے لوگوں کو سب کو اور یقیناً یقیناً

کوّے میں دوسرے پرندوں کے مقابل چند امتیازی صفات ہیں۔اپنے ہم جنسوں سے ہمدردی ہے۔کسی کوّے کو تکلیف ہو سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔کھانے کی چیز مل جائے تو شور مچا کر سب کو اکٹھا کرتے ہیں اور مل کر کھاتے ہیں۔جنسی ملاپ میں بھی اخفا پایا جاتا ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ اگست ۱۹۰۹ء) بلی اپنے فضلہ کو مٹی سے ڈھانپ دیتی ہے لیکن کوّے کی سرشت میں ایسی کوئی بات شامل نہیں۔ یہاں صرف کھودنے کا ذکر ہے۔کسی کوّے کو زمین کریدتے دیکھ کر قابیل کو غیرت ضرور آئی کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوں، مجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ زمین کھود کر بھائی کی لاش دفنا دوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مُردوں کو دفنانے کا رواج نہیں تھا۔ غالبًا کسی ویرانے یا کھوہ وغیرہ میں پھینک دیتے ہوں گے۔جیسا کہ اب بھی پاکستان کے شمال مغربی علاقہ کالاش (کافرستان) میں کالاش قوم میں مردوں کو دفنانے کا رواج نہیں۔کافر قوم کے لوگ اپنے مردوں کو تابوت میں بند کر کے آبادی سے دور رکھ آتے ہیں۔جانور تابوت توڑ دیتے ہیں۔وہاں ویرانوں میں جابجا بکھری ہوئی مردوں کی ہڈیاں، بال، عورتوں کی مینڈھیاں اور زیورات وغیرہ سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ پس وہ نادم ہوگیا۔قابیل کا نادم ہونا فطری امر تھا۔ اکثر انسان غصے میں آ کر جلد بازی سے کسی غلط حرکت کا مرتکب ہو جاتا ہے، لیکن بعد میں جب ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے تو اس کا نفس اسے ضرور ملامت کرتا ہے۔یہاں تو ایک شریف اور متقی بھائی کا قتل تھا، جس نے اپنے بچاؤ کی کوشش تو ضرور کی لیکن حتی الوسع اپنے ہاتھ کو ظلم سے روکے رکھا۔ پس قابیل کا اپنی ظالمانہ حرکت پر نادم ہونا قدرتی امر تھا۔کوے کے زمین کھودنے میں ابتدائی انسان کے لئے یہ سبق بھی تھا کہ ہر ناکارہ اور غلیظ چیز کو زمین میں دفنا دینا چاہیئے لیکن افسوس اب تک اس پر کماحقہٗ عمل نہیں ہوا۔ ہر طرف کوڑا کرکٹ اور غلاظت کے ڈھیر انسانوں کی حسِ لطیف کے فقدان اور حفظانِ صحت سے عدم توجہی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ
آئے ان کے پاس رسول ہمارے ساتھ دلائل کے پھر یقیناً بہت سے ان میں سے بعد

ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ
اس کے زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں سوائے اسکے نہیں کہ بدلہ ان لوگوں کا جو

يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا
لڑتے ہیں اللہ اور رسول اس کے سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی

اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ
یہ ہے کہ قتل کئے جاویں یا صلیب دیئے جاویں یا کاٹے جاویں ہاتھ ان کے اور پاؤں ان کے

مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى
مخالف طرف سے یا جلاوطن کئے جاویں زمین سے یہ ان کے لیے ذلّت ہے

۳۳۔ **من اجل ذٰلک** ۔اسی وجہ سے۔اسی بناپر۔**نفسًا**۔نفس محمد رسول اللہ۔ (تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ ۴۵۰)

فرمایا!روئے زمین کے اس پہلے واقعۂ قتل کی وجہ سے ہی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے تورات میں ایسے اصول وقوانین بنادیئے تھے کہ آئندہ کوئی کسی پر ایساظلم نہ کرسکے،کسی کے لئے قتل کی سزا دو وجوہات سے ہی جائز رکھی پہلا یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیاہو۔دوسرا یہ کہ ملک میں فتنہ وفساد پھیلانے کا مرتکب ہوا ہو۔پس جس نے کسی بھی بے گناہ انسان کوقتل کیاتو گویا اس نے تمام بنی نوع انسان کوقتل کیا کیونکہ اس کے دل میں کسی انسان کے لئے بھی ہمدردی نہیں اگر ایک کو قتل کرسکتاہے تو دوسرے کوبھی کرسکتاہے۔ایک انسان کےقتل کا اثر بھی بہت دور رس ہوتا ہے۔اسی طرح جس نے ایک شخص کی جان بچائی توگویااس نے سب کو بچالیا۔اس کے دل میں یقیناًسب کی ہمدردی ہوگی۔یہی الفاظ **تالمود** میں موجود ہیں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ اگست ۱۹۰۹ء) اس سے اندازہ ہوسکتاہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے ایک بے گناہ بندے کاقتل کس قدر ناراضگی کا موجب ہے اور ایک شخص کوموت سے بچالینا کتنے بڑے اجر کامستحق بنا دیتاہے۔یہ اس لئے کہاکہ تاایک پرامن معاشرہ وجود میں آئے ، جہاں کسی پرظلم اور زیادتی نہ ہو۔بیشک آنحضرت ﷺ حکم تھے اور خود فیصلہ کرنے کے مجاز تھے لیکن تورات اور انجیل کے زمانہ میں اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی کسی قاتل یامجرم کوسزا دینے کا حق صرف حکومتِ وقت کو تھا۔قاضی تحقیق اورگواہیوں کی بنا پر فیصلہ کرتا تھا۔فرمایا ان احکام پرعمل درآمدکروانے کے لئے بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن اس کے باوجود بھی ان میں سے بہت سے لوگ قتل و غارت گری اور فتنہ وفساد کے مرتکب رہے جوحد سے تجاوزکرناہے۔

الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ
دُنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے بڑا سوائے ان لوگوں کے جنہوں

تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ
نے توبہ کی پہلے اس کے کہ تم قابو پاؤ ان پر پس جان لو کہ یقیناً اللہ

۳۴۔ **یُنفوا مِن الارض** زمین سے دور کئے جائیں۔گویا جلاوطن کرنایاقید کرنا(لسان العرب) باوجود اس کے کہ رسولؐ نے آکر ملک میں امن اور عدل قائم کر دیا۔یہود اپنی ریشہ دوانیوں سے بازنہیں آتے تھےکبھی مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کبھی دوسری قوموں کومسلمانوں پرحملہ کی ترغیب دیتے۔حالانکہ تورات میں یہ سب منع ہے اور اس کی سخت ترین سزا ہے۔جیساکہ بعد میں یہود کو ملی۔یہاں قتل اور فساد کو اللہ اور رسول سے لڑنے کے مترادف قرار دیا۔ اس کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی(امام ابو حنیفہ) یا وہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلاوطن کردیا جائے۔ یہاں واضح طورپر بتادیاکہ یہ انتہائی سزائیں یعنی حدود خدا اور رسول سے لڑنے اور زمین میں بدامنی اور فتنہ وفساد پیداکرنے اورظلم وستم کی وجہ سے ہیں۔ورنہ محض اسلام قبول نہ کرنے یا مرتد ہونے پر کوئی سزانہیں اور نہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین سے ایسی کوئی سزا ثابت ہے۔

اس آیت کی شان نزول اکثرمفسرین نے یہ لکھی ہے کہ عرینہ کے چندآدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضرہوئے اور اسلام قبول کیا۔پھر بیمار ہوگئے تو آپؐ نے انہیں مدینہ سے باہر صدقہ کے اونٹوں کے مقام پربھیج دیاتاکہ دودھ پئیں اور علاج کروائیں۔یہ لوگ صحت مند ہونے کے بعد چرواہوں کوجان سے مارکر اونٹ لے کربھاگ گئے۔انہوں نے ڈاکے بھی ڈالے اورعورتوں کی عصمت دری بھی کی بلکہ چرواہوں کی آنکھیں بھی نکالیں(ابن کثیر) آپؐ نے ان پر حد جاری کی اورمجرموں کو ان کے جرائم کی نوعیت کے مطابق سزائیں دیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں)فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مخالفین رسول کی خدا اور رسولؐ سے عملاً جنگ جاری تھی۔منافقین بھی فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے لیکن آپؐ نے یہ سزائیں کبھی بھی نہیں دیں۔آنحضرت ﷺ کواپنی رقیق القلبی کی وجہ سے حد جاری کرنا سخت ناگوار تھا۔حضرت عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! آپس میں تم اپنی حدوں کومعاف کرو۔جب میرے پاس حدپہنچی توضرورواجب ہوگی(ابوداؤد)پس یہاں ظلم وفساد کی ان تمام اقسام کاذکرکر دیاجوکبھی بھی ممکن ہوسکتی تھیں اور بتایاکہ ان جرائم میں سے جس جرم کے مرتکب

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۵﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ
بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور

ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ
چاہو طرف اس کی قرب اور جہاد کرو راہ میں اس کی تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
کامیاب ہو یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اگر ہو واسطے ان کے جو کچھ زمین میں ہے

ہوں گے، اسی کے مطابق سزا ہوگی۔ یہاں قتل اور فتنہ و فساد کے لئے حد مقرر کی دوسری جگہ زنا اور تہمت زنا پر حد مقرر ہے۔ اجماع صحابہؓ سے شراب نوشی کی حد بھی ثابت ہے۔ اس طرح شریعت کی رو سے پانچ حدود ہیں۔ اسلام میں کسی جرم میں بھی سنگسار کرنے کا حکم نہیں۔ موسوی شریعت میں زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلامی قوانین نازل ہونے سے پہلے توریت کے احکام پر عمل کیا۔

۳۵۔ ان تمام شدید ترین جرائم کے باوجود جو مجرم پکڑے جانے سے پہلے تائب ہو جائیں، تو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی ان سے بخشش کا معاملہ کرو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجرم توبہ کر کے شریفانہ زندگی گزار رہا ہے اور سوسائٹی کو اس سے کوئی خطرہ نہیں تو کسی پچھلے جرم کی وجہ سے پکڑنا بے معنی ہے تاہم فیصلہ کا حق حکومتِ وقت یا قاضی کو ہے۔ قبولِ اسلام بھی توبہ کے مترادف ہے جس سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں ایک باغی حارثہ بن بدر نے قتل و غارت گری کو پیشہ بنایا۔ پھر توبہ کر کے واپس ہوا تو حضرت علیؓ نے اس پر حدِ شرعی جاری نہیں کی۔ اس طرح اور بھی واقعات ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامی کی بنیاد رحم پر ہے۔ البتہ گرفتاری کے بعد توبہ بے معنی ہے پھر قاضی ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق جو بھی فیصلہ کرے، یہ معافی حقوق اللہ میں ہے حقوق العباد میں معافی کا حق مظلوم یا اس کے ولی کو ہے۔

۳۶۔ اس رکوع میں پہلے قُربِ الٰہی حاصل کرنے کی تلقین فرمائی اور کفار کو عذاب آخرت سے ڈرایا پھر چوری کی حد مقرر کی۔

یہاں فلاح پانے کے لئے تین باتوں کا حکم دیا۔ پہلے تقویٰ اختیار کرے، پھر خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ یا ذریعہ ڈھونڈے، پھر خدا کی راہ میں مجاہدہ کرے۔ تقویٰ میں ہر بدی سے

جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ
سب کا سب اور اتنا ہی ساتھ ہو اسکے تاکہ فدیہ دیں بذریعہ اس کے عذاب سے روز

الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۷﴾ یُرِیْدُوْنَ
قیامت کے نہیں قبول کیا جائے گا انکی طرف سے اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک وہ ارادہ کریں گے

اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا ۫ وَ
کہ نکل جاویں آگ سے حالانکہ نہیں وہ ہرگز نکلنے والے اس سے اور

لَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۸﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا
ان کیلئے عذاب ہے قائم رہنے والا اور چور مرد اور چور عورت پس کاٹ دو

بچنا اور ہر نیکی کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا پہلا ذریعہ قرآن کریم ہے جس کے اوامر و نواہی پر عمل ضروری ہے۔ دوسرا ذریعہ آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خود وسیلہ کہا۔ آپؐ کو وسیلہ پکڑنا آپؐ کی کامل اتباع ہے۔ آپؐ زندہ نبی ہیں اس معنی میں کہ آپؐ کا فیض قیامت تک جاری ہے۔ پس آپؐ پر بکثرت درود بھیجے، استغفار کرے یعنی ہر وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور گناہوں سے بچنے کی دعا کرے۔ صحبتِ صالحین بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ مُردوں کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا شرک ہے خواہ وہ نبی ہوں یا ولی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے مزارِ مبارک پر دعا مانگتے ہوئے بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگا جائے۔ تیسرا فلاح پانے کا ذریعہ خدا کی راہ میں جہاد ہے اس میں جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر دونوں شامل ہیں۔ اگر امام الوقت یا خلیفۂ وقت تلوار کے جہاد کا حکم دیں تو بسر و چشم، اور نفس کا جہاد تو تازندگی جاری رہتا ہے۔ فرمایا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ عربی میں دین و دنیا کی بھلائی کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفاسیر تفسیر زیر آیت ھٰذا کی روشنی میں)

۳۷۔۳۸۔ پچھلے رکوع میں ظلم و زیادتیوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر تھا۔ دنیا میں ناجائز مال و دولت ظلم اور زیادتی سے ہی اکٹھا ہوتا ہے۔ فرمایا یہ غلط ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا مال کیا حقیقت رکھتا ہے؟ قیامت کے دن جو کچھ زمین میں ہے بلکہ اس سے دگنا بھی اگر ان کے پاس ہوتا اور فدیہ کے طور پر عذاب کے بدلہ میں دے سکتے تو بھی قبول نہ کیا جاتا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس عذاب سے نکلنا چاہیں گے مگر ہرگز نکل نہیں سکیں گے۔ اس لئے کہ ان کے لئے دائمی عذاب

أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
ہاتھ ان کے بدلہ کے طور پر اس کے جو کمایا انہوں نے سزا کے طور پر طرف سے اللہ کی اور اللہ عزت والا
حَكِيمٌ ﴿۳۹﴾ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ
حکمت والا ہے پس جس نے توبہ کی بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کر لی پس یقیناً اللہ

مقدر ہے۔

۳۹۔ پچھلے رکوع میں فتنہ وفساد کے لئے حدود مقرر فرمائی تھی۔اس رکوع کی پہلی تین آیات میں قربِ الٰہی کی تلقین اور عذابِ جہنم سے ڈرایا تا کہ گناہوں سے بچیں۔بغاوت اور فتنہ وفساد کے بعد امنِ عامہ کو تباہ کرنے والی چیز ڈاکہ اور چوری ہے۔جس سے کوئی شہری خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔کیونکہ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)چوری سے صرف ایک شخص یا خاندان ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ جس معاشرے میں چوری اور لوٹ کھسوٹ عام ہو جائے وہاں سرکاری محکموں میں گھپلے ہوتے ہیں اور ملک کی اقتصادیات تباہ ہو جاتی ہے۔غرض ناجائز طریقہ سے چھینے ہوئے مال کی شرعی سزا یہ ہے کہ چھیننے والے کو اس ہاتھ ہی سے محروم کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اسے بطور نعمت کمائی کے لئے دیا تھا۔یہ چوری کی انتہائی سزا ہے جو کسی ڈاکو یا عادی چور کو دی جاسکتی ہے۔**من سرق** نہیں کہا بلکہ السارق کہا ،جو عادی چور کے معنی دیتا ہے۔اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔یہ ایسی سخت سزا ہے کہ چند ایک کو ملنے کے بعد پھر کوئی اس جرم کا اعادہ نہیں کرتا اور ایک شخص کی سزا سے پورا معاشرہ امن میں آ جاتا ہے اور بڑے بڑے ڈاکو اور چور تائب ہو جاتے ہیں۔جبکہ قید وغیرہ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔بلکہ جیلوں میں خطرناک مجرموں کے ساتھ رہ کر کئی غلط عادات کا شکار ہو جاتے ہیں اور عام چور بھی ڈاکو بن کر نکلتے ہیں۔حد جاری کرنے کی سخت شرائط ہیں۔دو صادق مرد گواہوں کا ہونا، مجرم کا عادی مجرم ثابت ہونا، مال مسروقہ کا قیمتی ہونا ،فقہ حنفی میں کچھ عرصہ پہلے کے جرائم پر حد نہیں،نہ جیب تراش ، گرہ کٹ یا اٹھائی گیرے اور زیور یا نقدی چھین کر بھاگ جانے والے پر حد ہے گویا صرف عادی چور یا ڈاکو پر حد ہے۔مقررہ شرائط میں معمولی کمی سے حد ساقط ہو جائے گی ہاں تعزیری سزا ملے گی۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے دنوں میں چوری کی حد ساقط کر دی کہ جب حکومت رعایا کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے سے قاصر ہے تو اسے سزا دینے کا حق نہیں۔قرانی آیات کے بے شمار معانی ہیں جو حسب ضرورت کئے جاسکتے ہیں **فاقطعوآ اید یھُما** سے مراد مجرم کے ہاتھوں کو روکنا بھی ہے۔گویا شروع میں چور کو چوری سے روکنا اس کے

يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۰﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ
فضل سے متوجہ ہوگا اس پر یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے کیا نہیں جانا تو نے کہ یقیناً
اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ
اللہ وہ ہے کہ اس کی ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے
وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۱﴾ يَا أَيُّهَا
اور بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اے
الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ
رسول نہ غم میں ڈالیں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں
مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن
ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا ایمان لائے ہم اپنے مونہوں سے اور نہیں ایمان لائے

خاندان اور معاشرہ کا فرض ہے لیکن اگر باز نہ آئے اور بار بار کی تنبیہ کے بعد بھی چوریاں کرے اور ڈاکے ڈالے اور مخلوق خدا کے امن و چین کو تباہ کرے تو تمام شرعی قیود و شرائط پوری ہونے پر حد جاری ہوگی۔فرمایا یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عبرت ہے۔اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔اگر آج تم ایک مجرم پر غالب ہو تو دیکھنا سزا میں غلطی نہ کرنا۔ایک ہستی تم پر بھی غالب ہے۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!دور کردو حدود کو مسلمانوں سے جہاں تک ممکن ہو۔اگر ذرا بھی موقع بچاؤ کا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ امام(حاکم) کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔(ترمذی ابواب الحدود)

۴۰۔مجرموں کا جرائم کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے توبہ کرنا ،مال مسروقہ واپس کرنا اور اپنی اصلاح کرنا یہ وہ عوامل ہیں جن سے حد ساقط ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان پر رجوع برحمت فرمائے گا اور ان کی توبہ قبول کرے گا کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۴۱۔رزق کے لئے ایسی بری راہ اختیار کرنا نہایت قبیح ہے۔وہ قادرِ مطلق جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے اس کے پاس کس چیز کی کمی ہے ؟وہ تو جائز طریقے سے رزق دینے پر قادر ہے۔پس تمہیں مانگنے کا سلیقہ ہوگا تو کبھی محروم نہیں رہوگے۔ہاں !اگر اپنی شامت اعمال سے کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ تو بھی وہ غفورالرحیم اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔سزا دینا اور معاف کر دینا اسی کے اختیار میں ہے۔اسے سب قدرتیں حاصل ہیں۔

۴۲۔ **سمّٰعون**۔خوب سننے والے۔جاسوس۔

قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
دل ان کے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ
خوب سننے والے ہیں واسطے دوسرے لوگوں کے جو نہیں آئے تیرے پاس بدل دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
باتوں کو بعد جگہوں کے ان کی وہ کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم

هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ
یہ (محرف شدہ کتاب) تو لے لو اسے اور اگر نہ دیئے جاؤ تم یہ تو بچو اور جو شخص کہ ارادہ

اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
کرے اللہ اُس کے ابتلاء کا تو ہرگز نہیں اختیار رکھتا تو ان کیلئے بمقابل اللہ کے کسی چیز کا یہ لوگ

الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي
وہ ہیں کہ نہیں ارادہ کیا اللہ نے کہ پاک کرے دلوں کو ان کے ان کے لیے

الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۲﴾
دُنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے بڑا

ان تین آیات (۴۲تا۴۴) کے شان نزول میں حدیث میں دو واقعات ہیں کہ یہود کے امراء میں سے کسی نے زنا اور قتل وغیرہ کا ارتکاب کیا اور اپنا فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کروانا چاہا کیونکہ قرآن کریم میں توریت کے مقابلہ میں سزا میں نرمی ہے اور مجرم مقررہ شرائط پوری نہ ہونے سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔اس لئے انہوں نے بعض منافقوں کو بھیجا کہ اگر ہمارے حق میں فیصلہ کی امید ہو تو آپؐ سے فیصلہ کروائیں۔اس طرح یہود جب ضرورت سمجھتے آپؐ سے قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کرواتے اور جب مرضی ہوتی توریت کے مطابق فیصلہ کرواتے۔

یہود کے ذکر میں ضمنی طور پر کچھ احکام کا ذکر ہوا پھر اصل موضوع کی طرف رجوع فرمایا کہ اے رسولؐ! منافقین میں سے وہ لوگ جو تیزی سے کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں، تجھے غمگین نہ کریں اور نہ یہود میں سے بعض ایسے لوگوں کی وجہ سے آپؐ رنجیدہ خاطر ہوں جو جھوٹ پر کان لگانے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کو سنانے کے لئے سُن گن لیتے ہیں، جو تیرے پاس نہیں آئے۔یہ علمائے یہود تھے جو خود سامنے نہیں آتے تھے اور دوسروں کو سکھا پڑھا کر بھیجتے تھے۔یہ وہ لوگ ہیں جو کلمات کو ان کی مناسب جگہوں پر رکھے جانے کے بعد ان میں تحریف کرتے ہیں۔یعنی

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ
خوب سننے والے ہیں جھوٹ خوب کھانے والے ہیں حرام پس اگر آویں وہ تیرے پاس

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
تو فیصلہ کر درمیان ان کے یا اعراض کر ان سے اور اگر اعراض کرے تو

عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
ان سے تو ہرگز نہیں نقصان پہنچائیں گے تجھے کچھ بھی اور اگر فیصلہ کرے تو فیصلہ کر

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَكَيْفَ
درمیان ان کے ساتھ انصاف کے یقیناً اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو اور کس طرح

ان میں تغیر و تبدل کر کے غلط مفہوم لوگوں کو بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہیں اپنی مرضی کے مطابق حکم ملے تو قبول کرلو اور اگر تمہاری مرضی کے خلاف ہو تو قبول نہ کرو۔اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو تجھے ان پر اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی اختیار نہیں یعنی تو انہیں ہدایت نہیں دے سکتا۔یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ یہ خود پاک ہونا ہی نہیں چاہتے۔ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم ہے۔یہود و منافقین اس پیشگوئی کے مطابق دنیا میں رسوا ہوئے۔لہٰذا آخرت میں بھی عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے۔

۴۳۔ **سُحت**۔ بیخ کنی یا استیصال کرنا۔مال حرام کو کہتے ہیں جس میں دین کا استیصال ہوتا ہے رشوت بھی سُحت ہے۔ (امام راغبؒ)

جس طرح باتوں میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہیں اسی طرح کھانے میں حرام کی ملاوٹ کرتے ہیں۔یہ بھی مطلب ہے کہ تیری باتوں میں جھوٹ کی ملاوٹ گویا حرام کھانے کے مترادف ہے۔پس ان میں سچ اور جھوٹ ، حلال اور حرام کی تمیز مٹ گئی ہے۔سود، رشوت اور ہر غلط ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال خوب کھاتے ہیں۔اگر یہ تیرے پاس کوئی جھگڑا لے کر آئیں تو تیری صوابدید پر ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کر یا نہ کر۔چونکہ یہ تیرے ذِمّی نہیں اس لئے تجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔اگر تو ان کا فیصلہ نہ کرے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ تیری حفاظت کا ذمہ خود خداتعالیٰ نے لیا ہے لیکن یاد رکھ ان کی تمام تر دشمنیوں کے باوجود اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف سے کرنا۔بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

یہ ہے اخلاق کا اعلیٰ ترین معیار جو میرے پیارے رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ
وہ فیصلہ لا سکتے ہیں تیرے پاس جبکہ پاس انکے تورات ہے جس میں حکم ہے اللہ کا۔ پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۶/۱۰
پھر جاتے ہیں بعد اس کے اور نہیں یہ لوگ ہرگز مومن

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا
یقیناً اتاری تھی ہم نے تورات جس میں ہدایت اور نور تھا فیصلہ کرتے تھے مطابق

النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ
اس کے نبی وہ جنہوں نے کہ فرمانبرداری کی (تورات کی) ان لوگوں کیلئے جو یہودی ہوئے اور اللہ والے لوگ

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ
اور عالم لوگ بسبب اسکے کہ محافظ بنائے گئے تھے کتاب کے اللہ کی اور تھے وہ اس پر

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا
گواہ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ بدلہ میں لو

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
آیات کے میری مول تھوڑا اور جو نہ فیصلہ کرے اس پر جو اتارا اللہ نے تو یہ لوگ

هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ
ہی کافر ہیں اور فرض کیا تھا ہم نے ان پر اس (تورات) میں سے کہ جان

کے ذریعہ امت کو ملا کہ انصاف کے معاملہ میں دوست اور جانی دشمن میں کوئی فرق نہیں۔

۴۴۔ اور وہ تجھے کیسے حَکَم بنا سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں احکامِ الٰہی موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اس سے پیٹھ پھیرتے ہیں۔ ان کا قرآنی احکام کے مطابق فیصلہ چاہنا اس امر کی دلیل ہے کہ آج کے مسائل کا حل صرف قرآن کریم میں ہے۔ اس کے باوجود ہرگز ایمان لانے والے نہیں۔

۴۵۔ **الرَّبّٰنِيُّوْن** ۔ واحد ربانی رب والے۔ اللہ والے عارفین۔ فقہا۔ **الاحبار**۔ **حبر** کی جمع ہے۔ بمعنی علماء۔

پچھلے رکوع میں بتایا تھا کہ یہود آنحضرت ﷺ سے اپنے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ حسب منشا توریت یا قرآن کریم کے مطابق کرواتے تھے۔ میثاقِ مدینہ کی وجہ سے بھی ایسا کرتے تھے اور توریت کے احکام اور سزاؤں میں سختی کی وجہ سے بھی توریت سے بھاگتے تھے۔ اس رکوع میں انہیں قرآن کریم پر ایمان لانے اور قرآن کریم کے مطابق فیصلے کروانے کی دعوت دی۔ یہاں بتایا کہ

باوجود تحریف کے ابھی بھی توریت میں ہدایت اور نور ہے بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ہدایت اس لئے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیاں ہیں جن کی وجہ سے اہل کتاب کا ہدایت پانا سہل ہے اور نور اس لئے کہا کہ اس میں توحید کا سبق ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۰) فرمایا کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل جو سب کے سب مسلم اور فرمانبردار تھے اور عارفین و علماء بھی یہود کے لئے توریت سے ہی فیصلے کیا کرتے تھے۔ گویا حضرت موسیٰؑ کے بعد شریعت کی کتاب توریت ہی تھی جبکہ ان تمام انبیاء کی اپنی شریعت کی کتاب کوئی نہیں تھی جن کی تعداد ہزاروں تک بتائی جاتی ہے اس کی تائید سورۃ ہود رکوع ۳ اور احقاف رکوع ۴ سے ہوتی ہے۔ زبور اور انجیل وغیرہ صحیفے تھے شریعت کی کتابیں نہیں تھیں۔

ان انبیاء اور فقہا و علماء سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر نگران تھے گویا توریت کی حفاظت کے ذمہ دار تھے، جب کہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خدا تعالیٰ نے خود لیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ **انا له لحافظون**۔ (الحجر:۱۰)۔ پس بندوں کی حفاظت اور خدا تعالیٰ کی حفاظت میں فرق ہے۔ جب یہود میں علماء اور ربانی لوگ نہ رہے تو نام نہاد علماء نے من مانی تحریفیں کیں۔ فرمایا لوگوں سے ڈر کر نبی آخرالزمان کی پیشگوئیوں کو جو اب بھی توریت میں موجود ہیں، مت چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو۔ تھوڑی قیمت دنیوی فوائد ہیں جو بہت بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بے وقعت ہیں۔ ان کے چھپانے کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ پر ایمان نہ لائیں کیونکہ آپؐ پر ایمان لانے سے ان کی اجارہ داری ختم ہوتی تھی اور وہ کئی قسم کے دنیوی فوائد سے محروم ہو جاتے تھے۔

چونکہ آخری شریعت کے نازل ہونے پر پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور عنقریب ایک منظم اسلامی حکومت کا قیام ہونے والا تھا اس لئے عمومی قانون (General Law) کے طور پر بتادیا کہ اب اسلامی حکومت میں اسلامی قوانین اور اسلامی اصولِ معاشرت ہی رائج ہوں گے اور انہیں کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ پچھلے رکوع میں توریت کے مطابق فیصلوں کا ذکر اس لئے تھا کہ ابھی یہود آپؐ کے ذمی نہیں تھے۔ البتہ ان کے یا دوسری غیر مسلم اقوام کے مذہبی معاملات میں قرآن کریم نے کبھی دخل نہیں دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی جبکہ اہل کتاب بطور ذمی آپؐ کے ماتحت تھے۔ وہ سب اپنی شریعت کے مطابق بیاہ، شادی، طلاق اور دوسرے معاملات میں عمل درآمد کرتے تھے۔ شراب اور سود وغیرہ پر بھی ان کو کوئی سرزنش نہ تھی۔ فرمایا کہ جو لوگ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے وہ کافر ہیں۔ یہ معنی بھی ہیں کہ خود کو مسلمان کہنے والے اس شریعت کے

بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
بدلہ جان کے ہے اور آنکھ بدلہ آنکھ کے اور ناک بدلہ ناک کے اور کان
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ
بدلہ کان کے اور دانت بدلہ دانت کے اور زخموں کا بدلہ ہے پس جو
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا
بخشدے اُسے تو وہ کفارہ ہے اس کیلئے اور جو نہ فیصلہ کرے اُس پر جو
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى
اُتارا اللہ نے تو یہ لوگ ہی ظالم ہیں اور پیچھے بھیجا ہم نے
اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
قدم بقدم ان کے عیسیٰ ابن مریم کو مصدق بناکر اس کا جو

مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہ کافر ہیں نیز یہ بھی معنی ہیں کہ جو اپنی کتابوں کی ان پیشگوئیوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں جن میں آنحضرت ﷺ کی آمد کا ذکر ہے اور آپؐ پر ایمان نہ لائیں تو وہ کافر ہیں۔

٤٦۔ اس آیت میں بتایا کہ توریت کے اکثر تعزیری احکام قرآن کریم نے قائم رکھے البتہ ان میں نرمی کی گنجائش رکھی جیسا کہ قتل کی سزا توریت اور قرآن کریم میں ایک ہی ہے، لیکن اسلام نے کڑی شرائط سے اسے نرم کردیا۔ اس آیت کے ذریعہ توریت کے احکام قرآن کریم نے قائم رکھے اور ان کا الگ ذکر نہیں کیا اور بتایا کہ جس طرح کسی جان یا عضو کا قصاص ہے اسی طرح ہر زخم کے لئے بھی قصاص ہے۔ البتہ اگر مستغیث مجرم کو معاف کردے اور اپنا حق چھوڑ دے تو اس کی یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے جسم میں کوئی زخم لگایا گیا اور اس نے معاف کردیا تو جس درجہ کی یہ معافی ہوگی اسی کے بقدر اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ پچھلی آیت میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو کافر کہا۔ یہاں تعزیری امور میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو ظالم کہا۔ کیونکہ اس صورت میں مظلوم کی دادرسی نہیں ہوگی جو ظلم ہے۔ حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ توریت میں نرمی کی گنجائش تھی لیکن علمائے یہود نے اس رعایت کو عملاً منسوخ کردیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہود کی اصلاح فرمائی اور توریت میں جو نرمی کی گنجائش رکھی تھی، اسے جاری فرمایا۔ (ترجمة القرآن کلاس MTA)

٤٧۔ **قفّینا**۔ ہم نے پیچھے بھیجا۔ **علیٰ اٰثارھم**۔ ان کے نقش قدم پر۔

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى
پہلے تھا تورات میں سے اور دی ہم نے اُسے انجیل جس میں ہدایت
وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
اور نور تھا اور مصدق بنایا اُس کا جو پہلے تھا تورات میں سے
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ
اور ہدایت اور وعظ متقیوں کے لیے اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل

موسوی شریعت کے تابع بے شمار انبیاء کے بعد حضرت عیسیٰؑ آئے جو موسوی شریعت کے آخری نبی تھے۔ اسی لئے فرمایا کہ ان نبیوں کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو ان کے پیچھے بھیجا۔ جو اس تورات کی تصدیق کرنے والا تھا، جو اس کے پیش نظر تھی۔ دراصل توریت مختلف انبیاء کی ٦٦ الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے جو علمائے یہود کے متفقہ فیصلہ سے توریت میں شامل کی گئیں۔ زبور میں حضرت داؤدؑ کے گیت ہیں۔ ''قاضیوں'' میں حضرت داؤدؑ کے آنے سے پہلے جو مختلف قاضی مقرر تھے۔ ان کا ذکر ہے۔ کچھ حصہ یہود کی عملی تاریخ کے متعلق ہے۔ کچھ حصہ نصائح، خطوط اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ توریت میں بہت کچھ تحریف ہے لیکن تصرفِ الٰہی سے احکامِ شریعت اور آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں محفوظ رہیں۔ پس حضرت عیسیٰؑ نے الہامِ الٰہی کی روشنی میں اسی حصہ کی تصدیق فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پیش نظر رکھا گیا اور جسے اللہ تعالیٰ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ آپ کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور تھا اور جو توریت کے اسی حصہ کی تصدیق کرنے والی تھی جو بطور ہدایت اور نور اس کے سامنے تھا۔ پس انجیل اور صاحب انجیل نے توریت کے اسی حصہ کی تصدیق کی جو تحریف سے پاک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے توریت کی سچی تعلیم انجیل میں داخل کردی جو متقیوں کے لئے ہدایت اور نصیحت کے طور پر تھی۔ من **التّورٰة** سے بھی ظاہر ہے کہ توریت پوری موجود نہیں تھی۔

دنیا میں ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی اور آنحضرت ﷺ کی بشارت دی تا کہ لوگ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار رہیں۔ نیز اپنے سے پہلے انبیاء اور ان کی کتب کی تصدیق کی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی اسی رنگ میں تصدیق کی جس کا ابھی ذکر ہوا ورنہ تحریف شدہ حصہ کی تصدیق نبی نہیں کرسکتا آپ اسی شریعت پر کاربند رہے اور آپ نے آنحضرت ﷺ کی بشارت دی۔ جیسا کہ فارقلیط کے متعلق کھلی کھلی پیشگوئی کی تھی کہ میرے بعد ''وہ'' آئے گا اور ان کو حکم تھا کہ اس کی تصدیق کریں۔ (یوحنا باب ١٦ آیت ١٢۔١٣) انجیل کے لفظی معنی بھی بشارت کے ہیں۔ جیسا کہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

مطابق اسکے جو اُتارا اللہ نے اس میں اور جو نہ فیصلہ کرے مطابق اس کے جو اُتارا اللہ نے

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

تو یہ لوگ ہی فاسق ہیں اور اُتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

ساتھ حق کے مصدق بناکر اس کا جو پہلے ہے اس کے کتاب میں سے اور

مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نگران بناکر اس پر پس فیصلہ کر درمیان ان کے مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے

بار بار بتایا کہ اصل کتب تحریف و کی نذر ہوگئیں ،جو صحیح معنوں میں ہدایت اور نور تھیں۔ تاہم جو اس وقت موجود ہیں ان میں بھی کسی نہ کسی حد تک ہدایت و نور اور پیشگوئیاں موجود ہیں۔

۴۸۔پس اہل انجیل کو انجیل کی انہیں پیشگوئیوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا کہ اگر ان پیشگوئیوں کے مطابق آنحضرت ﷺ کے سچے اور نعوذ باللہ جھوٹے ہونے کا فیصلہ کریں تو آپ ؐ کی صداقت روز روشن کی طرح ثابت ہوجائے گی اگر ان پیشگوئیوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں اور آپ ؐ پر ایمان نہ لائیں تو وہ فاسق ہیں یعنی نافرمان ہیں۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے فرمایا کہ ان آیات کے یہ معنی کرنا کہ اہل کتاب اپنی شریعتوں پر پابند رہیں۔قرآن کریم کے صریح خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم اسلام اوراس کے احکام کی طرف بلاتا ہے۔(آل عمران:۸۶)اورقرآن کریم میں تضادنہیں۔(خطبہ الہامیہ۔اعلان صفحہ ب و ج حاشیہ)

پس ان تینوں آیات میں ان پیشگوئیوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے جو ان کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق ہیں۔اس طرح انہیں اپنی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا ورنہ وہ کافر، ظالم اور فاسق ہوں گے۔ہاں اگر ان تک پیغام حق نہیں پہنچا یا پہنچانے والا قائل نہیں کرسکا تو اس صورت میں ان کی اپنی شریعتوں کے مطابق حساب ہوگا۔غرض پکڑا وہی جائے گا جو پیغام حق کو سچا سمجھنے کے باوجود ایمان نہیں لایا۔

حضرت حذیفہؓ کو کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیات تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔یعنی انہی کو خدائی احکام کے خلاف فیصلہ دینے پر کافر، ظالم اور فاسق کہا۔آپ نے فرمایا کتنے اچھے ہیں تمہارے یہ بھائی بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا ان کے لئے اور میٹھا میٹھا تمہارے لئے۔ہرگز نہیں خدا کی قسم تم انہیں کے طریق پر قدم بقدم چلوگے۔گویا تم بھی اسی طرح احکام الٰہی سے منہ موڑو گے اور

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ

اور نہ پیروی کر خواہشات کی ان کی چھوڑ کر اسے جو آیا تیرے پاس حق میں سے ہر ایک کیلئے

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

بنائی ہم نے تم میں سے شریعت اور راستہ اور اگر چاہتا اللہ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

تو ضرور بناتا تم کو اُمت ایک ہی ولیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ آزماوے تم کو اس میں جو

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

دیا اس نے تم کو پس سبقت لے جاؤ نیکیوں میں طرف اللہ کی لوٹنا ہے تمہارا سب کا

آمدِ مسیح کی پیشگوئیوں کو چھپا کر کافر، ظالم اور فاسق بنو گے۔

۴۹۔ **مُهيمنًا** ۔محافظ۔پناہ میں لینے والا۔نگران۔ جامع ۔ **شرعةً**۔ واضح رستہ۔ طریق الٰہیہ۔مسلک۔ **منهاجًا** ۔ راستہ۔راہ عمل۔حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ **شرعةً** وہ راستہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا اور منهاج وہ ہے جسے سنت نے بیان کیا۔

فرمایا ہم نے قرآن کریم تمہاری طرف نازل کیا جو سراسر حق ہے۔گویا دوسری کتب الٰہیہ میں جو باطل کی آمیزش ہوگئی ہے ،قرآن کریم اس سے پاک ہے۔پچھلی آیت میں انجیل کو توریت کا مصدق کہا محافظ نہیں کہا جبکہ قرآن کریم کو گذشتہ الہامی کتب کا مصدق ہونے کے علاوہ مہیمن و محافظ بھی کہا کہ اس نے ان کی صحیح تعلیم اور احکام کو محفوظ کرلیا ہے۔پس جو باتیں قرآن کریم سے ملتی ہوں گی صحیح ہوں گی باقی غلط(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا) اور یہی اصول حدیث کے لئے ہوگا کہ جو قرآن کریم کے تابع ہوں گی وہ صحیح ہوں گی باقی غلط۔(حضرت مسیح موعودؑ ۔الحق بحث لدھیانہ صفحہ ۱۰۹) اب واضح طور پر حکم دیا کہ تو ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ تعالیٰ نے تیری طرف اتارا ہے۔پس ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر کہ ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ ہو جبکہ تیرے پاس حق آ گیا جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب سب انبیاء اور شریعتیں ایک دوسرے کی مصدق ہیں تو بظاہر اختلاف کیوں۔اس لئے فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک شریعت یعنی دستورِ دین اور راہ عمل مقرر ہے اور ہر شریعت کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔ہاں حالات اور ضرورت کے تحت فروعی احکام میں بحکم الٰہی بعض تبدیلیاں کی گئیں۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے جبر نہیں کیا، اختلاف میں آزمائش رکھی کہ کون خدائی آواز پر لبیک کہتا ہے اور اپنے آبائی عقائد سے منہ موڑ کر اس کے دیئے ہوئے احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے۔پس قرآن کریم پر ایمان لاؤ

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَاَنِ احْكُمْ

پھر وہ آگاہ کرے گا تم کو اس پر کہ تھے تم جس میں اختلاف کرتے اور یہ کہ فیصلہ کر تو

بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

درمیان ان کے مطابق اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیروی کر ان کی خواہشات کی اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

بچ ان سے یہ کہ فتنہ میں ڈال دیں گے تجھے متعلق بعض کے جو اتارا اللہ نے

اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

طرف تیری پس اگر پھر جاویں وہ تو جان لے کہ چاہتا ہے اللہ کہ

جو تمام ہدایتوں کا جامع ہے اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ جو دین کا اصل الاصول ہے۔ باقی رہے مذہبی اختلافات کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ تو اس کا فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو اس فیصلہ کو قیامت پر مؤخر کر رہا ہے مگر افسوس آج یہ فیصلے سڑکوں پر ہوتے ہیں جب دین کے اجارہ داروں کے ایما پر ایک کلمہ گو فرقہ کو غیر مسلم قرار دے کر اس کے بعض افراد کو سڑکوں پر گھسیٹا جاتا ہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات ان کے گھر بار جلا کر خاکستر کردیئے جاتے ہیں۔ بلکہ جان سے مار دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

دراصل شروع سے امتِ واحدہ کا ہونا ناممکنات میں سے تھا کیونکہ اس وقت اقوام عالم کا ایک دوسرے سے رابطہ نہیں تھا اس لئے ہر امت کو اس کی ضرورت اور حالات کے تحت بظاہر الگ الگ قوانین دینے کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ بنیادی طور پر توحید اور اعمال صالحہ کے احکام پر ہی مبنی تھے۔ اکثر ایک نبی خاص طور پر کسی ایک غلطی کی اصلاح کے لئے ہی آتا تھا نیز انسانی ذہن ترقی پذیر تھا، ایک کامل شریعت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہیں بچوں کی طرح قصوں کی زبان میں سمجھایا۔ ہاں جب دنیا کے سمٹنے کے آثار پیدا ہوگئے اور انسان کے دماغی اور عقلی قویٰ بلوغ تک پہنچ گئے اور وہ اس شریعتِ کاملہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے قابل ہوگیا تو پھر آخری شریعت نازل فرمائی جو ہر لحاظ سے کامل اور فطرتِ انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور پوری دنیا کے لئے امام و رہبر ہے تا تمام دنیا میں ایک ہی مذہب ہو اور ایک ہی کتاب۔ قرآن کریم میں ہر مشکل کا حل ہے۔ جہاں دنیوی طور پر ایک جرنیل سے لے کر ایک سپاہی تک اور ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام شہری تک کی رہنمائی کرتا ہے وہاں روحانی طور پر بندے کو خدا کے قرب کی تمام راہوں سے روشناس کراتا اور اسے اپنے رب سے ملا دیتا ہے۔

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

سزا دے انہیں بسبب بعض انکے گناہوں کے اور یقیناً بہت سے لوگ

لَفٰسِقُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ

فاسق ہیں کیا پس فیصلہ جاہلیت کا وہ چاہتے ہیں اور کون زیادہ بہتر ہے

مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥١﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ سے فیصلہ میں ان لوگوں کیلئے (جو) یقین رکھتے ہیں اے لوگو جو

ع ۷ / ۱۱

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ

ایمان لائے ہو نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست بعض ان کے

۵۰۔ پھر تاکید فرمائی کہ ان کے فیصلے مملکتِ اسلامی میں شریعت اسلامی کے مطابق ہی ہوں گے۔ قرآن کریم کا دستور ہے کہ بظاہر مخاطب آنحضرت ﷺ ہوتے ہیں لیکن حکم امت کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ والدین کی عزت کرنے اور بیویوں کی طلاق کے متعلق احکام دیئے حالانکہ نہ آپؐ کے والدین حیات تھے، نہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دی۔ فرمایا ان کی خواہشات کے مطابق ان کی شریعتوں کی اتباع نہ کرو اور ان سے ہوشیار رہو ایسا نہ ہو کہ خدائی احکام کے کسی حصہ کی وجہ سے تمہیں آزمائش میں ڈال دیں۔ گویا تم بھی بعض اسلامی قوانین پر نکتہ چینی کرنے لگو۔ چونکہ یہ سب کچھ عنقریب ہونے والا تھا۔ اس لئے پہلے سے متنبہ فرمایا۔ جیسا کہ آجکل یورپ اور امریکہ میں بسنے والے کئی نام نہاد مسلمان بھی انہیں کی طرح بعض اسلامی حدود کو دقیانوسی اور ظالمانہ سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر پھر بھی وہ خدائی احکام کے مطابق فیصلہ قبول کرنے سے انحراف کرتے ہیں تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ارادہ رکھتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ڈال دے اور یقیناً لوگوں میں اکثریت نافرمانوں کی ہے۔

۵۱۔ کیا وہ جاہلیت کا طریق فیصلہ پسند کرتے ہیں یعنی زمانۂ جاہلیت کا قانون رائج کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح پہلے جاہلانہ رسوم و قیود کے تابع یا توریت اور انجیل کے تحریف شدہ قوانین کے تحت فیصلے ہوتے تھے اور اکثر کمزور و مفلس لوگ امراء اور علماء کی ناانصافیوں کا شکار ہوتے رہتے تھے۔ کیا ویسے ہی فیصلے انہیں پسند ہیں؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کون کرسکتا ہے؟ (بقیہ سورۃ کے آخر میں)

۵۲۔ اس رکوع میں اہل کتاب کے ساتھ جگری دوستی کرنے سے منع فرمایا۔ ان آیات کی شان نزول ابن جریرؒ نے بروایت عکرمہؓ بیان فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ آتے ہی اردگرد کے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ

دوست ہیں بعض کے اور جو دوست بنائے گا انہیں تم میں سے پس یقیناً وہ انہی میں سے ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ

یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں ظالموں کو پس تو دیکھتا ہے ان لوگوں کو

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ

دلوں میں جن کے بیماری ہے جلدی کرتے ہیں (تعلقات قائم کرنے میں) ان (کفار) میں وہ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ

تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ

پہنچے ہمیں گردش پس قریب ہے اللہ کہ لاوے فتح یا

یہود قبائل سے معاہدہ کیا کہ یہود و نصاریٰ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ کرنے والی قوم کی مدد کریں گے بلکہ مسلمانوں سے مل کر ان کا مقابلہ کریں گے اور مسلمانوں پر بھی یہی تمام قیود عائد تھیں لیکن یہود نے جلد ہی اس معاہدہ کو توڑ دیا اور مسلمانوں کی جاسوسی کرنے لگے اور مشرکین مکہ سے سازش کرکے ان کو اپنے قلعہ میں بلانے کے لئے خط لکھا لیکن آپؐ پر اس سازش کا انکشاف ہوگیا اور آپؐ نے بنو قریظہ کے مقابلہ کے لئے ایک مجاہدین کا دستہ بھیجا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ، جس میں مومنین کو ان سے گہری دوستی کرنے سے منع فرمایا۔اس پر بعض صحابہؓ جیسے عبادہ بن صامتؓ وغیرہ نے ان لوگوں سے اپنا معاہدہ ختم کرنے اور ترکِ موالات کا اعلان کر دیا لیکن منافقین جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ نے کہا کہ ان لوگوں سے قطع تعلق میں مجھے خطرہ ہے اس لئے میں ایسا نہیں کروں گا۔

ابن جریرؔ نے کہا کہ ایسی ولایت سے روکا ہے جو مسلمانوں کے خلاف ہو یا جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ چونکہ یہ جنگوں کا زمانہ تھا اور یہود و نصاریٰ مشرکینِ مکہ کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔اس لئے ان کے ساتھ گہری دوستی کے نتیجہ میں بعض جنگی راز افشا ہونے کا بھی خطرہ تھا۔ورنہ عام دوستی اور بنی نوع انسان کی سچی خیرخواہی اور ہمدردی سے اسلام نے کبھی نہیں روکا۔ فرمایا وہ ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار ہیں، تمہارے نہیں۔پس جو مسلمانوں کے خلاف ان کا ہمدرد اور مددگار ہوگا اور انہیں اپنا جگری دوست بنائے گا وہ انہیں میں سے ہوجائے گا کیونکہ گہرے دوستوں کے اخلاق اور عادات و اطوار کا ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا قدرتی امر ہے۔ پس اس طرح کی دوستی جو مومن کو کفر کے قریب کر دے اس سے منع فرمایا۔اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا یعنی جب خود ظالموں کے ساتھ مل گئے تو ہدایت کیسی؟

اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

کوئی اور امر اپنے پاس سے پس ہوجاویں وہ (منافق) اس بات پر جو چھپائی انہوں نے اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

پشیمان اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا یہی لوگ ہیں جو

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ

قسمیں کھاتے تھے اللہ کی پختہ قسمیں اپنی کہ یقیناً وہ ضرور ساتھ ہیں تمہارے گر گئے

اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اعمال ان کے پس ہوگئے وہ ناکام اے لوگو جو

اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ

ایمان لائے جو مرتد ہوگا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب لاوے گا اللہ

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

ایسی قوم کو وہ محبت کرے گا ان سے اور وہ محبت کریں گے اس سے فروتنی کرنے والے ہوں گے مومنوں پر

۵۳۔ **یسارعون**۔وہ دوڑتے ہیں۔**یسارعون فیهم**۔ وہ ان میں شامل ہونے کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ **دائرة**۔ دَور۔ گِرد پھرنا یا گھومنا۔ گردش زمانہ۔

حالانکہ یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا لیکن منافقین ان کی طرف اور کفار و مشرکین کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یعنی ان سے ترکِ موالات پر راضی نہیں اور کہتے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ گردش زمانہ سے ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے یعنی کفار یا اہل کتاب کی فتح کی صورت میں ہم مارے نہ جائیں یا ہمیں نقصان نہ پہنچ جائے۔فرمایا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور امر تمہاری حمایت میں ظہور پذیر ہو تو وہ اس منافقت کی وجہ سے نادم ہوجائیں۔ پھر اس پیشگوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا۔اس وقت مومنین اور کفار قریباً ہم پلہ تھے۔اس لئے منافقین دونوں سے گٹھ جوڑ رکھتے تھے تاکہ جسے فتح ہو اسی کے ساتھ مل جائیں۔

۵۴۔پس عنقریب ہی منافقین کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا اور مومنین حیران ہوں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو پکی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں۔پس ان منافقین کے تمام اعمال ضائع ہوگئے۔انہیں نماز ، روزہ ، جہاد اور خیرات وغیرہ کا کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ انہیں دل سے خدائی بشارتوں پر یقین نہیں تھا اور نہ خدائی احکام پر کاربند تھے پس وہ گھاٹا کھانے والے بن گئے۔

۵۵۔ **اذلّة**۔ذلیل کی جمع ہے۔لفظی معنی تھوڑے کے ہیں۔تھوڑے عاجز ہوتے ہیں۔مراد

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

غالب ہوں گے ۔ کافروں پر جہاد کریں گے راہ میں اللہ کی اور نہ

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

ڈریں گے ۔ ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا وہ دیتا ہے جسے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ

چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے سوائے اس کے نہیں کہ دوست تمہارا ہے اللہ اور

نرم دل۔ شفیق۔ **اعزۃ**۔ عزیز کی جمع ۔غالب۔قوی۔مراد سخت۔

منافقین کی ہمیشہ پردہ پوشی فرمائی اور انہیں مومنین میں شامل رکھا۔پس مومنین کو تسلی دی اور منافقین کی غلط فہمی دور کی کہ اگر تم دین اسلام کو چھوڑ کر کفار اور اہل کتاب سے مل جاؤ گے تو اللہ کو ہرگز فرق نہیں پڑے گا۔تمہاری جگہ جلد ہی ایک ایسی قوم آجائے گی جس میں منافقین والے خصائل نہیں ہوں گے ان سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے پس ان کی محبت للہ ہوگی۔ وہ مومنین پر شفیق و مہربان ہوں گے جبکہ منافق مومنوں کے ہمدرد نہ تھے۔وہ کفار کے مقابلہ میں سخت و قوی ہوں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ان کے مقابلہ میں منافقین بزدل تھے اور جہاد سے ہمیشہ کتراتے تھے۔وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرنے والے نہیں ہوں گے گویا نڈر ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریح فرمائی کہ ''وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور حق بات کہنے سے نہیں جھجکتے۔فرمایا خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ ہمیشہ یہ حال ہوتا رہے گا کہ اگر کوئی ناقص العقل دین اسلام سے مرتد ہوجائے گا تو اس کے مرتد ہونے سے دین اسلام میں کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ اس ایک شخص کے عوض میں خدا تعالیٰ کئی وفادار بندوں کو دین اسلام میں داخل کرے گا۔جو اخلاص سے اس پر ایمان لائیں گے اور خدا تعالیٰ کے محبّ اور محبوب ٹھہریں گے''۔
(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۳۹ حاشیہ نمبر ۱۱)

فرمایا دین اسلام میں داخل ہونا خدا تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا اور خوب جاننے والا ہے چنانچہ اس علم کی وجہ سے صحیح جگہ اپنا فضل نازل کرتا ہے۔تاریخ سے ثابت ہے کہ سوائے ایک عبداللہ نامی شخص کے جو پہلا کاتب وحی تھا،کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مرتد نہیں ہوا۔یہ عبد اللہ بن ابی سرحؓ تھے جنہوں نے فتح مکہ پر توبہ کرکے اسلام قبول کیا اور بطور صحابی وفات پائی۔ابو سفیان) نے بھی ہرقل قیصر روم کے دربار میں تسلیم کیا کہ مسلمان اسلام قبول کرکے مرتد نہیں ہوتے۔(بخاری ۔کتاب الوحی باب بدء الوحی بروایت حضرت ابن عباسؓ) یہ پیشگوئی ہے جو آپ کی وفات پر پوری ہوئی جب کئی جھوٹے مدعیان نبوت

رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

رسول ہے اس کا اور وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جو کہ قائم کرتے ہیں نماز اور

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ

دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنیوالے ہیں اور جو دوستی کریگا اللہ سے اور

رَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع ۱۲

اس کے رسول سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو یقیناً گروہ اللہ کا ہی غالب ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنایا دین کو تمہارے

هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ

ہنسی اور کھیل یعنی وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے اور

الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

(غیر اہل کتاب) کافروں کو دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن اور جب

نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ

بلاتے ہو تم طرف نماز کی وہ بناتے ہیں اُسے ہنسی اور کھیل یہ اس لیے ہے

اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کی بیخکنی فرمائی۔یا اس زمانہ میں پوری ہوئی جب کئی ایک اعلیٰ مسلمان خاندانوں کے چشم و چراغ عیسائیت کی جھولی میں جا گرے۔

۵۶۔ پہلے خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنے سے منع فرمایا۔ اب خدا ، اس کے رسول اور مومنین سے دوستی کرنے کا حکم دیا جو نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں ، اور خدا تعالیٰ کے حضور جھکے رہنے والے ہیں یعنی عاجزی کرنے والے ہیں گویا اپنے اعمال پر متکبر نہیں۔

۵۷۔ **حزب**۔ وہ جماعت یا گروہ جس میں سختی اور شدت پائی جائے۔مراد لشکر۔
بتایا کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کو دوست بناتے ہیں وہ جان لیں کہ یقیناً اللہ ہی کا گروہ ہے جو غالب ہو کر رہنے والا ہے۔یہاں ہمیشہ کے لئے کھلی کھلی پیشگوئی فرمائی کہ آخری غلبہ خدا تعالیٰ کی جماعت کا ہی ہے۔ پس منافقین کا ڈر بلاوجہ ہے کہ کہیں کفار فتح یاب نہ ہو جائیں۔

۵۸۔اس رکوع میں اہل کتاب کی اخلاقی اور روحانی حالت پر روشنی ڈالی کہ وہ کس حد تک گر چکے ہیں۔ پہلے منافقین سے گہری دوستی سے منع فرمایا تھا اب اہل کتاب کے ان لوگوں سے جو تمہارے دین پر ہنستے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں نیز کفار سے گہری دوستی سے منع فرمایا۔اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرو۔ان

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ

کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ نہیں عقل کرتے تو کہدے اے اہل کتاب نہیں

تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

بُرا مانتے تم ہم سے سوائے اسکے کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر جو اُتارا گیا طرف ہماری اور

مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۶۰﴾ قُلْ هَلْ

جو اُتارا گیا پہلے سے اور یقیناً اکثر تمہارے نافرمان ہیں تو کہدے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ

آگاہ کردوں میں تم کو زیادہ بری بات براس سے بھی بدلہ میں نزدیک اللہ کے جو شخص کہ

لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ

لعنت کی اس پر اللہ نے اور غضب کیا ان پر اور بنائے ان میں سے بندر اور

الْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

سؤر اور پوجا انہوں نے شیطان کو یہ لوگ بدترین ہیں درجہ میں

وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۱﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا

اور زیادہ گمراہ ہیں درست راہ سے اور جب وہ آتے ہیں تمہارے پاس کہتے ہیں

سے دوستی نہ کرکے تم کوئی نقصان نہیں اٹھاؤ گے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو اہل کتاب دین سے تمسخر نہیں کرتے ، اسلام اور بانی اسلام کا احترام کرتے ہیں ،ان سے دوستی منع نہیں۔

۵۹۔یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے لئے اذان دینے پر بھی پھبتیاں کستے ہیں اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔یہ اس بنا پر ہے کہ یہ قوم عقل سے کام نہیں لیتی کیونکہ دین کو تمسخر اور کھیل تماشا بنانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ خواہ دنیوی طور پر وہ کیسے ہی صاحب عقل و دانش ہوں۔

۶۰۔چاہیئے تو یہ تھا کہ اہل کتاب کفار و مشرکین سے متنفر ہوتے اور مسلمانوں کو بوجہ خدا تعالیٰ پر اوران کی کتابوں پر ایمان لانے کے پسند کرتے لیکن افسوس یہ مسلمانوں سے صرف اس لئے بیر رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ پر اور اُس کی بھیجی ہوئی کتابوں یعنی قران کریم ،انجیل اور توریت پر ایمان رکھتے ہیں چونکہ تم میں اکثر نافرمان ہیں اس لئے ہماری فرمانبرداری تمہیں پسند نہیں۔

۶۱۔ **بِشَرٍّمن ذٰلک**۔اس سے بھی زیادہ برا۔ **مثوبۃ** ۔ثوب۔ جزا ۔بدلہ۔

ان سے کہہ کہ کیا میں تمہیں ان لوگوں کا حال بتاؤں جن کا انجام خدا تعالیٰ کے ہاں ان فاسقوں سے بھی بدتر ہے؟وہ یہی قوم یعنی یہود و نصاریٰ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اِن پر غضبناک ہوا۔یہ اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اپنی تاریخ پر سرسری نظر ڈالیں۔حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ

اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ

ایمان لائے ہم حالانکہ یقیناً داخل ہوئے ساتھ کفر کے اور وہ یقیناً نکلے (تیرے پاس سے) ساتھ اسی کے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا

اور اللہ خوب جانتا ہے اسے جو ہیں وہ چھپاتے اور تو دیکھے گا بہتوں کو

مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

ان میں سے جلدی کرتے ہیں گناہ میں اور زیادتی میں اور اپنے کھانے میں

اور حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ جیسے عظیم المرتبت انبیاء اور دیگر بے شمار نبیوں کی اولاد اور پیروکار جب احکامِ الٰہی سے روگرداں ہوئے تو خدا کی لعنت اور غضب کے مورد بنے۔ان میں سے بعض میں بندروں اور سؤروں کی خصلتیں پیدا ہوگئیں۔بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح حریص اور شہوت پرست بن گئے۔ورنہ سچ مچ بندر اور سؤر نہیں بنے (مجاہدؒ ابن کثیر جلد اوّل صفحہ۔۱۷۹) یہ بندر اور سؤر بنی اسرائیل سے ہی خاص نہیں، مسلمان بھی یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔آنحضرتﷺ نے فرمایا! ایسا بدقسمت زمانہ آئے گا کہ امت میں اختلافات پھیلیں گے۔عامتہ الناس گھبرا کر علماء کے پاس رہنمائی کی امید سے جائیں گے تو وہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح پائیں گے (کنز العمال ۱۹۰/۷) یہود کو سبت کی نافرمانی کی وجہ سے بندر کہا اور نصاریٰ کو مائدہ کی ناشکری اور دنیوی طور پر حریص و شہوت پرست ہونے کی وجہ سے خنزیر کہا۔اسی لئے حدیث میں مسیح موعودؑ کے لئے آیا **فیکسر الصلیب** اور **یقتل الخنزیر** (بروایت ابوہریرہؓ متفق علیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۷) گویا عیسائیت کے مذہبی غلبہ کو ختم کرے گا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ صلیبوں کو توڑتا اور سؤروں کو قتل کرتا پھرے گا۔جو ہرگز ایک نبی کے شایانِ شان نہیں اور نہ بظاہر ممکن ہے۔پس آپ کا مقابلہ زیادہ تر نصاریٰ سے ہی ہوا۔جنہوں نے ہر میدان میں شکست کھائی اور یہ مقابلہ بفضل تعالیٰ جاری ہے۔انہوں نے شیطان کی عبادت کی۔گویا شیطان کے احکام پر عمل کرتے تھے۔یہی لوگ مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بدتر اور راہِ حق سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

۶۲۔ پھر یہ بندر اور خنزیر صفت لوگ جب تیرے پاس آتے ہیں تو بیشک زبانی طور پر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن یقیناً وہ کفر کے ساتھ ہی تیرے پاس آتے ہیں اور کفر کے ساتھ ہی نکل جاتے ہیں جیسا کہ آخری زمانہ کے علماء سوء کے متعلق آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ فتنے انہی میں سے پھوٹیں گے اور انہی میں لوٹ جائیں گے۔(مشکوٰۃ کتاب العلم الفضل الثالث صفحہ ۳۸ بروایت حضرت علیؓ) اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو خوب جانتا ہے گویا دلوں میں کفر ہی بھرا رہتا ہے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ

حرام البتہ کیا بُرا ہے جو ہیں وہ کرتے کیوں نہیں روکتے ان کو

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ

اللہ والے لوگ اور عالم کہنے سے ان کے گناہ (کی باتیں) اور کھانے سے ان کے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَقَالَتِ

حرام البتہ کیا ہی بُرا ہے جو ہیں وہ کرتے اور کہا

الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا

یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بند ہے بند کئے گئے ہاتھ ان کے اور لعنت کئے گئے

بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

بسبب اسکے جو کہا انہوں نے بلکہ دونوں ہاتھ اس کے کھلے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے

گو زبانی ایمان کا اقرار کریں۔ یہاں زیادہ واضح کر دیا کہ وہ حقیقتاً بندر اور سؤر نہیں بن گئے تھے کیونکہ آپ کے پاس کبھی بندر اور سؤر نہیں آئے۔

۶۳۔ تو دیکھتا ہے کہ اہل کتاب میں سے اکثر گناہ، ظلم و زیادتی اور حرام خوری میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔ ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں۔

۶۴۔ اگر عوام بگڑ چکے ہیں تو ان کے مشائخ اور علماء کیوں ان کو گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے نہیں روکتے۔ حسنؒ کا قول ہے کہ ربانی علمائے انجیل اور احبار علمائے توریت ہیں۔ جو کچھ یہ علماء کرتے ہیں یقیناً بہت ہی برا ہے۔ ہر فعل ارادہ سے بھی ہوتا ہے اور بلا ارادہ بھی۔ اس لئے عوام کے لئے لفظ **یعملون** اختیار کیا۔ صنع ارادہ کو چاہتا ہے اس لئے علماء و مشائخ کے لئے **یصنعون** کہا، کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے چند دنیوی فوائد کی خاطر عوام کی اصلاح اور تعلیم و تربیت سے لاپرواہ ہیں۔ **یصنعون** میں ان کی صنعتوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشائخ و علماء کے لئے پورے قرآن کریم میں اس آیت سے زیادہ تنبیہ کہیں نہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم قرآن کریم اور احادیث میں ہر کس و ناکس پر ہے لیکن علماء و مشائخ اس کے لئے پورے طور پر ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ قوم کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی تمام تر ذمہ داری ان پر ہے اور اس میں لاپرواہی ناقابل معافی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ افضل الجہاد ہے۔

۶۵۔ **مغلولة**۔ غل۔ باندھنا۔ طوق۔ اغلال۔ بیڑیاں۔ **مغلول الید**۔ جس کے ہاتھ

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

اور البتہ ضرور بڑھائے گا بہتوں کو ان میں سے وہ جو اُتارا گیا طرف تیری طرف سے تیرے رب کی

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

سرکشی میں اور کفر میں اور ڈال ہم نے درمیان ان کے عداوت اور

الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ

بغض تا روز قیامت جب کبھی جلاویں گے آگ لڑائی کی

اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا

بجھا دے گا اسے اللہ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی اور اللہ نہیں

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا

پسند کرتا فساد کرنیوالوں کو اور اگر یقیناً اہل کتاب ایمان لاتے

بندھے ہوں مراد بخیل۔ **بسط**۔ کشادہ۔ **یدہ مبسوطتٰن**۔ جس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوں۔ شاہ خرچ۔

یہود مدینہ میں مالی طور پر ایک مستحکم قوم تھی۔ تجارت اور سود خواری کی وجہ سے، جبکہ مسلمان غریب و نادار تھے۔ جو مسلمانوں میں صاحب ثروت تھے، انہوں نے اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا تھا اور وہ بھی فقراء میں شامل ہوگئے تھے۔ جنگی ضروریات کے لئے اور دیگر رفاہی کاموں کے لئے ہمہ وقت چندے کی تحریک ہوتی۔ اس پر یہود تمسخر کے طور پر کہتے کہ کیا مسلمانوں کا خدا بخیل ہے اور خرچ نہیں کرسکتا جو بندوں سے مانگتا اور قرضہ لیتا ہے۔ فرمایا بخیل تو یہ خود ہیں جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرسکتے اور جن کا بخل دنیا میں آج بھی ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی شان میں اتنی بڑی گستاخی کی وجہ سے یہ خدا کی رحمت اور قربت سے دور ہوگئے ہیں اور دنیوی طور پر بھی ان پر ذلت و خواری مسلط کردی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اس کے جود و سخا کا تو کوئی شمار نہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے یعنی اپنی حکمت سے جسے مناسب سمجھتا ہے اور جب مناسب سمجھتا ہے نوازتا ہے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ مسلمانوں کو دنیوی حکومتیں بھی ملیں اور قرب الٰہی بھی نصیب ہوا۔

وحی الٰہی کی وجہ سے مومنین تو مطیع و فرمانبردار بن گئے اور یہ بجائے نصیحت حاصل کرنے یا ہدایت پانے کے تکبر اور ضد کی وجہ سے سرکشی اور کفر میں اور بھی بڑھ گئے اور ہم نے قیامت تک کے لئے ان یہود و نصاریٰ کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیئے ہیں۔ جب بھی یہ رسول کے

وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

اور تقویٰ کرتے البتہ دُور کرتے ہم ان سے بُرائیاں ان کی اور داخل کرتے ہم ان کو باغات میں

النَّعِيْمِ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

نعمت کے اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

اور جو اُتارا گیا طرف ان کی طرف سے انکے رب کی البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور

مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۚ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے اپنے پیروں کے ان میں سے ایک گروہ میانہ رَو ہے اور بہت سے

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ

ان میں سے ایسے ہیں کہ بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں اے رسول پہنچا دے جو

ع ۹ / ۱۰ / ۱۴

خلاف جنگ کی آگ سلگاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے گویا اسلام کے خلاف ان کی خفیہ سازشوں کو ناکام بنادیتا ہے اور ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ جنگ ہوتے ہوتے ٹل جاتی ہے۔ پھر اور کچھ بس نہیں چلتا تو دنیا میں فساد برپا کرنے کے لئے تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی یہود نے امن عالم کو تہ و بالا کیا ہوا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی جنگوں اور فسادوں میں انہی کا ہاتھ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا اظہار بھی اکثر ہوتا رہتا ہے۔

۶۶۔ فرمایا کہ اگر اہل کتاب بجائے سرکشیوں اور نافرمانیوں کے آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں دور کر دیتے اور انہیں نعمتوں والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔

۶۷۔ **مقتصدۃ** (قصد) میانہ رو۔

اگر وہ تورات اور انجیل کی تعلیم کو قائم رکھتے، تورات و انجیل سے مراد تحریف سے پاک اصل کتابیں ہیں، یعنی توریت و انجیل کو اس کی اصل حالت پر قائم رکھتے اور ان پر عمل کرتے اور ان کی ان پیشگوئیوں کو جن میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا حکم تھا، مان کر آپؐ پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آتے تو ان کو اوپر سے بھی رزق ملتا اور نیچے سے بھی رزق ملتا، یعنی آسمانی برکات سے بھی حصہ پاتے اور زمینی برکات سے بھی (کشاف وبیضاوی) روحانی نعمتوں سے بھی نوازے جاتے اور دنیاوی نعمتوں سے بھی، گویا نبوت وحکومت کے وارث ہوتے۔ ابھی بھی ان میں ایک گروہ میانہ رو

اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

اُتارا گیا تیری طرف، طرف سے تیرے رب کے اور اگر نہ کیا تو نے تو نہیں پہنچائے تو نے

رِسٰلَتَهٗ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

پیغامات اسکے اور اللہ بچاوے گا تجھے لوگوں سے یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ

لوگوں کافروں کو تو کہدے اے اہل کتاب نہیں ہو تم کسی شے پر

ہے جو ایمان لے آیا جیسے یہود میں عبداللہ بن سلامؓ جن کا پہلا نام حصن بن سلام تھا اور مخیرقؓ وغیرہ اور نصاریٰ میں خاص طور پر نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے ساتھی وغیرہ شامل ہیں، جبکہ ان میں اکثر بہت بُرے کام کرتے ہیں۔ آج توریت اور انجیل میں تحریف کے باوجود اگر یہود و نصاریٰ پر دنیوی رزق کے دروازے کھولے گئے ہیں تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ کی حکومت میں انصاف ہے جو محنت کرے گا وہ پھل پائے گا۔ دوئم یہ کہ جن احکام کو مسلمانوں نے بھلا دیا، ان قوموں نے اپنالیا جیسے عدل و انصاف، دیانت و امانت، خدمت خلق، اکتساب علم، محنت و کاوش اور تحقیق وجستجو نیز صفائی وغیرہ۔ سوئم حضرت عیسیٰؑ کی اپنی امت کے لئے مائدہ کی دعا۔

۶۸۔ **یعصمک ۔ عصم** ۔ روکنا۔ بچانا۔ عاصم بچانے والا۔ وہ تجھے بچائے گا۔

اس رکوع میں خاص طور پر نصاریٰ کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے دین میں غلو کیا۔ یہود و نصاریٰ کی اس حالت کے باوجود کہ دین کی ہنسی اڑاتے ہیں، آپؐ کو پھر بھی یہی حکم دیا کہ اے رسولؐ! پیغام حق لوگوں کو پہنچادے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا۔ یہاں یہ ہرگز مراد نہیں کہ خدانخواستہ آپؐ نے پیغام حق پہنچانے میں تساہل سے کام لیا۔ کیونکہ آپؐ کی زندگی کا تو ایک ایک لحہ تبلیغ دین کے لئے وقف تھا۔ اپنے ربّ کا پیغام پہنچانے کی وجہ سے ہی آپؐ کو مکّہ میں شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں کی زمین آپؐ پر تنگ ہوگئی تو طائف پہنچے وہاں جو سلوک ہوا وہ اس حدیث سے ظاہر ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپؐ کی زندگی میں اُحد کے دن سے بھی کوئی سخت دن تھا۔ آپؐ نے فرمایا! کہ طائف کا دن میری زندگی کا سخت ترین دن تھا۔ اس شخص کی طرح جس کی کوئی منزل نہ ہو جدھر منہ اٹھایا ادھر بھاگتا چلا گیا۔ طائف کے لونڈے آپؐ پر پتھر برسا رہے تھے، یہاں تک کہ نعلین مبارک خون سے پاؤں میں چپک گئیں اور آپؐ تین کوس تک بھاگتے چلے گئے۔ (جامعۃ الصغیر للسیوطی) مدینہ

حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ
یہاں تک کہ قائم کرو تم تورات اور انجیل اور جو اُتارا گیا طرف تمہاری

مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ
طرف سے تمہارے رب کی اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا بہتوں کو ان میں سے وہ جو اُتارا گیا طرف تیری

مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
طرف سے تیرے رب کی سرکشی میں اور کفر میں پس نہ غم کھاؤ لوگوں

الْكٰفِرِیْنَ ﴿٦٩﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا
کافروں پر یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے

تشریف لائے تو ایک پل چین نصیب نہ ہوا۔مدینہ کے یہود اور منافقین کی خفیہ سازشیں ،کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگیں نیز مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، ایسے عوامل تھے کہ آپؐ کے لئے تبلیغ کے لئے وقت نکالنا بظاہر ممکن نہیں تھا لیکن آپؐ ایک لحہ کے لئے بھی فریضۂ تبلیغ سے غافل نہیں ہوئے اور ساری زندگی پیغامِ حق پہنچاتے اور اذیتیں اٹھاتے گزاری۔پس یہ حکم آپؐ کی وساطت سے امت کے لئے ہے کہ شدید مصروفیات یا کسی کے ظاہری غلبہ اور شان و شوکت کی وجہ سے وہ پیغامِ حق پہنچانے میں ہرگز سستی نہ کریں۔جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان سے محفوظ رکھے گا اور **اِنَّ اللّٰہ لایھدی القوم الکٰفرین** o یعنی کافروں کو ان کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔(کشاف و بیضاوی)اس وقت آپؐ کے خیمہ کے گرد پہرہ تھا۔آپؐ نے سب کو رخصت کر دیا کہ اب تمہاری ضرورت نہیں۔(بروایت حضرت عائشہؓ ترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدہ) کفار کی تمام تر کوششوں کے باوجود آپؐ کا بچ رہنا ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ مارنے والوں نے عین شوکت اسلام میں عمرؓ، علیؓ اور عثمانؓ کو شہید کردیا لیکن عین کمزوری کے ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اتنے مخالف کچھ نہ کر سکے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ١٢ اگست ١٩٠٩ء) **یعصمک** میں صدورِ ذنب سے محفوظ رکھنا بھی شامل ہے۔(روح المعانی) یعنی آپؐ کی روحانی اورجسمانی ہر طرح کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیاہے۔احکام تبلیغ کے ساتھ ہی حفاظت کا وعدہ فرما کر داعی الی اللہ کو بھی تسلی دی کہ بیشک تبلیغ کے نتیجہ میں شدید مخالفت کا سامنا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔

٦٩۔ توریت اور انجیل کی اصل تعلیم قرآن کریم میں محفوظ کر دی گئی ہے۔باقی تحریف شدہ احکام ہیں یا لوگوں کے بنائے ہوئے قصے کہانیاں جن کا خدائی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔پس جب تک

وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
اور صابی اور عیسائی جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٧٠﴾
اور کی اس نے نیکی پس نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ
یقیناً یقیناً لیا ہم نے وعدہ بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے طرف ان کے

رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ
رسول جب کبھی لایا ان کے پاس کوئی رسول جسے ناپسند کرتے تھے نفس ان کے

اپنی کتابوں کی اصل تعلیم پر جو قرآن کریم کے عین مشابہ ہے ،عمل پیرا نہیں ہوتے اور اپنی پیشگوئیوں کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے اس وقت تک قرآن کریم کی تعلیم انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی بلکہ سرکشی اورکفر میں اور بھی بڑھا دے گی پس اس کافر قوم پرافسوس نہ کر۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ تبلیغ کے حکم کے بعد یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اہل کتاب کو ان کی اپنی تعلیم کی طرف بلاؤ۔قدرمشترک سے تبلیغ شروع کرو۔جب دیانتداری سے اپنی کتابوں پرغور وفکراورعمل شروع کر دیں گے تو اگلا راستہ آسان ہوجائے گا۔اگر تمہاری تعلیم سے باغیانہ رویہ اختیار کریں تو افسوس نہ کر۔ضروری نہیں کہ ہر شخص ہدایت حاصل کرلے۔

٧٠۔ معمولی تبدیلی سے سورۃ بقرہ آیت ٦٣ کا مضمون دہرایا۔وہاں اس کی تفسیر گزر چکی ہے استفادہ فرمایئے۔مختصر یہ ہے کہ یہاں اسلام کے چند بنیادی عقائد کا ذکر کیا جو تمام اسلامی عقائد کا لب لباب ہیں۔بتایا کہ نام نہاد مسلمان ہوں یادوسرے مذاہب کے پیرو۔ان میں سے جو بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ پر اوریوم آخر پر ایمان لائے گا اور اعمال صالحہ بجالائے گا،مومنینِ کامل میں شمار ہوگا۔جن کی علامت یہ بتائی کہ اسلام قبول کرکے یاتوبہ کرکے ان کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ان کی وجہ سے انہیں کوئی غم نہیں ہوتااور نہ آئندہ کے لئے کوئی خوف ہوتاہے کیونکہ پھر ان کی زندگی احکام الٰہی کے تابع گزرتی ہے۔تبلیغ کا ذکر جاری تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں)فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ کے لئے ایسے لوگوں کو تلاش کرو جن کی بنیاد کسی کتاب پر ہو۔جو مؤحد ہوں اور اسلام کی اس بنیادی تعلیم پرعمل پیرا ہوں جوتمام مذاہب میں قدرِمشترک ہے۔امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا سینہ اسلام کے لئے کھول دے گا۔اگران تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا تو بھی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔ہاں اگر ان

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧١﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ
تو ایک فریق کو جھٹلایا انہوں نے اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور گمان کیا انہوں نے کہ نہ ہوگا

فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ
فساد پس وہ اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر فضل سے متوجہ ہوا اللہ ان پر پھر

عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾
اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہت سے ان میں اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسکو جو وہ کرتے ہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
یقیناً یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ ہی مسیح ابن

تک پیغامِ حق پہنچ گیا، اسلام کی صداقت ان پر کھل گئی اور حجت تمام ہوگئی۔ پھر انہوں نے ہٹ دھرمی اور ضد سے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔ (آل عمران ؛ ۸٦)

۷۱۔ آپؐ کو تسلی دی کہ بنی اسرائیل کی زیادتیاں آپؐ سے ہی خاص نہیں یہ ایسی نافرمان قوم ہے کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے تمام پیغمبروں کی تصدیق و اطاعت کا پختہ عہد لیا تھا اور کئی رسول اس عہد کی یاد دہانی کے لئے آئے لیکن جب بھی کوئی رسول ایسی تعلیم لایا جو انہیں پسند نہ تھی تو بعض کو انہوں نے جھٹلایا اور بعض کے قتل کے درپے ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحقیق کے مطابق بائبل اور قرآن کریم سے کسی نبی کا قتل ثابت نہیں البتہ احتمال ہے۔ حضرت یحییٰ ؑ کا قتل بھی ثابت نہیں۔ یہاں قتل سے مراد انبیاء کے قتل کے درپے ہونا یا ان کے مقاصد کا قتل ہے۔ پس جب ان کا اپنے رسولوں سے یہ سلوک تھا تو دوسروں کے لئے بھلائی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۷۲۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑنے اور اس کے رسولوں کو ستانے کی انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی اور وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے ہماری باتوں کو سننے اور سمجھنے سے انکار کردیا اور ہدایت کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کرلئے۔ پس وہ اپنی شوخیوں کی وجہ سے ایک لمبا عرصہ عذاب میں مبتلا رہے (روح البیان) بعدازاں انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان پر رجوع برحمت ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم نبی مبعوث فرمایا۔ پھر بھی ان میں سے اکثر نہ حق کے بینا ہوئے اور نہ حق کے شنوا (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ ۱۱۷) اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔ پس جس طرح پہلے عذاب آیا اب بھی آئے گا۔

مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا
مریم ہے اور کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ
اللہ رب میرے اور رب اپنے کی یقیناً جو شریک بنادیگا ساتھ اللہ کے تو یقیناً حرام کردی

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
اللہ نے اس پر جنت اور ٹھکانا اس کا آگ ہے اور نہیں واسطے ظالموں کے

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٣﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ
کوئی مددگار یقیناً یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا یقیناً اللہ تیسرا ہے

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا
تین کا حالانکہ نہیں کوئی خدا سوائے خدائے واحد کے اور اگر نہ باز آئے وہ

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اس سے جو وہ کہتے ہیں البتہ ضرور چھوئے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب

۷۳۔ بنی اسرائیل میں سے اگر یہود تکذیبِ انبیاء سے تفریط کا شکار ہوئے تو نصاریٰ اپنے نبی کو خدائی کا درجہ دے کر افراط کا شکار ہوئے۔ پس جنہوں نے مسیح کو خدائی کا درجہ دیا وہ ضرور کافر ہوگئے کیونکہ مسیح نے انجیل میں کہیں خدائی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کی، جس نے اسے اور سب لوگوں کو پیدا کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ خدائی میں یا اس کی صفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ پھر کوئی ایسا مددگار نہیں ہوگا جو شرک کرنے والے ظالموں کو عذاب سے بچاسکے۔

۷۴۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ اقانیم تین ہیں باپ، بیٹا اور روح القدس یا مسیح، مریم اور اللہ۔ یہ تینوں خدا ہیں اور خدا ایک ہے۔ یہ گورکھ دھندا نہ ان کی سمجھ میں آیا نہ کسی اور کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسی لئے اسے ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں کہ عام لوگ اسے سمجھ نہیں سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اگر وہ اپنے اس باطل عقیدے سے باز نہ آئے تو ان میں سے ان لوگوں کو جو اس عقیدہ پر قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر ہیں، دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ گویا یہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

۷۵۔ کیا یہ اپنے ان غلط عقائد سے اللہ کے حضور توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے۔ اللہ تو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ گویا اتنے بڑے گناہوں کے باوجود

اَلِیْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

دردناک کیا پس نہیں توبہ کرتے وہ حضور اللہ کے اور بخشش مانگتے اس سے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر رسول یقیناً

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ

گذرچکے ہیں پہلے اس کے رسول اور والدہ اس کی صدیقہ تھی وہ دونوں کھایا کرتے تھے

الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی

کھانا دیکھو کس طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کیلئے آیات پھر دیکھ کس طرح وہ

یُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ

اُلٹے پھیرے جاتے ہیں تو کہدے کیا تم پوجتے ہو سوائے اللہ کے اسے جو نہیں مالک ہوتا تمہارے

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ

بے ضرر کا اور نہ نفع کا اور اللہ وہ ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے تو کہدے اے اہل

بھی اگر خدا اور رسول پر ایمان لے آئیں ، توبہ کریں اور معافی مانگیں تو اللہ تعالیٰ پچھلے تمام گناہ معاف فرمادے گا۔

۷۶۔جب نصاریٰ کے باطل عقائد کا ذکر کیا کہ مریم اور ابن مریم خدائی کا درجہ رکھتے ہیں تو ساتھ ہی ان کے عقیدے کے بطلان میں یہ آیت نازل فرمائی جس میں مسیح کی عبدیت اور عدم الوہیت کے دلائل دیئے کہ مسیح دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول تھا۔جس طرح آپ سے پہلے تمام رسول وفات پاگئے اسی طرح آپ بھی وفات پاچکے ہیں۔ مسیح اور اس کی ماں خدا کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ تمام بشری لوازم آپ کے شامل حال تھے۔عام انسانوں کی طرح ایک عورت نے جنم دیا پھر عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور دوسرے حوائج ضروریہ ان کے ساتھ تھے جبکہ خدا کو ایسی کوئی احتیاج نہیں۔فرمایا ہم نے ان کے لئے کھول کھول کر دلائل بیان کر دیئے۔ پھر دیکھو وہ کدھر بھٹکائے جارہے ہیں۔ یعنی باوجود ٹھوس دلائل کے شریر انہیں غلط راستوں پر لے جاتے ہیں اور وہ الوہیتِ مسیح کے باطل عقیدہ سے باز نہیں آتے۔

۷۷۔مزید وضاحت فرمائی کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہیں نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ نفع پہنچانے پر یعنی مسیح ہو یا کوئی اولیاء اللہ یا کوئی دیوی دیوتا، نہ کسی کو فائدہ پہنچاسکتے ہیں نہ نقصان۔ صرف خدا کی ذات ہی نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔

الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ

کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو خواہشات کی

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ

ان لوگوں کی کہ گمراہ ہوئے پہلے سے اور گمراہ کیا انہوں نے بہتوں کو اور گمراہ ہوگئے

سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ

درست راہ سے لعنت کی گئی ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے

ع ۱۰ / ۱۱ / ۱۴

عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

زبان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی یہ بسبب اسکے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور

كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ

تھے وہ حد سے بڑھتے وہ تھے کہ نہیں ایک دوسرے کو روکتے تھے بُری بات سے کہ کرتے تھے جسے

کیونکہ وہی سمیع ہے تمہاری فریادیں سنتا ہے اور علیم ہے، تمہاری ضرورتوں کو جانتا ہے ، تمہارے حال سے باخبر ہے۔یعنی سب کی حاجتیں جانتا ہے اور ان کی حاجت روائی کرتا ہے۔

۷۸۔اس آیت میں نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے دین میں ناحق مبالغہ آمیزی سے بچیں کیونکہ عقیدت اور محبت میں انہوں نے اتنا مبالغہ کیا کہ ایک انسان کو خدا بنا دیا۔حالانکہ مسیح نے اناجیل میں کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہاں گزشتہ صحیفوں میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو خدا کے بیٹے کہا۔لیکن انہوں نے حقیقی رنگ میں مسیح کو ابن اللہ اور خداوند کہہ کر خدائی صفات اس کی طرف منسوب کیں۔اس کی ابتدا پولوس نے کی جو یونانی فلسفے سے متاثر تھا۔آج کی تحقیق نے ثابت کیا کہ عیسائیت سے قبل رُومیوں میں تثلیث کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔ان سے متاثر ہو کر سینٹ پال نے اس عقیدہ کو عیسائیت میں داخل کیا اور لوگوں کی گمراہی کا باعث بنا۔اس عقیدے کو چوتھی صدی عیسوی کے ابتدا میں باضابطہ سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا۔ Encyclopedia Britannica (Church History) پس یہاں نصاریٰ کو متنبہ کیا کہ ان کے اسلاف جو غلطیاں کرچکے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور اس سیدھے راستہ سے بھٹک گئے جو مسیح نے انہیں بتلایا تھا ، یہ اس غلطی سے بچیں۔یہ سب ایک اُمّی نے اس وقت بتایا جب نصاریٰ کو اپنے مذہب میں کسی غلو کا علم نہیں تھا۔آج انہی کے دانشوروں نے اسے تسلیم کیا جو قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کی بیّن دلیل ہے۔(انسائیکلو پیڈیا بلیکا صفحہ ۶۵۳۔۶۵۴)

۷۹۔اس رکوع میں بتایا کہ یہود کی نسبت نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ نرم دل اور محبت

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ

البتہ کیا ہی بُرا ہے جو تھے وہ کرتے تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے دوستی کرتے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ

ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا البتہ کیا ہی بُرا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے جانوں نے ان کی یہ کہ

سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَلَوْ

ناراض ہوا اللہ ان پر اور عذاب میں وہ رہ پڑنے والے ہیں اور اگر

کرنے والے ہیں۔ بنی اسرائیل کا کفر و انکار کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے قبل بھی اپنی نافرمانیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے دو عظیم نبیوں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ملعون قرار دیئے جا چکے ہیں۔ یعنی زبور اور انجیل میں ان پر خدا کی لعنت کا واضح ذکر ہے کہ یہ رحمت خداوندی سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا، ان دونوں انبیاء پر عظیم بہتان لگانا تھا۔ حضرت داؤدؑ پر شرمناک الزامات لگائے۔ آپ کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں مگر آپ کی نبوت کے منکر ہیں حضرت عیسیٰؑ پر **نعوذباللّٰہ من ذٰلک** ولد الزنا اور لعنتی موت کا الزام تھا۔ چنانچہ ان دونوں نبیوں کے بعد ان پر تباہی آئی۔ حضرت داؤدؑ کے بعد قریباً چھ سو سال قبل مسیح بخت نصر نے یروشلم میں یہود پر تباہی مچائی ان کا بے دریغ قتل عام کیا کہ وہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد سنہ ٦٦ء سے ٧٠ء تک طیطوس رومی نے یہود پر وہ مظالم ڈھائے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ہیکل سلمانی کو تاراج کیا اور انہیں ہمیشہ کے لئے بیت المقدس سے نکال دیا۔ افسوس ان کی سرشت نہیں بدلی انہوں نے وہی رویہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اختیار کیا۔ شفیق و مہربان رسولؐ نے انہیں بار بار معاف کیا لیکن وہ باز نہ آئے آخر مدینہ اور خیبر سے نکالے گئے۔ نازیوں نے انہیں بے دریغ ہلاک کیا لیکن یہ نہیں سمجھے۔ آج جو کچھ فلسطین میں کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ بھی جلد ہی دیکھ لیں گے۔ اس کے لئے انہیں تیار رہنا چاہیئے۔

٨٠۔ یہ لعنتیں اور خدائی عذاب اس قوم پر اس لئے وارد ہوئے کہ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہیں تھے حالانکہ جو کچھ وہ کرتے تھے بہت ہی برا تھا۔ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سختی سے حکم دیا ہے کیونکہ اگر کسی کو برائی سے نہ روکا جائے تو برائی کی اہمیت جاتی رہتی ہے اور لوگ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتے۔ اس طرح ایک برائی چند افراد سے شروع

كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا

وہ ہوتے ایمان لاتے اللہ اور نبی پر اور اس پر جو اُتارا گیا طرف اس کی تو نہ

اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

بناتے انہیں دوست ولیکن بہت سے ان میں سے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ

البتہ ضرور پائے گا تو زیادہ سخت تمام لوگوں سے دشمنی میں ان لوگوں کی جو ایمان لائے یہودیوں کو

ہو کر پوری قوم کو تباہ کر دیتی ہے۔ مغربی اقوام کی فحاشی اس کی زندہ مثال ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔ حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سخت عذاب سے دوچار کرے گا (جیسا کہ یورپ و امریکہ میں ایڈز کا عذاب آیا) پس تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں ہوں گی (ترمذی ابواب الفتن باب امر بالمعروف والنھی عن المنکر) اس حکم کو پس پشت ڈال کر مسلمان اقوام بھی خدائی قہر و غضب کا شکار ہیں۔

٨١۔ **سخط**۔ سخت غصہ۔ خدا کی طرف نسبت ہو تو مراد خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا غضب نازل ہونا ہے۔

یہود کی اسلام دشمنی کا حال یہ ہے کہ خدا پر، ان کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے والے مومنین کو چھوڑ کر ان کی تمام تر دوستیاں اور ہمدردیاں کفار و مشرکین کے ساتھ ہیں۔ ان کے ان اعمال کی وجہ سے خدا تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوا اور ان پر اس کا غضب بھڑکا۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ ان کے نفسوں نے ان کے لئے جو آگے بھیجا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ پس یہ عذاب میں بہت لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔

٨٢۔ اگر ان کے دوست کفار و مشرکین، اللہ تعالیٰ پر اور نبی کریم ﷺ پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آتے اور مسلمان ہو جاتے تو یہ یہود ان سے کبھی دوستی نہ رکھتے۔ گویا ثابت ہوا کہ یہ دوستی محض اسلام دشمنی کی وجہ سے ہے اور ان میں بہت سے بدکردار اور نافرمان ہیں۔

٨٣۔ **قسّیسین۔ القسُّ** ۔ رات کو کسی چیز کو تلاش کرنا۔ مراد نصاریٰ کے عالم اور خدا پرست ہیں جو راتوں کو عبادت کرتے اور قربِ الٰہی کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ **رھباناً**۔ راھب کی جمع۔ تارک الدنیا۔

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً

اوران لوگوں کو جو مشرک ہوئے اور البتہ ضرور پائے گا تو قریب ان سے محبت میں

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ

ان لوگوں کی جو ایمان لائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا یقیناً ہم عیسائی ہیں یہ اس سبب سے ہے

مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

کہ ان میں سے پادری ہیں اور درویش ہیں اور کہ وہ نہیں تکبر کرتے

الجزء ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى

اور جب وہ سنتے ہیں اسے جو اُتارا گیا طرف رسول کی تو دیکھے گا

بے شک نصاریٰ اور یہود افراط وتفریط کا شکار تھے اور راہ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ تاہم ان میں یہود اور مشرکین اسلام کے پکے دشمن ہیں جبکہ نصاریٰ مسلمانوں سے بلحاظ دوستی دوسروں سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ان میں عبادت گزار عالم اور درویش ہیں جو تکبر نہیں کرتے۔ گویا نیکیوں اور قبول حق میں تکبر ہی مانع ہے۔ حقیقت میں یہود و مشرکین کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہوئے۔ آج بھی یہ اسلام کے پکے دشمن ہیں(آیت ۷۹ ملاحظہ فرمائیں) یہ بھی اشارہ ہے کہ مومنین کو نصاریٰ سے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی نجاشی شاہ حبشہ نے مع اپنے رفقاء اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کو پناہ دی۔ ہرقل شاہ روم نے اسلام قبول کرنا چاہا لیکن اکابرینِ دربار کی مخالفت سے جرأت نہ کرسکا۔ مقوقس شاہ مصر نے آپ کے تبلیغی خط کے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں تحائف ارسال فرمائے۔ نجران کے وفد کو جس میں بڑے بڑے عالم اور راہب تھے آپؐ سے مباہلہ کی جرأت نہ ہوئی اس طرح نصاریٰ بحیثیت مجموعی آپ پر ایمان بھی نسبتاً زیادہ لائے اور مخالفت بھی کم کی۔ جبکہ یہود نے مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چند ایک ایمان لائے اور باقی سب آپؐ کے خلاف ہمیشہ ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔ آپ کو ہلاک کرنے کی کئی سازشیں کیں۔ زہر دیا(ابن ہشام جلد۲) اور بھاری پتھر گرا کر آپؐ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ یہ واقعات جنگِ خیبر کے موقع پر پیش آئے لیکن اللہ نے اپنے وعدہ کے مطابق ہمیشہ آپؐ کی حفاظت فرمائی۔

۸۴۔ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر ۵ نبوی ماہ رجب میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے چھپ کر ہجرت فرمائی جن میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور آپ کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسولؐ تھیں۔ آپ شیعبہ پہنچے تو اسی وقت

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ

آنکھوں کو ان کی بہتی ہیں آنسوؤں سے بسبب اسکے جو پہچان لیا انہوں نے حق میں سے

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا

وہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ایمان لائے ہم سو لکھ لے ہمیں ساتھ گواہوں کے اور کیا ہوا ہمیں

لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ

کہ نہ ایمان لاویں ہم اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس آیا ہے حق سے اور ہم خواہش رکھتے ہیں کہ

يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ

داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک لوگوں کے پس بدلہ میں دیئے انہیں اللہ نے

دو تجارتی جہاز رکے جو آپ کو نصف دینار پر حبشہ لے گئے قریش نے ان کا تعاقب کیا لیکن جہاز جاچکے تھے۔ دوسرا قافلہ چند ماہ بعد جعفرؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں بیاسی افراد کو لے کر حبشہ پہنچا۔ ان کے پیچھے قریش نے تحفے تحائف دے کر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے باغی ہیں۔ ہمارے اور آپ کے مذہب کو برا کہتے ہیں، ان کو واپس کیا جائے۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ ایک مدلل تقریر فرمائی اور نجاشی کے سوالات کے بہترین جوابات دیئے اور بتایا کہ ہم گمراہ تھے، بتوں کو پوجتے تھے، فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ خدا نے ہمارے درمیان نبی مبعوث فرمایا جو خدا کا کلام پڑھ کر سناتا ہے۔ نجاشی کے ہر سوال کا آپ نے تسلی بخش جواب دیا۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی پر اس قدر اثر ہوا کہ اس کے آنسو بہنے لگے اور کہا جو کچھ آپ نے تلاوت فرمایا، حضرت عیسیٰؑ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہیں اور اسلام قبول فرمایا۔ (بقیہ سورۃ کے آخر میں) یہ آیات ان خاص حالات کی نشاندہی بھی کرتی ہیں اور عام حالت کا بھی ذکر کیا کہ یہود سود خواری، دنیوی لالچ اور نسبی تکبر کی وجہ سے سخت دل اور متکبر ہو چکے تھے جبکہ نصاریٰ عبادت گزاری کی وجہ سے نرم دل تھے۔ جب کلام الٰہی سنتے تو حق کو پہچان لیتے، ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور ایمان لے آتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں لکھ لے جنہوں نے قبولِ اسلام سے دین کی سچائی کی گواہی دی اور تصدیق کی۔

۸۵۔ اور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور اس سچے کلام پر ایمان کیوں نہ لائیں جو ہمارے پاس آیا؟ جبکہ ہم خواہش مند ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین میں شامل کرے۔ یہ وہ پاک فطرت لوگ ہیں جو ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب بھی سچائی آئے قبول کرتے ہیں۔

بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
بسبب اس کے جو کہا انہوں نے باغات کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں وہ رہ پڑنے والے ہیں
فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
ان میں اور یہ بدلہ ہے احسان کرنے والوں کا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
تکذیب کی آیات کی ہماری یہ لوگ دوزخ والے ہیں اے لوگو جو
اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ
ایمان لائے ہو نہ حرام ٹھہراؤ پاک چیزیں جو حلال کیں اللہ نے تمہارے لیے اور نہ زیادتی کرو
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے

ع ۹

۸۶۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی وجہ سے ان کو بطور صلہ ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ ''ہر محسن کے لئے یہی جزا ہے یہ مت سمجھو کہ انعامات اگلوں کے لئے ہی تھے اور تم محروم ہو'' (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ اگست ۱۹۰۹ء) **بماقالوا** سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قول ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک انسان جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ ایسا قول وہ ہوتا ہے جو سخت مخالفت کے وقت جرأت کے ساتھ کوئی مومن کہے جیسے سورۃ **یٰسٓ** میں ایک مومن کی دلیرانہ گفتگو پر **قیل ادخل الجنۃ** کہہ کر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ (''از قرآن مجید مترجم'' مع تفسیری نوٹس مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی) لیکن اس قول کے پیچھے تمام عقائد صحیحہ پر ایمان اور عمل شامل ہوتا ہے۔ کشاف و بیضاوی کے مطابق یہاں قول سے مراد اعتقاد ہے۔

۸۷۔ برخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات و احکام کو جھٹلایا، یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم کے مستحق ہیں۔

۸۸۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو نصاریٰ کی غلطیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی جنہوں نے نہ صرف عقائد میں غلو کیا بلکہ عبادات میں بھی غلو کیا اور رہبانیت اختیار کی۔

چونکہ نصاریٰ کی مدح فرمائی جس میں رہبانیت کا بھی ذکر تھا اس لئے یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ شاید یہ کوئی قابل تعریف چیز ہے۔ اس لئے واضح فرمایا اور رہبانیت کی مذمت فرمائی کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ جیسا کہ رہبانیت میں کئی حلال چیزیں جیسے نکاح وغیرہ حرام ہے

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ لَا
حلال طیب اور ڈرو اللہ سے وہ کہ تم جس پر ایمان لانے والے ہو نہیں
يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
مواخذہ کرتا تم سے اللہ بسبب لغو کے قسموں میں تمہاری ولیکن مواخذہ کرتا ہے تم سے
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
بسبب اس کے جو ارادہ سے کھائیں تم نے قسمیں پس کفارہ اس کا کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ
یعنی درمیانی (معیار کا کھانا) جو کھلاتے ہو تم گھر والوں کو اپنے یا کپڑے ان کے یا آزاد کرنا
رَقَبَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ
ایک گردن کا پس جو نہ پاوے تو روزے ہیں تین دن کے یہ کفارہ ہے
اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ
قسموں کا تمہاری جبکہ حلف اٹھاؤ تم اور حفاظت کرو قسموں کی اپنی اسی طرح

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ان قوموں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے عورتوں، عمدہ کھانوں، خوشبو اور نیند کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور آخر میں فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔ اس میں رہبانیت کا صحیح نقشہ کھینچا اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔ حد سے تجاوز کرنا بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے دین کی حدود و قیود کو توڑنا خواہ افراط سے ہو یا تفریط سے، اس میں شامل ہے پس حدود سے آگے نکلنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔ گویا سخت ناپسند کرتا ہے۔ جہنم میں جانے کی ایک وجہ گناہوں، زیادتیوں اور ظلم و ستم میں حد سے تجاوز کرنا بھی ہے۔ ورنہ چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے وہ رحیم و کریم صرفِ نظر فرماتا ہے۔

۸۹۔ فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا، اس میں سے حلال اور طیب چیزیں کھاؤ پیئو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو گویا حلال چیزوں سے اجتناب تقویٰ کے منافی ہے۔ بعض دوسری اقوام کی نقالی میں کئی نام نہاد مسلمان پیر فقیر بھی نفس کشی کو ذریعۂ قرب الٰہی سمجھتے ہیں اور بعض حلال چیزوں کو خود پر حرام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا! کہ اے لوگو! تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بخاری کتاب النکاح)

۹۰۔ کفر کے لفظی معنی چھپانا کے ہیں۔ اسی سے کفرانِ نعمت یعنی نعمتوں کو چھپانا ہے۔ کفارہ وہ ہے جو گناہ کو چھپا دے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۹۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے آیات اپنی تاکہ تم شکر کرو اے لوگو جو

اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

ایمان لائے ہو سوائے اسکے نہیں کہ شراب اور جوا اور بُت اور جوئے کے تیر ناپاک ہیں

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّمَا

یعنی کام ہیں شیطان کے پس بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہو سوائے اسکے نہیں کہ

بعض لوگ قَسم کی وجہ سے بھی بعض حلال چیزیں خود پر حرام کرلیتے ہیں۔ایسی قسم ہو یا عادتاً یاغصے سے یا کسی غلط فہمی سے جھوٹی قسم کھائی ہو ، تو یہ لغویات میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ایسی تمام قسموں کو توڑ دینے کا حکم ہے۔اس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے اور آئندہ محتاط رہنا چاہیئے۔ہاں پکی قسمیں کھانے اور ان کو توڑدینے پر کفارہ ہے(کشاف وبیضاوی) یعنی قسمیں کھا کر وعدہ کرو پھر توڑدو۔اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جوتم اپنے اہل کو کھلاتے ہو آنحضرت ﷺ نے کفارہ کے طور پر فی کس کے حساب سے کم از کم نصف کلو یازیادہ سے زیادہ ایک کلو اناج دیا۔پکا کرکھلانا یا قیمت دینا بھی جائز ہے یا دس مسکینوں کو لباس پہنانا۔اگر ہر مسکین کو پورا لباس دینے کی استطاعت نہ ہوتو کچھ نہ کچھ دینا بھی جائز ہے۔جیسے دوپٹہ ، کُرتا یا دھوتی وغیرہ ۔ یاغلام آزاد کرنا ہے۔آج کل گردن آزاد کرنا کسی کاقرضہ ادا کرنا ہے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا) ان تمام طریقوں سے کفارہ دینے میں فضیلت ہے۔ہاں جسے توفیق نہ ہو ، وہ تین دن مسلسل روزے رکھے(امام ابو حنیفہ) یہ تمہارے عہد کا کفارہ ہے جوتم نے حلف اٹھا کر باندھا۔جہاں تک ممکن ہو ،اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"یعنی جب قسم کھاؤتو جھوٹ ، بدعہدی اور بددیانتی سے اپنی قسم کو بچاؤ"(حضرت مسیح موعود علیہ السلام تبلیغ رسالت(مجموعہ اشتہارات) جلد دہم صفحہ ۷۰ حاشیہ) یہ بھی معنی ہیں کہ بلاوجہ قسمیں نہ کھاؤ اور نہ بلاوجہ توڑو۔شکر اس لئے کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ احکام کھول کر بیان نہ کرتاتو ہمیشہ کے لئے تم بعض حلال چیزوں سے محروم ہو جاتے۔

۹۱۔**انصاب**۔نصب کی جمع۔ کھڑا کرنا۔بتوں کو بوجہ کھڑے ہونے کے نصب کہا۔ **ازلام**۔ **زلم** کی جمع ۔قرعہ اندازی کے تیر۔

یہاں بتایا کہ حلال وحرام صرف کھانوں اورقسموں تک ہی محدود نہیں، شراب ،جوا ،بت اور قرعہ اندازی کے تیر یہ سب ناپاک اورشیطانی کام ہیں۔جہاں تک شراب کاتعلق ہے سورۃ البقرہ:۲۲۰

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي

چاہتا ہے شیطان کہ ڈالے درمیان تمہارے دشمنی اور بغض بذریعہ

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ

شراب اور جوئے کے اور روکے تمہیں یاد سے اللہ کی اور نماز سے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

پس کیا تم باز آنے والے ہو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

اور سورۃ النساء :۴۴ میں اس کی حرمت کے واضح اشارے مل چکے تھے لیکن ان آیات سے حرمتِ شراب کی عام منادی کرادی اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہا دی گئی۔اُن آیات میں اس ام الخبائث کے مضر اثرات کا تفصیلی ذکر ہوچکا ہے چونکہ نصاریٰ کا ذکر جاری تھا اس لئے خاص طور پر شراب اورجوئے کی حرمت کا ذکر کیا۔غرض یہ انسانی صحت و اخلاق کے لئے زہر قاتل ہے۔ اس سے دل اور دماغ کی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔جگر کی خرابی اور جگر کے کینسر کی ایک وجہ شراب ہے۔اس سے معدے اور لبلبے میں سوزش ہوجاتی ہے ،بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے ، ماؤں کی شراب نوشی سے بچے جسمانی اور دماغی معذوری کا شکار ہوجاتے ہیں۔پروفیسر ہچ(Prof Hatch) کہتے ہیں مغربی دنیا پندرہ سال کی کوششوں سے شراب پر پابندی لگانے میں ناکام رہی۔جب کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے سے اس پر پابندی لگا رکھی ہے۔جوئے اور قرعہ اندازی کے تیروں سے دوسروں کے حقوق دبانے ، بغیر محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی پر قبضہ جمانے اور تساہل و آرام پسندی جیسی قبیح عادات پیدا ہوتی ہیں۔دنیا کے بڑے بڑے جرائم کے پیچھے ان دونوں قباحتوں کا بڑا دخل ہے۔ اسلام میں شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ، خدا کو چھوڑ کر پتھروں یاانسانوں کو اپناحاجت روا جاننا، گناہِ کبیرہ میں سے ہے۔اس آیت میں شراب اور جوئے کو بت پرستی کے ساتھ رکھ کر مسلمانوں کو ان سے نفرت دلائی گئی ہے۔قرعہ اندازی کے تیر بھی جوئے کی ہی قسم تھی ،جو آجکل کی لاٹری کے مشابہ تھے جس میں کوئی کلیتہً محروم ہو جاتا اور کوئی اپنے حق سے زیادہ لے جاتا۔پس ان تمام ناپاک اور شیطانی کاموں سے پوری طرح بچو تااپنے مقصد حیات کو حاصل کرسکوجو قرب الٰہی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! شراب پینا گویا بتوں کو پوجنا ہے تا کہ شراب کی حرمت کا اندازہ ہو اور لوگ شرک کی طرح اس سے متنفر ہوں۔

۹۲۔ان آیات میں شراب اور جوئے کی شدید حرمت فرمائی اور خوب واضح کیا کہ ان میں

وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اور ڈرو پس اگر پھر گئے تم پس جان لو کہ صرف رسول پر ہمارے پہنچا دینا ہے

الْمُبِيْنُ ﴿۹۳﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کُھلا کُھلا نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں

جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کوئی گناہ اس چیز میں جو کھائی انہوں نے جبکہ تقویٰ کیا انہوں نے اور ایمان لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۚ وَاللّٰهُ

نیکیاں پھر تقویٰ کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ کیا اور احسان کیا اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ ع ۱۲

پسند کرتا ہے محسنوں کو اے لوگو جو ایمان لائے ہو البتہ ضرور آزمائے گا تمہیں

دینی اور دنیوی دونوں نقصان ہیں۔دنیوی طور پر صحت اور دولت کی بربادی ہے۔ شراب اور جوئے سے جس طرح خون خرابے اور جرائم ہوتے ہیں اور آپس میں دشمنیاں جنم لیتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔جوئے میں گھر بار اور بعض دفعہ بیوی بچوں تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ دینی اور روحانی نقصان یہ ہے کہ ذکر الٰہی اور نماز جو اسلام کے اہم ترین فرائض ہیں ،ان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ نشہ میں نماز کا ادا کرنا تو جائز ہی نہیں (سورۃ البقرہ :۲۲۰) ذکر الٰہی بھی ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شرابی اور جواری نماز اور ذکر الٰہی سے ہمیشہ غافل ہوتے ہیں۔ گویا دنیا بھی جاتی ہے اور دین بھی۔ پس یہ تمام نقصانات جان لینے کے باوجود بھی باز نہیں آ ؤ گے اور ان کو چھوڑو گے نہیں؟اللہ کی طرف سے اس سے زیادہ اظہارِ ناراضگی اور ڈانٹ کیا ہو سکتی ہے۔اسلام میں شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے ہیں۔ (امام ابو حنیفہؒ)

۹۳۔ پہلے شیطانی کاموں سے روکا۔اب ساتھ ہی اطاعت کا حکم دیا کہ اللہ اور رسول کی بات مانو ،وہ جن چیزوں کو حرام قرار دیں ، ان سے بچو۔اگر اس تنبیہ کے بعد بھی رسول کی اطاعت سے منہ پھیرو گے تو تم رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔(کشاف و بیضاوی) ہمارے رسول پر صرف وضاحت سے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔

۹۴۔**امنوا**۔ ایمان پر قائم رہیں (کشاف و بیضاوی)

اس آیت میں تین دفعہ تقویٰ کا لفظ آیا ہے۔ایک اپنے نفس کے متعلق دوسرا خلق خدا کے متعلق تیسرا اللہ تعالیٰ کے متعلق (''قرآن مجید مترجم'' مع نوٹس مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی)

اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

اللہ بذریعہ کسی شکار کے کہ پکڑیں گے جسے ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے تاکہ جان لے

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

اللہ اس شخص کو جو ڈرتا ہے اس سے غائبانہ پس جس نے زیادتی کی بعد اس کے

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

تو اس کیلئے عذاب ہے دردناک اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرو

اس عاجزہ کی رائے میں یہاں تقویٰ کے تین مراتب کا ذکر ہے۔پہلی دفعہ اپنے نفس کے متعلق دوسری دفعہ اللہ کے متعلق تیسری دفعہ خلق خدا کے متعلق۔اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔بتایا کہ ان کے درجات لامتناہی ہیں۔جوں جوں تقویٰ میں ترقی ہوتی جائے گی ایمان کا معیار بھی بلند ہوتا جائے گا۔ فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے انہیں کوئی گناہ نہیں وہ جو چاہیں کھائیں پئیں بشرطیکہ اپنے نفسوں کو اللہ کی بتائی ہوئی حرام چیزوں سے بچائیں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک اعمال بجا لانے میں مزید ترقی کریں۔پھر نہ صرف گناہوں سے بچیں بلکہ اللہ سے ڈریں اور حقوق اللہ کی پوری پوری محافظت کریں جس میں نماز، روزہ اور دیگر تمام عبادتیں شامل ہیں۔ حقوق اللہ کی محافظت کے نتیجہ میں ایمان میں مزید ترقی کریں اور خلق خدا کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور اُن کی حق تلفی سے بچیں یعنی حقوق العباد ادا کریں ، پھر اس سے بھی اعلیٰ ترین مقام ہے۔ وہ مخلوقِ خدا پر احسان ہے جو عدل سے بڑھ کر ہے یعنی دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیں اور خود اپنے حق سے کم لیں۔پس احسان کرنے والوں کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہ خدا کے محبوب اور پیارے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔''دنیوی تنازعات کے وقت مالی نقصان برداشت کرلو۔اور جودِ نفس سے کام لو تا کہ تنازع رفع ہو۔انسان کو ایسا موقع ہمیشہ ہاتھ نہیں آتا کہ وہ فطرت کے یہ جوہر دکھا سکے اور اپنے بھائی کی خاطر نقصان اٹھائے اور سچا ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرے۔جب کبھی ایسا موقع ہاتھ آجائے ،اسے غنیمت خیال کرنا چاہیئے'' (ملفوضات جلد سوئم صفحہ ۱۹) گویا احسان کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔

۹۵۔ **رماح**۔ رمح کی جمع ہے۔ تیر۔

نصاریٰ کے ذکر میں شراب اور جوئے کی حرمت کا ذکر کیا چونکہ اسلام کا آخری مقابلہ نصاریٰ سے ہی مقدر تھا اس لئے اس رکوع میں حرمتِ کعبہ کا بیان ہے۔جس کی تباہی کے لئے عیسائی

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ

شکار کو جبکہ تم محرم ہو اور جو قتل کریگا اسے تم میں سے عمداً تو بدلہ ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مانند اس کی جو قتل کیا اس نے چارپایوں میں سے فیصلہ کریں متعلق اسکے دو عدل والے تم میں سے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ

بطور قربانی کے پہنچنے والی کعبہ تک یا کفارہ ہے کھانا مساکین کا یا برابر

ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ

اس کے روزے ہیں تاکہ وہ چکھے وبال کرتوت کا اپنی درگذر کیا اللہ نے اس سے جو پہلے ہو چکا

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۶﴾

اور جو دوبارہ کریگا تو انتقام لے گا اللہ اس سے اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ہے

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار بحری اور کھانا اس کا فائدہ کیلئے واسطے تمہارے اور واسطے مسافروں کے

بادشاہ ابرہہ پہلے کوشش کر چکا تھا اور مع لاؤ لشکر عذاب الٰہی سے تباہ ہوا اور آخری ناکام کوشش بھی نصاریٰ کی طرف سے ہی ہوگی۔ جس طرح اکلِ حرام میں انسان کی آزمائش ہے اسی طرح اکل حلال میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قدر آزمائش حج کے موقع پر رکھی۔ یعنی احرام کی حالت میں شکار خواہ تمہاری پہنچ کے اندر ہی ہو، حدود حرم میں تمہارے لئے حرام ہے۔ احکام الٰہی بندوں کے فائدہ کے لئے ہی ہوتے ہیں خواہ بظاہر نہ بھی سمجھ آئیں۔ یہاں شکار نہ کرنے کا حکم ہے۔ جال لگا کر پکڑنا یا کسی بھی طریق سے شکار کرنا حرام ہے۔ حج میں پوری توجہ صرف اور صرف خدا کی طرف ہونی چاہیئے جب ایک بندہ عشقِ الٰہی میں دنیا سے منہ موڑ کر کفن نما لباس پہن کر لبیک لبیک کہتا ہوا اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے تو دنیا والوں سے اس کا ناطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جہاں شکار کرنے سے کسی کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہے وہاں توجہ کا دنیا داری کی طرف مبذول ہونے کا بھی ڈر ہے۔ غرض خدا کا کوئی حکم ہو، بظاہر فائدہ نظر آئے یا نہ آئے، اس پر کماحقہٗ عمل کرنا بندے کا کام ہے۔ پس شکار نہ کرنے سے بھی علم ہو جائے گا کہ کون غیب میں خدا سے ڈرتا ہے اور کون نہیں۔ اس واضح حکم کے بعد بھی اگر کوئی شکار کرے اور خدائی حدود کو توڑے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۹۶۔ احرام کی حالت میں شکار سے منع کرنے کے باوجود اگر کوئی جان بوجھ کر شکار کرے تو تم میں سے دو صاحب عدل کے فیصلہ سے شکار سے ملتا جلتا جانور بطور کفارہ کعبہ میں ذبح کرنا

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور حرام کیا گیا تم پر شکار خشکی کا جب تک رہو تم محرم اور ڈرو اللہ سے

الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۷﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ

وہ جو کہ طرف اس کی اکٹھے کئے جانیوالے ہو بنایا اللہ نے کعبہ یعنی اس گھر

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

عزت والے کو قیام کا سبب لوگوں کے لیے اور (بنایا ہے) شہر الحرام کو اور قربانی کو اور گانیوں کو

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

یہ اس لیے تاکہ جان لو تم کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو

الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

زمین میں ہے اور یقیناً اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے جان لو کہ یقیناً اللہ

ہوگا۔ جیسے ہرن کے بدلہ بکری یا نیل گائے کے بدلہ گائے۔ یا قربانی کی قیمت کا کھانا یا غلہ یا نقدی مساکین میں تقسیم کرنا ہوگی۔ فضیلت اسی میں ہے لیکن اگر توفیق نہ ہو تو مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھنے ہوں گے۔ فیصلہ بہر حال دو صاحبِ عدل حالات کے مطابق کریں گے۔ کھانا کھلانے یا روزوں میں حرم کی قید نہیں، قربانی میں ہے۔ قرآن کریم نے فیصلوں کے لئے عموماً ایک سے زیادہ آدمیوں کا تعین فرمایا تاکہ باہم مشورہ سے صحیح فیصلہ کر سکیں۔ یہ سب اس لئے تا مجرم اپنے کئے کی سزا پائے۔ البتہ گزشتہ کوتاہیاں معاف ہیں۔ لیکن جو اعادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ اللہ کامل غلبے والا ہے اور بدلہ لینے کی پوری طاقت رکھتا ہے۔ ہاں ضرر رساں جانور سانپ بچھو یا باؤلا کتا وغیرہ مارنے کی اجازت ہے۔

۹۷۔ البتہ تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے بحری جانور کا شکار اور کھانا حلال کیا گیا ہے، کیونکہ بعض دفعہ سمندری سفر میں مسافر انہیں پر گزارہ کرتے ہیں۔ نیز کسی کو چوٹ لگنے کا بھی احتمال نہیں ہوتا۔ ہاں حالت احرام میں خشکی کا شکار حرام ہے اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے حضور تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا، جس کا ہلکا سا تصور تم اس اجتماع سے لگا سکتے ہو۔

۹۸۔ اللہ کے اس عزت اور حرمت والے گھر خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا یعنی جب تک کعبہ قائم ہے اس وقت تک دنیا بھی قائم ہے۔ یہ نہ ہوگا تو دنیا بھی نہ ہوگی۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ اگست ۱۹۰۹ء) اس طرح

شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾ مَا عَلَی
سخت ہے سزا میں اور یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے نہیں
الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
رسول پر مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو ظاہر کرتے ہو تم اور جو

کعبہ اور کعبہ کے متعلقات تمام دنیا کے لئے امن و قیام کا باعث ہیں۔ہاں مسلمانوں سے خاص ہیں۔اس میں ظاہری اور باطنی دونوں قیام شامل ہیں کیونکہ کعبہ جہاں ظاہری قیام کا باعث ہے وہاں روحانیت کے قیام کا باعث بھی ہے۔ آنحضرتﷺ کا کعبہ کے قُرب میں پیدا ہونا اس کی دلیل ہے۔حرمت والے مہینے، قربانی کے جانور اور پٹے پہنائی ہوئی قربانیاں بھی ہمیشہ قائم رہیں گی اور حج بھی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔جو روحانیت کی جلا کے لئے صیقل کا کام دیتا ہے۔کعبہ کو روحانیت سے ایک خاص نسبت ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جتنے کشوف والہام مجھے کعبہ میں ہوئے اور روحانیت میں ترقی ہوئی،ویسی کہیں نہیں ہوئی۔(حیات نور الدین) ظاہری طور پر قیام کا ذریعہ یہ ہے کہ کعبہ اور کعبہ کے متعلقات یعنی حج،حرمت والے مہینوں اور قربانیوں کی وجہ سے عرب معاشی طور پر خود کفیل ہوگئے ہیں۔مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع میں مختلف ممالک کے بہترین دماغ تمام دنیا کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین لائحہ عمل تیار کرسکتے ہیں۔جس میں ان کی معاشی و اقتصادی ترقی،تعلیم اور تجارت میں فروغ نیز اتحادِ ملی وغیرہ امور کو زیر بحث لا کر ان کے تمام مسائل کا صحیح حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔اس طرح حج تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے دینی اور اقتصادی قیام کا باعث ہوگا۔گویا دنیا و آخرت کی اصلاح و درستگی بیت اللہ سے وابستہ ہے۔(مفردات) کعبہ کا قیامت تک قائم رہنا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے روحانی اور مادی فوائد اس کے ساتھ وابستہ ہونا، یہ عظیم پیشگوئی اس لئے فرمائی تا کہ تم اللہ کے علیم ہونے کو جان لو کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے۔

۹۹۔اس آیت میں اس کے لئے وعید و وعدہ ہے جو محارم کی ہتک اور حفاظت کرے (بیضاوی) کعبہ کے محارم کھول کر بتادیئے۔اب بتایا کہ جولوگ بیت اللہ کی حرمتوں کی پابندی نہیں کریں گے یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے تو وہ جان لیں کہ اللہ پکڑ میں بہت سخت ہے۔مسلمانوں کے کسی فرقہ کو حج سے روکنا بھی اللہ تعالیٰ کے عتاب کو دعوت دینا ہے اور جو اس اللہ کے گھر کے محارم کی حفاظت کریں گے تو انہیں معلوم ہو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔یعنی ان کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرمائے گا اوران کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ
چھپاتے ہو تم تو کہدے نہیں برابر ہوتا خبیث اور پاک اور اگرچہ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ
اچھی لگے تجھے کثرت خبیث کی پس ڈرو اللہ سے اے عقلوں والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ
تاکہ تم کامیاب ہو اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پوچھو متعلق
اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ
(ان) باتوں کے کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے بُری لگیں تم کو اور اگر پوچھو تم متعلق انکے جبکہ
یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
اُتارا جارہا ہے قرآن ظاہر کی جائیں گی تمہارے لیے درگذر کیا اللہ نے متعلق انکے اور اللہ بہت بخشنے والا

۱۰۰۔رسول کے ذمہ اچھی طرح پیغام پہنچانے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔اس میں وسیع مفہوم ہے۔یعنی اس پیغام کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے بظاہر ایمان لے آؤ اور دل میں کفر ہو جیسے منافقین، یا بظاہر ایمان ظاہر نہ کرو اور دل میں ایمان ہو جیسے کمزور ایمان والے ، یا ظاہر و باطن میں مومن ہو یا ظاہر و باطن میں کافر ہو۔غرض جو بھی صورت حال ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمہاری کوئی بھی حالت اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

۱۰۱۔اس آیت کا مفہوم بھی وسیع معانی کا حامل ہے۔حلال و حرام خوب واضح کردینے کے بعد فرمایا کہ حرام کی کثرت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔گویا کثرت ہمیشہ حرام کی ہی ہوگی ۔چنانچہ سرسری نظر سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حرام کھانے والوں کی دنیا میں کثرت ہے ، جبکہ رزقِ حلال کھانے والے کم ہیں۔ نیک اعمال و اخلاق اور اچھے کردار کے طیب لوگ کم ہیں جبکہ بد اعمال،بداخلاق اور بدکردار خبیث لوگوں کی بہتات ہے۔عام اشیاء میں بھی ردی چیزیں قیمتی چیزوں کے بالمقابل لاتعداد ہیں، چونکہ دنیا میں روز ازل سے تاقیامت ایسا ہی مقدر تھا اس لئے فرمایا کہ دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔اگر چہ خبیثوں کی کیسی ہی کثرت ہو اور اس کثرت کی وجہ سے خواہ تمہیں مرغوب بھی ہوں۔پس اے عقلمندو!اللہ سے ڈرو تا کہ فلاح پاجاؤ۔عقل تو تمہیں کثرت کی طرف ہی مائل کرے گی کہ جب سب ایک کام کر رہے ہیں تو یقیناً اچھا ہی ہوگا،لیکن جب تقویٰ سے کا م لوگے۔ خدا سے ڈر کرغور کرو گے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اچھے کا م کرنے والے ہمیشہ کم ہوتے ہیں اور قلت کے باوجود وہی دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا

بُردبار ہے تحقیق پوچھیں تھیں وہ (باتیں) لوگوں نے پہلے تم سے پھر ہوگئے وہ

بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ

ان کے منکر نہیں بنایا اللہ نے کوئی بحیرہ اور نہ سائبہ

وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۙ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ

اور نہ وصیلہ اور نہ حام ولیکن وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں گھڑ لیتے ہیں

۱۰۲۔اس رکوع میں بتایا کہ اہم امور کی طرف متوجہ رہو اور احکام شریعت میں غیر ضروری سوالات سے گریز کرو۔زیادہ سوالات کرنے کا مقصد احکام الٰہی کو ٹالنا بھی ہوتا ہے۔ نیز غیر اہم مسائل میں الجھ کر اکثر اہم امور میں تساہل ہو جاتا ہے۔ تاہم تمام اصلاح کے احکام کی وضاحت فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ خدا نے حلال بھی بیان کردیا اور حرام بھی مگر خود ہی کچھ چیزوں کی نسبت خاموش رہا ، بغیر کسی بھول چوک کے صرف تم پر رحم کرتے ہوئے ، پس ان چیزوں کے متعلق خواہ مخواہ بحث نہ کرتے رہا کرو۔(بروایت ابوثعلبؓ دارقطنی باب الصید والذبائح صفحہ ۵۵۰)

اسلام نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ اختیار کی۔ پہلے عبادات میں غلو سے منع فرمایا یہاں تفصیلاتِ شریعت میں غلو سے روکا۔ قرآن کریم جیسی مختصر کتاب ان غیر ضروری تفصیلات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔تمام ضروری امور میں تفصیلاتِ شریعت کی ضروری وضاحت اللہ تعالیٰ خود دے رہا ہے۔باقی امور میں اجتہاد کا دروازہ اسلام نے کھلا رکھا ہے تاکہ حالات اور زمانہ کے مطابق متقی اہل فراست اپنی سہولت کے مد نظر خود فیصلہ کریں۔یہ اسلام کا بندوں پر عظیم احسان ہے کہ انہیں چھوٹے چھوٹے امور میں ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ فرمایا لغو امور اور غیر ضروری سوالات کرکے اپنا اور نبیؐ کا وقت ضائع نہ کرو۔اگرتمہارے سوالوں کے جواب دیئے گئے تو تمہارے لئے تکلیف کا باعث ہوں گے یعنی شریعت میں حدود و قیود کی مزید پابندیاں تمہارے لئے مشکلات پیدا کر دیں گی اورتم عمل نہیں کرسکو گے۔اللہ تعالیٰ نے ان سے صرفِ نظر فرمایا اور تمہارے سوالات کی وجہ سے تم پر مزید بوجھ نہیں ڈالا۔وہ بہت معاف کرنے والا اور بُردبار ہے۔یعنی تمہارے سوالات کے باوجود وہ معاف کرنے والا ہے اور وہی احکام نازل فرمائے گا جن میں تمہاری بہتری ہے۔

۱۰۳۔ یادرکھو تم سے پہلے بھی ایک قوم نے ایسے مسائل پوچھے تھے۔جب واضح احکام مل گئے تو عمل نہ کر سکے۔(بیضاوی و روح البیان) یہ بنی اسرائیل تھے جنہوں نے بے جا سوالات سے

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذَا قِيلَ

اللہ پر جھوٹ اور اکثر ان کے نہیں عقل کرتے اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا

ان کو آؤ طرف اس کی جو اُتارا اللہ نے اور طرف رسول کی کہتے ہیں کافی ہے ہمیں

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا

وہ جو کہ پایا ہم نے جس پر باپ دادا کو اپنے کیا اگرچہ ہوں باپ دادا ان کے کہ نہ

اپنے اوپر مزید شرعی پابندیاں عائد کر لیں جن کو نبھانا مشکل ہو گیا اور پھر دین سے ہی متنفر ہو گئے۔ پس خدا کا احسان ہے کہ شریعتِ محمدی شریعتِ موسوی سے بہت سہل العمل ہے اور اس کے احکام میں وہ سختی نہیں۔اس لئے بے جا سوالات کرکے اُن کی پیروی نہ کرو۔

۱۰۴۔ **بحیرۃ**۔ وہ اونٹنی جس کے کان پھاڑ دیئے گئے ہوں۔زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی کہ جب کوئی اونٹنی دس بچے جن لیتی تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔نہ اس پر سواری کرتے نہ بوجھ لادتے۔ (مفردات) **سآئبۃ**۔یہ بھی دورِجاہلیت کی رسم تھی۔ **سآئبۃ** ایسی اونٹنی کو کہتے جو پانچ بچے جن لے۔اِسے کھلا چھوڑ دیتے اور پانی یا چارہ وغیرہ سے نہ روکتے اور نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھاتے۔اکثر نذر مان کر بھی ایسے جانور چھوڑ دیتے ۔ **وصیلۃ** ۔ بکری پانچ دفعہ جڑواں بچے جنتی تو اسے چھوڑ دیتے۔کوئی فائدہ حاصل نہ کرتے اکثر دیوتاؤں کی نذر کے طور پر بھی ایسا کرتے۔ **حام**۔ سانڈیا نر اونٹ جس کی نسل سے دس بچے ہو جائیں، وہ بھی اسی حکم میں آتا۔ کھلا چھوڑ دیا جاتا۔جہاں مرضی چرتا پھرتا۔

خدا تعالیٰ تو بندوں کے لئے شرعی احکام بھی کم اور سہل کرنا چاہتا ہے۔لیکن جہاں شرک کا سوال پیدا ہو وہاں خوب کھول کر واضح کیا کہ حلال جانور بتوں کے نام پر یا غلط رسوم کے تحت کھلے چھوڑ دینا، اُن کا کھانا ، ان کا دودھ پینا یا ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام قرار دینا، پھر اس جھوٹ کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ اس نے ایسا حکم دیا ہے یا یہ کہ یہ اعمال قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، شرک کی انتہا ہے۔ان میں سے اکثر عقل سے بے بہرہ ہیں ورنہ اتنی بیوقوفی کی بات نہ کرتے کہ جن چیزوں کو ان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا، انہیں اپنے اوپر حرام کرلیتے۔اتنی تشریح کے بعد آج بھی بعض مسلمان کہلانے والے اپنے منتوں سے مانگے ہوئے لڑکوں کی ہندوؤں کی طرح چُٹیا رکھ دیتے ہیں،ان کے کان چھید کر بالیاں پہنا دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کے نام سے منسوب کر

يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

علم رکھتے ہوں کچھ اور نہ ہدایت پاتے ہوں اے لوگو جو ایمان لائے ہو

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى

لازم پکڑو جانوں کو اپنی نہ نقصان پہنچائے گا تم کو وہ جو گمراہ ہوا جبکہ ہدایت پا جاؤ تم طرف

اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اللہ کی لوٹنا ہے تمہارا سب کا پھر آگاہ کرے گا تم کو اس سے جو تھے تم عمل کرتے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو گواہی درمیان تمہارے جبکہ آموجود ہو کسی کو تم میں سے

دیتے ہیں۔انہیں گھر کا کپڑا پہنانا حرام سمجھتے ہیں۔ پھر مانگے کے کپڑے پہناتے ہیں۔ غرض مشرکین مکہ سے کسی معاملہ میں پیچھے نہیں۔

۱۰۵۔جب مشرکین کو جاہلانہ رسوم چھوڑ کر خدائی احکام کی طرف بلایا جاتا، تو ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہمیں اپنے باپ دادا کا مسلک اور رسوم و رواج کافی ہیں۔خواہ ان کے آباء و اجداد ناسمجھ ہوں اور انہیں ہدایت نصیب نہ ہوئی ہو لیکن وہ انہیں کی اقتدا کریں گے۔یہی حال آج اکثر مسلمانوں کا ہے۔ کہ اپنے آباء کے رسم و رواج چھوڑنے کو تیار نہیں۔

۱۰۶۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ کے لئے ہے۔(تاج العروس) اس آیت سے اس غلطی کا امکان تھا کہ تم پر اپنی اصلاح کی ذمہ داری ہے دوسروں کی نہیں۔اس لئے مسند احمد میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ تم اس آیت کے غلط معنی لیتے ہو۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ نے فرمایا! جب بری بات کو دیکھ کر لوگ اس کو نہیں روکیں گے تو اللہ ان پر ایسی سزا بھیجے گا جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔(ابن کثیر) ترمذی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اس کی تصریح فرمادی کہ ''جب اکثر حصہ دنیا کا بُخل اختیار کرے اور اپنی اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جائے اور ہر شخص اپنی رائے پر چلے اور دوسرے کی نہ سنے تو پھر مومن لوگ اپنی اپنی اصلاح میں لگے رہیں۔غیروں کی شرارت انہیں نقصان نہیں دے سکے گی''۔اس حدیث میں آخری زمانہ کا نقشہ صاف صاف بتایا کہ کوئی نیکی کی بات سننے کو تیار نہیں ہوگا۔لیکن تم نیکی کی تلقین جاری رکھنا اور اپنی اصلاح سے غافل نہ ہونا۔**انفسکم** میں خود، اہل و عیال، عزیز و اقارب اور اپنے سب لوگ شامل ہیں۔یہ بھی معنی ہیں کہ مشرکین مکہ بھی اگر آباء و اجداد کے مسلک سے باز نہیں آتے تو تم پر اپنے نفس کی ذمہ داری ہے۔خود کو راہ راست پر رکھو،

الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ

موت بوقت وصیت دو ہوں عدل والے تم میں سے یا

اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ

یا (کوئی) اور دو غیر سے تمہارے اگر تم سفر کرو زمین میں،

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ

پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی روکو تم ان کو بعد

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ

نماز کے پھر وہ دونوں قسمیں کھادیں اللہ کی اگر شک کرو تم (کہ) نہیں لیں گے ہم بدلہ اس کا

ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا

مول اور اگرچہ ہو رشتہ دار اور نہیں ہم چھپائیں گے گواہی اللہ کی یقیناً ہم تب تو

لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا

ضرور گنہگاروں میں سے ہونگے پھر اگر اطلاع پائی جاوے اس پر کہ وہ دونوں مرتکب ہوئے ہیں گناہ کے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہو۔ اگر ہدایت نہیں پاتے تو اس غم میں خود کو ہلاک نہ کرو۔ نہ ان کا برا چاہو۔ان کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔آخری فیصلہ تو اللہ کے پاس ہی ہے کہ کون ثواب کا مستحق ہے اور کون عذاب کا۔

۱۰۷۔ **اٰخر** اوّل کے مقابلہ میں آتا ہے جبکہ **اٰخَرُ** واحد کے مقابلہ میں یعنی دوسرا **اٰخَرٰن** ۔دو۔ پہلے ایسے احکام کا ذکر کیا جو شریعت سے تعلق رکھتے تھے اوراختصار سے بیان فرمائے۔ پھر شرک کے متعلق کھول کر بتلایا۔ اب دنیوی امور جو اکثر باعثِ نزاع ہوتے ہیں، خصوصاً وصیت و وراثت اور ان کے تعلق میں گواہیاں وغیرہ انہیں تفصیلاً بیان کیا۔عام وصیت کے وقت بھی ضروری ہے کہ دو صاحب عدل تم میں سے ہوں جن کے سامنے وصیت کی جائے۔اگر دوران سفر موت آجائے تو بہتر تو یہی ہے کہ تمہارے اپنے صاحب عدل لوگ موجود ہوں۔اس میں اشارہ ہے کہ سفر میں تمہارا کوئی نیک ساتھی ہو۔ورنہ غیروں میں سے کوئی دو انصاف پسند گواہ ہوں جن کے سپرد مال کیا جائے اور وہ مرنے والے کے ورثاء کو مال پہنچا دیں۔اگر وہ نہ پہنچائیں یا ادائیگی میں شبہ ہو یا ان کی گواہی مشتبہ ہو تو ان دونوں سے بعد نماز عصر قسمیں لی جائیں(قرطبی)۔یہ وقت روحانیت سے خاص تعلق رکھتا ہے، لوگ بھی فارغ ہوتے ہیں اور اجتماع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ غیر مسلموں سے ان کے معبد میں قسم لی جاسکتی ہے۔وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ اقرار کریں کہ

فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
تو دو اور کھڑے ہوں جگہ پر ان کی ان لوگوں میں سے کہ مرتکب ہوئے ہیں (گناہ کے) خلاف جنکے
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ
پہلے دو قریب تر (میت کے) پس وہ قسم کھائیں اللہ کی کہ البتہ گواہی ہماری زیادہ سچی ہے
شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
گواہی سے ان دونوں کی اور نہیں زیادتی کی ہم نے یقیناً ہم تب تو البتہ ظالموں میں سے ہوں گے
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا
یہ زیادہ قریب ہے کہ لائیں وہ گواہی اصلی حالت پر اُس کی یا ڈریں اس سے
اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا
کہ رد کی جائیں گی قسمیں پیچھے قسموں کے ان (پہلوں) کی اور ڈرو اللہ سے اور سنو
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ
اور اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں کو فاسقوں کو جس روز جمع کریگا اللہ رسولوں کو

اس گواہی کے بدلے ہرگز کوئی فائدہ حاصل کرنا مقصود نہیں۔خواہ اس کی زد میں ہمارا کوئی قریبی آئے یا اسے کوئی فائدہ پہنچے ،ہم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شہادت یعنی سچی گواہی ہرگز نہیں چھپائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ایسی صورت میں ہم یقیناً گنہگاروں میں سے ہوں گے۔ایسے معاملہ میں ثبوت مہیا کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اگر پیش نہ کرسکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور وہ بری قرار پاتا ہے۔اگر قسم نہ دے تو مجرم سمجھا جائے گا۔

۱۰۸۔ **عُثر** ۔وہ خبر کی گئی۔مراد پتہ چل جائے۔اطلاع ہوجائے۔**علیهم**۔ان کے خلاف۔**اولٰین**۔پہلے دو۔**من الذین استحقّ علیهم الاولٰین** ۔جن کے خلاف پہلے دو نے (اپنا) حق قائم کیا تھا گویا ان لوگوں میں سے جن کا حق پہلے دونے دبا لیا تھا۔یعنی ورثاء میں سے۔

گواہوں کی قسموں کے بعد وہ گواہ بری ہوجائیں گے لیکن اگر بعد میں پتہ چل جائے کہ دونوں گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور حق دبا گئے۔توجن کے خلاف پہلے دونے اپنا حق قائم کیا یعنی ورثاء میں سے جن کا حق مارا گیا، ان میں سے دو شہادت کے لئے کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان پہلوں کی گواہی سے سچی ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی۔اگر ایسا ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے کیونکہ بہتان لگانا ظلم ہے۔

۱۰۹۔اس طریق سے زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ پہلے گواہ صحیح صحیح گواہی دیں۔یا کم از کم

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ
پھر وہ فرمائے گا کس طرح قبول کیا گیا تمہیں کہیں گے نہیں کوئی علم ہمیں یقیناً تُو ہی بہت جاننے والا ہے
الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
غیبوں کا جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم یادکرو نعمت میری

اس بات کا ہی خوف ہو کہ ان کی قسموں کے بعد ان دوسروں کی قسموں سے کہیں ان کی قسموں کو جھٹلا ہی نہ دیا جائے۔ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔اس کے احکام کو سنو اور ان پر عمل کرو (رازی) اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۱۱۰۔اس رکوع میں پھر نصاریٰ کا ذکر کیا جنہوں نے نزول مائدہ کے باوجود خدا تعالیٰ کی ناشکری کی اور کھانے پینے اور عیش وعشرت کو ہی زندگی کا نصب العین بنایا۔عام گواہیوں کا ذکر تھا ساتھ ہی قیامت میں رسولوں کی گواہیوں کا ذکر کیا کہ اس معاملہ میں ان سے بھی رعائت نہیں برتی جائے گی تا گواہی کی اہمیت کا اندازہ ہو۔کیونکہ اسلام میں گواہی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔احادیث میں جھوٹ اور جھوٹی گواہی کو گناہ کبیرہ میں شامل کیا گیا ہے۔

ماذآ اُجبتم۔تم کیا جواب دیئے گئے یعنی دعوتِ اسلام کا لوگوں نے کیا جواب دیا۔تمہیں قبول کیا یا انکار کیا؟دل سے قبول کیا یا منافقت کی؟

فرمایا قیامت کے دن انبیاء اپنی امت کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کریں گے اور یہ لاعلمی ان کی وفات کے بعد کے حالات کی ہے جیسا کہ اگلے رکوع میں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔حضرت خلیفة المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ علم کی نفی خدا کے علم کے مقابلہ میں ہے۔۔۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں اور یہ ظاہر ہیں کہ یہاں دل کا معاملہ ہے اور ہم کسی کے دل کی باتیں نہیں جانتے کہ اس نے ہمیں کیا جانا۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ اگست ۱۹۰۹ء) غرض قرآن کریم سے ثابت ہے کہ قیامت کو سب سے پہلے رسولوں سے پوچھا جائے گا اور بہت کم لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے۔ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت کے دن کسی بندہ کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ سوال ہوں گے۔عمر کے بارے میں کہ کاہے میں اس کو صرف کیا۔جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں گزاری۔مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا۔یہ کہ اپنے علم پر کیا عمل کیا۔(دارمی) دنیا میں کبھی پرچۂ سوالات بتایا نہیں جاتا لیکن خدا تعالیٰ نے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا تو اپنے پیارے رسول ﷺ

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟

اپنے پر اور والدہ پر اپنی جبکہ تائید کی میں نے تیری بذریعہ روح القدس کے

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ

تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ ہوکر اور جبکہ سکھایا میں نے تجھے لکھنا

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ

اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جبکہ تو بناتا تھا کیچڑ سے

كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا

مانند شکل پرندہ کی ساتھ حکم کے میرے پھر پھونکتا تھا اس میں پس ہوجاتا تھا وہ اُڑنے والا

بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ

ساتھ حکم کے میرے اور تندرست کرتا تھا نابینا کو اور برص والے کو ساتھ حکم کے میرے اور جبکہ تو نکالتا تھا

الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

مردے ساتھ حکم کے میرے اور جبکہ روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جبکہ

کے ذریعہ پرچۂ سوالات بھی ساتھ ہی بھیج دیا کہ اس کے مطابق تم سے سوالات ہوں گے۔حقیقت میں سوال تین ہی ہیں یعنی جس نے خدائی احکام کے مطابق زندگی گزاری، مالِ حلال کمایا اور صحیح جگہوں پر خرچ کیا، صحیح علم حاصل کیا، اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا، وہی آخرت میں کامیاب ہوگا۔ دنیوی علم حاصل کرنا منع نہیں اگر رضائے الٰہی مدنظر ہو۔ ورنہ آنحضرت ﷺ یہ نہ فرماتے کہ علم حاصل کرو خواہ چین بھی جانا پڑے۔ (صحیح بخاری) ظاہر ہے کہ چین میں دینی علم نہیں تھا۔ یہ ایک پیشگوئی بھی ہوسکتی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ چین دینی علوم کی آماجگاہ بن جائے گا جس کے آثار خدا کے فضل سے شروع ہوگئے ہیں۔ قرآن کریم نے باربار کائنات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے جس میں سائنسی علوم حاصل کرنے کا حکم ہے۔ جو دنیوی علوم میں سے ہے۔

۱۱۱۔ **کففت** ۔ کف بمعنی ہتھیلی۔ مراد ہتھیلی سے روکنا۔ عام معنی روکنے کے ہیں۔

سب سے پہلے اس مکالمہ کا ذکر فرمایا جو حضرت عیسیٰؑ سے روز قیامت ہوگا۔ اس لئے کہ اس سورۃ میں زیادہ تر نصاریٰ کا ذکر ہے اور اس لئے بھی کہ ان کے متبعین جو ان کو خدا بناتے تھے، جان لیں کہ سب رسولوں کی طرح ان سے بھی سوال و جواب ہوگا۔ ان کے ساتھ کوئی تخصیص یا رعایت نہیں ہوگی۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ اور آپ کی والدہ پر جو اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسان و اکرام ہوئے ان کا ذکر فرمایا۔ اس میں آپ کے تمام معجزات شامل ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ

لایا تو انکے پاس دلائل پس کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے ان میں سے نہیں ہے یہ

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١١١ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا

مگر جادو کھُلا کھُلا اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ

بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝١١٢ اِذْ

مجھ پر اور رسول پر میرے انہوں نے کہا ایمان لائے ہم اور گواہ رہ کہ یقیناً ہم فرمانبردار ہیں جب

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

کہا حواریوں نے اے عیسیٰ ابن مریم کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا

اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۚ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ

کہ اتارے ہم پر کھانا آسمان سے کہا ڈرو اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١١٣ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ

اگر ہو تم مومن کہا انہوں نے ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس سے اور مطمئن ہوں

آل عمران رکوع ۵۔ فرمایا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا یعنی باوجود اس کے کہ وہ تجھے صلیب دینے پر قادر ہوگئے لیکن صلیبی موت نہ مار سکے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ طور پر بچالیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ النساء آیت ۱۵۸۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اپنے اولوالعزم اور عظیم المرتبہ انبیاء سے ہے، جنہیں وہ پیشتر ازیں آگاہ کر دیتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ سے فرمایا! کہ میں تجھے لوگوں سے بچالوں گا (المائدہ ۶۸) یہ آیت جنگ اُحد سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔ تمام عرب آپؐ کے قتل کے درپے تھا۔ شدید نامساعد حالات کے باوجود آپؐ کا قتل ہونے سے بچ رہنا بہت بڑا معجزہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے بچا لینا۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے چنگل سے بچانا اس قادر و توانا ہستی کا کام ہے۔ مہدئ دوراں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی خدا تعالیٰ کا یہی وعدہ تھا۔ چنانچہ آپ نے دعویٰ کیا کہ مجھے اگر آگ میں بھی پھینک دو تو یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہ میری غلام بلکہ میرے غلاموں کی غلام ہے (تذکرہ صفحہ ۳۹۷) اور تمام دنیا کی مخالفتوں کے باوجود آپ دشمنوں سے بچائے گئے۔

۱۱۲۔ خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ پاک طبیعتوں کو کبھی الہام سے کبھی خواب و کشف سے اور کبھی انشراح صدر سے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کی توفیق بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے بھی اسلام کا ہی اقرار کیا۔ یہ نہیں کہا کہ ہم عیسائی ہوئے گویا عیسیٰؑ کے نام سے جس عیسائیت کو منسوب کیا گیا ہے، وہ بعد کی اختراع ہے۔

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ

دل ہمارے اور تا کہ جان لیں کہ یقیناً سچ کہا تو نے ہم سے اور ہو جائیں ہم اس پر

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ

گواہوں میں سے کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے اللہ رب ہمارے اُتار

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا

ہم پر کھانا آسمان سے ہو واسطے ہمارے عید واسطے پہلوں کے ہم میں سے

وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور پچھلوں کے ہم میں سے اور نشان ہو طرف سے تیری اور رزق دے ہمیں اور تُو بہتر ہے تمام رزق دینے والوں سے

۱۱۳۔ **مآئدة**۔ کھانے کا خوان جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔

بنی اسرائیل کی خواہشات روٹی پانی سے آگے نہیں بڑھیں۔حضرت موسیٰ ؑ کو بھی کھانے کی فرمائشیں ہوتی تھیں۔حضرت عیسیٰ ؑ سے بھی یہی درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک خوان کھانے کا آسمان سے نازل ہو جس کے جواب میں حضرت عیسیٰ ؑ نے تقویٰ کا حکم دیا۔نبی کا کام تقویٰ پیدا کرنا ہے نہ کہ روٹیاں مہیا کرنا جس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۱۴۔حواریوں نے کہا کہ تا آسمانی خوان کھا کر ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ تو ہم سے سچ کہتا ہے اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔یہاں ان لوگوں کا رد ہے جو عیسیٰ ؑ کی طرف سچ مچ کے پرندے بنانا اور مردوں کو زندہ کرنا منسوب کرتے ہیں۔ایسے بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے بعد ایک خوان آسمان سے آجاتا تو کیا یہ آپ کی سچائی کا زیادہ بڑا ثبوت تھا۔جبکہ بظاہر یہ ایک معمولی شعبدہ سے زیادہ نہیں حالانکہ وہ پہلے بھی آپ کو ساحر کہہ چکے تھے۔قرآن کریم اور انجیل سے ثابت نہیں کہ اس طرح کبھی خوان نازل ہوا تھا۔ہاں ان کی خواہش ضرور تھی۔

۱۱۵۔ **عید**۔عود سے ہے۔جو لوٹ کر آئے۔ایسی خوشی جو بار بار آئے۔

ان لوگوں کے اصرار پر حضرت عیسیٰ ؑ نے مائدہ کی دعا کی لیکن صرف حواریوں کے لئے ایک خوان نہیں بلکہ ایسے مائدہ کی دعا کی جو پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ہر نبی کو کسی ایک دعا کی قبولیت کا اختیار دیا جاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا آخرت کے لئے اٹھا رکھوں اور آخرت میں امت کی شفاعت کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا مانگوں کہ میری امت کو بخش دے۔(بخاری کتاب الدعوات)

معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰ ؑ کی یہ دعا قبولیت والی دعا ہی تھی جو انہوں نے اپنی امت کے

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

کہا اللہ نے یقیناً میں اتارنے والا ہوں اُس (کھانے) کو تم پر پس جو ناشکری کریگا بعد کو تم میں سے

فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

یقیناً میں عذاب دوں گا اُسے ایسا عذاب کہ نہ عذاب دوں گا وہ (عذاب) کسی کو تمام دُنیا سے

١٥ ع ٧ ٥

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم کیا تُو نے کہا لوگوں کو کہ

اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالَ سُبْحٰنَكَ

بناؤ مجھے اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے کہا پاک ہے تُو

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ۚ اِنْ كُنْتُ

نہیں ہو سکتا میرے لیے کہ کہوں میں جو نہیں ہے میرے لیے حق اگر ہوتا

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۚ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ

کہا ہوا میں نے یہ تو یقیناً جان لیا ہوتا تو نے اُسے تو جانتا ہے جو دل میں ہے میرے اور نہیں جانتا میں جو

نَفْسِكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۷﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا

دل میں ہے تیرے یقیناً تُو ہی خوب جاننے والا ہے غیبوں کا نہیں کہا میں نے انہیں سوائے

رزق کے لئے مانگی اور خوب قبول ہوئی۔دنیوی رزق کی ایسی فراوانی ہوئی کہ آسمانی مائدہ کو بھول گئے۔اس دعا کے نتیجے میں مسیحی قوم کے پہلے حصہ کو بھی حکومت ملی اور آخری کو بھی، درمیان میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے ان کی طاقت کو توڑا (حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر صغیر۔تفسیر آیت ھٰذا) آج بھی مسیحیوں کی سب سے بڑی دعا یہی ہے کہ ”ہماری روز کی روٹی آج ہم کو بخش“ (متی ۔ ۶۔۱۱)

۱۱۶۔فرمایا مائدہ یعنی دنیوی نعمتوں کے خوان تم پر ضرور نازل کروں گا لیکن جو اس کے بعد ناشکری کرے تو اسے ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہ ملا ہوگا۔عیسائیوں پر رزق کا وعدہ پورا ہوگیا اور اس قوم نے ناشکری بھی خوب کی۔پس اس ناشکری کے نتیجہ میں دو جنگوں کی تباہ کاریاں دیکھ چکے ہیں لیکن سبق نہیں سیکھا۔اب اٹامک جنگ کی صورت میں اس عذاب کے لئے تیار رہیں جو تمام جہانوں میں کسی اور قوم کو نہیں دوں گا۔

۱۱۷۔اس آخری رکوع میں بتایا کہ مسیح ؑ کی تعلیم موحدانہ تھی ، موجودہ عیسائی عقائد تثلیث اور کفارہ وغیرہ مسیح کی وفات کے بعد کی اختراعات ہیں جن کا مسیح کو کوئی علم نہیں۔

پچھلے رکوع میں اپنے ان تمام احسانات کا ذکر کیا جو مسیح ؑ اور آپ کی والدہ پر کئے۔اب روز حشر

مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ
اسکے کہ حکم دیا تُو نے مجھے جس کا یعنی یہ کہ عبادت کرو اللہ کی رب میرے اور رب اپنے کی اور تھا مَیں

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ
ان پر نگران جب تک رہا میں ان میں پھر جب وفات دیدی تُو نے مجھے

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
کو تھا تُو ہی نگہبان ان پر اور تُو ہر چیز پر

شَهِيْدٌ ﴿۱۱۸﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ
نگران ہے اگر تُو عذاب دے انہیں تو یقیناً وہ بندے ہیں تیرے اور اگر بخشدے تو

میں حضرت عیسیٰؑ سے ہونے والے سوال و جواب کا ذکر کیا جو موجودہ عیسائیت کے لئے اتمام حجت کے طور پر ہے کہ کیا تو نے لوگوں کو یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔اس پر حضرت عیسیٰؑ عرض کریں گے کہ اے اللہ!تو پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔میرے لئے ممکن نہیں کہ ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔اگر میں نے ایسا کہا ہوتا، تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا۔تو میرے دل کی باتوں کو جانتا ہے۔مجھے تیرے جی کی باتوں کا علم نہیں،یقیناً تو ہی غیب کی تمام باتوں کو جانتا ہے۔تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ پہلے تین سو سال تک عیسائیت ایک موحّد مذہب تھا تفصیل آیت :۷۸ پھر یسوع اور آپ کی والدہ سے محبت و عقیدت میں غلو اس مقام تک پہنچا کہ انہیں خدائی میں شریک کیا گیا اور ان دونوں پر لگائے گئے الزامات کو اس بھونڈے طریق سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ۔

۱۱۸۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ میں نے تو انہیں وہی کہا جو تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے اور جب تک میں ان میں رہا یعنی جن لوگوں کے پاس واقعہ صلیب سے پہلے رہا یا واقعہ صلیب کے بعد رہا،ان کا نگران رہا، یعنی میری زندگی میں انہوں نے شرک نہیں کیا پس جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگران تھا۔

یہ آیت وفات مسیح پر قطعی دلیل ہے جس میں مسیح اپنی وفات کا خود اقرار کرتے ہیں، اور یہ کہ عیسائیت کے بگڑنے کی آپ کو کوئی خبر نہیں۔

جو حضرات حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر بٹھاتے ہیں اور آخری زمانہ میں انہیں بجسم عنصری آسمان سے سیدھے مینار دمشق پر اتارتے ہیں۔ پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے انہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ قرآن و احادیث اور گذشتہ صحائف کی

پیشگوئیاں تمثیلی رنگ میں ہیں۔یہود نے ظاہر پر محمول کر کے دھوکا کھایا۔اسی غلطی کا اعادہ امت محمدیہ سے ہوا۔صلیب کو توڑنا اور خنزیروں کو قتل کرنا ،صلیبی عقیدہ کو دلائل سے توڑنا ہے نہ کہ عملاً صلیبوں کو توڑتے پھرنا اور خنزیروں کو قتل کرنا، جو کہ ایک نبی کی شان سے بعید ہے اور بظاہر ممکن نہیں۔نیز ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دنیا کے عیسائیوں کو بزور شمشیر مسلمان بنائیں گے اور چالیس سال بعد وفات پائیں گے حالانکہ کسی کو بزور شمشیر مسلمان بنانا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔**لااکراہ فی الدین ٥** یہاں بھی برہانِ قاطع سے ہی اسلام میں داخل کرنا مراد ہے۔عیسائیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ مسیح ناصری ۳۳ سال کی عمر میں اٹھالئے گئے۔عام مسلمان بھی اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔اس کے ساتھ مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ مسیح دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور چالیس سال اس دنیا میں گزار کر وفات پائیں گے۔گویا مسیحؑ کی عمر تہتر سال مانتے ہیں یہ عمر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر سے عین مطابقت رکھتی ہے۔غرض چالیس سال دنیا میں گزار کر مسیح خدا کے سامنے کس طرح انکار کریں گے کہ مجھے اپنی قوم کی گمراہی کا علم نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کیا کیا عقیدے گھڑے جبکہ وہ ساری قوم کو گمراہ دیکھ کر ان کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکے ہوں گے۔ پس آپ کا یہ عذر کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھے خبر نہیں ،آپ کے دوبارہ دنیا میں آنے کو رد کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ قیامت کے دن بعض لوگ میری امت میں سے آگ کی طرف بلائے جائیں گے۔تب میں کہوں گا اے میرے ربّ!یہ تو میرے اصحاب ہیں۔تب مجھے کہا جائے گا کہ تجھے ان کاموں کی خبر نہیں جو تیرے پیچھے ان لوگوں نے کئے۔سو اس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک صالح بندے یعنی عیسیٰ بن مریم نے کہی تھی کہ جب تک میں ان میں تھا ان پر گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا۔(صحیح بخاری صفحہ ۶۶۵،۶۹۳)اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنی اور مسیحؑ کی وفات کا اکٹھے ذکر کیا کہ جس طرح اسے علم نہیں کہ اس کی امت بعد میں کیا کرتی رہی اسی طرح مجھے علم نہیں۔وفات مسیحؑ کی تفصیل کے لئے دیکھیں۔سورۃ الِ عمران:۵۶۔

پس قرآن وحدیث اور انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔آپ کا دوبارہ نزول بروزی ہے نہ کہ حقیقی اور سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ تشریف لاچکے ہیں۔قرآن کریم کے علاوہ قریباً ستر احادیث میں

آنے والے مسیح و مہدی کی علامتیں درج ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہ رہے گا۔الفاظ کے سوا قرآن کریم کا کچھ باقی نہ رہے گا(یعنی عمل ختم ہو جائے گا) اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین ہوں گے۔ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور انہی میں لوٹ جائیں گے۔یعنی تمام برائیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے۔(کنزالعمال ۶/۴۳)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری امت پر بھی وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے۔ان میں ایسی مطابقت ہوگی جیسے ایک پاؤں کی جوتی کو دوسرے پاؤں کی جوتی سے ہوتی ہے۔یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئے گا۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک کے سوا جو ناجی ہوگا،سب جہنمی ہوں گے۔صحابہؓ نے پوچھا ناجی فرقہ کونسا ہوگا؟ فرمایا وہی جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔ (ترمذی کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ ۲/۸۹)

۳۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!وہ امت ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتی جس کے شروع میں مَیں اور آخر میں مسیح اور درمیان میں مہدی ہوں گے۔ (کنزالعمال)

۴۔حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!معاملات شدت اختیار کرتے جائیں گے۔دنیا پر ادبار چھاجائے گا۔لوگ بخیل ہوجائیں گے۔شریر لوگ قیامت کا منظر دیکھیں گے۔ ایسے ہی نازک حالات میں اللہ تعالیٰ کا مامور ظاہر ہوگا۔**ولاالمھدیُّ الا عیسی ابن مریم** عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں۔یعنی عیسیٰ ہی مہدی ہے(ابن ماجہ کتاب الفتن باب شدۃ الزمان صفحہ ۲۵۷)

۵۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جب ایک ہزار دو سو چالیس سال گزرجائیں گے تو اللہ تعالیٰ امام مہدی کو مبعوث فرمائے گا(النجم الثاقب حصہ دوم صفحہ ۲۰۴)چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے ٹھیک ایک ہزار دو سو چالیس سال بعد ۱۸۳۵ء یعنی ۱۲۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔

۶۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!قسم ہے اس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔عنقریب تمہارے دین و مذہب میں ابن مریم نازل ہوں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔صلیب کو توڑدیں گے۔(یعنی صلیبی عقیدے کا ابطال کریں گے) خنزیر کو قتل کریں گے (یعنی خبیث النفس لوگوں کی ہلاکت کا موجب ہوں گے)جزیہ اٹھا دیں گے (مذہبی جنگوں کے خاتمہ کا زمانہ ہوگا)مال لٹائیں گے لیکن کوئی قبول نہ کرے گا(یقیناً اس سے مراد روحانی مال تھا ورنہ دنیوی مال لینے سے تو کبھی بھی کسی نے انکار نہیں کیا)اس وقت میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔یعنی مادیت کے فروغ کا زمانہ ہوگا۔جب تھوڑی نیکیوں کو بھی اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے گا۔(متفق علیہ۔مسند احمد بن حنبل ۲/۴۳۷)

۷۔حضرت نواس بن سمعانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا(یعنی دینی علوم سے بے بہرہ ہوگا) اس کے شر سے بچنے کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھنا(ان میں عیسائیت کا رد ہے)وہ بڑے بڑے شعبدے دکھائے گا۔اس کے زمانہ میں دن رات بڑے اور چھوٹے ہوں گے اندازے سے نماز پڑھنا۔ابرِ باراں کی سی تیزی سے سفر کرے گا۔جو قومیں اس کا کہا مانیں گی۔وہ ان کے لئے بارش برسائے گا،فصلیں اگائے گا(یعنی ہر قسم کی کشادگی مہیا کرے گا)جو قومیں اس کا کہا نہیں مانیں گی۔ان پر قحط مسلط کرے گا(جیسا کہ آج کل اتھوپیا کی مسلم آبادی کا حال ہے)ویران مقامات سے اس کے حکم سے خزانے نکلیں گے۔کسی شخص کے دو ٹکڑے کر کے جوڑ دے گا(میڈیکل میں ترقی ہوگی)وہ قتل و غارت کا بازار گرم کرے گا۔جیسا کہ آج کل افغانستان اور اس کے بعد عراق کا حال ہے۔دوسری حدیث میں ہے کہ نہریں جاری کرے گا،آگ سے کام لے گا اور اس کا گدھا ستر ہاتھ لمبا ہوگا جس کے منہ سے آگ نکلے گی اور جو اس کے نیچے آئے گا ،مارا جائے گا(ریل گاڑی کی طرف اشارہ ہے) اس اثنا میں مسیح مبعوث ہوگا جس کے ذریعہ اللہ دجال کا خاتمہ کر دے گا۔(مسلم کتاب الفتن باب ذکرالدجال)

۸۔حدیث میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو باوجود عہدۂ نبوت پر قائم رہنے کے وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ہی کے احکام پر عمل کریں گے (تفسیر ابن کثیر)۔اسی سے ملتی جلتی یہ بھی حدیث ہے کہ قربِ قیامت میں عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو باوجود اپنے وصفِ نبوت اور عہدۂ نبوت پر قائم رہنے کے اس وقت وہ بھی آپؐ کی شریعت پر عمل کریں گے (تفسیر ابن کثیر)

۹۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قولوا انه خاتم النبين ولا تقولوا لا نبی بعده۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو **خاتم النّبین** تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد نبی نہیں آئے گا(تکملہ مجمع البحار جلد ۴ صفحہ ۸۵)

۱۰۔ حضرت محمد بن علیؓ نے فرمایا! پیشگوئی کے مطابق ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ایسے ہیں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے وہ کسی نبی کی صداقت کے لئے اس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔اوّل یہ کہ اس کی بعثت کے وقت رمضان میں چاند گرہن کی تاریخوں میں پہلی تاریخ یعنی تیرہ رمضان کو چاند گرہن لگے گا دوم یہ کہ اسی رمضان المبارک میں سورج گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ یعنی اٹھائیس رمضان کو سورج گرہن لگے گا، اور یہ دو نشان اس رنگ میں پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوئے کہ کسی نبی کے دعویٰ ماموریت کے زمانہ میں رمضان کی ان تاریخوں کو سورج اور چاند کو گرہن لگے ہوں (سنن دار قطنی باب صفة صلوٰة الخسوف والکسوف ۱/۱۸۸) چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت کے بارہ سال بعد رمضان کے مہینہ میں ان ہی تاریخوں کو ۱۸۹۴ء بمطابق ۱۳۱۱ ہجری کو مشرقی ممالک میں اور ۱۸۹۵ء بمطابق ۱۳۱۲ ہجری کو مغربی ممالک میں گرہن لگے۔اب اس سے زیادہ آپ کی صداقت کی کیا دلیل ہوسکتی ہے۔اس وقت کے علماء نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ مہدی پیدا ضرور ہو چکا ہے جو عنقریب چودھویں صدی کے اندر ظاہر ہو جائے گا۔اس بات کو پوری ایک صدی گزر گئی۔ آنے والا آیا۔زمین و آسمان نے اس کی سچائی کے لئے بے شمار نشان دکھائے۔اس کے آنے سے وفاتِ مسیح ثابت ہونے پر عیسائیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ انہوں نے ہر جگہ احمدیوں سے شکست کھائی اور یہ فیصلہ کن جنگ بفضل تعالیٰ جاری ہے۔

۱۱۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جس نے میرے مہدی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (بحارالانوار۔ جلد ۱۳ صفحہ ۱۷)

۱۲۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خبردار! میرے اور مسیح کے درمیان کوئی نبی یا رسول نہ ہوگا (طبرانی۔ ابوداؤد کتاب الملاحم)۔ ۱۳۔ ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ امام مہدی بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)

۱۴۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! امام مہدی کو لوگ کہیں گے ہم تجھے نہیں پہچانتے کیونکہ تو حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے نہیں (بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۴)

۱۵۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ایک شخص امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور وہ ماوراء النہر ملک فارس سے ہوگا۔ لوگ اسے جاٹ زمیندار کہیں گے۔اس کے لشکر (تابعین) میں ایک ایسا عظیم شخص ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ مدعی اس کی مدد لے رہا ہے (حضرت مولانا حکیم نور الدین خلیفة المسیح الاولؓ کی طرف اشارہ ہے) رسول اللہؐ نے فرمایا! وہ جو مدعی امامت ہے وہ محمدیوں کے پاؤں زمین میں مضبوط کرے گا جس طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی

لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ
ان کو تو یقیناً تو ہی عزت والا حکمت والا ہے فرمایا اللہ نے اس روز
يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
نفع دیگا سچوں کو سچ ان کا ان کے لیے باغات ہیں کہ بہتی ہیں

پھر فرمایا سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کے دعویٰ کو مانیں اور اس کی اشاعتِ اسلام میں مدد کریں۔ (ابوداؤد کتاب المھدی)

۱۶۔امام مہدی کے وقت حقیقتِ محمدی، حقیقتِ احمدی کا نام پا جائے گی۔ (شرح المصابیح المشکوٰۃ رسالہ مبداد صفحہ ۴۸، ضمیمہ ۱۳)

۱۱۹۔ حضرت عیسیٰؑ کو خبر تھی کہ آخری دنوں میں ان کی امت پر ان کے شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے بہت بڑا عذاب آنے والا ہے۔سو آپ نے ان کے لئے اپنے رب کے حضور نہایت عاجزانہ دعا کی کہ ان کی گمراہیوں پر اگر تو انہیں عذاب دینا چاہے تو تیرے بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو یقیناً تو غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے۔یعنی تو غالب ہے، غلطیوں پر سزا دے سکتا ہے۔تو معاف کر سکتا ہے کیونکہ تو حکیم ہے، تو اپنے بندوں کی کمزوریوں کو جانتا ہے۔آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی امت کی آخری زمانہ کی بداعمالیوں کا علم تھا لہٰذا آپؐ نے بھی اپنی امت کے لئے یہی دعا مانگی۔حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ساری رات نماز میں یہ دعا پڑھتے رہے۔یعنی سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۹۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ کو تو سارا قرآن کریم حفظ ہے۔آپؐ کیوں ایک آیت ہی دہراتے رہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں اپنی امت کے لئے دعا کرتا رہا۔میں نے پوچھا، جواب کیا ملا؟ فرمایا اگر وہ جواب بتا دوں تو اکثر لوگ نماز ترک کر دیں (الدّرالمنثور للسیوطی ج ۲ صفحہ ۷۵) دوسری حدیث میں بتایا کہ میرے رب نے میری امت میں سے شرک نہ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور آپؐ یہ خوشخبری اپنے صحابہ کو سنانے چلے تو راستہ میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے آپؐ کو روک دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مت بتایئے۔ لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ صرف بتوں کو پوجنا شرک نہیں۔بہت سے بت ہیں جو لوگوں نے دلوں میں بسا رکھے ہیں۔ خدا کے علاوہ کسی سے امیدیں باندھنا، کسی کو اپنا حاجت روا جاننا۔مال و دولت، قوم و خاندان، عزت و عہدہ، عقل و فہم، سفارش اور اولاد۔غرض کسی پر بھی بھروسہ رکھنا شرکِ خفی ہے اور ان سب سے بچنا ضروری ہے۔

۱۲۰۔اس سورۃ میں معاشرتی احکام بتائے، حلال و حرام واضح کیا، عدل کا حکم دیا، حدود کا

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

نیچے ان کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں اس میں ہمیشہ راضی ہوا اللہ ان سے اور

رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲۰﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

وہ راضی ہوئے اُس سے یہ ہے کامیابی بڑی اللہ کے لیے حکومت ہے آسمانوں کی

تعین فرمایا۔غرض دنیوی کامیاب زندگی گزارنے کے سنہری اصول بتائے۔قریباً اس آخری آیت میں اخروی کامیابی کا راز صرف دولفظوں میں بتایا کہ وہ صادقوں کا حصہ ہے۔جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!سچ بولا کرو اس لئے کہ سچ بولنا نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت میں لے جائے گی۔اور جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ خدا کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔اور بچو تم جھوٹ سے۔اس لئے کہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور دوزخ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ خدا کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے(متفق علیہ)

غرض جو لوگ خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی سچائی پر ایمان لائے اور اس پر قائم رہے اور اپنے اعمالِ صادقہ سے اپنے دعویٰ ایمان کو سچ کر دکھایا۔وہی لوگ قول کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی سچے ہیں۔انہی کے لئے خوشخبری دی کہ آج سچوں کا سچ ان کے کام آئے گا اور اس کے بدلے انہیں جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔جن میں سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی ہوگی۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے اور یہ عظیم کامیابی ہوگی۔یہاں یہ خیال ہوسکتا ہے کہ کیا سچوں کی سچائی دنیا میں ان کے کام نہیں آئے گی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ان کی سچائی دنیا میں بھی ان کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہوگی اور ان کی جنت دنیا سے ہی شروع ہو چکی ہوگی۔جیسا کہ برطانیہ میں.Truth Therapy کے عنوان سے شائع ہونے والی ایک خصوصی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ” جھوٹ بولنا انسان کی صحت کو متاثر کرتا ہے۔خاص طور پر جھوٹ بولنے والی خواتین بے خوابی کا شکار رہتی ہیں۔السر کا باعث بھی ہے۔یہ انکشاف Truth Therapy کے ماہر.Bred Laymond نے کیا کہ سچ بولنے والوں کی دماغی اور جسمانی صحت بہتر ہوتی ہے۔جھوٹ بولنے والی خواتین نفسیاتی دباؤ کا شکار رہتی ہیں۔جھوٹ سے عورت کی جسمانی ساخت کے علاوہ خوبصورتی بھی متاثر ہوتی ہے“۔ غرض ایک سچا انسان اپنے سچ کی بدولت روحانی اور جسمانی طور پر دنیا اور آخرت میں مستفید ہوگا۔تاہم دنیا دارالابتلا ہے۔یہاں پر نیکی کا بدلہ کماحقہٗ ملنا ضروری نہیں۔ہاں آخرت میں ان کو پورا پورا بدلہ ملے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کے طفیل ان کو ان کے حق سے زیادہ بھی ملے گا۔

وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۶ ۵ ۶

اور زمین کی اور جو انکے اندر ہے اور وہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔

۱۲۱۔جیسا کہ اس سورۃ میں زیادہ تر نصاریٰ سے خطاب ہے۔ابن جریر میں بھی ہے کہ مخاطب نصاریٰ ہیں، جنہیں بتایا کہ آسمان و زمین میں بلکہ جو کچھ ان کے اندر ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے اگر تمہیں عارضی حکومت مل گئی تو اس پر فخر نہ کرو۔حکومت اللہ کی ہی ہے۔جب چاہے اور جس کو چاہے دے دے اور جب چاہے اور جس سے چاہے واپس لے لے کیونکہ وہ ہر شے پر پورا پورا قادر ہے۔**وَمَافِيهِنَّ** کا ذکر سوائے قرآن کریم کے کسی مذہبی کتاب میں نہیں۔اس آیت کی رو سے زمین و آسمان کے درمیان خلا نہیں۔ایک لطیف چیز موجود ہے۔آئن سٹائن نے تسلیم کیا کہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کچھ نہ ہو۔تفصیل آیت: ۱۹ میں گزر چکی ہے۔استفادہ فرمایئے۔

☆☆☆

بقیہ آیت ۵۱۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۱ نومبر ۱۹۹۴ کی مجلس عرفان میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں عدلیہ کا آخری حق آپ کو تھا جسے سب نے تسلیم کیا۔ آنحضرت ﷺ، یہود و نصاریٰ اور مشرکین مدینہ کے سامنے تینوں Options رکھتے تھے۔اوّل یہ کہ چاہو تو تمہارے جھگڑوں کا فیصلہ میں اپنی شریعت کے مطابق کروں۔دوسرا یہ کہ اگر تم اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ چاہتے ہو تو ایسا بھی ہوسکتا ہے۔تیسرا یہ کہ عام رواج کے مطابق فیصلہ چاہتے ہو یا ثالث مقرر کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی درست ہے۔پھر ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ کردیا جاتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ شریعت کے نام پر دنیا کو جو مذہب کی آزادی کا حق قرآن کریم نے دیا ہے اس میں دخل اندازی شریعت کے خلاف ہے۔یہ بنیادی اصول ہے۔جہاں تک حقوقِ انسانی کا تعلق ہے اس میں کسی مذہب کی تفریق نہیں دنیا کی ہر حکومت اس حقِ عامہ کو استعمال کرتے ہوئے قانون سازی کرسکتی ہے لیکن اس میں لازماً شرط یہ ہوگی کہ شریعت کے حوالے کے بغیر کرے۔حقوقِ انسانی کے حوالے سے کرے اور پھر سب پر اس کا اطلاق برابر ہو۔اس طرح نظامِ عدل ایک ہی رہے گا کہ ہر شخص کو اس کا بنیادی حق حاصل ہوگا اور ہر شخص مذہب پر عمل درآمد کے معاملہ میں آزاد ہوگا۔فرمانِ الٰہی ہے کہ اولی الامر کے فیصلے کی اتباع کرو۔اور جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔گویا اولی الامر اس بات کا پابند ہے کہ عدل سے ہٹ کر فیصلہ نہیں کرسکتا۔

بقیہ آیت ۸۴۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں جس روز نجاشی (شاہ حبش) کا انتقال ہوا اسی روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کی خبر بیان کی اور عید گاہ تشریف لے جا کر لوگوں کی صف بنا کر نماز جنازہ غائب پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔(بخاری کتاب الجنائز)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ انعام۔ یہ سورۃ مکی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں

سورۃ الفاتحہ کے بعد کی چاروں سورتیں مدنی ہیں جبکہ سورۃ انعام مکی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری سال میں نازل ہوئی۔ ابتدائی مکی سورتیں چھوٹی ہیں تاکہ آسانی سے یاد ہوسکیں۔ بعد کی لمبی ہیں۔ مکہ میں مشرکین تھے۔ مکی سورتیں بت پرستی اور شرک کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں ہستی باری تعالیٰ اور توحید کے دلائل ہیں۔ قیامت، جزا سزا، جنت، دوزخ اور تقدیر کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے طریقوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اخلاقِ حسنہ اور عبادات کی ترغیب دی ہے۔ عبادات میں خاص طور پر نماز کا حکم ہے نیز مکی سورتوں میں گذشتہ انبیاء کے حالات بیان فرمائے جو آپؐ کے دور کے مماثل تھے اور جن میں قیامت تک کے لئے پیشین گوئیاں ہیں۔ اس سورت کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے۔ جاہلانہ رسوم سے روکا گیا ہے۔ خاص طور پر جانوروں کے ساتھ جو شرک منسوب تھا کہ انہیں بتوں کے چڑھاوے کے طور پر کھلا چھوڑ دیتے اور ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتے، اس کی قطعاً ممانعت کر کے گویا اُس شرک کی جڑ کاٹ دی جو ہر گھر اور گھر کے ہر فرد کے رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔

اس سورۃ میں رسالت پر قریباً پندرہ ثبوت و دلائل ہیں اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ہیں (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۲) بیس رکوع یعنی قریباً سوا پارے کی یہ سورت آنحضرت ﷺ پر ایک ہی بار نازل ہوئی (بروایت ابن عباسؓ۔ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۲) اور آپؐ نے اسی رات لکھوا دی۔ جو قرآن کریم کا بہت بڑا اعجاز ہے۔ اس سے آپؐ کی غیر معمولی یادداشت کا اندازہ ہوتا ہے جو خاص طور پر قرآن کریم کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے **سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝** یعنی ہم تمہیں قرآن کریم پڑھائیں گے پس تو بھولے گا نہیں۔ آگے فرمایا **اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** ط۔ یعنی ایک انسان کے ناطے بیشک تم بعض چیزوں کو بھول بھی جاتے ہو، لیکن قرآن کریم نہیں بھولو گے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ سورۃ الانعام قرآن کریم کی عمدہ چیزوں میں سے ہے۔ بیماروں پر اس سورۃ کے پڑھنے سے شفا ہوتی ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنائے

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

اندھیرے اور نور پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ رب اپنے کے

يَعْدِلُوْنَ ﴿۲﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ

برابر ٹھہراتے ہیں وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں کیچڑ سے پھر مقرر کی ایک میعاد

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ چونکہ اس سورۃ کا اصل مضمون توحیدِ الٰہی کا بیان اور شرک کی تردید ہے اس لئے گذشتہ سورتوں کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے جہاں تثلیث کا رد تھا یہاں غیر اسرائیلی مذاہب مثلاً زرتشتی مذہب کے باطل عقائد کا بطلان فرمایا جو اہرمن اور یزدان دو خداؤں کو مانتے ہیں، جو گناہ و ظلمات اور نیکی اور نور کے خدا ہیں۔

فرمایا سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے آسمان و زمین اور ظلمات و نور پیدا کئے۔ بیشک وہ کسی تعریف کا محتاج نہیں لیکن انسان جوں جوں اس کی تخلیق پر غور کرتا ہے اور اس کی قدرت کے عظیم نظارے دیکھتا ہے، جس کی کنہ تک آج تک کوئی سائنس دان باوجود اپنی انتھک کوشش و کاوش کے نہیں پہنچ سکا بلکہ ہنوز طفلِ مکتب ہے، تو بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ بیشک تعریف کی مستحق وہی ذات ہے۔

جب آسمان و زمین اور ظلمات و نور خدا کی خدائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں تو کیا اتنی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی کفار اپنے پیدا کرنے والے کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

قرآن کریم نے ظلمات جمع کے صیغے میں اور نور واحد میں رکھا ہے کیونکہ اندھیرے اور غلط راستے لاتعداد ہیں جبکہ نور اور صراطِ مستقیم ایک ہی ہے۔ (بحر محیط) عالم روحانی میں جب ظلمات بڑھیں تو نور ضروری ہے اسی میں بعثتِ نبوت کا ثبوت ہے۔

۳۔ جس طرح تخلیقِ کائنات خداتعالیٰ کی توحید کا زندہ ثبوت ہے اسی طرح انسان کی

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۳﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي

اور میعاد مقررہ پاس ہے اس کے پھر تم شک کرتے ہو اور وہی ہے اللہ

السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے باطن تمہارا اور ظاہر تمہارا اور جانتا ہے

پیدائش بھی اپنے پیدا کرنے والے کی کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہے گویا عالم کبیر سے عالم صغیر کی طرف توجہ دلائی۔ کہ اس کی ہستی کا ثبوت آسمانوں پر ہی نہیں زمین پر بھی ہے۔ فرمایا ہم نے انسان کو نمدار مٹی سے پیدا کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے اجزائے ترکیبی میں گیلی مٹی کے تمام اجزاء پائے جاتے ہیں۔ پانی، کیلشیم، لوہا، نمکیات غرض کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو گیلی مٹی میں موجود نہ ہو۔ پھر مٹی ہی سے تمام غذائیں حاصل ہوتی ہیں جو جزوِ بدن بنتی ہیں۔ گویا مٹی تمام دنیا کی غذائی ضروریات کی ضامن ہے۔ نیز مٹی سے پیدا کرکے انسان کی سرشت میں عاجزی، انکساری، تواضع اور خدمت خلق کا مادہ ودیعت کیا۔ گیلی مٹی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہر سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ انسان کی فطرت میں بھی لچک ہے اور وہ ماحول کا اثر جلد قبول کرتا ہے۔ تمام کائنات کی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی ایک مقررہ مدت معین فرمائی۔ بیشک ہر شے فنا ہونے والی ہے لیکن انسان نہیں۔ انسان کے لئے ایک اور میعاد بھی مقرر ہے یعنی موت سے بعث تک کا زمانہ جو اجل مسمّٰی کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۲) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اجل مسمّٰی کی تشریح فرمائی (قرآن کریم اردو ترجمہ) کہ اجل مسمّٰی آخری حد ہے جس کے آگے نہیں جایا جا سکتا۔ ہر چیز کو بنانے والا اجل مسمّٰی جانتا ہے۔ اس انتہائی مدت تک انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اس سے پہلے اپنی غلطی یا حادثات وغیرہ کے نتیجہ میں موت آ سکتی ہے۔ تم پھر بھی اس کے بارے میں شک کرتے ہو، یعنی جو پہلی بار مٹی سے ایک جیتا جاگتا انسان پیدا کر سکتا ہے، جب وہ مر کر مٹی ہو جائے گا تو اس مٹی سے اسے دوبارہ پیدا کیوں نہیں کر سکتا؟

آج جاپانی سائنسدان ایک پانچ ہزار سالہ پرانی کھوپڑی کی جلد کے زندہ خلیوں (Cells) کی کلوننگ سے ایک زندہ انسان بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آیا کہ اس تخلیق کو خاموشی سے ضائع کرنا پڑا۔ غرض اس قادرِ مطلق کے لئے اسی مٹی سے دوبارہ انسان بنانا کچھ بھی مشکل نہیں جبکہ انسان کی دوبارہ تخلیق سے اسے ایک روحانی جسم ملے گا نہ کہ مادی۔

مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۴﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

جو کماتے ہو تم اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی نشانیوں میں سے رب کی ان کے مگر

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ

ہیں اس سے اعراض کرنے والے سو یقیناً تکذیب کی انہوں نے حق کی جبکہ وہ آیا انکے پاس

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾

پس عنقریب آئیں گی ان کے پاس خبریں اس کی کہ تھے جس پر ہنسی کرتے

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے اُمتیں طاقت دی تھی ہم نے انہیں

الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠

زمین میں جو کہ نہیں طاقت دی ہم نے تم کو اور بھیجا ہم نے بادل ان پر بہت برسنے والا

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور بنائی تھیں ہم نے نہریں کہ چلتی تھیں نیچے ان کے پھر ہلاک کیا ہم نے انہیں

۴۔ پہلی تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی، اثباتِ توحید، شرک کا بطلان اور بعث بعد الموت کا ذکر کرکے بتلایا کہ وہی ایک اللہ ہے جو آسمان و زمین میں ہے جو تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اسے جانتا ہے۔

۵۔ محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان کی تکذیب پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کا جھٹلانا کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے لوگوں کے پاس بھی جب ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آئی تو انہوں نے منہ پھیر لیا خواہ یہ نشانی کتاب و شریعت کے رنگ میں تھی یا کوئی معجزہ تھا۔ انہوں نے انکار ہی کیا۔

۶۔ غرض جب بھی ان کے پاس حق آیا، انہوں نے جھٹلایا۔ اب بھی ان کے پاس حق آیا جسے انہوں نے جھٹلایا۔ پس عنقریب اس صداقت کی ان کو خبریں ملیں گی جن پر وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ اس میں آئندہ کے لئے پیشگوئی فرمائی کہ بہت جلد وہ وقت آتا ہے کہ کفار پر عذاب اور اسلام کے غلبے کی جو خبریں آنحضرت ﷺ ان کو سناتے تھے اور جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ انہیں ملیں گی نیز آئندہ کی پیشگوئیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو قرآن کریم باربار بیان کرتا ہے۔

۷۔ **مَکّنّٰھم** ۔ ہم نے انہیں تمکنت بخشی۔ فرمایا یہ سنت اللہ کو کیوں بھول گئے ہیں؟ تاریخ اقوامِ عالم میں نگہِ عبرت کے لئے بے شمار سامان ہیں۔ کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ان سے پہلے ہم نے

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۞ وَلَوْ

بسبب انکے گناہوں کے اور پیدا کی ہم نے بعد ان کے قومیں دوسری اور اگر

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

اُتارتے ہم تجھ پر کوئی کتاب کاغذ میں پھر وہ چھوتے اسے ساتھ ہاتھوں کے اپنے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَقَالُوْا لَوْ

ضرور کہتے وہ لوگ جو کافر ہوئے نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا کھلا اور کہا انہوں نے کیوں

لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ

نہیں اُتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر اُتارتے ہم فرشتہ ضرور فیصلہ کیا جاتا معاملے کا پھر

کتنی قوموں کو ہلاک کردیا جو ان سے زیادہ طاقت اور قوت کی مالک تھیں۔ان پر انعاماتِ خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ان پر موسلادھار بارشیں برسائیں اور ان کے زیرنگیں نہریں جاری کیں۔گویاہرطرح کی فراوانی سے نوازالیکن یہ سب چیزیں ان کے کچھ کام نہ آئیں (بیضاوی) اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کردیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پروان چڑھایا۔یعنی بے شمار انعامات ملنے پر بجائے شکراداکرنے اور خدائی احکام کو ماننے کے وہ گناہوں میں اور دلیرہوگئے۔پس یہی ان کی ہلاکت کا سبب ہوا۔ان جیسی نعمتیں بیشک تمہیں حاصل نہیں لیکن حق کو جھٹلانے کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاسMTA) فرماتے ہیں۔یہ آیت ماضی کا ذکرکررہی ہے اورآنحضرتﷺ کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں۔ ورنہ آئندہ زمانہ کی تمکنت اور مادی ترقیات کو ماضی سے کوئی نسبت نہیں۔

۸۔قرآن کریم ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔اکثر صرف جواب دیا جاتاہے جسے پڑھ کرسوال خود بخود سمجھ آجاتاہے۔یہاں تین آیات میں کفارکے تین نامعقول مطالبات کا ذکرکیا۔پہلا یہ کہ اس قسم کی وحی کو ہم نہیں مانتے ہمارے لئے آسمان سے یکبارگی کتاب نازل ہو۔اس کا جواب یہ دیا کہ اگرہم آسمان سے کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب بھی تم پر نازل کر دیتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھوکر تسلی بھی کرلیتے، تو بھی وہ انکار ہی کرتے اور کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی آپؑ کو ساحر کہتے تھے اگر ایسا معجزہ ہو جاتا تو بھی ان کے نزدیک ایک شعبدے سے زیادہ نہ ہوتا اور آپؐ کو ساحر کہنے میں انہیں کیا باک ہوتا۔

۹۔دوسرامطالبہ یہ تھا کہ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتاراگیا جو اس کی تصدیق کرتا یا

لَا يُنْظَرُوْنَ ۞ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ

نہ مہلت دیئے جاتے وہ اور اگر بناتے ہم اُسے فرشتہ تو ضرور بناتے ہم اُسے مرد اور

لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۞ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ

البتہ شبہ ڈالتے ہم ان پر جو شبہ وہ (اب) کررہے ہیں اور یقیناً یقیناً ہنسی کی گئی رسولوں سے

مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پہلے تجھ سے پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہنسی کی تھی ان میں سے اس (عذاب) نے کہ تھے جس پر

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ ع

ہنسی کرتے تو کہدے سفر کرو زمین میں پھر دیکھو کیوں کر

حفاظت کرتا؟ فرمایا فرشتہ تو وحی لے کرآتا ہے یا عذاب۔ وحی تو آہی رہی ہے،ہاں جب عذاب کے فرشتے اترتے ہیں تو فیصلہ ہی ہوجاتا ہے پھرانہیں مہلت نہ ملتی۔

۱۰۔ **یلبسون ۔لبس** ۔ ڈھانپنا۔ اسی سے لباس ہے ۔ مراد مشتبہ ہونا۔

تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ ایک معمولی انسان کو رسول بنا کربھیجا جو لوگوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہاہے۔کوئی فرشتہ رسول بناکر کیوں نہ بھیجا؟ فرمایااگر تمہارے پاس فرشتہ بھیجتے تو بھی وہ انسانی شکل میں ہی آتا کیونکہ تمہاری مادی نظرفرشتے دیکھنے سے عاجز ہے جو ایک غیرمرئی لطیف مخلوق ہیں۔اس لئے اگرفرشتہ رسول بن کر انسانی شکل میں آتا تو بھی تم اسی شبہ میں رہتے جس میں اب ہو،کیونکہ کسی انسان کے اس دعوے کو کہ دراصل وہ فرشتہ ہے ،تم ہرگزنہ مانتے۔رسول تو بطورنمونہ آتا ہے اس لئے انسانوں کی ہدایت کے لئے رسول کا انسان ہونا ہی ضروری ہے جو تمام خدائی احکام پر عمل کرکے دکھاتا ہے کہ یہ ایک انسان سے ممکن ہے ورنہ پھر اعتراض ہوتا کہ یہ تو فرشتہ ہے ہم انسان ہوکر ان تمام احکام پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

۱۱۔ان کے تمام نامعقول مطالبات کو سن کریقیناً آنحضرتﷺ کو رنج پہنچا ہوگا اس لئے آپؐ کی تسلی فرمائی کہ یہ ہنسی اڑانا آپؐ ہی سے خاص نہیں کہ آپؐ انہیں عذاب سے ڈراتے ہیں اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں، بلکہ آپؐ سے پہلے بھی رسولوں سے اسی طرح مذاق کیا گیا،لیکن نتیجہ یہ ہواکہ جس عذاب کا انہوں نے مذاق اڑایا تھا اسی عذاب نے ان تمسخرکرنے والوں کو گھیر لیایعنی اسی قسم کے عذاب میں وہ گرفتار ہوگئے۔احادیث میں تفصیلاً ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں کہ جس طرح کا مذاق اڑاتے تھے بسااوقات اسی طرح کا مذاق قدرت نے ان کے ساتھ کیا۔

۱۲۔جیسا کہ اس سورۃ کا موضوع توحیدِ الٰہی اورشرک کی نفی ہے ، اس رکوع میں بھی اسی

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ

ہوا انجام جھٹلانے والوں کا تو کہدے کس کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے

وَالْاَرْضِ ، قُلْ لِّلّٰهِ ، كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ،

اور زمین میں ہے تو کہدے اللہ کے لیے فرض کی ہے اس نے نفس پر اپنے رحمت

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ، اَلَّذِيْنَ

البتہ جمع کرتا رہے گا تم کو تا روزِ قیامت نہیں کوئی شک جس میں وہ لوگ جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي

گھاٹے میں ڈالا جانوں کو اپنی پس وہ نہیں ایمان لاتے اور اس کیلئے ہے جو ٹھہرا

تعلق میں انسان کو توجہ دلائی کہ وہ تعصب کی عینک اتار کر بنظر غور دیکھے تو تاریخ عالم اس کے لئے سامان عبرت ہے۔فراعنہ مصر اور نمرود کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن کی ہیبت سے ایک عالم کانپتا تھا جو صرف نبیؑ وقت کی تکذیب کی وجہ سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے لہٰذا یہی حال آپؐ کے مکذبین کا ہوا جو صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے گئے۔

غرض بابل اور نینوا کے کھنڈرات ہوں یا اہرامِ مصر، نگہِ بینا کے لئے نشان عبرت ہیں اور انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام زبان حال سے پکار پکار کر سنا رہے ہیں۔کہ ایسی عظیم الشان فنی مہارت کے باوجود جب انبیاء کے مقابل آئے تو اس شدید العقاب کی پکڑ سے بچ نہ سکے۔ سیر و سیاحت کی اہمیت اس سے عیاں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوامامہؓ کے استفسار پر فرمایا! کہ میری امت کی سیر و سیاحت بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد ہے کیونکہ اس کے ذریعہ حق کی اشاعت ہوتی ہے اور مسلمانوں کے نیک نمونہ کے عام ہونے کے مواقع میسر آتے ہیں (ابوداؤد کتاب الجھاد) گویا تبلیغِ اسلام کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کریم کے وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہر ملک کی تاریخ کا ریکارڈ اس زمین کے اندر دبا پڑا ہے۔قرآن کریم پہلی کتاب ہے جس نے اس طرف متوجہ کیا۔پس علمِ آثار قدیمہ (Archaeology) میں ترقی کر کے ان قرآنی حقائق سے پردہ اٹھانا آج کے جوانوں کا کام ہے۔

۱۳۔اقوام عالم کے عبرتناک انجام سے خدا تعالیٰ کی صفت **القہار** پر نظر جاتی تھی اس لئے فوراً تسلی دی کہ تمام کائنات پر اس کا تسلط ہونے کے باوجود اس نے اپنے نفس پر رحمت فرض کی ہوئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے **سبقت رحمتی غضبی** ۔کہ میری رحمت میرے غضب

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ، وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

رات اور دن میں اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے تو کہدے کیا سوائے اللہ کے

اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

بناؤں میں دوست جو پیدا کرنیوالا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور وہی کھانا دیتا ہے اور نہیں

يُطْعَمُ ، قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا

کھانا دیا جاتا تو کہدے یقیناً میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں پہلا وہ جو مسلمان ہوا اور یہ کہ

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ

ہو تو ہرگز مشرکوں میں سے تو کہدے یقیناً میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کی میں نے

پر سبقت لے گئی پس قیامت کی فکر کرو جہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) کہ اللہ تعالیٰ اس دن کی رسوائیوں سے بچائے۔جنہوں نے اپنی جانوں کو خود گھاٹے میں ڈالا،وہ ایمان نہیں لائیں گے۔گویا قیامت کے عذاب کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ ورنہ قیامت کو تو اللہ تعالیٰ کی رحیمیت کا نظارہ دنیا سے بہت بڑھ کر اور کھلا کھلا ہوگا۔

۱۴۔کائنات میں تو کسی چیز کو قرار نہیں۔ہر چیز رواں دواں ہے۔اگر رات کے اندھیروں اور دن کے اجالوں میں کوئی چیز ٹھہرتی ہے تو وہی ظلمات و نور ہیں جن کا سورۃ کی ابتدا میں ذکر ہوا۔ یہ اس کی رحمت ہے جو ظلمات کے پردوں کو پھاڑ کر نور کو ظاہر کرتی ہے۔روحانی طور پر بھی اور مادی طور پر بھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ رات کے وقت انسان شنوائی کا محتاج ہے۔رات کے حوالے سے سمیع کہا۔ نیز اس لئے بھی کہ رات کی دعاؤں کو زیادہ سننے والا ہے۔دن کے حوالے سے علیم کہا۔

۱۵۔خدا تعالیٰ کی کبریائی کے نظارے ،اس کی پیدا کردہ کائنات یعنی زمین و آسمان کو دیکھنے کے بعد کیا میں کسی اور کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں؟وہ تو اپنے بندوں کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتا اور انہیں کھلاتا پلاتا ہے جبکہ اسے خود کھانے کی حاجت نہیں۔یہ اس لئے کہا کہ مشرکوں کے تمام معبود کھانے کے محتاج تھے یہاں تک کہ بتوں کو بھی کھانا پیش کیا جاتا۔خواہ کتے بلیاں ہی کھائیں۔تو کہہ کہ سب سے پہلے تو مجھے ہی کامل فرمانبرداری کا حکم ملا ہے آپؐ وحی الٰہی پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اوّل مسلم تھے کیونکہ آپؐ حق الیقین کے مقام پر تھے۔اگر یہ تعلیم غلط ہے تو سب سے پہلے سزا کا حقدار بھی میں ہی ہوں اور یہ کہ شرک کے قریب بھی نہ جاؤں۔

رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۶﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ
رب اپنے کی عذاب سے دن بڑے کی جو شخص کہ پھیرا جاوے اس سے (عذاب) اس دن

فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
تو یقیناً اس نے رحم کیا اور یہ ہے کامیابی کھلی کھلی اور اگر پہنچاوے تجھے

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ
اللہ نقصان تو نہیں کوئی دور کرنیوالا اسے سوائے اسکے اور اگر پہنچاوے تجھے اللہ کوئی بھلائی

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ
تو وہ ہربات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور وہ غالب ہے اوپر بندوں کے اپنے

آنحضرت ﷺ تو اعلان نبوت سے قبل بھی شرک سے سخت متنفر تھے، پس ایسے تمام احکام آپؐ کی وساطت سے امت کے لئے ہیں کہ وہ خفی در خفی شرک سے بچیں۔

۱۶۔آنحضرت ﷺ سے یہ کہلوانا کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، امت کو سمجھانے کے لئے کافی ہے۔

جس طرح دنیا میں اس کے قانونِ قدرت کو توڑ کر تباہی آتی ہے، اس طرح قوانین شریعت کو توڑ کر بھی ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ بڑا دن اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے نیز اس لئے بھی کہا کیونکہ مصیبت کا دن ہمیشہ ہی بہت لمبا ہوتا ہے۔

۱۷۔عذاب بھی ایسا ہے کہ جس سے وہ دور کیا گیا تو جان لو کہ اس دن اس پر خدا نے رحم فرمایا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے گویا حصولِ جنت سب سے بڑی کامیابی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے۔

۱۸۔ **کاشف .. کشف**۔ چہرہ وغیرہ سے پردہ اٹھانا۔ ظاہر کرنا۔ غم کے دور کرنے پر بولا جاتا ہے۔

مشرکین نفع و نقصان اور دکھ سکھ کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے اس لئے فرمایا کہ دکھ سکھ سب خداتعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور سوائے اس کے کوئی دکھ دور کرنے پر قادر نہیں۔ بھلائی کے لئے دور کرنے کا لفظ نہیں کہا کیونکہ خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کے لئے ہمیشہ بھلائی ہی چاہتا ہے۔ جیسا کہ **رحمتی وسعت کل شیءٍ** ط میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے (الاعراف:۱۵۷)

۱۹۔بیشک خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ وہ انہیں بدی کی سزا دینے پر قادر ہے

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۹﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ
اور وہ حکمت والا خوب خبر رکھنے والا ہے تو کہدے کون سی چیز ہے بڑی گواہی میں تو کہدے

اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
اللہ گواہ ہے درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وحی کیا گیا طرف میری یہ قرآن

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ
تاکہ ڈراؤں میں تم کو ساتھ اسکے اور انہیں جنہیں پہنچے کیا یقیناً تم گواہی دیتے ہو کہ ساتھ

اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
اللہ کے معبود ہیں دوسرے تو کہدے نہیں گواہی دیتا میں تو کہہ سوائے اس کے نہیں کہ وہ ہے

وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
خدائے واحد اور یقیناً میں بیزار ہوں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو وہ لوگ کہ دی ہم نے جنہیں

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ
کتاب پہچانتے ہیں اُسے جیساکہ پہچانتے ہیں بیٹوں کو اپنے وہ لوگ جنہوں نے

لیکن وہ حکیم ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ وہی کام کرتا ہے جس کا نتیجہ بہتر ہو۔ پھر خبیر بھی ہے، غائب کا علم جانتا ہے۔ وہ جلد تباہ نہیں کرتا کیونکہ انہی میں سے بہتوں نے خود یا ان کی نسلوں نے جلد یا بدیر حلقۂ بگوش اسلام ہونا تھا۔ (حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر صغیر۔ تفسیر زیرآیت ھذا) پس اس کا حکیم و خبیر ہونا اس کی صفت قہار پر غالب ہے۔

۲۰۔جیسا کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے یہاں بھی کفار کا سوال نہیں دہرایا، یہ جواب سے واضح ہے۔ کفارِ مکہ کی طرف سے سوال یہی تھا کہ تمہاری باتوں پر گواہ کون ہے؟ کیونکہ کبھی کسی شخص نے تم پر جبریل کو وحی لاتے نہیں دیکھا۔ فرمایا! کہ آپؐ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شہادت کس کی ہے؟ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد خود اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قرآن کریم اور اس کے معجزات ہیں۔ یہ قرآن مجھ پر اس لئے نازل ہوا ہے کہ تمہیں خبردار کروں اور انہیں بھی جن تک یہ پہنچے۔ گویا جن تک قرآن کریم پہنچا، ان پر اس کا اتباع لازم ہے اگر وہ اس کی ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے، تو تباہ و برباد ہوں گے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) کیا اس خدائی گواہی کے بعد بھی جو قرآن کریم کی صورت میں آئی، تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا اور کہہ دیجئے کہ معبود

ع ۲ ۸

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
گھاٹے میں ڈالا جانوں کو اپنی پس وہ نہیں ایمان لاتے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
گھڑ لیا اللہ پر جھوٹ یا تکذیب کی آیات کی اس کی تحقیق بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
ظالم اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے انہیں سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے

تو بس ایک ہی ہے۔ جن کو تم شریک بناتے ہو، میں تو ان سے بیزار ہوں۔

شروع سورۃ میں کل کائنات کو خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت کے طور پر پیش کیا تھا۔ یہاں قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی قولی شہادت کے طور پر پیش کیا۔

۲۱۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب کا علم دیا ہے وہ اپنے بیٹوں کی طرح قرآن کو بھی پہچانتے ہیں اور صاحبِ قرآن کو بھی۔ جس طرح بیٹے میں باپ کی چھاپ ہوتی ہے اسی طرح اس کی بھیجی ہوئی کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں میں خدائی صفات کی چھاپ ہوتی ہے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمۃ القرآن کلاس MTA) جس طرح بیٹے کی پہچان بیوی کے اعلیٰ و بے داغ کردار سے وابستہ ہے۔ اسی طرح آنحضرتﷺ کی پہچان بھی آپؐ کا چالیس سالہ کردار ہے۔ اہل کتاب جانتے تھے کہ وہ صادق و امین جس نے انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھوٹ کس طرح منسوب کرسکتا ہے؟ نیز جس طرح ہزاروں کے مجمع میں بھی انسان اپنے بیٹے کو اس کی شکل و صورت اور نشانیوں سے پہچان لیتا ہے اسی طرح اہل کتاب بھی قرآن کریم اور نبیٔ آخر الزماں کو ان واضح نشانیوں اور علامتوں سے پہچانتے تھے جو ان کی کتابوں میں تھیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ نے خود اقرار کیا۔ ہاں جنہوں نے خود اپنی جانوں کو نقصان پہنچانا چاہا وہ بضد رہے اور ان تمام واضح علامات کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے خود اپنے والد اور چچا کو باتیں کرتے سنا تھا، جو آنحضرتﷺ سے مل کر آئے تھے کہ آپؐ وہی ہیں جن کی بشارت تورات میں موجود ہے لیکن ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (ابن ہشام جلد۲ صفحہ ۱۶۵ طبع جدید)

۲۲۔ اس رکوع میں بھی شرک کی تردید اور مکذبین کا انجام بتایا۔ اس آیت میں صداقت کو پرکھنے کا نہایت آسان طریق بتایا کہ جو شخص خدا پر افترا کرے یعنی جھوٹا دعویٰ نبوت کرے اور اپنے جھوٹے الہام و کشوف کو خدا کی طرف منسوب کرے یا وہ شخص جو کسی سچے مدعی نبوت کو جھٹلائے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۳﴾ ثُمَّ
شریک بناتے تھے کہاں ہیں شریک تمہارے وہ جو کہ تھے تم بیان کرتے پھر

لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا
نہ ہوگا بہانہ ان کا مگر یہ کہ کہیں گے وہ قسم ہے اللہ رب ہمارے کی کہ نہ تھے ہم

مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۴﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مشرک دیکھ کس طرح جھوٹ بولا انہوں نے جانوں پر اپنی اور جاتا رہا ان سے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا
وہ جو کہ تھے وہ افتراء کرتے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو کان رکھتے ہیں طرف تیری حالانکہ ڈال دیئے

اور اس کی تکذیب کرے تو فرمایا کہ وہ دونوں ظالم ہیں اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ پس جو تائید ایزدی سے کامیاب و کامران ہوا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور سچا ہے اور جو ناکام و نامراد ہوا اور ہلاک ہوا وہ جھوٹا ہے۔ تاریخ گواہ ہے۔ قومِ عاد و ثمود ہو یا قومِ لوط ہو یا آنحضرتﷺ کے مخالفین۔ ظالموں کا انجام ناکامی اور ہلاکت ہوا اور وہ خائب و خاسر ہوئے۔ اسی طرح ہر جھوٹے مدعیٔ نبوت کو خدا نے اس کی شہ رگ سے پکڑا اور بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لئے اسے ہرگز ڈھیل نہیں دی۔ مسیلمہ کذاب اور دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

۲۳۔ بیشک دنیا میں بھی سچ اور جھوٹ کی پہچان ایک صاحب بصیرت کے لئے ہرگز دشوار نہیں لیکن قیامت کو تو ہر چیز عیاں ہوگی اور مشرکوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے متعلق تم گمان کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں۔

۲۴۔ **فتنة**۔ آزمائش۔ عذر۔ یہاں فتنہ کے معنی عذر کے کئے ہیں۔

فرمایا ان کے پاس سوائے اس کے کوئی عذر نہ ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہ تھے۔ ان کا شرک سے انکار بت پرستی سے انکار بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شرکِ خفی کے مجرم ہوں اور غیراللہ کو وسائط مانتے ہوں جیسا کہ سورۃ الزمر:۴ میں ہے یا وہ اتنے جھوٹے ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آئے۔ یا یہ کہ یہ فطرت صحیحہ کی آواز ہو۔

۲۵۔ دیکھو اپنے ہی خلاف کس طرح جھوٹ بولیں گے اور جو پہلے جھوٹ گھڑا کرتے تھے وہ سب بھول جائے گا۔ یعنی دنیا میں شرک کرتے تھے لیکن آخرت میں شرک سے انکار کر کے خود اپنے خلاف جھوٹ بولیں گے، لیکن یہ افترا پردازیاں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی۔ اسلام نے جھوٹ کی سخت مذمت فرمائی ہے اور یہاں تو اس جھوٹ کا ذکر ہے جو خدا پر باندھتے تھے۔

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

ہم نے دلوں پر ان کے پردے کہ سمجھیں اُسے اور کانوں میں ان کے بہرا پن ہے

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ

اور اگر دیکھیں وہ ہر ایک نشان نہ ایمان لائیں گے اس پر یہانتک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس

يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر کہانیاں

الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۶ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ

پہلوں کی اور وہ روکتے ہیں اس سے اور رُکتے ہیں اس سے اور نہیں

يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۷ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ

ہلاک کرتے مگر جانوں کو اپنی اور نہیں محسوس کرتے اور اگر تو دیکھے جبکہ

۲۶۔ **وقرًا**۔ بوجھ۔ چونکہ ان کا کان لگانا محض جاسوسی کے لئے تھا نہ کہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس لئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں پر بوجھ ہے، گویا کوئی بات ان پر اثر نہیں کرتی۔ صداقت کے سننے اور اس پر غور کرنے سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ کسی کو نیکی سے محروم نہیں کرتا۔ پس ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیکی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ فرمایا وہ اس حد تک بیباک ہیں کہ اگر تمام نشانات بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ نشانیوں سے مراد ہر وہ صداقت ہے جو کتاب الٰہی کے ہر ورق اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر قدم اور ہر موڑ پر ظاہر ہوئی۔ علاوہ ازیں شروع سورت میں فرمایا کہ صحیفۂ کائنات کی ہر شے نگاہِ بینا کے لئے آیت اللہ ہے۔

ان کا تیرے پاس آنے کا مقصد ان نشانیوں پر غور کرنا یا ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ بحث برائے بحث یا جھگڑنا ہے۔ اسی ضمن میں کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ اوّل تو صداقت ہمیشہ سے ایک ہے۔ دوسرا قرآنی قصوں کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول "ان واقعات کے ذریعے پیشگوئی کی گئی کہ تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا، پس یہ قصے نہیں بلکہ تمثیلی رنگ میں پیشگوئیاں ہیں"۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) جو آپؐ کی زندگی میں بھی پوری ہوئیں اور قیامت تک بھی پوری ہوتی رہیں گی نیز حقیقی واقعات بتا کر انبیاء پر لگائے گئے الزامات سے ان کی بریت فرمائی اور پہلے قصوں کی اصلاح فرمائی جو انسانی دست برد سے اپنی افادیت کھو چکے تھے۔

وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر پس کہیں گے اے کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ تکذیب کریں ہم آیات کی

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۸ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا

رب اپنے کی اور ہو جائیں ہم مومنوں میں سے بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لیے جو

كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا

تھے چھپاتے پہلے سے اور اگر لوٹائے جائیں وہ البتہ دوبارہ اسے کریں جس سے روکے گئے تھے

عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۹ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا

جن سے اور یقیناً وہ ضرور جھوٹے ہیں اور کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر زندگی ہماری

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۳۰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا

ورلی اور نہیں ہیں ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے اور اگر تو دیکھے جبکہ کھڑے کئے

۲۷۔ **ینھون** ۔ **نھی** ۔ منع کرنا۔ روکنا۔ **ینئون** ۔ **ناء**۔ منہ پھیرنا، رکنا۔ **ونا بجانبہ** یعنی اپنا پہلو پھیرلیا۔ (بنی اسرائیل ۔۸۴) **انفسھم** میں خود اور ان کے ساتھی شامل ہیں۔ وہ دوسروں کو بھی صداقت کو قبول کرنے سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ پس وہ نہ صرف خود بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

۲۸۔ دنیا میں تو یہ حال تھا کہ نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور دوزخ کو رو برو دیکھ کر یہ حال ہوگا کہ کہیں گے کاش! ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو اپنے رب کی نشانیوں کو کبھی نہ جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

۲۹۔ فرمایا اس دعویٰ میں بھی جھوٹے ہیں کہ اگر واپس بھیج دیئے جائیں تو ایمان لے آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کو تو تمام پردے ہٹا دیئے گئے اس لئے تائب ہو گئے اگر دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جائیں تو دنیا کا دستور تو پھر وہی غائب پر ایمان ہوگا اور یہ پھر انہیں حرکات کے مرتکب ہوں گے جن سے ان کو منع کیا جاتا تھا۔

یہ نظارہ اکثر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ قہر الٰہی پر فوراً توبہ و استغفار ہوتا ہے لیکن عذاب کے ٹلتے ہی وہی سب کچھ شروع ہو جاتا ہے جو عذاب سے پہلے تھا۔ حدیث میں بھی ہے کہ جن کے اعمال صالحہ ان کے گناہوں سے ایک ذرہ بھی بڑھ جائیں گے، جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم میں صرف اس شخص کو داخل کروں گا جس کے بارے میں جانتا ہوں کہ اگر وہ دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو بھی وہی عمل کرے گا جو پہلے کر چکا۔ یعنی علم الٰہی میں ایسے لوگ سزا کے بغیر درست ہونے والے نہیں۔

عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ

جائیں گے رب پر اپنے فرمائے گا کیا نہیں ہے یہ سچ سچ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے رب ہمارے

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَدْ خَسِرَ

کہ فرمائیگا پس چکھو عذاب اس لیے کہ تھے تم کفر کرتے یقیناً گھاٹا پایا

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

ان لوگوں نے جنہوں نے تکذیب کی ملنے کی اللہ کے یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس قیامت

بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ

اچانک تو کہیں گے اے افسوس ہم پر اس پر کہ کوتاہی کی ہم نے بارہ میں اس (قیامت) کے اور وہ

یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ

اُٹھائیں گے بوجھ اپنے پیٹھوں پر اپنی آگاہ ہو جاؤ بُرا ہے جو وہ بوجھ اُٹھائیں گے اور

ع ۳ / ۹

۳۰۔ پس کفر وانکار کی وجہ یوم آخر سے انکار ہے ،جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ''منہ سے کہیں یا نہ کہیں مگر اکثر لوگوں کے اعمال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے''۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) جبکہ عقیدۂ آخرت پر یقین ہی گناہوں سے بچنے کا علاج ہے۔

۳۱۔اے کاش !تم دیکھ سکو جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے اور وہ پوچھے گا کہ کیا یوم آخر اور بعث بعدالموت سچ نہیں ؟وہ اعتراف کریں گے کہ اے ہمارے رب تیری ہی قسم یہ سچ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر یہ سچ ہے تو اپنے انکار کی وجہ سے یہ عذاب چکھو۔

۳۲۔ **السّاعۃُ** ۔گھڑی ۔ روزِ قیامت یا ساعت کبریٰ ہے۔ ایک نسل یا قوم کا ختم ہونا ساعتِ وسطیٰ ہے اور ایک انسان کی موت ساعت صغریٰ ہے۔ **اوزار**۔واحد وزر ۔بوجھ ۔اسی سے وزیر ہے جو بادشاہ کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔ مراد بوجھ گناہ ۔

قیامت سے انکار ہی انسانوں کو گناہوں پر دلیر کرتا ہے۔ پس جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا انہوں نے نقصان ہی اٹھایا۔یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ان پر اچانک آئے گی تو اپنی ان کوتاہیوں اور غفلتوں پر افسوس کرنے لگیں گے جو قیامت کے بارہ میں ان سے سرزد ہوئیں۔اس لئے کہ اگر اپنے رب کی ملاقات اور حساب کتاب پر یقین ہوتا تو اتنے بے باک نہ ہوتے۔وہ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ پیٹھیں خدا کے آگے کبھی نہ جھکیں نیز پیٹھ پر بوجھ لادنے میں تکلیف و ذلت بھی ہوگی۔ حدیث سے ثابت ہے کہ مرنے کے

مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ

نہیں ہے زندگی ورلی مگر کھیل اور مشغلہ اور البتہ گھر پچھلا بہتر ہے

لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۳﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ

ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کرتے ہیں کیا پس نہیں عقل کرو گے تم یقیناً جانتے ہیں ہم کہ ضرور غم میں ڈالتا ہے تجھے

الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ

جو وہ کہتے ہیں سو یقیناً وہ نہیں جھٹلاتے تجھے ولیکن ظالم

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

آیات کا اللہ کی انکار کرتے ہیں اور یقیناً یقیناً تکذیب کی گئی رسولوں کی پہلے تجھ سے

بعد اعمال متشکل ہوں گے اور نظر آئیں گے۔اعمال حسنہ رفیق و غمگسار کی شکل میں وحشتِ قبر کی دوری کا سبب ہوں گے اور قیامت کے دن سواری کے رنگ میں ہوں گے جبکہ اعمالِ بد بھاری بوجھ کی شکل میں ان پر سوار ہوں گے۔ تاہم یہ تمثیلی باتیں ہیں جن کی حقیقت قیامت کو ہی کھلے گی۔

۳۳۔ پہلے بتلایا تھا کہ کفار دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔یہاں بتایا کہ یہ چند روزہ زندگی کھیل تماشا اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا ایسا ذریعہ ہے جو اعلیٰ مقاصد سے غافل کردے (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمۃ القرآن کلاس MTA) کفار کے لئے تو بیشک ایسا ہی ہے جنہوں نے دنیوی عیش و آرام میں مگن ہوکر مقصد حیات کو بالکل ہی بھلا دیا۔ہاں متقیوں کو الگ کر دیا کہ ان کے لئے آخرت کا گھر ہی یقیناً بہتر ہے۔''پس مومن کو چاہیئے کہ وہ ہر کام میں سوچے کہ یہ بے حقیقت (شغل) خدا سے غافل کرنے والا تو نہیں اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے یا نہیں''(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) امام رازیؒ کے بقول دنیا کی لذات لہو و لعب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ یعنی دکھوں کی جگہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔(مسلم کتاب الزھد) پس یہ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے اور کیوں چند روزہ عیش و آرام کے بدلے اخروی نعمتوں کو ٹھکراتے ہیں ؟

۳۴۔**یجحدون** ۔ **جحد**۔ جان بوجھ کر انکار کرنا۔ دل میں اقرار اور بظاہر انکار کرنا یا دل میں انکار اور بظاہر اقرار کرنا۔

کفار کا یومِ آخر کو جھٹلانا اور حق سے جان بوجھ کر انکار ، آپؐ کو غمگین کرتا اور آپؐ ان کے غم میں گھلتے رہتے۔اس لئے آپؐ کو تسلی دی کہ ان کی باتوں سے آپؐ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔وہ

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ

پس صبر کیا انہوں نے اس پر کہ وہ جھٹلائے گئے اور دُکھ دیئے گئے یہاں تک کہ آئی ان کے پاس مدد ہماری

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی

اور نہیں ہے کوئی بدلنے والا باتوں کو اللہ کی اور یقیناً یقیناً آچکیں تیرے پاس خبریں

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ

رسولوں کی اور اگر ہوا ہے گراں تجھ پر منہ پھیرنا ان کا پس اگر

اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ

ہوسکے تجھ سے کہ ڈھونڈے کوئی سُرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں

فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

کہ لائے تو ان کے پاس کوئی نشان اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کرتا انہیں ہدایت پر

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

پس نہ ہوتو ہرگز ناواقفوں سے سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو

النصف

تیری تکذیب نہیں کرتے جیسا کہ ابوجہل وغیرہ نے خود اقرار کیا اور آپ کو امین و صدیق کہا، بلکہ ظالم آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔پس آپؐ کا کڑھنا اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ کو سچا کیوں نہیں مانتے بلکہ دکھ تھا تو یہ کہ ظالم اس صداقت کو جھٹلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، یہاں اشارہ فرمایا کہ آیات اللہ کی تکذیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود ہی ان سے نپٹے گا۔

۳۵۔ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کا آخری دور تھا مظالم و شدائد کی انتہا ہو چکی تھی۔ مکی سورتیں جن میں سے بعض میں قصص الانبیاء ہیں نازل ہو چکی تھیں۔ فرمایا تکذیب کا معاملہ تجھ سے ہی خاص نہیں، تجھ سے پہلے انبیاء کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی وہ کفار کی تکذیب اور ایذا رسانیوں سے صبر ہی کرتے رہے۔یہاں تک کہ نصرتِ الٰہی آ پہنچی۔یہی سنت اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں یعنی یہ پیشگوئیاں پوری ہو کر رہیں گی۔ گذشتہ انبیاء کی بعض خبریں یقیناً آ چکی ہیں۔ وہی حالات تم پر بھی گزرنے والے ہیں۔ صبر آخر رنگ لائے گا۔جو انجام ان کے دشمنوں کا ہوا وہی تیرے دشمنوں کا بھی ہوگا۔ باطل مغلوب ہوگا اور فتح حق کی ہی ہوگی۔

۳۶۔**سُلَّمًا۔ السَّلَمُ** ۔سلامتی۔ **سُلَّمًا** وہ چیز جس سے بلندمقام پر پہنچ سکیں اور سلامتی کی امید ہو ۔مراد سیڑھی۔ **تبتغی (بغی)** تو چاہتا ہے ،تو ڈھونڈتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دل میں لوگوں کی ہدایت کے لئے شدید تڑپ تھی۔ ان کی روگردانی

يَسْمَعُوْنَ ۚ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۷﴾

سُنتے ہیں اور مُردے دوبارہ زندہ کرے گا اللہ پھر طرف اس کی وہ لوٹائے جائیں گے

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور کہا کیوں نہیں اُتارا گیا اس پر نشان طرف سے رب کے اس کی تو کہدے یقیناً اللہ

قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

قادر ہے اس پر کہ اُتارے کوئی نشان ولیکن اکثر ان کے نہیں جانتے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی اڑنے والا(جو) اڑتا ہو دو پروں سے اپنے

آپؐ پر بہت شاق گزرتی جیسا کہ فرمایا! کہ ’’کیا تو اپنی جان اس بات پر ہلاک کر دے گا کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے‘‘۔ پس آپؐ ہر قیمت پر ان کی ہدایت کے خواہاں تھے اور ان کے مطلوبہ معجزات پیش کرنے کی فکر میں رہتے۔ فرمایا اگر تجھے طاقت ہے تو کوئی نشان زمین کی پاتال سے ڈھونڈ لا یا آسمان کی رفعتوں سے اتار لا۔ یعنی ان کے لئے کوئی زمینی یا آسمانی تدبیر کرلے لیکن تیری تدبیر سے کچھ حاصل نہیں ہو گا یعنی معجزہ دکھانا پیغمبر کے اختیار میں نہیں۔ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ضرور ہدایت پر جمع کر دیتا۔چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سارا عرب مسلمان ہوگیا۔ پس تو جاہلوں میں سے ہرگز نہ بن یعنی خدا کی مشیت پر صبر کر۔ اس قسم کی آیتیں قرآن کریم کے خدائی کلام ہونے پر شاہد ہیں۔

۳۷۔ پہلے ان کا ذکر ہو چکا ہے جن کے دلوں اور کانوں پر پردے ہیں اور حق بات سننے کو تیار نہیں۔ یہاں بتایا کہ جو لوگ گوشِ نصیحت نیوش رکھتے ہیں اور تعصب کی پٹی اتار دیتے ہیں وہی قبول بھی کرتے ہیں۔ہاں جو روحانی طور پر مردہ ہیں وہ بات نہیں سنتے لیکن ان کو بھی اللہ اٹھائے گا اور وہ سننے لگیں گے اور خدا کی طرف رجوع کریں گے۔اس میں اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی بشارت ہے۔ یہاں قیامت کا ذکر نہیں اس لئے روحانی مردے ہی مراد ہیں جو آپ کی قوت قدسی سے زندہ کئے جائیں گے۔

۳۸۔ کفار ہمیشہ عذاب کا نشان مانگتے تھے کہ اگر یہ سچا اور ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا نیز کسی عظیم نشان کے طلبگار بھی تھے۔ فرمایا وہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی عظیم نشان اتارے ۔اگر عذاب ہی چاہتے ہو تو عذاب بھی اپنے وقت پر آئے گا، لیکن اکثر اس کے نتائج کو نہیں جانتے۔

إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ

مگر جماعتیں ہیں تمہاری طرح نہیں کم کی ہم نے کتاب میں کوئی چیز پھر

إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ

طرف رب اپنے کی اکٹھے کئے جائیں گے اور وہ لوگ جنہوں نے تکذیب کی آیات کی ہماری بہرے اور

۳۹۔پچھلی آیت میں کفار نے نشان مانگا تھا۔یہاں انواع و اقسام کے چرند پرند کو بطور نشان پیش کیاجو انسانوں کی طرح الگ الگ گروہ ہیں اور اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر ان کی تخلیق اور بود و باش پر غور کرو تو ایک ایک جانور خدائی صناعی کی منہ بولتی تصویر ہے۔یہ وہ خدائی شاہکار اور عظیم نشان ہیں کہ ایک ایک چرند پرند بلکہ چیونٹی اور شہد کی مکھی پر بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

شروع سورت میں فرمایا کہ تمام کائنات ایک ضابطہ اور قانون کے تابع ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرسکتی۔اب بتلایا کہ تمام زمینی اور فضائی چرند پرند بھی اسی خدائی قانون کے پابند ہیں۔جو اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت میں رکھا ہے۔جہاں تک سفلی زندگی کا تعلق ہے یہ بھی انسانوں کی طرح گروہ ہیں۔انسانوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں، روزی تلاش کرتے ہیں ،کھاتے پیتے ہیں ، ساتھی ڈھونڈتے ہیں ،گھر بناتے ہیں ، بچے پیدا کرتے ہیں، ان کو پالتے ہیں اور مرجاتے ہیں چونکہ یہ صاحب اختیار نہیں اور نہ صاحب بصیرت ہیں ، اس لئے ان کا حشر نہیں ہوگا، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جانوروں کا حشران کی موت ہے(تفسیرابن جریر)جبکہ انسان بااختیار مخلوق ہے اس لئے شریعت کا مکلّف ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ایک کامل شریعت کے طور پر بھیجا۔تمام تعلیماتِ ضروریہ اس کے اندر ہیں اور اس میں کوئی کمی نہیں رکھی۔پس انسان اختیار اور کوشش سے گناہوں سے بچتا اور نیکی کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے اس لئے اس کا حشر ہوگا اور وہ سزا یا جزا کا مستحق ہوگا۔ **هم** اور **يحشرون** میں ضمیرانسانوں کی طرف جاتی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاسMTAمیں) فرماتے ہیں کہ اگر تمثیلی رنگ میں معنی کئے جائیں تو **دآبة** سے مراد انسانوں کی ایسی جماعت ہے جو زمین کی طرف جھکی رہتی ہے بعض جگہ ایسے انسانوں کو بندر اور سؤر کہا گیا ہے۔سماوی علوم یاروحانیت سے ان کا تعلق نہیں جبکہ طیور سے مراد آسمانی طیوریعنی روحانی انسانوں کا گروہ ہے جن کی پرواز آسمانوں کی طرف ہے۔جو سماوی علوم سے آراستہ ہوتے ہیں۔فرمایا یہ تمہاری طرح کے گروہ ہیں یعنی بطور انسان فرق نہیں۔ان تمام گروہوں کو اکٹھا کرکے ان کے ربّ کے حضور لے جایاجائے گا۔

بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۗ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۗ وَمَنْ يَّشَاْ

گونگے ہیں اندھیروں میں ہیں جسے چاہتا ہے اللہ گمراہ کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

کردیتا ہے اُسے راستے سیدھے پر توکہدے بتاؤ تو سہی کہ اگر آجائے تم پر

عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ

عذاب اللہ کا یا آئے تم پر (مقررہ) گھڑی کیا غیر کو اللہ کے تم پکاروگے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ

ہو تم سچے (نہیں) بلکہ اُسی کو تم پکاروگے پس وہ دُور کریگا اس سے (عذاب) کو کہ تم پکاروگے

اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

(اللہ کو) طرف جس کی اگر چاہے اور تم بھول جاؤ گے جسے تم شریک بناتے ہو اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے (نبیوں کو)

ع ٤ ١١ ١٠

۴۰۔اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ انہی حیوانوں کے گروہ میں ہیں اور انہی کی طرح باوجود سننے اور بولنے کے بہرے اورگونگے ہیں اورجہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔گویا ایسے انسان جانوروں کی سی زندگی گزارتے ہیں۔شعور سے کام نہیں لیتے۔نہ حق سنتے ہیں نہ حق بولتے ہیں اور جہالت کی تاریکیوں سے نہیں نکلتے اس لئے اللہ تعالیٰ بھی انہیں گمراہ قرار دے دیتا ہے۔ہاں جنہوں نے بصارت و بصیرت سے کام لیا اور آیات الٰہی کی تائید کی جوصحیفۂ کائنات اور قرآنی اوراق میں بکھری پڑی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں سیدھے راستہ پر قائم کردیتا ہے یہ ان کے اعمال ہی ہیں جن کے مطابق نتیجہ اخذ ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کو پکڑکر نیک یا بدنہیں بناتا۔

۴۱۔قران کریم میں **اراءيت** یا **اراءيتكم** تنبیہ کے معنی میں آتا ہے۔(امام راغب) کیا تم نے دیکھا۔غور کیا؟

بتاؤ اگرتم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب یاآخری گھڑی آجائے تو کیاتم اللہ تعالیٰ کے سواکسی اور کو پکارو گے ؟اگر شرک میں سچے ہوتو چاہیئے تھا کہ غیر اللہ کو پکارتے۔

۴۲۔نہیں بلکہ تم اسی اللہ کو پکاروگے اور جس عذاب کو دور کرنے کے لئے تم اسے پکارو گے اگر چاہے تو دور کر دے گا۔پس یہاں وعدہ نہیں چاہے تو قبول کرے ، چاہے تو رد کرے کیونکہ یہ عذاب دیکھنے کے بعد کی دعا ہے(حضرت مسیح موعود علیہ السلام برکات الدعاء صفحہ ۱۰)ہاں جو دعاخدا کو پانے کے لئے کی جائے اسے ضرور قبول فرماتا ہے اور جسے تم خدا کا شریک بناتے تھے اسے بھول جاؤ گے۔اس سے ثابت ہوا کہ فطرتِ صحیحہ توحید کو چاہتی ہے کیونکہ مصیبت میں صرف

إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

طرف قوموں کی پہلے تجھ سے پس پکڑا ہم نے اسے ساتھ غربت اور دُکھ کے

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

تاکہ وہ زاری کریں پس کیوں نہ جبکہ آیا تھا ان کے پاس عذاب ہمارا عاجزی کی انہوں نے

وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا

دیکن سخت ہوگئے دل ان کے اور مزین کیا ان کے لیے شیطان نے وہ (کام) جو تھے

يَعْمَلُونَ ﴿۴۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

وہ کرتے پس جب وہ بھول گئے وہ (نصیحت) کہ نصیحت کئے گئے جسکے ذریعہ کھول دیئے ہم نے ان پر

أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم

دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے اس چیز پر جو دیئے گئے پکڑا ہم نے انہیں

خدا کو پکارتے ہیں اور غیراللہ کو بھول جاتے ہیں۔

۴۳۔اس رکوع میں توحید کے منکرین کے لئے عذابِ استیصال کا ذکر ہے۔

پچھلے رکوع میں بتلایا کہ منکرین کو مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے اور اسے پکارتے ہیں یہاں فرمایا کہ تم سے پہلے کئی قومیں گزری ہیں کہ توحید حق کے قیام کے لئے ان کی طرف رسول بھیجے گئے اور ان کی تکفیر و تکذیب کی وجہ سے (بیضاوی) ہم نے انہیں تکالیف و آفات میں مبتلا کر دیا تا کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور عاجزی اختیار کریں۔ایسا ہر نبی کے لئے ہوتا ہے کہ مکذبین پر پہلے معمولی عذاب آتے ہیں جیسا کہ فرمایا کہ ''ہم عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھاتے ہیں تا کہ باز آئیں''۔(سورۃ سجدہ :۲۲)

۴۴۔لیکن انہیں مصیبت کے وقت بھی خدا یاد نہیں آیا اور بجائے تضرع اور انکساری کے مصیبت کو دیکھ کر ان کے دل اور بھی سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو اور خوبصورت کر کے دکھایا یعنی بجائے شرمندہ ہونے کے ان اعمالِ بد پر فخر کرنے لگے جیسا کہ آجکل اقوامِ مغرب کا حال ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بیشتر قوموں کا یہی حال ہے۔

۴۵۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تنگی اور کشائش دونوں طرح سے آزماتا ہے جب انہیں آلام و مصائب میں خدا یاد نہ آیا،ان میں عاجزی اور انکساری پیدا نہ ہوئی اور احکام الٰہی کو بالکل ہی بھول گئے تو ہم نے دوسری طرح آزمایا۔ پس ہر دنیوی نعمت اور عیش و آرام کے دروازے ان پر کھول دیئے۔یہاں تک کہ ان خدائی عطیات پر اترانے لگے اور بجائے شکر گزار و فرمانبردار ہونے کے

بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿۴۵﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

بے اطلاع سو معاً وہ نا اُمید تھے پھر کاٹ دی گئی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے

ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ

ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں واسطے اللہ رب العالمین کے ہیں تو کہدے بتاؤ تو سہی اگر

أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ

لے لے اللہ کان تمہارے اور آنکھیں تمہاری اور مہر کردے دلوں پر تمہارے کونسا

إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ

خدا ہے سوائے اللہ کے لائیگا تمہارے پاس وہ (کان اور آنکھ) دیکھ کس طرح بار بار لاتے ہیں ہم آیات

ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿۴۷﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ

پھر وہ پھر جاتے ہیں تو کہدے بتاؤ تو سہی اگر آوے تمہارے پاس عذاب اللہ کا

نافرمان و متکبر ہو گئے گویا یہ سب کچھ ان کو اپنی عقل و فراست اور قوتِ بازو سے ملا ہے۔پس جب ان پر حجت تمام ہوگئی تو عذابِ استیصال آیا اور ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور وہ سخت ناامید ہو گئے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جب گناہ پر انسان کو سزا نہ ملے تو قہرالٰہی سے ڈرنا چاہیئے جس کی پکڑ اچانک ہوتی ہے۔

۴۶۔ پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔تاریخ عالم میں اور قصائص قرآنی میں جابجا ایسے ظالموں کا ذکر ہے جنہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد غصب کر کے خدائی عذاب کو دعوت دی۔ عام طور پر ساری قوم ہلاک نہیں ہوتی بلکہ سرکردہ افراد ہلاک ہوتے ہیں جو ظلم و زیادتی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا اور کفار کی طاقت ٹوٹ گئی '' جب مالک یوم الدین کی صفت اپنا جلوہ دکھا چکی تو پھر **الحمد للّٰہ رب العٰلمین** ٥ کا زمانہ شروع ہوتا ہے گویا زمانے کی ربوبیت پھر شروع ہو جاتی ہے''۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ،ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء) یہ اللہ کی جاری سنت، ہے۔

۴۷۔جس طرح دنیا کا کرّ و فر اور عیش و عشرت اللہ کے ایک اشارے سے تباہ و برباد ہوسکتی ہے اسی طرح خدا کی وہ نعمتیں جو تمہارے جسم سے تعلق رکھتی ہیں یعنی تمہاری دیکھنے ،سننے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ،جو تمہیں اپنے مال و دولت سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔یہ تمہارا وہ اثاثہ ہے جو تم کروڑوں روپے کے عوض میں نہیں دینا چاہتے۔اگر یہ دفعتاً معطل ہو جائیں تو خدا کے سوا کون انہیں واپس لاسکتا ہے؟ دیکھو ہم کس طرح بدل بدل کر دلائل لاتے ہیں لیکن پھر بھی وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

۴۸۔یہاں صاف بتلایا کہ تم ظالم ہو اس لئے عذاب الٰہی کے لئے بھی تیار رہو۔خواہ وہ

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمَا

بے اطلاع یا واضح نہیں ہلاک کئے جائیں گے مگر ظالم لوگ اور نہیں

نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ

بھیجتے ہم رسولوں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پس جو ایمان لایا

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اصلاح کی تو نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور وہ لوگ جنہوں

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۰﴾

نے تکذیب کی آیات کی ہماری پہنچے گا انہیں عذاب اس لیے کہ تھے وہ نافرمانی کرتے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

تو کہدے نہیں کہتا میں تمہیں کہ پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہ جانتا ہوں غیب کو

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ

اور نہ کہتا ہوں میں تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں سوائے اسکے جو وحی کی جاتی ہے طرف میری تو کہدے

هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ

کیا برابر ہے اندھا اور بینا ؟ کیا پھر نہیں تم سوچتے اور

ع ۵ / ۹ / ۱۱

عذاب اچانک آئے یا پہلے سے تمہیں کچھ اندازہ ہو۔ غرض تم ہلاکت سے نہیں بچ سکوگے۔ہاں مومنین سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ بچائے جائیں گے۔بیشک مومنین بھی بعض دفعہ نقصان اٹھاتے ہیں لیکن روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ تائیدِ ایزدی کس کے ساتھ ہے۔ **بغتةً** میں اٹامک، وار کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جواچانک ہوگی اورعام ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس کے خاص بندے ضرور بچائے جائیں گے۔

۴۹۔رسول تو صرف خوشخبری دینے آتے ہیں کہ جو ایمان لے آئیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو وہ خدائی بشارتوں کے حقدار قرار دیئے جاتے ہیں ،لیکن منکرین کے لئے انذاری پیشگوئیاں ہیں۔پس جس نے ایمان کے بعد اپنی اصلاح کر لی، اسے نہ آئندہ کا خوف ہے نہ گذشتہ کارنج۔یہ صالح لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ خوف وحزن سے دور کئے جاتے ہیں۔

۵۰۔ان تبشیر و انذار کی پیشگوئیوں کے باوجود جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ تو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے انہیں عذاب ضرور پہنچے گا۔گویا فسق و فجور کی وجہ سے عذاب آتا ہے یا شرارتوں اور مظالم میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے۔ محض انکار عذاب کو لازم نہیں کرتا۔

۵۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت نے میرے

دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت بڑھا دی۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ اگست ۱۹۰۹ء)

یہ تمام سوال میرے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے۔ایک مشرک قوم اُسے نبی ماننے کو تیار نہیں تھی جس سے خارق عادت معجزات رونما نہ ہوں۔وہ کہتے کہ اگر قربِ الٰہی کا دعویدار ہے تو اس کے اشارے سے زمین اپنے خزانے اگل دے ، اسے غیب کا علم ہو ، بلکہ اسے تو فرشتہ ہونا چاہیئے ۔یہ کیسا نبی ہے کہ تمام بشری عوارض اسے لاحق ہیں ،عام انسانوں کی طرح دکھ اٹھاتا اور اپنے جیسوں سے ماریں کھاتا ہے۔آپؐ فرماتے کہ میں تو تمہارے جیسا ایک بشر ہوں ، نہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ فرشتہ۔ خزانوں کا مالک اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔میں تو اس کا ایک کمزور اور بے بس بندہ ہوں۔ ہاں صرف اس کی اتباع کرتاہوں جو میری طرف وحی کیاجاتا ہے۔اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فرمایا! آپؐ کاخلق قرآن تھا(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جامع صلوٰۃ اللیل)یعنی آپؐ نے ہر وہ کام کرکے دکھایاجس کا حکم قرآن کریم نے دیا اور ہر اس کام سے بچے ، جسے قرآن کریم نے منع فرمایا۔ فرمایامیں تو بشر ہوں ہاں وحی الٰہی سے حق الیقین کے مقام پر ہوں۔الہام نے مجھے بینا کر دیاہے ،کیونکہ ؎ ''عقل خود اندھی ہے گر نیّر الہام نہ ہو''(حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کلامِ محمود)پس اے عقل کے اندھو!میری طرف آؤ تا تم بھی بینا ہو جاؤ اور قربِ الٰہی حاصل کرلو جو کمالِ حیاتِ انسانی ہے۔پس جو وحی کی پیروی کرتا ہے وہی بیناہے باقی سب اندھے ہیں۔

ایک عیسائی محقق اور مصنف(Huston S mith) تحریر کرتے ہیں کہ ایک ایسے عہد میں جب ہر طرف مافوق الفطریت کا دور دورہ تھا۔ معجزات کو عام پیشواؤں کے لئے ان کی پیشوائی کی علامت سمجھا جاتا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے انکارکیاکہ وہ انسانی کمزوری اورضعیف الاعتقادی کا فائدہ اٹھائیں۔وہ بت پرست جومعجزات کے لئے دیوانے ہو رہے تھے اور نشانیاں چاہتے تھے ،مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کو صاف اور واضح رکھا۔''خدا نے مجھے شعبدہ بازی کے لئے نہیں بھیجا۔اس نے مجھے اس لئے بھیجاہے کہ میں تمہیں نصیحت کروں۔میرا خدا عظیم ہے''۔میں انسان سے زیادہ کچھ ہوں تو یہ کہ اس کانمائندہ بنا کر بھیجا گیاہوں۔ شروع سے آخرتک آپؐ نے اپنی شخصیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی مخالفت کی۔'' میں نے کبھی یہ نہیں کہاکہ خداکے خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اورمیں مخفی باتوں کو جانتاہوں یامیں کوئی فرشتہ ہوں(۶۔۵۱)میں تو صرف خدا کا پیغام بیان کرنے والا ہوں اورانسانیت کے لئے خدا کا پیغام لے کرآیاہوں۔،اگرنشانیاں تلاش کرنی ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ

ڈرا اس (قرآن) کے ذریعہ سے انہیں جو ڈرتے ہیں اس بات سے کہ وہ اکٹھے کئے جاویں گے طرف رب کے اپنے نہیں ہے

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا

ان کے لیے سوائے اس کے کوئی دوست اور نہ سفارش کرنیوالا تاکہ وہ ڈریں اور نہ

کی نشانیاں تلاش نہ کرو۔خدا کی نشانیوں کے جویا ہو جاؤ کیونکہ تمہاری آنکھیں کھولنے کے لئے انہی کی ضرورت ہے۔اجرام فلکی آسمانوں میں اپنے راستوں پر تیزی سے اور خاموشی سے گامزن ہیں۔ کائنات غیریقینی حد تک منظّم ہے۔وہ بارش جو سوکھی ہوئی زمین کو سیراب کرنے کے لئے برستی ہے، زمین کی پیاس بجھاتی ہے اور کھجور کو سنہرے پھل کے بوجھ سے جھکا دیتی ہے۔پانی کے جہاز جو سمندروں میں سفرکرتے ہیں ان میں انسانوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں۔کیایہ سب کچھ ان خداؤں کی کاریگری ہوسکتی ہے جو پتھر کے ہیں؟تم کیسے نادان ہو کہ نشانیاں مانگ رہے ہو جبکہ ساری تخلیق ہی نشانیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔تواہم پرستی کے اس عہد میں محمد ﷺ نے یہ سکھایا کہ کائنات میں ناقابل تردید ترتیب موجود ہے اور اس کے باعث مسلمانوں میں سائنسی بیداری عیسائیوں سے پہلے پیدا ہوئی۔آپؐ نے صرف ایک معجزے کا دعویٰ کیاجو خود قرآن کریم تھا۔وہ خود اپنی سطح پر اسے تخلیق نہیں کرسکتے تھے۔یہ ایک ایسافطری معجزہ تھا جو ان کے لئے کسی طورقابلِ قبول نہیں تھا''۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے غلاموں کو وحی کی پیروی کرنے سے غیب کاعلم عطا ہوا۔ روحانی خزائن کے علاوہ قیصروکسریٰ کے خزانے نصیب ہوئے۔ عرب، کی سرزمین نے Black Gold کی شکل میں تیل اگلا۔ بلکہ اصل سونے کے ذخائر بھی دریافت ہوچکے ہیں۔چونکہ ابھی تیل ان کی تمام ضروریات کو پورا کر رہاہے اس لئے فی الحال سونے کے ذخائر کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔آپؐ کی غیب کی خبروں سے حدیثیں بھری پڑی ہیں جو قیامت تک کے لئے ہیں اور اپنے اپنے وقت میں سچی ثابت ہوتی رہتی ہیں۔آپؐ کی عصمت کامقام فرشتوں سے بڑھ کر تھا لیکن آپؐ نے ہمیشہ بندگی کا ہی اقرارکیا اور اسی کی اتباع کی جو آپ پر وحی کیاجاتا اور ہرنعمت کو اس قادرِمطلق کی عطا اور احسان سمجھا نہ کہ اپنی کوئی خوبی۔

''سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے''

۵۲۔اس رکوع میں توحید کو ماننے والے مومنین کوتسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت فرض کرلی ہے اور وہ بہت بخشنے والا ہے۔

تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

دھتکار انہیں جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح اور شام وہ چاہتے ہیں

وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ

توجہ اس کی نہیں تیرے ذمہ ان کے حساب میں سے کچھ بھی اورنہیں ہے حساب میں سے تیرے

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَ

ان کے ذمہ کچھ بھی سودھتکارے گا تو انہیں تو ہو جائیگا ظالموں میں سے اور

آپؐ کی تبلیغ کا دائرہ بے حد وسیع تھا۔ فرمایا کہ اس قرآن کریم کے ذریعہ تُو اُن لوگوں کو ڈرا جو اپنے رب کے حضور حاضرہونے سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہاں اُس کے سوا کوئی مددگار ہوگا اور نہ سفارشی، تاکہ وہ تقویٰ اختیارکریں۔اس لئے کہ وعظ ونصیحت انہیں کے لئے مفید ہوتی ہے جنہیں یوم حشر کاخوف ہو۔ اگرچہ تبلیغ سبھی کو کرنے کاحکم ہے لیکن منکرین قیامت کے ہدایت پانے کی امید کم ہے۔

۵۳۔ہر نبی پر شروع میں ایمان لانے والوں کی زیادہ ترتعداد غرباء و مساکین اورکم حیثیت لوگوں کی ہی تھی اور معززین زمانہ نے ہمیشہ ہی انہیں نظر حقارت سے دیکھا۔جیساکہ حضرت نوحؑ کے قصہ میں آپ کے ماننے والوں کو رذیل کہاگیا۔اسی طرح آنحضرت ﷺ پر شروع میں ایمان لانے والے زیادہ تر غلام اور نادار و مساکین ہی تھے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ رؤسائے مکہ اسلام میں داخل ہوکر تقویت دین کا باعث بنیں۔امام رازیؒ اپنی تفسیرکبیرمیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ اور اجتہاد کی بصیرت سے نوازا تھا، فرماتے ہیں کہ معززین مکہ نے حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت خبابؓ وغیرھم پر یہ اعتراض کیا تھا،جو سب غلام یاآزادکردہ غلام تھے کہ ان معمولی حیثیت کے لوگوں کے برابر بیٹھنا ہم اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ہمارے لئے باعث ہتک ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی طور پر نہایت غریب وحقیر لوگوں کی حد درجہ عزت افزائی فرمائی اور بتادیاکہ اسلام میں عزت کامعیار دولت وثروت نہیں بلکہ تقویٰ ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہے۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !ان دنیوی طور پر معزز ومتکبر لوگوں کی وجہ سے تو ان مخلصین کو اپنے سے دور نہ کر۔یہ تو وہ اللہ کے پیارے ہیں جو نمازاور ذکر و دعاسے ہر وقت رضائے الٰہی کی تلاش میں رہتے ہیں۔زمخشری صاحب کشاف کے مطابق حسابھم اورعلیھم کی ضمیریں اکابرین مکہ کی طرف جاتی ہیں کہ آپؐ مومن فقراء کے

كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ

اسی طرح آزمایا ہم نے بعض کو ان کے بذریعہ بعض کے تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہ لوگ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے

عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا

ان پر ہم میں سے کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر گزاروں کو اور جب

جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ

آئیں تیرے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں آیات پر ہماری تو کہدے سلام ہو تم پر فرض کیا ہے

مقابلہ میں ان کافر و مشرک رؤساء کی پرواہ نہ کریں۔آپؐ ان کے اعمال کے ذمہ دار ہیں نہ وہ آپؐ کے اعمال کے گویا اگر آپؐ ان کے اعمال پر جوابدہ ہوتے تو مومن غرباء کو ہٹانے کے حقدار تھے ۔پس اگر آپؐ نے ان صاحب مرتبہ مشرکین کی خاطران غریب و مسکین مومنین کو ہٹا دیا تو یہ انصاف نہیں ہوگا۔حدیث سے ثابت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا بلکہ آپؐ دعا فرماتے کہ اے اللہ! مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھ،مسکین ہونے کی حالت میں وفات دے اورمساکین کے ساتھ ہی میرا حشر کر(ترمذی کتاب الدعوات بروایت ابوہریرہؓ)پس اس میں نصیحت عام ہے جیساکہ قرآن کریم میں اکثر آپؐ کو مخاطب کر کے امت کو نصیحت کی گئی ہے۔یہاں بھی صاف بتا دیا کہ کبھی کسی کافر و مشرک کی امارت و مرتبہ یا دبدبہ کی وجہ سے کسی غریب و مسکین مومن کو نظرحقارت سے نہ دیکھناورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔پس غرباء کے معاملہ میں بہت ڈرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص غریب بندوں کے معاملہ میں اپنے پیارے کو بھی معاف نہیں کیا۔

۵۴۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مومن و کافر دونوں ہی آزمائے گئے۔ مومنین تو ابتلاؤں کی بھٹی سے سونا بن کر نکلے ،یعنی فقر و فاقہ اورتنگدستی کے باوجود عبادات و مجاہدات اور قربانیوں سے رضائے الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور شاکرین میں شامل ہوئے اور دین و دنیا کے اعلیٰ ترین انعامات کے وارث ٹھہرے ،جبکہ کفار اور مشرکین میں معززین مکہ،اپنی خاندانی وجاہت ،مال و دولت اور غرور و تکبر کے نشے میں مفلس مومنین کو نظر حقارت سے دیکھ کر کہتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہم باعزت و باوقار لوگوں میں سے انہی مفلس لوگوں کو منصب نبوت کے لئے چنا؟ کیونکہ وہ بھی نبوت کو اللہ تعالیٰ کی عطا و احسان مانتے تھے جیساکہ جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے علیحدگی میں ابوجہل سے پوچھا کہ یہاں میرے اور تمہارے درمیان کوئی موجود نہیں بتاؤ محمدؐ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ابو جہل نے کہاخدا کی قسم محمدؐ سچا ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔مگر جب کہ بنوقصی کے

رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا

رب تمہارے نے ذات پر اپنی رحمت کہ جو شخص کرے گا تم میں سے برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۵﴾

جہالت سے پھر توبہ کریگا بعد اس کے اور اصلاح کریگا تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع ۶/۱۲

اور اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیات اور تاکہ ظاہر ہو جاوے راہ مجرموں کی

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

تو کہدے یقیناً میں روکا گیا ہوں کہ عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے

پاس جھنڈا ،حجاج کو پانی پلانے کی خدمت، بیت اللہ کی دربانی اور کنجی سب کچھ ان کے پاس ہے۔ اب نبوت بھی انہیں کے پاس تسلیم کرلیں تو بتاؤ باقی قریش کے پاس کیا رہ گیا؟ پس اس تکبر اور ناشکری کی وجہ سے دنیامیں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی۔

۵۵۔ مسلمان آپس میں جو السلام علیکم کہتے ہیں وہ اسی آیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سلامتی تم پر ہو جس سلامتی کے بھیجنے کا خداتعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا۔السلام علیکم میں الف لام رکھ کر پورے جملے کی طرف اشارہ کیا۔

اس آیت میں مومنین کے لئے سلامتی اور رحمت کی خوشخبری ہے۔کفار اکثر مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کے گناہوں کا طعنہ دیتے۔ یہاں بتایا کہ مومنین کے تمام پچھلے گناہ تو اسلام قبول کرتے ہی معاف ہوجاتے ہیں۔ہاں اگر بعد میں بھی نادانی سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اللہ تعالیٰ تو اپنے مومن بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ اس نے اپنے نفس پر مومنین کے لئے رحمت کو فرض کرلیا ہے۔ ہاں توبہ کے بعد اصلاح شرط ہے۔اللہ غفورالرحیم ہے وہ نہ صرف توبہ سے گناہ بخشتا ہے بلکہ اصلاح کرنے پر نعمتوں سے بھی نوازتا ہے۔

۵۶۔ ہم اپنے احکام خوب کھول کر بتادیتے ہیں تاکہ نادانی سے غلطیاں کرنے والوں اور جان بوجھ کر گناہ کرنے والے مجرموں کی راہیں خوب ظاہر ہو جائیں۔

۵۷۔جیساکہ اس سورۃ کا مضمون توحید ہے اس رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں بھی خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے عالم الغیب ہونے کا بیان ہے اور کفار کے محاسبۂ اعمال کا ذکر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ دعوئ نبوت سے قبل بھی کبھی شرک کے قریب تک نہیں گئے تھے لیکن یہاں کفار پہ اتمام حجت کے لئے آپؐ کی زبان سے شرک سے بریت کا اظہار فرمایا۔ورنہ آپؐ جس

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

توکہدے نہیں پیروی کرتا ہوں میں خواہشات کی تمہاری یقیناً گمراہ ہوا میں تب تو اور نہ ہوا

الْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۷ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ

ہدایت پانے والوں میں سے توکہدے یقیناً میں کھلی دلیل پر ہوں طرف سے رب کے اپنے اور تکذیب کی ہے تم نے اسکی

مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ

نہیں ہے پاس میرے وہ کہ جلدی کرتے ہو تم جس کی نہیں ہے حکم مگر اللہ کا وہ بیان کرتا ہے حق

وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝۵۸ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

اور وہ بہتر ہے تمام فیصلہ کرنیوالوں سے توکہدے اگر ہوتا پاس میرے وہ جلدی کرتے ہو تم

بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹

جس کی البتہ فیصلہ کیا جاتا معاملہ کا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو

مقامِ عصمت پر فائز تھے وہاں غلطی کا امکان تک نہ تھا۔

۵۸۔فرمایا! بیشک میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں یعنی ایک اعلیٰ درجہ کا نشان اپنی راستی اور صداقت کا اپنے رب کی طرف سے رکھتا ہوں ،اور تم اسے جھٹلا چکے ہو۔اس تکذیب کی وجہ سے جو عذاب تم پر آنے والا ہے تم چاہتے ہو کہ وہ جلد آ جائے۔سواس عذاب کا جلد لانا میرے اختیار میں نہیں۔اس طرح آپؐ کی عاجزی و بندگی کا اظہار مقصود تھا۔ فیصلے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ، وہ حق بات بیان کرتا ہے۔وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے یعنی ہمیشہ سے جھوٹا ذلیل اور سچا فتح مند ہوا۔ آپؐ کی قوم کا عذابِ استیصال سے بچائے جانا کئی وجوہ سے تھا۔ آپؐ رحمتہ للعالمین تھے اس لئے آپؐ کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی۔آپؐ تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ابھی تک آپؐ کا پیغام ساری دنیا تک نہیں پہنچا تھا۔

۵۹۔یہاں آیت :۵۱والے مطالبات کے جواب میں ہی فرمایا کہ اگر انہیں پورا کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں ہرگز کمی نہ کرتا اور ان کے منہ مانگے مطالبات پورے ہونے پر متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اس صورت میں ظالمین ہی فائدہ اٹھاتے۔ مظلوم تو پھر بھی محروم ہی رہتے۔اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کے ہرگز مستحق نہیں۔ پس پہلے جنگ بدر میں ظالمین کی جڑ کاٹی گئی باقی فتح مکہ پر تائب ہوئے۔تب ان کے لئے ہر قسم کے خزانوں کے منہ کھولے گئے۔غائب کا علم بھی دیا گیا اور آپؐ کا مقام ملائکہ سے بڑھ کر ثابت ہوا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA از خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي

اور پاس اس کے کنجیاں غیب کی ہیں نہیں جانتا انہیں مگر وہی اور وہ جانتا ہے جو

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا

خشکی اور تری میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اُسے اور نہ

حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ

کوئی دانہ اندھیروں میں زمین کے اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا

کتاب بیان کرنیوالی میں ہے اور وہی ہے جو روح قبض کرتا ہے تمہاری رات کو اور جانتا ہے جو

۶۰۔**مفاتح**۔ واحد **مفتاح**۔بمعنی چابیاں ۔

اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔وہ عالم الغیب ہے۔غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ان غیب کی باتوں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔بحروبر کہہ کر بتا دیا کہ اس کا علم کل کائنات پر محیط ہے یہاں تک کہ ایک پتہ بھی اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا۔زمین کی تاریکی میں کوئی دانہ ہو یا کوئی تر یا خشک چیز۔مگر وہ سب ایک روشن کتاب میں درج ہے۔

کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے۔بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کا علم اس سے باہر نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! ''کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں **لارطب ولایابس الافی کتاب مُبین** ٥ یہ ایک نا پیدا کنار سمندر ہے ، اپنے حقائق و معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں (الحکم جلد۹ نمبر۴۰ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ۹)۔۔۔ اگر کسی کا یہ ارادہ ہو کہ بلا استصوابِ کتاب اللہ اس کا حرکت وسکون نہ ہوگا اور اپنی ہر بات پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو یقینی امر ہے کہ کتاب اللہ مشورہ دے گی''۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ صفحہ۳۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانونِ قدرت اس کی فعلی کتاب ہے (ریویو آف ریلیجنز۔ جلد۳ صفحہ ۱۰ و ۱۱)

پس کتابِ مبین صحیفۂ کائنات بھی ہے جو بندوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتی ہے کہ اللہ نے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا۔غرض جنہوں نے قانون فطرت کا مطالعہ کیا اور اس دنیا سے اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گزر گئے ، انہوں نے اگر ایک طرف افلاک کی رفعتوں کو چھوا اور چاند کو پیچھے چھوڑ کر ستاروں پر کمندیں ڈالیں اور آسمان کی کھال اتاری تو دوسری طرف زمین کے پاتال کی خبر لائے اور ذرے اور پتے کی تحقیق میں عمریں صرف کر دیں اور بشری حد تک ان رازوں کو پا لیا اور ان

جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى

کرتے ہو تم دن کو پھر اُٹھاتا ہے تم کو اس (دن) میں تاکہ پوری کی جائے میعاد مقررہ

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَهُوَ

پھر طرف اسکی لوٹنا ہے تمہارا پھر آگاہ کریگا تم کو اس پر جو تھے تم کرتے اور وہ

ع ۷

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا

غالب ہے اوپر بندوں کے اپنے اور بھیجتا ہے تم پر محافظ یہاں تک کہ جب

سے فائدہ اٹھایا۔آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ فضامیں ہر حرکت محفوظ رہتی ہے۔ پس اگرکوئی پتہ گرے ،کوئی کلی چٹکے یا زمین کی تاریکی میں کوئی دانہ پھوٹے یاکوئی آواز پیدا ہوسب کچھ کائنات میں ثبت ہے اور ہر چیز کا ریکارڈ موجود ہے۔یہی کتابِ مبین ہے۔

۶۱۔**تــوفّــی**۔وہ وفات دیتاہے۔قرآن کریم میں یہ لفظ ہمیشہ موت کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں خاص طور پر رات کی طرف اشارہ کرکے واضح کر دیا کہ یہاں مراد عارضی قبض روح یعنی نیند ہے جو موت کے مشابہ ہے۔روح کاقبض روزانہ نیند کی حالت میں ہوتاہے۔وہ ڈوبتی ہے۔پھر ایک دھکا لگتاہے اور لوٹتی ہے۔جبکہ موت کی صورت میں ڈوبتی ہی چلی جاتی ہے۔یہاں تک کہ موت واقع ہوجاتی ہے(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ترجمۃ القرآن کلاس MTA)یہ بھی حقیقت ہے کہ دینا میں سب سے زیادہ اموات نیند کی حالت میں ہوتی ہیں۔ **جــرحتــم** (جرح)تم نے زخم لگایا۔اسی سے جراحت ہے اور جوارح زخمی کرنے والاہے چونکہ سدھائے ہوئے جانور شکار کو زخمی کرکے مالک کے پاس لاتے ہیں اس لئے کمانے اور کرنے کے معنی بھی دیتاہے۔اجل مسمّٰی کسی چیز کی آخری حد ہے(تفصیل آیت:۳)

تمہاری ساری زندگی میں رات اور دن کاچکر چلتاہے۔وہی رات کو نیند کی صورت عارضی طور پر تمہاری روحیں قبض کرتاہے اور جو کچھ تم دن میں کرتوت کرچکے ہوتے ہو وہ جاننے کے باوجود تمہیں صبح اٹھا دیتاہے۔گویا جانتاہے کہ تم نے پھر وہی کچھ کرنا ہے۔ تاکہ مقررہ میعاد پوری کی جائے۔ہر رات کی نیند کے بعد صبح کا اٹھنا تمہیں یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسی طرح ایک دن ایک لمبی نیند کے بعد اٹھوگے اور اپنے اعمال کے جواب دہ ہوگے ۔گویا ہر روز عارضی موت کے بعد زندگی بعث بعد الموت پر دلیل ہے۔

۶۲۔ **حفظة۔حفیظ** کی جمع ہے۔حفاظت کرنے والے ۔نگران۔ **قاھر** ۔اقتداری غلبہ رکھنے والا۔

جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۲﴾

آئے گی کسی ایک کے پاس تم میں سے موت وفات دینگے اُسے بھیجے ہوئے ہمارے وہ نہیں کوتاہی کریں گے

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ

پھر لوٹائے جائینگے وہ طرف اللہ اپنے آقا حقیقی کی آگاہ ہوجاؤ کہ اس کیلئے حکم ہے اور وہ

اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

زیادہ جلد ہے حساب لینے والوں سے توکہدے کون نجات دیتاہے تمہیں اندھیروں سے خشکی

تمہاری زندگی میں ہر قدم پر موت ہے سوائے اس کے کہ اُس رب العالمین کی حفاظت ہو۔حقیقت تو یہ ہے کہ ساری کائنات ہی انسان کی حفاظت پر مامور ہے۔کائنات کے توازن میں معمولی فرق آجائے تو زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔انسانی جسم میں معمولی تغیر موت کو دعوت دیتاہے۔خلیہ (Cell)جو انسانی جسم کانہایت معمولی ذرہ ہے ، اس میں عدم توازن کینسر کو جنم دیتاہے اور زندگی خطرے میں پڑجاتی ہے۔پس وہ اپنے بندوں پر جلالی شان کے ساتھ غالب ہے اور ان پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتاہے جوبرائیوں سے بھی حفاظت کرتے ہیں اور بلیّات سے بھی۔حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا!کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جس کے ساتھ ایک قرین شیطان کی نوع سے اور ایک قرین ملائکہ میں سے موکل نہ ہو۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ بھی یارسول اللہ !فرمایا ہاں میں بھی۔پر خدا نے میرے شیطان کو میرے تابع کردیاہے سو وہ بجز خیر و نیکی مجھے کچھ نہیں کہتا(مسلم)اس سے ثابت ہے کہ جس طرح ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نیکی کی تحریک کرنے والے فرشتے مقرر فرمائے ہیں اسی طرح بدی کی تحریک کرنے والے شیاطین بھی مقرر فرمائے۔پس بند ے کے اختیار میں ہے کہ وہ کس کی اتباع کرتاہے۔یہاں تک کہ ہمارے فرستادہ فرشتے اس کی روح قبض کرلیتے ہیں اور وہ ہمارے حکم کی تعمیل میں کچھ بھی کمی نہیں کرتے۔

۶۳۔ چونکہ یہ موت جسم کی ہوتی ہے روح کو فنا نہیں۔اس لئے وہ سب اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی مولا ہے لوٹائے جائیں گے جو اپنے بندوں کا جس طرح دنیا میں دوست اور مددگار رہا وہاں بھی ہوگا۔خبردار حکم اسی کا چلے گا اور وہ اکیلا ہی بہت جلدحساب لینے والاہے۔بیشک بعض گناہ فوری سزا کے مقتضی ہوتے ہیں لیکن عالم الغیب کے علم میں ممکن ہے وہ مجرم بعد میں توبہ کرنے والے ہوں۔پس **اسـرع الـحـاسبین** کامطلب یہ نہیں کہ ادھر گناہ کیا ،ادھر پکڑے گئے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسے خفیف ترین اعمال کاحساب لینے میں بھی وقت نہیں لگے گا۔

وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ
اور تری کے پکارتے ہو تم اُسے گڑگڑاکر اور چپکے چپکے کہ ضرور اگر وہ نجات دے ہمیں

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا
اس سے البتہ ضرور ہونگے ہم شکرگزاروں میں سے توکہدے اللہ نجات دیتا ہے تم کو اس سے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى
اور ہرایک گھبراہٹ سے پھر تم شرک کرتے ہو توکہدے وہ قادر ہے

اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے تمہارے یا نیچے سے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ
پاؤں کے تمہارے یا ملا دے تم کو کئی گروہ بناکر اور چکھائے بعض تمہارے کو جنگ بعض کے

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَكَذَّبَ
دیکھ کس طرح باربار لاتے ہیں ہم آیات تاکہ وہ سمجھیں اور تکذیب کی

۶۴۔دنیا میں تو ان کا اکثر یہ حال تھا کہ جب بعض گنہگاروں کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنا قہری جلال ظاہر کرتا اور بحر و بر میں انہیں حوادث و آفات سے دو چار کرتا تو نہایت موحدانہ طریق سے نہایت خشوع و خضوع سے چھپ چھپ کر اپنے رب کو پکارتے اور دعائیں کرتے کہ اگر اللہ ہمیں اس مصیبت سے بچا لے تو اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔یہ دلیل ہے کہ انسانی فطرت میں توحید کا بیج موجود ہے۔ وہ اسے دبادے یا پھولنے پھلنے دے یہ اس پر منحصر ہے۔

۶۵۔ اللہ تعالیٰ تو اتنا رحیم ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ پھر انہی مشرکانہ افعال کے مرتکب ہوں گے، جب بھی اس کے گنہگار بندے اسے پکاریں تو نہ صرف اس خاص مصیبت سے بلکہ ہر کرب سے بچا لیتا ہے لیکن ان آفات و مصائب کے دور ہوتے ہی وہ بجائے شکر گزار ہونے کے اپنی نجات کو کبھی اپنی عقل و دانش کبھی اپنے رفیق و مددگار کبھی دوسرے مادی وسائل اور کبھی معبودان باطلہ کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں اور معبود حقیقی کو بھول جاتے ہیں۔

۶۶۔ وہ قادر ہے جس طرح بحروبر کے آفات تم پر بھیج سکتا ہے اسی طرح کوئی آفاقی یا ارضی عذاب تم پر نازل کر دے۔آفاقی عذاب کبھی طوفانِ باد و باراں کبھی بجلی کبھی تباہ کن بموں کی صورت میں اور ارضی کبھی سیلاب و آتشزدگی کبھی زلزلہ، کبھی وباؤں اور قحط کی صورت میں نازل ہوتا

ہے یا تمہیں مختلف گروہ کر کے خانہ جنگی کا مزا چکھائے دیکھو ہم نشانات اور دلائل کس طرح کھول کھول کر بتاتے ہیں کہ کسی پہلو سے ہی سمجھ جائیں۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب سے ظالم و سفاک حکمران اور نیچے کے عذاب سے خدمت گزاروں ،ماتحتوں اور رعایا کا سرکش و نافرمان ہونا بھی مراد ہے۔ابی نعیمؒ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔میں سب بادشاہوں کا بادشاہ اور مالک ہوں۔سب بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں اور حکام کے قلوب میں ان کی شفقت اور رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل ان پر سخت کر دیتا ہوں وہ ان کو ہر طرح کا برا عذاب چکھاتے ہیں۔اس لئے تم حکام اور امراء کو برا کہنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اپنے عمل کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ تاکہ تمہارے سب کاموں کو درست کردوں۔(مشکوٰۃ) اسی لئے آنحضرتﷺ نے فرمایا! کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام و امراء تم پر مسلط کئے جائیں گے(بیہقی) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ فرقہ فرقہ کر کے آپس میں جھگڑو گے تو آنحضرتﷺ نے مسلمانوں کو فرمایا! کہ میرے بعد تم پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو۔آپؐ کو اپنی امت میں تفرقہ کی ہمیشہ فکر رہتی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ہم مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے تو رسول اللہﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی، ہم نے بھی دو رکعت ادا کئے۔آپؐ دیر تک دعا میں مشغول رہے اس کے بعد فرمایا! میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ایک یہ کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ دوسرا یہ کہ میری امت قحط اور بھوک سے ہلاک نہ ہو یہ بھی قبول فرمائی۔ تیسری یہ دعا کہ میری امت آپس کے جنگ و جدل سے تباہ نہ ہو۔مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔ (مظہری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دوسری قبول ہونے والی دعا یہ بتلائی کہ میری امت پر کسی دشمن کو مسلط نہ کرنا جو سب کو تباہ و برباد کر دے۔اسی لئے حدیث میں ہے کہ ان کے اپنے لوگوں کے سوا دوسرا کوئی دشمن ان پر مسلط نہیں ہوگا جو انہیں بالکل نیست و نابود کردے بلکہ آپس کی جنگوں سے ہلاک ہوں گے۔

بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ
اسکی قوم نے تیری حالانکہ وہ حق ہے توکہدے نہیں ہوں میں تم پر ہرگز داروغہ ہرایک واقعہ

نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
کے لیے مقرر میعاد ہے اور عنقریب تم جان لوگے اور جب دیکھے تو ان لوگوں کو جو

يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ
فضول بحث کرتے ہیں آیات میں ہماری تو اعراض کر اُن سے یہاں تک کہ لگ جائیں

یہ پیشگوئیاں کفار کے لئے تھیں اور ان کے حق میں پوری ہوئیں لیکن جب یہ امت انہیں کے نقش قدم پر چلی تو آپس کی تفرقہ بازی اور جنگ و جدل سے ویسی ہی تباہیوں کا شکار ہوئی۔ عراق و ایران اور دوسری بے شمار جنگوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ پھر مسلمانوں کو تسلی دی۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں بعض قومیں اسلام کو مٹانا چاہیں گی اور مسلمانوں میں ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس ان پر عذاب بھی اسی رنگ کا ہوگا اور وہ باہم جنگ و جدل سے ایک دوسرے کو کمزور کر دیں گے۔ جیسا کہ جنگ عظیم اول میں تین کروڑ اور جنگ عظیم دوئم میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ یہ وہ قومیں ہیں جو مسلمانوں کے جہاد کو ظلم قرار دیتی ہیں۔

۶۷۔ اور تیری قوم نے اس پیغام کو جھٹلایا حالانکہ وہی حق ہے (اس حق سے مراد قرآن کریم بھی ہے) کہہ میں تم پر داروغہ نہیں ہوں کہ زبردستی تم پر حق ٹھونسوں، میرا کام احکام الٰہی کو کھول کر بتا دینا ہے۔ ان کو مان کر خدائی نعمتوں کے وارث بنو یا انکار کر کے عذاب الٰہی کو دعوت دو۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ آپؐ وکیل ہیں۔ مگر ان کے جو آپؐ کو مانتے ہیں۔

۶۸۔ قرآن کریم میں جہاں بھی **النبا** یا **والانبآ** آیا اس سے مراد بڑا عظیم الشان واقعہ ہے۔ (کلیات ابوالبقاء) فرمایا ہر بڑی خبر یا حادثے کے لئے ایک وقت اور جگہ مقرر ہے۔ عنقریب تم جان لو گے۔ اس میں ان کے مطلوبہ عذاب اور غلبۂ اسلام کے علاوہ ان لاتعداد پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔

۶۹۔ **خــوض**۔ لفظی معنی پانی میں داخل ہونا اور گزرنا ہے۔ لغو و فضول باتوں یا کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اکثر ذم کے مقام پر آتا ہے۔ جھوٹی اور بیہودہ باتیں کرنا۔ اسلام نے تلاشِ حق کے لئے بحث و مباحثہ کو ناپسند نہیں فرمایا لیکن اگر اس بحث کا مقصد

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ
کسی بات میں سوائے اس کے اور اگر بھلا دے تجھے شیطان تو نہ بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ
بعد یاد آنے کے ساتھ ظالم لوگوں کے اور نہیں ہے ذمہ ان لوگوں کے جو

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ
تقویٰ کرتے ہیں حساب میں سے ان (جھگڑنے والوں) کے کچھ بھی ولیکن یہ (نصیحت) ہے تاکہ وہ

يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
(بھی) بچیں اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے بنایا دین کو اپنے کھیل اور

لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ
مشغلہ اور دھوکا میں ڈالا انہیں زندگی ورلی نے اور نصیحت کر ساتھ اس (قرآن) کے کہ نہ محروم کیا جائے

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا
کوئی نفس بسبب اس کے جو کمایا اس نے نہیں ہے اس کے لیے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ

جھوٹی اور بیہودہ باتیں کرنا، اسلام اور بانی اسلام کی تذلیل اور تمسخر اڑانا ہو تو ان سے الگ رہنے کا حکم دیا یہاں تک کہ ان کا موضوع بدل جائے۔ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کا حکم نہیں دیا ورنہ تبلیغ رک جاتی۔ فرمایا اگر ایسی مجلس میں بھولے سے بیٹھے ہوئے ہو تو جونہی یاد آئے فوراً اٹھ جاؤ۔ ان سے لڑنے بھڑنے اور بُرا بھلا کہنے کا کہیں ذکر نہیں۔ حکم ہے تو یہی کہ ظالم قوم کے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ ان کی ایسی مجالس میں بیٹھنے سے مسلمانوں کے دل سے اسلام اور بانی اسلام کی عزت کم ہوگی دوسرا یہ کہ اسی رنگ میں رنگے جانے کا احتمال ہوگا۔ یہاں ایک عام حکم بھی دے دیا کہ صحبت صالحین اختیار کرو اور بری صحبت سے دور رہو نیز ہر وہ محفل جہاں غیر اسلامی کام ہو رہے ہوں، وہاں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ اگر بیٹھے ہو تو اٹھ جاؤ کیونکہ! ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان ظالموں پر آنے والے عذاب کی لپیٹ میں تم بھی آجاؤ۔

۷۰۔ اس آیت سے قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوگا کہ پھر ان کی اصلاح کیسے ہوگی اور تبلیغ کا کیا طریق ہوگا۔ فرمایا متقین ظالموں کے حساب کے قطعاً جوابدہ نہیں۔ ہاں متقین پر موقع و محل کے مطابق تبلیغ کرنا فرض ہے تاکہ کفار برائیوں سے بچیں، ہدایت پائیں اور متقین کی صف میں شامل ہوں۔

۷۱۔ **تبسل** ۔ **بسل**۔ کسی چیز کا جبراً روک دینا۔ محروم کر دینا۔

شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
سفارشی اور اگر معاوضہ دے ہر قسم کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا اس سے یہ لوگ

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ
وہ ہیں جو محروم کئے گئے ہیں بسبب اسکے جو کمایا انہوں نے واسطے ان کے پینا ہے گرم پانی اور

عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ
عذاب ہے دردناک بسبب اس کے کرتے وہ کفر کرتے تو کہدے کیا پکاریں ہم

ع ۱۴

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓي اَعْقَابِنَا
سوائے اللہ کے اُسے جو نہیں نفع دیتا ہمیں اور نہیں نقصان پہنچاتا ہمیں اور (کیا) ہم لوٹائے جائیں ایڑیوں پر اپنی

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي
بعد اس کے کہ ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اس شخص کی عقل ماردی ہو جس کی شیطانوں نے

الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى
زمین میں سراسیمہ (حیران) بناکر اس کیلئے ساتھی ہیں جو پکارتے ہیں اُسے طرف ہدایت کی کہ

ان تینوں آیات میں (۶۹ تا ۷۱) صحبت بد سے انسان کو روکا لیکن تبلیغ و ہدایت سے نہیں روکا۔ فرمایا جنہوں نے اس چند روزہ زندگی اور اس کی عیش و عشرت کو ہی حاصل مقصد بنا لیا، اُن کی محفلوں سے الگ رہو، چونکہ مذہب کا مقصد اصلاحِ نفس ہے اس لئے کسی کے غلط اعمال کی وجہ سے اسے تبلیغ و تربیت سے محروم رکھنا اسلام میں جائز نہیں۔ پس اس قرآن کے ذریعے نصیحت کرنا پھر بھی تم پر فرض ہے۔ اس کی دائمی صداقتیں ضرور انہیں فسق و فجور سے باز رکھیں گی۔ اگر تیری تبلیغ کا ان پر اثر نہ ہوا اور انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی جان جو کچھ اس نے کمایا ہے اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔ جبکہ اسے اس کے غلط اعمال کے نتائج سے بچانے والا سوائے اللہ کے کوئی نہ ہوگا۔ دنیا میں بیشک دوستیاں اور سفارشیں کام آتی تھیں بلکہ جرمانہ اور فدیہ دے کر بھی چھوٹ جاتے تھے لیکن وہاں دوستیاں کام آئیں گی نہ سفارشیں، بلکہ کوئی کتنا ہی فدیہ دینا چاہے قبول نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی دنیا کی ساری تگ و دو غارت گئی ان کا کوئی عمل ان کے کام نہ آیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بسبب اس کے جو انہوں نے کمایا ہلاک کئے گئے۔ انہیں حق کے انکار کی وجہ سے پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا۔ دنیا میں مال و دولت کی فراوانی جن کی تشنگی دور نہ کر سکی ان کی پیاس جہنم کے کھولتے ہوئے پانی سے بجھے گی۔

۷۲۔ اس رکوع میں توحید کے ذکر میں موحدِّ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا اپنی

اٰتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰي ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ
آ ہماری طرف تو کہدے یقیناً ہدایت اللہ کی ہی ہدایت ہے اور حکم کیا گیا ہمیں کہ فرمانبردار ہوں ہم

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ
واسطے رب العالمین کے اور یہ کہ قائم کرو نماز اور ڈرو اس سے اور وہی ہے

الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
جس کی طرف تم اکٹھے کئے جانیوالے ہو اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور

قوم سے مباحثے کا ذکر ہے۔

استھوت ۔ اس نے بھلا دیا ۔ بھٹکا دیا۔ ھویٰ۔ خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونا۔ بہکاوے میں آنا۔

پچھلے رکوع میں بتایا تھا کہ کفار اپنی مجالس میں اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں بتایا کہ مضحکہ خیز تو تمہارا ان پتھر کے بے جان بتوں کی پرستش کرنا ہے جو نفع پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان سے بچاسکتے ہیں۔ پھر بھی تم مسلمانوں کو ہدایت پانے کے بعد واپس کفر میں لانا چاہتے ہو۔ حالانکہ ابوسفیان نے ہرقل شاہِ روم کے دربار میں تسلیم کیا کہ کوئی شخص اسلام لانے کے بعد کبھی مرتد نہیں ہوا۔ (براویت حضرت ابن عباسؓ بخاری کتاب التفسیر سورۃ ال عمران **قل یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة**) انہوں نے اپنے گھر بار لٹائے ، گردنیں کٹوائیں لیکن دین سے نہیں پھرے۔ یہاں بتایا کہ جو شخص دین حق کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف جھکتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے شیطانوں نے بہکاکر زمین میں حیران و سرگرداں چھوڑ دیا ہو اس کے ایسے ساتھی ہوں جو اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ لیکن اسے آواز سنائی دے نہ راستہ ملے۔ گویا جو راہ ہدایت سے بھٹک جائے اور شیطان صفت لوگوں کے بہکاوے میں آجائے اسے راہ سجھائی نہیں دے گی۔

تو کہہ کہ اصل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ عطا کرتا ہے اور ہمیں تو کل جہانوں کے رب کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔

۷۳۔ اور وہ ہدایت نماز قائم کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا ہے اور اسی کے حضور تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ہدایت میں پہلا حکم رب العالمین کی کامل فرمانبرداری ہے (آیت:۷۲) گویا قبولِ اسلام ہے اس کے بعد نماز قائم کرنا پھر تقویٰ ہے یعنی ہر برائی سے بچنا اور ہر بھلائی کو اختیار کرنا۔ تقویٰ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔

الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ

زمین کو ساتھ حق کے اور جس روز کہے گا ہوجا تو ہوجائے گا بات اس کی سچی ہے

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ

اور اس کیلئے حکومت ہے اس روز کہ پھونکا جائے گا بگل جاننے والا ہے پوشیدہ اور

الشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

ظاہر کا اور وہ حکمت والا خوب خبر رکھنے والا ہے اور جب کہا ابراہیم نے

۷۴۔وہی ہے جس نے زمین وآسمان کو ضرورت حقہ کے تحت پیدا کیا۔یعنی اس کی پیدائش بے فائدہ نہیں۔اس پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔جس طرح لفظ کن سے زمین و آسمان کی پیدائش کا آغاز ہوا۔اسی طرح کن سے ہی یہ پورا نظام تباہ ہوکر ایک نیا نظام وجود میں آئے گا اور اس کی ہر بات سچ ہے۔آج کا سائنس دان جب ماضی کی طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس مقام پر آ کر رک جاتا ہے جو Theory of Big Bang کہلاتی ہے یعنی وہ Big Blast جس سے چند لمحوں میں کائنات کی پیدائش کا آغاز ہوا۔یہی ''کن'' ہے جسے Stephen Hawkins نے اپنی شہرہ آفاق کتاب Brief History of Time میں ثابت کیا جو اب ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔اس کے بعد کے ہر لمحے کی سائنس دانوں کو خبر ہے کہ کس طرح مختلف مدارج سے گزر کر اربوں سالوں میں اس کائنات کی تکمیل ہوئی لیکن اس سے پہلے کیا تھا سائنس اس بارے میں قطعاً خاموش ہے۔اس راز سے بھی قرآن کریم ہی پردہ اٹھاتا ہے کہ وہ خالق ہے۔ہمیشہ سے خلق کرتا رہا ہے۔کائناتیں ہمیشہ سے بنتی اور مٹتی رہی ہیں اور رہیں گی۔واللہ اعلم بالصواب۔

یہ بات چودہ سوسال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے اس وقت بتائی گئی جب کسی کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔فرمایا جب صور پھونکا جائے گا تو بادشاہی صرف اسی کی ہوگی۔سوال یہ ہے کہ اس کی بادشاہی تو ازل سے ابد تک ہے۔پھر یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ اس دن اسی کی بادشاہی ہوگی۔حقیقت یہ ہے کہ بیشک دنیا میں کئی بادشاہ تھے اور اس بادشاہِ حقیقی کا چہرہ چھپا رہا اور بندگان خدا کو کامل انصاف نہیں ملا لیکن یوم حشر کو نہ کوئی بادشاہ ہوگا نہ رعایا۔حکومت صرف اور صرف اسی کی ہوگی جو نہ صرف عدل کرے گا بلکہ اس دن اس کی رحیمیت اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگی اور بندہ عدل سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل سے بخشا جائے گا جیسا کہ حضرت باہو فرماتے ہیں ۔

عدل کریں تاں تھر تھر کمبن اُچیاں شاناں والے   فضل کریں تاں بخشے جاون میں ورگے منہ کالے

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

اپنے باپ آزر کو کیا بناتا ہے تو بتوں کو خدا یقیناً میں دیکھتا ہوں تجھے اور قوم کو تیری

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ

گمراہی کھلی کھلی میں اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو بادشاہی آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

اور زمین کی اور تاکہ ہو وہ یقین کرنے والوں میں سے پس جب چھا گئی اس پر

پس اس کی کوئی بات بغیر حکمت نہیں وہ ہر بات کو جاننے والا ہے۔جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی اس کو بھی اور جو دکھائی دیتی ہے اسے بھی۔

۷۵۔حضرت ابراہیمؑ کا قرآن مجید میں متعدد جگہ ذکر آیا ہے۔مشرکین مکہ خود کو آپ کی اولاد اور پیروکار کہتے تھے۔ان کے دل میں آپ کا خاص مقام تھا۔اس لئے بتایا کہ وہ بھی آنحضرتﷺ کی طرح موحد تھے اور بت پرستی سے سخت متنفر تھے۔یہاں حضرت ابراہیمؑ اپنے کسی بزرگ رشتہ دار یا چچا کو بت پرستی سے منع فرماتے ہیں جن کا نام آزر تھا۔گویا آپ کی تبلیغ کی ابتدا بھی آنحضرتﷺ کی طرح اپنے گھر سے ہی ہوئی۔قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آزر آپ کے والد نہیں تھے کیونکہ جب ان کی مخالفت اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لئے دعا سے منع فرما دیا (توبہ۔۱۱۴) جبکہ اپنے والد کے لئے آپ آخر تک دعا گو رہے **ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب**o (ابرہیم۔۴۲)۔یہاں آپ نے اب کی بجائے والد کا لفظ ہی استعمال کیا۔طالمود میں آپ کے والد کا نام تارح لکھا ہے اور یہ کہ وہ حکومتِ نمرود میں سب سے بڑے عہدے پر فائز تھا غالبًا وزیراعظم ہوگا۔

۷۶۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شرک سے بیزاری کی وجہ سے ہی ہم نے ابراہیمؑ کو کائنات پر اپنے اختیار و تصرف کے نظارے دکھائے اور آسمانوں اور زمین کے راز سمجھائے تاکہ وہ حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ جائے اور اس کا علم کامل ہوجائے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی آنحضرتﷺ کی طرح سخت مشرکانہ ماحول میں پیدا ہوئے سورج، چانداور ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی۔جگہ جگہ سورج دیوتا اور چاند دیوتا کے مندر تھے، جہاں لوگ نذر و نیاز مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے،سورج کو مدبر اعلیٰ مانتے تھے اور بادشاہ سورج دیوتا کا اوتار اور خدائی میں شریک سمجھا جاتا تھا۔حضرت ابراہیمؑ چونکہ فطرتاً بت پرستی سے سخت متنفر تھے اس لئے

الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ

رات اس نے دیکھا ستارہ کہا یہ رب ہے میرا پھر جب غروب ہوگیا کہا نہیں

اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

میں پسند کرتا غروب ہونیوالوں کو پھر جب دیکھا اس نے چاند کو روشن کہا یہ

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

رب ہے میرا پھر جب وہ غروب ہوگیا کہا البتہ اگر نہ ہدایت دی ہوتی مجھے رب میرے نے البتہ ہوجاتا میں ضرور

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۸﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ

گمراہ لوگوں سے پھر جب دیکھا اس نے سورج کو چمکتے ہوئے کہا

آنحضرت ﷺ کی طرح آپ بھی کبھی ان پتھر کے معبودوں کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ یقیناً معبودِ حقیقی کی تلاش میں قانون فطرت کے مطالعہ میں مصروف رہتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ کا قلب روشن ہوگیا اور الہام الٰہی سے مستفیض ہوئے۔

۷۷۔ یہاں آپ کا اپنی قوم سے مباحثہ کا ذکر ہے۔ طالمود میں بھی آپ کا اپنے زمانے کے بادشاہ نمرود کے ساتھ بحث کا حال درج ہے لیکن باطل کی آمیزش سے پاک نہیں۔ آپ نے ان پر اتمامِ حجت کے لئے کائناتی دلائل پیش کئے۔ عین ممکن ہے کہ یہ مناظرہ کئی دنوں اور راتوں تک محیط ہو۔ آپ کا **ھٰذاربی** کہنا بطور تحقیر تھا یعنی کیا یہ میرا رب ہے؟ کیا میرا رب ایسا ہوسکتا ہے؟ جہاں تک بت پرستی کا تعلق ہے آپ نے اپنی قوم کو صاف کہہ دیا تھا کہ تم بت پرستی کی وجہ سے یقیناً گمراہ ہوچکے ہو لیکن وہ علم نجوم میں ماہر قوم تھی اس لئے نجوم پرستی کے ردّ کے لئے نہایت حکیمانہ انداز میں انہیں دلائل سے قائل کیا۔ چاند، ستارے اور سورج کی بے بسی اور بے اختیاری ثابت کرنے کے لئے ان کے غروب ہونے سے استدلال فرمایا کہ ضرور ایک مدبر بالارادہ ہستی اس کائنات کی حکمران ہے۔ جو ان معبودان باطلہ یعنی چاند، سورج اور ستاروں کو خاص سمتوں میں خاص قانون اور ضابطہ کے مطابق چلاکر زوال سے ہمکنار کر رہی ہے۔ وہ اس کے حکم سے سرموانحراف نہیں کرسکتے اور اسی کے قانون میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا! کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی میرا رب ان عیوب سے پاک ہے۔

۷۸۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اگر میرے ربّ نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھی گمراہوں میں سے ہوتا گویا اس وقت آپ ہدایت پر تھے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر

هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

یہ رب ہے میرا یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا کہا اے قوم میری یقیناً میں بیزار ہوں

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۹﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

اس سے جسے تم شریک بناتے ہو۔ کرلیا میں نے رُخ اپنا واسطے اس کے جس نے پیدا کیا آسمان

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَحَآجَّهٗ

اور زمین موحد ہوکر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور جھگڑا کیا اس سے

قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ

قوم نے اس کی کہا اس نے کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے بارہ میں اللہ کے حالانکہ یقیناً راہنمائی کی اس نے میری اور نہیں

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۚ وَسِعَ

ڈرتا میں اس سے کہ تم شریک بناتے ہو جسے مگر یہ کہ چاہے رب میرا کچھ احاطہ کرلیا ہے

رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ

رب میرے نے ہر چیز کو علم کی رُو سے کیا پھر نہیں نصیحت پکڑو گے تم اور کیونکر ڈروں میں

قادیان ۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) آپ کا قول ویسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت پر نہ ہوتے، نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔۔۔(بخاری کتاب الجہاد باب حفر الخندق)

۷۹۔ جب مشرکین پر حجت تمام ہو چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے پھر شرک سے اپنی شدید بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس کار زارِ حق و باطل میں جوانمردی سے ڈٹے رہے۔

۸۰۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا نماز کی ابتدا میں پڑھی جاتی ہے کہ اہل اسلام کا باطنی رخ اور قلبی توجہ اس رب کی طرف ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں (پڑھنے والا) ہرگز مشرک نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ ''جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنا صدق دکھایا جس طرح آنحضرت ﷺ نے نمونہ دکھایا، جب انسان اس نمونہ پر قدم مارتا ہے تو وہ بابرکت آدمی ہوجاتا ہے پھر دنیا کی زندگی میں کوئی ذلت نہیں اٹھاتا اور نہ تنگی رزق کی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور مستجاب الدعوات ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو خدا تعالیٰ سے سچا اور کامل تعلق رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کی ساری مرادیں پوری کر دیتا ہے اور اسے نامراد نہیں رکھتا۔'' (الحکم جلد ۸ نمبر ۸ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۵)

مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ

اس سے جسے شریک بنایا تم نے حالانکہ نہیں ڈرتے تم کہ تم نے شریک بنایا ساتھ اللہ کے اسے کہ نہیں

يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

اتاری اس (اللہ) نے جس کی تم پر کوئی دلیل پس کون دو فریقوں میں سے زیادہ حقدار ہے امن کا

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ

اگر ہو تم جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے ایمان اپنا

بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَتِلْكَ

ساتھ ظلم کے یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت پانیوالے ہیں اور یہ ہے

ع ۹ ۱۴ ۱۵

حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

ہماری دلیل دی تھی ہم نے جو ابراہیم کو برخلاف قوم کے اس کی ہم بلند کرتے ہیں درجوں میں

۸۱۔آپ کی بتوں سے علی الاعلان بیزاری کی وجہ سے یقیناً آپ کی قوم آپ سے بہت جھگڑی ہوگی اور آپ کو بتوں کی ناراضگی سے ڈرایا ہوگا۔آپ کا جواب یہی تھا کہ میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ہاں اپنے رب سے ضرور ڈرتا ہوں۔اس کی مشیت میں ہو تو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے لیکن میری کسی تکلیف کی وجہ ان بتوں کی ناراضگی نہیں ہوگی۔ میرے رب نے علم کے لحاظ سے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ کیا اتنا سمجھانے کے بعد بھی تم نہیں سمجھتے؟

۸۲۔ میرا ان معبودان باطلہ سے ڈرنے کا کیا سوال۔ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں شریک بنایا۔ حالانکہ اس نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔پس دونوں گروہوں میں امن کا زیادہ حقدار کون ہے ؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ۔گویا ڈرنا کس کو چاہیئے اور امن میں کون ہے؟ ظاہر ہے کہ امن میں وہی ہوگا جو خدا کی پناہ میں ہو۔اسے کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔

۸۳۔ **یلبسوا**۔ وہ ملاتے ہیں ۔چھپانے اور شبہ کرنے کے معنی دیتا ہے ۔حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ظلم سے مراد شرک لیا ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنے ایمان کو شرک کی ملونی سے بچایا وہی ہر ڈر سے امن میں ہیں اور نجات پانے والے اور ہدایت یافتہ ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا جو اپنے ایمان میں شرک کی ملونی نہیں کرتے وہ ہر بلا سے امن میں ہیں۔ شرک سے مراد پتھروں کو پوجنا نہیں بلکہ جو بھی ماسوی اللہ کی طرف مائل ہے اس پر بھروسہ کرتا ہے ،حتیٰ کہ جو دل میں منصوبے اور چالاکیاں ہیں ان پر بھروسہ کرتا ہے وہ شرک ہے۔(البدر جلد ۲ نمبر ۴۳ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۳۳)

مَنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۴﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

جسے ہم چاہتے ہیں یقیناً رب تیرا حکمت والا خوب جاننے والا ہے اور بخشا ہم نے اسے اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ

اور یعقوب (ان) سب کو ہدایت دی ہم نے اور نوح کو ہدایت دی ہم نے پہلے سے اور

مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَ

اولاد میں سے اس کی داؤد اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ

موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم احسان کرنیوالوں کو اور

۸۴۔اس رکوع میں بھی یہی بتایا کہ سب انبیاء توحید پر ہی قائم تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرزِ استدلال عطا کیا تھا۔فرمایا یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ **ھٰذا ربی** کی دلیل خدا کی طرف سے دی گئی اور ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبہ میں بلند کرتے ہیں۔گویا یہ ابراہیمؑ کی خصوصیت نہیں۔سب کچھ اس کے علم وحکمت کے تحت ہوتا ہے وہ جانتا ہے کون بلند مرتبہ کا اہل ہے اور وہ یقیناً نوازا جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۸۵۔یہاں تین آیتوں میں سترہ انبیاء کا ذکر فرمایا جن میں سوائے حضرت نوحؑ کے جو حضرت ابراہیمؑ کے جدامجد تھے باقی تمام انبیاء آپ کے خاندان اور ذریت میں سے ہیں اس طرح بتا دیا کہ ہم اپنے پیاروں کو نہ صرف آخرت میں نوازتے ہیں بلکہ دنیا میں بھی ان کی نسلوں تک کو سنوار دیتے ہیں۔پہلے آپ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ اور پوتے حضرت یعقوبؑ کا ذکر کیا جن سے سلسلہ بنی اسرائیل چلا لیکن ان کے بعد انبیاء کی ترتیب زمانہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کے حالات کے لحاظ سے رکھی۔ان میں بعض انبیاء اقدار میں مشترک تھے۔زمانہ کے لحاظ سے ترتیب اگلی سورت میں ہے۔حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا اکٹھا ذکر باپ بیٹا ہونے کی وجہ سے نیز حکمت اور حکومت کی وجہ سے کیا۔ حضرت ایوبؑ اور حضرت یوسفؑ دکھوں اور آزمائشوں میں صبر کی وجہ سے مشابہ تھے ۔دونوں کے خاندانوں نے ان کو چھوڑ دیا اور انہوں نے غریب الوطنی کی اذیتیں اٹھائیں۔دونوں آزمائشوں میں پورے اترے۔پھر دونوں کو اللہ تعالیٰ نے مال وعیال سے نوازا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بھائی بھی تھے اور کام بھی ایک ہی تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنا۔ ان تمام انبیاء کو محسنین میں شامل کرکے حضرت سلیمانؑ پر لگائے گئے تورات کے الزامات سے آپ

زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو (یہ) سب نیکوں میں سے تھے

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور اسمٰعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور (ان) سب کو فضیلت دی ہم نے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَ

تمام دُنیا پر اور (ہدایت دی ہم نے) باپ داداکو انکے اور اولاد کو ان کی اور بھائیوں کو ان کے اور

اجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۸﴾ ذٰلِكَ

چُن لیا ہم نے انہیں اور ہدایت دی ہم نے انہیں طرف راستے سیدھے کی یہ

کی بریت فرمائی۔ یہ بھی اشارہ کیا کہ یہ تمام انبیاء دنیوی طور پر بھی نہایت کامیاب و کامران تھے جبکہ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ نبوت کے ساتھ حکومت سے بھی نوازے گئے۔

۸۶۔ ان کے بعد حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت الیاسؑ کو صالحین میں شامل فرمایا۔ پہلے تینوں قریبی رشتہ دار اور ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ حضرت یحییٰؑ، حضرت الیاسؑ کے رنگ میں آئے گویا ان کا آنا الیاسؑ کا آنا ہی تھا۔ آپ حضرت عیسیٰؑ کے ارہاص تھے۔ یہ چاروں انبیاء دنیوی طور پر نہایت غربت و مسکنت کی حالت میں رہے اور شدید مصائب کا شکار رہے۔

۸۷۔ اب حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ کا اکٹھا ذکر کیا کیونکہ توریت میں ان کی تحقیر کی گئی ہے۔ پہلے تینوں کی تو نبوت سے بھی انکار کیا گیا جبکہ حضرت لوطؑ پر الزام لگایا کہ وہ خدا کے حضور سے بھاگ گئے تھے۔ اس آیت میں ان سب کی غیر معمولی فضیلت کا ذکر کیا اور فرمایا! ہم نے ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ تمام جہانوں پر فضیلت سے مراد ان کی اپنے اپنے وقت کی معروف دنیا پر فضیلت تھی۔ ان میں حضرت یونسؑ اور حضرت لوطؑ میں قدر مشترک یہ تھی کہ ان دونوں کی قوموں کی تباہی کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ حضرت یونسؑ کی قوم کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا۔ ان کی گریہ و زاری اور توبہ و استغفار سے خدائی فیصلہ ٹل گیا لیکن لوطؑ کی بدبخت قوم کو توبہ کی توفیق نہ ہوئی اور تباہ ہوئی۔ قرآن کریم نے جس طرح اور بہت سی حقیقتوں پر سے پردہ اٹھایا وہاں انبیاء کی عصمت کو بھی بحال کیا اور انبیاء پر لگائے گئے بائبل کے الزامات سے ان کو بری فرمایا۔

۸۸۔ یہ احسان حضرت ابراہیمؑ پر نسل در نسل چلتا رہا کہ ان کے آباء واجداد میں سے اور ان کی نسلوں میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بعض کو ہم نے فضیلت بخشی اور اپنے فیضان کے

هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ

ہدایت ہے اللہ کی کہ ہدایت دیتا ہے جسکے ذریعہ سے جسے چاہتا ہے بندوں میں سے اپنے اور اگر وہ

اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ

(مذکورہ بالا نبی) شرک کرتے تو حبط ہوجاتے ان سے جو تھے وہ عمل کرتے یہ لوگ (مذکورہ بالا نبی)

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ

وہ ہیں کو دی تھی ہم نے انہیں کتاب اور حکم اور نبوت پس اگر

يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

بے قدری کریں اس کی یہ لوگ تو یقیناً مقرر کئے ہیں اس پر ایسے لوگ کہ جو نہیں ہیں اس کی ہرگز

بِكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

بے قدری کرنے والے یہ لوگ وہ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے پس ہدایت کی ان کی

لئے چنا اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ یہاں مراد ان کے وہ آباء و اجداد، نیک ذریتیں اور بھائی بند تھے جو ان انبیاء کے قرابتدار کہنے کے لائق تھے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔

۸۹۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا آئندہ بھی ایسی ہی ہدایت دے گا۔ یہاں بتایا کہ یہ عظیم المرتبت انبیاء وصلحاء جو توحید پر قائم تھے اگر وہ بھی شرک کے مرتکب ہوتے تو نہ صرف انعامات خداوندی سے محروم ہو جاتے بلکہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے۔ گویا شرک کے معاملہ میں اپنے پیاروں کی بھی رعایت نہیں کرتا۔ یہاں تورات کا رد کیا جس میں انبیاء پر شرک کی تہمت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ سوائے شرک کے اللہ تعالیٰ جو گناہ چاہے گا بخش دے گا۔ (مسلم)

۹۰۔ حُکم میں حکمت، قوتِ فیصلہ اور حکومت شامل ہے۔ ہر نبی کو نبوت سے پہلے حکمت سے نوازا جاتا ہے۔ اگر یہود و نصاریٰ اپنے آباء و اجداد کے انعامات کی ناقدری کریں گے جو ان کو کتاب و حکمت اور نبوت کی شکل میں ملے تو اللہ تعالیٰ یہ انعامات ایسی قوم کے سپرد کردے گا جو اس کی ناقدری نہیں کرے گی۔ یہاں ایک تقدیری فیصلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جب بھی کفرانِ نعمت کرو گے تو یہ نعمتیں دوسروں کے سپرد کر دی جائیں گی جو زیادہ وفاداری سے حق کو نبھائیں گے۔ گویا اب کتاب و نبوت اور حکومت بنی اسمٰعیل کے سپرد ہوگی جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے۔ بنی اسرائیل میں تمام انبیاء کو کتاب و نبوت اور حکومت نہیں ملی۔ حضرت داؤدؑ کو یہ تینوں نعمتیں اکٹھی ملیں۔ حضرت موسیٰؑ کو کتاب، حکمت و فراست اور نبوت ملی۔ دنیوی حکومت نہیں ملی جبکہ اکثر انبیاء

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

پیروی کر تو — تو کہدے نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا

تمام دنیا کے لیے — اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی (جس طرح) حق (تھا) اس کی قدر کا جبکہ کہا انہوں نے

ع ۸ / ۱۶

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

نہیں اُتارا اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی تو کہدے کس نے اُتاری کتاب

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

وہ کہ لایا جسے موسیٰ نور اور ہدایت لوگوں کے لئے بناتے ہو تم اُسے

اپنے سے پہلے صاحبِ شریعت نبی اور اس کی کتاب اور شریعت کے تابع تھے۔

۹۱۔ان تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ان سب کی پیروی سے مراد یہ ہے کہ جو جو کمالات ان کو متفرق طور پر ملے آپؐ ان سب کو اپنے اندر جمع کریں۔پس آپؐ کی ذات میں تمام انبیاء کے کمالاتِ متفرقہ اورصفات خاصہ جمع تھے۔گویا آپؐ جامع جمیعِ کمالات متفرقہ تھے۔سب سے زیادہ آپؐ حضرت ابراہیمؑ سے مناسبت رکھتے تھے۔ تاہم مثیل موسیٰ ہونے کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ سے بھی آپؐ کی خاص مناسبت تھی نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؐ کے ہی ظل اور بروز تھے اس لئے حدیث بخاری میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا! میری مسیح سے بشدت مناسبت ہے اور اس کے وجود سے میرا وجود ملا ہوا ہے۔آپؐ کی اتباع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ظِلّی طور پر ان تمام کمالات سے حصہ پایا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں ؎

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں — نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آنے والا مسیح قیامت کے دن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ایک اور چھوٹا سا جھنڈہ لے کر کھڑا ہوگا۔یعنی اس کا نام علیحدہ طور پر جماعتی لحاظ سے قائم رکھا جائے گا۔جب کہ باقی لوگوں کے کام کو رسول اللہ ﷺ کے کاموں میں مدغم کر دیا جائے گا۔گویا مسیح موعودؑ نے آنخضرت ﷺ کی فرمانبرداری میں اتنی شان دکھائی کہ آپ کو ایک مخصوص حیثیت حاصل ہے۔

فرمایا! اس تبلیغِ توحید کے لئے جو تمام جہانوں کے لئے نصیحت کے طور پر ہے ، میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔گویا تمام انبیاء توحید الٰہی کو قائم کرنے کے لئے ہی مبعوث ہوئے اور وہ

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

ورق ورق ظاہر کرتے ہو تم ان (کاغذوں) کو اور چھپاتے ہو بہت کچھ اور سکھائے گئے تم جو نہیں

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ

جانتے تھے تم اور نہ باپ دادا تمہارے تو کہدے اللہ نے (اتاری ہے تورات) پھر چھوڑ دے انہیں

خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

فضول بحث میں اپنی کھیلتے رہیں اور یہ کتاب کو اتارا ہے ہم نے جسے مبارک ہے

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ

مصدق ہے اس کی جو پہلے ہے اس سے اور تاکہ تو ڈرائے بستیوں کی ماں (مکہ) کو اور

مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ

انہیں جو اردگرد ہیں اسکے اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں آخرت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس

اس کام کے لئے کسی اجر کے ہرگز خواہاں نہیں تھے۔

۹۲۔ پہلے ہدایت اور توحید کا ذکر تھا۔اس رکوع میں آنخضرت ﷺ کی رسالت اور وحی کا بیان ہے نیز وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا انجام بتایا۔

قدرہ۔اس کی پوری پہچان۔جس حد تک پہچاننے کا حق ہے۔**قراطیس**۔واحد قرطاس۔ کاغذ۔

یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔یعنی اللہ کی صفات کا کماحقہٗ اندازہ نہیں کیا ورنہ یہ ضرور جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ہمیشہ انبیاء مبعوث کرتا رہا ہے ، جنہوں نے کتاب الٰہی کی روشنی میں ان کی ہدایت فرمائی۔ان سے پوچھ کہ اگر اللہ نے کوئی کتاب نہیں اتاری تو وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰؑ نور اور ہدایت کے طور پر لوگوں کے لئے لایا تھا ؟ افسوس تم اسے معمولی کاغذ سمجھتے ہو اور اسے ورق ورق کر رکھا ہے۔اس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپا لیتے ہو۔چھپانے میں ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو آنخضرت ﷺ کی ذات میں پوری ہوئیں۔ان پیشگوئیوں پر ہاتھ رکھ کر وہ عملاً بھی چھپا لیتے تھے حالانکہ اس کتاب میں تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا تھا جسے تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔کہہ دے کہ اسے اللہ ہی نے اتارا ہے۔پھر انہیں اپنی بیہودہ باتوں میں مشغول رہنے دے۔

۹۳۔**ومن حولها** سے مراد تمام اہل مشرق و مغرب ہیں۔ (بیضاوی وروح البیان)

بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

(قرآن) پر اور وہ نماز کی اپنی حفاظت کرتے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ

گھڑ لیا اللہ پر جھوٹ یا کہا کہ وحی کی گئی طرف میری حالانکہ نہیں وحی کی گئی طرف اس کی

پہلے توریت کا ذکر کیا جو نور اور ہدایت تھی لیکن تم نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا یعنی اصل حالت میں نہیں رہنے دیا۔ اس کے مقابلے میں یہاں قرآن کریم کا ذکر کیا کہ یہ ایک ایسی مبارک کتاب ہے جس کی خیر و برکت کبھی کم نہیں ہوگی اور ہمیشہ رہے گی جبکہ تورات کا نور اور ہدایت اس میں تغیر و تبدل کی وجہ سے ماند پڑ گیا۔ اس کے باوجود یہود و نصاریٰ پر اتمام حجت کے لئے تصرف الٰہی سے نبی ٔ آخر الزماں کے متعلق پیشگوئیاں اور بنیادی صداقتیں اس میں محفوظ رہیں۔ پس قرآن کریم کی دوسری عظیم خوبی یہ ہے کہ اپنے سے پہلی تمام کتابوں کا مصدق ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجی گئی تھیں لیکن آج وہ اصل حالت میں نہیں۔ قرآن کریم اسی حصے کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے پیش نظر ہے اور تحریف سے پاک ہے۔ اس قرآن کے ذریعہ تو اہل مکہ اور اس کے اردگرد تمام دنیا کو ڈرا۔ گویا کل دنیا کی ہدایت کے لئے یہ کتاب بھیجی گئی ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس پر اس نے روشنی نہیں ڈالی۔ قرآن کریم نے انسان کو بہترین زندگی گزارنے کے اصول بتائے۔ ایک حکمران سے لے کر ایک عام شہری تک سب کے لئے اصول و قوانین موجود ہیں۔ پھر بندے کو خدا سے ملایا جو اس کی زندگی کا اصل نصب العین اور کمالِ حیات انسانی ہے۔

یہاں مکہ کو ام القریٰ کہا کیونکہ اس میں قدیم ترین معبد خانہ کعبہ ہے جو بطور ایک مرکز کے ہے۔ جس کی طرف دنیا اسی جذبہ سے اڈی چلی آتی ہے جس طرح بچے ماں کی طرف، اور آغوشِ مادر کی طرح ہی خود کو محفوظ و مامون محسوس کرتی ہے پھر جس طرح ماں بچوں کی غذا کا سبب ہوتی ہے اسی طرح یہ بستی تمام دنیا کی روحانی غذا کا سبب ہے۔

یوم جزا و سزا پر ایمان لانا بنیادی احکام میں سے ہے۔ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی معنی ہیں کہ پیچھے آنے والی موعود باتوں پر یقین رکھتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلام الٰہی پر ایمان لانے کی توفیق بھی ملتی ہے جس سے مزید نیکیوں کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ایسا انسان عبادت سے غافل نہیں رہ سکتا۔ عبادت میں صرف نماز کا ذکر کیا کیونکہ جو پانچ وقت باجماعت نماز پر مداومت اختیار کر سکتا ہے اس کے لئے باقی فرائض ادا کرنے یقیناً سہل ہیں۔

شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى

کچھ بھی اور جس نے کہا کہ ضرور میں اُتاروں گا مثال اس کی جو اُتارا اللہ نے اور کاش اگر دیکھے تو

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا

جبکہ ظالم سختیوں میں ہونگے موت کی اور فرشتے پھیلائے ہوئے ہونگے

اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ہاتھ اپنے کہ نکالو جانیں اپنی آج تم بدلہ میں دیئے جاؤ گے عذاب

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ

ذلت کا بسبب اس کے کہ تھے تم کہتے اللہ پر ناحق اور تھے تم

عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا

آیات سے اس کی تکبر کرتے اور یقیناً یقیناً آئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسا کہ

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ

پیدا کیا تھا ہم نے تم کو پہلی دفعہ اور چھوڑ آئے ہو تم جو دیا تھا ہم نے تم کو پیچھے پیٹھوں کے اپنی

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ

اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے سفارشی تمہارے وہ کہ بیان کیا تھا تم نے کہ وہ (پیدائش و رزق) کے بارہ میں

شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ

تمہارے شریک ہیں (اللہ کے) البتہ یقیناً کٹ گیا باہمی تعلق تمہارا اور جاتا رہا تم سے جو تھے تم

تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ

بیان کرتے یقیناً اللہ پھاڑنے والا ہے دانوں کا اور گٹھلیوں کا وہ نکالتا ہے جاندار کو

ع ۱۱ ۱۷

۹۴۔ غمرٰت۔ غمرۃ۔ شدائد۔ سختیاں۔

ایسا ظالم جو خدا پر افترا کرتا ہے یعنی جھوٹ گھڑتا ہے یا وحی کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا اور وہ جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس وحی کی مثل میں بھی اتار سکتا ہوں۔ ایسے جھوٹے مدعیان وحی اور متکبرین کو اللہ تعالیٰ نے موت کے شدائد اور رسوا کن عذاب سے ڈرایا ہے اور یہ سزا ان کے اللہ تعالیٰ پر افترا اور تکبر کی وجہ سے ہوگی۔ ان کا تکبر یہی تھا کہ یہ قرآن کریم **نعوذباللّٰہ من ذٰلک** ایک معمولی چیز ہے۔ ہم بھی اس کی مثل لا سکتے ہیں۔

۹۵۔ **خوّلنا۔ خوّل**۔ جاہ و حشم۔ مال و متاع۔ دنیوی نعمتیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا بات ہے کہ تم بے یار و مددگار تن تنہا جس طرح گئے تھے اسی طرح خالی ہاتھ لوٹ آئے ہو۔ وہ ساز و سامان اور دنیوی نعمتیں جن سے ہم نے تمہیں نوازا تھا، سب پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ کہاں ہیں وہ تمہارے شفیع جن پر تمہیں زعم تھا کہ خدا کی طرح تمہارے

مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى

بے جان سے اور نکالنے والا ہے بے جان کو جاندار سے یہ اللہ ہے پس کہاں

تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ

پھیرے جاتے ہو پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنائی رات آرام کے لیے اور سورج

حاجت روا ہیں اور تمہاری سفارش کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے تعلقات منقطع ہو گئے ہیں اور تمہارے سب دعوے جھوٹے ثابت ہوئے۔

۹۶۔اس رکوع میں خدا تعالیٰ کی عظیم قدرتوں کو توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ کائنات پر غور کریں تو حقیر سے حقیر شے اس قادر مطلق کی قدرتِ لامتناہی کے نظارے پیش کرتی ہے۔اس کی مثال دانہ اور گٹھلی سے دی کہ کس طرح خالق ارض و سماء اس مٹی میں ملے ہوئے دانے اور گٹھلی کو خوشنما پودے یا شاندار درخت میں تبدیل کر دیتا ہے۔جس سے انسان، جانور اور چرند پرند سب مستفید ہوتے ہیں۔بعض بیج خشخاش سے بیس تیس حصہ چھوٹے ہوتے ہیں۔تاہم ان میں پودا بننے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے یعنی دو جڑواں پتے ایک ڈوڈی جو بعد میں جڑ بنتی ہے۔ایک گرہ سی جو ڈنڈی بنتی ہے اور جڑ پکڑنے سے پہلے چند دن کی خوراک۔یہ ننھا سا بیج اپنے اندر پورے درخت کی صلاحیت سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ایک ایک پتے ، پودے اور درخت پر لاتعداد کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ کس طرح یہ انسان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔انسانی صحت کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہے بلکہ تمام جاندار آکسیجن جذب کرتے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں ، جس سے پودوں کی نشوو نما ہوتی ہے۔گویا ماحول کو صاف و خوشنما رکھنا انسانی اور حیوانی ضرورتوں کو پورا کرنا، یہ سب نباتات پر منحصر ہے جو کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔پس ایک ایک پودے کے انسان پر اس قدر احسان ہیں کہ پیدا کرنے والے کے آگے اس کی گردن جھک جاتی ہے۔

مٹی میں دبا ہوا دانہ یا گٹھلی قطعاً ایک مردہ کی طرح ہے لیکن قادر توانا نے اسے پھاڑ کر ایک جیتے جاگتے پودے یا درخت کی صورت میں پیدا کر دیا ہے۔اس کا سانس لینا، خوراک حاصل کرنا، بڑھنا، پھر نر و مادہ کے ملاپ سے پھول اور پھل دینا اس کی زندگی کا ثبوت ہے جسے قرآن کریم نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے بتلا دیا حالانکہ سائنس دانوں کو اس کا علم اب ہوا۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ ایک دانے یا گٹھلی پر ہی کیا منحصر ہے کل کائنات میں یہی قانون جاری و ساری

وَّالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ

اور چاند حساب کے لیے یہ اندازہ ہے غالب بہت علم والے کا اور وہی ہے

ہے کہ ہر چیز نیست سے ہست میں آتی ہے اور پھر ایک طرح سے نیست میں چلی جاتی ہے۔انسانی جسم بیشک مٹی ہو کر فنا ہو جاتا ہے لیکن روح کو پھر ایک نئی زندگی ملتی ہے۔یہی قانون قدرت ہے جو قوموں کی بقا و فنا میں جاری ہے جو قومیں کمزوری کی طرف مائل ہوئیں حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں اوران کی جگہ طاقتور اور توانا اقوام نے لے لی۔

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اسی طرح جاہلوں سے عالم اور عالموں سے جاہل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پس یہ ہے تمہارا اللہ جو تمام قدرتوں والا ہے تم کہاں بہکائے جا رہے ہو۔ کبھی تو آنکھیں کھولو اور اس کی بنائی ہوئی کائنات پر غور کرو۔

۹۷۔ **سکنًا**۔ سکون ۔موجبِ آرام ۔ ساکن۔

جس طرح مٹی کے اندھیروں سے خوشنما پودے جنم لیتے ہیں اسی طرح رات کے اندھیروں کو پھاڑ کر صبح ظہور میں آتی ہے اور اس دنیا کے باسیوں کو زندگی کا پیغام دیتی ہے۔یہ بھی اشارہ ہے کہ جب دنیا پر گناہوں کی ظلمت و ادبار چھا جاتی ہے تو ضرور ہے کہ صبح نورانی کا پیغام لے کر کوئی پیغامبر آئے اور دنیا کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

غرض صبح کی افادیت اظہر من الشمس ہے۔ ہر جاندار انسان ہو یا چرند پرند صبح ہوتے ہی زندگی کی تگ و دو میں مصروف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رات، دن بھر کے تھکے ہاروں کو اپنے پَروں کے نیچے سمیٹ لیتی ہے اور تمام مخلوق نیند اور آرام سے لطف اندوز ہو کر اگلی صبح کام کرنے کے لئے تازہ دم اور چاق و چوبند ہو جاتی ہے۔

سورج اور چاند سے مخلوق بے شمار فوائد حاصل کرتی ہے بلکہ ان کے بغیر ان کا وجود ہی ناممکن تھا۔ یہاں بتایا کہ یہ دونوں ایک حساب کے تابع گردش کرتے ہیں۔یہ کامل غلبے والے ، صاحب علم کی جاری کردہ تقدیر ہے نیز یہ دونوں حساب کا ذریعہ بھی ہیں یعنی ان کا طلوع و غروب اور ان کی رفتار ایک خاص حساب کے مطابق ہے ان آسمانی گھڑیوں سے انسان سالوں مہینوں بلکہ دنوں اور لمحوں تک کا حساب کر لیتا ہے اور ان پر لگنے والے آئندہ گرہنوں اور کئی تبدیلیوں کو پیشتر از وقوع بتا سکتا ہے۔یہ زبردست قدرت والے اور کامل علم والے کے اندازے ہیں۔رات کو ساکن

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ
جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے تاکہ راہ معلوم کرو ذریعہ سے انکے اندھیروں میں
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۸﴾
خشکی اور تری کے مفصل بیان کی ہیں ہم نے آیات ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں

کہنے میں یہ مفہوم ہے کہ کائنات میں ایک مہیب اندھیرے کا راج ہے ، جو ساکن ہے روشنی اس اندھیرے کو پھاڑتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند حساب کا ذریعہ ہیں اس لئے کہ ٹائم کا تصور حساب سے ہے۔اس کا وجود چانداور سورج کی گردش سے ہوا۔ تمام سائنس حساب کی محتاج ہے۔پس تمہیں وہ گُر بتادیا جس سے کائنات کے راز سمجھ سکتے ہو۔ہر دریافت کو پہلے حساب میں ڈھالا جاتا ہے۔باریک سے باریک انسانی ترقی کو حساب سے وابستہ کردیا۔
(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۹۸۔ پہلے سورج اورچاند کا ذکر تھا یہاں ستاروں کا ذکر کیا۔بیشک چاند، سورج اور ستاروں کے اثرات کرہ ارض اور انسانی زندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں ،کچھ تو ظاہر ہیں اورکچھ مخفی۔یہ ایک باقاعدہ علم ہے لیکن اس کو سر پر سوار کرلینا اور توہمات میں پڑنا شرک میں داخل ہے۔انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ مشیتِ الٰہی ہے نہ کہ ستاروں کے اثرات۔غرض ان سب کی تاثیریں زمین پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کے لاتعداد فوائد ہیں۔یہاں خاص طور پر ستاروں کی افادیت کا ذکر کیا جو صحرائی اور سمندری سفروں کی مشکلات میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ ان میں خاص طور پر قطبی ستارہ ہے جس پر ہمیشہ سے جہازرانی موقوف ہے۔بیشک سائنس نے بہت ترقی کی ، قطب نما اور کئی دیگر ایجادات معرضِ وجود میں آئیں جن سے بھٹکنے کا امکان قطعاً نہیں رہا لیکن یہاں مشکلات میں رہبری کا ذریعہ بتایا یعنی ہوسکتا ہے جہاز غرق ہوجائے یا صحرا میں بچھڑ جاؤ اور منزل پر پہنچنے کے لئے کوئی آلہ یا ذریعہ نہ رہے تو آخر ستارے ہی رہنمائی کریں گے۔فرمایا ہم نے علم والی قوم کے لئے نشانات کھول کر بتا دیئے۔کیا اب بھی وہ خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتے۔بیشک صاحبِ علم و ادراک نے جوں جوں کائنات پر نظرِ عمیق سے غور کیا وہ ان رازوں کے شناسا ہوتے گئے جن کو جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے باربار تاکید فرمائی تھی۔یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس وقت غور و خوض کا حصہ زیادہ تر مغربی اقوام میں آیا اورانہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔امریکن خلانورد JOHN GLEN جس نے کامیابی سے خلا کا سفر کیا، اس کا یہ بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ
اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو جنس واحد سے پھر ٹھہرنے کی جگہ ہے اور
مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَهُوَ
سونپے جانے کی جگہ ہے مفصل بیان کی ہیں ہم نے آیات ان لوگوں کیلئے جو سمجھتے ہیں اور وہی ہے

ڈائجسٹ میں شائع ہوا۔وہ خلا کے عجائبات کو بیان کرتا ہوا لکھتا ہے ’’یہی وہ واحد شے ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز و محور سے وابستہ رکھتی ہے۔۔۔اس کے باوجود خلا میں جو عمل پہلے ہی جاری ہے۔اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔سائنسی اصطلاحات اور پیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔۔۔وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ،ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں ، نہ سن سکتے ہیں،نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کررہا ہے کہ یہ کوئی پوشیدہ قوت ضرور ہے۔قطب نما کے بغیر نہ جہاز اڑ سکتا ہے نہ راکٹ۔اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے‘‘۔

نیز فعلِ الٰہی کی طرف توجہ دلاکر قولِ الٰہی کی طرف بھی متوجہ کیا کہ جس نے دنیوی راہوں پر چلانے کے لئے سورج ،چانداور ستارے بنائے وہ روحانی راہوں کی رہبری کے لئے انتظام کیوں نہ کرتا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمائے روحانی کے سراج منیر ہیں۔آپؐ کا مسیح بطور قمر ہے۔ آپؐ کے خلفاء ،صحابہ کرام ، مجددین اور اولیاء کرام بطور ستاروں کے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پررہو گے۔(بروایت حضرت عمرؓ مشکوٰۃ کتاب المناقب۔المناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ زرّین)

۹۹۔ **مستقرٌّ**۔ عارضی جائے قرار۔ٹھہرنے کی جگہ۔ **مستودعٌ**۔ ودیعت سے مشتق ہے۔جائے سپردگی۔پناہ گاہ۔ مستقل حفاظت کی جگہ۔

نفس واحدہ سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔عارضی جائے قرار رحم مادر پھر دنیا اور قبر کی زندگی ہے جس کا روح سے تعلق ہے جبکہ مستقل جائے سپردگی یوم حساب میں جنت و جہنم کی صورت میں شروع ہوگی اور بالآخر صرف جنت ہی رہ جائے گی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!کہ جہنم پر وہ وقت آئے گا کہ اس میں کوئی نہ ہوگا اور بادِ نسیم اس کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔(صحیحین)

نفس واحدہ سے مراد ماں کے رحم میں ایک خلیہ کی موجودگی بھی ہے جو نطفۂ پدری کے اتصال

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ
جس نے اُتارا بادل سے پانی پھر نکالا ہم نے اس کے ذریعہ سے اُگنے والی ہر

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ
چیز پھر نکالا ہم نے اس سے سبزہ کو نکالتے ہیں ہم اس سے دانے تہ بتہ

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ
اور کھجوروں میں سے یعنی ان کے گابھوں میں سے خوشے ہیں جھکے ہوئے اور (ہم نکالتے ہیں بارش سے) باغات

اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ
انگوروں کے اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ
دیکھو پھل کو اس کے جبکہ پھل لائے اور پکنے کو اس کے یقیناً اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ
البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں اور بنایا انہوں نے اللہ کیلئے شریک جنوں کو

سے تقسیم در تقسیم ہوکر تعمیر خَلیے میں مصروف ہوجاتا ہے پھر بعض خَلیے ناک، بعض کان اور بعض دوسرے اعضاء بناتے ہیں تاآنکہ ایک مکمل انسان وجود میں آجاتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ نفس واحدہ میں آغاز پیدائش کی طرف بھی اشارہ ہے جب مونث سے ہی پیدائش کا عمل جاری تھا۔اسی مونث سے بالآخر مذکر کا وجود ہوا اور نر و مادہ کے ملاپ سے پیدائش کا عمل شروع ہوگیا۔ آج بھی چھپکلیوں کی ایک قسم مونث سے مونث پیدا کرتی ہے(طاہر احمد نسیم صاحب الفضل ۲۶ فروری ۲۰۰۳ء)

۱۰۰۔ **خضرًا**۔ سبز کھیت ۔یہاں مراد سبز کونپلیں ، سبزہ یا سبز کھیتیاں اور سبز درخت ہے۔ **متراکبًا** ۔ رکب ۔ انسان کا جانور کی پیٹھ پر چڑھنا۔ متراکبًا۔ ایک دوسرے کے اوپر چڑھا ہوا۔تہ بتہ ۔**طلع** ۔ سورج کا طلوع ہونا۔ کبھی مراد جھانکنا ہے۔ **طلع النخل** وہ غلاف جس کے اندر اس کا خوشہ ہوتا ہے مراد گابھہ۔ **قنوان**۔ گچھے ۔ **دانیة**۔دنو۔ قریب۔ اسی سے دنیا ہے۔ مراد بوجھ سے جھک کر قریب ہوگئے۔ جھکے ہوئے۔

اس ذاتِ باری تعالیٰ نے تمہیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہاری تمام ضروریات کا خیال بھی رکھا۔ بارش قدرت خداوندی کا ایک عظیم کرشمہ ہے۔بجلی چمک کر ہوائی آکسیجن کو نائٹروجن میں تبدیل کر دیتی ہے یہ نائٹروجن بارش کے ہر قطرے پر سوار زمین پر آتی ہے اور پودوں کی حیات کا موجب بنتی ہے گویا کھاری سمندروں سے اٹھنے والے آبی بخارات میٹھے پانی کی صورت میں زمین کو سیراب کرتے ہیں اور اس پانی سے سرسبز کھیتیاں اور انواع و اقسام کے پھلوں سے لدے ہوئے باغ اُگتے ہیں، جو

وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ
حالانکہ اس نے پیدا کیا انہیں اور تجویز کئے انہوں نے اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں موجد ہے آسمانوں کا اور زمین کا

۱۲ ع ۱۸

اس قادر حقیقی کا ہی کمال ہے۔کاش انسان صرف پھل اور اس کے پکنے کی کیفیت کو ہی نظر عمیق سے دیکھتا تو اس کا ضمیر ضرور پکار اٹھتا کہ یہ سب کاروبار خود بخود وجود میں نہیں آیا اور وہ اس صانع حقیقی کو ہزار پردوں میں بھی پہچان لیتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز(ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں)فرماتے ہیں کہ خاص طور پر جب پھل پکنے پر آتا ہے تو اس میں بعض ایسی کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ جن کے نتیجہ میں کوئی میٹھا کوئی کھٹا اور کوئی کڑوا ہوجاتا ہے۔غرض پھلوں کا لگنا اور پکنا ، قادرِ مطلق کی صناعی کا ایک حیرت انگیز نظام ہے جس پر لاتعداد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سائنسدان ابھی بھی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکے۔جب ایک معمولی تصویر مصور کے وجود کی دلیل ہے تو کیا یہ ساری کائنات اور تمام نشانات و دلائل وجود باری تعالیٰ کو ظاہر نہیں کرتے۔تمام الہامی کتابوں میں قرآن کریم ہی ہے جو عجائباتِ قدرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔اس میں بھی اشارہ ہے کہ جو خدا آسمان سے پانی بھیج کر دنیا کو سرسبز و شاداب کرکے تمہاری مادی اور عارضی ضروریات کو پورا کرتا ہے کیا وہ تمہاری روحانی اور دائمی زندگی کے لئے آسمان سے کوئی پانی نہیں بھیجے گا؟

۱۰۱۔ **جَنّ** ۔ چھپانا۔**جِنّ**۔ جنّ وہ روحانی یا غیر مرئی وجود جو حواس سے مستور ہیں۔یہ لفظ قرآن کریم میں عام طور پر سرکش علماء و امراء کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عوام سے چھپے رہتے ہیں اور سامنے نہیں آتے۔جنوں میں ملائکہ یعنی اخیار اور شیاطین یعنی اشرار ہیں۔گویا جنّ میں اخیار و اشرار دونوں شامل ہیں۔**خرق**۔کسی چیز کا قطع کرنا۔بغیر اندازہ گھڑنا، جبکہ خلق پیدا کرنا ہے جو اندازہ اور نرمی سے ہو۔**خرقوا**۔انہوں نے گھڑ لئے۔

باوجود ان تمام شواہد کے جو کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اس کائنات کا نظم و نسق چلانے کے لئے کسی شریک کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انہوں نے جنوں کو خداتعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ انہیں خدا نے پیدا کیا۔ کسی کو بارش کی دیوی اور کسی کو سمندر کا دیوتا مانا ہوا ہے بلکہ خداتعالیٰ کی تمام صفات میں شریک مقرر کئے ہوئے ہیں۔اسی پر بس نہیں انہوں نے بغیر علم کے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی ہوئی ہیں۔وہ ان عیبوں سے پاک

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ
کیونکر ہو اس کے لیے اولاد حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا کی اس نے ہر

شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
چیز اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے یہ ہے اللہ رب تمہارا نہیں ہے کوئی معبود سوائے

هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٣﴾
اس کے پیدا کرنیوالا ہر چیز کا سو عبادت کرو اسکی اور وہ ہر بات کا کارساز ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ
نہیں پاسکتیں اُسے نظریں اور وہ پاتا ہے سب نظروں کو اور وہ لطافت والا

الْخَبِيْرُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ
بہت خبر رکھنے والا ہے آئی ہیں تمہارے پاس دلیلیں طرف سے رب کے تمہارے سو جس نے دیکھا

اوران مشرکانہ عقائد سے بہت بلند ہے جو لوگ اس کی ذات پر لگاتے ہیں۔یہاں ہندوؤں ، عیسائیوں ، مجوسیوں اور مشرکوں کے عقائد کا رد فرمایا۔

۱۰۲۔**بدیع**۔ایسا بنانا جس کا نمونہ موجود نہ ہو۔بغیر آلہ و مادہ اور بغیر زماں و مکاں کے بنانا اسی سے بدعت ہے یعنی شریعت میں نئی بات داخل کرنا۔بدع کے بعد تخلیق کا عمل شروع ہوتا ہے۔

اس رکوع میں بھی شرک کا ہی ابطال فرمایا جو اس سورۃ کا مرکزی نکتہ ہے۔

پہلے اپنی تمام قدرت نمایاں دکھائیں۔دانے اور گٹھلی سے کھیت اور باغ کا اگانا۔سورج ، چاند اور سیاروں کا پیدا کرنا، یہاں تک کہ انسان کو پیدا کرنا، کیا ان سب حقائق کو جاننے کے بعد بھی ایک انسان کو خدا کا بیٹا بناتے ہو؟ جبکہ بیٹے کا وجود ہم جنس جوروسے ممکن ہے۔جب ایسا نہیں مانتے تو بیٹے کا وجود کیونکر ممکن ہے؟ وہ تو کل اشیاء کا خالق ہے اور ہر شے کا علم اسے ہے جبکہ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ نے خود کو ایک عاجز انسان ظاہر کیا۔

۱۰۳۔فرمایا! یہ ہے اللہ تمہارا رب۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، وہی ہر شے کا خالق ہے۔تم اپنے باطل معبودوں کو اپنے کار ساز سمجھتے ہو اور ان سے مرادیں مانگتے ہو۔اپنے رب کی عبادت کرو۔وہی ہر چیز پر نگران ہے۔وہی تمہارے کام بنانے والا ہے۔اسی سے مانگو۔

۱۰۴۔**درک**۔ پانا۔ پکڑنا۔ کنہ تک پہنچنا۔ **لطیف**۔مہربان۔ باریک بین۔

اس وراء الوراء ہستی کو مادی ذرائع سے دیکھنے کی کوشش کرنا محض حماقت ہے۔انسان اپنے علم اور طاقت سے اسے نہیں دیکھ سکتا۔نہ یہ آنکھیں اس کا احاطہ کرسکتی ہیں کیونکر وہ لطیف ہے۔ہاں

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٥﴾
اپنے نفس ہی کیلئے ہے اور جو اندھا ہوا تو (وبال) اسی پر ہے اور نہیں میں تم پر ہرگز محافظ

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ
اور اسی طرح بار بار لاتے ہیں ہم آیات اور تاکہ وہ کہدیں کہ پڑھ چکا ہے اور تاکہ کھولکر بیان کریں ہم

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ
واسطے لوگوں کے جو علم رکھتے ہیں ۔ پیروی کر اسکی جو وحی کی گئی تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نہیں ہے

وہ لطیف ہونے کی وجہ سے ہر جگہ موجود ہے۔اپنے فضل و احسان سے جس پر چاہے تجلی فرمائے۔ پس اس کا فضل و احسان ہے کہ خود بندے کے پاس پہنچتا ہے ورنہ بندہ اپنی ناتمام کوششوں سے اس تک نہیں پہنچ سکتا۔کیونکہ وہ خبیر ہے اور ہر چیز کی کنہ اور حقیقت کو جانتا ہے اس لئے یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی رویت کے لائق کون ہے۔ہاں دنیا میں اس کی رویت بھی ایک پردے کو چاہتی ہے لیکن قیامت کو اس کے نیک بندوں کے لئے یہ دیدار عام ہوگا جبکہ بد لوگ وہاں بھی دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے۔

جیسا کہ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کچھ مزید دوں؟ وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کردیئے کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا اور جہنم سے نہیں بچا لیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اور ان لوگوں کو جو کچھ انعام ملے ہوں گے ان میں سے کوئی انعام بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دید سے مشرف ہوں۔(مسلم ۔ترمذی)

۱۰۵۔ **بصآئر ، بصیرۃ** کی جمع ہے۔روحانی بینائی جبکہ بصارت ظاہری بینائی اور نظر ہے۔ اپنی قدرتِ کاملہ اور توحید پر ان گنت دلائل بیان کرکے فرمایا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بہت سی بصیرت کی باتیں پہنچ چکی ہیں۔اگر تمہاری روحانی آنکھیں کھل جاتیں ، تم بینا ہو جاتے اور ان حقائق کو شناخت کرلیتے تو یہ تمہارے ہی بھلے کے لئے تھا۔اب اگر جان بوجھ کر اندھے بنو تو اپنا ہی نقصان کروگے۔میں تم پر نگران نہیں کہ بدیوں سے زبردستی بچالوں میرا کام حق کو پہنچانا تھا۔سو میں نے روشن دلائل اور اپنی عملی زندگی سے حق تم پر خوب واضح کردیا۔اگر ان بصائر سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے تو میں تمہاری حفاظت نہیں کرسکتا۔

إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۷﴾ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا

کوئی معبود سوائے اسکے اور اعراض کر مشرکوں سے اور اگر چاہتا اللہ نہ

أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ

شرک کرتے وہ اور نہیں بنایا ہم نے تجھے ان پر محافظ اور نہیں ہے تو ان پر

بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

ہرگز داروغہ اور نہ بُرا بھلا کہو ان کو کہ جن کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں سوائے اللہ کے

فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ

ورنہ وہ بُرا بھلا کہیں گے اللہ کو زیادتی سے بغیر علم اسی طرح مزین کیا ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے

۱۰۶۔ **درستَ**۔ درس میں پڑھنا اور پڑھانا دونوں شامل ہیں۔ پہلے کفار کو توحید پر روشن دلائل دیئے اب رسالت پر ان کے شبہات دور فرمائے۔ کفار کو ہمیشہ سے یہ اعتراض تھا کہ قرآن کریم ایک دفعہ نازل کیوں نہیں ہوتا یہ ضرور کسی سے سیکھ کر سنا دیتا ہے۔ فرمایا ہم اپنی آیتوں کو مختلف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ کبھی کائنات میں اپنی قدرت و کبریائی کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کبھی احکام و قوانین سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کبھی قصص الانبیاء سے نصیحت کی جاتی ہے تاکہ توحید پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ اور اس شریعت کی پیروی تم پر آسان ہو جائے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ تو نے یہود وغیرہ سے پڑھ رکھا ہے (ابن کثیر) **درست** بطور طعن کہتے کہ تم نے خوب سیکھا اور خوب سکھایا۔ ہاں صاحب علم و بصیرت اس سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۰۷۔ جب مشرکین کی گستاخیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو فرمایا! اگر وہ تیری وحی کی اتباع نہیں کرتے تو نہ کریں، تو ان سے منہ پھیر لے۔ منہ پھیرنا یہ نہیں کہ تبلیغ نہ کر بلکہ یہ کہ ان کی زیادتیوں، مشرکانہ عقائد اور وحی الٰہی کو جھٹلانے سے تجھے جو دکھ پہنچے، ان سے اعراض کر یعنی اسے محسوس نہ کر۔ تو خود اس وحی کے احکام کی پیروی کر جو تیرے رب نے تجھ پر نازل کئے۔ جن کا لبِ لباب یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں گویا "تو اللہ کا فرمانبردار بن جا، سب مخلوق تیری فرمانبردار بن جائے گی" (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) یا جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے۔

"جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو" (تذکرہ صفحہ ۴۷۱)

۱۰۸۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو زبردستی شرک سے باز رکھ سکتا تھا یا ان کی فطرت ہی ایسی بنا دیتا کہ شرک نہ کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے انسان کو صاحب اختیار بنایا، مجبور نہیں بنایا۔ اسی

عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا

کام ان کا پھر طرف رب کے اپنے لوٹنا ہے ان کا پھر وہ آگاہ کریگا انہیں اس سے جو تھے

يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۹﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

وہ کرتے اور قسم کھائی انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں اپنی کہ البتہ اگر

پر جزا و سزا کا مدار ہے اور یہی شرفِ انسانیت ہے جو اسے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے، جو قانونِ اطاعت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ پس تو نہ تو ان پر محافظ ہے کہ ان کو شرک سے بزور روکے اور نہ ان کے اعمال کا جوابدہ۔ تیرا کام صرف سمجھانا اور سیدھی راہ دکھانا ہے۔

"جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار"۔ (کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام درثمین)

۱۰۹۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام پر دیکھنا چاہتا ہے۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، میل ملاپ غرض کسی پہلو میں بھی اخلاق کو نظرانداز نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے لیکن مشرکین کے بزرگوں کو تو درکنار ان کے جھوٹے معبودوں تک کو برا بھلا کہنے سے روک دیا جبکہ کفار کی طرف سے ہمیشہ زیادتیاں ہوتی رہتی تھیں اور محمد ﷺ کے ساتھ محمد ﷺ کے خدا کی شان میں بھی گستاخی سے باز نہ آتے لیکن آنحضرت ﷺ نے کبھی نرمی اور رواداری کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس لئے پچھلی آیات میں آپؐ کو خطاب کرتے کرتے یہاں امت کو خطاب فرمایا اور جمع کا صیغہ استعمال کیا کہ ممکن ہے کسی صحابی سے کوئی زیادتی ہو جائے۔ اس لئے ان کے بتوں کو گالی دینے یا برا بھلا کہنے سے حکماً منع کر دیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ضد اور نادانی سے اللہ کو گالی دیں اور ان کے گناہ کے تم ذمہ دار ٹھہرو۔ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص کو اپنا مسلک ہی خوبصورت نظر آتا ہے۔ خواہ اس میں کتنے ہی نقائص ہوں۔ اس لئے تبلیغ میں بھی نہایت نرمی، بردباری اور حکمت و دانائی سے قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کسی کا دل دکھانا یا اشتعال دلانا ہرگز مقصود نہ ہو۔ اگر سمجھ جائیں تو فبہا ورنہ جب خدا کی طرف لوٹیں گے تو انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ یہاں صاف بتا دیا کہ ہر کوئی اپنے عقیدے کو اچھا سمجھتا ہے۔ پس مذہب کے نام پر کسی زیادتی یا قتل و غارت کی ہرگز اجازت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت مسیح ناصریؑ کی شان میں بعض سخت الفاظ استعمال کئے حالانکہ عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کی شانِ اقدس میں نہایت گستاخانہ اور نازیبا الفاظ استعمال کئے اور کر رہے ہیں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان

جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

آیا ان کے پاس کوئی نشان تو ضرور ہی ایمان لائیں گے وہ اس (نشان) پر تو کہدے سوائے اسکے نہیں کو نشانات پاس ہیں

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ

اللہ کے اور کون آگاہ کریگا تم (مسلمانوں) کو کہ جب آئے گی وہ (نشانی) نہیں ایمان لائیں گے اور

نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ

بدل دینگے ہم دل ان کے اور آنکھیں ان کی جیسا کہ نہیں وہ ایمان لائے تھے اس پر

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ۱۳ ع ۱۰ ۱۹

پہلی مرتبہ اور چھوڑ دیں گے ہم انہیں سرکشی میں اپنی بھٹکیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ

اور اگر ہم اُتارتے طرف انکی فرشتے اور بات کرتے ان سے مُردے اور

کے جواب میں بائبل کے حوالے ہی دیئے۔

۱۱۰۔لاتعداد نشانات ومعجزات دیکھنے کے بعد پھر اپنے مطلوبہ معجزہ کی فرمائش بے معنی ہے۔ تو کہہ دے کہ نشان تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ قادر ہے جب چاہے ظاہر کردے۔بندے کا اس پرکوئی زور نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے نشان دکھلا سکے۔ مسلمان جو شدید خواہش رکھتے تھے کہ یہ ایمان لے آئیں انہیں مخاطب کیا کہ تمہیں یہ بات کون سمجھائے کہ جب ان کے مطلوبہ نشان ظاہر ہوں گے تو بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ معجزوں کو دیکھ کر ایمان لانا ہوتا تو انبیاء کی کبھی تکذیب نہ ہوتی۔ **اذاجآءت** میں اذا کی وجہ سے ماضی مضارع میں تبدیل ہوگیا کہ آئندہ بھی یہ ہوگا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی مولوی یہی کہتے رہے کہ ایک نشان تو دکھاؤ۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو عینی شاہد ہیں ، فرماتے ہیں کہ قومی اسمبلی میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی کہا گیا۔پس قرآن کریم نے قیامت تک کے نقشے کھینچے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۱۱۔ پہلی بار اس وحی پر ایمان نہ لانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمجھ بھی الٹی ہوگئی اور حق کے بینا بھی نہ رہے۔پس ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے۔اب کوئی مزید معجزے ان کے ایمان کا باعث نہیں ہوسکتے۔گویا اگر شروع میں ہی عقل وبصیرت سے کام لیتے اور بے جا ضد، ہٹ دھرمی اور بزرگوں کی اندھی تقلید سے باز آجاتے تو یقیناً ایمان سے بہرہ ور ہوجاتے۔

۱۱۲۔اس رکوع میں مخالفین کے مطالبات ، اعتراضات اور لوگوں کو اسلام کے خلاف اکسانے اور مسلمانوں کے ثابت قدم رہنے کا ذکر ہے۔ مشرکین کے مطلوبہ مطالبات بھی اپنے اپنے

حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

اکٹھی کرتے ہم ان پر ہر چیز سامنے تو نہ تھے وہ کہ ایمان لاتے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ

بجز اسکے کہ چاہے اللہ ولیکن اکثر ان میں سے جہالت کرتے ہیں اور

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اسی طرح بنایا ہم نے ہرایک نبی کے لیے دشمن شیطانوں کو آدمیوں

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

اور جنوں میں سے دل میں ڈالتا ہے بعض ان کا طرف بعض کے ملمع سازی کی بات

غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

دھوکہ دینے کیلئے اور اگر چاہتا رب تیرا تو نہ وہ کرتے یہ (کام) پس چھوڑ انہیں

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا

اور اسے جو وہ افترا کرتے ہیں اور تاکہ جھک جائیں طرف اسکی (ملمع سازی کی) دل ان لوگوں کے جو نہیں

وقت میں پورے ہوئے۔ تینوں جنگوں میں یعنی جنگ بدر ، جنگ احد اور جنگ احزاب میں ملائکہ کا نزول ثابت ہے۔ مُردوں کا کلام کرنا کشفی طور پر ہے۔ہاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے بالمشافہ بھی ہمکلام ہوتے ہیں لیکن وہ بھی ایک کشفی صورت ہی ہوتی ہے۔دیگر بے شمار فتوحات کے بعد قیصر وقصریٰ کی عظیم سلطنتوں کے مالک بنے تو کون سی چیز تھی جو ایک اشارے سے حاضر نہ ہوتی ہوگی۔فرمایا ان تمام معجزات سے بھی ایمان نہیں لائیں گے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی جناب سے ایسے حالات پیدا کردے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ فرمایا ان کا ایمان نہ لانا ان کی جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ ان میں اکثر جاہل ہیں ورنہ جو صاحب عقل وبصیرت تھے ان میں سے اکثر شروع میں ہی ایمان لے آئے۔

۱۱۳۔ **زخرف** ۔ زینت ۔نقش ونگار۔ملمع۔ **غُرور** ۔ دھوکہ دینا۔ **وحی** ۔نفس میں خدا کی طرف سے بات پھونکنا۔وحی الٰہی۔دل میں بات ڈالنا۔

تیرے ساتھ ان کفار کی دشمنی کوئی نئی نہیں، ہر نبی کے ساتھ ان کا یہی سلوک رہا۔پس جس طرح یہ لوگ تجھ سے عداوت رکھتے ہیں اسی طرح جن وانس میں سے سرکش لوگوں نے ہر نبی سے عداوت رکھی۔وہ دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں انبیاء کے خلاف ایسی باتیں ڈالتے جو محض ملمع اور جھوٹ ہوتیں۔جن کی حقیقت کچھ بھی نہ ہوتی۔ گویا شیطانی قوتیں دلوں میں محض

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا

جو ایمان لاتے آخرت پر اور تاکہ وہ پسند کریں اُسے اور تاکہ وہ کریں

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ

وہ کرتے ہیں کیا پس غیر کو اللہ کے میں چاہتا ہوں فیصلہ کرنیوالا حالانکہ وہی ہے

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ

جس نے اُتاری طرف تمہاری یہ کتاب مفصل بنا کر اور وہ لوگ کہ

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

دی ہم نے انہیں یہ کتاب جانتے ہیں کہ یقیناً وہ اُتاری گئی ہے طرف سے رب کے تیرے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَتَمَّتْ

ساتھ حق کے تو نہ ہو تو ہرگز شک کرنیوالوں میں سے اور پوری ہوگئی

وسوسہ ڈالنے تک ہی مختار ہیں جبکہ شیطان صفت لوگ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے، اپنی تمام صلاحیتیں لوگوں کو گمراہ کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ان کے مقابلہ میں خدا پرست بندے تبلیغ و ہدایت اور دعاؤں سے دنیا کو ہدایت کی طرف بلانے کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں جبکہ ملائکہ اور خیر کی قوتیں لوگوں کے دلوں میں نیکی کی تحریک کرکے پس پردہ ان کی معاونت کرتی ہیں۔بیشک اللہ تعالٰی کے لئے ان سرکش قوتوں کو روکنا مشکل نہیں لیکن وہ زبردستی ہدایت نہیں دیا کرتا پس تو ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو نظرانداز کر دے۔

۱۱۴۔**تصغی۔ صغو** ۔ مائل ہونا۔ جھکنا۔ **یقترفوا ۔ قرف** ۔ درخت سے چھال اتارنا۔ اکتساب کے معنی دینا۔ہے۔ کمانا۔

جزا و سزا کے دن پر ایمان کا نہ ہونا برائیوں کو جنم دیتا ہے۔پس ان کا نفسوں میں پھونکنے کا مقصد یہی ہے کہ منکرینِ آخرت کے دل جھوٹی باتوں کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ اسے پسند کرنے لگیں تاکہ وہ کمالیں جو کما رہے ہیں یعنی ان برائیوں کا اکتساب کرلیں جن کا اکتساب ان کے پیر و مرشد کرتے رہے ہیں اور اب یہ اُنہی کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں۔اس طرح اپنے اعمال بد کا نتیجہ دیکھ لیں۔

۱۱۵۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت یا قرآن کریم کی صداقت پر کبھی شک نہیں ہوا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا! کہ نہ میں نے کبھی شک کیا اور نہ کبھی سوال۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہاں جماعتِ کفار مراد ہے اور اکثر قرآن کریم میں جماعت کو فرد واحد کے طور پر

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ

بات رب کی تیرے راستی اور انصاف سے نہیں کوئی تبدیل کرنیوالا باتوں کو اس کی اور

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۶﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور اگر اطاعت کرے تو اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں

يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ

گمراہ کردیں گے تجھے راہ سے اللہ کی نہیں پیروی کرتے سوائے گمان کے اور

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ

نہیں وہ مگر اٹکل کرتے یقیناً رب تیرا وہ خوب جانتا ہے اُسے جو گمراہ ہوتا ہے

مخاطب کیا ہے۔ پیچھے سے کفار کے توحید و رسالت پر اعتراضات کا ذکر جاری ہے۔یہاں بھی ان کا یہی سوال ہے کہ اس جھگڑے میں کوئی حَکَم مقرر کرلیں تاکہ فیصلہ ہو۔ فرمایا اللہ کے سوا کون فیصلہ کرنے والا ہے۔اس نے مفصل کتاب اتاری جس میں ہر بات تفصیل سے درج ہے۔ایک مکمل ضابطۂ قوانین ہے جو بذات خود حکم ہے کیونکہ کوئی دعویٰ بغیر دلیل نہیں۔ پس جنہیں ہم نے قرآنی علم و بصیرت عطا فرمائی ہے وہ اس کا منجانب اللہ ہونا خوب جانتے ہیں۔یہاں اہل کتاب کے صاحب علم بھی مراد ہیں جو قرآن کریم کو حق جان کر ایمان لائے ۔پس اے جماعت کفار تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

۱۱۶۔ **کلمتُ رَبِّک** سے مراد قرآن کریم ہے ۔ (بحر محیط ۔قتادہؓ)

بتایا کہ قرآن کریم وہ ضابطۂ قوانین ہے جو حق و انصاف کے ساتھ حد کمال تک پہنچ چکا ہے۔ کسی اور کو حکم بنانے سے، مراد اس کے احکام میں تغیر و تبدل ہے جو ناممکنات میں سے ہے۔ پس قرآنی احکام قیامت تک کے لئے ہیں جو ہر ملک ، زمانہ اور حالات کے مطابق ہیں اور کبھی بھی بدل نہیں سکتے۔

قرآن کریم کو حق کہا کیونکہ اس کے تمام گذشتہ قصص اور آئندہ کی پیشگوئیاں ،یوم آخر، جزا و سزا اور جنت و جہنم سب حق ہے نیز عدل کہا کیونکہ اس کے تمام احکام خواہ دینی ہوں یا سیاسی و معاشی ، عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ نہ کسی پر زیادتی ہے نہ بے جا رعایت۔وہ خوب سننے والا ہے اس لئے عدل کرتا ہے۔وہ خوب جاننے والا ہے اس لئے گذشتہ و آئندہ سب اس کے علم میں ہے۔

۱۱۷۔اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی رہے گی۔ فرمایا کہ اگر تو اکثریت کی پیروی کرے گا تو وہ تمہیں راہ راست سے ہٹا کر گمراہ کردیں گے کیونکہ ان کے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

راہ سے اس کی اور وہی خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو پس کھاؤ اس سے کہ

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ

لیا گیا نام اللہ کا جس پر اگر ہو تم آیات پر اس کی ایمان لانے والے اور

مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ

کیا ہوا تمہیں کہ نہ کھاؤ تم اس سے کہ لیا گیا نام اللہ کا جس پر حالانکہ یقیناً

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ

مفصل بیان کیا گیا اس نے تمہارے لیے جو حرام کیا اس نے تم پر بجز اس کے کہ مجبور ہو جاؤ تم طرف اس (حرام شدہ شئی) کی

پاس ٹھوس حقائق و دلائل ہرگز نہیں۔وہ محض گمان و قیاس کی پیروی کرتے ہیں۔پس جو حق کا پیرو ہوگا وہ ظنیات کی پیروی کس طرح کرسکتا ہے۔قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ اکثر بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ سے ہوتا ہے لیکن اصل مخاطب آپؐ کی امت یا عامتہ الناس ہوتے ہیں۔ پس یہاں بھی عام خطاب ہے کہ جو بھی اکثریت کی اتباع کرے گا گمراہ ہوگا۔

۱۱۸۔فرمایا! یقیناً تیرا رب سب سے زیادہ اسے جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ہدایت پانے والوں کو بھی سب سے زیادہ جانتا ہے۔

۱۱۹۔ توحید و رسالت پر دلائل قاطع پیش کرکے اب روحانی امور سے جسمانی امور کی طرف توجہ دلائی کیونکہ غذا انسان کے جسم کے علاوہ روح پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔اس لئے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہو (جن کا مختلف انداز میں بار بار ذکر کیا) تو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی بوقت ذبح تکبیر پڑھی گئی ہو اس میں سے کھاؤ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حرمت کے چار قاعدے بتائے۔اوّل وہ جو انسان کی جان کے لئے خطرہ ہو مثلاً مردار۔ دوئم جو اخلاق کو تباہ کردے اور شہوت و غضب بڑھائے مثلاً سؤر۔سوئم جو طبعی قوتوں کو برباد کردے مثلاً لہو جس سے تشنج اور استرخاء پیدا ہوتا ہے۔(استرخاء ڈھیلا پن اور کسی عضو کا چھوٹا پڑ جانا ہے) نیز خون میں ہی تمام بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں۔جو قومیں مردار، خون اور سؤر کو بطور غذا استعمال کرتی ہیں، روحانیت سے عاری ہوجاتی ہیں اور جسمانی طور پر بھی کئی ایک عوارض کا شکار ہو جاتی ہیں۔چہارم جو غیر اللہ سے تقرب اور حاجت روائی کے لئے ذبح کیا جائے۔یہ شرک ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) توحید کی عظمت اس سے واضح ہوتی ہے کہ جن غذاؤں کا تعلق کسی بھی مشرکانہ فعل سے تھا ان کو بھی حرام قرار دیا۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ

اور یقیناً بہت سے البتہ گمراہ کرتے ہیں ماتحت خواہشات کے اپنی بغیر علم کے یقیناً

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ

تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور

بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا

پوشیدہ اس کے تحقیق وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ ضرور بدلہ دیئے جائیں گے اس کا

كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ

جو تھے وہ کرتے اور نہ کھاؤ اس سے کہ نہیں لیا گیا نام

۱۲۰۔اللہ تعالیٰ نے تو حرام اور حلال خوب واضح کردیا۔یہ وضاحت سورۃ نمل میں گزر چکی تھی، جو پہلے سے نازل شدہ تھی۔ پس جس حلال چیز پر بوقت ذبح اللہ کا نام لے لیا جائے اس کو کھانے میں کیا مضائقہ ہے۔ہاں اضطراری صورت میں حرام بھی جائز ہے مگر اتنا ہی کہ زندگی کی ڈور بندھی رہے۔بسم اللہ ،اللہ اکبر پڑھنے میں روح یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ذبح کر رہے ہیں ورنہ کسی ذی روح کو مارنے کی انسان کو اجازت نہیں۔

یہود وغیرہ کو اعتراض تھا کہ اسلام نے بعض چیزوں کو حلال کیا جو پہلے حرام تھیں۔ فرمایا یہ ان کی نفسانی خواہشات ہیں جن سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔علمِ الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں شریعتِ موسوی میں بھی حلال تھیں۔بعض اشیاء حضرت یعقوبؑ نے کسی بیماری کی وجہ سے چھوڑ دی تھیں۔جنہیں بعد میں یہود کے فقہاء نے حرام قرار دے دیا۔ بعض اشیاء بطور سزا بھی یہود کو منع کی گئیں۔یہ حد سے بڑھنے والے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان سہواً **بسم اللّٰہ ، اللّٰہ اکبر** کہنا بھول جائے ،تو ایسے ذبیحہ کا کھانا جائز ہے کیونکہ مسلمان کی بھول چوک معاف ہے۔(ابن عباسؓ حضرت علیؓ امام ابو حنیفہؒ) تاہم اگر احتمال ہو تو کھانے سے پہلے بطور خاص **بسم اللّٰہ ۔ اللّٰہ اکبر** پڑھ لینا چاہئے۔

۱۲۱۔ قرآن کریم ہمیشہ ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ توحید و رسالت کا تعلق باطنی امور سے تھا پھر رزقِ حلال و حرام میں ظاہری امور کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا گناہ ظاہری ہوں یا مخفی دونوں کو چھوڑ دو۔ ظاہری گناہ میں حق تلفی ، کسی کو دکھ دینا، دلشکنی یا کسی کو حقیر جاننا، جھوٹ بہتان ، چوری چکاری ، رشوت اور حرام خوری وغیرہ سب شامل ہیں جبکہ مخفی گناہ ، بغض ، حسد ،تکبر ، حرص اور زنا وغیرہ ہیں۔ پس جو گناہ کمائے گا وہ یقیناً اس کا نتیجہ بھی بھگتے گا۔

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ

اللہ کا جس پر اور یقیناً یہ البتہ نافرمانی ہے اور یقیناً شیطان البتہ دل میں ڈالتے ہیں

اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ

طرف دوستوں کے اپنے تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اور اگر اطاعت کرو تم ان کی یقیناً تم

لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

ضرور مشرک ہوگے کیا جو تھا مُردہ پھر زندہ کیا ہم نے اُسے اور بنایا ہم نے اس کیلئے

ع ۱۴ ۱۱

نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ

نُور کہ وہ چلتا ہے ساتھ اس کے لوگوں میں مانند اس شخص کی کہ حالت اس کی یہ ہے کہ اندھیروں میں ہے

لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا

نہیں ہے وہ ہرگز نکلنے والا اس سے اسی طرح مزین کیا گیا کافروں کے لیے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ

تھے وہ کرتے اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر بستی میں

عرب بھی اہل مغرب کی طرح چھپ کر زنا کرنے کو برا نہیں سمجھتے تھے۔اس لئے بھی متنبہ فرمایا۔

۱۲۲۔یہاں فسق کے معنی کھول کر بتائے۔فسق میں شرک کا پہلو ہے۔فسق وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ غیراللہ کا نام لیا گیا ہو۔ **فسق، بسم اللّٰہ** سے حلال نہیں ہوسکتا۔مردار بھی فسق ہے۔ذبیحہ پر تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔اگر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور غیراللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا، تو یہ حلال ہے (امام شافعیؒ) ہاں کھاتے وقت بطور خاص **بسم اللّٰہ** پڑھ لینی چاہئے۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ علمائے یہود کفار و مشرکین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے کے لئے سوالات سکھاتے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ "یہ کیا معاملہ ہے کہ جسے اللہ مارے وہ حرام ہو اور جسے ہم ماریں وہ حلال ہو"۔حالانکہ یہود خود مسلمانوں کی طرح ہی **بسم اللّٰہ** پڑھ کر ذبح کرتے تھے اور مردار وغیرہ نہیں کھاتے تھے۔اس لئے خود یہ اعتراض نہیں کرسکتے تھے۔پس یہی وہ خیالات تھے جو شیطان صفت علمائے یہود اپنے رفقاء یعنی مشرکین مکہ کو سکھاتے تاکہ وہ مسلمانوں سے جھگڑیں کہ وہ کیوں مُردار یا بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتے حالانکہ وہ سب فسق ہیں۔پس تم ہرگز ان کی باتوں میں نہ آنا ورنہ مشرکوں میں سے ہوجاؤ گے یہاں بھی شیطان صفت لوگوں کو ہی شیطان کہا۔

۱۲۳۔پچھلی آیت میں مومنین کو کفار کی اطاعت سے منع کیا گیا تھا یہاں بتایا کہ قابل اطاعت تو وہ قادر و توانا ہستی ہے جس کی قدرت و کبریائی سے مردے زندہ ہوگئے اور جس کے نور

اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا

بڑوں کو مجرم اس (بستی) کا تاکہ تدبیر کریں اس میں اور نہیں تدبیر کرتے مگر

بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

اپنی جانوں سے اور نہیں وہ محسوس کرتے اور جب آتا ہے ان کے پاس کوئی نشان

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ رُسُلُ

کہتے ہیں ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم مانند اس کی جو دیئے گئے رسول

اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

اللہ کے اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں رکھے رسالت اپنی ضرور پہنچے گی

الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ

ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ذلت طرف سے اللہ کی اور عذاب سخت

بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ

اس سے کرتے تھے وہ تدبیر کرتے پس جو شخص کہ ارادہ کرے اللہ کہ ہدایت دے اُسے

سے ایک عالم روشن ہوگیا۔پس انسان کا تعلق جب تک خدا تعالیٰ سے نہیں وہ مردہ ہے۔ پھر جوں جوں خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو سمجھتا ہے ،زندہ ہوتا جاتا ہے۔پھر اسے جناب الٰہی سے ایسا نور دیا جاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔گویا نہ صرف اس سے خود فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ لوگوں میں بھی بانٹتا پھرتا ہے۔ کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو جہالت و گمراہی کے اندھیروں میں رہتا ہے اور وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا؟ گویا کافروں کے اعمال بد اس طرح خوبصورت کرکے دکھائے گئے کہ انہیں اندھیرے ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

۱۲۴۔یہ سردارانِ مکہ پر ہی موقوف نہیں کہ وہ رسول کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں۔جب بھی کسی بستی میں رسول آیا اس بستی کے اکابرین رسول کے خلاف تدبیریں کرکے مجرمین میں شمار ہوئے۔گویا خواص ہی مخالفت کرکے عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔اس لئے وہی مجرم ہیں یہی وہ کفار ہیں جنہیں اندھیرے پسند آنے لگتے ہیں۔جن سے نکلنا نہیں چاہتے۔بلکہ دوسروں کو بھی اندھیروں میں کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ تدبیریں انہیں پر الٹ پڑیں گی لیکن وہ سمجھتے نہیں۔

۱۲۵۔ ہر نبی کے مخالفین سردارانِ قوم خواہ ابوجہل و ابولہب تھے یا فرعون و نمرود ان کا یہی مطالبہ تھا کہ اگر ویسا ہی کلام یا معجزات ہمیں دیئے جائیں یا فرشتہ ہمارے پاس آئے تو ہم مانیں گے کیونکہ وہ دنیوی طور پر کم حیثیت اور معمولی لوگوں کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی پیروی کی جائے۔

يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
توکھول دیتا ہے سینہ اس کا اسلام کے لیے اور جو شخص کو ارادہ کرے کہ گمراہ کرے اُسے کر دیتا ہے

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ
سینہ اس کا تنگ گھٹا ہوا گویا کہ چڑھتا ہے آسمان میں اسی طرح

يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۶﴾
کر دیتا ہے اللہ ناپاکی ان لوگوں پر جو نہیں ایمان لاتے

فرمایا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے ”پس فیضانِ الہام اسی پر ہوتا ہے جو جوہر قابل ہو“ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۶۹۔۱۷۱ حاشیہ نمبر ۱۱) فرمایا عنقریب ان مجرموں کو ان کی مخالفانہ تدبیروں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ذلت اور شدید عذاب پہنچے گا۔

یہ دنیا میں بھی ہوا جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر اور آخرت میں بھی ہوگا کہ اکابرین ذلیل کئے جائیں گے اور عذابِ شدید پائیں گے اور ان کے مکر دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ پس انبیاء کی عزتوں پر حملہ کرنے والے جان لیں کہ انہیں ذلت ضرور پہنچے گی اور ان کے مکر و فریب کی وجہ سے سزا ضرور ملے گی۔

۱۲۶۔ **شرح** ۔ پھیلانا ۔ کھولنا۔

اللہ تعالیٰ کسی کو پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا، نہ زبردستی گمراہ کرتا ہے بلکہ فطرتِ صحیحہ اور وسعت نظری اسے اسلام کی طرف راغب کرتی ہے۔ پس نیک فطرت انسان کا سینہ اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے یعنی ”نورِ الٰہی اور سکینت و اطمینان کی وجہ سے اس کے سینے میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے“ (امام راغب) جبکہ بد فطرت انسان اپنی متعصبانہ ذہنیت، شقاوتِ قلبی اور تنگ نظری کی وجہ سے حق بات ماننے میں اپنے سینہ میں تنگی محسوس کرتا ہے گویا قبول اسلام اس کے لئے ایک گھاٹی عبور کرنے سے کم نہیں، جس پر چڑھنے سے اس کا دم رکتا ہو۔ پس جس طرح ایمان نہ لانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان پر رجس و پلیدی ڈال دیتا ہے۔ یعنی انہیں پاک نہیں کرتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) عبادت اور جانی و مالی قربانیاں سخت محنت طلب کام ہیں جن سے سینہ تنگی محسوس کرتا ہے گویا بلندیوں پر چڑھنے کی طرح ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر بلندیوں کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔ جب اللہ کی مدد شامل حال ہو جائے اور وہ اپنے حضور سے صفائی قلب کا

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
اور یہ راستہ ہے رب تیرے کا سیدھا یقیناً مفصل بیان کی ہیں ہم نے آیات

لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ
ان لوگوں کیلئے جو نصیحت پکڑتے ہیں ان کے لیے گھر ہے سلامتی کا پاس رب کے ان کے اور

هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
وہ دوست ہے ان کا بسبب ان عملوں کے کہ تھے وہ کرتے اور جس روز اکٹھا کریگا انہیں

جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ
سب کو (فرمائے گا) اے گروہ جنوں کے یقیناً بہت سے لے لئے تم نے

الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
انسانوں میں سے اور کہیں گے دوست ان کے انسانوں میں سے اے رب ہمارے فائدہ حاصل کیا

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ
بعض ہمارے نے ساتھ بعض کے اور پہنچے ہم میعاد کو اپنی جو مقررہ کی تھی تُو نے ہمارے لیے

انتظام فرما دے تو اسی مشقت میں مزا آنے لگتا ہے۔

۱۲۷۔ نور و ظلمات اور راہِ راست و گمراہی کو خوب واضح کر دینے کے بعد فرمایا کہ یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ یقیناً ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نشانات خوب کھول کر بتا دیئے ہیں۔

۱۲۸۔ یہی سیدھا راستہ ہے جو دارالسلام تک پہنچاتا ہے۔ سلامتی کا گھر یقیناً جنت ہے جو تیرے رب کے حضور ہے۔ یہی فضل و احسان نہیں کہ انجام بخیر کیا اور دارالسلام سے نوازا بلکہ ان کے اعمال کے سبب انہیں اللہ تعالیٰ کی دوستی بھی نصیب ہوگی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) احکام الٰہی ماننے والوں کے لئے دنیا میں، قبر میں، قیامت میں، پل صراط میں، جنت میں ہر جگہ سلامتی کا گھر ملتا ہے اور وہ اس کا دوست و مددگار ہو جاتا ہے۔ ایسے مومن پر خواہ کس قدر مصیبتیں آئیں وہ سلامتی سے نکل جاتا ہے۔

۱۲۹۔ یہاں انہی بڑے بڑے سردارانِ قوم، یعنی سرمایہ دار طبقہ اور امراء و رؤساء کا ذکر ہے جو عوام کے سامنے بہت کم آتے ہیں اور خود کو عوام الناس سے کوئی الگ مخلوق سمجھتے ہیں۔ جن کا ذاتی کردار دینی لحاظ سے اور نہ دنیوی طور پر قابل تقلید ہوتا ہے، ان کے کارندے ہی عوام کو سبز باغ دکھا کر ان کی پارٹیوں میں شامل کرکے ان کی عددی قوت بڑھاتے ہیں پھر ان سے صحیح و غلط

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ
فرمایا آگ ہے ٹھکانا تمہارا رہ پڑنے والے ہو اس میں مگر جو چاہے
اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ
اللہ یقیناً رب تیرا حکمت والا خوب جاننے والا ہے اور اسی طرح ہم مسلط کر دیتے ہیں
بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
بعض ظالموں کو بعض پر بسبب اس کے کہ تھے وہ کرتے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
اے گروہ جنوں اور انسانوں کے کیا نہ آئے تھے تمہارے پاس رسول تم ہی سے
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ
کہ بیان کرتے تم پر آیات میری اور ڈراتے تھے تمہیں ملنے سے تمہارے اس دن
هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
سے وہ کہیں گے گواہی دی ہم نے خلاف اپنی جانوں کے اور دھوکہ دیا تھا انہیں زندگی

کام کرواتے ہیں۔یہ عوامی نمائندے بعض اوقات ان سے دنیوی طور پر کچھ فائدہ بھی اٹھا لیتے ہیں، جیسے کوئی زمین کا ٹکڑا مل گیا یا ملازمت وغیرہ حاصل کرلی۔ قوموں کے تنزل کا صحیح نقشہ یہی ہے۔ جب عوام کے نمائندے معمولی فوائد کے لئے سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں بک جاتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں کا استیصال کرتے ہیں۔جبکہ انبیاء اور ان کی جماعتیں شروع میں مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہوتی ہیں اور خود اپنے پیروکاروں سے مالی معاونت کی طلبگار ہوتی ہیں۔ پس ان میں شامل ہونے والے بظاہر نقصان ہی اٹھاتے نظر آتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ بھی راہ خدا میں لٹا دیتے ہیں اور ہر طرح سے جانی و مالی قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔یہاں بڑے لوگ اور ان کے حواریوں کا ذکر ہے۔فرمایا وہ اپنی حکمت کاملہ کے تحت جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بچا لیتا ہے۔وہ علیم ہے جانتا ہے کہ مغفرت کا اہل کون ہے اور سزا کا حقدار کون۔حکم کا اصل معنی اصلاح ہے پس سزا میں بھی اصلاح کا پہلو مدنظر ہوتا ہے۔

۱۳۰۔جیسا کہ ملحقہ آیت میں بیان ہوا ،اسی طریق سے ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے ہیں ، یعنی حاکم و محکوم دونوں ظالم ہو جاتے ہیں۔یہ دوستی قیامت کو بھی نظر آئے گی جب جنتیوں اور جہنمیوں کے الگ الگ گروہ ہو جائیں گے۔

الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
ورلی نے اور گواہی دی انہوں نے خلاف اپنی جانوں کے کہ وہ تھے کافر
ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ
یہ اس لیے ہے کہ نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنے والا بستیوں کا بسبب ظلم کے اور
اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ
باشندے انکے بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اس سے جو عمل کئے انہوں نے اور

۱۳۱۔اس رکوع اور اگلے رکوع میں تفصیل سے مشرکانہ عقائد اور ان کا رد بیان فرمایا۔

عَلٰٓى انفسهم ۔ اپنے نفسوں کے خلاف۔

پچھلی آیات میں بھی امراء اور ان کے متبعین سے خطاب تھا۔انہی سے خطاب جاری ہے کہ جب ہمارے رسولوں نے ہر طرح تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔خدائی احکام تم تک پہنچا دیئے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈرا دیا تو قبول حق میں کونسا امر مانع تھا۔اس پر وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی عیش وعشرت نے انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔وہ تسلیم کریں گے کہ وہی کافر تھے ، یعنی باوجود حق آ جانے کے انہوں نے انکار کیا۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں عام طور پر شیطان صفت لوگوں کو ہی جن کہا جو درپردہ بیخکنی میں مصروف رہتے ہیں۔یہ سردارانِ قوم ہیں جو عوام کے سامنے بہت کم آتے ہیں۔ انبیاء ہمیشہ انسان ہوتے ہیں اور انسانوں کی طرف ہی آتے ہیں۔(بیضاوی وروح البیان)

۱۳۲۔ **ذٰلک** ۔یعنی ان رسولوں کا بھیجنا۔

یہاں قیامت تک کے لئے ایک اصول بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اسی وجہ سے بھیجتا ہے کہ وہ ظالم نہیں کہ بغیر متنبہ کئے لوگوں کو غفلت اور بے خبری میں ہلاک کردے ۔پس لوگ کیسے ہی غلط عقائد اور کفر و شرک میں مبتلا ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ان گناہوں کی وجہ سے ان پر عذاب استیصال نازل نہیں کرتا کہ بستیوں کی بستیاں صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔وہ اپنی رحمت سے ان پر انبیاء مبعوث فرماتا ہے جو حجت بالغہ اور براہین قاطعہ سے دنیا کو توحید و رسالت کا پیغام دیتے ہیں۔ پس نیک فطرت لوگ ایمان لے آتے ہیں جبکہ بدخصلت لوگ انبیاء اور ان کی جماعتوں پر ظلم وستم شروع کر دیتے ہیں اور ہرگز ان خدائی احکام کی طرف کان نہیں دھرتے جن کی طرف وہ مرسلین انہیں بلاتے ہیں بلکہ شوخی اور شرارت اور تکذیب انبیاء میں تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر

مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ

نہیں ہے رب تیرا ہرگز غافل اس سے جو وہ کرتے ہیں اور رب تیرا بے پرواہ

ذُوالرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ

رحمت والا ہے اگر وہ چاہے لے جائے تمہیں اور جانشین بنائے

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۤءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ

بعد تمہارے جسے چاہے جیسا کہ پیدا کیا تم کو اولاد سے اور لوگوں

اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ

کی یقیناً جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ضرور آنیوالا ہے اور نہیں ہو تم

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ

ہرگز عاجز کرنیوالے توکہدے اے قوم میری کام کرو اپنی جگہ پر یقیناً میں (بھی)

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

کام کرنیوالا ہوں پس ضرور جان لوگے تم کہ کون ہے وہ کہ ہوگا جس کے لیے انجام اس (آخری) گھر کا

دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کی جان کے درپے ہوجاتے ہیں۔پس جب حجت تمام ہو جاتی ہے تو خدا کا عذاب کبھی زلزلہ ،کبھی طاعون اور کبھی آپس کی جنگ و جدل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بستیوں کی بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔بیشک عام اصول یہی ہے لیکن کبھی نبی بھیجے بغیر بھی عذاب آتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غفلت میں ہلاک کرنا جرم ہے۔اگر وہ اپنے جرائم سے غافل نہیں۔خوب سمجھتے ہیں اور دیدہ و دانستہ ان پر مصر ہیں تو عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ بے حیائیوں سے ایڈز کا عذاب آیا۔ایسی صورت میں ضروری نہیں کہ ڈرانے والا آئے۔

۱۳۳۔اگر قوم بحیثیت مجموعی ذلالت کا شکار ہو تو بھی ان میں سے جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں۔ان کے اعمال کے مطابق ان کے درجات مقرر ہیں اسی طرح اعمالِ بد والوں کے لئے بھی ان کے اعمال کے مطابق بدلہ ہے۔

۱۳۴۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کے اعمال کی حاجت نہیں وہ بے نیاز ہے اگر چاہے تو تمہارے اعمال بد کی وجہ سے تمہیں ہلاک کردے اور جس طرح تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا اسی طرح تمہارے بعد دوسری قوم کو تمہارا جانشین مقرر کر دے ۔اگر تمہیں مٹا دے گا تو یہ ظلم نہیں ہوگا۔ تیرا رب صاحب رحمت ہے۔مہربانی اس کا شیوہ ہے۔اگر مٹا دے گا تو زمین پر جانشین مقرر فرمائے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ

یقیناً بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوں گے ظالم اور مقرر کیا انہوں نے اللہ کے لیے اس سے جو پیدا کیا اُس نے

الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ پس کہا انہوں نے کہ یہ اللہ کیلئے ہے مطابق اپنے گمان کے

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى

اور یہ شرکاء کے لیے ہے ہمارے پس جو ہوتا ہے ان کے شرکاء کے لیے تو نہیں پہنچتا طرف

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا

اللہ کی اور جو ہوتا ہے اللہ کیلئے تو وہ پہنچ جاتا ہے طرف شرکاء کی ان کے بُرا ہے وہ جو

يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

فیصلہ کرتے ہیں اور اسی طرح خوبصورت کرکے دکھلایا بہت سے مشرکوں کو

گا۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مخلوق ہی اور ہو اور تبدیلیٔ خلق کی طرف اشارہ ہو۔اس میں نبوت و حکومت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۱۳۵۔ پس غلبۂ اسلام اور منکرین کے ذلیل و رسوا ہونے کا وعدہ ضرور پورا ہوکر رہے گا اور تم اسے ہرگز روک نہیں سکتے۔

۱۳۶۔ **مکانۃ**۔ مکان۔جگہ۔حالت ۔ طاقت واستطاعت۔

اگر تم پر میرا سچا ہونا مشتبہ ہے تو تم اپنے طور پر مقدور بھر کوشش کر دیکھو اور میری مخالفت میں ہر حربہ آزما لو۔میں اپنے طریق پر کوشش جاری رکھوں گا یعنی تبلیغ و دعا سے تمہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہوں گا۔ پھر اس دنیا میں ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کس کے شامل حال ہے اور انجام کار کون کامیاب ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ گھر کا بہترین انجام کس کے لئے ہے یا یہ کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے۔فرمایا ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے یعنی تم بوجہ ظالم ہونے کے ضرور نامراد ہوگے اور آخری غلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو ہی نصیب ہوگا۔

۱۳۷۔اس آیت سے آخر رکوع تک مشرکین کے کئی مشرکانہ عقائد اور رسوم و رواج کی نشاندہی فرمائی اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کی سختی سے تلقین فرمائی۔یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا کمال تھا کہ عرب میں ان جاہلانہ رسوم کا نام و نشان تک نہ رہا۔

فرمایا کہ ان کے شرک کی حد یہ ہے کہ خدا کی پیدا کردہ پیداوار اور جانوروں میں سے بزعم خود ایک حصہ خدا کے نام کا اور ایک حصہ اپنے خود ساختہ شریکوں کے نام کا مقرر کر رکھا ہے۔ چاہیئے

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا

مار ڈالنا اپنی اولاد کا ان کے شریکوں نے تاکہ ہلاک کریں وہ انہیں اور تاکہ مشتبہ کر دیں

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

ان پر دین ان کا اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے وہ یہ (کام) پس چھوڑ انہیں

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ

اور اسے جو وہ افترا کرتے ہیں اور کہا انہوں نے کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

نہیں کھائیں گے اسے سوائے اس کے جسے ہم چاہیں مطابق اپنے گمان کے اور کچھ مویشی کہ حرام کی گئی ہیں سواری

تو یہ تھا کہ خداتعالیٰ کے نام کا حصہ اس کی مستحق مخلوق کی بہبود پر خرچ ہوتا لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان کے شریکوں کا مقرر کردہ حصہ وہ بتوں کے نذرانے کے طور پر پجاریوں اور مجاوروں کو دے دیتے اور خدا کے نام کا زیادہ تر حصہ بھی حیلے بہانے سے ان پجاریوں کو ہی پہنچا دیتے کہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔اسے بندوں سے لینے کی کیا حاجت۔اس طرح غرباء و مساکین کو یکسر محروم کر دیتے اور مجاور خوب عیش کرتے۔اس کے مقابلہ میں اسلام نے حصے مقرر فرمائے اور کسی حقدار کو محروم نہیں کیا۔

۱۳۸۔**یردوا۔ ردیٰ** ۔ہلاک کرنا جیسے **وما یغنی عنه ماله اذاتردّی** ۔(الیل:۱۲)
جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

شرک اور جہالت میں ان مشرکین کی آنکھیں اتنی اندھی ہوگئی ہیں کہ ان کے نام نہاد مذہبی رہنما اور پجاری جس طرح انہیں بے وقوف بناتے، یہ بنتے چلے جاتے۔کھیتوں اور جانوروں میں سے حصہ دیتے دیتے یہ حالت ہوگئی کہ ان میں سے ایک کثیر تعداد کو بتوں کے آستانوں پر اپنی اولاد تک قربان کر دینا اچھا لگتا۔کبھی پہلوٹھا ذبح کر دیتے، کبھی منتیں پوری ہونے پر بتوں کی خوشنودی کے لئے بیٹیوں کی قربانی دیتے۔یہ تو بیٹیوں کی قربانیاں تھیں جبکہ بعض دفعہ اپنی جھوٹی غیرت سے بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے ، کبھی دیوداسیاں بنا دیتے جو قتل کے ہی مترادف تھا۔امام راغب کے بقول اولاد کو جاہل رکھنا بھی قتل کرنا ہے۔اس طرح اصل دینِ ابراہیمی جس کے مشرکین پیرو تھے ان پر مشتبہ کر دیا یعنی اس کا انہیں کچھ اتا پتا نہ رہا اور مذہبی اجارہ دار اپنے خود ساختہ قوانین اور رسوم و قیود پر عوام کو چلاتے۔(مفہوم بیضاوی و امام رازی) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو زبردستی روک سکتا تھا۔مگر وہ جبر نہیں کرتا۔ان کا افترا یہی تھا کہ ان تمام مشرکانہ رسوم کو خدا کی طرف منسوب کرتے۔

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً

ے)، پیٹھیں انکی اور کچھ مویشی کہ نہیں ذکر کرتے نام اللہ کا ان پر جھوٹ باندھ کر

عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا

اس (اللہ) پر ضرور وہ بدلہ دے گا انہیں اس کا جو تھے وہ افتراء کرتے اور کہا انہوں نے

مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ

کہ وہ جو پیٹوں میں ہے ان مویشیوں کے خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے اور

مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ

حرام ہے ہمارے بیویوں پر اور اگر وہ (پیٹ کا بچہ) مُردہ ہو تو وہ اس میں

شُرَكَآءُ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

شریک ہیں ضرور وہ سزا دیگا انہیں (اُس) بیان کی ان کے یقیناً وہ حکمت والا خوب جاننے والا ہے

۱۳۹۔ **حُجر** ۔سخت پتھر۔ **حجر** ۔ پتھروں سے احاطہ کی ہوئی جگہ ۔روکنا۔ ممنوع قرار دینا۔ عقل کو حِجر کہتے ہیں جو نفسانی بے اعتدالیوں سے روکتی ہے۔

مشرکینِ عرب کے مذہبی رہنما یعنی پروہت وغیرہ بعض جانوروں اور کھیتیوں کو محض اپنے گمان باطل کی بنا پر حرام قرار دیتے۔جنہیں ان کی مرضی کے بغیر کوئی کھا نہ سکتا۔اسی طرح بعض جانوروں پر سواری اور بار برداری حرام قرار دے رکھی تھی اور بعض جانوروں کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہیں لیتے تھے۔۔یہ اللہ تعالیٰ پر ان کا افترا ہے یعنی ان تمام رسوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے گویا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔وہ جلد ہی ان کے جھوٹ کی سزا انہیں دے گا۔آج بھی اسلام کے دعویدار بعض نام نہاد پیر فقیر اور علماءِ سُوء مشرکانہ جہالت کا شکار ہیں اور من مانے فتوے دیتے ہیں۔ انہیں کے فیصلوں پر مدار ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ، کون مومن ہے اور کون کافر۔

۱۴۰۔ **وصف**۔ بیان کرنا صحیح اور غلط دونوں کے لئے ہے۔خوبی۔

ان کی اختراع کردہ رسوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر ان جانوروں کے پیٹوں سے زندہ بچہ پیدا ہو تو صرف مرد کھا سکتے ہیں اور ان کی عورتوں پر حرام ہے اگر مردہ بچہ پیدا ہو تو سب کھا سکتے ہیں۔ان کے خود ساختہ فتووں کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مُردار تک کھا جاتے تھے۔وہ ضرور انہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کی سزا دے گا۔(بیضاوی و روح البیان) اگر انہیں اب تک سزا نہیں ملی تو اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے وہ بہت جاننے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
یقیناً گھاٹا پایا جن لوگوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بغیر علم کے

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا
اور حرام کر لیا (اپنے پر) جو دیا تھا انھیں اللہ نے افتراء کرتے ہوئے اللہ پر یقیناً گمراہ ہوئے وہ

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ
اور نہ ہوئے ہدایت پانے والے اور وہی ہے جس نے بنائے باغات

رکوع ۱۶

مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ
ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور نہ چڑھائے ہوئے اور کھجوریں اور کھیتی کہ

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ
مختلف ہے پھل جن کا اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور

غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ
نہ ملتے جلتے کھاؤ پھل اس کا جب پھل دے وہ اور دو حق اس کا

يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
بروز کٹائی کے اس کی اور نہ اسراف کرو یقیناً وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو

۱۴۱۔ رکوع کے اختتام پر ان کے عقائدِ باطلہ کو بطور خلاصہ بیان فرمایا۔ کہ اپنی اولاد کو بیوقوفی اور جہالت سے قتل کرنا، خداتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دینا اور اسے خدا کی طرف منسوب کرنا کہ اس نے ایسا کہا ہے، یہ سراسر نقصان اٹھانا ہے۔ قتلِ اولاد میں یہ بھی ہے کہ اپنے غلط عقائد اور توہم کو اولاد میں منتقل کر کے اپنے ساتھ اپنی اولاد کو بھی ہلاک کرتے ہیں۔ بیشک یہ گمراہ ہو چکے ہیں اور ہدایت پانے والوں میں سے نہیں تھے۔

۱۴۲۔ **معروشٰت**۔ عرش۔ ڈھکی ہوئی چیز۔ مراد چھتے ہوئے انگور کے باغات جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ یعنی سہاروں سے اٹھائے جاتے ہیں۔ **غیر معروشٰت**۔ عام باغات جو چھتے ہوئے نہیں ہوتے یعنی سہاروں سے اٹھائے نہیں جاتے۔ جیسے آم یا سنگترہ وغیرہ کے باغات۔

اس رکوع میں کھول کر بتا دیا کہ دین کے جعلی ٹھیکیداروں نے جو تم پر بعض کھیتیاں اور جانور حرام کئے تھے یہ سب تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام ہے ہاں جو حرام ہے اس کی تفصیل بھی ساتھ ہی اگلے رکوع میں بتادی۔

یہ باغات جن میں بعض انگوروں کے چھتے ہوئے اور بعض دوسرے پھلوں کے عام باغات ہیں نیز کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں جن سے مختلف قسم کی پیداوار حاصل ہوتی ہے اور زیتون اور

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
اور (پیدا کئے اس نے) چارپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾
اور نہ پیروی کرو۔۔۔ قدموں کی شیطان کے یقیناً وہ تمہارے لیے دشمن ہے کھلا کھلا

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ
آٹھ جوڑے ۱ دنبہ میں سے دو اور بکری میں سے

انار جو مزے، رنگ و روپ اور اپنی تاثیروں کے لحاظ سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ نعمتیں ہیں۔ جب ان کو پھل لگیں تو ان کے پھل کھاؤ گویا سب سے پہلا حق تمہارا ہے۔ ہاں کٹائی والے دن خدا کا حق دو۔ ابن عباسؓ کے مطابق اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ اس میں بتا دیا کہ کھیتی یا پھلوں میں سے خدا کا حق نکالا جائے گا جو زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی صورت میں اس کے مستحق بندوں کو پہنچے گا، نہ کہ بتوں اور ان کے پجاریوں کو۔ فرمایا فضول خرچی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں ہر قسم کے اسراف سے منع فرمایا۔ خود ضرورت سے زیادہ رکھ لینا یا زیادہ کھا لینا یا ضائع کر دینا۔ یا سب کچھ خیرات کر دینا اور اہل و عیال کے لئے کچھ نہ رکھنا یہ سب اس میں شامل ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب جو زمین کی پیداوار سے متعلق ہے وہ عشر کہلاتا ہے اگر غلہ بارانی زمین کی پیداوار ہو تو اس پر ۱/۱۰ نہری زمین کی پیداوار پر ۱/۲۰ ہے اور پھلوں پر بھی ۱/۲۰ ہے۔ **کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر** میں لطیف رنگ میں کچے پھل توڑنے اور ضائع کرنے سے بھی منع کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں دنیا کے تمام پھلوں کے نام نہیں۔ ان پھلوں کے نام ہیں جن سے عرب واقف تھے۔ آنحضرت ﷺ اپنے تجارتی سفروں میں شام جا چکے تھے وہاں کے پھلوں کے نام سے واقف تھے لیکن قرآن کریم میں ان کا ذکر نہیں۔ پھلوں کی قسموں کا قسم کے طور پر نام لے لیا اور بتا دیا کہ کچھ ملتے جلتے ہیں اور کچھ نہیں ملتے جلتے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۴۳۔ **حمولۃً**۔ حمل سے ہے۔ اٹھانے والے۔ لادو۔ بلند قامت چوپائے۔ **فرشًا**۔ فرش۔ بچھانا۔ زمین۔ مراد زمین سے لگے ہوئے کوتاہ قد جانور بھیڑ بکری وغیرہ۔ فرش کہنے میں زمین پر لٹا کر ذبح کرنا یا ان کی اون سے فرش پر بچھانے کا سامان مہیا کرنے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ (بیضاوی ورازی) گویا یہ کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔

اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

دو تو کہدے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں اس نے یا دونوں مادہ یا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ

وہ جو مشتمل ہیں جن پر رحم دونوں مادینوں کے آگاہ کرو مجھے ساتھ علم کے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ

اگر ہو تم سچے اور اونٹنیوں میں سے دو اور گائیوں میں سے

اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

دو تو کہدے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ کہ

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۖ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

مشتمل ہوئے ہیں جس پر رحم دونوں مادینوں کے کیا تم تھے حاضر

اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

جب وصیت کی تھی تمہیں اللہ نے اس کی پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گھڑ لیا

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

اللہ پر جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر علم کے یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا

ظالم لوگوں کو تو کہدے نہیں پاتا میں اس (کلام) میں جو وحی کی گئی طرف میری کوئی حرام شدہ

ع

مشرکین کے عقائد باطلہ کو رد کرنے کے لئے بتایا کہ سب جانور ہی اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، بلند قامت لادو قسم کے جانور ہوں جیسے گھوڑا اونٹ یا بیل وغیرہ یا کوتاہ قد جانور ہوں جیسے بھیڑ بکری وغیرہ، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ان سے فائدہ اٹھاؤ اور ان میں سے کھاؤ۔ یعنی کھاؤ بھی اور دیگر ضروریات کے لئے بھی رکھو۔ سب کچھ کھا کر ختم نہ کردو۔ ہاں شیطان کی پیروی نہ کرو۔ گویا پروہت اور پجاریوں کو شیطان کہا جنہوں نے اپنی حدود و قیود مقرر کی ہوئی تھیں جس کو چاہتے حرام کہتے جس کو چاہتے حلال قرار دیتے بلکہ اپنے حصے تک مقرر کئے ہوئے تھے۔

۱۴۴۔۱۴۵۔ **زوج**۔ نر و مادہ میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ آٹھ ازواج ہیں۔ آٹھ ازواج سے مراد چار نر اور چار مادہ۔ **امّا اشتملت علیه ارحام الانثیین** ط وہ بچے کہ مشتمل ہوئے ان پر بچہ دان دونوں مادنیوں کے یعنی وہ بچے جو ان دونوں مادنیوں کے پیٹ میں ہیں۔

چونکہ مشرکین کے نام نہاد مذہبی اجارہ دار پجاری اور پروہت وغیرہ جس طرح اپنے خود ساختہ قوانین کے تحت بعض جانوروں سے فائدہ اٹھانا حرام قرار دیتے اسی طرح بعض نر کو اور بعض

عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

(چیز) کسی کھانے والے پر جو کھائے اُسے سوائے اسکے کہ ہو وہ مردار یا خون

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ

بہایا ہوا یا گوشت سور کا پس یقیناً وہ ناپاک ہے یا نافرمانی کے طور پر ہو کہ پکارا گیا ہو

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ

(نام) غیر اللہ کا اس پر پس جو لاچار ہوا سوائے چاہنے والے کے اور سوائے حد سے بڑھنے والے کے تو

رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ

یقیناً رب تیرا بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے حرام کیا تھا ہم نے ہر

مادہ کو اور بعض حالات میں پیدا ہونے والے بچے کو کھانا بعض کے لئے حرام قرار دیتے۔ اس لئے خوب کھول کر بتایا کہ آٹھ نر و مادہ ہیں دو بھیڑوں میں سے دو بکریوں میں سے دو اونٹوں میں سے اور دو گائیوں میں سے۔ فرمایا کہ ان احمقوں سے پوچھو کہ کیا یہ نر حرام ہیں یا مادہ یا وہ جو مادنیوں کے رحموں میں ہیں اور اگر تم سچے ہو تو کسی علم کی بنا پر بتاؤ۔ علم کی بنا پر بتانا کسی الہامی کتاب کی رو سے بتانا تھا۔ مشرکین آپؐ کے پہلے مخاطب تھے جن کے پاس کوئی الہامی کتاب نہیں تھی۔ ان کے پروہت وغیرہ جاہل تھے جو جاہل عوام کو گمراہ کر رہے تھے نیز ان سے پوچھو کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا۔ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو جھوٹی باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرے تاکہ لوگوں کو بغیر کسی علم کے گمراہ کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ گویا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ظلم ہے۔

۱۴۶۔ مشرکین کے عقائد باطلہ کے رد کے بعد اب اس رکوع میں حلال اور حرام کی تفصیل بیان فرمائی۔

مشرکین تو اپنے توہمات اور خودساختہ حدود و قیود کی بنا پر بعض چیزوں کو حرام اور بعض کو حلال قرار دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حرمت کی بنیاد انسان کی بھلائی پر رکھی جو چیز اخلاقی، روحانی اور جسمانی لحاظ سے مضر تھی اسے حرام قرار دیا۔ فرمایا اے محمدؐ آپؐ بتا دیجئے کہ مجھ پر نازل کردہ وحی کے مطابق سوائے مردار یا بہتے ہوئے خون اور سؤر کے گوشت کے کوئی چیز حرام نہیں اور یہ بوجہ نجس و ناپاک ہونے کے حرام ہیں اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ بوجہ فسق و نافرمانی حرام ہے۔ کیونکہ غذاؤں میں بھی کسی قسم کی مشرکانہ رسوم کی اجازت نہیں۔ ہاں بحالت اضطرار جائز ہے بشرطیکہ نہ باغیانہ ذہنیت کا مالک ہو نہ حد سے گزرنے والا ہو۔ گویا انتہائی مجبوری میں کھانے کا مقصد محض

ذِي ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ

ناخن والا جانور اور گائیوں میں سے اور بکریوں میں سے حرام کیں ہم نے ان پر چربیاں ان کی

إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَآ أَوِ الْحَوَايَآ أَوْ مَا اخْتَلَطَ

سوائے اس (چربی) کے جو اُٹھائی پیٹھوں نے ان کی یا انتڑیوں نے یا جو (چربی) مل جل گئی

بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۱۴۶﴾

ساتھ ہڈی کے یہ سزا دی ہم نے انہیں بسبب سرکشی کے انکی اور یقیناً ہم ضرور سچے ہیں

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ

پس اگر وہ جھٹلائیں تجھے توکہدے رب تمہارا رحمت وسیع والا ہے اور

لَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُولُ

نہیں روکا جاتا عذاب اس کا مجرم لوگوں سے ضرور کہیں گے وہ

الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا

لوگ جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ

اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز اسی طرح تکذیب کی ان لوگوں نے جو

موت سے بچنا ہو۔اللہ تعالیٰ تو بہت بخشنے والا اور باربار رحم کرنے والا ہے۔تمہاری اس کمزوری کو معاف فرمائے گا۔(تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ بقرہ: ۱۷۴سورۃ مائدہ: ۴) بہتا ہوا خون حرام کہہ کر بتا دیا کہ خون کا کچھ حصہ ذبح کے وقت گوشت میں رہ جاتا ہے جو حرام نہیں کیونکہ اس کے مضر اجزا گوشت پکانے اور بھوننے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

۱۴۷۔**الشحم** ۔چربی۔اسی سے لحیم و شحیم ہے۔موٹا تازہ۔

یہود کا اعتراض تھا کہ جو چیزیں ایک وقت اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی تھیں وہ اب حلال کیسے ہوگئیں۔ان کو بتایا کہ جس طرح بیمار شخص کو بعض دفعہ وقتی طور پر کچھ چیزوں کی پرہیز بتائی جاتی ہے اسی طرح یہود کو ان کی سرکشیوں کی وجہ سے وقتی طور پر بطور علاج اور سزا بعض حلال چیزوں سے منع کیا گیا۔جیسے تمام ناخن والے جانور اور جانوروں کے بعض حصوں کی چربیاں وغیرہ بعد میں ان کے مذہبی اجارہ داروں نے ان کو ہمیشہ کے لئے اپنا کر توریت میں داخل کرلیا اور انہوں نے مذہب میں ازخود بھی بہت سی تحریف کی۔ہم یقیناً سچے ہیں یعنی حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔

۱۴۸۔اگر یہ تیری تکذیب سے باز نہ آئیں تو اللہ بڑی وسیع رحمتوں والا ہے۔پس ایمان لے آئیں تو اس میں سے حصہ پائیں گے۔اگر ایمان نہ لائیں تو بھی اس کی رحمت انہیں مہلت

قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوا بَأْسَنَا ۚ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

پہلے تھے ان سے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے عذاب ہمارا توکہدے کیا ہے پاس تمہارے کوئی

عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۚ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

علم؟ کہ نکالو تم اُسے ہمارے لیے نہیں پیروی کرتے تم مگر ظن کی اور نہیں

أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ

تم مگر اٹکل کرتے توکہدے پس اللہ کے لیے ہے حجت پوری

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ

پس اگر وہ چاہتا البتہ ہدایت دیتا تم کو سب کو توکہدے لاؤ گواہ اپنے

الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَإِنْ شَهِدُوا

وہ جو کہ گواہی دیں کہ یقیناً اللہ نے حرام کیا ہے اُسے پس اگر گواہی دیں

دے گی لیکن آپؐ پر ایمان نہ لانا ایسا جرم ہے کہ آخر اس کی سزا وہی ہوگی جو مجرموں کو ملتی ہے اور کبھی نہیں ٹلے گی۔

۱۴۹۔ چونکہ شرک اور ان کے خود ساختہ حرام و حلال کے جواز میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اس لئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی تو ہم یا ہمارے آباء و اجداد کبھی شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔اس اعتراض کے چار جواب دیئے۔اوّل جب تمہارے بڑوں کو روکا تو انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا۔ دوئم اگر شرک خدا کو پسند ہوتا تو اس کے جرم میں سزا کیوں دیتا جیسا کہ تمہارے بڑوں پر انبیاء کی تکذیب پر عذاب آئے۔سوئم کوئی علمی یا عقلی دلیل ہے تو پیش کرو کہ خدا نے کبھی کسی نبی کے ذریعہ شرک کی تعلیم دی ہو۔ ظاہر ہے کہ علمی دلیل تو کیا دیں گے۔البتہ گمان اور اٹکلیں ضرور ہیں کہ شاید یہ کہا ہو یا وہ کہا ہو۔چوتھی دلیل اگلی آیت میں ہے۔

۱۵۰۔ان کے بودے دلائل کے مقابلہ میں ملحقہ آیات میں دلائل دیئے اب فیصلہ کن اور قطعی دلیل جو کمال تک پہنچی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے زبردستی شرک سے روکنا ہوتا تو زبردستی ہدایت کی طرف تم سب کو مجبور کیوں نہ کرتا جس میں اس کی رضا ہے۔چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمیں شرک سے بزور کیوں نہیں روکا۔اس کا روکنا اسی طرح ہے کہ انبیاء مبعوث کرتا ہے جو لوگوں کو بدی سے روکتے اور ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔

۱۵۱۔ **هَلُمَّ**۔کسی کو بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔تم آؤ۔

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

تو نہ گواہی دیجیو ساتھ ان کے اور نہ پیروی کیجیو خواہشات کی ان لوگوں کی جنہوں نے تکذیب کی

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ

ہماری آیات کی اور نہ ان لوگوں کی جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کیساتھ

يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

ع ۱۸ ۵

شریک ٹھہراتے ہیں تو کہدے آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا رب تمہارے نے تم پر

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا

یہ کہ نہ شریک بناؤ ساتھ اسکے کسی کو اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرو اور نہ

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ

قتل کرو اولاد اپنی کو بوجہ عزبت کے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا

اور نہ قریب جاؤ برائیوں کے جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں اور نہ

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ

قتل کرو اس نفس کو کہ جسے حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے یہ وہ بات ہے کہ اس (اللہ) نے

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

تاکید کی ہے تمکو اسکی تاکہ تم عقل سے کام لو اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر

اب اتمام حجت کے طور پر کہا کہ انہیں کہو کہ اپنے گواہوں کو بلائیں جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ یہ حرام کیا ہے۔ اگر وہ ایسی جھوٹی گواہی دے دیں تو تم ہرگز ان کی گواہی کی تصدیق نہ کرنا اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جنہوں نے ہمارے دلائل و احکام کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ بھلا ایسے لوگ وحی الٰہی سے کس طرح مشرف ہو سکتے ہیں۔ پس اس سے واضح ہوگیا کہ مشرکین کے رسوم و عقائد خود تراشیدہ ہیں نہ کہ وحی الٰہی کے تابع۔

۱۵۲۔ اس رکوع میں بتایا کہ اسلامی تعلیم محض غذاؤں کے حلال و حرام تک محدود نہیں، بلکہ عملی زندگی میں ہر برائی سے بچنا اور نیکیوں پر گامزن ہونا ہی اسلام ہے۔ اس رکوع کی پہلی تین آیات میں وہی دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئے۔ (کعب احبارؒ) مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہی آیاتِ محکمات ہیں جن کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے۔ جس پر آدمؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی شریعتیں متفق ہیں۔ ان میں کوئی چیز کسی مذہب اور کسی

شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔ (تفسیر بحرمحیط) سب سے پہلے شرک سے منع فرمایا۔ مشرک بھی خدا جیسا کسی کو نہیں مانتے البتہ اس کی صفات و افعال اور تعظیم میں شرک کرتے ہیں حالانکہ شرک تو ہر رنگ میں حرام ہے خواہ ظاہری شرک ہو یا شرکِ خفی۔ غرض کسی کو حاجت روا ماننا یا کسی کام کو اس سے منسوب کرنا یا رکوع و سجدہ کی طرح کسی کی تعظیم بجا لانا، جیسا کہ آجکل مزاروں پر ہو رہا ہے۔ یہ سب حرام ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس وصیتیں فرمائیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔ دوسری یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی و دلآزاری نہ کرو خواہ وہ تمہیں حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو (مسند احمد) آنحضرت ﷺ نے شرک اور والدین کی نافرمانی کو سب سے بڑے گناہوں (گناہ کبیرہ) میں سے بتایا (بخاری بروایت حضرت ابو بکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) پس خدا کے بعد پہلا حق والدین کا ہے۔ اللہ کے بعد اگر کسی کی اطاعت کا حکم ہے تو وہ والدین ہیں۔ اس میں ایک باریک نکتہ ہے کہ نہ خدا کے برابر کسی کو سمجھو نہ ماں باپ کے برابر۔ فرمایا ان پر احسان کرو یعنی ان کے حق سے زیادہ انہیں دو۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ذلیل ہوگیا، ذلیل ہوگیا، ذلیل ہوگیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون ذلیل ہوگیا؟ فرمایا! وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ میں سے ایک کو بڑھاپے کے زمانے میں پایا اور پھر وہ (ان کی خدمت میں کوتاہی کی وجہ سے) جنت میں داخل نہ ہوسکا (صحیح مسلم) ماں باپ کے بعد اولاد کا حق ہے۔ اس لئے تیسرا حق ان کا بتایا اور قتل اولاد سے منع فرمایا کہ مفلسی کی وجہ سے انہیں قتل نہ کرو۔ تمہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں، انہیں بھی۔ پس خاندانی منصوبہ بندی (Family Planning) اس لئے کرنا کہ ان کو کھلائیں گے کہاں سے؟ یہ حرام ہے۔ اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ ہاں بعض جائز وجوہ کی بنا پر فیملی پلاننگ جائز ہے۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کمزور و ضعیف بندوں کے طفیل اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ گویا کمزور و ناتواں بچوں کے طفیل والدین کو رزق ملتا ہے اور ضعیف والدین کے طفیل ان کی اولاد کو رزق ملتا ہے (ترمذی کتاب الجہاد۔ باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین) قتل اولاد میں اولاد کی پرواہ نہ کرنا، ان کی تعلیم و تربیت، صحت اور جائز ضروریات پر صحیح توجہ نہ دینا، شفقت و محبت سے پیش نہ آنا اور ان کے درمیان عدل نہ کرنا، یہ سب شامل ہے۔ چوتھا حکم یہ دیا کہ بے حیائی اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ ظاہری ہو یا چھپی ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرماتے ہیں کہ قتل اولاد کے ساتھ فواحش کا ذکر کرنے میں یہ سر تھا

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

ساتھ (اس) طریق کے کہ جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی مضبوطی کو اور پورا کرو ماپ

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ

اور تول ساتھ انصاف کے نہیں ذمہ دار قرار دیتے ہم کسی نفس کو مگر مطابق طاقت کے اسکی اور

اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

جب بات کرو تم تو انصاف کرو اور اگرچہ ہو رشتہ دار اور عہد اللہ کا

اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ

پورا کرو یہ وہ بات ہے کہ اس نے تاکید کی تم کو جس کی تا کہ تم نصیحت پکڑو اور یقیناً

کہ فواحش کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔اس کے قتل کو بھی روکا۔ناجائز اولاد کا حق عام انسانوں سے کم نہیں۔اس لئے کہ اس بچے کا کوئی قصور نہیں۔ ظاہری بدکاری میں ڈاکا ، چوری ، قتل، جھوٹ ، جھوٹی گواہی ، کسی کی ہتک و دلشکنی ، لڑائی جھگڑے ، آجکل کی فحش فلمیں، فحش لٹریچر، فحش محفلیں اور ہر قسم کے علی الاعلان گناہ سب شامل ہیں۔ باطنی بدکاری میں زنا، بدنظری ، حسد و بغض، لالچ ، کینہ ، جاسوسی ، عداوت ، ناشکری و بے صبری اور رشوت وغیرہ ہے۔ غرض ہر وہ گناہ جو چھپ کر کیا جاتا ہے اس میں شامل ہے۔ قریب تک نہ جانے کا حکم اس لئے دیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جو رکھ کے گرد چرائے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔(رواۃ النسائی صفحہ ۲۰۳ جلد ۲ وسائر اصحاب السنن۔۱۲) پانچواں حکم یہ دیا کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ سوائے اس کے کہ اس کا قتل شریعت یا قانون کے تحت ہو۔ان احکام کی تمہیں وصیت کی جاتی ہے تا کہ تم عقل سے کام لو اور جہالت کی باتوں کو چھوڑ دو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کا وصیت نامہ دیکھنا چاہے جس پر ان کی مہر ہو وہ ان آیات کو پڑھ لے ان میں وہ وصیت موجود ہے جو آپ نے بحکم خدا امت کو دی۔(تفسیر ابن کثیر)

۱۵۳۔ چھٹا حکم یہ کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی اور سمجھ بوجھ کی عمر کو پہنچ جائے یعنی جب اس میں مال سنبھالنے کی صلاحیت دیکھو تو لوٹا دو۔سوائے اس کے کہ اس کی بھلائی اور خیر خواہی مدنظر ہو۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! تین قسم کے آدمی ہیں جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں مگر ان کی فریاد سنی نہیں جاتی۔ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔حضرت عمر بن شعیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ خبردار جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو اور یتیم کے پاس مال ہو تو اس سرپرست کو

چاہئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے اور بغیر تجارت اسے نہ چھوڑے ورنہ زکوٰۃ اسے کھا جائے گی۔ (ابو داؤد) ساتویں حکم میں ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے پورے دینے کا حکم دیا گویا معاشی معاملے میں عدل پر قائم رہو۔ کمی صرف ماپ تول میں ہی نہیں ہوتی بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں پورا حق ادا نہ کرنا یا اس میں کمی کرنا اس میں شامل ہے (امام مالکؒ) پس آقا ہو یا ملازم یا کوئی اور کسی کا بھی حق ادا کرنے میں کوتاہی کرنا خدا کے نزدیک جرم ہے۔ آنحضرت ﷺ تو ہمیشہ حق سے زیادہ دیتے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جو انسان کے لئے تکلیف کا باعث ہو یعنی اگر ایمانداری کے اصولوں پر مبنی لین دین لوگوں پر شاق گزرتا ہے تو یہ خدا کی طرف سے اتنا ہی بوجھ ہے جو ان کی استطاعت میں ہے ان کے ساتھ زیادتی نہیں۔ بیشک ایک ایماندار تاجر شروع میں زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتا لیکن اس کی ایمانداری دور رس نتائج پیدا کرتی ہے اور اس کی ساکھ اسے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیتی ہے اور وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ آٹھواں حکم یہ ہے کہ جب کوئی بات کہو تو عدل کے ساتھ کہو۔اس میں عام لوگوں سے لے کر تمام قاضی حضرات شامل ہیں۔ان کے کسی فیصلہ کی زد میں خواہ ان کے قریبی آتے ہوں اور انہیں نقصان پہنچتا ہو لیکن عدل سے کام لینے کا حکم دیا ۔ غرض جو بات بھی کسی کے منہ سے نکلے اس پر قدغن لگا دی کہ اس میں کسی قسم کی کوئی ناانصافی نہ ہو خواہ کوئی قریبی ہی کیوں نہ ہو ۔اس طرح جھوٹ ، غیبت ، دلشکنی ، جھوٹی گواہی سب سے منع فرمایا۔ نواں حکم اللہ کے عہد کو پورا کرنا ہے۔اس میں تمام قرآنی احکام اور اوامر و نواہی شامل ہیں خواہ وہ بذریعہ انبیاء بتائے گئے ہوں یا انسانی سرشت میں رکھے گئے ہوں۔

لوگ مال کے معاملہ میں اکثر کمزوری دکھاتے ہیں۔اس آیت میں سب سے پہلے یتیم کے مال میں احتیاط کا حکم دیا پھر اپنے مال میں ماپ تول اور دیگر طریقوں سے بے ایمانیوں کو روکا۔اس کے بعد ہر قول میں عدل کا حکم دیا خاص طور پر جھوٹی گواہیوں سے دوسروں کے مال اینٹھنے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد میں تو تمام احکام شامل ہیں، چونکہ مال کے معاملے میں اکثر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اس لئے فرمایا کہ یہ وہ امر ہے جس کی وہ تمہیں سخت تاکید کرتا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

۱۵۴۔ان نو احکام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد بیان کرنے کے بعد اس آیت میں دسواں حکم دیا کہ میرا سیدھا راستہ یقیناً یہی ہے۔پس اس کی پیروی کرو اور مختلف راستوں کی پیروی

هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہ راہ میری سیدھی ہے پس پیروی کرو اس کی اور نہ پیروی کرو مختلف رستوں کی

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

ورنہ جُدا کردیں گے وہ تم کو راہ سے اس کی یہ وہ بات ہے کہ اس نے تاکید کی تم کو جس کی تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٤﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ

متقی بنو پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب مکمل اس شخص پر

اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ

جس نے احسان کیا اور تفصیل ہر بات کی اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ

بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٥﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ

ملنے پر رب اپنے کے ایمان لائیں اور یہ کتاب (قرآن) اُتارا ہم نے اسے

ع ۱۹

مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اَنْ

مبارک ہے پس پیروی کرو اسکی اور تقویٰ کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ ایسا نہ ہو

تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠

کہ کہدو تم کہ صرف اتاری گئی کتاب دو جماعتوں پر پہلے ہم سے

نہ کرو۔ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ادھر ادھر کردیں گے۔ گویا خدا تعالیٰ سے دور جا پڑو گے۔ پس یہی وہ امر ہے جس کی تمہیں تاکیدی نصیحت کرتا ہے تاکہ تم متقی بنو۔ گویا تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچنے کا یہی طریق ہے۔

۱۵۵۔فرمایا! اسی طرح کے احکام پر مبنی ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب دی تھی۔ اس کتاب کی غرض یہی تھی کہ جو شخص احسان کی روش اختیار کرے اس پر نعمت پوری کرے نیز ہر شے کی وضاحت کے لئے تھی اور بطور ہدایت و رحمت تھی تاکہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ دنیا میں بھی لقاء الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور آخرت میں بھی۔

۱۵۶۔**مبٰرک۔برک**۔حوض یا بارش کا پانی۔ یعنی ایسی خیر و برکت جس میں غیر محسوس طور پر زیادتی ہوتی ہو۔ بیشک موسیٰؑ کی کتاب اُس زمانہ کے لحاظ سے کامل تھی اور ان کی رہنمائی کے سب سامان اس میں موجود تھے لیکن وہ ہمیشہ کے لئے نہیں تھی اور نہ اب اپنی اصل حالت میں ہے۔ اب یہ کتاب ہم نے اتاری ہے جو مبارک ہے۔ مبارک میں اشارہ ہے کہ اس کی برکتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی اور ہمیشہ بڑھتی رہیں گی۔ پس اس کی کامل اتباع کرو اور تقویٰ کی باریک راہوں کو اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر رحمت خداوندی کے دروازے کھولے جائیں گے۔

وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

اور یقیناً تھے ہم پڑھنے سے ان (اہل کتاب) کے البتہ غافل یا کہدو تم کہ اگر

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ

اُتاری جاتی ہم پر کتاب البتہ ہوتے ہم زیادہ ہدایت والے اُن سے پس یقیناً آیا تمہارے پاس

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

کھلا ثبوت طرف سے تمہارے رب کی اور ہدایت اور رحمت پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے

كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ

تکذیب کی اللہ کی آیات کی اور اعراض کیا ان سے ضرور بدلہ دیں گے ہم ان لوگوں کو جو

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

اعراض کرتے ہیں آیات سے ہماری بُرا عذاب بسبب اس کے کہ تھے

يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٨﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

وہ اعراض کرتے نہیں وہ انتظار کرتے مگر یہ کہ آویں ان کے پاس فرشتے یا

يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۚ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ

آوے رب تیرا یا آویں بعض نشان تیرے رب کے جس دن آویں گے بعض

اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ

نشان تیرے رب کے نہیں نفع دیگا کسی نفس کو ایمان اس کا کہ نہیں تھا ایمان لایا

۱۵۷۔یہود اور نصاریٰ کے پاس شریعت کی کتاب کو دیکھ کر کفارِ عرب کو ضرور خواہش ہوتی ہوگی کہ ہمیں بھی کوئی آسمانی کتاب ملتی کیونکہ وہ ان کتابوں کو پڑھنے سے بے خبر رہے۔ اس لئے کہ وہ کتابیں عربی میں نہیں تھیں نہ ان کا ترجمہ کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ان کا پڑھنا صرف علماء تک ہی محدود تھا۔ یہاں صاف بتادیا کے دونوں گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس شریعت کی ایک ہی کتاب تھی۔ انجیل شریعت کی کتاب نہیں تھی نہ حضرت عیسیٰؑ صاحب شریعت نبی تھے۔ (متی ۵ آیت ۱۷) ہاں پڑھنے کے تعلق میں کتاب کی بجائے کتابیں کہا کیونکہ پڑھی دونوں کتابیں جاتی ہیں۔ جبکہ بائبل مختلف انبیاء کی ٦٦ الہامی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

۱۵۸۔یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اب مسلمان یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ ساتھ ہی متنبہ کردیا کہ اگر روشن دلائل اور ہدایت و رحمت کے آجانے کے بعد بھی آیات الٰہی کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیرا اور ایمان نہ لائے تو ایسے ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا
پہلے سے یا نہیں کی تھی اپنے ایمان میں کوئی نیکی توکہہ انتظار کرو یقیناً ہم
مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
انتظار کرنیوالے ہیں یقیناً وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہو گئے
شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ
کئی فرقے نہیں ہے تیرا تعلق ان سے کچھ بھی سوائے اس کے نہیں کہ معاملہ ان کا طرف اللہ کے ہے
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ
پھر وہ آگاہ کریگا انہیں اس پر جو تھے وہ کرتے جو شخص لائے گا نیکی

۱۵۹۔ان کی فرمائشیں کہ فرشتے آئیں یا تیرا رب خود آئے یا ان کے مطلوبہ قہری نشان ظاہر ہوں،ان سب سے مراد عذاب کا آنا ہی ہے۔(بیضاوی ورازی وروح البیان)چونکہ کفار اور مشرکین قہری نشان مانگتے تھے جیسے کہ پہلی قوموں پر آئے۔ اس لئے فرمایا کہ جب تیرے رب کے بعض نشان ظاہر ہوں گے، اس وقت نہ ایمان لانا فائدہ دے گا اور نہ وہ ایمان فائدہ دے گا جس سے ایمان لانے والے مومن نے خیر حاصل نہ کی ہو۔ گویا زبانی ایمان لانا اور کوئی نیکی نہ کمانا، یعنی اعمال صالحہ بجا نہ لانا ایمان نہ لانے کے مترادف ہے۔تمام نشانات دیکھ لینے کے بعد بھی اندھے ہو تو انتظار کرو یقیناً ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”جب بعض نشان ظاہر ہوں گے تو اس دن ایمان لانا بے سود ہوگا اور جو شخص صرف نشان دیکھنے کے بعد ایمان لایا ہے اس کو وہ ایمان نفع نہیں دے گا“۔(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵)موت کے وقت تو فرعون کو بھی خدا نظر آ گیا تھا۔مگر اس وقت توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔

۱۶۰۔ابھی نام کے مومنین کا ذکر تھا۔ساتھ ہی ان مومنین کا ذکر کیا جنہوں نے دین میں فرقہ بندیاں کیں ، نئی نئی راہیں نکالیں اور غلط راستوں کو اختیار کیا۔ یہاں گذشتہ انبیاء کی امتیں مراد ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی امت کے متعلق پیشگوئی ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ میری امت پر بھی وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے۔ ان میں ایسی مطابقت ہوگی جیسے ایک پاؤں کے جوتے کو دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے اگر کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تو میری اُمت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئے گا۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى
تو اس کیلئے دس اس جیسی ہیں اور جو لائے گا بدی تو نہ بدلہ دیا جائیگا
اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ
مگر اس جیسا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے تو کہدے یقیناً ہدایت دی مجھے میرے رب
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
نے طرف راہ سیدھی کی (جو) دین ہے مضبوط مذہب ابراہیم

تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا ناجی فرقہ کونسا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہؓ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔ (ترمذی کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ ۲/۸۹) فرمایا تیرا ان سے کچھ تعلق نہیں یعنی تو ان سے بری ہے۔ان کا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔کہ انہیں دنیا میں سزا دے یا آخرت میں اور وہی جانتا ہے کہ ان میں سے انفرادی طور پر کتنے بے گناہ ہیں۔وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر کر دے گا۔یعنی بے خبری میں پکڑے نہیں جائیں گے۔

۱۶۱۔آخرت کی جزا و سزا کی وضاحت فرمائی کہ نیکی تو ایک بیج ہے جو بڑھتی ہی جائے گی جس کا اجر کم ازکم دس گنا ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ جو ایک نیکی بھی پیش کرے گا اس کے لئے اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔یعنی وہ دس اور نیکیوں کی توفیق پائے گا۔یہ کم ازکم اجر ہے۔انتہا کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔جیسا کہ بتلایا کہ دانہ سات سو گنا تک بڑھتا ہے۔چاہے تو اور بھی بڑھا دے۔جبکہ بدی کی سزا زیادہ سے زیادہ اس بدی کے برابر ہوگی یا اس سے کم یا رحمت خداوندی سے بالکل ہی معاف ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب میں دوں گا اور اگر وہ برائی کرتا ہے تو اس کو اس برائی کے برابر سزا دوں گا یا اسے بخش دوں گا۔جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہوتا ہے میں دو گز اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے قریب چلتے ہوئے آتا ہے میں اس کے قریب دوڑتے ہوئے جاتا ہوں۔ اگر کوئی شخص دنیا بھر کے گناہ لے کر میرے پاس آئے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اس کے ساتھ اتنی ہی بڑی مغفرت اور بخشش سے پیش آؤں گا اور اسے معاف کر دوں گا۔(مسلم کتاب الذکر والدعا۔ باب فضل الذکر)

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ

موحد کا اور نہ تھا وہ مشرکوں میں سے تو کہدے یقیناً نماز میری اور

نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَا شَرِيْكَ

قربانی میری اور زندگی میری اور موت میری اللہ رب العالمین کے لیے ہے نہیں ہے کوئی شریک

۱۶۲۔**حنیفا۔ حنیف**۔یکسو۔ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کی طرف جھکنے والا۔

تمام انبیاء ہی صراط مستقیم پر تھے اور ان کا اصل دین توحید ہی تھا لیکن یہاں ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا خاص ذکر کیا کیونکہ سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دعا اور آپ کی نسل سے تھے نیز یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب آپ کو اپنا بزرگ مانتے تھے اور آپ کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے۔اس لئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! تو کہہ کہ یقیناً میرے رب نے مجھے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی ہے۔یہاں بتایا کہ صراط مستقیم آنحضرت ﷺ کی راہ ہے۔میں تو اسی مضبوط و محکم دین پر قائم ہوں جو ابراہیمؑ کا مسلک تھا وہ ابراہیمؑ جو سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک گیا تھا اور مشرکوں سے اس کا ہرگز کوئی تعلق نہیں تھا۔بتایا کہ اس وقت ملت ابراہیمی پر صرف مسلمان ہیں جن کا اصل دین توحید ہے اور جو شرک سے سخت بیزار ہیں۔

۱۶۳۔ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میری عبادت ، میری قربانی ، میرا جینا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے۔صرف جھکاؤ کی بات نہیں۔میں تو کلیتہً خدا کا ہوچکا ہوں۔ میرا تو اپنا کچھ بھی نہیں۔پس جو میری پیروی کرنا چاہے وہ اپنا تمام وجود خدا کی راہ میں وقف کر دے۔اس طرح کہ اس کے تمام اعمال خدا کے لئے ہو جائیں اور اپنے نفس سے بالکل کھویا جائے۔اس کی مرضی خدا کی مرضی ہو جائے۔اس کے تمام جوارح ، تمام قویٰ اور عقل اور فکر اور اس کی تمام طاقتیں اسی راہ میں لگ جائیں تب اس کو کہاجائے گا کہ وہ محسن ہے یعنی اس نے فرمانبرداری کا حق ادا کر دیا۔(جنگ مقدس صفحہ ۷۔۸ پرچہ ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء) یہ جو فرمایا کہ میرا جینا مرنا اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اس میں اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہان کی بھلائی کے لئے اور اس کے بندوں کو نجات اور آرام دینے کے لئے ہے۔(ریویو آف ریلیجنز جلد ۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۸۲۔۱۸۳) پس آنحضرت ﷺ نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے اپنی جان کو وقف کر دیا، دعا کے ساتھ ، تبلیغ کے ساتھ اور ان کے جور و جفا اٹھانے کے ساتھ اور ہر مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا۔(تقریر جلسہ مذاہب صفحہ ۱۳۷)

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر کی روشنی میں)

لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ قُلْ اَغَيْرَ

اس کا اور اسی بات کا حکم دیا گیا ہوں میں اور سب سے پہلا مسلمان ہوں تو کہدے کیا غیر کو

اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

اللہ کے میں چاہتا ہوں رب حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا اور نہیں کماتا کوئی

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى

نفس مگر اپنے پر ہی اور نہیں بوجھ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا بوجھ کسی کا پھر طرف

رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

اپنے رب کی لوٹنا ہے تمہارا پھر وہ آگاہ کرے گا تم کو اس سے کہ تھے تم جس میں

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

اختلاف کرتے اور وہی ہے جس نے بنایا تم کو جانشین (پہلوں کا) زمین میں

۱۶۴۔اس کا کوئی شریک نہیں۔توحید کے اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔بیشک پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سبقت رکھتے تھے لیکن اب میں اوّل المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتدا سے اس کے اخیر تک (خدا کی نظر میں) میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جس نے عشق الٰہی میں خود کو اس طرح فنا کیا ہو۔پس اسلام اور ایمان میں دوسروں کو میرا اقتدا کرنا چاہئے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۶۲۔۱۶۴)

۱۶۵۔اے پیغمبر ﷺ تو ان سے کہہ دے کہ جب ہر چیز رب کی ہی پیدا کردہ ہے تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب بنا لوں۔ کیا مشرکوں کی طرح ان بتوں کو ، یا نصاریٰ کی طرح مسیحؑ کو۔ پھر نصاریٰ کے باطل عقیدے کا رد کیا کہ خدا کے بیٹے نے صلیب کی لعنتی موت قبول کر کے بدکاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔فرمایا ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے جہاں تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔

۱۶۶۔یہ مکی زمانہ کی قریباً آخری سورت ہے جبکہ کفار و مشرکین کے ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔پیارے رسول اکرم ﷺ پناہ کی تلاش میں طائف پہنچے تو پتھروں سے لہولہان واپس آئے (جامع الصغیر للسیوطی) غرض اس مٹھی بھر جماعت پر اللہ کی زمین تنگ ہوگئی تھی۔ایسے ہی پر آشوب حالات میں اس سورۃ کو اس زبردست پیشگوئی پر ختم کیا کہ اب خلافت اور حکومت رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کو ملنے والی ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دی جائے گی تا کہ جو کچھ انعامات خداوندی

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۶﴾

اور بلند کیا بعض تمہارے کو اوپر بعض کے درجوں میں تاکہ آزماوے تم کو اس میں جواس نے دیا تم کو یقیناً رب تیرا جلد دینے والا ہے سزا اور یقیناً وہ البتہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

اس نے تمہیں عطا کئے ان میں تمہاری آزمائش کرے۔خدائی انعامات میں حکومت و طاقت ، جاہ و جلال اور دبدبہ، جسمانی و دماغی استعدادیں اور صلاحیتیں غرض کہ ہر عطائے خداوندی شامل ہے۔ پس ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق جوابدہ ہوگا۔اگر اس حکومت و اقتدار سے غلط فوائد حاصل کئے اور مخلوق خدا سے ظلم و زیادتی اور ناانصافی ہوئی تو یاد رکھ تیرا رب بہت جلد پکڑتا ہے۔جلد پکڑ میں دنیا کی سزا کی طرف اشارہ ہے۔گویا یہ حکومتیں مٹادی جائیں گی۔ہاں عدل و انصاف اور مخلوق خدا پر بلاامتیاز مذہب و ملت بھلائی کے لئے سرگرم عمل رہوگے تو اپنے رب کو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پاؤگے گویا جب تک ان اصولوں پر کاربند رہوگے حکومت تمہارے پاؤں چومے گی۔ اس طرح قیامت تک کے لئے تقدیر امم لکھ دی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَتَانِ وَّسَبْعُ اٰيٰتٍ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ الاعراف۔یہ مکی سورۃ ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی دو سو سات آیات ہیں اور چوبیس رکوع ہیں

یہ سورۃ بھی سورۃ انعام کی طرح مکی زمانے کی آخری سورتوں میں سے ہے جو ہجرت کے قریب نازل ہوئیں۔

اس سورۃ میں کچھ لوگوں کا ذکر ہے جو اعراف پر ہوں گے۔ اِسی مناسبت سے اس کا یہ نام ہے۔مکی سورتوں میں عام طور پر توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان کا تفصیلی ذکر ہے نیز پچھلی اُمتوں کے واقعات ہیں جن سے آپ ؐ کو تسلی دینا مقصود تھا اور یہ بتانا بھی کہ یہی حالات آپ ؐ کو بھی پیش آنے والے ہیں گویا یہ واقعات آپ ؐ کے لئے خوشخبری اور منکرین کے لئے باعث اَنذار تھے۔ نیز مختلف انبیاء کے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کو خوب واضح کیا گیا ہے۔سورۃ انعام میں زیادہ بحث توحید پر تھی جبکہ اس سورۃ میں زیادہ تر رسالت و نبوت پر بحث ہے، یوم آخرت کا بھی تفصیلی ذکر ہے اور امم سابقہ کا بھی۔ جس میں خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ تفصیل سے درج ہے۔چونکہ آپ ؐ مثیلِ موسیٰ تھے اس لئے اس قصے میں آپ ؐ کی امت کے لئے قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا! کہ جس طرح جوتی جوتی سے ملتی ہے اسی طرح میری امت کے حالات بنی اسرائیل سے ملتے ہیں۔(ترمذی کتاب الایمان۔باب افتراق ھذہ الامۃ جلد ۲ صفحہ ۸۹) پس یہ امت ہر وہ کام کر گزری جو بنی اسرائیل نے کئے تھے یہاں تک کہ ان کی اصلاح کے لئے بھی مثیلِ عیسیٰ ؑ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث ہوئے۔مگر افسوس اس اُمتِ مرحومہ نے مسیح ناصری ؑ کی طرح آپ کو بھی جھوٹا ثابت کرنے ، ایذا و تکالیف دینے اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے خاص فضل و احسان سے آپ کو ان تمام نامساعد حالات سے نکال کر کامیاب و کامران کیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓصٓ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ
الف۔لام،میم،صاد (یہ) کتاب ہے اُتاری گئی طرف تیری پس نہ ہو سینہ میں تیرے

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِتَّبِعُوْا
تنگی اس سے تاکہ ڈرائے تو اسکے ذریعہ اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے پیروی کرو اسکی

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
جو اُتارا گیا طرف تمہاری طرف سے تمہارے رب کی اور نہ پیروی کرو سوائے اس کے (اور)

اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ
دوستوں کی کم ہی نصیحت پکڑتے ہو تم اور کتنی ہی بستیاں ہیں

اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۵﴾
ہلاک کیا ہم نے جنہیں چنانچہ آیا ان کے پاس عذاب ہمارا رات کو سوتے ہیں یا جبکہ وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔۳۔پہلے رکوع میں ہی دعوتِ رسالت ،منکرین کے انجام اور یومِ آخر سے ڈرایا۔

الٓمّٓ۔انا اللہ اعلم ہے اور صٓ سے صادق القول اور صادق الوعد ہے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۴)

نہایت نامساعد حالات میں آپ کو تسلی دی۔کہ میں اللہ خوب جاننے والا ہوں۔میری ہر بات اور ہر وعدہ سچا ہے۔ پس تجھے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔نہ تیرے دل میں اس عظیم کتاب کی وجہ سے جو تیری طرف اتاری گئی ہے ،کوئی تنگی ہونی چاہئے کیونکہ اس کے نازل کرنے کی غرض منکرین کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے کہ شاید ہدایت پا جائیں۔ہاں مومنین کے لئے بطور نصیحت ہے کہ اس پر عمل کر کے انعاماتِ الٰہیہ کے وارث ہوں۔گویا مومنین و کفار ہر دو کے لئے دعوتِ عام ہے اور یہی قرآن کریم کا مقصد ہے۔

۴۔ قرآن کریم کی صورت میں ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا فرما کر اور اس کی غرض و غایت سے آگاہ فرما کر اب عام حکم دیا اور زندگی کے ہر قدم پر اس کے احکام پر عملدر آمد کرنے کی نصیحت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے دوستوں کی اتباع سے منع فرمایا۔گویا اصل دوست اللہ ہی

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا
پس نہ تھی پکار ان کی جبکہ آیا ان کے پاس عذاب ہمارا سوائے اسکے کہ کہا انہوں نے

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ
یقیناً تھے ہم ظالم پس ضرور پوچھیں گے ہم ان لوگوں سے کہ بھیجا گیا (نبیوں کو) طرف انکی

وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ
اور البتہ ضرور پوچھیں گے ہم رسولوں سے پھر البتہ ضرور بیان کریں گے ہم ان پر ساتھ علم کے اور

وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ
نہیں تھے ہم غیر حاضر اور تول اس دن سچ سچ ہے پس جو شخص

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ وَ
کہ بھاری ہوتے تول اس کے تو یہ لوگ ہی کامیاب ہیں اور

ہے۔اس طرح ہر اس طریق سے باز رہنے کا حکم دیا جو قرآن کریم کے خلاف ہے اور بتا دیا کہ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

۵۔۶۔ **قآئلون** ۔قیلولہ کرنے والے۔دوپہر کو آرام کرتے ہوئے۔

اب ان عبرت آموز واقعات کی طرف توجہ دلائی جو ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن یہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔بہت سے منکرینِ انبیاء کے انجام سے یہ لوگ واقف تھے کہ کس طرح انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے نصیحت قبول نہ کی اور جھٹلاتے ہی رہے ۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب رات کے وقت یا دوپہر کو نازل ہوا جبکہ وہ آرام کر رہے تھے تب چیخ اٹھے کہ بیشک ہم ہی ظالم تھے گویا جس طرح خدائی احکام سے غافل تھے اسی طرح انہیں غفلت میں سوتے ہوئے پکڑ لیا لیکن اس وقت ان کا اقرارِ جرم یا ایمان لانا بے فائدہ ثابت ہوا۔

۷۔۸۔دنیا میں تو ان پر ہمارا عذاب نازل ہوگا ہی قیامت کو بھی ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے ہمارے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنی اصلاح کے بعد بندگانِ خدا کی اصلاح کی فکر کی اور تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اسی طرح رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور آپ کو کیا جواب دیا گیا۔پھر ہم پورے علم کے ساتھ ساری سرگذشت ان کے سامنے پیش کریں گے۔اگر قیامتِ صغریٰ کی طرف اشارہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ پس ہم انہیں علم کی بنا پر تاریخی واقعات سے آگاہ کر دیں گے اور یہ بازپرس اتمامِ حجت کے طور پر ہوگی ورنہ ہم تو کسی وقت بھی ان سے بے خبر نہیں تھے ہمیں تو ان کے ہر پل کی خبر تھی۔

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

جو شخص کہ ہلکے ہوئے تول اس کے تو یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ

اپنی جانوں کو بسبب اس کے کہ تھے آیات ہماری سے ظلم کرتے اور یقیناً یقیناً

مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا

طاقت دی ہم نے تم کو زمین میں اور بنایا ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کے سامان کم ہی

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

تم شکر کرتے ہو اور یقیناً یقیناً پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورت دی ہم نے تم کو پھر کہا ہم نے

ع ۱۱ / ۸

۹۔۱۰۔ وزن اس دن حق ہوگا یا یہ کہ حق ہی اس دن وزنی ہوگا گویا تمام نیک و بد اعمال تولے جائیں گے اور ان کے مطابق جزا و سزا ہوگی اور بامراد وہی ہوں گے جن کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا لیکن جن کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا انہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا اور اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ وہ ہماری آیات کے معاملہ میں ظلم سے کام لیتے تھے۔گویا تکذیب انبیاء، خدائی کتابوں اور نشانات کو جھٹلانا ظلم کے مترادف ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اعمال ظاہری شکل میں متشکل ہوں گے۔جس طرح اعمالِ صالحہ قبر میں ایک حسین ساتھی کی صورت میں وحشت قبر کی دوری کا باعث ہوں گے اور اعمالِ بد سانپ اور بچھو کی شکل میں ڈسیں گے۔ اسی طرح قیامت کو بھی نیک اعمال جیسے قربانیاں بطور سواری ہوں گی جو پل صراط سے تیزی سے گزار دیں گی۔اسی طرح میزان اور دیگر اعمال کا حال ہوگا۔تاہم ان تمام چیزوں کو جو اگلے جہان سے تعلق رکھتی ہیں،اس جہاں کی چیزوں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ہاں انہی الفاظ میں سمجھایا جاسکتا ہے جو یہاں کی چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔وہ تمام حالات اور چیزیں کس رنگ میں ہوں گی ان کا صحیح علم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہی ہے۔بیشک پورا پورا انصاف ہوگا اور ہر فعل کے تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھ کر فیصلہ ہوگا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے طفیل اس روز بے شمار گنہگار بخشے جائیں گے۔

۱۱۔قیامت میں اعمال کی جزا اور سزا کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی لاتعداد نعمتیں یاد دلاتا ہے۔زمین میں انسان کو ٹھکانا دے کر اسے کُل دنیا کی چیزوں پر اختیار اور طاقت و قدرت بخشی اور اس کی معیشت کے سامان مہیا کئے ،لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ان نعمتوں کو اپنے نفس اور بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کرنا ہی خداتعالیٰ کی صحیح شکرگزاری ہے مگر افسوس اس میدان میں بھی اغیار ہی بازی لے گئے اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ

فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے نہ

يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ

ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے فرمایا کس نے روکا تجھے کہ نہ سجدہ کیا تو نے جبکہ

عطاکردہ نعمتوں سے کُل دنیا کے لئے آرام و آسائش کا سامان مہیا کیا۔

۱۲۔ سجدۂ عبادت صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے یہاں سجدہ جُھکنے اور اطاعت کے معنی میں ہے۔ یعنی تمام طاقتوں کو انسان کی خدمت پر مامور کردیا۔انسان پر اپنی لامحدود نعماء کا ذکر کرکے اب ان ابتدائی نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کے جدامجد حضرت آدمؑ اور ان کی نسل پر ہوئیں۔اس کی تفصیل سورہ بقرہ ع ۴ میں گزر چکی ہے لیکن اس رکوع میں ایک دوسرے انداز سے اس قصہ کو بیان کیا اور کئی نصیحت آموز پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ فرمایا ہم نے تمہیں پیدا کیا اور شکل وصورت سے نوازا۔ صورت تو پیدا ہوتے ہی بلکہ اس سے بھی پہلے عطا ہوجاتی ہے۔پس صورت دینے سے مراد یہاں اس خاص صورت کا دینا ہے جب انسان قربِ الٰہی کے قابل ہوتا ہے۔جو یقیناً پیدا ہونے کے ایک عرصہ بعد عطا ہوتی ہے۔ گویا انسان کی پیدائش کے ارتقائی مراحل کی طرف اشارہ ہے جب مختلف صورتوں سے گزرتا ہوا اس مقام تک پہنچا کہ مسجودِ ملائک ہوا۔ جیسا کہ فرمایا **فاذا سويته ونفخت فيه من روحی فقعوا له ساجدين** ٥ (۱۵۔۳۰)۔یہاں بھی پیدا ہوتے ہی سجدہ کا حکم نہیں بلکہ پہلے ایک طبعی پیدائش ہے،پھر اس کی مناسب حال تربیت سے اسے درست کرنا ہے۔پھر اس میں للّٰہی روح پھونک کر ایک نئی روحانی زندگی عطا کرنا ہے تا موردِ الہام الٰہی ہو سکے۔پھر وہ انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اسے ملائکہ بھی سجدہ کریں۔یہاں خطاب سب مخلوق کو ہے کہ ہم نے تم سب کو پیدا کیا اور سب کی صورتیں بنائیں پھر آدم کے لئے سجدہ کا حکم ہوا۔گویا آدمؑ کے حکم میں کل ابن آدم شامل ہیں اور جو جو حالات آدمؑ پر گزرے وہ کل بنی آدم پر گزرنے والے تھے۔اس طرح ہر انسان کو بتا دیا کہ تمہارا شیطان تمہارے ساتھ ہے خواہ اسے مطیع کرکے اپنا فرمانبردار بنالو (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ میرا شیطان مسلمان ہوچکا ہے اور بجز بھلائی کے مجھے کوئی حکم نہیں دیتا ترمذی بروائت جابرؓ) خواہ اس کے دھوکے میں آ کر اپنے سکون و اطمینان کی جنت سے نکلو اور بھٹکتے پھرو۔مایوسی کی اب بھی کوئی وجہ نہیں، توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ توبتہ النصوح کے بعد اب بھی مقربین میں شامل ہوسکتے ہو اور انجام بخیر ہوسکتا ہے۔

اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

حکم دیا تھا میں نے تجھے، اس نے کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے اُسے

مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۳﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

کیچڑ سے فرمایا پس نکل جا اس (مقام) سے پس نہیں ہے مناسب تیرے لیے کہ تکبر کرے تُو

فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى

اس (مقام) میں پس نکل جا یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے اس نے کہا مہلت دے مجھے اُس

۱۳۔ یہاں شیطان کی نافرمانی کی وجہ بھی بتادی کہ اس نے خود کو بہتر سمجھا کہ میری خلق تم سے بہتر ہے۔ گویا تکبر ہی تھا جس نے اسے راندۂ درگاہِ باری تعالیٰ بنا دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’ تکبر شیطان سے آتا ہے اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس سے دور نہ ہو یہ قبولِ حق اور فیضانِ الوہیت کی راہ میں روک ہے۔ کسی طرح بھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے ،نہ علم کے لحاظ سے، نہ دولت کے لحاظ سے، نہ وجاہت کے لحاظ سے، نہ ذات، خاندان اور حسب ونسب کی وجہ سے کیونکہ زیادہ تر انہیں باتوں سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور جب تک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہوسکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے موادِ ردیہ کو جلادیتی ہے، اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کا حصہ ہے‘‘۔(الحکم جلد۹ نمبر۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ شیطان ناری مزاج اور باغیانہ طبیعت کا مالک ہے۔ جبکہ انسان میں خاکساری کا مادہ ہے اور نور کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امرواقعہ یہ ہے کہ آگ سے پیدا ہونا کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ آگ کا غلبہ منفی اور وقتی ہوتا ہے۔ آج کے زمانہ میں تو آگ کو اس طرح تابع کیا ہے کہ صاغرین ہو جائے گی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

خدا کے انبیاء زمانہ کے آدم ہوتے ہیں۔ اس لئے آگ انہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۳۹۷)

فرمایا انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ اگر سائنسی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کا جسم مختلف معدنیات ،نمکیات ،پانی اور گیسوں کا مجموعہ ہے اور یہ تمام اجزا گیلی مٹی میں بھی پائے جاتے ہیں نیز گیلی مٹی کی طرح انسان میں بھی ہر سانچے میں ڈھل جانے کی صلاحیت ہے۔ مٹی سے پیدا

يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۶﴾ قَالَ فَبِمَاۤ

دن تک کہ وہ اُٹھائے جائیں گے فرمایا یقیناً تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے اس نے کہا پس اس لیے کہ

اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ

گمراہ ٹھہرایا تو نے مجھے ضرور بیٹھوں گا میں ان کے لیے راہ تیری سیدھی پر پھر

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ

ضرور آؤں گا میں ان کے پاس آگے سے ان کے اور پیچھے سے ان کے اور

اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

دائیں سے ان کے اور بائیں سے ان کے اور نہ پائے گا تُو اکثر ان کے شکر گزار

کرنا، انسان کی طبیعت کی عاجزی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

۱۴۔ یہاں شیطان کے ذکر میں انسان کو متنبہ کر دیا کہ تکبر کی پہلی سزا سکون و اطمینان کی جنت سے رخصتی اور ذلیل ہونا ہے۔

۱۵۔۱۶۔ شیطان نے یوم بعث تک مہلت مانگی جو اسے دی گئی۔ یوم بعث سے مراد روحانی طور پر نئی زندگی پانا بھی ہے کیونکہ جونہی انسان قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے شیطان سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۷۔ جمع کا صیغہ لاکر بتایا کہ مخاطب صرف آدم نہیں بلکہ بنی آدم بھی ہیں پس شیطان ہمیشہ بنی آدم کو سیدھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔

۱۸۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں : ’’یہاں شیطان کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے آنے کا ذکر کیا اوپر کی طرف کا ذکر نہیں کیا۔ پس انسان یہ نہ سمجھے کہ شیطان سے گھر گیا کیونکہ آسمانی فضل اور خوفِ الٰہی کی جانب شیطان سے بحمدللہ خالی ہے۔‘‘(اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) اس عاجزہ کی رائے میں نیچے کی طرف کا بھی ذکر نہیں۔ جب بندہ خود کو لاشئے محض سمجھ کر ربِ دوجہاں کے آگے گر جائے۔ اس کے حضور سجدہ ریز ہو اور خود کو مٹی میں ملادے تو اس پر بھی شیطان کا تسلط نہیں ہوسکتا۔ **من بین ایدیھم** سے مراد ہے کہ موجودہ افکار سامنے لائے گا۔ گویا ہر قسم کی قربانیوں سے روکے گا۔ **ومن خلفھم** سے مراد آبائی اور پرانے رسم و رواج کو سامنے لاتا ہے کہ اس نئی خدائی تحریک پر کان نہ دھریں اور باپ دادا کے خیالات نہ چھوڑیں۔ دائیں طرف سے مراد روحانی پہلو سے دھوکا دینا ہے۔ جیسے نیکیوں پر متکبر ہونا یا اس طرح گمراہ کرنا کہ دنیوی طور پر سوائے دکھ اور ابتلاؤں کے تمہیں کیا ملا۔ بائیں سے مراد دنیوی نعمتوں اور عیش و عشرت کا لالچ

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمایا نکل جا اس (مقام) سے مذمت کیا ہوا دھتکارا ہوا البتہ جنہوں نے پیروی کی تیری ان میں سے

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٩﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ

البتہ ضرور بھروں گا جہنم کو تم سب سے اور اے آدم رہ تو

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ

اور بیوی تیری جنت میں پس دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو تم اور نہ قریب جانا اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٠﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ

درخت کے ورنہ ہوجاؤ گے تم دونوں ظالموں میں سے پھر وسوسہ ڈالا انہیں شیطان نے

لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا

تاکہ ظاہر کرے ان کے لیے جو چھپایا گیا تھا ان سے یعنی شرم گاہیں ان کی اور اس نے کہا کہ نہیں

نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ

روکا تمہیں رب نے تمہارے اس درخت سے سوائے اسکے کہ ہوجاؤ گے تم فرشتے

أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿٢١﴾ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ

یا ہوجاؤ گے تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے اور قسم کھا کر کہا انہیں کہ یقیناً میں تم دونوں کے لیے ضرور

دینا ہے پس شیطان صرف وسوسہ اندازی کر سکتا ہے۔اپنے جیسوں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا جیسا کہ فرمایا **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** (الحجر: آیت ۴۳) حقیقت یہ ہے کہ اکثر شیطان کے دھوکے میں آتے ہیں اور کم ہیں جو شکر گزار ہیں۔

۱۹۔شیطان کو بوجہ اس کے تکبر کے نکل جانے کا حکم مل چکا تھا۔یہ اس کے تنزل کی ابتدا تھی کیونکہ ابھی وہ صرف خود گمراہ ہوا تھا۔یہاں اسے دوبارہ نکلنے کا حکم ہوا اور اسے لعین کہا۔جو اس کے تنزل کی انتہا ہے کیونکہ اب وہ اکیلا گمراہ نہیں بلکہ اس کے متبعین بھی ہیں جن کے سمیت وہ واصل جہنم ہوگا۔پس آگ دنیوی ہو یا اخروی شیطان اور اس کی ذریت پر غالب آئے گی میرے بندوں پر غالب نہیں آئے گی۔

۲۰۔تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ ع ۴۔

۲۱۔ **سوآت** ۔سورۃ کی جمع ۔جس کا اصل **سوء** ہے یعنی برائی۔ عیوب ۔عام معنی شرمگاہ کے ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ کام جس سے حیا آئے۔

اللہ تعالیٰ کا بدی سے روکنا انسان کو روحانیت کے کمال پر پہنچانا تھا تا فرشتوں والی پاکیزہ زندگی گزاریں اور ہمیشہ کی جنت کے وارث بنیں لیکن شیطانی وسوسہ بالکل ہی احمقانہ تھا کہ بدی کرو

النَّاصِحِينَ ﴿٢٢﴾ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ

خیر خواہوں میں سے ہوں پس مائل کیا ان دونوں کو دھوکہ سے پس جب چکھا دونوں نے وہ درخت

بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن

ظاہر ہو گئیں ان کے لیے شرمگاہیں ان کی اور لگے دونوں چپکانے اپنے پر

وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا

پتے اس باغ کے اور پکارا انہیں رب نے ان کے کیا نہیں روکا تھا میں نے تم کو

الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٣﴾

اس درخت سے اور کہا تھا میں نے تمہیں کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا دشمن ہے کھلا کھلا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا

کہا ان دونوں نے اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشا تو نے ہمیں اور نہ رحم کیا تو نے ہم پر

اور ہمیشہ کی جنت پاؤ جیسا کہ آج کل خیال کیا جاتا ہے کہ گناہ میں ہی لذت ہے اور یہی زندگی ہے۔ ملکین میں بادشاہی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ شیطان نے انہیں دنیوی بادشاہت کا لالچ دیا جو کبھی ختم نہ ہوگی اور جس کی ابتدا اکثر گناہوں اور ظلم و جور سے ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ روحانی بادشاہت کا وعدہ فرماتا ہے۔یہاں بتایا کہ انسان جب شیطان یا شیطان صفت لوگوں کے دھوکے میں آتا ہے تو ہرگز عقل سے کام نہیں لیتا ورنہ ضرور شیطان کی چالوں سے بچ جائے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ثابت نہیں کہ وسوسہ اندازی سے آدم و حوا نے شیطان کی اتباع کی ہو۔(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۶)

۲۲۔۲۳۔ **دلّی** ۔ **دلو**۔ ڈول۔ بلندی سے پستی کی طرف آنا۔ گرادیا۔ بہکا دیا۔ **طفق**۔ کسی کام کو شروع کرنے کے معنی دیتا ہے۔کرنے لگا۔ **طفقا**۔دونوں نے شروع کیا۔ **یخصفن** ۔ **خصف**۔جوتی گانٹھنا۔بعض کو بعض پر چڑھانا۔ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ڈھانکنا۔

ہاں جب انہوں نے شیطان کی جھوٹی یقین دہانیوں کا اعتبار کر لیا اور اس کے دھوکے میں آ کر شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا تو ان کے عیوب ان پر ظاہر ہو گئے اور وہ اپنے عیوب اور گناہوں کو چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔تمام الہامی کتابوں میں تمثیلی زبان استعمال ہوئی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں یہ بھی تمثیلات ہیں ورنہ کسی پھل کے کھانے سے کوئی ننگا نہیں ہوتا۔خدائی معاملہ میں شریعت کی حدود سے تجاوز کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جس سے انسانی فطرت میں دبی ہوئی کمزوریاں سر اٹھانے لگتی ہیں۔جنت کے پتوں سے ڈھانپنا نیکیوں اور

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

تو ضرور ہو جائیں گے ہم گھاٹا پانے والوں میں سے فرمایا اُتر جاؤ بعض تمہارا بعض کے لیے

عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ

دشمن ہے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اُٹھانا ہے ایک وقت تک فرمایا

فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۲ / ۹

اسی (زمین) میں زندہ رہو گے تم اور اسی میں مرو گے تم اور اسی سے نکالے جاؤ گے تم

استغفار کی طرف مائل ہونا ہے۔ جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۴۔ یعنی شیطان کی طرح ان پر مصر نہیں ہوئے بلکہ نہایت عاجزی اور انکساری سے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ یہاں اولادِ آدم کو متنبہ کرنا مقصود تھا کہ اگر شیطان کے دھوکے میں آ کر بدی سرزد ہو جائے تو فوراً اپنے جد امجد آدم و حوا کی طرح خدا کی طرف جھک جاؤ اور معافی کے خواستگار ہو جاؤ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''آدمِ اوّل کو شیطان پر فتح دعا ہی سے ہوئی **ربنا ظلمنا انفسنا** ۔۔۔اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے جنگ کرتا ہے اسی دعا کے ذریعہ فتح ہوگی۔''(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲۔ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۸) حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو شخص گھر سے نماز کے لئے نکلتا ہے وہ یہ (آیت) پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس شخص کی طرف نماز کے وقت اپنی خاص توجہ رکھتا ہے۔(ابن ماجہ)

۲۵۔ تفصیل کے لئے سورہ بقرہ ع۴۔ غرض اعلیٰ زندگی سے تنزل اختیار کیا اور روحانیت سے دنیا داری کی طرف مائل ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپس میں لڑنے لگے۔

۲۶۔ یہاں ایک عام اصول بتا دیا کہ انسان اسی زمین میں زندگی بسر کرتا ہے۔ یہیں مرتا ہے اور یہیں سے قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ یہ آیت حیاتِ مسیح پر ایک کاری ضرب ہے کہ نہ عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چڑھا، نہ خضرؑ و ایلیاؑ ابھی تک زندہ ہیں۔ اگر انسان دوسرے سیاروں میں منتقل ہو جائے تو بھی اس آیت پر ضرب نہیں پڑتی۔ کیونکہ بقول خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) ایک خاص لباس کے بغیر انسان چاند یا کسی سیارے پر نہیں پہنچ سکتا۔ گویا زمینی دائرے میں مقید رہتے ہوئے ہی کسی سیارے تک رسائی ممکن ہے۔ اس سے باہر زندہ نہیں رہ سکتا نیز وہ بھی زمین کے زمرہ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس زمین کی

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ

اے اولادِ آدم یقیناً اُتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانکتا ہے

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

تمہاری شرمگاہوں کو اور زینت کا موجب ہے اور لباس تقویٰ کا ہی بہتر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

یہ آیات سے ہے اللہ کی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اے اولاد آدم

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان جیسا کہ نکالا اس نے ماں باپ تمہارے کو جنت سے

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ

اُتارا تھا ان سے لباس ان کا تاکہ دکھائے انہیں شرمگاہیں ان کی یقیناً

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا

دیکھتا ہے تمہیں وہ اور قبیلہ اس کا جہاں سے نہیں دیکھتے تم انہیں یقیناً

جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذَا

بنایا ہم نے شیطانوں کو دوست ان لوگوں کے لیے جو نہیں ایمان لاتے اور جب

طرح زمینیں ہیں۔(۶۵۔۱۳) پس اس جنت یا جہنم میں نہیں جا سکتے جہاں مرنے کے بعد جانا ہے۔

۲۷۔ **ریش** ۔ پرندے کے پروں اور کلغی کو کہتے ہیں جو اس کے لئے بطور لباس اور زینت ہے۔ استعارتاً لباس اور زینت کے معنی دیتا ہے۔

اس رکوع میں بتایا کہ تقویٰ ہی وہ سپر ہے جس سے شیطانی حملوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم اکثر ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر کی طرف آتا ہے چنانچہ ظاہری لباس سے روحانی واخلاقی لباس کی طرف متوجہ کیا۔ اس آیت میں لباس کی ایسی تعریف کی گئی ہے جو کسی الہامی کتاب میں نہیں۔ بیشک لباس ستر کو بھی ڈھانپتا ہے اور باعث زینت بھی ہے مگر سب سے بہتر لباس لباسِ تقویٰ ہے جو انسان کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے اور روحانی زینت کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق لباس تقویٰ سے مراد اعمالِ صالحہ اور خوفِ خدا ہے۔ یہاں لباس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔''تقویٰ یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی اس کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تا بمقدور کاربند ہو جائے۔''(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۲)

۲۸۔ یہاں کھل کر بتا دیا کہ جس لباس سے آدم و حوا محروم کئے گئے وہ لباسِ تقویٰ ہی تھا۔

فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا
وہ کرتے ہیں کوئی بے حیائی کہتے ہیں پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے حکم دیا ہے ہمیں

بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
اس کا تو کہدے یقیناً اللہ نہیں حکم دیتا بے حیائی کا کیا تم کہتے ہو اللہ پر

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا
جو نہیں جانتے تم تو کہدے حکم دیا ہے میرے رب نے انصاف کا اور (یہ کہ) سیدھا رکھو

حضرت آدمؑ پر ہی موقوف نہیں ، ہر نبی اپنے زمانے کا آدم ہے جس کے ساتھ ایک جنت وجود میں آتی ہے۔یہ تقویٰ اور رضائے الٰہی کی جنت ہے۔ہر دفعہ شیطان دھوکہ دیتا ہے۔پس اولادِ آدم کو خبردار کیا کہ کہیں تمہارے باپ آدمؑ کی طرح شیطان اور اس کا گروہ تم سے لباس تقویٰ چھین کر تمہیں ننگا نہ کردے اور اس جنت سے تمہیں دوبارہ نہ نکال دے۔اس لئے کہ لباس تقویٰ کے چھن جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن عیوب کو لباسِ تقویٰ نے ڈھانپ اور دبا رکھا تھا وہ ظاہر ہونے لگتے ہیں اور انسان سکونِ قلب کی جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔یہاں بتایا کہ شیطان اپنے لاؤ لشکر سمیت حملہ آور ہوتا ہے لیکن تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔یعنی شیطان اور جن وغیرہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے اور سوائے وسوسہ اندازی کے ان کا انسان پر کوئی اختیار یا تصرف نہیں۔ہاں شیطان الانس ہر حربہ استعمال کرتے ہیں اور دوستی کے روپ میں پس پردہ گمراہ کرتے ہیں۔ساتھ ہی خوشخبری دی کہ ایمان لانے والوں پر ان کو کوئی اختیار نہیں۔وہ انہیں کو دوست بناتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

۲۹۔تقویٰ کی کمی مختلف برائیوں کو جنم دیتی ہے اور آخر فاحشہ تک پہنچا دیتی ہے۔یہاں عرب کے بعض قبائل بنو عامر وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جو برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بھی ایسا ہی کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے کہ انہیں اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔افسوس آج بھی بعض مزاروں پر اسلام کا دعویٰ کرنے والی بعض جاہل عورتیں اپنی منت پوری کرنے کے لئے رات کے اندھیرے میں ان مشرکوں کی طرح برہنہ ناچتی اور بھنگڑے ڈالتی ہیں (یہ بعض معتبر عینی شاہد خواتین کا بیان ہے) حالانکہ لغو قسموں اور منتوں کو توڑ دینے کا حکم ہے۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا! کہ میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کوئی قسم کھالیتے تو توڑا نہیں کرتے تھے لیکن قسم کے بارے میں آیت کے نزول کے بعد فرمایا کرتے تھے اگر میں قسم کھالوں اور پھر دیکھوں کہ اس کے خلاف کرنے میں خیر و بھلائی ہے تو اس کا کفارہ ادا کر کے جو بہتر راہ ہے اسے اختیار کروں گا

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
اپنے مونہوں کو نزدیک ہر مسجد کے اور پکارو اسے خالص کرتے ہوئے اس کیلئے

الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۳۰ فَرِيْقًا هَدٰى وَ
اطاعت کو جس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا تم کو پھر لوٹو گے تم ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی اور

فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ
ایک گروہ ثابت ہوگئی ان پر گمراہی یقیناً انہوں نے بنایا شیطانوں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۱
دوست چھوڑ کر اللہ کو اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں

(بخاری) یہاں صاف ایک اصول بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کبھی بے حیائیوں کا حکم نہیں دیتا۔پس جس بات کا تمہیں علم نہیں وہ خدا کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو۔جبکہ کسی الہامی کتاب میں ایسا کوئی حکم نہیں

۳۰۔مسجد۔سجدہ کا مکان۔سجدہ کا وقت۔مراد سجدہٗ عبادت اور کامل فرمانبرداری۔رازی اور بیضاوی نے بھی اس جگہ مسجد کے معنی نماز کے کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو کبھی برے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ہاں وہ عدل کا حکم دیتا ہے۔عدل میں حقوق العباد کا حکم ہے کہ دنیا میں ایسی عدل کی فضا پیدا ہوجائے کہ نہ کسی پر زیادتی ہو اور نہ کسی کی حق تلفی ہو۔ساتھ ہی حقوق اللہ کی طرف توجہ دلائی کہ پوری توجہ اور فرمانبرداری سے عبادت بجا لاؤ۔اور اپنی توجہات کو اسی کی طرف سیدھا رکھو۔گویا ہر عمل نماز ہو جائے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''اخلاص سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیئے۔اس کے احسانوں کا بہت مطالعہ کرنا چاہئے۔چاہئے کہ اخلاص ہو ، احسان ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع ہو کہ بس وہی ایک رب اور حقیقی کارساز ہے۔عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ادعیہ ماثورہ اور دوسری دعائیں خدا سے بہت مانگے اور بہت توبہ و استغفار کرے اور باربار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تاکہ تزکیہ نفس ہو جاوے اور خدا سے سچا تعلق ہوجاوے اور اسی کی محبت میں محو ہوجاوے''پس یاد رکھو کہ جیسے شروع میں تمہیں پیدا کیا دوبارہ بھی کرے گا جہاں سب حساب کتاب ہوگا۔(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

۳۱۔پس ایک گروہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر کے ہدایت پا گیا اور دوسرے گروہ پر

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا
اے اولادِ آدم اختیار کرو اپنی زینت وقت ہر نماز کے اور کھاؤ
وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۲﴾
اور پیو اور نہ اسراف کرو یقیناً وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو

گمراہی واجب ہوگئی کیونکہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین سے دوستی کی اور ان کے پیچھے لگے اور ایسا عقل پر پردہ پڑا کہ گمراہی کو ہدایت سمجھنے لگے۔ یہاں ثابت ہوا کہ قانون سے لاعلمی اور جہالت کوئی عذر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و سمجھ اور انبیاء کی تعلیم سے معمولی کوشش سے ہدایت اور گمراہی واضح ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی پھر بھی گمراہی پر مصر رہے تو اس پر فردِ جرم عائد ہوجاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس فردِ جرم کی وجہ ماں باپ کی بدکاری، رزقِ حرام اور صحبت بد ہے۔ ماں باپ کی بدکاری میں بچوں کی غلط تربیت یا تربیت پر پوری طرح توجہ نہ کرنا بھی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۳۲۔ ہر دفعہ مسجد جانے سے پہلے یا نماز سے پہلے ظاہری و باطنی زینت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ یعنی دل بھی پاک صاف اور خدا کی طرف متوجہ ہو اور لباس بھی صاف ستھرا اور پروقار ہو۔ پس اگر نماز میں زینت ضروری ہے تو عام زندگی میں بھی زینت و خوبصورتی اور پروقار اندازِ بود وباش اللہ کو بہت پسند ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ **اللّٰہ جمیلٌ ویحب الجمال**۔ (مسلم کتاب الایمان تحریم کبر و بیانہ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

عبادات میں زینت کے حکم کے ساتھ ہی **کلوا واشربوا** کا حکم ہے جس میں ہر حلال چیز کا کھانا حکمِ خداوندی کی اطاعت ہے۔ گویا جو رضائے الٰہی کے لئے ایک لقمہ بھی کھائے گا، اجر کا مستحق ہوگا۔ عبادت کے حکم کے ساتھ کھانے پینے کا حکم دینے میں یہ سر تھا کہ عبادت کا غذا سے خاص تعلق ہے جیسے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا! میں کس طرح مستجاب الدعوات بن جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا! طیب کھانا کھاؤ۔ پس لباس ہو یا کھانا پینا اور رہنا سہنا سب کا اثر انسان کے اخلاق اور روحانیت پر پڑتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے صفائی، رزقِ حلال، رہن سہن اور طور طریقوں میں شائستگی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا! کہ زیادہ کھانے والے لوگ مسجد میں نہ آیا کریں، جو ڈکار لیتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مسجد میں وضو ٹوٹ جانا بھی فضا کو خراب کرتا ہے اور ناپسندیدہ ہے۔ (بقیہ سورۃ کے آخر میں) جبکہ اولیاء و انبیاء ان کمزوریوں سے عموماً پاک ہوتے ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ **بطن الانبیاء صامۃ**۔ انبیاء کا پیٹ خاموش رہتا ہے۔

یہ حکم اس لئے بھی دیا کیونکہ بعض عرب قبائل طواف میں لباس سے بے نیاز ہو جاتے اور عمدہ غذا سے بھی پرہیز کرتے۔ بعض دوسری اقوام بھی اچھی بود و باش اور عمدہ خوراک کو روحانیت کی راہ میں حائل سمجھتیں۔ جیسے ہندو جوگی اس قدر کم کھاتے ہیں کہ سوکھ کر کانٹا ہوجاتے ہیں۔ پس عمدہ لباس اور کھانے پینے کا حکم دے کر ان تمام غلط عقائد کا رد کیا۔ نام نہاد ملا آج بھی چلہ کشیوں میں پیاز، لہسن، گوشت اور بہت سی حلال چیزیں خود پر حرام قرار دیتا ہے۔ **ولاتسرفوا** میں طب کا لب لباب بیان کردیا اور حفظانِ صحت کا سنہری اصول بتادیا۔ گویا دو لفظوں میں طب کے دریا کو کوزے میں بند کردیا۔ کھانے پینے میں اعتدال نہ رکھنا، ضرورت سے زیادہ کھانا، ضائع کرنا، کسی خاص چیز کو زیادہ یا کم کھانا، کھانے کو ہی زندگی کا مقصد بنا لینا، یہ سب اسراف میں شامل ہے اگر اس ایک حکم پر عمل ہوتا تو آج دنیا بھوک اور افلاس کی چکی میں اس طرح نہ پس رہی ہوتی۔ تمام ترقی یافتہ اقوام میں مع عربوں کے کھانے کے بعد وافر مقدار میں بچا ہوا کھانا کوڑے دانوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ دن میں دوسری مرتبہ کھانا تیار کر رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارا شغل صرف کھانا ہی رہ جائے (بیہقی) (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بمشکل ایک وقت کھانا میسر آتا تھا۔ دوسرے وقت عموماً کھجور اور دودھ وغیرہ پر گزارا ہوتا اور اکثر فاقہ ہوتا) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ اسراف میں یہ بھی داخل ہے کہ جس چیز کو تمہارا جی چاہے اس کو ضرور ہی کھالو۔ (ابن ماجہ) صبر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کوئی چیز آپ کو پسند ہے اور نہیں ملی، تو اپنے پروردگار کی دیگر بہت سی نعمتوں کو یاد کرکے اس کا شکر ادا کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بہت کھانے سے بچو کیونکہ یہ جسم کو خراب کرتا، بیماریاں پیدا کرتا اور عمل میں سستی پیدا کرتا ہے۔ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو۔ یہ صحت کے لئے مفید ہے اور اسراف سے دور ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فربہ جسم عالم کو پسند نہیں کرتا۔ انسان اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ نفسانی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگے۔ (کتاب الطب ابو نعیم) کھانے پینے کا حکم دے کر غلط قسم کی کم خوراکی (Dieting) سے بھی روکا جس سے مختلف بیماریاں لاحق ہوتی ہیں نیز جسمانی اور دماغی کمزوری پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! تندرست و توانا مومن کمزور صحت والے مومن سے بہتر ہے۔ (مسلم کتاب القدر باب الامر بالقوہ حدیث نمبر ۴۸۱۶) آنحضرت ﷺ نے ہر پہلو سے اُمت کی رہنمائی فرمائی اور انہیں متوازن غذا کی طرف متوجہ کیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ
توکہدے کس نے حرام کی ہے زینت اللہ کی جو نکالی ہے اس نے اپنے بندوں کے لیے اور

الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ
پاکیزہ چیزیں رزق میں سے توکہدے یہ (نعمتیں) ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لاتے ہیں زندگی

الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
ورلی میں خالص ہیں بروز قیامت اسی طرح ہم کھولکر بیان کرتے ہیں آیات

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا
ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں توکہدے سوائے اسکے نہیں کہ حرام کیں رب نے میرے بے حیائیاں جو

ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ
ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں اور گناہ اور بغاوت بغیر حق کے اور یہ کہ

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى
شریک ٹھہراؤ ساتھ اللہ کے اُسے کہ نہیں اُتاری اس نے اس کی کوئی دلیل اور یہ کہ کہو تم

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا! جب ہانڈی پکاؤ کدو زیادہ ڈالا کرو کہ وہ قلبِ حزیں کو قوت دیتا ہے۔(صحیحین) حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اپنے دسترخوان کو سبز چیزوں (سلاد و سبزی) سے زینت دیا کرو کیونکہ سبز چیز شیطان کو بھگا دیتی ہے اللہ کے نام کے ساتھ۔(جامع کبیر) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! گوشت کا سالن سب سالنوں کا سردار ہے۔(کتاب الطب ابونعیم) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! سارے گوشت میں پشت (پیٹھ) کا گوشت عمدہ ہے۔ (کتاب الطب ابونعیم)

۳۳۔اس رکوع میں تکذیب انبیاء کی سزا عذابِ جہنم بتائی۔

اس حکم کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا اعادہ فرمایا اور ان غلط عقائد کا رد کیا جو اس کے بندوں کے لئے اللہ کی نعمتیں حرام قرار دیتے ہیں اور فرمایا کہ دنیا کی کل زیب و زینت اور انواع و اقسام کی نعمتیں صرف مومنوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ہاں ان کے طفیل غیر مومن بھی مستفید ہوتے ہیں اور اکثر زیادہ لے جاتے ہیں کیونکہ یہ دنیا دارالجزا نہیں۔البتہ قیامت کو صرف مومنوں کے لئے خاص ہوں گی۔اس طرح ہم اپنی آیات علم والوں کے لئے خوب کھول کر بیان کرتے ہیں کہ راہبانہ زندگی خداتعالیٰ کی خوشنودی کا باعث نہیں۔یہاں زینت کا عام لباس سے تعلق ہے اس لئے **اخــرَجَ** کہا۔ لباسِ تقویٰ کے ذکر میں **انزلنا** کہا۔تاہم عام لباس میں بھی تقویٰ کے تقاضوں کو مدِنظر رکھنا چاہیئے۔

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
اللہ پر جو نہیں تم جانتے اور ہر ایک اُمت کیلئے ایک میعاد ہے پس جب آجاتی ہے میعاد انکی

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا
نہیں وہ پیچھے ہوتے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں اے بنی آدم ...

۳۴۔ **انما**۔ اس کے سوا نہیں ہے۔صرف یہی چیز ۔ **بغی** ۔بغاوت ۔سرکشی۔

فرمایا لوگوں کی تجویز کردہ چیزیں حرام نہیں۔البتہ حرام وہ تمام قبیح افعال ہیں جو تمہارے اندر رچ بس گئے ہیں اور جنہیں تم چھوڑنے کو تیار نہیں۔ان میں سب سے پہلے بے حیائی سے تعلق رکھنے والے تمام امور ہیں خواہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے نیز ہر قسم کے گناہ جنہوں نے تمہیں نیکیوں سے روکا ہوا ہے اور ناحق بغاوت، یہ سب حرام ہے۔اسلام ناحق بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ ملک کے اندر رہتے ہوئے فتنہ و فساد کی اجازت نہیں۔ صبر کرو ، یا ہجرت کر جاؤ۔تفصیل سورۃ النساء :۶۰۔یہ معنی نہیں کہ حق ہو تو اجازت ہے۔بلکہ جب چاہتا ہے کہ بغی بالحق ہو تو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کی طرح اجازت دیتا ہے۔وہاں فرشتہ صفت لوگوں کو اللہ نے تعلیم دی اور انہوں نے اس وقت کے نظام کے خلاف لوگوں کو اٹھایا اور الٰہی تصرف کے تحت تحریک چلائی، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔پھر بلا دلیل خدا کا شریک بنانا۔شرک کی کوئی دلیل نہیں۔یعنی کسی الہامی کتاب میں شرک کی تعلیم نہیں خواہ ان میں کیسی ہی تحریف ہو چکی ہو۔وید اور گیتا تک میں بھی نہیں کہ کسی رشی کو الہاماً کہا ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کو شریک ٹھہراؤ۔نہ بائبل میں یہ تعلیم ہے کہ مسیحؑ نے کہا ہو کہ میری یا میری ماں کی عبادت کرو۔ شرک کے رد میں یہ ایک عظیم دلیل ہے اور بغیر علم خدا پر جھوٹ باندھنا کہ اُس نے یہ کہا اور وہ کہا۔یہ سب حرام ہے۔یہاں بھی علم سے مراد خدائی علم ہے کہ اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ایسا علم دیا ہو۔ اس ایک آیت میں مختصر طور پر ان کے تمام بداعمال کی نشاندہی فرما دی اور ہر وہ چیز بتا دی جو حرام ہوسکتی تھی۔یہ صرف قرآن کریم کا ہی کمال ہے۔(حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ترجمۃ القرآن کلاس کی روشنی میں)

۳۵۔ہدایت و گمراہی اور حلال و حرام خوب واضح کر دینے کے بعد وہ قانونِ الٰہی بیان فرمایا جو قوموں کی تقدیر میں ازل سے جاری و ساری ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک مقررہ مدت تک مہلت ہے کہ خدا کے فرستادوں پر ایمان لا کر ہدایت کے راستوں پر گامزن ہو اور لازوال عمر پائے، لیکن اگر وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتی اور اپنی فرسودہ روش نہیں چھوڑتی اور اسی خوش فہمی میں

يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى
اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کرتے ہیں تم پر آیات میری پس جس نے تقویٰ کیا
وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ
اور اصلاح کی تو نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
تکذیب کی ہماری آیات کی اور تکبر کیا ان سے یہ لوگ آگ والے ہیں
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے گھڑ لیا
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
اللہ پر جھوٹ یا تکذیب کی اسکی آیات کی یہ لوگ وہ ہیں کہ پہنچے گا انہیں حصہ ان کا

مبتلا رہتی ہے کہ اگر ہم غلط راستے پر ہیں تو دنیوی نعمتوں کے وارث کیوں ہیں تو عذاب الٰہی انہیں آ پکڑتا ہے پھر اس میں نہ تاخیر ہوسکتی ہے اور نہ تقدیم۔

۳۶۔ سورہ بقرہ آیت ۳۹ میں حضرت آدم علیہ السلام کی ہجرت کے موقع پر ایسا ہی حکم دیا گیا تھا۔ پھر جہاں بھی حضرت آدمؑ کا اس انداز میں ذکر ہوا تو اسی ابتدائی عہد کی یاددہانی کروائی گئی جو اولادِ آدم کے لئے روزازل سے ایک قانون کی حیثیت رکھتا تھا کہ جب بھی ہمارے رسول ہماری آیتیں لے کر آئیں تو جو بھی ان کی دعوت پر لبیک کہیں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے تو انہیں کوئی خوف وحزن نہیں ہوگا۔ یہ مراد نہیں کہ انہیں کوئی غم نہیں پہنچتا۔ پہنچتا ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے رب کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ بڑے بڑے غم اور دکھ بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرتے۔ان پر جتنی بڑی آزمائش آتی ہے اتنا ہی وہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ان کی نظر میں ان دکھوں کی اہمیت ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ان کا پیارا بھی انہیں دکھوں میں زیادہ دیر نہیں رہنے دیتا انجام بخیر متقین اور صالحین کا ہی ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۹۔

۳۷۔ ہاں جو اس عہد کو بھول کر ہماری آیتوں کا انکار کریں گے اور ان سے متکبرانہ انداز میں منہ پھیریں گے وہ جہنمی ہیں اور لمبا عرصہ اس میں رہیں گے۔ان کا تکبر کرنا یہی تھا کہ کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں جو تعلیم ہمارے پاس ہے وہی کافی ہے۔ جیسا کہ ہر نبی کے آنے پر یہی الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔

مِّنَ الْكِتٰبِ ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ
لکھے میں سے یہاں تک کہ جب آئیں گے (فرشتے) ان کے پاس بھیجے ہوئے ہمارے قبض روح کرتے ان کی
قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالُوْا
کہیں گے کہاں ہیں جنہیں تھے تم پکارتے سوائے اللہ کے وہ کہیں گے
ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
وہ جاتے رہے ہم سے اور گواہی دیں گے خلاف اپنی جانوں کے کہ وہ تھے کافر
قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ
فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان قوموں میں جو گذرچکیں پہلے تم سے جنوں اور
الْاِنْسِ فِي النَّارِ ۗ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى
انسانوں میں سے آگ میں جب کبھی داخل ہوگی کوئی اُمّت وہ لعنت کرے گی اپنے ساتھ والی کو، یہاں تک کہ
اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا
جب اکٹھے ہوجائیں گے اس میں سب کے سب کہے گی پچھلی (قوم) ان کی متعلق پہلی کے اپنی اے رب ہمارے
هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ
ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا ہمیں پس دے انہیں عذاب دوگنا آگ کا فرمائے گا

۳۸۔ یہاں دونوں کو ظالم کہا ایک خدا پر افترا کرنے والا یعنی جھوٹا مدعی نبوت اور دوسرا وہ جو خدا کے سچے کلام کی تکذیب کرے یعنی جب خدا کی طرف سے رسول آئے تو اسے جھٹلائے۔ان دونوں کی سزا ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کریم میں مقرر کی ہوئی ہے وہ ان کو پہنچے گی۔انبیاء کے مکذبین کی سزاؤں کا باربار ذکر ہے۔ سچے اور جھوٹے کی پہچان میں کوئی ابہام نہیں خدا کی تقدیر ظاہر کردیتی ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔پس ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ظالموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت کے لئے قرآن کریم میں بہت سی سزاؤں کا ذکر ہے مثلاً ناکامی و نامرادی ، اللہ تعالیٰ کا ان کی شاہ رگ کاٹ کر ہلاک کر دینا، خدا کا غضب اور ذلت ان پر نازل ہونا تاکہ لوگ یقین کرلیں کہ وہ دعوئ نبوت میں جھوٹے ہیں۔ غرض وہ اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں زیادہ مہلت نہیں دیتا اور جلد پکڑتا ہے۔

یہ تو دنیا میں ان کی سزائیں تھیں اب موت کی شدائد اور اس کا ذکر کیا کہ جب ہمارے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو اس وقت ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ خدا کے سوا جو بھی تھا باطل تھا اور وہ اپنے گناہوں کا خود اعتراف کریں گے۔

۳۹۔۴۰۔ **اخت** ۔بہن۔ ساتھی۔

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ

ہرایک کیلئے دوگنا ہے ولیکن نہیں تم جانتے اور کہے گی پہلی (قوم) ان کی اپنی پچھلی (قوم) کو

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

کہ نہیں ہے تمہارے لیے ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بسبب اس کے جو تھے تم

تَكْسِبُوْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا ع ۴

کماتے یقیناً جن لوگوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی اور تکبر کیا اس سے

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى

نہیں کھولے جائیں گے ان کیلئے دروازے آسمان کے اور نہ وہ داخل کئے جاویں گے جنت میں یہاں تک کہ

يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

داخل ہو اونٹ ناکہ میں سوئی کے اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم مجرموں کو

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ

ان کے لیے جہنم کا بچھونا ہوگا اور اوپر ان کے پردے ہونگے (جہنم کے) اور اسی طرح

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہم بدلہ دینگے ظالموں کو اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیں انہوں نے نیکیاں

تب اللہ تعالیٰ انہیں ان سے پہلی جنوں اور انسانوں کی جماعتوں کے ساتھ آگ میں داخل کرے گا۔دوزخیوں کی دنیا کی زندگی جس طرح عام طور پرلڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجتے گزری، اسی طرح قیامت کو بھی ایک دوسرے سے لڑیں گے اور لعنتیں بھیجیں گے۔ جس طرح دنیا میں کسی کی تکلیف دیکھ کر انہیں دکھ نہیں ہوا اسی طرح آخرت میں بھی بجائے ہمدردی کے ایک دوسرے کے لئے دگنا عذاب چاہیں گے اور اپنے گناہوں کا الزام دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کریں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا قصور بھی کچھ کم نہیں۔کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام نہ لیااور اندھوں کی طرح ان کی اتباع کی۔اس لئے تم سب کے لئے دگنا عذاب ہے اور دنیا کی کوئی فضیلت وہاں عذاب میں کمی کا باعث نہ ہوگی پس اپنے اعمال بد کی وجہ سے عذاب پائیں گے۔

۴۱۔۴۲۔اس رکوع میں اہل نار کاحال بیان فرمایا۔ساتھ ہی اہلِ جنت کا ذکر ہے جو انبیاء پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے۔

یلج الجمل فی سمّ الخیاط ط اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا۔بطورمحاورہ ہے۔ بظاہر ناممکن کام۔ **غواش**۔ غاشیہ کی جمع۔ ڈھانپنے والی۔(**ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ**o(۸۸۔۳)

قرآن و احادیث سے ثابت ہے کہ تمام مومنین و انبیاء کا مرنے کے بعد روحانی طور پر رفع ہوتا ہے اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں جبکہ کفار کا بعد الموت روحانی رفع نہیں ہوتا۔ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے۔ وہ آسمان سے دھکے دے کر نکالے جاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا آگ ہوگی اور وہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”کہ نفس کے شتر بے مہار کو مجاہدات سے ایسا دبلا کردینا چاہئے کہ وہ سوئی کے ناکے سے گزرجائے۔جب تک نفس دنیوی لذائذ وشہوانی حظوظ سے موٹا ہوا ہوتا ہے تب تک یہ شریعت کی پاک راہ سے گزرکربہشت میں داخل نہیں ہوسکتا۔دنیوی لذائذ پر موت وارد کرو اور خوف و خشیت الٰہی سے دبلے ہوجاؤ تب تم گذرسکوگے اور یہی گذرنا تمہیں جنت میں پہنچا کرنجات اخروی کا موجب ہوگا“۔ حصول جنت میں تکبر کا اونٹ بھی حائل ہے جسے عاجزی سے کالعدم کرکے ہی جنت میں داخل ہوسکتے ہیں۔(الحکم جلدے نمبر۲۰۔ ۳۱مئی ۱۹۰۳ء صفحہ۱۴)

دنیا میں بھی انبیاء کی تکذیب کرنے والوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھلتے نہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور نہ الہام وکشوف سے نوازے جاتے ہیں اور نہ سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے بلکہ جہنم کی سی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔کبھی حسد سے کبھی اپنی بداعمالیوں سے کبھی آتشک و سوزاک میں مبتلا ہو کر جو اپنے ناموں کی مناسبت سے دنیامیں ہی بدکاروں کو جہنم کا مزاچکھانے کے لئے کافی ہیں۔بلکہ اب تو ایڈز بھی ان کی فحاشیوں کی سزاکے طورپر قہرالٰہی کی صورت ان کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

اس تعلق میں ایک طویل حدیث قدرے اختصارسے بیان کرتی ہوں۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی صحابی کے جنازے میں تشریف لے گئے۔قبرکی تیاری میں کچھ دیرتھی آپؐ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ صحابہؓ بھی آپؐ کے گرد خاموش بیٹھ گئے آپؐ نے سرمبارک اٹھاکر فرمایا!کہ جب بندۂ مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سفید چمکتے ہوئے چہروں والے فرشتے جنت کا کفن اور خوشبو لے کر آتے ہیں اور مرنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں پھر فرشتۂ موت حضرت عزرائیل علیہ السلام آتے ہیں اور اس روح کو خطاب کرتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ !اپنے رب کی مغفرت اور خوشنودی کے لئے نکلو۔اس وقت اس کی روح اس طرح بدن سے بآسانی نکل جاتی ہے جیسے کسی مشکیزے کا دہانہ کھولنے سے پانی نکلتا ہے۔ فرشتۂ موت اس روح کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔یہ فرشتے اسے

لے کر چلتے ہیں۔راستے میں کوئی فرشتوں کا گروہ ملتا ہے تو پوچھتا ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے۔ دنیا میں جس عزت کے نام سے وہ پکارا جاتا تھا ، فرشتے وہی نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ فلاں ابن فلاں ہے۔یہاں تک کہ پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں۔ دروازہ کھولا جاتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی ان کے ساتھ شامل ہوکر ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں وہاں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کا اعمال نامہ **علیّین** میں لکھو اور اس کو واپس کر دو۔یہ روح واپس قبر میں آتی ہے۔قبر میں حساب لینے والے فرشتے اسے بٹھاتے اور سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے ؟وہ کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور دین اسلام ہے۔پھر پوچھتا ہے جو بزرگ تیرے لئے بھیجے گئے ہیں یہ کون ہیں؟وہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔اس وقت ایک آسمانی ندا آتی ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۔اس کے لئے جنت کا فرش بچھادو اور جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔اس دروازہ سے اسے جنت کی خوشبوئیں اور ہوائیں آنے لگتی ہیں اور اس کا نیک عمل ایک حسین صورت میں اس کے پاس اسے مانوس کرنے کے لئے آجاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کافر و منکر کے پاس بوقت موت آسمان سے سیاہ رنگ مہیب صورت فرشتے خراب قسم کا ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔پھر ملک الموت اس طرح روح نکالتا ہے جیسے کوئی خار دار شاخ گیلی اون میں لپٹی ہوئی ہو اور اس میں سے کھینچی جائے۔یہ روح نکلتی ہے تو اس کی بدبو مردار جانور کی بدبو سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔فرشتے اسے لے کر چلتے ہیں۔راستے میں ملنے والے دوسرے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کس خبیث کی روح ہے۔فرشتے اس بدترین لقب سے اسے پکارتے ہیں جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ پہلے آسمان پر پہنچ کر دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔حکم ہوتا ہے کہ اس کا اعمال نامہ نافرمانوں کے اعمال نامہ کے ساتھ **سجّین** میں رکھو اور اس روح کو پھینک دیا جاتا ہے۔وہ واپس بدن میں آتی ہے اور اسے بٹھا کر وہی بندۂ مومن والے سوال کئے جاتے ہیں وہ جواب میں **ھاہ ھاہ لاادری** کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔اس کے لئے --- جہنم کا فرش ، جہنم کا لباس دے دیا جاتا ہے اور جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے اسے جہنم کی آنچ اور گرمی پہنچتی رہتی ہے اور اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے۔
(ابو داؤد ، نسائی ،ابن ماجہ ،امام احمد)

۴۳۔۴۴۔قرآن کریم نے جہاں جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر کیا ساتھ ہی جنت کی خوشگواریوں

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ
نہیں ہم ذمہ دار قرار دیتے کسی نفس کو مگر مطابق وسعت کے اسکی، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
اس میں رہ پڑنے والے ہیں اور نکال دیں گے ہم جو سینوں میں تھا ان کے
غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ
کینہ بہتی ہوں گی نیچے ان کے نہریں اور وہ کہیں گے سب تعریفیں
لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ
اللہ کیلئے ہیں جس نے راہنمائی کی ہمیں اس کی طرف اور نہ تھے ہم کہ ہدایت پاتیں اگر نہ ہوتی
اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ
یہ بات کہ ہدایت دی ہمیں اللہ نے یقیناً یقیناً آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے
وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ
اور انہیں آواز دی جائے گی یہ ہے وہ جنت وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بسبب اسکے جو تھے تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ
کرتے اور پکاریں گے جنت والے آگ والوں کو کہ

اور نعمتوں کا ذکر کیا اور اپنے بندوں کو تسلی دی کہ ہم نے کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا گویا جنت کا حصول اتنا مشکل نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم پر عمل نہیں ہوسکتا۔اسلام نے تو شادی ایجاب و قبول اور غمی کو جنازہ اور **اناللّٰہ** پر ختم کردیا۔ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ شادیوں کے لئے زمین تک بیچ دیتے ہیں اور خدا کے نام پر کچھ دینا ناقابل برداشت سمجھتے ہیں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء سے استفادہ کیا گیا)پس اللہ تعالیٰ ہرگز کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے لئے بہت آسانیاں ہیں۔ ہاں بندوں سے ان کی استطاعت کے مطابق سلوک ہوگا۔اگر کسی کو مالی یا جسمانی کمزوری کی وجہ سے توفیق نہیں ملی تو وہ رحیم و کریم آقا اس کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو بھی قبول کرے گا اور جنت عطا فرمائے گا۔

فرمایا ہم جنتیوں کے دلوں سے تمام کدورتیں نکال دیں گے۔یہ کدورتیں صحابہؓ کے دلوں میں ہرگز نہیں تھیں بلکہ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ قیامت تک کے مومنین میں سے بعض کے دلوں میں رنجشیں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان کے دل صاف کر دے گا۔ان کے تصرف میں انواع و اقسام کی نعمتیں ہوں

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا
یقیناً پالیا ہم نے جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے سچ سچ پس کیا پالیا تم نے بھی جس کا
وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۚ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ
وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچ سچ وہ کہیں گے ہاں پھر پکارے گا ایک پکارنے والا درمیان انکے
اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ
کہ لعنت ہے اللہ کی ظالموں پر وہ جو کہ روکتے ہیں
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
راہ سے اللہ کی اور چاہتے ہیں اس (راہ) کو ٹیڑھا اور وہ آخرت کے
كٰفِرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ
منکر ہیں اور درمیان ان دونوں (جنت اور جہنم) کے ایک پردہ ہوگا اور اعراف پر کچھ لوگ ہونگے

گی یا یہ کہ ان کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ خدا کی حمد و ستائش کے گیت گائیں گے کہ اگر خدا تعالیٰ ہماری رہبری نہ کرتا تو ہرگز منزل مقصود تک نہ پہنچ سکتے گویا ان کا منزل تک پہنچنا محض اسی کی توفیق سے ہے نہ کہ اپنے اعمال سے بلکہ اگر کوئی نیک عمل ہے بھی تو وہ بھی اسی کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! خوب جان لو کہ تم محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپؑ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی، سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔ (بخاری کتاب الرقاق) فرمایا جنتی رسولوں کی تصدیق کریں گے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہم نے سچ پایا۔ پس انہیں خوشخبری دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے بوجہ اپنے نیک اعمال تم وارث کئے گئے ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی قدر دانی فرمائے گا کہ یہ ان کے اعمال کا ہی اجر ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں !''نجات کے لئے ایمان، عمل اور فضل تینوں ضروری ہیں''۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۴۵۔۴۶۔ **عوج**۔ وہ ٹیڑھاپن جو آنکھ سے نظر آئے جبکہ **عِوَج** وہ ٹیڑھاپن ہے جس کا عقل و بصیرت سے پتہ چلے۔ جنت ایک انتہائی ارفع واعلیٰ مقام ہے جبکہ جہنم انتہائی پست اور ناگوار جگہ ہے اور ان میں بُعدِ بعید اور حجاب گویا ایک روک ہوگی لیکن قدرت خداوندی سے دوزخیوں اور جنتیوں کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنا اور گفتگو کرنا ممکن ہوگا۔ سورۃ حدید ع ۲ میں بتایا کہ وہ دیوار ہوگی جس میں دروازہ ہوگا۔ یہاں سے ان کے مکالمات کا ذکر ہے اور دونوں گروہوں پر تمام حقائق روشن ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے دوزخیوں پر لعنت بھیجیں گے کیونکہ وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو

يَعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ
پہچانتے ہوں گے سب کو نشان سے ان کے اور پکاریں گے جنت والوں کو کہ
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا
سلام ہو تم پر پس نہیں داخل ہوئے (جنتی) اس میں اور وہ توقع رکھتے ہیں اور جب
صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا
پھیری جائیں گی نظریں ان کی طرف آگ والوں کی کہیں گے اے رب ہمارے
لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ
نہ بنا ہمیں ساتھ ظالم لوگوں کے اور پکاریں گے
ع ۵ ۱۲
الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى
اعراف والے کچھ لوگوں کو پہچانیں گے انہیں نشان سے ان کے کہیں گے نہ کفایت کی
عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ
تم سے تمہارے جتھے نے اور نہ اس نے کہ جس پر تھے تم تکبر کرتے کیا یہ (جنتی) وہ لوگ ہیں کہ

روکتے تھے اور اس راہ میں کجی چاہتے تھے یعنی اس راہ کا سیدھا ہونا انہیں پسند نہیں تھا۔ چاہتے تھے کہ ٹیڑھی ہو جائے تاکہ انہیں اپنی من پسند بدیاں کرنے کا موقع ملے۔ ان میں یہ سب بُرائیاں اس لئے پیدا ہوئیں کیونکہ وہ آخرت کا انکار کرتے تھے جو انہیں گناہوں پر دلیر کرنے کا باعث ہوا۔

۴۷، ۴۸۔ **اعراف**۔ عرف کی جمع ہے۔ اونچی جگہ۔ اسی سے رفع، مرتفع وغیرہ ہے۔ **سیمَا**۔ علامت، نشانی۔ چہرہ۔

یہاں سے اہلِ اعراف کا بیان ہے۔ اہل اعراف کون ہیں؟ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ عارف لوگ ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ انہیں سردارانِ اہل جنت کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ انبیاء، اولیاء اور شہداء ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رائے میں اہل اِعراف محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی ہوں گے جن کو جنت میں داخلہ سے پہلے ہی بلند مرتبہ عطا ہوگا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) بتایا کہ یہ عالی مرتبہ مردانِ کامل، بلند اور عزت کی جگہ بٹھائے جائیں گے جو تمام مومنین اور کفار کو ان کی چہروں کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ وہ اہل جنت کو جو جنت کے امیدوار ہوں گے اور ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، سلامتی کی دعا دیں گے اور جہنمیوں سے پناہ مانگیں گے۔

۴۹۔۵۰۔ اس رکوع میں اہل اعراف کا جنتیوں اور دوزخیوں سے مکالمے کا ذکر ہے۔

الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا

قسمیں کھائی تھیں تم نے کہ نہ پہنچائے انہیں اللہ رحمت (اپنی) داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى

جنت میں نہیں خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہوگے اور پکاریں گے

اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ

آگ والے جنت والوں کو کہ ڈالو ہم پر کچھ

الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا

پانی یا کچھ اس سے جو دیا تم کو اللہ نے وہ کہیں گے یقیناً اللہ نے حرام کی ہیں یہ دونوں چیزیں

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا

کافروں پر جنہوں نے بنایا اپنا دین مشغلہ اور کھیل

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ

اور دھوکہ میں ڈالا انہیں زندگی ورلی نے پس آج بھول جائیں گے ہم ان کو

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

جیسا کہ وہ بھول گئے تھے ملنے کو اپنے اس دن کے اور جیسا کہ تھے وہ آیات کا ہماری

يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

انکار کرتے اور یقیناً یقیناً لائے ہم انکے پاس ایک کتاب مفصل بنایا ہے ہم نے جسے (اپنے) علم پر

اہل اعراف جہنمیوں میں سے بعض سرداران کفار کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے کہیں گے کہ تمہارے ایمان نہ لانے کی وجہ محض تمہاری جتھے بازیاں اور دنیوی آسائشیں تھیں ۔جن کی وجہ سے تم متکبر ہوگئے تھے۔تم جانتے تھے کہ مومنین میں شامل ہو کر تم دنیوی لیڈری اور شان و شوکت سے محروم ہو جاؤ گے پھر جنتیوں کی طرف اشارہ کرکے دوزخیوں سے مخاطب ہوں گے کہ کیا انہیں غریب غرباء کو نظر حقارت سے دیکھ کر تم قسمیں کھاتے تھے کہ کبھی انہیں اللہ کی رحمت نصیب نہیں ہوگی۔پھر مومنین سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہوگا۔کہ جاؤ، جنت میں داخل ہوجاؤ۔اب نہ تمہیں آئندہ کے لئے کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی کی وجہ سے تم غمگین ہوگے۔ بیشک **فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** o(آیت:۳۶) کا اطلاق دنیا میں بھی ہوتا ہے۔تاہم کامل اطلاق آخرت میں ہوگا۔جہاں دائمی امن ہوگا۔

۵۱۔۵۲۔یہاں اہل جہنم کی نہایت حسرتناک گفتگو اور عبرتناک حالت کا ذکر کیا۔فرمایا اہل دوزخ اہل جنت سے نہایت عاجزانہ درخواست کریں گے کہ جہنم کی آگ نے ہمیں بھون ڈالا۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

ہدایت ہے اور رحمت ہے لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں نہیں انتظار کرتے وہ (کافر) مگر

تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ

انجام کا اس کے جس روز آئے گا انجام اس کا کہیں گے وہ لوگ جو بھول گئے تھے

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

پہلے سے یقیناً آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے پس کیا ہیں ہمارے لیے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا

سفارشی کہ سفارش کریں ہمارے لیے یا لوٹائے جائیں ہم پھر کریں ہم (عمل) برخلاف اس کے جو تھے ہم

نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

کرتے یقیناً گھاٹے میں ڈالا انہوں نے اپنے جانوں کو اور جاتا رہا ان سے جو تھے وہ

بھوک اور پیاس سے ہماری حالت ناگفتہ بہ ہے۔تم ہم پر کچھ پانی ڈالو تاکہ کچھ تو اس کی شدت کم ہو یا جو جو اللہ نے تمہیں نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ہی کچھ ہمیں عنایت کردو۔اہل جنت کہیں گے کہ یہ دونوں کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے کفار پر حرام کی ہیں کیونکہ یہ روحانی نعمتیں تو دنیا کے نیک اعمال ہیں جو ان نعمتوں کی شکل میں متشکل ہوکر ہمیں مل رہے ہیں جب تمہارے نیک اعمال ہی کوئی نہیں تو نعمتیں کہاں سے ملیں گی۔دین کے معنی احکام الٰہی کی بجا آوری اور اعمال صالحہ کے ہیں جبکہ تمہارا دین روحانیت سے یکسر خالی تھا وہ محض چند رسوم کی بجا آوری اور کھیل تماشے سے زیادہ نہ تھا۔دنیا کی زندگی نے انہیں خوب فریب میں ڈالے رکھا۔پس آج ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا جس طرح انہوں نے آج کی ملاقات کو بھلا دیا تھا یعنی دنیا میں ایسے مگن رہے کہ آخرت کا کبھی خیال تک نہ آیا۔اس سزا کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری آیتوں کا بشدت انکار کرتے رہے۔

۵۳۔جنت وجہنم کی تفاصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے اولادِ آدم کے لئے اپنے ابتدائی عہد کے مطابق پھر ہدایت کا سامان بھیجا ہے۔جو ایک کتاب کامل کی صورت میں انہیں ملا ہے۔جس میں ہر چیز کی تفصیل علم کی بنا پر ہے۔یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔گویا یہ کتاب انہیں دنیوی طور پر بہترین زندگی گزارنے کے لئے تمام اصول وقواعد سے آگاہ کرتی ہے اور روحانی طور پر اپنے رب سے ملاتی ہے جو منتہائے کمالِ انسانی ہے ۔ پس جو ایمان نہیں لانا چاہتے اور اس کی طرف سے آنکھیں بند رکھتے ہیں وہ ہدایت اور رحمت سے بھی محروم ہیں۔

ع ۶ ۱۴

يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

افترا کرتے یقیناً رب تمہارا اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ

چھ دنوں میں پھر (ساتھ ہی) ٹھیک ٹھاک ہے قائم عرش پر ڈھانکتا ہے رات کو

النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

دن سے وہ (یعنی دن) طلب کرتا ہے اسے (یعنی رات کو) جلدی سے اور سورج اور چاند اور ستارے

مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ

کام میں لگائے ہوئے ہیں اسکے حکم سے ۔آگاہ ہو جاؤ کہ اس کیلئے پیدا کرنا اور حکم کرنا ہے برکت والا ہے

اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۵﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ

اللہ رب تمام دنیا کا پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور آہستہ

۵۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ بہت سے الفاظ کے قرآنی معنی اور ہیں اور عام طور پر اور ہیں۔اس طرح تاویل کے معنی ہیں ہیر پھیر کر اپنے مطلب کے مطابق بنا لینا جبکہ قرآن کریم میں اس کے معنی انجام ،حقیقت اور اصلیت کے ہیں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء سے استفادہ کیا گیا)

اگر یہ لوگ اتنے واضح حقائق پر بھی ایمان نہیں لاتے تو کیا وہ اس عبرتناک انجام کا انتظار کر رہے ہیں جس کی کچھ جھلکیاں پچھلی آیات میں گزر چکی ہیں حالانکہ جس دن اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی تو وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے اس کتاب کو بھلا دیا تھا وہ پکار اٹھیں گے کہ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے مگرافسوس ہم نے اسے قبول نہ کیا۔وہ سفارشیوں کو ڈھونڈیں گے جو ان کی سفارش کریں۔یا کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے کہ ہم ان بداعمال کی بجائے اچھے اعمال بجا لاسکیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچایا اور جو کچھ وہ افترا پردازیاں کرتے تھے وہ سب جاتی رہیں۔یہ بھی مراد ہے کہ جو شفیع افترا کئے ہوئے تھے وہ ان سے کھوئے جائیں گے ۔

۵۵۔اس رکوع میں کائنات کی مثالوں سے انبیاء پر ایمان لانے والوں کا اور منکرین کا انجام بتایا۔ **ایام۔ یوم** ۔ دن ۔قرآن کریم نے یوم کو ایک ہزار سال اور دوسری جگہ پچاس ہزار سال کے برابر کہا(سورۃ معارج) مراد زمانہ۔ دور۔ **العرش**۔چھت۔تخت۔حکومت۔ خداتعالیٰ کی عظمت و جبروت۔ **حثیثا**۔تیزی سے آنا۔دوڑنا۔ **خَلق**۔مادہ سے پیدا کرنا۔مرکب چیز کو کسی خاص شکل یا ہیئت میں تبدیل کرنا۔**امر**۔ بغیر مادہ پیدا کرنا۔عزم محض سے یا صرف حکم سے پیدا کرنا۔

فرمایا ہم نے زمین و آسمان کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔سائنس دان سینکڑوں سال کی کاوش و تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ Big Bang کے بعد کائنات کو ارتقا کے لئے چھ مدارج سے گزرنا پڑا۔ ۱۔عناصر ترکیبی دخان کی صورت میں نمودار ہوئے۔ ۲۔ان عناصر سے اجرام سماوی پیدا کئے گئے۔ ۳۔سورج سے زمین الگ ہوئی۔ ۴۔آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔بخارات پانی بن کر برسے، زلازل سے پہاڑ تعمیر ہوئے۔ ۵۔پہاڑوں کی وجہ سے زلزلوں میں کمی ہوئی،زمین کو قرار آیا اور نباتات پیدا ہوئی۔ ۶۔حیوانات کی تخلیق ہوئی اور احسن الخلق حضرتِ انسان کا ظہور ہوا۔

انسان جو عالم صغیر ہے اس کی پیدائش بھی چھ مراحل سے گزر کر تکمیل پذیر ہوئی۔پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظامًا پھر لحمًا یعنی گوشت چڑھنا۔پھر صحیح سالم انسان کا پیدا ہونا۔(المومنون رکوع ۱)حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں تکمیل علم کے لئے بھی ایم۔ اے تک چھ درجے ہی رکھے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)غرض چھ کے ہندسے کو تکمیل کائنات میں خاص دخل ہے جو کئی طرح سے ثابت ہے۔عرش کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں عرش کے لفظ میں بھی استعارہ ہے ، وہ ہرگز کوئی مجسم چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جلالی و جمالی تجلیات کا مظہر ہے۔قرآن کریم نے دل کو بھی عرش کہا۔اس لئے کہ وہ تجلیٔ الٰہی کا مظہر ہے۔ پس عرش تشبیہی مرتبہ سے بالاتر اور ہر ایک عالم سے برتر اور نہاں درنہاں تقدس و تنزہ کا مقام ہے۔(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۴۔۱۵ مورخہ ۳۰ اپریل و ۱۰ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۳) مزید تشریح (۹۔۱۲۹)

پھر عرش پر مضبوطی سے قائم ہوگیا گویا اب اسی کی حکومت ہے اور اسی کا قانون ہے۔وہ رب العرش ہے یعنی مالک کونین ہے۔اس نے خلق ہی نہیں کیا بلکہ تمام کائنات کا مدبر اعلیٰ بھی وہی ہے۔اسی کے قانون میں دن رات ، سورج اور چاند ستارے جکڑے ہوئے ہیں اور انسان کی خدمت پر مامور ہیں اور اس کے بنائے ہوئے قوانین سے سرمو انحراف نہیں کرتے رات سے دن کو ڈھانپنا یہ ہے کہ ایک مہیب اندھیرا ہے جو تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔سورج اور چاند کی گردش سے دِن کا ظہور ہوتا ہے اور روشنی رات کا پردہ چاک کرکے چاروں طرف پھیل جاتی ہے جسے رات پھر ڈھانپ لیتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا رات دن کے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے اور دن کو جلدی سے آلیتی ہے۔دن کی مصروفیات کی بنا پر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے۔اگر وہ انسان کی جسمانی ضروریات کے لئے کل کائنات کو وجود میں لاسکتا ہے تو کیا روحانی ربوبیت کے لئے کوئی انتظام نہ کرتا۔اس میں واضح اشارہ ہے کہ روحانی آسمان کی تکمیل بھی چھٹے دور میں ہوگی۔چنانچہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ششم ہزار میں تشریف لائے۔ پس جان لو کہ وہی

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

یقیناً وہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور نہ فساد کرو زمین میں

بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ

بعد اصلاح کے اس کی اور پکارو اُسے ڈر کر اور طمع سے یقیناً رحمت

اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ

اللہ کی قریب ہے محسنوں کے اور وہی ہے جو بھیجتا ہے

الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ

ہوائیں خوش خبری کے طور پر آگے اپنی رحمت کے یہاں تک کہ جب وہ اُٹھاتی ہیں

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ

بادل بوجھل ہانک کر لیجاتے ہیں ہم اُسے طرف گاؤں مردہ کی پس اتارتے ہیں ہم بذریعہ اس کے

پیدا کرتا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔بہت برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔

۵۶۔زمین و آسمان میں خدائی کبریائی بیان کر کے بتایا کہ وہی ذات ہے جو حاجت روا ہے جس نے بغیر مانگے سب کچھ عطا کیا حاجت روائی اسی کو سزاوار ہے۔اسی سے مانگو۔مگر یاد رکھو دعا کے بھی کچھ آداب ہیں۔ پس اس کے حضور گریہ و زاری کرو اور عاجزی سے چپکے چپکے پکارو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پس ’’تم کامل امید ،کامل یقین اور کامل مجاہدہ سے دعامیں لگے رہو اور دعا میں لفظ رب کا بہت استعمال کرو۔ فرمایا **خفیة** میں چلتے پھرتے ، بیٹھتے ، بات کرتے ہوئے، پڑھتے ہوئے سب حالات ہیں‘‘۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) دعا میں کئی طرح سے اعتداء ہے۔ ۱۔جلدی کرنا۔ ۲۔خلاف قدرت امور کی دعا کرنا۔ ۳۔تنگی کے وقت دعا کرنا اور آسانی کے وقت چھوڑ دینا۔ ۴۔ناامیدی کہ شاید قبول ہو یا نہ ہو۔ ۵۔ظاہری سامان کو کام میں نہ لانا۔

۵۷۔زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد فرمایا کہ یہ زمین ہم نے انسان کے رہنے کے قابل بنائی۔اب اس میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ظاہری طور پر اس کی حفاظت یہ ہے کہ اس کی فضا کو تباہ کن بموں اور آلودگیوں سے برباد نہ کرو اور اوزون میں سوراخ کر کے الٹراوائلٹ(Ultra Violet) جیسی نقصان دہ شعاؤں کو زمین پر مت آنے دو جن کو خالق کائنات نے زمین کے بالائی حصہ میں اوزون کی یعنی مختلف گیسز کی دس سے تیس میل موٹی تہ سے روکا ہوا ہے۔الٹراوائلٹ شعاؤں سے انسان میں بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ جلد کے کینسر اور موتیا بند جیسے

الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ

پانی پھر نکالتے ہیں ہم اس (پانی) سے ہر قسم کے پھل اسی طرح

نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ

ہم نکالیں گے مُردے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور بستی پاکیزہ

يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

نکلتی ہے نباتات اس کی حکم سے اسکے رب کے وہ (گاؤں) جو بُرا ہو نہیں نکلتی (نباتات اسکی)

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۴

مگر ناقص، اسی طرح ہم بار بار لاتے ہیں آیات لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں

عوارض کا شکار ہو جاتا ہے نیز بڑھاپا بھی جلد آتا ہے۔

روحانی طور پر بھی اس کی اصلاح کی تکمیل ہو چکی ہے اب دعاؤں سے اسے سنبھالے رکھو۔دعا کے لئے پہلے ظاہری طریق بتائے کہ اسے تضرع سے اور آہستہ آہستہ پکارو۔اب باطنی طریق سے آگاہ کیا کہ اس سے ڈرو بھی اور اسے چاہو بھی۔ گویا اس کے جلال و ہیبت کو مدنظر رکھو اور اس کی رحمتوں کے امیدوار بھی رہو اور یاد رکھو کہ اس کی رحمت محسنین کے قریب ہے ان نیکوکاروں کے قریب کہ جن کے ذمہ خدائی حقوق ہوں یا مخلوق خدا کے حقوق وہ ان کے حقوق سے زیادہ انہیں دیتے ہیں ’’پس اگر قبولیت چاہتے ہو تو محسن بن جاؤ‘‘ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۵۸۔ **اقلّت** ۔**قلّة**۔بوجھ کو تھوڑا اور ہلکا پانا۔ **اقلّت** یعنی ہواؤں نے اس بوجھ کو اپنی قوت کے لحاظ سے قلیل پایا۔ گویا ہواؤں کے لئے ٹنوں پانی اٹھانا بالکل آسان ہے۔**سقنا**۔ سوق ۔ جانور کو ہانکنا اور چلانا۔**سقنا**۔ہم نے پانی پلایا۔ چلایا۔

اب رحمت کا ذکر ایک اور رنگ میں فرمایا کہ بارش جو رحمتِ خداوندی ہے اس کے آگے آگے خوشخبریاں دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔اسی طرح انبیاء جو بطور رحمت مبعوث ہوتے ہیں ان کے آنے سے پہلے ان کی خوشخبریاں دینے ان کے ارہاص آتے ہیں۔ پس جس طرح مردہ زمین کی طرف اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے آسمان سے پانی بھیجنے کا انتظام فرماتا ہے جس سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔اسی طرح جب سخت گمراہی پھیل جاتی ہے اور روحانیت کی زمین بالکل ہی خشک اور مردہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنی رحمت سے اپنے رسول بھیجتا ہے جو آسمانی وحی کے پانی سے مُردہ دلوں کو سیراب کرتے ہیں اور ان روحانی مُردوں میں زندگی کی روح پھونکتے ہیں۔پس یہ مثال بھی انہیں کو فائدہ دے گی جو نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا
يقيناً يقيناً بھیجا ہم نے نوح کو طرف اس کی قوم کی پس کہا اس نے اے قوم میری عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے یقیناً میں ڈرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا
عذاب سے دن بڑے کے کہا بڑے آدمیوں نے قوم میں سے اس کی یقیناً

۵۹۔ **نکدا**۔ قلیل اور ردی چیز۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''زمانہ بعثتِ نبوت بہار کا وقت ہوتا ہے جو کچھ کسی کے اندر ہو باہر نکلتا ہے''۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) پس انسانی فطرتوں کے سارے خواص ظاہر ہوجاتے ہیں چونکہ انسانی طبائع میں فرق ہے اس لئے جن کی فطرت نیک ہوتی ہے وہ زرخیز زمین کی طرح اس روحانی بارش سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور زمانہ کے رسول کو مان کر اخلاص اور نیکیوں میں ترقی کرتے ہیں اور اپنی جھولیوں کو نیکیوں کے ثمرات سے بھر لیتے ہیں اور الہام وکشوف کے پھل کھاتے ہیں۔جن کی فطرت بدہوتی ہے وہ بنجر زمین کی طرح اس روحانی بارش سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور مخالفت اورشرارت میں بڑھتے جاتے ہیں اور اپنے نامہ اعمال میں صرف بدیوں کا اضافہ کرتے ہیں جو جھاڑ جھنکاڑ کے موافق ہوتی ہیں۔ پس نشانیاں تو بے شمار نازل ہوتی ہیں اور مختلف انداز سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں لیکن فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو اس کی نعمتوں کے قدر دان اور شکر گزار ہیں۔

۶۰۔ یہاں سے قریباً آخر سورت تک ان تمام انبیاء کے قصص بیان فرمائے جن کی قوموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کی قوموں پر عذاب استیصال آئے اور وہ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں ۔چنانچہ اس تعلق میں سب سے پہلے اس رکوع میں قومِ نوحؑ کا ذکر کیا ۔

حضرت نوحؑ موجودہ عراق میں پیدا ہوئے۔نسل انسانی اس وقت اسی علاقے تک محدود تھی اور وہیں طوفان آیا۔آپ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ حضرت آدمؑ سے قریباً ایک ہزار سال بعد پیدا ہوئے۔آپ کو چالیس سال میں نبوت ملی اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے۔

قرآن کریم میں انبیاء کی عمروں سے مراد ان کی امت کی عمریں ہیں۔اسی لئے آپ کی عمر ساڑھے نوسوسال بیان فرمائی۔اگر اس عمر کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو حضرت نوحؑ کی وفات کے

لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ
ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے گمراہی میں کھلی کھلی اس نے کہا اے قوم میری نہیں ہے مجھ میں

ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۲﴾ اُبَلِّغُكُمْ
گمراہی ولیکن میں رسول ہوں طرف سے رب العالمین کی پہنچاتا ہوں تمہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
پیغام اپنے رب کا اور نصیحت کرتا ہوں تمہارے لیے اور میں جانتا ہوں طرف سے اللہ کی جو نہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
جانتے تم کیا تعجب کیا تم نے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت طرف سے تمہارے رب

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ
کی بذریعہ ایک آدمی کے تم میں سے تاکہ وہ ڈرائے تم کو اور تاکہ تم متقی بنو اور تاکہ تم

وقت حضرت ابراہیمؑ ساٹھ برس کے ہونے چاہئیں جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔حضرت قتادہؓ کا قول ہے کہ بلا ضرورت آیاتِ قرآنی کو ایسے محل پر محمول کرنا جو تاریخ عالم سے متصادم ہو ،درست نہیں۔ یہاں سے انبیاء کا ذکر تاریخی ترتیب کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں جہاں بھی انبیاء کا ذکر ہے اسے قصے کہانیوں کا رنگ ہرگز نہیں دیا گیا بلکہ ہر قصے میں ان گنت نصیحت آموز باتوں کے علاوہ یہ عظیم پیشگوئی ہے کہ انہیں کی طرح تمہارے مخالفین بھی تباہ و برباد ہوں گے اور مومنین کامیاب و کامران ہوں گے۔اس طرح آنحضرت ﷺ اور مومنین کو تسلی دی نیزان قصائص میں قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔ یہاں سب سے پہلے اسی مشترکہ مشن کا ذکر کیا جس کی طرف ہر نبی مبعوث ہوتا ہے یعنی توحید و رسالت اور شرک سے اجتناب۔ پھر فرمایا کہ تمہارے انکار کی وجہ سے جو تم پر عذاب آنے والا ہے ، میں تو اس کے تصور سے بھی ڈرتا ہوں۔یومِ عظیم میں عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ جتنا بڑا عذاب ہوگا اتنا ہی دن بڑا لگے گا گویا ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔

۶۱۔۶۲۔ **ملاء**۔ لفظی معنی بھرے ہوئے کے ہیں خواہ مال و دولت سے ہو یا تکبر و شرارت سے ۔ سردار اور رئیس قوم مراد ہیں۔

آپ کی دعوتِ اسلام پر قوم کے سرداروں نے نہایت تکبر اور حقارت سے کہا کہ تم ہمیں کیا ہدایت دینے آئے ہو ہمیں تو تم خود سخت گمراہ نظر آتے ہو۔آپ نے ان کی گستاخی کا ازحد نرمی سے جواب دیا کہ مجھے تو سارے جہاں کے رب نے منتخب کر کے بھیجا ہے میں کیونکر گمراہ ہوسکتا ہوں۔ رسول کے لفظ میں اشارہ کیا کہ بھولتا تو وہ ہے جو کہیں جا رہا ہو میں تو منزل پر پہنچ کر واپس آیا ہوں،

تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
رحم کئے جاؤ پس تکذیب کی انہوں نے اس کی پس نجات دی ہم نے اُسے اور ان لوگوں کو جو ساتھ تھے اُس

فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ
کے کشتی میں اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے تکذیب کی تھی ہماری آیات کی یقیناً وہ

كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ
تھے لوگ اندھے اور (بھیجا) طرف عاد کی بھائی ان کا ہود اُس نے کہا

ع ۱۵

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا
اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اس کے کیا پس نہیں

تمہیں راہ دکھانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے۔

۶۳۔میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں چونکہ تمہاری خیرخواہی چاہتا ہوں اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ان پر ایمان لا کر دنیا و آخرت کے انعامات کے وارث بن جاؤ۔ورنہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے علم سے مجھے تمہارا جو انجام نظر آ رہا ہے وہ تم نہیں جانتے۔

۶۴۔جس طرح ہر نبی کی تعلیم بنیادی طور پر ایک ہی تھی اسی طرح ہر نبی کے زمانہ میں منکرین کے اعتراضات بھی ایک جیسے ہی تھے کہ ہم میں سے ایک عام آدمی کے ذریعہ نصیحت کیوں آئی۔ کوئی فرشتہ آتا یا کم ازکم ہم جیسا کوئی رئیس ہی ہوتا۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر یہی دیا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی آتے ہیں تاکہ احکامِ الٰہی پر عمل کر کے بتا دیں۔ ان کے آنے کا مقصد تمہیں عذاب سے ڈرانا اور تقویٰ پر قائم کرنا ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تم آنے والے عذاب سے بچ جاؤ۔

۶۵۔قرآن کریم تمام الہامی کتابوں میں مختصر ترین کتاب ہے۔لمبے چوڑے واقعات چھوڑ کر مضمون کی مناسبت سے ضرورت کی بات بیان کرتا ہے۔یہاں بھی ایک لمبے عرصہ کی تبلیغ و نصائح اور منکرین کے انکار و استہزا اور ظلم وستم کی داستان کو چھوڑ کر انجام سے آگاہ فرمایا کہ ہم نے اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو جو کشتی میں اس کے ساتھ سوار تھے ، بچا لیا اور منکرین کو غرق کر دیا ، کیونکہ وہ اندھی قوم تھی۔اس لئے کہ ان گنت دلائل و معجزات کے باوجود انہیں حق نظر آیا نہ ان کے دل پر اثر ہوا۔تفصیل سورۃ نوح اور سورۃ ہود میں آئے گی۔اس قصہ میں مومنین کے لئے بے شمار نصائح ہیں جبکہ منکرینِ نبوت کے لئے خاص طور پر بہت سے عبرت آموز اسباق ہیں۔

۶۶۔اس رکوع میں حضرت نوحؑ کے بعد بلحاظ ترتیب حضرت ہودؑ کا ذکر ہے جو عرب کی

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا
تم تقویٰ کرتے کہا بڑے لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اس کی قوم میں سے یقیناً

لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۷﴾
البتہ دیکھتے ہیں تجھے بیوقوفی میں اور یقیناً ہم البتہ گمان کرتے ہیں تجھے جھوٹوں میں سے

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ
اس نے کہا اے قوم میری نہیں ہے مجھ میں بے وقوفی و لیکن میں رسول ہوں طرف سے رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۸﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ
العالمین کی میں پہنچاتا ہوں تمہیں پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارے لیے خیرخواہ

اَمِيْنٌ ﴿۶۹﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
امین ہوں کیا تعجب کیا تم نے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت طرف سے تمہارے رب کی بذریعہ ایک شخص کے

ایک قدیم ترین قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے۔یہ قوم طوفان نوح کے بعد عرب کے جنوبی ریگستانی حصوں میں جسے احقاف کہتے ہیں آباد ہوگئی تھی۔ حضرت نوحؑ کا پوتا ارم اور اس کا پوتا عاد تھا جس کے نام سے یہ قوم منسوب ہوئی۔یہ نہایت طاقتور ، قدآور اور سرکش قوم تھی جس نے عرب کے اکثر حصوں کو اپنے زیرنگین کرلیا اور عمان سے لے کر حضرموت ، یمن ، عراق اور کویت تک ان کی حکمرانی میں شامل ہوگئے۔یہ باغات اور محلات میں بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔انہیں عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں جبکہ اس کی ایک شاخ عاد ثانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔اس قوم کے کچھ آثار اب بھی ملتے ہیں۔یہ ایک بت پرست قوم تھی۔ دوسرے انبیاء کی طرح حضرت ہودؑ نے بھی اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا۔عبادت کے معنی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کی ہر حرکت و سکون اور قول و فعل بقدرِ استطاعت خدا کے حکم کے ماتحت ہو جائے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۶۷۔۶۸۔ہر نبی کی طرح آپ کی مخالفت بھی سردارانِ قوم اور رؤساء نے کی اور تکبر کے نشہ میں آپ سے نہایت تحقیرآمیز سلوک کیا اور آپ کو احمق اور جھوٹا کہا لیکن آپ نے نہایت نرم جواب دیا جو صرف ایک نبی ہی کے شایانِ شان ہے کہ مجھ میں تو بیوقوفی کی کوئی بات نہیں۔ہاں میں اس رب کی طرف سے بھیجا ہوا ضرور ہوں جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرما رہا ہے گویا جس طرح تمہاری جسمانی ربوبیت کے سامان مہیا فرمائے اسی طرح تمہاری روحانی ربوبیت کے لئے مجھے مبعوث فرمایا۔

۶۹۔پس میرا کام تو صرف اپنے رب کے پیغامات کو پہنچانا ہے۔تمہاری کسی بڑی سے بڑی

مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
تم میں سے تاکہ وہ ڈرائے تم کو اور یاد کرو جبکہ اس نے بنایا تم کو جانشین

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا
بعد قوم نوح کے اور بڑھایا تم کو پیدائش میں فراخی کے لحاظ سے پس یاد کرو

اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۷۰ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ
نعمتیں اللہ کی تاکہ تم کامیاب ہو انہوں نے کہا کیا آیا ہے تو ہمارے پاس کہ عبادت کریں ہم اللہ

وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
اکیلے کی اور چھوڑ دیں ہم جس کی تھے عبادت کرتے باپ دادا ہمارے پس لے آ ہمارے پاس جس کا

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷۱ قَالَ قَدْ وَقَعَ
تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر ہے تو سچوں میں سے اس نے کہا یقیناً واقع ہوا ہے

زیادتی کے باوجود بھی میں تمہارا بُرا نہیں چاہتا بلکہ تمہارا خیرخواہ اور امین ہوں۔گویا خدا کا پیغام ایک امانت ہے جسے من وعن لوگوں تک پہنچانا میرا فرض ہے۔ یعنی میں اپنی طرف سے کچھ نہیں ملاتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ہر دعوے کی دلیل دیتا ہے۔امین دعویٰ نہیں دلیل ہے اس بات کی کہ میں سچا ہوں تم جھوٹے ہو۔میں ہی ایک تھا جسے خدانے چنا۔ تم میں کوئی بھی اس امانت کا اہل نہیں تھا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA) آنحضرت ﷺ تو دعویٰ نبوت سے قبل ہی صادق و امین کے لقب سے مشہور تھے۔

۷۰۔ **بسط**۔فراخی۔کشائش۔**بصطۃً یا بسطۃ**۔مراد قوت اور زیادتی جسم۔**بسط** میں بہت سی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔یہ بھی معنی ہیں کہ تھوڑے ہونے کے باوجود بکثرت پھیلا دیا۔

مخالفینِ انبیاء اپنے جیسے ایک عام شخص کو رسول ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوئے کہ وہ ان کو آنے والے عذاب سے ڈرائے اس لئے انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائیں کہ قوم نوح کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا جانشین مقرر فرمایااور نہ صرف ایک مضبوط حکمرانی سے نوازا بلکہ جسمانی قوت میں بھی زیادتی کی یعنی قدآور اور مضبوط اولاد سے نسلوں کو بڑھایا۔دراصل طوفانِ نوح کے بعد ایک نیا دور آیا جس میں تیزی سے جسمانی اور دماغی ترقی ہوئی اورنسل اِنسانی بڑی کثرت سے پھیلی۔اب اگر **مفلحین** میں شامل ہونا چاہتے ہوتو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرواوران کی قدر کرو۔ جس میں سب سے بڑی نعمت تم میں رسول کا آنا ہے۔

۷۱۔ **فاتنا**۔پس آ ہمارے پاس ۔ **بما**۔ اس کے ساتھ ،گویا اسے لے آ۔

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۗ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ
تم پر طرف سے تمہارے رب کی عذاب اور غضب کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے بارہ میں

اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا
کچھ ناموں کے کہ نام رکھا ہے جن کا تم نے اور باپ دادا نے تمہارے نہیں اتاری اللہ نے جن کی

مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۲
کوئی دلیل پس انتظار کرو یقیناً میں ساتھ ہوں تمہارے انتظار کرنے والوں میں سے

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ
پس نجات دی ہم نے اُسے اور ان لوگوں کو جو ساتھ تھے اسکے بسبب رحمت کے اپنی اور کاٹ دی ہم نے جڑ ان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۳ وَاِلٰى ع ۹ ۱۶
لوگوں کی جنہوں نے تکذیب کی تھی آیات کی ہماری اور نہ تھے وہ مومن اور طرف

انبیاء کفار کو ان کے شرک اورتکفیر کی وجہ سے آنے والے عذاب سے ڈراتے اور توحید کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ان کا جواب قومِ ہود کی طرح ہمیشہ یہی رہا کہ کیاتم اس لئے آئے ہو کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کریں۔مشرکین کبھی اللہ کے منکر نہیں ہوئے بلکہ اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو ماننے کو تیار نہیں تھے۔پس نہایت بے باکی سے مطالبہ کرتے کہ اگرتم سچے ہوتو وہ موعود عذاب لے آؤ۔

۷۲۔سب سے بڑی پلیدی شرک کی پلیدی ہے جو روح پر اثرانداز ہوتی ہے۔پس اس قوم کی نافرمانیوں اورحکم عدولیوں کی وجہ سے جب خدا کی طرف سے ناپاکی اور غضب ان پر واجب ہو گیااور آپ نے ان کو خبر بھی دے دی تو بھی حضرت ہودؑ تبلیغ و نصیحت سے باز نہ آئے کہ شاید اب بھی سنبھل جائیں۔ فرمایا کہ ان دیوتاؤں کی وجہ سے تم مجھ سے جھگڑتے ہو۔ جن کے ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں یعنی محض بے جان پتھر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری ۔یعنی کسی الہامی کتاب سے شرک ثابت نہیں کہ کبھی کسی مُرسل کو ایسا کوئی حکم ملا ہو۔پس اس عذاب کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

۷۳۔اب اس عذاب کی کوئی تفصیل نہیں بتلائی صرف نتیجہ سے آگاہ کر دیا کہ ہم نے اسے اس کے ساتھیوں سمیت اپنی رحمت سے بچالیا اور مکذبینِ آیات الٰہی جو ایمان لانے والے نہ تھے ان کی جڑ تک کاٹ دی۔یہ وہ بدبخت تھے کہ ہزار سال بھی زندہ رہتے تو ایمان نہ لاتے۔ دوسری جگہ تفصیل بیان فرمائی کہ ایک ہیبت ناک آواز کا عذاب تھا۔اسے ریحاً صرصرًا (۴۱-۱۷)

ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
ثمود کے (بھیجا ہم نے) بھائی ان کا صالح اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے یقیناً آئی ہے تمہارے پاس واضح دیل طرف سے تمہارے رب کی
هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ
یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لیے نشانی پس چھوڑ دو اسے کھائے زمین میں
اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
اللہ کی اور نہ پہنچاؤ اسے برائی ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ
دردناک اور یاد کرو جبکہ اس نے بنایا تمہیں جانشین بعد عاد کے اور

کہایعنی شدید آندھی کا طوفان تھا جس نے آٹھ دن اور سات راتوں میں ہر چیز کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف حضرت ہود علیہ السلام مع اپنے رفقاء کے معجزانہ طور پر بچائے گئے۔ ہر قرآنی قصہ میں حق کو جھٹلانے والوں کا عبرتناک انجام اور ماننے والوں کو معجزانہ طور پر بچائے جانے کا ذکر ہے۔اس قصہ میں خاص طور پر حضرت ہودؑ کا ان کے تحقیر آمیز رویہ کے مقابلہ میں نہایت مشفقانہ اندازِ نصیحت کا بیان ہے۔ جو ہر مبلغِ اسلام کے لئے مشعل راہ ہے۔

۷۴۔اس رکوع میں ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے قومِ ثمود اور پھر قوم لوط کا ذکر ہے۔قوم ثمود قوم عاد کی ہی ایک شاخ تھی جس کا عروج عاد سے قریباً دوسوسال بعد ہوا۔اس کا مرکز مدینہ کا شمالی پہاڑی علاقہ حجر تھا جسے اب مدائن صالحہ کہتے ہیں۔ان کی حکومت مشرق میں شام اور طور سینا تک پھیلی ہوئی تھی۔یہ ایک بہادر، متمول اور طاقتور بت پرست قوم تھی جو سنگ تراشی اور فن تعمیر میں ماہر تھی۔یہ لوگ میدانوں میں محلات بناتے اور پہاڑوں کو کھود کر خوشنما گھر بناتے۔مدائن صالحہ میں ایسے گھر بکثرت موجود ہیں جو ان کی کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ مع لشکر اس علاقے سے گزرے تو فرمایا کہ یہ سیر کا مقام نہیں۔یہاں سے روتے ہوئے تیزی سے گزرو اور پانی تک نہ پیو۔جو آٹا اس پانی سے گوندھا گیا تھا جانوروں کو کھلا دیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قوم ثمود تباہ ہوئی (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب الی ثمود حدیث نمبر ۳۱۲۷)اس سے ثابت ہوا کہ جگہوں پر برکات یا نحوست وغیرہ باقی رہ جاتے ہیں۔اس خاص جگہ کے لئے ممکن ہے ایسا ہو۔جسے نبی کریم ﷺ کی فراست نے بھانپ لیا ہو۔ورنہ دنیا میں جگہ جگہ عبرت کے مقام ہیں لیکن

بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
جگہ دی تم کو زمین میں بناتے ہو تم میدانوں میں اسکے محلات
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا
اور تراش کر بناتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو نعمتیں اللہ کی اور نہ
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ
فساد کرو زمین میں مفسد بن کر کہا بڑے لوگوں نے جنہوں نے

کسی جگہ کے لئے ایسا کوئی حکم نہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ ان کھنڈرات کے ویران کنوؤں کا پانی انسانی صحت کے لئے مضر ہو ورنہ ان حالات میں کہ خوراک کی شدید کمی تھی، تیس ہزار کے لشکر کے لئے گندھا ہوا آٹا جانوروں کو نہ کھلایا جاتا (بخاری کتاب الانبیاء) قرآن کریم میں ان تباہ شدہ بستیوں کا اکثر ذکر آیا جو شام کے راستہ پر تھیں اور مقام عبرت تھیں۔ان کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہیں وہی پیغام دیا جو حضرت آدمؑ سے لے کر ہر نبی دیتا آیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔فرمایا تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے لیکن جب اس سرکش قوم نے واضح نشان دیکھ کر بھی حق قبول نہ کیا اور اپنی سرکشیوں میں بڑھتی چلی گئی تو عذاب سے پہلے بطور حجت خدا تعالیٰ نے اونٹنی کو نشان کے طور پر مقرر فرمایا۔یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اونٹنی کی شکل میں ایک ہی نشان ہو۔یہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی تھی جو آپ کی تبلیغ کا واحد ذریعہ تھی اور جس پر آپ تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔(تفسیر صغیر از حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) وہ اسے چارہ اور پانی سے روکتے تھے اسی لئے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔تا آپ اس کو چرانے کے جھنجٹ سے آزاد ہوکر دینی امور کے لئے کلیتہً وقف ہوسکیں نیز اس زمانہ میں چراگاہیں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھیں۔جس طرح بیت اللہ ایک نشان ہے کہ جو اسے تباہ کرے گا خود تباہ ہوگا اسی طرح یہ ناقۃ اللہ بھی اللہ تعالیٰ کا نشان تھی کہ جو اسے تکلیف پہنچائے گا خود تباہ ہوگا۔اس اونٹنی کے متعلق بہت سی بے سروپا کہانیاں مشہور ہیں جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں۔

۷۵۔ **بواء**۔عمدہ رہنے کی جگہ۔**سھول** ۔سھل کی جمع۔سہولت یا آسانی۔مراد صاف و ہموار جگہ۔ نرم زمین۔

انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں کیونکہ اکثر قومیں اپنی قوت و دولت اور حکمرانی کے نشہ میں یہی سمجھتی ہیں کہ یقیناً ہم ہی اپنی قوت اور عقلمندی کی وجہ سے ان کے اہل ہیں۔فرمایا قوم عاد کے

اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ

تکبر کیا تھا قوم میں سے اسکی ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے گئے تھے (یعنی) ان کو جو ایمان لائے

مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْا

تھے ان میں سے کہ کیا تم جانتے ہو کہ صالح رسول ہے طرف سے اپنے رب کی انہوں نے کہا

اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

یقیناً ہم اس پر کہ وہ بھیجا گیا ہے جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہیں کہا ان لوگوں نے جنہوں نے تکبر کیا

اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ

ہم اس کے کہ ایمان لائے ہو تم جس پر کافر ہیں پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی

عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

اور سرکشی کی حکم سے اپنے رب کے اور انہوں نے کہا اے صالح لے آ ہمارے پاس جس کا تو وعدہ کرتا ہے ہم سے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اگر ہے تو رسولوں میں سے پس پکڑا انہیں زلزلہ نے

بعد تمہیں ان کا جانشین مقرر فرمایا اور رہنے کے لئے عمدہ جگہیں دیں اس کی دی ہوئی توفیق سے تم نے سردیوں کے لئے میدانوں میں محلات تعمیر کئے اور گرمیوں کے لئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے پھر بجائے خدا کی شکر گزاری اور عدل و انصاف قائم کرنے کے یہ متکبر قوم بندگان خدا پر ظلم وجور اور فساد کی مرتکب ہوئی اور قوم نوح وعاد کے انجام کو بھول گئی۔

۷۶۔پس سرداران قوم نے جو تکبر کے نشہ میں چور تھے۔ ضعفاء قوم کو جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے اور ایمان لے آئے تھے، کہا کہ کیا تم واقعہ میں سمجھتے ہو کہ صالح ؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ان مومنین نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہاں !صالح ؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے بلکہ یہ جواب دیا کہ ہم اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔یعنی وہ تعلیم بول رہی ہے کہ خدا کی طرف سے ہے انسانی کام نہیں۔اس تعلیم کو لانے والا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

۷۷۔اس پر متکبرین نے وہی جواب دیا جو ایسے مواقع پر مکذبین انبیاء دیا کرتے ہیں کہ جس تعلیم پر یہ غریب اور جاہل لوگ ایمان لائے ہیں اس پر ایمان لانا ہماری شان کے خلاف ہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ پیغام کیا ہے اور لانے والا کون ہے۔یہ تہیہ کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

۷۸۔حضرت صالحؑ کی اونٹنی خدا کا نشان تھی جس کے متعلق پیشگوئی ہوچکی تھی کہ جو اسے

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٩﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں سینوں کے بل گرے ہوئے پھر (صالح) نے منہ پھیر لیا ان سے اور کہا

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ

اے قوم میری یقیناً یقیناً پہنچا دیا تھا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور نصیحت کی تھی میں نے تم کو

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ

و لیکن نہیں پسند کرتے تم نصیحت کرنے والوں کو اور لوط کو (بھیجا ہم نے) جبکہ کہا اس نے

ہلاک کرے گا تباہ ہوگا۔اس کے باوجود انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی اختیار کی۔اس گناہ کے بعد بجائے شرمندہ ہونے کے شوخی اور بیباکی سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آ۔

۷۹۔سورۃ قمر اور سورۃ شمس میں بتلایا کہ اس قوم کے سب سے بدبخت شخص نے اسے ہلاک کیا۔چونکہ پوری قوم اس کی پشت پناہی کر رہی تھی اس لئے ساری قوم عذاب کی مستحق ٹھہری۔ تاہم بحکم الٰہی حضرت صالح ؑ نے بتا دیا کہ اس ظلم کے بعد بھی تمہیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ شاید تائب ہو جاؤ لیکن افسوس انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا۔وہ اونٹنی کے بعد حضرت صالح ؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔اونٹنی کو ہلاک کرنے سے ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ بھاگ نہ سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ان پر ایک ہولناک آواز کے ساتھ شدید زلزلہ آیا اور انہیں گھروں سے نکلنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ جہاں تھے وہیں منہ کے بل گر کر ہلاک ہوگئے اس قسم کا زلزلہ ۱۸۸۸ء میں کیراپیٹوا میں بھی آیا کہ پہلے شدید قسم کا دھماکہ ہوا جس کی آواز ایک ہزار میل تک سنی گئی پھر شدید زلزلہ آیا جس نے کیراپیٹوا کو تباہ کر دیا۔

۸۰۔حضرت صالح ؑ اس مقام پر جو خدا کی طرف سے محلِ غضب تھا، نہ ٹھہرے۔ نبی کا کام بندگان خدا کو ہدایت دینا ہوتا ہے جب وہ قوم تباہ ہوگئی تو نبی کا وہاں ٹھہرنا بے مقصد تھا اس لئے حکم خداوندی کے تحت کسی دوسری قوم کو ہدایت دینے روانہ ہوگئے۔ آپ اپنے متبعین سمیت جو معجزانہ طور پر بچائے گئے تھے غالباً مکہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔آپ نے جاتے ہوئے اس تباہ شدہ قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی چاہی کہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ لیکن افسوس تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ یہ خطاب بعینہٖ ویسا تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں رؤسائے قریش کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو

لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اے قوم میری کیاکرتے ہوتم وہ بے حیائی کہ نہیں پہلے کی تم سے وہ

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۱﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً
کسی نے تمام دُنیا سے یقیناً تم البتہ آتے ہو مردوں کے پاس شہوت سے

کر کہا۔اس سے ثابت ہوا کہ مُردوں کی قوتِ شنوائی ایک خاص وقت تک کسی نہ کسی حد تک قائم رہتی ہے۔آجکل کی میڈیکل سائنس بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ آہستہ آہستہ تین دنوں میں تمام حسیں ختم ہوتی ہیں بلکہ ناخن اور بال تو کئی دن بڑھتے رہتے ہیں۔یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ فقرہ جملہ معترضہ کے طور پر ہو اور قوم کو آپ کا آخری پیغام ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ عام طور پر اپنے خاص تصرف سے عذاب سے پہلے اپنے رسولوں کو مع ان کے متبعین کے بحفاظت نکال لیتا ہے۔

۸۱۔قوم ثمود کے بعد قوم لوط کا ذکر کیا حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ پہلے مبعوث ہوئے۔وجہ یہ ہے کہ یہاں ان تمام انبیاء کا ذکر ترتیب سے ہے جن کی قوموں پر عذاب استیصال آیا۔چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم پر ایسا عذاب نہیں آیا اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور آپ کے مسلک پر تھے اس لئے آپؐ کی قوم پر بھی عذابِ استیصال نہیں آیا اور نہ قصہ کے طور پر آپؐ کا ذکر ہوا نیز آپؐ رحمۃ للعالمین تھے اس لئے بھی آپؐ کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی۔البتہ جنگوں سے آپؐ کے اعداء کی طاقت کو توڑا گیا اور باقی ایمان لے آئے اس لئے کسی قدر آپؐ کا ذکر فرمایا۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ کی بیعت سے مشرف تھے۔آتشِ نمرود سے نجات پا کر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ اور اپنی اہلیہ سارہ کے ساتھ اپنے آبائی وطن بابل سے ہجرت فرمائی۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے ہمراہ شام و فلسطین اور مصر تک تبلیغی دورے کرتے تھے۔حکمِ الٰہی سے آپ صدومیوں کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم عراق اور فلسطین کے درمیان نہایت سرسبز علاقہ میں آباد تھی۔ان کا صدر مقام صدوم تھا۔ان کا سب سے بڑا گناہ ہم جنس پرستی تھا۔ فرمایا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے تمام جہانوں میں کسی نے نہیں کی۔ گویا اس خبیث فعل کی موجد یہی قوم تھی۔ اگرچہ یورپ اور امریکہ نے ہر طرح اس فعل بد کی حمایت کی بلکہ اس کے جواز میں قانون تک پاس کیا لیکن قومِ لوط کی طرح ان پر بھی عذاب آیا جو ایڈز کی شکل میں ہے۔جس نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

۸۲۔فرمایا کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کے ارادہ سے آتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَمَا
چھوڑ کر عورتوں کو بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے اور نہ

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ
تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو انہیں

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ
اپنے گاؤں سے یقیناً یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں پس نجات دی ہم نے اُسے اور

اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاَمْطَرْنَا
گھر والوں کو اسکے سوائے اسکی بیوی کے وہ تھی پیچھے رہنے والوں میں سے اور برسائی ہم نے

کے بتائے ہوئے طبعی اور فطری طریق نکاح کو چھوڑ کر غیر طبعی اور غیر فطری طریق سے فحاشی اور بدکرداری کی راہ اختیار کرتے ہو ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم ہر معاملہ میں خدائی حدود سے حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو۔اسلام نے اسے زنا سے زیادہ ناپاک اور گھناؤنا جرم قرار دیا۔اس کی سزا آنحضرت ﷺ نے یہ مقرر فرمائی کہ فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے (ابن کثیر) غالبًا یہ عادی مجرموں کے لئے انتہائی سزا ہے ورنہ کوڑوں کی سزا دینا بھی ثابت ہے۔

۸۳۔ حضرت لوطؑ اس بدکردار قوم کی اصلاح کے لئے حکمِ خداوندی سے باہر سے آئے تھے۔اس بدبخت قوم نے آپ کی نصیحت پر کان دھرنے اور شرمندہ ہونے کی بجائے نہایت متکبرانہ جواب دیا کہ لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال دو یہ زیادہ ہی پاکباز بنتے ہیں گویا ان چند نیک نفوس کا اپنے درمیان رہنا اور پند و نصائح کرنا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا۔

۸۴۔**غابرین۔ غابر**۔اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے والا۔غبار جو مٹی اڑانے کے بعد پیچھے رہ جائے۔حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اپنی امت پر مجھے جس بات کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ قومِ لوط کا فعل ہے۔ (ترمذی۔ جلد اوّل ابواب الحدود حدیث نمبر ۱۳۱۴)

قرآن کریم اس لمبے عرصہ کو اکثر چھوڑ دیتا ہے جب نبی کی تبلیغ اور پند و نصائح کے نتیجہ میں خدا کے فرستادہ اور اس کے متبعین پر مصائب و شدائد کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور انجام سے آگاہ فرماتا ہے۔خدا کے مقرر کردہ عذاب کے فرشتے کس طرح اس بستی میں آئے اور اتمام حجت کے بعد عذاب آیا،اس کا تفصیلاً ذکر سورۃ ھود میں آئے گا۔ حضرت لوطؑ حکمِ الٰہی سے عذاب سے پہلے مع اہل و عیال اس بستی سے نکل گئے اور بچا لئے گئے۔ سوائے آپ کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔آپ کی یہ بیوی غالبًا اسی قوم سے تھی اور ایمان نہیں لائی تھی۔ آپ کے اہل میں وہ چند مومنین

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۱۰/۱۷

ان پر بارش (پتھروں کی) پس دیکھ کیونکر ہوا انجام مجرموں کا

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور طرف مدین کی (بھیجا) بھائی اس کا شعیب اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

نہیں ہے تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے یقیناً آئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل طرف سے

رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

تمہارے رب کی پس پورا کرو ماپ اور تول اور نہ کم دو لوگوں کو

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ

چیزیں ان کی اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اس کی اصلاح کے

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا

یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم ایمان لانے والے اور نہ بیٹھو

تھے جو آپ پر ایمان لائے۔

۸۵۔ فرمایا ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ رات کو حضرت لوطؑ کے نکل جانے کے بعد صبح سویرے ایک ہولناک گرج کے ساتھ آتش فشاں پھٹا اور ایک شدید زلزلہ آیا۔ جس سے زمین تہ و بالا ہوگئی اور پتھر سینکڑوں فٹ اوپر جاکر بارش کی طرح برسے اور اس قوم کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس مقام پر بحر مردار جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں آج بھی اس بدکردار قوم کی عبرت کی داستان سنا رہا ہے جس کی نحوست سے اس شدید نمکین پانی میں کوئی جانور تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم نے ان بستیوں کا ذکر موتفکات کے نام سے کیا یعنی الٹائی گئی بستیاں۔ پس دیکھ کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ یہی ماحصل اس قصہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی دراز ضرور ہوتی ہے لیکن آخر مجرم کیفرکردار کو پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء مع اپنے متبعین کے بچالئے جاتے ہیں اور کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور کبھی نامراد نہیں رہتے۔

۸۶۔ **تبخسوا ۔ بخس** ۔ تھوڑی ناقص چیز۔ کسی کے حق میں کمی کرنا۔

اس رکوع میں ترتیبِ زمانی کے مطابق حضرت لوطؑ کے بعد حضرت شعیبؑ کا قصہ بیان ہوا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا قصہ تفصیل سے آئے گا۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان قریباً سات سو سال کا فرق ہے۔ گویا حضرت شعیبؑ اس درمیانی عرصہ میں مبعوث ہوئے۔ وہ بزرگ جن کے پاس حضرت موسیٰؑ نے بھاگ کر پناہ لی اور ان کی بیٹی سے نکاح کیا وہ

مدین میں شعیب نامی ایک بزرگ تھے، نبی نہیں تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی قطورا کا بڑا بیٹا مدین تھا جس کے نام سے اس کی نسل اور مقامِ مدین منسوب ہے۔ قومِ مدین فلسطین کے جنوب اور حجاز کے شمال مغرب میں آباد تھی۔ شہر مدین شرقِ اردن کی بندرگاہ معان کے قریب اب بھی موجود ہے۔ حضرت شعیبؑ انہیں میں سے تھے اور ان کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ قوم مدین کو اصحابِ ایکہ بھی کہا گیا یعنی بن والے۔ (ابن کثیر) یہ قوم خلیج عقبہ کے قریب تجارتی شاہراؤں کے سنگم پر آباد تھی اور تجارت پیشہ تھی۔ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے خاص طور پر ماپ تول میں کمی کرنے کے گناہ میں ملوث تھی۔ اولادِ انبیاء اور مسلمان کہلانے کے باوجود مرورِ زمانہ سے شرک میں مبتلا ہو گئی تھی۔ تمام انبیاء کی طرح سب سے پہلے آپ نے انہیں توحید کا پیغام دیا اور حقوق اللہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ رب کی طرف سے واضح دلیل یا تو گذشتہ انبیاء کی تعلیم ہے یا خود حضرت شعیبؑ کے دلائلِ بینہ ہیں کیونکہ آپ کو آپ کے حسن بیان کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا گیا (ابن کثیر) یا خدائی احکام اور معجزات ہیں جو بطور بینہ آپ کو ملے۔ آپ نے ان کی اہم خامی کی طرف انہیں متوجہ فرمایا کہ ماپ تول پورے دیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ گویا جس نے قیمت ادا کردی تو پوری چیز بھی اسی کی ہوگئی۔ اس طرح لوگوں کے حقوق میں کمی کرنے سے منع فرمایا اور حقوق العباد کا حکم دیا۔

حضرت شعیبؑ لوگوں کی اصلاح فرماتے اور ان کے لئے امن و امان اور عدل و انصاف والا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرتے لیکن یہ بد دیانت اور سرکش لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد غصب کرکے فتنہ و فساد برپا کرتے اور اصلاح شدہ معاشرہ کو تباہ کرتے۔ فرمایا یہ سب تمہاری ہی بہتری کے لئے ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ ماپ تول پورا دینے سے تمہیں خسارہ ہوگا۔ اگر ماپ تول میں خیانت نہ کرو گے اور امن و امان قائم رکھوگے تو دینی و دنیوی دونوں طرح سے سرخرو ہوگے۔ جہاں دینی طور پر قربِ الٰہی نصیب ہوگا وہاں دنیوی طور پر بھی اللہ تعالیٰ غیر معمولی برکت ڈالے گا۔ تجارتی معاملات میں قابل اعتماد سمجھے جاؤ گے اور تجارت کو فروغ حاصل ہوگا۔ (حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ از تفسیر صغیر)

۸۷۔ **الوعد**۔ خیر و شر دونوں کے لئے آتا ہے۔ **وعید** ۔عذاب کا وعدہ ۔ ڈرانا۔ **تُوعِدون** ۔تم ڈراتے ہو۔ **تُوعَدون** ۔تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔

اس قوم کی دوسری خاص خامی شاہراہوں پر بدنیتی سے بیٹھنا تھا۔ کبھی قافلوں کو ڈرا دھمکا کر لوٹتے، کبھی مومنین یا باہر سے آنے والوں کو حضرت شعیبؑ کی تعلیم سے روکتے۔ اس راہ کو ٹیڑھا

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ہر راستہ پر دھمکاتے ہوئے اور روکتے ہوئے راہ سے اللہ کی

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ

اسے جو ایمان لاتا ہے اس پر اور چاہتے ہو تم اس (راہ) کو ٹیڑھا اور یاد کرو جبکہ تھے تم

قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تھوڑے پھر اس نے زیادہ کیا تم کو اور دیکھو کیونکر ہوا انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا

مفسدوں کا اور اگر ہے ایک گروہ تم سے ایمان لایا

بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

اس پر کہ بھیجا گیا ہوں میں جسکے ساتھ اور ایک گروہ نہیں ایمان لایا تو صبر کرو

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ بہتر ہے تمام فیصلہ کرنیوالوں سے

چاہنا یہی تھا کہ اس تعلیم میں نقص نکالتے اور اس کو غلط رنگ میں پیش کرتے۔یعنی اس تعلیم پر اعتراضات کرکے انہیں بدظن کرتے۔ کفارِمکہ کا بھی یہی چلن تھا۔ ان قصوں کا اصل مقصد انہیں کو سمجھانا اور مومنین کو تسلی دینا تھا۔

انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائیں کہ تم تھوڑے تھے۔طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھوڑے ہی رہ گئے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے تمہاری نسل بڑھائی اور بہت کچھ عطا فرمایا لیکن تم نے شکرگزاری کے بجائے بددیانتی اور فتنہ وفساد کو اپنا لیا۔انہیں بتایا کہ پہلے تم بھی قلیل تھے اب ان قلیل بندوں کو اپنے شدائد کا نشانہ نہ بناؤ۔فساد کرنے والوں کا انجام تمہارے سامنے ہے۔قوم لوط وثمود کے قصے ابھی زبان زدِعام ہیں۔

۸۸۔جب ایک لمبے عرصہ کی جدوجُہد اور تبلیغ و ہدایت کے باوجود وہ گمراہ قوم راہِ راست پر نہ آئی اور کچھ لوگ ہی ایمان لائے تو آپ نے اپنا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا اور فرمایا صبر کرو۔ جلدی نہ کرو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۸۹۔متکبر سردارانِ کفار انبیاء کی کمزور جماعتوں کو ہمیشہ یہی دھمکی دیتے ہیں کہ یا ہمارے مذہب میں واپس لوٹ آؤ ، ورنہ شہربدر ہو جاؤ۔جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرتﷺ اور

الجزء ۹

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

کہا بڑے لوگوں نے جنہوں نے تکبر کیا تھا قوم میں اس کی

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ

کہ ضرور نکال دیں گے ہم تجھے اے شعیب اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ تیرے

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا

اپنے گاؤں سے یا لوٹ آؤ گے تم مذہب میں ہمارے اس نے کہا کیا اگرچہ ہوں ہم

كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا

ناپسند کرنے والے۔ یقیناً گھڑ لیا ہم نے اللہ پر جھوٹ اگر لوٹ آئیں ہم

فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ

مذہب میں تمہارے بعد اس کے کہ نجات دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں ہو سکتا ہمارے لیے

اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

کہ لوٹیں ہم اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیر لیا ہے ہمارے رب نے ہر

شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ

چیز کو علم کی رو سے اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے فیصلہ فرما درمیان ہمارے اور

بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَ

درمیان قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو بہتر ہے سب فیصلہ کرنے والوں سے اور

جماعت مومنین کو بھی کفار کی طرف سے یہی دھمکیاں مل رہی تھیں۔حضرت شعیبؑ نے فرمایا! کہ خواہ ہمیں تمہارا مذہب سخت ناپسند ہو تو بھی۔یعنی جبکہ تمہارا مذہب ہمیں سخت ناپسند ہے تو پھر ہمیں اپنے دین کی طرف جبراً بلانے کا فائدہ۔قرآن کریم نے ہر نبی کے آنے پر منکرین انبیاء کے قریباً ایک جیسے الفاظ ہی دہرائے ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر زمانہ میں منکرین انبیاء کی سوچ ایک تھی، اندازِ تکلم ایک تھا۔انبیاء اور ان کے متبعین سے ان کا رویہ ایک تھا۔لہٰذا انجام بھی ایک جیسا ہوا۔

۹۰۔چونکہ سرداران قوم حضرت شعیبؑ اور آپ کے ساتھیوں کو باکراہ کفر کی طرف لوٹانا چاہتے تھے۔اس لئے آپ نے فرمایا! کہ کفر کی طرف لوٹنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ ہم نے اب تک خدا پر جھوٹ باندھا اور یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہیں تھی۔ فرمایا! ہمارے لئے تو تمہارے مذہب میں لوٹنا کسی طور ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اللہ ہمارا رب ایسا چاہے ، یعنی ہو سکتا ہے کسی کمزور ایمان والے کو جبراً مرتد کرلیں۔ **الاان یشآء اللّٰہ ربنا** کہنے میں باوجود خلعت پیغمبری کے عجز و انکساری کا اظہار بھی تھا کہ مشیت الٰہی کو بہر حال مقدم رکھا۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ

کہا بڑے لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اس کی قوم میں سے البتہ اگر پیروی کی تم نے

شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۱﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

شعیب کی یقیناً تم تب البتہ گھاٹا پانیوالوں میں سے ہوگے پس پکڑا انھیں زلزلہ نے

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا

پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں سینوں کے بل گرے ہوئے وہ لوگ جنہوں نے تکذیب کی

شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا

شعیب کی گویا کہ وہ نہیں تھے ان (گھروں) میں جنہوں نے تکذیب کی شعیب کی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ یہاں ہمیشہ کے لئے ایک اصول بتادیا کہ عقائد کے معاملہ میں بھی گنجائش ضرور رکھو، خواہ کیسے ہی یقین پر قائم ہو۔ آخری یقین خدا پر رکھو گویا عقیدے کو بھی اپنے ربّ کی رضا کے تابع کردو۔ اس لئے کہ بندے کا علم بہرحال ناقص ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

حضرت شعیبؑ نے قوم سے قطعاً ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرتے ہوئے مناجات فرمائی کہ کامل علم تو ہمارے رب کو ہی ہے۔ ہم اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ فرما تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۹۱۔ سردارانِ کفار کو حضرت شعیبؑ کی پر اثر تقریر اور دعا سے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں عوام آپ پر ایمان نہ لے آئیں اس لئے انہیں دنیوی خسارے سے ڈرایا کہ ماپ تول پورا دینے میں تمہیں کم منافع ہوگا اور لوٹ مار چھوڑ دینے سے بھوکے مروگے اور تمہاری اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ یہی وہ حربہ ہے جو دنیادار ہمیشہ سے استعمال کرتے آئے ہیں کہ سیاست اور تجارت بے ایمانی اور جھوٹ و فریب کے بغیر نہیں چل سکتی۔ نیز یہ کہ نبی کی اتباع کے جرم میں تم قومی حقوق و فوائد سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔ آج بھی جماعت احمدیہ کے معاملہ میں یہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔

۹۲۔ ان کی دھمکیوں کا جواب حضرت شعیبؑ بعد میں دیں گے (آیت ۹۴ میں) پہلے اللہ **ذوالقوۃ المتین** نے جواب دیا اور عذاب نے انہیں پکڑلیا۔ پس ان پر شدید زلزلہ آیا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ انہیں **یوم الظلۃ** کے عذاب نے پکڑ لیا گویا پہلے گہرے بادل چھاگئے اور اندھیرا ہوگیا پھر شدید زلزلہ آیا اور وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے کے گرے رہ گئے گویا بھاگنے تک کی

کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ

تھے وہ ہی گھاٹا پانے والے پھر منہ پھیر لیا (شعیب نے) ان سے اور کہا اے قوم میری

لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ ۚ فَکَیْفَ

یقیناً یقیناً پہنچا دیئے تھے میں نے تمہیں پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کی تھی میں نے تمہیں پس کیونکر میں

اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ

غم کھاؤں کفر کرنے والے لوگوں پر اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں

ع ۱۱

مہلت نہ ملی جیسے اوندھے منہ گرے ویسے ہی ہلاک ہو کر پڑے رہے۔ جیسا کہ آثار قدیمہ کی کھدائی میں ایسی لاشیں ملی ہیں۔

۹۳۔ پس حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے اس طرح تباہ ہوئے گویا کبھی وہاں رہتے ہی نہ تھے اور شعیبؑ کو جھٹلانے والے ہی خسارہ پانے والوں میں سے تھے جبکہ وہ مومنین کو خسارہ پانے والا سمجھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ بیشک تاریخ خود کو دہراتی ہے مگر اُمتِ محمدیہ کا استیصال نہیں ہوگا۔ اس کی صف قیامت تک لپیٹی نہیں جائے گی۔ ہاں انہیں ایسی سزا ضرور ملے گی کہ اپنے گھروں کے مالک نہیں رہیں گے۔ ان کی ملکیت کسی اور قوم کو دے دی جائے گی۔ ان کا تکبر پارہ پارہ ہو جائے گا۔ قانون اور حقوق کے لحاظ سے ان کی طاقت ختم ہو جائے گی اور اکثریت مسیحِ محمدی پر ایمان لے آئے گی۔ یہ تاریخ ہے جو دہرائی جائے گی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۹۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔ اب آپ نے جواب دیا اور اس تباہ شدہ قوم کو مخاطب کر کے وہی الفاظ کہے جو حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو ایسے ہی موقع پر کہے تھے اور اس کافر قوم پر افسوس کرتے ہوئے مکہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ عام طور پر عذابِ استیصال سے پہلے یا بعد انبیاء جہاں ہجرت فرما گئے، وہاں کے لوگ ان پر ایمان لائے اور انہوں نے باقی زندگی کامیابی سے گزاری لیکن قرآ ن کریم نے ایسے تمام انبیاء کے بعد از ہجرت حالات پر روشنی نہیں ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں، نہ بائبل کی طرح لمبے چوڑے شجرے بیان کرتی ہے۔ قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے اس نے ہمیشہ اتنے بیان پر اکتفا کیا جتنا اس نے حالات کے مطابق ضروری سمجھا۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو عیسائیوں نے آسمان پر بٹھا کر خدائی میں شریک کرنا تھا اس لئے قرآن کریم میں بھی آپ کے بعد از ہجرت حالات کے اشارے ملتے ہیں اور ضروری تھا کہ ایسے حالات پیدا ہوتے کہ حضرت عیسیٰؑ کا

نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ
نبی مگر پکڑا ہم نے اس کے باشندوں کو ساتھ فقر اور بیماری کے تاکہ وہ

يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٥﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ
زاری کریں پھر بدل دی ہم نے بجائے برائی کے بھلائی

حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ
یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہا انہوں نے یقیناً پہنچے باپ دادا کو ہمارے دکھ اور سکھ

فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ
پس پکڑا ہم نے انہیں اچانک اور وہ نہیں جانتے تھے اور اگر بستیوں

الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ
والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کرتے تو ضرور کھولتے ہم ان پر برکتیں

عام انبیاء کی طرح مرنا اور دفن ہونا ثابت ہوتا جیسا کہ اس زمانہ میں ہوا۔

۹۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے **بوس** اور **باساء** کے معنی فقر و فاقہ اور **ضرّوضرّاء** کے معنی بیماری کے بیان فرمائے ہیں۔ چند مکذبین انبیاء کے عبرت آموز واقعات بتلا کر جن پر عذاب استیصال آیا اس رکوع میں مخالفین انبیاء کو تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ کسی نبی کی وجہ سے کسی بستی پر مصیبتیں نہیں آتیں بلکہ یہ مصیبتیں اور ابتلائیں اس ظلم وستم کی وجہ سے ان پر آتی ہیں جو وہ مدعی نبوت اور اس کے متبعین پر ڈھاتے ہیں۔ تمام مصیبتیں، فقرو فاقہ اور بیماریاں تو اس لئے آتی ہیں کہ عاجزی و زاری اختیار کریں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید مظالم کے بعد جب اہل مکہ پر سات سالہ قحط مسلط ہوا تو ان کا سردار ابوسفیان باوجود سخت مخالفت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں خود حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ (بقیہ سورۃ کے آخر میں) لیکن جب وہ مصیبت ٹل گئی تو بجائے اس کے کہ تضرع اختیار کرتا آپؐ کی مخاصمت میں پہلے سے بھی بڑھ گیا۔

۹۶۔ **عفوا ۔ عفی**۔ معاف کرنا، درگزر کرنا، ضرورت سے زائد۔ بڑھنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ **عفوا**۔ انہوں نے معاف کیا۔ وہ زیادہ ہوگئے۔ پھر اللہ نے انہیں دوسری طرح آزمایا اور ان کی بد حالی کو خوشحالی سے یعنی دکھ کو سکھ سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے، عیش و آرام اور گناہوں میں خوب ترقی کر گئے اور کہنے لگے کہ دکھ سکھ، رنج و راحت اور اچھے برے دن تو ہمارے باپ دادا پر بھی آیا کرتے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جیسا کہ آج بھی بعض منکرین حق کا خیال ہے۔ پس جب نہ مصائب سے تائب ہوئے اور نہ نعمتوں پر شکر گزار ہوئے تو اچانک ہم نے

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا
آسمان سے اور زمین سے ولیکن تکذیب کی انہوں نے پس پکڑا ہم نے انہیں بسبب

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٧﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم
اس کے جو تھے وہ کسب کرتے کیا پس امن میں ہو گئے ہیں بستیوں والے اس سے کہ آئے ان کے پاس

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٨﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن
عذاب ہمارا رات بسر کرتے جبکہ وہ سو رہے ہوں کیا امن میں ہیں بستیوں والے اس سے

يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٩﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ
کہ آوے ان کے پاس عذاب ہمارا چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل رہے ہوں کیا پس وہ نڈر ہو گئے ہیں تدبیر

اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٠﴾ ع ۱۲ / ۲
اللہ کی سو نہیں نڈر ہوتے تدبیر سے اللہ کی سوائے گھاٹا پانے والوں کے

انہیں پکڑ لیا اور وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان پر عذاب آئے گا۔ گویا انبیاء کی خبروں کو غلط سمجھتے تھے۔

۹۷۔ یہاں بھی صرف ایمان نہیں کہا بلکہ تقویٰ کی شرط لگائی کہ اگر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان کی برکات کے دروازے ان پر کھول دیتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے ہوا۔ آسمانی برکات کے دروازے الہام و کشوف اور لقا الٰہی کے رنگ میں کھولے گئے اور زمینی برکات یہ کہ دنیا کی نعمتوں اور فتوحات کے دروازے ان پر کھولے گئے۔ مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے برے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑا۔ گویا صرف تکذیب انبیاء سے اللہ نہیں پکڑتا بلکہ اعمال بد اور مظالم و شدائد کے نتیجہ میں پکڑتا ہے۔ ہاں انبیاء کا انکار اس پکڑ کا محرک بن جاتا ہے۔

۹۸ تا ۱۰۰۔ کیا مکہ اور ارد گرد کی بستیوں میں رہنے والے قوم شعیبؑ کا انجام دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اُن کی طرح ہمارا عذاب اِن پر رات کو آجائے جب کہ وہ سو رہے ہوں۔ یا ان شہروں میں رہنے والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آجائے جب کہ وہ کھیل کود اور لہو و لعب میں مشغول ہوں۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ "استغفار کرنے والے اور ڈرنے والے کے لئے کوئی خطرہ نہیں"۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء) کیا وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں آگئے ہیں کہ اللہ کی تدبیر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے تو صرف وہی قوم غافل ہوتی ہے جو خود کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ پس چاہئے تو یہ تھا کہ ان اقوام کے عبرت آموز واقعات سے سبق حاصل

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ

کیا نہیں ہدایت دی ان لوگوں کو جو وارث ہوتے ہیں زمین کے بعد اسکے رہنے والوں

اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى

کے کہ اگر ہم چاہیں تو پکڑیں انہیں بسبب گناہوں کے انکے اور مہر کردیں ہم

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ

دلوں پر ان کے پس وہ نہ سنیں کچھ یہ وہ بستیاں ہیں کہ ہم بیان کرتے ہیں

عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

تجھ پر کچھ خبریں جن کی اور یقیناً آئے تھے انکے پاس رسول ان کے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ

ساتھ روشن دلائل کے پس نہ تھے وہ کہ ایمان لاتے اس لیے کہ تکذیب کرچکے تھے وہ

قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا

پہلے اسی طرح مہر لگاتا ہے اللہ دلوں پر کافروں کے۔ اور نہیں

کرتے کہ کہیں اُن کی طرح اِن پر بھی رات یا دن میں کسی وقت عذاب الٰہی نہ آجائے۔

۱۰۱۔قومِ نوح، قومِ عاد وثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب کی تباہ شدہ بستیوں کے قریب سے اہل مکہ کے تجارتی قافلے دن رات گزرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ کس طرح تکذیب انبیاء سے یہ قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں پھریاتو وہ جگہیں آباد ہی نہ ہوئیں اور جابجا ان کے کھنڈرات زبان حال سے داستانِ عبرت سنانے کے لئے باقی رہے یا دوسری قومیں ان کی وارث ہوگئیں۔چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان واقعات سے ہدایت پاتے اور نصیحت حاصل کرتے کہ ان پر بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوسکتا ہے اور ان کے دلوں پر بھی ان پہلی قوموں کی طرح مہر لگ سکتی ہے جس کے بعد حق بات سننے سے قاصر ہوجائیں گے اور ہدایت کی امید نہیں رہے گی۔یہاں بتایا کہ مہر دل پر لگتی ہے جس کے نتیجہ میں کان حق بات سننے سے قاصر ہوجاتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آنکھیں اور کان وغیرہ دل کے تابع ہیں۔کسی چیز کو اسی رنگ میں قبول کرتے ہیں جس رنگ میں دل پیش کرتا ہے۔اگر دل کو کوئی شے بُری لگتی ہے تو آنکھوں اور کانوں کو بھی نہیں بھاتی۔پس جب دل ہدایت کو قبول نہ کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے اور اس پر مہر لگ جاتی ہے تو کانوں کو بھی ہدایت کی باتیں سنائی نہیں دیتیں۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۰۲۔ان بستیوں کی مثالوں سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے کہ شروع میں اپنے

وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ

پایا ہم نے اکثر کا ان میں سے کوئی عہد اور یقیناً پایا ہے ہم نے اکثر کو ان میں سے

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ

البتہ فاسق پھر مبعوث کیا ہم نے بعد ان (نبیوں) کے موسیٰ کو ساتھ اپنے نشانات

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ

کے طرف فرعون کی اور اسکے سرداروں کی پس بے انصافی کی انہوں نے ان (نشانات) کیساتھ پس دیکھ کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ

ہوا انجام مفسدوں کا ۔اور کہا موسیٰ نے اے فرعون

اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ

یقیناً میں رسول ہوں طرف سے رب العالمین کی لائق ہوں کہ نہ

رسولوں کا انکار کرکے وہ اسی انکار پر ہی اڑے رہے یعنی جو ایک دفعہ منہ سے نکل گیا اسی پر ڈٹے رہے اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ پس مہر لگنے کی دوسری وجہ سوچے سمجھے اور غور کئے بغیر شروع میں ہی انکار کر دینا اور پھر اس انکار پر اڑے رہنا ہے۔یہ معنی بھی ہیں کہ اس سے پہلے بھی وہ رسولوں کو جھٹلا چکے تھے۔

۱۰۳۔اور ہم نے ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہیں پایا بلکہ اکثر فاسق یعنی عہد کو توڑنے والے ہیں پس تیسری مہر لگنے کی وجہ بدعہدی ہے۔بدعہدی وہ بھی ہے جو اپنے نبیوں سے کرتے آئے ہیں اور اس عہد کو توڑنا بھی ہے جو ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی کے لئے عہد لیتا ہے۔ یہاں سے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے اس لئے خاص طور پر اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دامن کوہ میں قوم کے ستر منتخب نمائندوں سے لیا تھا کہ میرے بعد ”وہ نبی“ آئے تو قبول کرنا اور اس کی مدد کرنا۔” مگر وہ شنوا نہ ہوئے“ (یسعیاہ باب۲۸ آیت ۹ تا ۱۳)

۱۰۴۔حضرت نوحؑ، حضرت ھودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے بعد ترتیب کے لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا اور رکوع ۲۱ تک آپ کے واقعات تفصیل سے بیان فرمائے۔چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ تھے اس لئے آپؐ کے ساتھ بھی وہ تمام واقعات پیش آنے والے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساتھ گزرے ،یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس قصہ کو بار بار مختلف رنگ میں دہرایا۔ اس میں بہت سے نصیحت آموز اسباق اور پیشگوئیاں ہیں۔اس واقعہ کی کچھ تفصیل سورۃ بقرہ آیت:۵۰ تا آیت: ۷۳ میں گزر چکی ہے۔یہاں تکذیب آیاتِ الٰہی کو ظلم کہا۔ھا مونث کی

أَقُولَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ
کہوں میں اللہ پر مگر حق یقیناً لایا ہوں تمہارے پاس واضح دلیل طرف سے
رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ إِنْ كُنْتَ
تمہارے رب کی پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو اس نے کہا اگر ہے
جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾
تو لایا کوئی نشان تو پیش کر اسے اگر ہے تو سچوں میں سے
فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ
پس پھینکا (موسیٰ نے) اپنا سونٹا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اژدہا ہے کھلا کھلا اور اس نے نکالا (بغل سے) اپنا ہاتھ
فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ
تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سفید ہے دیکھنے والوں کے لیے کہا بڑے لوگوں نے قوم

ع ١٣/٩

ضمیر ہے جو آیات کی طرف جاتی ہے گویا ان کی قدر نہ کی اور ساتھ ہی مفسدین کے انجام سے ڈرایا۔

۱۰۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا !بیشک تو مصر کا بادشاہ ہے لیکن میں جہانوں کے بادشاہ بلکہ جہانوں کے رب کا نمائندہ ہوں۔

۱۰۶تا۱۰۹۔ **حقیقٌ**۔ حقدار ہوں ، اہل ہوں۔

چونکہ جہانوں کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اس لئے مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہوں۔انبیاء حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔انبیاء کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہوتی ہے۔جس نے بندوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں حق کے سوا کوئی دوسری بات کیسے کہہ سکتا ہے۔

بے شک میرا مقصد بنی اسرائیل کو تیری غلامی سے آزاد کروانا ہے اور وہی میرے مخاطب ہیں لیکن تمہارے لئے بھی تمہارے رب کے پاس سے ایک روشن نشان لے کر آیا ہوں۔تمہارا رب کہہ کر بتا دیا کہ اس رب کے تم پر بھی احسانات ہیں۔اس کی اطاعت سے تم کیسے نکل سکتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اس نشان کو پیش کر۔تب موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ صاف دکھائی دینے والا اژدھا بن گیا گویا اشتباہ والی بات نہیں تھی۔یہی وہ کھلا نشان تھا۔پھر اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو بالکل سفید دکھائی دیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے یہ معجزات اس وقت دئے گئے جب آپ وادئ طویٰ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اکیلے حاضر ہوئے اور آپ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ (طٰہٰ ۲۱)اس وقت آپ کے عصا کے لئے **حیۃ** کا لفظ استعمال ہوا یعنی

فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ
فرعون میں سے یقیناً یہ جادوگر ہے خوب علم رکھنے والا یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو
مِّنْ أَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ
زمین سے تمہاری پس کیا مشورہ دیتے ہو کہا انہوں نے ڈھیل دے اسے اور بھائی کو اسکے
وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ
اور بھیج شہروں میں اکٹھے کرنے والے لوگ جو لاویں تیرے پاس ہر ایک جادوگر
عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ
خوب علم رکھنے والے کو اور آئے جادوگر فرعون کے پاس کہا انہوں نے یقیناً ہمارے لیے البتہ بدلہ ہے اگر

معمولی سانپ کیونکہ صرف آپ کو دکھانا مقصود تھا لیکن فرعون اور اس کے سرداروں کو مرعوب کرنے کے لئے اس نے اژدھا کی شکل اختیار کی۔لکڑی کے سانپ بننے میں تمثیلی رنگ میں یہ اشارہ تھا کہ تمام باطل قوتیں محض لکڑی کے سانپ ہیں۔جن میں کوئی روح نہیں اور جو آپ کی ایک ضربِ کلیمی سے ہی پاش پاش ہوجائیں گی۔اس لئے آپ کا ان سے مرعوب ہونا بے معنی ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مدد سے آپ ان پر غالب آجائیں۔

ہاتھ کے روشن ہونے میں بھی تمثیلی طور پر اشارہ تھا کہ آپ کے ہاتھ سے وہ روشنی پھیلنے والی ہے جو تمام ظلمتوں کو تار تار کر دے گی اور یہ سب اللہ کی تائید سے ہوگا جو آپ کے شامل حال ہوگی۔

۱۱۰تا۱۱۳۔**ارجــــه**۔**ارجــاء**۔ کسی معاملہ کو تاخیر میں ڈال دینا ڈھیل دینا۔ مہلت دینا۔
تامرون۔ **امر**۔ حکم ۔ رائے ۔ **تامرونَ**۔تم حکم کرتے ہو۔یہاں مراد مشورہ دینا ہے۔

قومِ فرعون کے سرداروں نے آپ کے معجزات کو معمولی جادو نہیں سمجھا بلکہ آپ کو بڑا صاحبِ علم جادوگر کہا اور بتایا کہ وہ تمہیں تمہارے ملک سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔اس پر فرعون نے اس کے بارہ میں مشورہ پوچھا۔ سرداروں نے کہا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیں اور مختلف شہروں میں اکٹھے کرنے والے کارندے بھیج دیں تاکہ وہ آپ کے پاس ہر قسم کے ماہر فن جادوگر اکٹھے کرکے لے آئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے صرف اپنی رسالت کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔پھر سرداروں کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ وہ ہمیں اس ملک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔دراصل اس زمانے میں بادشاہ خدا کا اوتار اور اس کی طاقت کا

كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ہوئے ہم غالب اس نے کہا ہاں اور یقیناً تم البتہ (شاہی) مقربوں میں سے ہوگے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ

کہا انہوں نے اے موسیٰ یا تو پھینک یا ہوں ہم ہی

الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ

پھینکنے والے اس نے کہا تم پھینکو پس جب انہوں نے پھینکا جادو کیا آنکھوں پر

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَ

لوگوں کی اور ڈرایا انہیں اور وہ لائے جادو بڑا اور

اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ

وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ پھینک اپنا سونٹا پس اچانک وہ نگلنے لگ گیا

مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

وہ جو جھوٹ بناتے تھے۔ پس واقع ہوگیا حق اور باطل ہوگیا جو تھے وہ کرتے

مظہر سمجھا جاتا تھا۔ کسی دوسرے شخص کا خدا کی طرف سے نمائندگی کا دعویٰ کرنا اور خود کو مافوق الفطرت طاقت کا حامل ظاہر کرنے کا مطلب یہی تھا کہ وہ بادشاہ بننے کا دعویدار ہے۔ حالانکہ آپ کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔ ممکن ہے سرداروں نے یہ بات اس بنا پر کہی ہو کہ وہ انبیاء کی تاریخ سے واقف ہوں کہ غلبہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے رسولوں کا ہی ہوتا ہے۔

۱۱۴تا۱۱۸۔ **رھب**۔ ڈر۔ **تلقف**۔ جلدی سے نگلنا۔ لفظی معنے وہ نگلتی ہے۔ **افک**۔ جھوٹ۔

اس مقابلہ کے لئے عید فسح کا دن مقرر ہوا اور لوگ دن چڑھے جمع ہوگئے۔ جادوگروں نے اپنے غالب ہونے کی صورت میں انعام کے متعلق استفسار کیا تو فرعون نے کہا کہ انعام کے علاوہ تم میرے خاص مصاحبوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ انبیاء پہلے حملہ نہیں کرتے۔ اس لئے آپ نے ان کے استفسار پر انہیں پہلے اپنے جادو کا مظاہرہ کرنے کو کہا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جادوگروں کے اس ادب کی وجہ سے انہیں ایمان کی توفیق ہوئی۔ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں وغیرہ پھینکیں (الشعراء ۲۶ تا ۴۴) تو لوگوں کی آنکھوں کو سحر زدہ کر دیا اور انہیں ڈرایا اور ایک عظیم جادو پیش کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود سے اپنا عصا نہیں پھینکا بلکہ وحی الٰہی کے مطابق پھینکا تو اچانک یوں محسوس ہوا کہ جادوگروں کے فریب کو نگلنے لگ گیا۔ آپ کے عصا نے حقیقت میں رسیوں وغیرہ کو نگل لیا جبکہ جادوگروں نے آنکھوں کو سحر زدہ کیا تھا اور لوگوں کو وقتی طور پر رسیاں ہلتی

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

پس مغلوب ہوگئے وہ وہاں پر اور لوٹے ذلیل ہوکر اور گرا دیئے گئے جادوگر

سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى

سجدہ کرتے ہوئے کہا انہوں نے ایمان لائے ہم رب العالمین پر رب پر موسیٰ

وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ

اور ہارون کے کہا فرعون نے ایمان لائے تم اس پر پہلے اسکے کہ میں اجازت دوں تمہیں

اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

یقیناً یہ البتہ ایک تدبیر ہے کی ہے تم نے جسے اس شہر میں تاکہ نکالو تم اس سے

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

رہنے والوں کو اسکے پس عنقریب تم جان لوگے البتہ ضرور کاٹوں گا میں ہاتھ تمہارے اور

ہوئی نظر آئیں۔ آپ کا معجزہ سحر سے بالکل مختلف تھا جسے جادوگر فوراً سمجھ گئے۔

قدیم سے عادت اللہ یہی ہے کہ جس طرح کے مخالفین تھے اسی طرح کے معجزے عطا ہوئے چونکہ وہ جادو کا زمانہ تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی طرح کا معجزہ عطا ہوا اور آپ کے معمولی عصا نے اژدھا کی صورت میں تمام مصنوعی سانپوں کو نگل لیا۔ یہ ایک وقتی معجزہ تھا جس کی اُس وقت ضرورت تھی۔ ورنہ آج کل کے مسمریزم کے زمانہ میں ایسے معجزے کی کوئی وقعت نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا زمانہ چونکہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا اس لئے آپ کو قرآن کریم کا معجزہ عطا ہوا۔ ''جو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ،اصول تمدن، فصاحت و بلاغت ،غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہے''۔ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور قیامت تک کے لئے ہے۔

۱۱۹تا۱۲۷۔ حضرت موسیٰؑ کا فرعون اور ساحروں کے ساتھ جادو کے علاوہ دلائل و براہین سے بھی بحث و مباحثہ ہوا ہوگا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کے سرداروں سے دوران مباحثہ کہا کہ اگر میں غالب آ گیا تو کیا تم ایمان لے آ ؤ گے؟ انہوں نے کہا ہمارے جادو پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ہاں اگر تم غالب آ گئے تو ہم فرعون کے سامنے تم پر ایمان لے آئیں گے۔ (قرطبی) پس جب حق ظاہر ہوگیا اور ساحروں پر کھل گیا کہ جو کچھ موسیٰؑ پیش کر رہے ہیں وہ جادو نہیں بلکہ خدائی معجزہ ہے تو انہوں نے بلا توقف رب العٰلمین پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ فرعون چونکہ خود کو رب العالمین کہتا تھا جیسا کہ اسی میدان میں اس نے اعلان کیا کہ **انا ربکم الاعلیٰ** (النّٰزعٰت ۲۵) اس لئے واضح کر دیا کہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے ہیں۔

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ قَالُوْا

اور پاؤں تمہارے بالمقابل سے پھر البتہ ضرور صلیب دونگا میں تم کو سب کو کہا انہوں نے

إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ اٰمَنَّا

یقیناً ہم طرف اپنے رب کی لوٹنے والے ہیں اور نہیں بُرا مناتا تُو ہم سے مگر یہ کہ ایمان لائے ہم

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ

آیات پر اپنے رب کی جبکہ وہ آئیں ہمارے پاس اے رب ہمارے انڈیل ہم پر صبر اور

تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ

وفات دے ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں کیا تو چھوڑ دیگا

ع ۱۴ ۱۸ ۴

فرعون نے آپ کی مخالفت میں ہر وہ حربہ استعمال کیا جو مخالفین انبیاء، انبیاء اور ان کی جماعتوں پر کرتے آئے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کو جادوگر ثابت کرنے کے لئے جال بچھائے۔ جب منہ کی کھائی اور ذلیل و خوار ہوا تو دوسرا طریقہ آزمایا اور الزام لگایا کہ مدعی نبوت نے ایمان لانے والوں سے مل کر پہلے سے کوئی خفیہ سمجھوتا کر رکھا ہے تا کہ اس تدبیر سے موجودہ حکومت کا تختہ الٹ دیں اور اہل ملک کو نکال کر ہمیشہ کے لئے غالب آ جائیں۔ اس طرح عوام کو نبی کے خلاف اکسایا تا کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ جب تمام حربے بے اثر ہوتے نظر آئے جیسا کہ روایات میں ہے کہ اسی میدان میں ساحروں کے علاوہ عوام میں سے ایک اچھی خاصی تعداد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تو فرعون نے وہ آخری حربہ استعمال کیا جو ہمیشہ سے منکرین انبیاء الٰہی جماعتوں کے خلاف استعمال کرتے آئے ہیں کہ جب ہر طرح دلیل و برہان سے عاجز آ جاتے ہیں اور حق غالب ہوتا نظر آتا ہے تو ظلم و تشدد اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ ان مومنین کو بھی ہر طرح ڈرایا اور دھمکایا گیا۔ مخالف سمتوں سے ہاتھ پیر کاٹنے اور سولی دینے کی دھمکی دی لیکن وہ کسی بدنی تکلیف سے ہرگز نہیں ڈرے اور ان کے جواب نے کفر اور ایمان کے فرق کو ظاہر کر دیا۔ وہی جادوگر جو چند لمحے پیشتر اپنی شعبدہ بازیوں کے لئے دنیوی انعام و اکرام کے طالب تھے۔ اب ایمان لانے کے بعد اپنی جان تک سے بے پروا ہو گئے۔ ایمان نے ان کی کایا پلٹ دی اور اس چند روزہ زندگی کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رہی اور کہا کہ ہم تو اپنی رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ جہاں ایک ابدی زندگی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ یہ اذیتوں کے احکام صرف ڈرانے دھمکانے کے لئے ہی نہیں ہوتے بلکہ جب ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کئی معصوم انبیاء اور ان کے متبعین صرف پیغام حق دینے اور قبول کرنے کے جرم میں اپنے مخالفین

مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ

موسیٰ اور اس کی قوم کو کہ فساد کریں ملک میں اور چھوڑ دے تجھے اور

اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

معبودوں کو تیرے اس نے کہا عنقریب ہم قتل کرینگے بیٹوں کو ان کے اور زندہ چھوڑیں گے عورتوں کو ان کی

وَ إِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا

اور یقیناً ہم ان پر غالب ہیں کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو مدد مانگو

بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ

اللہ سے اور صبر کرو یقیناً زمین اللہ کی ہے وارث کرتا ہے اس کا جسے چاہے

کی درندگی کا شکار ہوئے۔ وہ قتل کئے گئے، آروں سے چیرے گئے اور صلیب تک دیئے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحقیق کے مطابق کوئی نبی بھی قتل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے اسے بچا لیا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب سے زندہ اتار لیا۔ غرض کونسی اذیت تھی جو ان پر روا نہ رکھی گئی۔ انہوں نے سب کچھ برداشت کیا لیکن حق کو پالینے کے بعد جھٹلانا پسند نہیں کیا اور ہنستے ہوئے موت کو گلے لگا لیا اور یہی دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے۔ تاریخ سے ثابت نہیں کہ فرعون نے عملاً یہ سزا دی تھی یا محض دھمکی ہی تھی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۲۸۔ جب درباریوں نے اپنی اجارہ داری ختم ہوتے دیکھی اور دیکھا کہ مظلوم رعایا کے دلوں میں ایمان نے ایک نئی روح پھونک دی ہے تو انہوں نے تبلیغ حق کو ملک میں فساد ڈلوانے کے مترادف گردانا اور یہ ہرگز برداشت نہیں کیا کہ جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کی جائے۔ لہٰذا فرعون پھر انہیں پرانے ہتھکنڈوں پر اتر آیا کہ میں ان کے بیٹوں کو قتل کر کے ان کی نسل اور قوت کو کچل دوں گا اور ان کی عورتوں کو اپنی خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رکھوں گا کیونکہ میں ان پر ہر طرح غالب ہوں گویا اس غالب خدا کو بھول گیا جو ظالموں کو زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے ضرور خوف زدہ تھا ورنہ ایک جابر بادشاہ کے لئے کسی کو مروانا کیا مشکل تھا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید سے اسے جرأت نہ ہوئی۔ جیسا کہ سارا عرب اکٹھا ہو کر بھی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک نہ کر سکا۔

۱۲۹۔ ان تمام شدائد میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے اور صبر کرنے کی تلقین کی کیونکہ خدا کے رسولوں کے پاس سوائے دعا اور صبر کے کوئی ہتھیار نہیں

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا

اپنے بندوں میں سے اور انجام متقیوں کے لیے ہے کہا انہوں نے دُکھ دیئے گئے ہم

ہوتا۔مثیلِ موسیٰ نے بھی صبر و صلوٰۃ کی ہی تاکید کی خواہ حالات کیسے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں اور بتایا کہ ملک تو اللہ ہی کا ہے۔جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔اگر حکمران اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو جو دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔یعنی آخر یہ حکومت انہی کے پاس رہے گی جو متقی ہوں گے پس انجام بخیر متقیوں کا ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومنوں پر خواہ کیسے ہی ابتلا آئیں اللہ تعالیٰ ان کا انجام ضرور بخیر کرتا ہے اور صادق اپنے انجام سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ صفحہ ۵۸ ۔ ۵۹)

یہ سورۃ مکی زمانہ کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ جن حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس کا تھوڑا سا تصور کیجئے۔ آنحضرت ﷺ اور جماعت مومنین پر مسلسل زیادتیوں اور مظالم سے جب اہل مکہ کو تسلی نہ ہوئی تو شعب ابی طالب میں تین سال قید رکھا۔ان کی پوری کوشش تھی کہ انہیں کہیں سے غلے کا ایک دانہ تک نہ پہنچنے پائے۔ جوانوں نے تو شدید تکالیف کو برداشت کر لیا لیکن عمر رسیدہ بزرگ برداشت نہ کرسکے۔چنانچہ شعبِ ابی طالب سے نکلنے کے بعد حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یکے بعد دیگرے وفات انہی ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے ہوئی۔اس وجہ سے ۱۰ نبوی کا نام عام الحزن مشہور ہوگیا۔

غرض جب واپس مکہ آئے اور دیکھا کہ اہل مکہ پہلے سے بھی زیادہ درندگی پر اتر آئے ہیں تو پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمراہی میں چالیس میل کا سفر طے کرکے طائف پہنچے۔آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا کہ ”طائف کا دن میری زندگی کا سخت ترین دن تھا۔تین میل تک طائف کے لونڈوں نے میرا پیچھا کیا۔پتھروں کی بوچھاڑ سے نعلین مبارک خون سے تربتر پاؤں سے چپک گئیں۔اس شخص کی طرح جس کی کوئی منزل نہ ہو ، جدھر منہ اٹھایا بھاگتا چلا گیا“۔جب سانس لینے کسی باغ میں رکے تو فرشتہ نے عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو اس پہاڑ کو اس قوم پر گرا دوں لیکن رحمۃ للعالمین نے فرمایا نہیں۔ شاید ان میں کوئی مسلمان ہوجائے اور ہدایت پاجائے۔(جامعۃ الصغیر للسیوطی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب کا اختیار نہیں تھا۔ صرف اس موقع پر آپؐ کو یہ اختیار دیا گیا لیکن رحمۃ للعالمین نے ایسے ظالموں کے لئے بھی یہ گوارا نہ کیا کہ انہیں کوئی سزا ملے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى

پہلے اس کے کہ تو آئے ہمارے پاس اور بعد اس کے کہ تو آیا ہمارے پاس اس نے کہا قریب ہے

رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ

رب تمہارا کہ ہلاک کرے دشمن کو تمہارے اور جانشین بنائے تم کو زمین میں

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۱۵ ع

پھر دیکھے کہ کیسے عمل کرتے ہو تم اور یقیناً یقیناً پکڑا ہم نے قوم فرعون کو

اللہ تعالیٰ آپؐ کو ان حالات میں اس سورۃ میں فرعون کے مظالم کی داستان سنا رہا ہے تا کہ آپؐ کو تسلی ہو کہ یہ حالات آپؐ سے خاص نہیں ، تمام اولوالعزم انبیاء انہیں ناگفتہ بہ حالات سے گزرے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں آپؐ کے لئے بہت سے اسباق تھے کیونکہ آپؐ مثیل موسیٰؑ تھے پس انہیں کی طرح آپؐ مع اپنے صحابہؓ کے کفار کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنے۔اسی طرح سات سالہ قحط پڑا۔اگر فرعون کو مصر سے نکال کر مع لشکر پانی میں غرق کیا۔تو ابوجہل کو مع عمائدین مکہ ، مکہ سے نکال کر میدانِ بدر کی تپتی ہوئی ریت میں غرق کیا۔غرض آپؐ کے مخالفین بھی فرعون اور اس کے ساتھیوں کی طرح نیست و نابود کردیئے گئے۔آپؐ کو بھی ہجرت کرنا پڑی۔حضرت موسیٰؑ کی طرح شریعت سے نوازے گئے۔انہیں کی طرح حکومت و خلافت بھی ملی ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؐ جلالی نبی تھے۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کی شریعت کی پیروی میں کئی ایک انبیاء آئے اور آخر میں قریباً تیرہ سو سال بعد مسیح ابن مریمؑ آئے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد متعدد اولیاء و مجددین آئے۔ آخر میں قریباً تیرہ سو سال بعد ہی آپؐ کی شریعت کی پیروی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے جن کا انتظار امت محمدیہ تیرہ سو سال سے کر رہی تھی۔

۱۳۰۔**عسٰی**۔قریب ہے۔ بعید نہیں۔قوم موسیٰ جو امید لگائے بیٹھی تھی کہ ہم میں سے اللہ کا رسول آیا تو اب ہمارے دکھوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔مزید ظلم و ستم کی تاب نہ لا سکی اور چیخ اٹھی کہ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم دکھوں کا شکار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا جارہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فراست نبوی سے فرمایا کہ ظالم کو خدا ڈھیل نہیں دیتا۔قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ کردے اور تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنادے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔یہی الفاظ مثیلِ موسیٰ کو کہے کہ تمہیں بھی دنیا میں

بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

قحط سے اور کمی سے پھلوں سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

پس جب آتی تھی ان کے پاس بھلائی کہتے تھے ہمارے لیے ہے یہ اور اگر

بادشاہت ملے گی پھر دیکھیں گے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ (یونس ۱۵) یہاں بتایا کہ بادشاہ صرف خدا ہے۔ یہ دنیوی بادشاہ محض اس کے نائب اور خلیفہ ہیں پس حکمرانوں کو ایک عام اصول بتادیا کہ حکومت پھولوں کی سیج نہیں۔ یہ خدا کی طرف سے آزمائش ہے کہ کون **امربالمعروف** اور **نہی عن المنکر** پر قائم رہ کر عدل و انصاف کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے ایک پُرسکون معاشرہ ترتیب دیتا ہے۔ چونکہ وہ صرف نائب ہیں اس لئے ان کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ وہ خدا کی نعمتوں کو اس کے بندوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کے لئے آتے ہیں نہ کہ اپنی ذات پر۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بے شک فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہوا لیکن بنی اسرائیل کو دنیوی خلافت نہیں ملی بلکہ چالیس سال صحراؤں میں بھٹکتے رہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خداتعالیٰ کے وعدوں میں بعض دفعہ التواءٔ ہوتا ہے اور وہ بیٹوں یا نسلوں پر پورے ہوتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک خواب کی بنا پر فرمایا! کہ ابوجہل مسلمان ہوگا حالانکہ اس کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہوا یا جیسے سراقہ سے کسریٰ کے کنگنوں کا وعدہ تھا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانہ میں پورا ہوا جب ایران فتح ہوا اور سراقہ نے کسریٰ کے کنگن پہنے۔ (اسد الغابہ ذکر سراقہ بروایت حضرت عائشہؓ) دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض قومیں اپنی شقاوت قلبی، کوتاہیوں اور نافرمانیوں سے خدائی بشارتوں کے التواءٔ کا باعث بنتی ہیں۔ پس قومِ موسیٰ کی مسلسل نافرمانیوں سے اللہ تعالیٰ نے حکومت و خلافت کے وعدے کو تاخیر میں ڈال دیا لیکن آخر ان کی قوم کو حکومت بھی ملی اور خلافت بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے عظیم حکمران اور خلیفۃ اللہ اسی قوم میں پیدا ہوئے۔

۱۳۱۔ **سنین**۔ واحد **سنۃ**۔ برس۔ قحط کے برس۔ جب فرعون اور قومِ فرعون عصا موسیٰ اور یدِ بیضاء جیسے معجزات کو دیکھ کر بھی اپنی بداعمالیوں سے باز نہ آئی بلکہ اپنی شوخیوں میں اور بڑھتی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات سالہ قحط اور پھلوں کی کمی کا عذاب نازل فرمایا۔ پھلوں کی کمی سے مراد اولادوں کا مرجانا بھی ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں اور سمجھ جائیں کہ جس طرح اپنے بچوں کے مرنے سے انہیں دکھ پہنچا اسی طرح بنی اسرائیل کو بھی اپنے بچوں کے مرنے سے تکلیف پہنچی تھی۔

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۚ اَلَآ اِنَّمَا

پہنچتی تھی انہیں برائی بدشگونی لیتے تھے ساتھ موسیٰ کے اور ان لوگوں کے جو ساتھ تھے اسکے خبردار سوائے

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ

اسکے نہیں کہ بدشگونی انکی پاس ہے اللہ کے ولیکن اکثر ان کے نہیں جانتے اور

قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا

کہا انہوں نے جو بھی کہ لائے گا تو ہمارے پاس یعنی کوئی نشان تاکہ جادو کرے تو ہم پر اسکے ذریعہ پس نہیں ہیں

نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ

ہم تیرے لیے ایمان لانے والے پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور

الْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

ٹڈیاں اور چچڑیاں اور مینڈک اور خون نشانات جدا جدا

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَلَمَّا وَقَعَ

پس تکبر کیا انہوں نے اور تھے وہ لوگ مجرم اور جب واقع ہوا

سات سالہ قحط سالی کا عذاب مثیلِ موسیٰ کی قوم پر بھی آیا۔ (تفصیل آیت: ۹۵)

۱۳۲۔ جب انہیں کوئی بھلائی پہنچتی یا خوشحالی کا زمانہ آتا تو شکر کرنے کی بجائے کہتے کہ یہ ہماری حسن تدبیر اور خوش بختی کا نتیجہ ہے۔ ہم نے محنت کی اور پھل پایا۔ اگر مصیبت پہنچتی تو بجائے توبہ کرنے اور گناہوں پر نادم ہونے کے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ قرار دیتے۔ خبردار ان کی نحوست کا پروانہ تو اللہ کے پاس ہے یعنی ابھی اور عذاب آنے والے ہیں لیکن اکثر نہیں جانتے۔

۱۳۳۔ **مَهْمَا**۔ جیسا بھی۔ جو بھی (شرط کے معنی دیتا ہے) ہٹ دھرمی کی حد یہ ہے کہ ہر معجزے کو جادو سے تعبیر کرتے اور نہایت تکبر اور گستاخی سے کہتے کہ خواہ کیسے ہی نشان لے آؤ ہم ہرگز ایمان لانے والے نہیں۔ سورۃ النمل ۱۴۔۱۵ میں بتایا کہ دل سے یقین کر چکے تھے لیکن ظلم و سرکشی سے انکار کرتے تھے گویا دل سے آپ کو سچا ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے عذاب کے مورد ٹھہرے۔

۱۳۴۔ قرآن کریم میں آپ کے نو معجزات کا ذکر ہے جن میں عصا، ید بیضا، قحط اور پھلوں کی کمی پہلے بیان ہوچکے ہیں۔ یہاں پانچ کا ذکر ہے طوفان سے مراد طغیانی، پانی کا سیلاب اور ہر قسم کی بلائیں ہیں جو انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیں۔ طاعون بھی مراد ہے۔ جراد یعنی ٹڈی دل جو فصلوں کو بلائے ناگہانی کی طرح آناً فاناً چٹ کر جاتا ہے۔ طوفان اور سیلاب وغیرہ کے سبب نشیب

عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

ان پر عذاب کہا انہوں نے اے موسیٰ دُعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس لیے کہ وعدہ کیا ہے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ

اس نے تجھ سے یقیناً اگر دُور کیا تُونے ہم سے عذاب البتہ ضرور ایمان لائیں گے ہم تجھ پر اور

لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۵﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

البتہ ضرور بھیج دیں گے ہم ساتھ تیرے بنی اسرائیل کو پس جب دُور کیا ہم نے ان سے

میں پانی اکٹھا ہونے سے حشرات الارض کی بھرمار ہوگئی ہوگی جیسے قمل اور مینڈک وغیرہ۔ قمل خاص طور پر جانوروں میں پائے جانے والے کیڑوں پر اطلاق پاتا ہے تاہم جوئیں اور مچھر بھی اس میں شامل ہیں غلہ گیلا ہونے اور نمی سے سسریاں اور کیڑے وغیرہ بھی پیدا ہوگئے ہوں گے۔ خون سے مراد یہ ہے کہ پانی خون کی طرح سرخ ہوگیا۔ اور پینے کے قابل نہ رہا ہو اور لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی۔ یہ بھی معنی ہیں کہ گندگی اور عفونت سے کئی خونی بیماریاں پھوٹ پڑی ہوں جیسے پیچش، نکسیر اور خونی پھوڑے وغیرہ۔ طاعون بھی مراد ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس سے بھی مریض کے ناک، منہ اور مقعد سے خون جاری ہوجاتا ہے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھٰذا) بعض لوگوں نے دریا کا پانی خون بن جانا مراد لیا ہے مگر بائبل خروج ۴-۱۲۔ اس کے خلاف ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خود بنفس نفیس جبل القمر تک گئے ہیں جو سوڈان اور یوگینڈا کے درمیان دریائے نیل کا منبع ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ پہاڑ اس قدر سرخ ہیں جیسے خون سے بنے ہوں۔ جب دریائے نیل میں شدید طغیانی آئی ہوگی جیسا کہ الطُّوفان سے ظاہر ہے تو پہاڑوں سے کٹ کٹ کر سرخ مٹی پانی میں مل گئی ہوگی اور یقیناً خون کا ہی گمان ہوتا ہوگا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ٹرین میں ایک شخص ملا۔ اس نے بتایا کہ میں نے کسی مولوی کا وعظ سنا کہ حدیث میں ہے کہ دریائے نیل چاند کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ میں نے اسے خلاف عقل کہا۔ اس پر لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے، مجھے خوب مارا پیٹا، میں اسلام سے متنفر ہوگیا اور عیسائی ہوگیا۔ ایک مدت بعد اخبار میں پڑھا کہ ایک انگریز نے دریائے نیل کا منبع دریافت کرلیا ہے۔ دریائے نیل جبل القمر سے نکلتا ہے۔ وہ شخص یہ پڑھ کر اسلام کی سچائی کا قائل ہوگیا اور پھر مسلمان ہوگیا۔ اس طرح ایک مولوی ایک مسلمان کو مرتد کرنے کا باعث بنا جبکہ ایک عیسائی کی تحقیق اسے واپس اسلام میں لے آئی۔ (الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳-۱۴) غرض ان مختلف عذابوں سے بھی ان کا تکبر نہیں گیا اور ان پر فرد جرم عائد ہوگئی

الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

عذاب ایک میعاد تک کہ وہ پہنچنے والے تھے جسے جھٹ وہ عہد توڑنے لگے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ

پس بدلہ لیا ہم نے ان سے سو غرق کردیا ان کو ہم نے سمندر میں اسلئے کہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَاَوْرَثْنَا

تکذیب کی ہماری آیات کی اور تھے وہ ان سے غافل اور وارث کردیا ہم نے

الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

ان لوگوں کو جو کہ تھے کمزور سمجھے جاتے مشرقی حصوں کے اس ملک کے

وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

اور مغربی حصوں کے اس کے برکت دی تھی ہم نے جس (ملک) میں اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی

الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۗ وَدَمَّرْنَا

اچھی حق میں بنی اسرائیل کے اس لیے کہ صبر کیا انہوں نے اور برباد کردیا ہم نے

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا

اُسے کہ جو تھا کارروائی کرتا فرعون اور قوم اس کی اور جو تھے وہ

يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا ع

تعمیر کرتے اور گذار کرلے گئے ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے پس وہ آئے

جس کی وجہ سے آخر غرق کئے گئے۔

۱۳۵-۱۳۶۔ یہ متکبر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو اپنے سے کم تر اور گھٹیا سمجھتے تھے لیکن جب بھی عذاب آتا تو آپ کو ہی دعا کے لئے کہتے کیونکہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعائیں سننے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ کہتے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک مقررہ مدت تک کے لئے عذاب دور ہو جاتا تو پھر وعدہ خلافیاں شروع کر دیتے۔ مثیلِ موسیٰ کے ساتھ بھی یہ تمام واقعات گزرے۔ (آیت:۹۵)

۱۳۷۔ **یم** ۔دریا۔ سمندر۔

پس ہم نے ان کی شوخیوں کا بدلہ لیا اور انہیں سمندر میں غرق کردیا (تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ البقرہ آیت :۵۱) کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے لاپرواہی برتی۔

۱۳۸۔ **دمّرنا**۔ ہم نے ہلاک کردیا۔ پس وہ قوم جو ملک میں کمزور سمجھی جاتی تھی، جس

عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى
ایک قوم پر جو بیٹھے رہتے تھے بتوں پر اپنے انہوں نے کہا اے موسیٰ
اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
بنا دے ہمارے لیے ایک معبود جیسا ان کے لیے معبود ہیں اس نے کہا یقیناً تم لوگ
تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا
جہالت کرتے ہو ۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہلاک کیا جانیوالا ہے وہ کہ یہ لوگ جس میں ہیں اور باطل ہے وہ جو کر
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ
رہے ہیں یہ کرتے اس نے کہا کیا غیر کو اللہ کے چاہوں میں تمہارے لیے معبود حالانکہ اس
فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
نے فضیلت دی تمہیں تمام دنیا پر اور جب نجات دی ہم نے تم کو قوم فرعون سے

سے بیگار کا کام لیا جاتا تھا اور جس پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا تھا، ہم نے انہیں فلسطین کے مشارق و مغارب کا وارث بنا دیا، جسے ہم نے برکت دی تھی۔ مشارق و مغارب میں زمین کے گول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ گویا فلسطین کے ارد گرد کا تمام علاقہ ان کے زیر نگیں کر دیا۔ ان کے صبر کی وجہ سے ہم نے ان سے کئے گئے اچھے سے اچھے وعدہ کو پورا کیا۔ اور فرعون اور اس کی قوم کے لوگ جو بلند عمارتیں بناتے تھے یا انگوروں کے باغ لگاتے تھے ان سب کو تباہ کر دیا۔ حسنؒ سے مروی ہے کہ اگر لوگ بادشاہ کی طرف سے پہنچی گئی کسی قسم کی تکلیف پر صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو بہت دیر نہیں لگے گی کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دے گا لیکن وہ گھبرا کر تلوار کی طرف جاتے ہیں سو اسی کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۳۹۔ مصریوں کے ساتھ رہ کر بنی اسرائیل میں بھی بت پرستی جڑ پکڑ گئی تھی اس لئے باوجود اس کے کہ بیس سال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے زیر تربیت تھے پھر بھی حالت یہ تھی کہ جونہی کسی قوم کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا، ان کا بھی دل چاہا کہ ہم بھی اسی طرح خدا کی شبیہ بنا کر اس کی عبادت کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم واقعی جاہل قوم ہو۔

۱۴۰۔۱۴۱۔ **متبّر۔ تبر**۔ ٹوٹی ہوئی چیز۔ توڑ کر ہلاک کر دینا۔ **مُتَبَّرٌ** وہ ہلاک کیا گیا۔
یقیناً یہ لوگ جس حال میں ہیں وہ برباد ہو جانے والا ہے اور ان کے عمل باطل ہیں یعنی ان میں کوئی بھی تو ایسی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بچالے۔ فرمایا خدا نے تمہیں اشرف المخلوقات

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ
وہ پہنچاتے تم کو برا عذاب قتل کرتے تھے بیٹوں کو تمہارے اور
يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
زندہ چھوڑتے تھے عورتوں کو تمہاری اور اس میں آزمائش تھی طرف سے رب کے تمہارے
عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
بڑی اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس (۳۰) رات کا اور پورا کیا ہم نے انہیں
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى
ساتھ دس کے پس پورا ہوا وقت مقررہ اسکے رب کا چالیس (۴۰) رات کا اور کہا موسیٰ نے
لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ بن میرا قوم میں میری اور اصلاح کیجیو اور مت پیروی کرنا
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ
راہ کی فساد کرنے والوں کے اور جب آیا موسیٰ وقت مقررہ پر ہمارے اور

بنایا ہے تو کیا میں خدا کو چھوڑ کر ان پتھر کے بتوں کو تمہارے لئے خدا بناؤں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ تمام جہانوں سے مراد اس زمانہ کی معلوم دنیا تھی۔ جونبی کی مخاطب تھی۔

۱۴۲۔ کیا تم خداتعالیٰ کے وہ سارے فضل و احسان بھول گئے ہو کہ کس طرح خداتعالیٰ نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی اور ان دکھوں کو بھی بھول گئے جو تم پر روا رکھے جاتے تھے یعنی وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے۔ ان تمام حالات میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ کیا اس آزمائش کے بعد تم پھر کسی آزمائش کو دعوت دینا چاہتے ہو۔

۱۴۳۔ **میقات**۔ مقرر کردہ وقت۔ آپ تیس دن کے لئے گئے اور دس دن اور بڑھا دیئے گئے۔ اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یوں فرماتے ہیں کہ یہ تیس دن ماہ ذی القعدہ کی راتیں تھیں پھر دس ذی الحجہ کے بڑھائے گئے گویا تورات کا تحفہ عیدالاضحیٰ کے دن ملا۔ (قرطبی) یہاں راتوں کا ذکر کیا کیونکہ راتوں کا روحانیت سے خاص تعلق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کی تفصیل سورۃ البقرہ آیت : ۵۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خدائی کاموں میں بعض حکمتوں کے تحت مقررہ مدت میں بعض اوقات کچھ تبدیلی ممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ سینا پر اپنے رب کی ملاقات کے لئے جانے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ

كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ
کلام کیا اس سے رب نے اس کے کہا اے رب میرے دکھا مجھے کر دیکھوں میں طرف تیری فرمایا ہرگز نہیں
تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ
دیکھے گا تو مجھے ولیکن دیکھ طرف پہاڑ کی پس اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر
فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ
تو ضرور دیکھے گا تو مجھے پس جب تجلی کی اُسکے رب نے پہاڑ کے لیے کر دیا اُسے
دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
ٹکڑے ٹکڑے اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش میں آیا کہا پاک ہے تو
تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي
توبہ کی میں نے حضور تیرے اور میں پہلا ہوں مومنوں میں سے فرمایا اے موسیٰ یقیناً میں نے

مقرر فرمایا تا کہ قوم کی اصلاح کا کام کریں اور مفسدوں کی راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا یعنی اگر یہ لوگ فساد کی راہ اختیار کریں تو تم بچ کر رہنا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔آپ کو ڈر تھا کہ میرے بعد کوئی فساد کھڑا کریں گے۔

آنحضرت ﷺ بھی جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبھی حضرت عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبھی کسی اور صحابی کو خلیفہ بنا کر گئے۔ (قرطبی)

۱۴۴۔ **افاق**۔ افاقہ ہوا مراد ہوش میں آ گئے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ البقرہ آیت ۵۶:۔۵۷۔

یہ آپ کا چالیس دن کا اعتکاف تھا تا روزوں ،عبادت الٰہی اور مجاہدہ شدیدہ سے روحانی قوت و استعداد حاصل کر کے شریعت کے متحمل ہوسکیں۔پس رب نے آپ سے کلام کیا تو آپ نے اپنے رب سے اسے رو برو دیکھنے کی التجاء کی۔آپ **حق الیقین** کے مقام پر تھے۔آپ کی یہ خواہش بالکل ایسے ہی تھی جیسے کوئی عاشق پردے کے پیچھے سے اپنے محبوب سے پیار و محبت کی باتیں کرتے ہوئے محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہو جائے۔علم الٰہی میں آپ اس مقام پر نہیں تھے کہ جلوہ الٰہی برداشت کر سکتے لہٰذا بے ہوش ہو کر گر پڑے یہ فضیلت انسان کامل کے لئے مقدر تھی جو قاب قوسین تک پہنچے اور جن کا مقام **دنا فتدلّٰی** تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے تو خدا خود نیچے اتر آیا۔

چالیس دن کو انسان کی باطنی اصلاح کے لئے خاص نسبت ہے۔اسلام نے بھی عبادت

اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۡ فَخُذْ مَآ
چُن لیا تجھے لوگوں پر ساتھ اپنے پیغامات کے اور ساتھ اپنے کلام کے پس لے جو
اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ
دیا میں نے تجھے اور ہوجا شکرگذاروں میں سے اور لکھی ہم نے اس کیلئے تختیوں میں
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا
ہر بات کی نصیحت اور تفصیل ہر بات کی پس لے ان (تختیوں)
بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ
کو ساتھ مضبوطی کے اور حکم دے اپنی قوم کو عمل کریں وہ بہتر حصہ پر اس کے عنقریب دکھاؤں گا میں تم کو
دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
گھر (یعنی انجام) نافرمانوں کا ضرور پھیر دوں گا میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں

کے لئے تیس دن رمضان اور دس ذی الحج کے مقرر کئے۔نطفہ چالیس دن میں انسانی صورت اختیار کرتا ہے۔ نفاس کے دن بھی چالیس ہیں۔انسان کے روحانی قویٰ چالیس سال بعد کامل ہوتے ہیں۔ سوا ماہ کی چلہ کشی اولیاء وانبیاء سے ثابت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بمقام ہوشیارپور سوا ماہ کی چلہ کشی کی اور تجلیاتِ الٰہی کے نظارے دیکھے اور بشارتیں پائیں۔حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! کہ جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتا ہے۔ (روح البیان) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہوجاتی ہے۔(الحکم جلد۶ نمبر ۳۸ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱۔۱۲) انبیاء اور مومنین کے درجات ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔اس واقعہ کے نتیجہ میں حضرت موسیٰؑ کے ایمان میں بہت ترقی ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ تمام مومنین میں میں اوّل نمبر پر ہوں۔گویا اس زمانہ میں آپ تمام مومنین میں بلند ترین درجہ پر تھے۔

۱۴۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے تمام لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ سے فضیلت بخشی۔**بکلامی** میں شریعت کے علاوہ آپ کا اپنے رب سے بالمشافہ کلام کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ آپ کو **کلیم اللّٰہ** کا خطاب ملا۔پس اب اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ اور شکرگزار بنو یعنی اس پر عمل کرو۔

۱۴۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر مکمل توریت نہیں ملی۔چالیس راتوں میں جو احکام

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا

زمین میں بغیر حق کے اور اگر دیکھیں وہ ہر ایک نشان نہ ایمان لائیں گے

بِهَا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَ

ان پر اور اگر دیکھیں وہ راہ ہدایت کی نہ بنائیں گے اُسے (اپنی) راہ اور

إِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

اگر دیکھیں راہ گمراہی کی بنائیں گے اُسے (اپنی) راہ یہ اس لیے ہے کہ

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِينَ

انہوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی اور تھے وہ ان سے غافل اور وہ لوگ

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ

جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی اور ملنے کی آخرت سے گر گئے اعمال ان کے

ملے آپ انہیں تختیوں پر لکھتے گئے کیونکہ ابھی کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ان میں تمام نصائح اور ضروری احکام کی تفصیل تھی۔پس اسے مضبوطی سے پکڑلے اور اپنی قوم کو تمام احکام کے بہترین پہلوؤں پر مضبوطی سے کاربند رہنے کا حکم دے۔قرآن کریم اور دیگر الہامی کتابوں میں ہر شخص کے لئے اس کی صلاحیت کے مطابق تعلیم ہے۔ تعلیم میں بھی درجات ہیں۔جیسا کہ بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ اگر معاف کرنے میں بہتری ہو تو احسن معاف کر دینا ہے۔اسی طرح عبادات میں فرائض کے علاوہ نوافل بھی ہیں۔پس احسن پر مضبوطی سے عمل درآمد ہی کمال انسانی تک پہنچاتا ہے۔ تنبیہ بھی فرمائی کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو فاسقین کا انجام بھی دکھا دوں گا۔یعنی فرعون اور قوم فرعون کے غرق ہونے سے مکذبین کا انجام تو تم دیکھ چکے ہو۔اب اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا عہد باندھا ہے تو عہد شکنی کی صورت میں اس کا انجام بھی دیکھ لوگے جیسا کہ اس قوم نے مسلسل بدعہدیوں سے یہ انجام بھی دیکھا۔چالیس سال تک صحراؤں میں بھٹکتی پھری اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنی۔

۱۴۷۔دنیا میں ناحق تکبر کرنے والوں کا انجام بتایا کہ میں ان لوگوں کی توجہ کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا کیونکہ تکبر کی وجہ سے وہ آیات الٰہی پر غور کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ پس جب خود آنکھیں بند کرلیں گے تو انہیں کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔گویا ہدایت سے محروم ہو جائیں گے۔پھر رشد و ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر گمراہی کی راہ پر چل پڑیں گے۔اس کی وجہ خدا کے احکام اور نشانات کو جھٹلانا اور ان سے لاپرواہی برتنا ہے۔

۱۴۸۔یہ ضروری نہیں کہ تکذیب آخرت کی کی جائے بلکہ کئی ہیں جو اپنے اعمال سے

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ ع

نہیں وہ بدلہ دیئے جائیں گے مگر اس کا جو تھے وہ عمل کرتے اور بنایا قوم

مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ

موسیٰ نے بعد اس کے (طور پر جانے کے) اپنے زیوروں سے بچھڑا (یعنی صرف) جسم (بچھڑے کا) جس کی آواز تھی گائے

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ

کی، کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ کلام کرتا ہے ان سے اور نہ ہدایت دیتا ہے انہیں راہ کی

اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ

بنایا انہوں نے اسے اور تھے وہ ظالم اور جب وہ نادم ہوئے

وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا

اور دیکھا انہوں نے کہ وہ یقیناً گمراہ ہوگئے کہا انہوں نے البتہ اگر نہ رحم کیا ہم پر ہمارے رب نے

ثابت کرتے ہیں کہ گویا مرنا ہی نہیں (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء) پس اللہ کی آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلانا ایسی بدیاں ہیں جو نیکیوں کو ضائع کردیتی ہیں۔گویا نیکیوں کے بعد بدیاں کرنا نیکیوں کو ضائع کردیتا ہے۔جیسا کہ کسی کے ساتھ نیکی کرکے جتا دینا نیکی کے اجر کو ضائع کردیتا ہے۔

۱۴۹۔ **حُلِی** زیورات ۔واحد **حلیۃ** زیور پہننے کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ **وحُلُّوْا اسا ورمن فضّۃ**۔ (الدھر۲۲) انہیں چاندی کے کڑے پہنائے جائیں گے۔**خوار**۔گائے کی آواز۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر تھا۔بنی اسرائیل کو جب بھی موقع ملا بت پرستی کی طرف مائل ہوئے۔دریا پار کرکے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا لیکن حضرت موسیٰؑ ہمراہ تھے آپ کی نصائح سے سنبھل گئے۔اب حضرت موسیٰؑ کی غیرحاضری کا فائدہ اٹھا کر سامری نامی سُنار نے انہیں پھر بت پرستی کی طرف مائل کیا اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ البقرہ آیت: ۵۲ تا ۵۵ ۔سامری نے ان کے زیورات سے جو سونے کا بچھڑا بنایا وہ صرف ایک بے جان جسم تھا جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔بنی اسرائیل مصریوں کی صحبت میں گائے کی پوجا اور شعبدہ بازیاں سیکھ چکے تھے لیکن یہ نہیں سوچا کہ جو کلام نہ کرسکے اور ہدایت نہ دے وہ خدا کیونکر ہوسکتا ہے یہاں بتا دیا کہ زندہ خدا وہی ہے جو ہمیشہ اپنے بندوں سے کلام بھی کرتا ہے اور انہیں ہدایت بھی دیتا ہے۔ان کے شرک کو ظلم کہا۔

۱۵۰۔ **سُقط**۔ گرائے گئے۔ **سُقط فی اید یھم**۔ بطور محاورہ نادم ہونے کے معنی

وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى
اور نہ بخشا ہمیں تو ضرور ہو جائیں گے ہم گھاٹا پانے والوں میں سے اور جب لوٹا موسیٰ

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ
طرف اپنی قوم کی غصہ میں افسوس کرتا ہوا کہا اس نے کیا ہی بُری جانشینی کی تم نے میری

مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ
پیچھے میرے کیا جلدی کی تم نے حکم سے اپنے رب کے اور ڈال دیں اس نے تختیاں اور

اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
پکڑا سر اپنے بھائیؑ کا کھینچتا تھا اُسے اپنی طرف اس (بھائی) نے کہا اے بیٹے میری ماں کے اس قوم نے

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ
کمزور سمجھا مجھے اور قریب تھے کہ قتل کر دیں مجھے پس نہ ہنسا مجھ پر

الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ قَالَ رَبِّ
دشمنوں کو اور نہ ٹھہرا مجھے ساتھ ظلم کرنے والے لوگوں کے اس نے کہا اے رب میرے

اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ
بخش دے مجھے اور بھائی کو میرے اور داخل کر ہمیں اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ ع ۱۸ ۸
تمام رحم کرنے والوں سے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے بنایا بچھڑا عنقریب پہنچے گا انہیں

دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت پر جب شرمندہ ہوئے اور گمراہ ہونے کا احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

۱۵۱۔۱۵۲۔ **الْقٰی**۔ اس نے ڈالا۔ **یجُرُّ**۔ وہ کھینچتا ہے۔ **تُشمت** ۔ (**شمت**۔ **شماتہ**) تو دشمن کو خوش کرتا ہے یعنی وہ خوشی جو دشمن کی مصیبت پر ہو۔ **راس**۔ سر، جسم کا بالاترین حصہ ہونے کی وجہ سے طاقت اور عزت کا نشان سمجھا جاتا ہے اسی سے رئیس بمعنی سردار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ہی قوم کی گمراہی کی خبر دے دی تھی۔ لہٰذا آپ کا غصہ حق بجانب تھا۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام نے حقیقت حال سے آگاہ فرمایا اور کہا کہ مجھے ظالم لوگوں میں شمار نہ کیجیے میں ان سے الگ رہا۔ مجھ سے غلطی نہیں ہوئی۔ تب آپ کا غصہ فرو ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی تھے۔ قوم آپ سے ڈرتی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام بطور مددگار تھے۔ اکیلے

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ
غضب طرف سے رب کی انکے اور ذلت زندگی ورلی میں اور اسی طرح

نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ
بدلہ دیتے ہیں ہم افترا کرنے والوں کو اور وہ لوگ کیں جنہوں نے بدیاں پھر

قیادت کے اہل نہیں تھے۔ حضرت موسیٰؑ حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنا کر گئے تھے۔ **خلفتمونی** میں سب کو مخاطب کیا اور موردِ الزام ٹھہرایا کہ تم سب نے میری جانشینی کا بہت بُرا حق ادا کیا۔ یہاں بتایا کہ خلافت کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ساری قوم پر ہے۔ اکیلا خلیفہ یہ حق ادا نہیں کرسکتا۔ حضرت موسیٰ ؑ سے اپنے بھائی کے ساتھ انجانے میں جو زیادتی ہوئی، اس پر معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے اپنے بھائی کے لئے بھی مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔ انبیاء قدم قدم پر دعا کرتے ہیں۔ ان کا استغفار گناہوں سے محفوظ رہنے اور بلندیٔ درجات کے لئے ہوتا ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ہر نبی پر لگائے گئے الزامات سے اسے بری قرار دیا۔ بائبل نے بچھڑے کا بنانا اور لوگوں کو پرستش پر آمادہ کرنا حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب کیا (خروج باب ۳۲ آیت ۱۔۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ شرک سے بیزار تھے۔ دراصل مرورِ زمانہ سے جب علماءِ دین اور کاہنوں وغیرہ کی اخلاقی حالت بہت گرگئی تو انہوں نے اس قسم کے قصے الہامی کتابوں میں داخل کئے تا کہ عوام انہیں موردِ الزام نہ ٹھہرائیں اور سمجھیں کہ خدا اپنے خاص بندوں کو خاص حقوق دیتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ایسے اخلاق سوز قصوں کی بھرمار ہے۔

۱۵۳۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ شرک اور افترا خدا کے غضب کو بھڑکانے والا اور دنیا میں ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ وہ بچھڑا بنا کر صرف شرک کے مرتکب ہی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے افترا کیا کہ یہ سب حکمِ خداوندی کے تحت بنایا گیا ہے۔

کذٰلک نجزی المفترین ٥ میں ایک قانون بنا دیا کہ جو لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں یا آئندہ کریں گے کہ ہم نے انہیں نبی یا رسول یا امام بنایا اور وہ اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر ہماری طرف منسوب کریں گے حالانکہ ہم نے ان پر کوئی وحی نازل نہیں کی ہوگی تو ان پر ہم دنیا میں ہی اپنے غضب اور ذلت کی مار ماریں گے۔ جس سے ان کا جھوٹ دنیا پر ظاہر ہو جائے گا دوسری جگہ فرمایا کہ ہم ان کو شہ رگ سے پکڑ لیں گے یعنی بندگان خدا کو گمراہ کرنے کی مہلت نہیں دیں گے۔ بائبل کے مطابق ان پر غضب، مری یعنی طاعون کی صورت میں نازل ہوا۔ آئمہ کفر کا قتل اور صحراؤں

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

توبہ کی بعد ان کے اور ایمان لائے یقیناً رب تیرا بعد ان (بدیوں) کے ضرور بہت بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ

بہت رحم کرنیوالا ہے اور جب ٹھہر گیا موسیٰ سے غصہ پس اس نے تختیاں

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ

اور نوشت میں ان (تختیوں) کی ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے

يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا

ڈرتے ہیں اور چن لیے موسیٰ نے اپنی قوم میں ستر (۷۰) آدمی

لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ

ہمارے وقت مقررہ کے لیے پس جب پکڑا انہیں زلزلہ نے اس نے کہا اے رب میرے اگر

شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں پہلے سے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کریگا ہمیں بسبب اسکے جو کیا

السُّفَهَاۤءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۤءُ

بیوقوفوں نے ہم میں سے نہیں یہ مگر آزمائش تیری تو گمراہ کرتا ہے اسکے ذریعہ جسے چاہتا ہے

وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۤءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے تو دوست ہے ہمارا پس بخش ہمیں اور رحم کر ہم پر

میں چالیس سال تک بھٹکنا بھی کم ذلت و رسوائی نہیں تھا۔ (تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت ۵۵)

۱۵۴۔ شرک اور افترا کی سزا کے ساتھ ہی اللہ کے غضب اور ذلت سے بچنے کا طریق بتا دیا کہ خواہ کیسے ہی گناہ سرزد ہوئے ہوں۔ یہاں تک کہ شرک اور افترا تک کے مرتکب ہوئے ہوں۔ اگر تائب ہو جائیں اور دل سے ایمان لے آئیں تو یقیناً تیرا رب ان تمام جرائم کے بعد بھی بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۱۵۵۔ **نسخة**۔تحریر۔حضرت ہارون علیہ السلام کی وضاحت سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے تختیاں اٹھائیں۔ان تختیوں کی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جن کے دل میں خدا کا خوف ہو، ہدایت اور رحمت تھی۔ یہاں بھی قرآن کریم نے بائبل کے لگائے ہوئے الزام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بریت فرمائی کہ آپ نے غصہ سے تختیاں توڑ دیں۔ اس قسم کا غصہ نبی کی شان کے خلاف ہے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

اور تو بہتر ہے سب بخشنے والوں سے اور لکھ لے ہمارے لیے اس دنیا میں

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِيْۤ

بھلائی اور آخرت میں بھی ہم رجوع کرتے ہیں طرف تیری فرمایا عذاب میرا

اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۤءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

پہنچاؤں گا میں جسے چاہوں گا اور رحمت میری چھا گئی ہے ہر چیز پر

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ

پس لکھ لوں گا میں وہ (رحمت) ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور

الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

وہ لوگ جو آیات پر ہماری ایمان لاتے ہیں وہ جو پیروی کرتے ہیں

الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

رسول نبی اُمّی کی وہ کہ پاتے ہیں جسے لکھا ہوا

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

اپنے ہاں تورات اور انجیل وہ حکم دیتا ہے انہیں مناسب بات کا

وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

اور روکتا ہے انہیں ناپسندیدہ بات سے اور حلال کرتا ہے ان کیلئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے

۱۵۶۔۱۵۷۔قرآن کریم نے بائبل کے خودساختہ اسرائیلی قصوں کو رد کیا۔تختیاں توڑ کر دوبارہ لینے جانا یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام تھا اس لئے چنیدہ آدمیوں کو حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر پر لے گئے۔یہ سب کہانیاں ہیں۔اصل غرض ان سے مثیل موسیٰ کا وعدہ لینا تھا کہ جب وہ آئے تو اسے ماننا اور اس کی مدد کرنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کا ذکر تھا، بیچ میں جو جو مسائل سامنے آتے گئے۔ان کا حل قرآن کریم بتاتا گیا۔اب پھر اصل موضوع کی طرف رجوع فرمایا۔قوم کے ستر منتخب لوگوں کو لے کر طور پر جانے کا واقعہ ایک ہی دفعہ ہوا۔بیوقوفوں کی گستاخی یہی تھی کہ جب تک خدا ہمیں کھلا کھلا نظر نہ آ جائے ہم ایمان نہیں لائیں گے ۔(تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت ۵۷) پس آپ نے قوم کی مغفرت اور دنیا و آخرت کی بہترین بھلائی کے لئے دعا کی اور عرض کی کہ ہم تیری طرف توبہ کرتے ہوئے آگئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک مجھ میں وصف غضب بھی ہے لیکن میری رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے گویا وہ ہر کافر و مومن کو پہنچتی ہے لیکن مومنوں کے لئے خاص ہے پس میں

عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور وہ طوق

الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ

جو تھے ان پر پس وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر اور انہوں نے تعظیم کی اس کی

نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور مدد کی اسکی اور پیروی کی اس نور کی جو اُتارا گیا ساتھ اس کے یہ لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ہی کامیاب ہونے والے ہیں تو کہدے اے لوگو یقیناً میں رسول ہوں اللہ کا

اپنی رحمت بطور حق کے ان لوگوں کے لئے خاص طور پر لکھ دوں گا گویا ان پر واجب کر دوں گا جو تقویٰ اختیار کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو میری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔اس آیت سے ثابت ہے کہ جن کو عذاب دے گا ان کو بھی آخر اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔تقویٰ میں حقوق اللہ اور زکوٰۃ میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔یعنی بنی نوع انسان پر خرچ کرنا۔

۱۵۸۔ **عَزَّرُوْهُ** ۔تعزیر۔وہ نصرت جس کے ساتھ تعظیم ملی ہوئی ہو۔تعزیر سزا کے معنی دیتی ہے کیونکہ وہ بھی نصرت ہے جو ظلم سے روکتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے تعظیم کرنے کے معنی کئے ہیں۔

یہ ہجرت کے قریب کی سورۃ ہے جس میں بتایا کہ بہت جلد یہود سے واسطہ پڑنے والا ہے۔اس لئے یہودِ مدینہ سے خطاب فرمایا اور انہیں بتایا کہ اس رسولِ اُمّی کی اطاعت کے بغیر وہ ہرگز اس خدائی رحمت کے حقدار نہیں ہوسکتے جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا۔ توریت اور انجیل میں باوجود بہت کچھ تحرف و تبدل کے بے شمار مقامات پر آپؐ کا ذکر ملتا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مقامات پر آپؐ کی پیشگوئیوں کی نشان دہی کی ہے استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵تا۱۹۔قرتیون باب ۷ آیت ۴۔یسعیاہ ۔باب ۴ آیت ۵۴۔متی ۔ باب ۱۳ آیت ۱۳۔۱۴۔اعمال باب ۳ آیت ۲۱۔۲۲۔یوحنا باب ۱ آیت ۲۳۔(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۵) وغیرہ وغیرہ۔تحریف کا یہ حال ہے کہ احمد کا ترجمہ فارقلیط کیا گیا اور محمدیم کا ترجمہ عشق انگیز حالانکہ اسم خاص کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔عبرانی میں یم بزرگی کے لئے آتا ہے۔تورات اور انجیل کی پیشگوئیوں کے لئے دیکھیں سورۃ بقرہ آیت ۴۲۔**اُمّی** کا لقب صرف آپ کو ملا اور آپؐ کے لئے وجہ فضیلت ہے کیونکہ اس سے توریت کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں آپ کو ان گھڑا پتھر کہا۔گویا

آپؐ کا معلم خود خدا بنا۔جس نے سب سے پہلے **اقراء** کا سبق دیا پھر آپؐ کے منہ سے معارف و حقائق کے وہ چشمے پھوٹے کہ علمائے مکہ جن کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا، قرآن کریم جیسی ایک آیت لانے سے عاجز رہے۔آپؐ کے اُمّی ہونے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آپؐ پر الزام لگایا جاتا تھا کہ کسی سے توریت سن کر قرآن میں لکھوا دیتے ہیں۔اگر آپؐ پڑھے لکھے ہوتے تو یہ الزام خاص اہمیت رکھتا کہ آپؐ یقیناً توریت پڑھ کر قرآن میں شامل کر دیتے ہیں۔غرض آپؐ کے اُمّی ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت تھی۔نبی کی پہچان پیشگوئیوں سے ہوتی ہے جو اس کی ذات میں پوری ہوتی ہیں یا اس کی تعلیم سے۔تمام پیشگوئیاں نہ صرف آپؐ کی ذات میں پوری ہوئیں بلکہ سوائے آپؐ کے کسی نبی نے مثیلِ موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے وہ ہر لحاظ سے تمام کتبِ سابقہ سے جن میں اوّل توریت اور انجیل ہیں، افضل و اعلیٰ ہے۔توریت میں اس زمانہ کے لحاظ سے سختی کی تعلیم تھی۔کچھ سختی مذہبی اجارہ داروں اور فقیہوں نے خود بھی شامل کی ہوگی۔قتل کا بدلہ قتل ہے خواہ غلطی سے ہو۔کپڑا ناپاک ہوجائے تو اتنا کاٹ دینے کا حکم تھا۔سبت کے دن شکار کھیلنا، ہر قسم کا کاروبار یا ملازمین سے کام لینا سب حرام تھا۔جنگ میں مالِ غنیمت کے لئے کئی شرائط تھیں۔شکست خوردہ قوم کے تمام جوانوں کو قتل کرنے کا حکم تھا۔ان کی تمام جائیداد چھین لینے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کا حکم تھا۔آج کوئی یہودی ان احکام پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔یہی ان کے بوجھ اور طوق تھے جن سے چھڑانے یہ نبیؐ اُمّی آیا۔یہاں صاف بتادیا کہ اسلام انسانوں کو ناروا پابندیوں اور محرومیوں سے نجات دینے آیا ہے، رسوم و قیود کے سلاسل سے ان کی گردنیں آزاد کروانے آیا ہے اور غلامی کی زنجیروں میں سسکتی ہوئی انسانیت کو آزادی کا پیغام دینے آیا ہے۔جب یہود کے مظالم حد سے زیادہ بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نہایت نرمی کا حکم دیا۔یہاں تک کہ کوئی ایک تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کرنے کا حکم ہے۔کوئی عیسائی اس پر بھی عمل پیرا نہیں بلکہ تمام دنیا میں فتنہ و فساد کی جڑ یہی دونوں قومیں ہیں۔اسلام نے افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی کی تعلیم دی اور اپنے احکام میں ہر طرح لچک کی گنجائش رکھی اور ہر زمانہ کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا۔(بقیہ سورۃ کے آخر میں)

پس بتا دیا کہ جو بھی اس رسولِ اُمّی پر ایمان لاتے ہیں۔تمام امور میں اس کی تعظیم و معاونت کرتے اور اس نورِ قرآن کی اتباع کرتے ہیں جو اس کی ساتھ اتارا گیا یعنی اس پر اتارا گیا ہے۔وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔گویا اس آیت میں پہلے اتباعِ رسول اور آخر میں اتباع

اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
طرف تم سب کی وہ کہ جس کیلئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
نہیں کوئی معبود سوائے اسکے وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول

النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ
نبی اُمّی پر جو کہ ایمان لاتا ہے اللہ پر اور باتوں پر اسکی اور پیروی کرو اسکی

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
تاکہ تم ہدایت پاؤ اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ (کے لوگ) ہدایت دیتے ہیں

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۹ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ
حق کی اور اس (حق) کیساتھ انصاف کرتے ہیں اور ہم نے جدا جدا بنا دیا ان کو بارہ

اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ
بزرگوں کے لحاظ سے قومیں اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی جب پانی مانگا اس سے

قرآن کو فلاح کا ذریعہ قرار دیا۔

۱۵۹۔ یہاں خوب کھول کر بتا دیا کہ یہ رسول مکہ یا عرب کے لئے نہیں بلکہ کل عالم اور کل اقوام کی رہنمائی کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ گویا وحدتِ عالم کی بنیاد رکھی۔ ہر نبی کی رسالت و ہدایت خاص قوم اور خاص زمانہ تک محدود تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی طرف آیا ہوں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے تمام معلوم دنیا کے حکمرانوں کی طرف تبلیغی وفد اور خطوط بھیجے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا نیز صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والے مبلغینِ اسلام کی تبلیغ سے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔ چونکہ ابھی وسائلِ رسل و رسائل محدود تھے اور دنیا کے لوگوں کا ایک دوسرے سے زیادہ رابطہ نہیں تھا اس لئے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کی تبلیغ دنیا کے کناروں تک نہیں پہنچی۔ عنقریب وہ زمانہ آنے والا تھا کہ دنیا سمٹنے کو تھی اس لئے دنیا کے کونوں تک تبلیغِ حق آپ کے مہدی معہود و مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے مقدر تھی۔ اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت کا کچھ نقشہ پیش کر کے بتلایا کہ زبانی ایمان لانے کا فائدہ نہیں۔ ویسا ایمان لاؤ جیسا یہ نبی امّی ایمان لایا ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ اپنے ایمان کو رسول کے ایمان کے تابع کرو تا ہدایت پا جاؤ۔

۱۶۰۔ بنی اسرائیل کا ذکر جاری تھا موقع کے مطابق یہود کو دعوتِ رسالت فرمائی۔ اب پھر

قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ
قوم نے اسکی کہ مار اپنا سونٹا پتھر پر پس پھوٹ نکلے اس سے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَ
بارہ چشمے یقیناً جان لیا سب آدمیوں نے گھاٹ اپنا اور

ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ
سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اُتارا ہم نے ان پر مَنّ اور سلویٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
(اور کہا) کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر ولیکن تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۱ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ
اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے اور جب کہا گیا ان کو رہو اس

الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ
بستی میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو تم اور کہو بخشدے (ہمیں) اور

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۗـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ
داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے بخشدیں گے ہم تمہارے لیے غلطیاں تمہاری مزید بڑھائیں گے

الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۶۲ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا
ہم محسنوں کو پس بدل دی جنہوں نے ظلم کیا تھا ان میں سے بات

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
سوائے اس کے جو کہی گئی تھی انہیں پس بھیجا ہم نے ان پر عذاب

السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۳ؔ وَسْـَٔــلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ ع
آسمان سے بسبب اسکے کرتے تھے وہ ظلم کرتے اور پوچھ ان سے متعلق بستی کے

اصل مضمون کی طرف رجوع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی پے در پے نافرمانیوں کے باوجود پوری قوم گمراہ نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک گروہ تھا جو حق کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرتا تھا۔ یہ حضرت ہارونؑ کی اولاد بنی لاوی تھے جن کے ذمہ قوم کی ہدایت اور تربیت تھی اور جن کی نسل سے تمام انبیاءِ بنی اسرائیل ہوئے۔

۱۶۱ تا ۱۶۳۔ **اَنبَجَسَت**۔ وہ پھوٹ نکلی۔ **بجس** ، فجر کے ہم معنی ہے لیکن تنگی کا اشارہ کرتا ہے۔

ان کا اپنی جانوں پر ظلم وہ نافرمانیاں تھیں جن کا ان آیات میں ذکر ہے۔ یہاں پھر ضروری اور معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ یہود پر کئے گئے لاتعداد خدائی انعامات کا ذکر کیا اور ان کی

الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ

جو تھی کنارہ پر سمندر کے جب وہ زیادتی کرتے تھے سبت میں

اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ

جب آتی تھیں ان کے پاس مچھلیاں ان کی بروز ان کے سبت کے تیرتی ہوئیں اور جس روز

لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

نہیں وہ سبت کرتے تھے نہیں آتی تھیں ان کے پاس اسی طرح آزماتے تھے ہم انہیں بسبب اسکے

كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ

کرتے تھے وہ نافرمانی کرتے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں نصیحت کرتے ہو تم

النصف

سرکشیوں کو مختصر طور پر دہرایا تا کہ آنحضرت ﷺ ذہنی طور پر اس قوم کی عادات و اطوار سے واقف ہو جائیں جن سے بہت جلد انہیں واسطہ پڑنے والا تھا۔ یہ بارہ قبیلے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے ، جو اب قومیں بن چکے تھے۔ یہ ذکر تفصیلاً سورۃ بقرہ آیت ۵۸تا۶۱ میں گزر چکا ہے۔استفادہ فرمائیں۔ یہاں اور سورۃ بقرہ میں دو دفعہ قوم یہود کا فلسطین میں عاجزانہ دعائیں کرتے ہوئے داخل ہونے کا ذکر ہے اور دونوں دفعہ اپنی بیباکیوں کی وجہ سے نکالے گئے۔ تیسری دفعہ کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں آئے گا جس میں ایک زبردست پیش گوئی مضمر ہے۔

۱۶۴۔ قریباً پچھلے دس رکوع سے بنی اسرائیل کا ذکر جاری تھا یہ اس سلسلہ کا آخری رکوع ہے جس میں ان کے اہم واقعات کو دہرا کر اس ذکر کو ختم کیا۔

حیتان۔ حوت کی جمع ہے۔ مچھلیاں ۔ **شُرَّعًا**۔ شارع کی جمع ہے شرع سے ہے۔ جس کے معنی اظہار و بیان کے ہیں۔ یعنی ظاہر ہو جاتی تھیں۔ پانی کے اوپر آجاتی تھیں۔

جانوروں کی بعض حسیّں بعض معاملات میں انسانوں سے بہت تیز ہیں عقاب بہت بلندی سے اپنا شکار دیکھ لیتا ہے۔ بعض پرندے قطب شمالی سے سردیوں کے شروع میں اُڑ کر ہزاروں میل خشکی و سمندر کا سفر طے کر کے گرم علاقوں میں آجاتے ہیں اور سردی ختم ہوتے ہی اسی راستہ سے ٹھیک اپنی جگہوں پر پہنچ جاتے ہیں (تفصیل ۱۱۔۷) جانور وقت اور دن کو بھی پہچانتے ہیں۔اس لئے مچھلیاں ہفتہ کے دن جُھنڈ در جُھنڈ پانی کے اوپر آجاتیں اور آزادانہ گھومتیں کیونکہ جانتی تھیں کہ آج شکار نہیں ہوگا جب کہ باقی دنوں میں تہ میں رہتیں۔ یہود میں سبت کے احکامات اور ان کی پابندی کا حکم بہت شدید ہے۔ جبکہ اسلام میں صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت کاروبار بند کرنے کا حکم ہے۔ یہود میں سبت کے پورے دن شکار کرنے، ہر قسم کے کام کاج اور کاروبار کرنے کی سخت ممانعت ہے اور اس بے حرمتی

قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ

ایسی قوم کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے انہیں یا عذاب دینے والا ہے انہیں عذاب سخت

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا

انہوں نے کہا عذر کے طور پر طرف تمہارے رب کی اور تاکہ وہ بچ جائیں پس جب

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ

وہ بھول گئے اُسے کہ نصیحت کئے گئے تھے وہ جسکی نجات دی ہم نے انہیں جو روکتے تھے

السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕیْسٍۭ

بُرائی سے اور پکڑا ہم نے جنہوں نے ظلم کیا تھا ساتھ عذاب سخت کے

بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ

بسبب اس کے کہ تھے وہ نافرمانی کرتے پس جب انہوں نے سرکشی کی اس سے کہ روکے گئے تھے جس سے

کی سزا قتل ہے۔ یہود کی سبت کی زیادتی یہ تھی کہ انہوں نے ان احکام کی نافرمانی کی۔ مچھلیاں بھی پکڑیں اور دوسرے کاروبار بھی کئے۔ بائبل میں ان کی نافرمانیوں کی تفصیل درج ہے۔علماء اور مورخین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایک ساحلی مقام ایلا میں پیش آیا جب کہ دولت کی ریل پیل تھی اور سوائے نافرمانی کے لالچ کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ سبت کی بے حرمتی احکامِ توریت کی صریح خلاف ورزی تھی۔ ہفتہ میں ایک دن چھٹی تمام اقوام میں رائج ہے جو انسان کی صحت اور نفسیاتی لحاظ سے ضروری ہے۔ ممکن ہے یہود نے دیگر امور کی طرح اس میں بھی افراط سے کام لیا ہو یا انہیں بطور سزا سخت احکام ملے ہوں۔ یہاں بتایا کہ ان کے فسق کی وجہ سے ہم اسی طرح ان کو آزماتے رہے۔

۱۶۵۔ یہود کے تین گروہ ثابت ہیں۔ پہلا ہدایت یافتہ اور برگزیدہ لوگوں کا تھا جن کے ذمہ قوم کو وعظ و نصیحت کرنا اور انہیں احکام دین پر چلانا تھا۔ یہ بنی لاوی تھے انہوں نے شریر اور نافرمان لوگوں کو احکامِ دین پر چلانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو پوری تندہی سے ادا کیا تا کہ خدا کے سامنے معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے آخر تک اس امید پر کوشش کی کہ شاید ہدایت پا جائیں اور تقویٰ اختیار کر لیں۔ دوسرا گروہ میانہ رو تھا جو برائی سے روکتے اور نصیحت کرتے لیکن جلد تھک ہار کر مایوس ہو کر بیٹھ جاتے اور بنی لاوی کو بھی منع کرتے کہ ان پر نصیحت بے اثر ہے اب خدا کا عذاب ہی انہیں ٹھیک کرے گا تیسرا گروہ شریر و سرکش لوگوں کا تھا۔

۱۶۶۔ **بئیس** ۔ باس یابوس۔ بڑا سخت۔

جب اس بے باک اور نافرمان گروہ نے نصیحتوں کو بالکل ہی فراموش کر دیا تو ہم نے ان

قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ

کہا ہم نے انہیں ہو جاؤ بندر ذلیل اور جب اعلان کر دیا تیرے رب نے

لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ

کہ ضرور وہ مقرر کرے گا ان پر تا روز قیامت جو پہنچائے گا انہیں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ

بُرا عذاب یقیناً تیرا رب البتہ جلد دینے والا ہے سزا اور یقیناً وہ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۸﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ

بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے اور جدا جدا کر دیا ہم نے انہیں زمین میں قومیں بنا کر بعض ان میں سے

کو ظلم اور فسق و فجور کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا اور برائی سے روکنے والوں کو بچالیا۔ یہ طاعون کا عذاب تھا۔ یہاں دو گروہوں کو بچانے کا ذکر ہے کیونکہ دونوں اپنے اپنے مقام اور بساط کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں۔

۱۶۷۔ ہمارے عذاب کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ان امور میں جن سے انہیں روکا گیا تھا، حد سے زیادہ بڑھ گئے تو ہم نے کہا کہ بندر بن جاؤ۔ تفسیر کے لئے دیکھیں سورۃ البقرہ آیت ۶۶۔ سورۃ مائدہ میں منافقین کے متعلق کہا کہ وہ بندر اور خنزیر بن گئے اور آپؐ کے پاس آتے جاتے ہیں (آیت ۶۲) حالانکہ کبھی حقیقی بندر یا سؤر آپؐ کے پاس نہیں آئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ میری امت عذابِ استیصال سے مامون رہے گی اس پر خسف و مسخ کا عذاب آئے گا۔ اگر مسخ سے مراد بندر یا سؤر بن جانا ہے تو آج تک اُمت محمدیہ پر ایسا کوئی عذاب نہیں آیا۔ پس اس سے مراد ان میں بندر یا سؤر کے خصائل کا پیدا ہو جانا تھا۔ غرض یہ خدا کی لعنت تھی جیسا کہ احادیث میں ہے کہ ان کے منہ سوج جاتے تھے اور تیسرے دن مرجاتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ شدید قسم کی وباء پھوٹی ہوگی جس سے شریر واصل جہنم ہوئے اور متقی بچائے گئے۔

۱۶۸۔ بائبل میں انبیاءِ بنی اسرائیل کے ذریعے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اگر یہ بدیوں سے باز نہ آئے تو قیامت تک کے لئے ان پر ظالم و جابر حاکم مسلط رہیں گے جو انہیں درد ناک عذاب دیں گے۔ یہ اعلان ان یہود کے لئے تھا جو بگڑ چکے تھے۔ جنہوں نے بندروں والی صفات اپنا لی تھیں۔ تمام یہود کے لئے یہ اعلان نہیں تھا۔ ان میں سے جو نیک تھے وہ ہمیشہ بچائے گئے۔ ہاں جو

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ

نیک ہیں اور بعض ان میں سے برعکس ہیں اس کے اور آزمایا ہم نے انہیں ساتھ سُکھوں

وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور دُکھوں کے تاکہ وہ رجوع کریں پس جانشین بنے بعد ان کے

خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى

جانشین وارث ہوئے کتاب کے لیتے ہیں مال اس ورلے (جہان) کا

بدیوں پر مصر رہے وہ خدائی عذاب کے نیچے آئے۔ چنانچہ کبھی بابل اور نینوا کے حکمرانوں نے غلام بنایا اور کبھی شاہان مصر کے زیر عتاب رہے۔ یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ خدا کا ہم سے وعدہ ہے کہ وہ ہمیں برومند کرے گا۔ حالانکہ یہ عہد انبیاء کے فرمانبرداروں کے لئے تھا نہ کہ نافرمانوں کے لئے۔ جنہوں نے دیگر انبیاء کے علاوہ حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ پر تو ظلم کی انتہا کر دی۔ شدید اذیتیں دیں اور آخر صلیب پر لٹکا دیا۔ کیا ان کی یہ شوخیاں خدا کا غضب نازل کرنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ اسلام کے آنے سے پہلے یہود کی حکمرانی چھن چکی تھی اور وہ موعود نبی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اس پر ایمان لاکر دوبارہ خدائی بشارتوں کے وارث بنیں۔ حکومت بھی حاصل کریں اور قرب الٰہی بھی۔ غفورٌ رَّحیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر آپؐ پر ایمان لے آتے تو اللہ تعالیٰ پچھلی تمام لغزشوں کو معاف کر دیتا لیکن جب نبی امّی ان کے بھائیوں میں آیا اور انہوں نے انکار کیا تو پھر اس قرآنی وعید کے نیچے آئے اور دنیا میں جہاں جہاں رہے حکومتِ وقت کے مظالم کا نشانہ بنے۔ جرمنی میں ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودی ہلاک کئے۔ روس میں ان کا قتل عام ہوا۔ یہ سب قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق تھا۔ پس ہمیشہ کے لئے یہ قوم حکومت و نبوت سے محروم کر دی گئی اور یہ ذلت قیامت تک محیط ہوگی۔ سریع العقاب میں اسی دنیوی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ آج کل اگر فلسطین پر ظلم و زیادتی سے وقتی طور پر قابض ہو گئے ہیں تو یہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ہے جس کی تشریح سورۃ بنی اسرائیل میں آئے گی۔ آیت :۱۶۰ میں یہود کے ان گروہوں کا ذکر ہے جو نیکیوں پر قائم رہے۔ پس ان نیک بندوں کے طفیل اللہ تعالیٰ اس قوم کو مٹنے نہیں دے گا بلکہ غفورٌ رَّحیم قیامت تک توبہ کے مواقع دیتا رہے گا (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ترجمۃ القرآن کلاس کی روشنی میں)

۱۶۹۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے شروع میں قریب قریب ہی رہتے تھے پھر ۵۸۶ قبل مسیح بابل کے حکمران بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کر کے سخت تباہی مچائی اور یہود کے دس قبیلوں کو حزقیل

وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ
اور کہتے ہیں ضرور بخشا جائے گا ہمیں اور اگر آئے ان کے پاس مال مانند اس کی
يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا
لے لیں گے اُسے کیا نہیں لیا گیا ان سے عہد کتاب میں کہ نہیں
يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ
کہیں گے وہ اللہ پر سوائے حق کے اور پڑھ لیا انہوں نے جو اس میں ہے اور گھر
الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَ
پچھلا بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کرتے ہیں کیا پس نہیں تم عقل کرتے اور
الَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا
جو لوگ مضبوط پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کی انہوں نے نماز یقیناً ہم

نبی کے ہمراہ قید کر کے بابل لے گیا یہ قبیلے بعد میں افغانستان، ہندوستان ، کابل ، کشمیر اور تبت تک پھیل گئے۔ یہی وہ گمشدہ بھیڑیں تھیں جن کی ہدایت کے لئے مسیح ناصری واقعہ صلیب کے بعد کشمیر پہنچے۔ پس ان میں نیک و صالح بھی تھے اور بد بھی اور ہم انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزماتے رہے تا کہ نافرمانیوں سے باز آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

۱۷۰۔ **خَلَفٌ**۔ اچھے جانشین۔ **خَلْفٌ**۔ بُرے جانشین۔ یعنی ناخلف۔ پیچھے۔ **عَرَضٌ**۔ عزت مال ۔ مادی فوائد۔ اس نے ظاہر کیا۔

یہاں یہود کے علماء و فقہاء کو ناخلف کہا کیونکہ وہی کتاب کے وارث تھے۔ فرمایا وہ دنیوی مفاد کو احکام الٰہی کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں ، اس کے باوجود مغفرت کے امیدوار ہیں۔ روحانی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ اسی طرح کا سامان زیست اگر پھر ملنے کی امید ہوتی ، تو حاصل کرنے میں کمی نہ کرتے اور شریعت کو پس پشت ڈال دیتے حالانکہ کتابِ موسیٰؑ میں ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے معاملہ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہیں گے۔ یعنی خدا کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کریں گے۔ عوام عبرانی سے ناواقف تھے۔ علماء ہی توریت کو پڑھتے اور آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کو جانتے تھے لیکن عوام سے جھوٹ بولتے اور چھپاتے۔ دنیوی مفاد سے تہی دست ہونا یہ تھا کہ اگر رسول عربی ﷺ پر ایمان لے آئیں تو ان کی مذہبی اجارہ داری ختم ہوتی تھی۔ عالم و احبار ہونے کی وجہ سے قوم میں جو عزت اور چودھراہٹ تھی اور جو نذر و نیاز وغیرہ ملتی تھی اس سے محروم ہو جاتے بتایا کہ اس معمولی دنیوی مفاد کے مقابلہ میں آخرت کا گھر اچھا ہے جو متقین کے لئے ہے۔

لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۷۱﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ
نہیں ضائع کریں گے اجر اصلاح کرنے والوں کا اور جب اٹھایا ہم نے پہاڑ
فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ خُذُوا
اوپر ان کے گویا کہ وہ سائبان ہے اور خیال کیا انہوں نے کہ وہ گرنے والا ہے اُن پر (ہم نے کہا) پکڑو
مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۲﴾
جو دیا ہم نے تم کو مضبوطی سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم متقی بنو

ع ۲۱ ۹ ۱۱

۱۷۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کا قدر دان ہے اس لئے بار باران کا ذکر کیا جو احکامِ توریت پر مضبوطی سے کاربند رہے اور نماز کو قائم رکھا خاص طور پر نماز کا ذکر کیا جو ایمان کا ستون ہے باقی احکام خود بخود اس کے اندر آ گئے۔ فرمایا ہم ایسے مصلحین کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ مصلح کے لفظ میں بتادیا کہ وہ ہمیشہ اپنی اور معاشرہ کی اصلاح میں کوشاں رہتے تھے۔ یہ وہی مخلصین کے دو ناجی گروہ تھے جن کا پیچھے ذکر ہوا۔

۱۷۲۔ **نتقنا۔نتق**۔ اٹھایا۔ بلند کیا۔ **نتقنا**۔ ہم نے بلند کیا۔

جب بنی اسرائیل کے ستر چنیدہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ دامنِ کوہ پر گئے تو آتش فشانی سے شدید زلزلہ آیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ البقرہ آیت:۵۶۔ جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے ''اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا''۔ (خروج ۱۹ آیت ۱۷۔۱۸) یہاں بتایا کہ جس پہاڑ کے نیچے حضرت موسیٰؑ ستر چنیدہ احبار کے ہمراہ کھڑے تھے وہ سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن تھا۔ گویا قدرتی طور پر آگے کو بڑھا ہوا تھا جب زلزلہ آیا تو یوں محسوس ہوا گویا وہ ان پر گرنے والا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ماہرینِ آثار قدیمہ کو دعوت دی ہے کہ وہ کھوج لگائیں ممکن ہے وہ پہاڑ اب بھی اسی حالت میں موجود ہو۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

زلزلہ کی صورت جو بلائے ناگہانی آئی اس سے بچاؤ کا طریق بھی ساتھ ہی بتادیا کہ کلام الٰہی کو مضبوطی سے پکڑلو۔ گویا جب بھی یہود پر عذاب آئے گا خواہ زلزلوں کی صورت ہو یا جنگوں کی صورت یا دیگر ارضی و سماوی عذاب ہوں کلام الٰہی کو چھوڑنے کے نتیجہ میں ہوگا۔ پس بچائے وہی

جائیں گے۔جو کلام الٰہی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے۔

اس میں اُمتِ مسلمہ کو بھی تنبیہ ہے کہ ان کی تمام تر ترقیات قرآنِ کریم پر عمل سے مشروط ہیں۔ اگر ارضی و سماوی آفات سے بچنا چاہتے ہو تو قرآنِ حکیم کو مضبوطی سے تھام لو۔ جبکہ نصاریٰ سے ایسی کوئی شرط نہیں۔

اس خاص واقعہ کی یاددہانی کا مقصد وہ خاص عہد یاد دلانا تھا جو ان منتخب لوگوں سے دامنِ کوہ میں لیا گیا کہ جب مثیل موسیٰؑ آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

یہ عہد جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور علماء بنی اسرائیل سے لیا گیا اسی طرح تمام انبیاء سے اپنی اپنی امتوں کو پیغام حق پہنچانے کا عہد لیا گیا۔انہوں نے اس عہد کو خوب نبھایا اور جان کی بازی لگا کر امانت کا حق ادا کیا نیز ہر نبی نے اپنی امت سے ان خدائی احکام پر کاربند رہنے کا عہد لیا اور نبی کی اتباع میں خلفاء یہ عہد لیتے ہیں جو بیعت کہلاتی ہے۔پھر ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی اور خاص طور پر نبیٔ آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عہد لیا کہ ان پر ایمان لائیں گے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی امت سے وعدہ لیا کہ جب تم مہدی کو دیکھو تو اس کی بیعت کرو خواہ برف کے پہاڑوں پر سے گھسٹ گھسٹ کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔ (ابن ماجہ ابواب الفتن باب خروج المہدی)

پس اسی اہم واقعہ کے ساتھ اس ذکر کو ختم کیا۔اس سارے واقعہ سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود تھا کہ اس قوم نے اپنے عظیم نبی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ سلوک کیا تو اگر آپؐ سے شرارتیں کریں اور آپؐ کو دکھ دیں تو رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔یہود کو ان کے آباء و اجداد کی پرانی روش سے آگاہ کیا جس سے وہ خدائی غضب اور لعنت کے مورد بنے۔اب انہیں مثیلِ موسیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی تا کہ توریت کے مطابق خدائی انعامات کے وارث بنیں۔منتخب علمائے بنی اسرائیل سے عہد لینے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ قوم کی ہدایت اور تربیت کا بارگراں علمائے قوم کے کندھوں پر ہے۔ اس لئے قوم کی گمراہی کے بھی وہی ذمہ دار ہیں۔پس اگر آج قومِ مسلم گمراہ ہے تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اس گمراہی میں ان کے علماء کا ہاتھ ہے۔جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!'' عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا(یعنی فہم وعمل ختم ہوجائے گا)اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جب لی تیرے رب نے بنی آدم سے یعنی پیٹھوں سے ان کی اولاد ان کی

وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۚ قَالُوْا

اور گواہ کیا انہیں جانوں پر (کہا) کیا نہیں میں رب تمہارا انہوں نے کہا

بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّا كُنَّا

کیوں نہیں ہم نے اقرار کیا ایسا نہ ہو کہ کہدو تم بروز قیامت کہ ہم تھے

عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ أَوْ تَقُوْلُوْٓا إِنَّمَآ أَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا

اُس سے غافل یا کہو تم کہ سوائے اسکے نہیں شرک کیا تھا باپ دادا نے ہمارے

والی مخلوق میں سے بدترین ہوں گے۔ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اورانہیں میں لوٹ جائیں گے''۔(یعنی تمام برائیوں کا سرچشمہ وہی ہوں گے)(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ ۳۸)

صرف قرآن و حدیث میں ہی نہیں بلکہ تمام گذشتہ صحائف میں اس پرفتن اور گمراہ زمانے کی نشاندہی کی گئی ہے۔یہاں تک کہ ہندوؤں کی مذہبی کتب میں بھی اسے '' کل جُگ '' کا نام دیا گیا ہے اور کرشن مہاراج کے روپ میں ایک منجی کی خوشخبری دی گئی ہے۔

دراصل نبی کریم ﷺ سے بُعد کی وجہ سے جب اس امت کے علماء و رہنما ہی بگڑ گئے اور عیسائیت کا غلبہ ہوا تو کون اس امت کو راہ راست پر رکھتا، اسلام کی سچی تعلیم کو پیش کرتا اور اسے غیروں کے حملہ سے بچاتا۔چنانچہ اس کشتی کی طرح جس کا بظاہر کوئی ناخدا نہ ہو کشتیٔ اسلام بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے طوفان میں پھنستی چلی گئی۔آخر اس مالک و خالق کی رحمت نے جوش مارا اور عین وقت پر اپنے بندوں کی دست گیری فرمائی اور موعودِ کل ادیان امن و صلح کا شہزادہ حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام جری اللہ فی حلل الانبیاء کو اپنے وعدہ کے مطابق مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث فرمایا جو خدائی تائید و نصرت سے اس کشتی کو بحفاظت کنارے تک لے آیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے اس لئے دنیا میں بھیجا گیا کہ تا'' دنیا کو اخلاقی اور اعتقادی ، علمی اور عملی سچائی کی طرف کھینچا جائے۔نیز یہ کہ وہ خاص کشش سے اس طور پر کھنچ جائیں کہ ان امور کی بجاآوری میں ان کو ایک قوت حاصل ہو''(ریویو آف ریلیجنز جلد ۱ صفحہ ۳)

۱۷۳۔اس رکوع میں بتایا کہ یہ عہد بنی اسرائیل سے ہی خاص نہ تھا بلکہ ہر روح سے لیا گیا اور وہ اس پر گواہ ہوتی ہے کہ میرا پیدا کرنے والا خدا ہے۔بے شک یہ عہد دھندلا ہوتا ہے لیکن

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا
پہلے سے اور تھے ہم اولاد - بعد ان کے کیاپس تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بسبب
فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ
اس کے جوکیا جھوٹوں نے اور اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں آیات اور تاکہ وہ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا
رجوع کریں اور پڑھ ان پر خبر اس شخص کی دی تھیں ہم نے جسے اپنی آیات

نبی آ کراسے صیقل کرتا ہے۔پس ان کا کوئی عذر نہیں رہتا کہ ہم غافل تھے۔یہ عہد معرفتِ الٰہی کا وہ بیج ہے جو فطرتاً ہر روح کو ودیعت ہوتا ہے پھر انبیاء کی آبیاری سے ایک تنو مند درخت بن جاتا ہے اسی لئے کہا گیا کہ اپنے نفس کو پہچانا معرفت الٰہی کی کنجی ہے۔

ضروری نہیں کہ ہر روح سے باقاعدہ زبانی عہد لیا گیا ہو۔انسانی سرشت اور جبلت میں ہدایت کا مادہ رکھنا بھی اس عہد کی نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں۔(مسلم کتاب القدر) گویا فطرتاً تو وہ نیک ہی پیدا ہوتا ہے پھر والدین کی غلط تربیت ،صحبت بد، مادی خواہشات اور حالات اسے گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔غرض **الست بربکم** انسان کے خمیر میں رقم ہے یہ ضمیر کی وہ آواز ہے جسے دبایا نہیں جاسکتا۔یہ ضمیر سے اٹھتی رہے گی۔اگر ضمیر کی اس آواز کو ہم دبا بھی دیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہمارا رب ہے۔یہ سب کچھ خود بخود وجود میں نہیں آ گیا۔غرض روح کی آواز ہو یا مناظر فطرت دیدہ بینا کو اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ ضرور دیتے ہیں لیکن اس تک پہنچاتے نہیں۔اس کے لئے نبی کی ضرورت ہوتی ہے جو خدا تک پہنچنے کا واسطہ ہے۔

۱۷۴۔یہ بھی ان کا عذر لنگ ہوگا کہ باپ دادا مشرک تھے اور ہم نے ان کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کی پیروی کی کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ہر شخص کو فطری نیکی اور عقل و بصیرت اسی لئے عطا ہوئی کہ وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔دنیا میں باپ دادا کی اندھی تقلید پر قائم رہنے والے ،قیامت کو انہیں جھوٹا تسلیم کریں گے۔

۱۷۵۔اللہ تعالیٰ کا کھول کر بتانا یہی ہے کہ وہ تمام میثاق یاد دلائے جو فطرتِ انسانی سے لے کر نبیٔ آخرالزمان تک سے لئے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۶﴾
پس وہ نکل گیا ان سے تو پیچھے لگا اس کے شیطان پس ہو گیا وہ گمراہوں میں سے
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ
اگر چاہتے ہم ضرور بلند کرتے اُسے انکے ذریعہ ولیکن وہ جھکا طرف زمین کی
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ
اوراس نے پیروی کی اپنی خواہشات کی پس مثال اس کی مانند مثال کتے کی ہے اگر تو لادے
عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
اس پر زبان نکالتا ہے یا چھوڑ دے اُسے زبان نکالتا ہے یہ مثال ان لوگوں کی ہے

۱۷۶۔**السلخ** ۔کھال کھینچنا۔کھینچنا۔ **نسلخ منه النهار** ۔ (یٰسٓ :۳۸) ہم اس سے (رات سے) دن کو کھینچ لاتے ہیں۔

خداتعالیٰ کے ساتھ کئے گئے وعدوں کا ذکر ہوا تو ساتھ ہی ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جس نے خدا کے ساتھ عہد وفا باندھا اور پھر توڑ دیا۔رحمٰن سے رشتہ توڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اسے غاوین میں شامل کر کے دم لیتا ہے۔

قرآن کریم نے اکثر پردہ پوشی فرمائی اور ان ناموں کو جو خدائی لعنت کے مورد ہوئے اخفا میں رکھا۔یہاں بھی نام نہیں بتایا لیکن یہ واقعہ بلعم باعور سے ملتا ہے۔جس کا توریت کتاب گنتی باب ۲۳ ،۲۴ میں تفصیلاً ذکر ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجاہدؔ کے نزدیک بھی بلعم باعور کی طرف ہی اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات عطا کیں۔یہ صاحبِ کشف والہام تھا اور اپنے زمانے کا عالم و مقتدا تھا لیکن جب خدا کے فرستادہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہوا تو خدائی قہر وغضب کا شکار ہوا۔

کسی ایک شخص کے علاوہ یہاں ایک عام اصول بھی بتادیا کہ جو شخص بھی زمانے کے امام کا مقابلہ کرے گا خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل ہو ،ناکام و نامراد ہوگا۔اس قصہ میں کفار مکہ اور خصوصاً یہود کو سمجھانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے مقابلہ میں زمانے کے برگزیدہ اولیاء وصلحاء بھی آئے تو اس کے غضب کا نشانہ بنے۔

۱۷۷۔**لهث** ۔ہانپنا۔پچھلی آیت میں بتایا کہ ہم نے اسے اپنی آیات عطا کیں۔**بِهَا** میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

خداتعالیٰ تو ان آیات کے ذریعہ اس کا رفع کرنا چاہتا تھا اور اسے روحانی ترقیات سے نوازنا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ
جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی پس بیان کر یہ حالات تاکہ وہ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۣالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
غور کریں بُرے ہیں مثال میں وہ لوگ جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی

چاہتا تھالیکن وہ زمین کی طرف جھک گیااورنفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ گویادنیوی حرص وطمع اور جھوٹی عزت وشہرت کے پیچھے پڑکر اس مقام عالی سے گرگیا۔پس ایسا شخص جس نے دنیوی مفاد اور لالچ کی وجہ سے ایک اعلیٰ وارفع مقام کو کھودیا،اس کی مثال صرف کتے جیسے حریص جانور سے ہی دی جاسکتی ہے۔یہود کے ذکر میں اس قصہ کو بیان کیا۔یہ مثال یہود پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔پہلے بندر کی مثال دی ،سورۃ جمعہ میں گدھے کی مثال دی۔اب کتے کی مثال دی اور بتایا کہ ان میں کتے والی خصلتیں پیدا ہوگئی ہیں۔کتاوہ واحد جانور ہے جس کی رال ہر وقت ٹپکتی رہتی ہے اورجس کی حرص کی تسکین کبھی نہیں ہوتی۔اس کی حریص عادتوں کی انتہا یہ ہے کہ خواہ ڈھیروں کھانامل جائے یہ اپنے کسی ہم جنس کو قریب تک پھٹکنے نہیں دیتااورکسی سے شراکت(Share) کرنے کو تیارنہیں ہوتا۔ جب کہ اکثر جانور اپنے ہم جنسوں کو اپنے کھانے میں شریک کرتے ہیں۔یہی حرص اسے اپنی قوم کا دشمن بنا دیتی ہے اوریہ آپس میں خوب لڑتے ہیں۔جہاں تک اس کے ہانپنے کا تعلق ہے،طبّی لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کھال میں مسام برائے نام ہیں اس کی زبان سے تبخیر (Vaporizing) کا عمل ہوتا ہے جو اس کے جسم کا درجہ حرارت (Temperature) کنٹرول کرتا ہے اور اسے ٹھنڈا رکھتا ہے گویا ایک آگ ہے جو اس کے تن بدن میں لگی رہتی ہے جسے ہانپنے کا عمل قدرے ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔پس تیرے مارنے یاڈرانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ۔ اس کے اندر کی آگ اسے ہانپنے پر مجبورکرتی ہے یہی حال اس کی طمع کا ہے کہ ایک نہ ختم ہونے والی حرص و آز کی آگ اس کے اندربھڑکتی رہتی ہے خواہ تو اس کی طرف کچھ پھینک دے یانہ پھینک ، تیری یہ چند روٹیاں اس کی آتشِ حرص کو نہیں بجھاسکتیں۔یہ آگ ٹھنڈی ہونے والی نہیں بلکہ اور بھڑکے گی اور اس کے ہانپنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔گویا اس کاہروقت ہانپنا اس کی نہ ختم ہونی والی حرص وطمع کی غمازی کرتا ہے۔یہی حال ان لوگوں کا ہے جوحرص و آز کے بندے ہیں اور دنیا کے کتے بن کر رہ گئے ہیں۔ان پیسے کے پجاریوں کو اگر ذلت و رسوائی کا کوڑا بھی پڑجائے، تو بھی انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر ان کی رال ہر وقت ٹپکتی رہتی ہے۔مال حرام کے لئے منہ

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ
اور اپنی جان پر وہ تھے ظلم کرتے جسے ہدایت دے اللہ پس وہ
الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کرے اللہ تو یہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ
اوریقیناً یقیناً پیدا کئے ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انس

ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔حرام سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ غرض ان کے پیٹ کو جہنم کی آگ کے سوا کوئی چیز نہیں بھرسکتی اورھل من مزید کی طلب میں کتے کی طرح ہمیشہ ہانپتے رہتے ہیں۔ ہانپنے میں اس بے قراری کی طرف بھی اشارہ ہے جو احکامِ الٰہی کو جھٹلانے والوں کے شامل حال رہتی ہیں اور انہیں کبھی اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا۔اگر وہ غورکریں تو عبرت حاصل کرنے کے لئے اس واقعہ میں بہت سے نصیحت آموزاسباق ہیں۔پہلا تو یہی کہ قرب الٰہی خدائی نعمت اور اس کا فضل و احسان ہے اگر یہ نصیب ہوجائے تو اس کے لئے خدا کا شکراور استقامت کی دعاکرنی چاہئے کہ انجام بخیرہو اوراللہ تعالیٰ ہر ٹھوکر سے بچائے۔دوسرا یہ کہ نبی مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوتا ہے اس کے مقابلہ سے بچے ورنہ ساری ولایت دھری کی دھری رہ جائے گی اور ذلیل و خوار ہوگا۔ تیسرا یہ کہ تکبر سے بچے۔ تکبر کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا۔ بلعم باعورکے زوال کاباعث اس کااپنے زہدو تقویٰ پر متکبرہونابھی تھا۔وہ اسے اپنی خوبی سمجھا حالانکہ تقویٰ کی راہوں پر چلنا محض خداتعالیٰ کی عنایت ہے ورنہ انسان کو طاقت کہاں۔چوتھا یہ کہ دنیوی مفاد ہمیشہ قبول حق میں مانع ہوتے ہیں پس جس نے دلیرہوکران دنیوی مفاد کوٹھکرایااسے قبول حق کی توفیق ملی۔پانچواں اور آخری یہ کہ پکڑا وہی جاتا ہے جو سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود شیطان کے دھوکے میں آئے ورنہ جو حق کی آواز سے شناسا ہی نہیں وہ معذور ہے اورقابل گرفت نہیں۔جو حضرات رفع کے لفظ سے دھوکہ کھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر بٹھاتے ہیں وہ اس آیت پر غور کریں کہ خدا تو بلعم باعور کے لئے بھی رفع کا ہی لفظ استعمال کررہا ہے۔کیااسے بھی زندہ اٹھانا تھا۔

۱۷۸۔۱۷۹۔پس خدائی احکام کو جھٹلانے سے خداتعالیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑتاایسا کرنااپنی ہی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ہدایت ہمیشہ خدا کی طرف منسوب ہوتی ہے جب کہ گمراہی انسان کی اپنی شامت اعمال کانتیجہ ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ
ان کے دل ہیں کہ نہیں سمجھتے جن سے اور ان کی آنکھیں ہیں کہ نہیں دیکھتے جن سے
بِهَا ۫ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
اور ان کے کان ہیں کہ نہیں سنتے جن سے یہ لوگ مانند چارپایوں کے ہیں
بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ
بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں یہ لوگ ہی غافل ہیں اور اللہ کے نام ہیں

۱۸۰۔ **ذرانا۔ ذرءٌ**۔بکھیرنا۔پیدا کرنا۔ہم نے جنوں اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد کو جہنم کا ایندھن بننے کے لئے بڑھنے دیا یعنی ان کی بدیوں کی کھیتیوں کو پنپنے دیا اور وہ تیار ہوگئیں۔

قرآن کریم نے ہمیشہ عقل سے کام لینے پر زور دیا اور بجائے دماغ کے دل سے سوچنے کو کہا۔ آج تک دنیا کے تمام حکما سوچنے کا تعلق دماغ سے ہی سمجھتے آئے ہیں لیکن دورِ جدید کے سائنسدان اور ڈاکٹر حضرات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جسم کو دل کنٹرول کرتا ہے اور دماغ کی حیثیت ثانوی ہے کیونکہ خوشی یا غمی کا فوری اثر دل پر پڑتا ہے اور اس کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے، فشارِ خون بڑھ جاتا ہے اور بعض اوقات دل کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ دل ہی دوران خون کے ذریعے ہر پیغام دماغ کو پہنچاتا ہے۔دل خون کی مقدار اور بلڈ پریشر کنٹرول کرتا ہے۔اگر مقررہ مقدار میں خون کا صحیح دباؤ دماغ کے متعلقہ حصوں کو نہ پہنچے تو سوچنے کی قوت اور غم و خوشی کے احساسات کم یا بالکل مفقود ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ بعض دفعہ خوف کی حس ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے فالج، پاگل پن یا بے ہوشی لاحق ہوسکتی ہے بلکہ موت تک واقع ہوجاتی ہے۔پس اصل منبع دل ہے جو دماغ کو کنٹرول کرتا ہے۔

اس آیت اور اگلی دو آیات میں تین اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔سب سے پہلے تو ان کے جہنمی ہونے کی وجہ بتائی جن کا ذکر **صمٌ بکمٌ عمیٌ** کے طور پر شروع قرآن کریم میں اور اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ **لجہنم** میں لام عاقبت ہے یعنی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور اور دیدہ بینا دیا تا کہ وہ اس کی رحمتوں اور جنتوں کو حاصل کرلے لیکن جب اس کی طرف سے ودیعت کی ہوئی قوت و اختیار سے صحیح فائدہ نہ اٹھایا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر طریق پر غفلت کی زندگی گزار کر واصلِ جہنم ہوا۔جہاں تک جانوروں کا تعلق ہے وہ بھی بظاہر انسانوں کی طرح ہی کسی حد تک سمجھتے ،سنتے ، دیکھتے ، ساتھی چنتے، گھر بناتے

الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي
اچھے پس پکارو اسے ان ناموں سے اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جو کج روی اختیار کرتے ہیں
أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ
ناموں میں اس کے ضرور بدلہ دیئے جائیں گے وہ اس کا جو تھے وہ کرتے اور ان لوگوں میں

خوارک تلاش کرتے ، بچے پیدا کرتے،اور ان کو پالتے ہیں لیکن حضرت انسان کو یہ تمام دیکھنے ، سننے اور غور کرنے کی حسیں اس لئے نہیں ملیں کہ یہ جانوروں کی طرح ہر وقت پیٹ پالنے اور چند دیگر سفلی خواہشات کے چکر میں ہی رہے بلکہ اس کے پیدا کرنے کی غرض دوسری جگہ بتائی کہ **وما خلقت الجن والانس الالیعبدون** ۔ (الذاریات :۵۷) کہ انسان کی پیدائش کی غرض اللہ کی عبادت کرنا اس کی معرفت حاصل کرنا اس سے تعلق پیدا کرنا اور اس کی رضا کی راہوں پر چلنا ہے۔پس یہی مقصدِ حیات ہے اور یہی اطمینان و سکون اور دیدارِ الٰہی کی بہشت ہے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا اور جو دنیا سے ہی شروع ہوجاتی ہے۔اسی طرح بے جا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی وہی جہنم کی آگ ہے جو انسان کے دل کو قرار نہیں لینے دیتی اور اس کی جہنمی زندگی کا آغاز دنیا سے ہی کردیتی ہے۔

۱۸۱۔ **الحاد**۔سیدھے راستے کو چھوڑ کر ایک طرف ہو جانا۔حق سے باطل کی طرف مائل ہوجانا۔اسی سے لحد ہے جو قبر میں ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ کج روی۔

پہلے جہنمی ہونے کی وجہ بتائی اب اس جہنمی زندگی سے نکلنے کا طریقہ بتایا جو دعا اور ذکر الٰہی ہے فرمایا اس کے اسماءِ حسنہ کے ذریعہ سے اس سے دعائیں کیا کرو یعنی ہر دعا کے مناسب حال اس کی صفات بیان کرو۔ مثلاً اے غفورٌ رّحیم ہمیں بخشش دے۔اے شافی الامراض ہمیں شفا دے۔ یا اے ہادی ہمیں ہدایت فرما وغیرہ وغیرہ ۔چونکہ اسماء الٰہی کے معنی صفات الٰہی کے بھی ہیں۔اس لئے اس جہنمی زندگی سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرو۔جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ’’صفات الٰہی پر غور کرو اور وہی صفات اور کمال اپنے اندر پیدا کرو۔نتیجہ یہ ہوگا کہ قربِ الٰہی کی راہ قریب تر ہوتی جائے گی‘‘۔(حقائق الفرقان جلد دوم تفسیر زیر آیت ھذا)بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان کو محفوظ کرے جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب جامع الدعوات)یہاں محض رٹنے کا حکم نہیں۔محفوظ کرنے سے مراد دل

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَالَّذِيْنَ

سے جنہیں پیدا کیا ہم نے ایک گروہ ہدایت دیتے ہیں حق کی اور اسی (حق) کیساتھ انصاف کرتے ہیں اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

تکذیب کی ہماری آیات کی ضرور بتدریج کھینچ لائیں گے ہم انہیں جہاں سے نہیں جانتے وہ

میں یاد کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں جن کے تابع دوسری صفات ہیں۔ قرآن و حدیث سے اڑھائی سو کے قریب اسماءِ حسنہ کا علم ہوتا ہے لیکن اس کی صفات لامحدود ہیں۔ اس کی صفات سے ہی ہم اس کی شناخت اور معرفت حاصل کر کے اس سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "صفات الٰہیہ پیدا کرنے کے لئے پہلے بدیوں سے قلب صاف کرو۔ توبہ کرو اور اپنا محاسبہ کرو۔ مجاہدہ ایسا کہ خدا کی محبت میں خود کو گم کردو اور اپنے نفس کو مٹادو۔ دعاؤں اور نوافل میں مداومت اور خیالات میں پاکیزگی اختیار کرو۔ غرض چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچو"۔ پس جب دل ایک آئینہ کی طرح شفاف ہوجائے گا تو ضرور ہے کہ اس میں جمال یار کا عکس آوے۔ البتہ مخلوق کامل طور پر کسی خدائی صفت میں شریک نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ شرک ہے۔ ہاں وہ صفات جو خالق میں کامل طور پر موجود ہیں مخلوق میں ناقص طور پر موجود ہوتی ہیں۔ جن کو جلا دینا سالک کا کام ہے۔ اسماء الٰہی میں الحاد یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی صفت بیان کرنا جو اس کی شان کے خلاف ہو یا اس میں غیر کی شرکت کرنا جیسے عقیدہ تثلیث ہے یا غلط استعمال کرنا مثلاً کوئی گناہ اس لئے کرے کہ وہ غفار ہے۔ انہیں الحاد کی وجہ سے ضرور سزا دی جائے گی۔

۱۸۲۔ حق سے مراد حقیقت و سچائی، ذات باری تعالیٰ، دین حق اور شریعت وغیرہ ہے۔ پہلے جہنمی گروہ کا ذکر ہو چکا ہے اور ان کا علاج بھی بتا دیا گیا ہے۔ یہاں بتایا کہ مخلوق میں ایک گروہ ہے جو جنت کا حقدار ہے اس کی دو صفات بتائیں پہلی تو یہ کہ وہ بندگانِ خدا کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت دین حق اور شریعت کے مطابق کرتے ہیں گویا امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ اگر باہمی اختلاف یا جھگڑا ہوجائے یا قوموں کی جنگ بھی ہو جائے تو قانونِ شرعی کے مطابق عدل و انصاف کرتے ہیں۔ اس میں مومن و کافر یا دوست و دشمن کی تخصیص نہیں کرتے۔ جس قوم میں ایسے حقیقی رہنما پیدا ہو جائیں جو لوگوں کو حق کے ساتھ ہدایت دیں اور حق کے ذریعہ دنیا میں انصاف کریں تو ایسی قوم دینی اور دنیوی لحاظ سے اعلیٰ ترین مدارج پر گامزن ہونے کی اہل ہوگی۔ جیسا کہ خلفائے راشدین اور بعض دیگر عادل حکمرانوں کے زمانہ میں عملاً ایسا ہوا۔

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا

اور مہلت دیتا ہوں انہیں یقیناً تدبیر میری مضبوط ہے کیا نہیں غور کیا انہوں نے نہیں ہے

بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۵﴾ اَوَلَمْ

ساتھی کو ان کے کوئی جنون نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا کھلا کھلا کیا نہیں

۱۸۳۔۱۸۴۔ **سنستدرجهم**۔ بتدریج، درجہ بدرجہ۔ ہم انہیں بتدریج لے جائیں گے۔

اس رکوع میں مخالفین رسول ﷺ کے انجام کا ذکر کیا کہ ہم انہیں بتدریج ایسے طریق سے ہلاکت کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ پھر حقیقتاً ایسا ہی ہوا کہ آپؐ کے مخالفین آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جائے گئے۔ عام طور پر بھی خدا فوری نہیں پکڑتا کہ ادھر گناہ کیا، ادھر پکڑے گئے۔ یہ دنیا دارالجزا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ مکذبین کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بتدریج تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے اور ڈھیل دیتا ہے کہ شاید سنبھل جائیں۔ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔

۱۸۵۔ کفار آپؐ پر معاذ اللہ من ذٰلک دیوانگی کا الزام لگاتے تھے کیونکہ ان کی نظریں محض ظاہری دنیا تک محدود تھیں۔ ایسا شخص جو آخرت کی امید پر دنیا کے عیش و آرام کو خاطر میں نہ لائے اور اپنے جانی دشمنوں کی اصلاح کی فکر میں دن رات گھلتا رہے، ان سے ماریں کھائے اور انہیں توحید کا سبق دے یقیناً ان کی نظر میں دیوانہ تھا۔ فرمایا! کیا تم غور نہیں کرتے کہ تمہارا دوست تو بدیوں کے بد انجام سے اور ان تباہیوں سے ڈرانے والا ہے جو ان بدیوں کی وجہ سے تمہارے مقدر میں ہیں اور نیکی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے انعامات کی بشارتیں دینے والا ہے۔ کیا ایسا ہمدرد، دوربین اور صاحب فراست دیوانہ ہوسکتا ہے۔ دیوانگی کا الزام لگانے والے مکہ کے بیوقوف لوگ تھے، ورنہ صاحبِ عقل لوگوں کی یہ سوچ نہیں تھی۔ جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ ولید بن مغیرہ جو نہایت عقلمند بزرگ سمجھا جاتا تھا اس نے ایک مجلس میں کہا کہ حج کے لئے لوگ آئیں گے اور آپؐ کا کلام سن کر مرعوب ہوں گے۔ اسی مجلس میں دوسروں نے کہا کہ ہم انہیں کہیں گے کہ آپؐ مجنون ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا "ہرگز نہیں خدا کی قسم! تم میں کوئی شخص شعر و شاعری سے میرے برابر واقف نہیں۔ خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے اور ایک خاص رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کلام میں نہیں پاتا۔ ولید نے کہا محمد ﷺ کو ساحر کہو کہ یہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈالتا ہے"۔ (مسلم)

يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

نظر کی انہوں نے بادشاہی میں آسمانوں کی اور زمین کی اور اس میں کہ پیدا کیا اللہ نے

مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

جو کچھ اور یہ کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو کہ نزدیک آگئی ہو میعاد ان کی

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا

پس کس بات پر بعد اس کے وہ ایمان لائیں گے جسے گمراہ کرے اللہ تو نہیں کوئی

هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ہدایت دینے والا اُسے اور وہ چھوڑ دیگا انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکیں گے

۱۸۶۔ آپ کو دیوانہ سمجھنے کی ایک وجہ آپ کی شرک سے بیزاری اور توحید پر اصرار تھا۔ کفار اپنے تمام بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کے لئے تیار نہ تھے۔انہیں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور ہر چیز میں جو اللہ نے پیدا کی، غور خوض کرنے کی دعوت دی کہ کیا یہ سب خود بخود وجود میں آ گیا یا اس عظیم صناعی میں ان مصنوعی خداؤں کا بھی کوئی ہاتھ ہے؟ ہرگز نہیں۔جوں جوں غور کرتے جائیں کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی وحدانیت کا زندہ ثبوت پیش کرتا ہے۔تمام نظامِ کائنات ایک ہی قانون کے تابع ہے اور سرمو اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔سائنسدان تمام گتھیاں سلجھاتے سلجھاتے آخر اس نکتے پر آ کر رک جاتے ہیں کہ ایک عظیم طاقت اس کائنات کو کنٹرول کر رہی ہے اور اسے منضبط کئے ہوئے ہے۔پس جس نے انسان کے لئے یہ عظیم نظام پیدا کیا جو ہر آن اس پر اثر انداز ہو رہا ہے اور اس کی بقا کا ضامن ہے اور اس طرح اس کی جسمانی ربوبیت کا انتظام کیا۔وہ روحانی ربوبیت کا کوئی انتظام کیسے نہ کرتا۔پس اس نے اپنے بندوں کی روحانی ربوبیت کے لئے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن عظیم کا تحفہ بھیجا۔اجل تمہارے سر پر کھڑی ہے۔ خدا جانے عمل کا وقت ملے یا نہ ملے پس اس قرآن کے علاوہ کس بات پر ایمان لاؤ گے۔

قرآن کریم نے بار بار صحیفۂ کائنات پر غور و خوض کی دعوت دی۔مگر افسوس مسلمانوں نے قرآن کریم بغیر سمجھے پڑھنے اور طوطے کی طرح رٹنے پر ہی اکتفا کیا۔الاماشاء اللہ۔ جبکہ غیر اقوام نے آسمانوں کی کھالیں اتاریں (تکویر۔۱۲) اور ستاروں پر کمندیں ڈالیں اور کائناتی طاقتوں پر کنٹرول حاصل کرکے بنی نوع انسان کی بے حد خدمت کی۔

۱۸۷۔ کفار قرآن کریم جیسی عظیم رہنما کتاب کو ماننے اور اس پر عمل کے لئے تیار نہ تھے۔ادھر دنیا کی بے ثباتی کہ نہ جانے ان کو معافی کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔پس آپ کا مغموم رہنا

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا

پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق قیامت کے کب ہے قیام اس کا تو کہدے صرف

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘؔ ثَقُلَتْ فِي

علم اس کا پاس ہے میرے رب کے، نہیں ظاہر کریگا اسے وقت پر اس کے مگر وہی بھاری ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ

آسمانوں اور زمین میں نہیں آئے گی تمہارے پاس مگر اچانک وہ پوچھتے ہیں تجھ سے

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

گویا کہ تو کریدکرید کر پوچھنے والا ہے اسکے متعلق، تو کہدے کہ صرف اس کا علم اللہ کو ہے ولیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا

اکثر لوگ نہیں جانتے تو کہدے نہیں طاقت رکھتا میں اپنی جان کیلئے نفع کی

قرآن کریم سے ثابت ہے۔اس لئے فرمایا کہ انہیں اپنی سرکشیوں میں بھٹکنے دے ان پر اتمام حجت ہوچکی ہے۔یہ ہدایت پانے والے نہیں۔پس آپ ہرگز رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ "یہ نتیجہ ہے انسان کی اپنی اختیار کردہ ضلالت کا"۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء)

۱۸۸۔ ایاّنَ ۔ متٰی ۔کب ۔ **مُرسیٰ** ۔ **رسا**۔ ایک چیز مضبوطی سے گڑ گئی۔قائم ہوگئی۔واقع ہوگئی جیسے **والجبال ارسٰها** (۷۹۔۳۳) **یاقدور رّسیٰت** (۳۴۔۱۴) یعنی گڑی ہوئی دیگیں۔**یجلّي** ۔**جلو**۔ظاہر کرنا۔تجلّی۔ **ثقلت** ۔**ثقل**۔بوجھ۔**ثقل القول**۔جس کا سننا پسند نہ ہو، بوجھل لگے۔ مراد ہے کہ وہ گھڑی (آسمانوں اور زمین پر) بھاری ہے۔ **حفی**۔ **احفا**۔سوال میں زیادہ اصرار اور کاوش کرنا۔**حَفِیّ** "۔زیادہ جاننے والا۔یہ معنی بھی ہیں کہ تو جانتا ہے ہمیں نہیں بتاتا۔

جو آیت **یسئلونک** سے شروع ہو وہ ہمیشہ کسی کے سوال کا جواب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق یہ سوال یہود نے کیا جبکہ حسنؒ اور قتادہؒ قریش کا نام لیتے ہیں۔ساعت کے معنی قیامت کبریٰ کے ہیں اور وہ بھی مراد ہوسکتی ہے لیکن سیاق و سباق سے قیامت وسطیٰ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو قوموں کی تباہی کی گھڑی ہے گویا یہاں عربوں کی تباہی کا وقت مراد ہے۔آنحضرت ﷺ کفار کو ان کی تباہی کی گھڑی سے ڈراتے رہتے تھے لیکن وہ بجائے ایمان لانے یا نیک عمل کرنے کے ڈھیٹ بن کر بطور استہزا پوچھتے کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔حالانکہ **سنستدرجهم** میں ان کا جواب آ گیا تھا۔یہاں اچانک واقع ہونے کا ذکر کیا جیسا کہ فتح مکہ کے

وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

اور نہ نقصان کی مگر جس قدر چاہے اللہ اور اگر ہوتا میں جانتا غیب کو

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا

البتہ بہت لے لیتا میں بھلائی اور نہ پہنچتی مجھے تکلیف نہیں میں

اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ هُوَ الَّذِيْ ع

مگر ڈرانے والا (کافروں کو) اور خوشخبری دینے والا ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں وہی ہے جس نے

روز ہوا۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت انسان اپنی عاجزی کا اقرار کیا کہ غیب کا علم صرف میرے رب کو ہے۔ کسی قوم کی تباہی زمین و آسمان پر بھی بھاری ہوتی ہے۔ پس وہ اچانک تباہی تمہارے لئے کوئی خوشگوار امر نہیں ہوگی سورہ واقعہ آیت ۴ میں بتایا کہ بعض کو ذلیل کرنے والی اور بعض کو بلند کرنے والی ہوگی۔ جیسا کہ ابوسفیان وغیرہ کے ساتھ ہوا کہ باوجود سردار ہونے کے اس دن پست ہوا، گو اسے ایمان کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ باوجود غلام ہونے کے بلند ہوا۔ آخری زمانہ کی ایٹمی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ تجھ سے اس طرح بار بار سوال کرتے ہیں گویا تو جانتا ہے یا یہ کہ تو بھی اسی ٹوہ میں ہے حالانکہ آپؐ تو ہمیشہ کفار کے بہی خواہ اور رحمۃ للعالمین تھے۔ اگر قیامت کبریٰ مراد لی جائے تو وہ بھی اچانک آئے گی اور یقیناً زمین و آسمان پر بھاری ہوگی۔ دنیا میں قانونِ طبعی کے نتیجہ میں واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ قیامت کبریٰ کے بنیادی اسباب و محرکات موجود ہیں جیسا کہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ سورج میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ اچانک پھیل جائے گا۔ حدیث میں بھی ہے کہ قیامت کو سورج سوا نیزے پر آجائے گا لیکن قیامت کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو صور پھونکا جائے گا جو ایک قسم کا نفخ ہوگا اور قیامت اچانک ظاہر ہوگی۔

۱۸۹۔ کفار مکہ کے خیال میں نبی ایک مافوق الفطرت وجود ہونا چاہئے تھا۔ جس کے آگے پیچھے فرشتوں کی فوج ہوتی۔ اسے غیب کا علم ہوتا تاکہ وہ ہر نقصان اور تکلیف سے بچ جاتا۔ یہاں ان کی غلط فہمی دور فرمائی اور مقام نبوت کو واضح کیا کہ قیامت یا کفار کی تباہی کا علم یا غیب دانی تو بہت بڑی بات ہے میں تو تمہاری طرح کا ایک عاجز انسان ہوں جسے اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں یا دکھ سکھ دور کرنے کی قدرت نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے یعنی جتنا علم اللہ تعالیٰ چاہتا ہے مجھے دیتا ہے۔ غیب کا علم صرف خدا کو ہے۔ میرا کام بری باتوں سے روک کر

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

پیدا کیا تم کو شخص واحد سے اور بنائی اس نے اس کی (نسل) سے بیوی اس کی

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا

تاکہ وہ آرام پکڑے طرف اسکی پس جب اس نے ڈھانکا حمل ہوا اسے حمل ہلکا سا

فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ

پس وہ چلتی پھرتی رہی ساتھ اسکے، پھر جب بوجھل ہوگئی دُعا مانگی دونوں نے اللہ رب سے اپنے کہ البتہ اگر

اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ فَلَمَّآ

تونے دیا ہم کو صحیح سلامت (بچہ) تو ضرور ہوں گے ہم شکر گذاروں میں سے پس جب

اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ

دیدیا اُس نے ان دونوں کو صحیح سلامت (بچہ)، ٹھہرائے انہوں نے اس (اللہ) کے شریک اس (بچہ) میں جو اس نے دیا تھا انہیں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ

پس بلند ہے اللہ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں کیا وہ شریک بناتے ہیں جو نہیں پیدا کرتا

عذاب سے ڈرانا اور نیکی کرنے والوں کو دنیا اور آخرت کی بشارتیں دینا ہے اور یہ قرآن و شریعت کا علم مجھے خوب دیا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) اس آیت کی نہایت لطیف تشریح فرمائی اور بتایا کہ اس آیت میں مومنین کو دنیا میں کامیابی کے گر بتائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم غیب کا انکار کیا جو خیر یعنی دولت کا موجب تھا۔ غیب کے علم کا دولت کے حصول سے گہرا تعلق ہے۔ غیب کا علم ایک تو وہ ہے جو عارفین کو اللہ کی طرف سے خبر کے طور پر عطا ہوتا ہے۔ انہیں ایک نور ملتا ہے جس سے آگے کی راہیں روشن ہوجاتی ہیں۔ یہ عارفین کے لئے خاص ہے اور یہ نور روزِ ازل سے لے کر قیامت تک کے انسانوں میں نبی اُمّی محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ملا۔ دوسرا وہ غیب کا علم ہے جو اسلام سے خاص نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے قوانین پر تدبر اور پیروی سے حاصل ہوتا ہے اور انسان تجسس و تحقیق اور کاوش و تفکر سے غیب سے کسی حد تک پردہ اٹھا دیتا ہے اور غیب کی باتیں بتانے لگتا ہے۔ یہ وہ غیب کا علم ہے جسے سائنس کہتے ہیں جو دولت اور طاقت کا موجب ہے۔ اسی قانونِ قدرت کی پیروی کے نتیجہ میں دجال کو مخفی خزانے ملے۔ پس اس دنیوی علمِ غیب میں بشارت بھی ہے، انذار بھی۔

۱۹۰۔۱۹۱۔ **تغشّٰھا**۔ غشّٰی۔ اس نے ڈھانپا۔ مراد بیوی سے ہم صحبت ہونا۔ قرآن کریم

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ

کچھ بھی اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں وہ طاقت رکھتے ان کے لیے مدد کی اور

نے ایسے تمام الفاظ کو نہایت لطیف انداز سے بیان فرمایا۔ **صالح**۔ تندرست۔ صحیح سالم۔ نیک۔

سورۃ کے آخری رکوع میں پھر آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ بیان فرمایا جو شرک سے بیزاری اور توحید کی تعلیم ہے۔

یہاں آدم و حوا کا ذکر نہیں بلکہ **خلقکم** میں جمع کا صیغہ استعمال کر کے عام خطاب کیا کہ ہم نے اس کی جنس سے ہی اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کی طرف تسکین کی خاطر جھکے۔ کیونکہ انسان ہو یا جانور اپنی ہم جنس سے ہی تسکین و راحت پاتا ہے اور جب اس سکون و ملاپ اور ان کی دعاؤں کا نتیجہ عام طور پر تندرست بچے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اکثر بجائے اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے اسے پیروں فقیروں اور دیوی دیوتاؤں سے منسوب کرنے لگتے ہیں کہ ان کی عطا ہے اور خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں۔ نفسِ واحدہ میں اس حقیقت کو بھی بیان کیا کہ دنیا کا ہر انسان ایک ہی جدامجد کی اولاد ہے آج سائنسدان بھی اسے تسلم کرتے ہیں کہ کرہ ارض پر رہنے والا ہر فرد وائی کروموسوم (Y.Cromosom) کے ذریعہ ایک ہی جدامجد سے رشتہ رکھتا ہے۔ چوبیس قسم کے کروموسومز میں یہ واحد کروموسوم ہے جو باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا ہے۔ (یونیورسٹی آف ایریزونا کے سائنسدان John Michael Hammes جان مائیکل ہیمز کا مقالہ ''نیچر'' سے ماخوذ) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نفس واحدہ کو مونث کے صیغہ میں لاکر بتادیا کہ آغاز آفرینش میں زندگی کا آغاز مونث سے ہوا۔ خواہ وہ بکٹیریا تھا یا اس سے بھی چھوٹا وجود۔ اس کے پہلو سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ ہوتے رہے جو مونث کے طور پر ہی تھے۔ یہ سلسلہ کروڑوں سال تک جاری رہا۔ پھر اس سے اس کا زوج پیدا ہوا تاوہ اس مونث سے تسکین حاصل کرے۔ اس طرح تواصل و توالد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اب ایک لمبے عرصہ کو چھوڑ دیا، جب ارتقائی مراحل طے کر کے انسان اس قابل ہو گیا کہ اپنے ربّ سے دعا کے ذریعہ تعلق پیدا کرے اور مرادیں مانگے تب وہ دونوں بجائے خالق و مالک کا شکر ادا کرنے کے اس کی عطا میں اس کے شریک ٹھہرانے لگے۔

۱۹۲۔ پہلے اولاد کی پیدائش میں شرک کا ذکر کیا یہاں سے قریباً آخر رکوع تک ہر قسم کے شرک کی نفی فرمائی اور معبودان باطلہ کی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کیا، خواہ وہ بت تھے یا انسان۔

لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

نہ اپنی جانوں کی وہ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم بلاؤ انہیں طرف ہدایت کی

لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ

نہیں پیروی کریں گے تمہاری برابر ہے تم پر کہ بلایا تم نے ان کو یا تم

صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ

چپ رہو یقیناً وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے بندے ہیں

اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مانند تمہاری پس پکارو انھیں تو چاہیئے کہ وہ جواب دیں تمہیں اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ

سچے کیا ان کے پیر ہیں کہ چلتے ہیں جن سے یا ان کے ہاتھ ہیں

يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ؗ اَمْ

کہ پکڑتے ہیں جن سے یا ان کی آنکھیں ہیں کہ دیکھتے ہیں جن سے یا

یہاں ان معبودانِ باطلہ کا ذکر کیا جو عظیم انسان تھے جب مرگئے تو ان کو اپنا حاجت روا بنالیا۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی قوم جو بت پوجتی تھی وہ عربوں میں آ گئے ----- شروع میں کوئی بڑا آدمی مرجاتا تو جہاں بیٹھا کرتا، اس کا بت بطور یادگار اس جگہ کھڑا کردیا جاتا۔ اس کو پوجتے نہ تھے۔ جب یہ یادگار بنانے والے مرگئے اور بعد والوں کو یہ شعور نہ رہا کہ ان بتوں کو محض یادگار کے طور پر بنایا گیا تھا، تو ان کو پوجنے لگے۔ (بخاری) فرمایا جب ان میں کوئی خدائی صفات نہیں تو تم نے انہیں کیسے خدا بنا لیا۔ وہ نہ صرف خدا کی طرح پیدا کرنے سے عاجز ہیں بلکہ انہیں بھی خدا نے پیدا کیا۔

۱۹۳۔ شرک کی نفی میں دوسرا ثبوت یہ دیا کہ مشرک جن کو اپنا حاجت روا مانتے ہیں وہ تو اتنے بے بس ہیں کہ نہ صرف اپنے ان پجاریوں کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

۱۹۴۔ اللہ تعالیٰ تو خود اپنے بندوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے یہ کیسے خدا ہیں کہ اگر تو ان کو کسی صحیح بات کی طرف بلائے تو بھی وہ کوئی جواب دینے سے قاصر ہیں۔

۱۹۵۔ یہاں تثلیث کا بھی ردّ ہے کہ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ خدا تو اپنے بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے انہیں بھی چاہیئے کہ خدا ہیں

لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ
ان کے کان ہیں کو سنتے ہیں ان سے تو کہدے بلاؤ اپنے شریکوں کو پھر
كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۶﴾ اِنَّ وَلِيِّ ۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ
جنگ کرو مجھ سے پس نہ مہلت دو مجھے یقیناً دوست میرا اللہ ہے وہ جس نے اُتاری
الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
یہ کتاب اور وہ دوست رکھتا ہے نیکوں کو اور وہ جنہیں تم پکارتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ
سوائے اس کے نہیں وہ طاقت رکھتے مدد کی تمہاری اور نہ اپنی جانوں کی
يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ
وہ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تو پکارے انہیں طرف ہدایت کی نہیں سُننے

تو تمہاری پکار کا جواب دیں۔

۱۹۶۔ **اَرجُل**"۔ واحد **رِجل**"۔ پاؤں۔ جبکہ **رَجُل** بمعنی مرد ہے۔جمع **رِجَال**۔

یہاں پھر معبودانِ باطلہ کی عاجزی کا اظہار کیا کہ جو عام انسانی صفات سے بھی محروم ہیں، کیا وہ خدا ہو سکتے ہیں؟ فرمایا اپنے تمام شریکوں کو بلا لو اور جو تدبیر میرے خلاف کر سکتے ہو، کرلو۔ مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان حالات میں یہ جرأت ایک راستباز نبی ہی کر سکتا تھا۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء) پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کی تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں اور چند سالوں میں مکہ فتح ہو گیا۔

۱۹۷۔ اس جرأت وتحدی کی وجہ یہ ہے کہ میرا دوست اور مددگار وہ خدا ہے جس نے یہ کامل کتاب اتاری اور وہ نیکوں ہی کا دوست ہے۔

۱۹۸۔اللہ تعالیٰ کی ولایت کے نتیجہ میں جو غلبہ مقدر ہے اس کے ذکر کے بعد پھر انہی الفاظ کو دہرایا کہ یہ بت تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکیں گے اور تم ناکام رہو گے بلکہ یہ اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہوں گے اور پاش پاش کئے جائیں گے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء) چنانچہ جب فتح مکہ کے موقع پر ہندہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپؐ نے وعدہ لیا کہ ہم بت پرستی نہیں کریں گے۔تو ہندہ نے برملا کہا اب بھی یارسول اللہ؟ جبکہ ہم نے دیکھ لیا کہ ان بتوں نے ہماری کوئی مدد نہ کی۔(الروض الانف ج دوم) بتوں کے لئے **والّذین** کہا کیونکہ یہ بت شروع میں بعض عظیم ہستیوں کی شبیہ کے طور پر بنائے گئے تھے جو کسی نہ کسی رنگ میں قوم کے ہیرو تھے بلکہ انبیاء تک کے بت بطور یادگار بنائے گئے

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۹﴾ خُذِ
اور تو دیکھتا ہے انہیں کہ نظر کرتے ہیں طرف تیری حالانکہ وہ نہیں دیکھتے تھے اختیار کر
الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ وَ
درگذر اور حکم دے مناسب بات کا اور اعراض کر جاہلوں سے اور

جیسے کرشن مہاراج یا رام چندر جی وغیرہ کے بت۔ بعد میں ان کی پوجا ہونے لگی۔

۱۹۹۔قرآنی آیات عام طور پر کسی خاص حالات کے لئے مخصوص نہیں ہوتیں بلکہ مختلف جگہ چسپاں ہو سکتی ہیں۔یہاں معمولی تبدیلی سے آیت کو دہرا کر فتح مکہ سے قبل کا نقشہ پیش کیا کہ جو ازلی بدبخت ہیں انہیں تمہارا ہدایت کی طرف بلانا ہرگز سنائی نہیں دیتا۔ وہ تیری طرف دیکھتے تو ہیں لیکن تو انہیں دکھائی نہیں دیتا گویا انہیں تیری ذاتِ بابرکات میں کوئی سچائی نظر نہیں آتی۔یہی معاملہ ہر داعی حق کے ساتھ پیش آتا ہے کہ لوگ اس کے مقام سے بے خبر ہوتے ہیں۔وہ اسے دیکھتے تو ہیں لیکن انہیں اس میں کوئی بھلائی نظر نہیں آتی جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے دیدۂ بینا رکھنے والے اپنی فراستِ خداداد سے کسی دلیل و برہان کے محتاج ہوتے ہیں نہ طلبگار۔

۲۰۰۔ حضرت ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبری میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بحکم خدا فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تجھ سے جو قطع تعلق کرے تو اس سے مل اور جو تجھ پر ظلم کرے تو معاف کر اور جو تجھے نہ دے تو اس کو دے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تعلیم مکارمِ اخلاق کے بارہ میں اس سے بڑھ کر کوئی جملہ نہیں۔پس یہاں بھی حکم عام ہی ہے اور اس خلقِ مجسم نے تمام تر زیادتیوں اور ظلم و ستم کے باوجود ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیا اور نیکیوں کی تلقین ہی کرتے رہے لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کا عفو و درگزر اخلاق کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔وہ لوگ جن کے لگائے ہوئے گھاؤ ابھی رس رہے تھے ،مجرموں کی طرح پیش ہوئے تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا! کہ آج تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا فرمایا! جاؤ تم سب کو معافی ہے۔ہاں جسے تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا گیا اور جس کی کمر پر جلنے کے نشان ابھی تک تازہ تھے۔اس کی دلجوئی اس طرح فرمائی کہ جو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے پناہ لے ،اسے پناہ ہے۔چنانچہ اس دن کتنے سرِ پرغرور ہوں گے جنہوں نے اس سیاہ فام غلام کے جھنڈے تلے پناہ لے کر جان بچائی۔سردارانِ قوم کی عزتِ نفس کا بھی خیال رکھا اور

إِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ
اگر وسوسہ آئے تجھے طرف سے شیطان کی کوئی وسوسہ تو پناہ مانگ اللہ کی
إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۰۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ
یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے یقیناً وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ کیا جب چھوتا ہے انہیں
طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿۲۰۲﴾
کوئی خیال طرف سے شیطان کی تو یاد کرتے ہیں پس اچانک وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں

فرمایا جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوا ، وہ بھی امن میں ہے۔تاریخ عالم کھنگال کر دیکھ لیں کسی فاتح نے اپنے دشمنوں سے اگرایسا سلوک کیا ہو۔عفو نہ صرف کفار کو معاف کرنا ہے بلکہ مومنین کو ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا بھی ہے،خاص طور پر عبادات میں۔جیسا کہ اکثر کمزور مومنوں کا معیاران اعلیٰ مدارج پر نہیں پہنچتا، ان پر سختی نہ کرنا اور پیار و محبت سے نصیحت کرتے جانا بھی اس میں داخل ہے۔

۲۰۱۔**ینزغنّ۔ نزغ۔** لفظی معنی داخل کرنا ،مداخلت کرنا، بگاڑنے اور فساد ڈلوانے کے لئے مداخلت کرنا۔وسوسہ اندازی کرنا۔ **نزغ الشیطٰن بینی وبین اخوتی** ط (سورۃ یوسف ۔ ۱۰۱)

نون ثقیلہ مستقبل اور تاکید کے لئے ہے کہ تمہیں شیطان کی طرف سے ضرور دکھ پہنچے گا۔ یہاں مراد انسان نما شیطان ہیں کیونکہ آپؐ نے فرمایا! میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا۔(مسلم) تاہم اُمت سے بھی خطاب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آپؐ کے خطاب میں اکثر امت مراد ہوتی ہے۔شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی بھی مراد ہے۔علاج یہی ہے کہ تعوذ پڑھو اور اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ روایت ہے عفو کی آیت نازل ہونے پر آپؐ نے فرمایا! اگر غصہ آجائے تو کیا کرے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔فرمایا تیری تمام عفو و درگزر کے باوجود اگر شیطان صفت لوگوں کی طرف سے تجھے کوئی بری بات پہنچے تو ہرگز غصہ میں نہ آؤ ، نہ ان کے لئے بُرا چاہو ،بلکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور ان کے لئے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ جیسا کہ آپؐ کے غلام حضرت مسیح و مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

”گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو“

۲۰۲۔ **طٰٓئِف**”۔طواف کرنے یا گھومنے والا۔چوکیدار۔وسوسہ مراد ہے جو بار بار دل میں آتا ہے۔

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۲۰۳﴾ وَ
اور بھائی ان (شیطانوں) کے بڑھاتے ہیں انہیں گمراہی میں پھر نہیں کمی کرتے اور
إِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا
جب نہیں لاتا تو ان کے پاس کوئی نشان کہتے ہیں کیوں نہیں چن کر لایا تو اس (نشان) کو تو کہہ دے صرف
أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَ
پیروی کرتا ہوں میں اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے طرف میری طرف سے میرے رب کی یہ دلائل ہیں طرف سے رب تمہارے کے اور
هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰۴﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ
ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں اور جب پڑھا جائے قرآن

پہلے غصے اور وسوسہ شیطانی کا علاج **تعوذ** اور دعا بتایا۔اب خطاب کو عام فرمایا کہ متقی تو وہی ہیں کہ اگر کوئی شیطانی خیال ان کے دل میں بار بار آئے تو وہ بکثرت ذکرالٰہی کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحانی آنکھیں کھل جاتی ہیں، وہ بینا ہوجاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔توحید کامل تک پہنچنے کے لئے پہلے شرک سے کلیتہً بیزاری کا اعلان فرمایا پھر عفو و درگزر اور **امر بالمعروف** کا حکم دیا۔ آخر میں **تعوذ** و دعا اور ذکرالٰہی کی تلقین فرمائی تا متقی شیطانی تصرف سے کلیتہً نکل کر صاحب بصیرت ہوجائے اور کمالِ انسانی کو حاصل کرلے۔

۲۰۳۔ **مدّ**۔ لمبا کرنا،مہلت دینا، کھینچنا۔ برے موقع پر بولا جاتا ہے جب کہ امداد اچھے موقع پر۔**قصر**،چھوٹا کرنا، کمی کرنا۔

متقی تو تمام مراحلِ سلوک طے کرکے منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں اور ان شیطانوں کے قابو نہیں آتے۔ہاں وہ اپنے جیسے اپنے شیطان صفت بھائی بندوں کو گمراہی کی طرف کھینچ لئے جاتے ہیں پھر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور اس میں ضرور کامیاب ہوجاتے ہیں۔

۲۰۴۔ **اجتبیتھا**۔تونے اسے چن لیا۔**جبی**۔ جمع کرنا۔ **یُجبٰٓی الیه ثمرٰت کل شیء**۔(القصص:۵۸) بڑے حوض کو جہاں پانی جمع ہوتا ہے جابیہ کہا جاتا ہے۔جس کی جمع **جواب** ہے۔ **وجفان کالجواب**۔(سبا:۱۴) تالابوں جیسے لگن۔ خاص کرنے اور چننے کے معنی دیتا ہے جیسے **مُجتبیٰ**۔

ان کی گستاخیاں یہاں تک پہنچ چکی ہیں کہ جس دن تو انہیں کوئی آیت نہیں سناتا تو بطور استہزا کہتے ہیں کہ آج تُو کوئی آیت چُن کر یعنی گھڑ کر کیوں نہیں لایا۔ تو کہہ دے کہ میں تو صرف وحی الٰہی کی اتباع کرتا ہوں جو بصائر ہے یہاں قرآن کریم کی تین صفات بیان فرمائیں اوّل یہ کہ

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۵﴾ وَاذْكُرْ

پس کان دھرو اس کے لیے اور چپ رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ اور یاد کرو

رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر اور کم بلند

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۶﴾

بات سے صبح اور شام اور نہ ہو غافلوں میں سے

سب کے لئے بصائر ہے۔اس میں کافر و مومن کی تخصیص نہیں جو بھی غور کرے گا روشن دلائل و معجزات سے پُر پائے گا۔دوئم مومنین کے لئے ہدایت ہے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ سوئم عام مومنین کے لئے رحمتوں کا خزینہ ہے۔محروم وہ بھی نہیں رہتے۔

۲۰۵۔ قرآن کریم کے عظیم مقام کو واضح کرکے اس کی رحمت کو حاصل کرنے کے کچھ اصول بتائے کہ جب پڑھاجائے تو خاموشی سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیاجائے۔یہ خاموشی احتراماً بھی ہے اورغور کرنا بھی مقصود ہے تااس پر عمل ہو۔

یہاں عام خطاب بھی فرمایا کہ جو بھی غور سے سنے گا ضرور ہے کہ قرآن کریم اس پر اثر انداز ہو اور وہ خدا کی اس رحمت سے حصہ پائے جو مومنین کے لئے خاص ہے اور ہدایت پاجائے اس کے بالمقابل جو کفار کی طرح تلاوت کے وقت شور و غوغا کرے گاتو ضرور ہے کہ رحمت کی بجائے غضب کا مستحق قرار پائے۔ہاں قاری کو بھی جہاں لوگ باتوں وغیرہ میں مشغول ہوں ، تلاوت بلند آواز سے کرنی مناسب نہیں۔ قُرئَ القرآن میں نماز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نماز ہو رہی ہو اورکسی خاص وجہ سے شامل نہ ہو سکو تو غور سے سنواور احتراماً خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ افسوس اس حکم سے بھی لاپرواہی برتی جاتی ہے اور اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کی بجائے اس کے غضب کو دعوت دی جاتی ہے۔

۲۰۶۔ قرأت جہری کے آداب کے ساتھ ہی ذکر الٰہی کے آداب بتائے۔ہرحکم کی طرح یہ بھی آنحضرت ﷺ سے خاص نہیں۔یہ آخری دو آیتیں گویاتتمہ ہے کل قرآن کاجن میں بندے کو خدا سے ملانے کے طریق بتائے جو قرآن کریم کی غرض ہے۔ذکرالٰہی میں تلاوت قرآن ہو یانماز ، اسمائے الٰہی کا ورد ہو یا اس کی تخلیق پر غور وفکر ، اس کے کچھ آداب و شرائط بیان فرمائے۔پہلے **واذکرربک فی نفسک** فرمایا یعنی خوب سوچ سمجھ کرحضورِقلب سے خدا کو یادکرے گویا

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

یقیناً جو لوگ پاس ہیں رب کے تیرے نہیں تکبر کرتے عبادت سے اس کی

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

اور وہ تسبیح کرتے ہیں اس کی اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ۔

ع ۲۴ ۱۸ ۱۴

زبان کے ساتھ دل بھی اس میں شامل ہو تضرُّعاً ،میں عجزو انکساری اورخشوع وخضوع سے خدا کو یاد کرنا ہے۔ خیفۃً میں بقول زجاج خوف ہو اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اوراللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا۔ **دون الجھر** یعنی نماز و ذکرنہایت آہستگی سے ہو۔جس میں زبان اور دل کے ساتھ جسم کا ذرہ ذرہ شامل ہو۔صبح و شام سے مراد صبح و شام کے علاوہ ہر وقت اور ہر حال بھی ہے۔گویاچلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ، کھاتے پیتے بلکہ تمام دینی و دنیوی امور کی انجام دہی میں دست بکار اور دل بیار والامعاملہ ہو۔یہ سلوک کی آخری منزل ہے کہ کوئی لحہ غفلت میں نہ گزرے۔خدا کا ہی ہوجائے اوراس کی ہر حرکت خدائی احکام کے تابع ہوجائے۔جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے۔اصال۔اصل یااصیل کی جمع ہے جو عصراور مغرب کے درمیان کاوقت ہے۔ (مفردات راغب)اس لئے خاص اس وقت ذکر الٰہی کی بہت فضیلت ہے۔ ہر روز بھی اور جمعہ کے دن خاص طور پر۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! تلاش کرو اس نیک گھڑی کو جس میں دعا کی قبولیت کی امید ہے۔جمعہ کے دن عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک (ترمذی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔ (مالک،ابو داؤد، ترمذی ،نسائی) غافل نہ ہو۔یعنی ہمیشہ اس پر قائم رہے۔

۲۰۷۔جب بندہ ناچیز متصل آیات میں بتائے گئے تمام احکام پر مع تمام آداب و شرائط عمل پیرا ہو کرمحض خدا کے فضل و احسان سے قربِ الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس آخری آیت میں ان مقربان الٰہی کے ان اعمال حسنہ کی وضاحت فرمائی جن کی وجہ سے وہ گوہر مقصود حاصل کرکے منزل مقصود پر پہنچے۔فرمایا وہ اپنی عبادتوں پر متکبر نہیں بلکہ خود کو عاجز ومحتاج سمجھ کر ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے اور اس کی تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

گو بظاہر دنیوی مشاغل میں مشغول ہوں لیکن حقیقت میں ہمیشہ حالتِ سجدہ میں ہی رہتے ہیں۔

سجدے کو اسلامی عبادات میں خاص مقام حاصل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے اس لئے تم سجدہ کی حالت میں خوب دعا کرو۔اس کے قبول ہونے کی بڑی امید ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک کثرتِ سجود سے مراد کثرتِ نوافل ہے۔ **عند ربک** سے مراد اگر مقرب فرشتے لئے جائیں تو بھی مومنین کو اپنی عبادات کو مقام ملائکہ تک پہنچانے کی طرف اشارہ ہے۔یہ آیت ،قرآنی ترتیب سے سجدہ کی پہلی آیت ہے۔کل چودہ آیات سجدہ ہیں۔ان آیات کی تلاوت کے وقت فوراً ایک سجدہ کا حکم ہے۔اس طرح بتایا کہ مومن حکم خدا کی تعمیل کس قدر جلدی بجالاتا ہے۔ سواری پر ہو یا پیدل، جس حال میں ہو اگر باوضو نہ بھی ہو تو بھی آیت سجدہ سنتے ہی سجدہ بجالائے۔ تلاوت سجدہ کے علاوہ کسی موقع پر ایک سجدہ کا حکم نہیں۔سوائے اس کے کہ شکرا نہ کے طور پر کوئی بغیر نماز ایک سجدہ بجا لائے تاہم سجدہ تلاوت فرض یا واجب نہیں۔ کرنے میں ثواب ہے اورنہ کرنے میں گناہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجماعِ صحابہؓ کو حجت قرار دیا۔جو یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کرنا چاہیئے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر عمل کرنا چاہیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) فرمایا! کہ روح کا سجدہ تو لازم ہے۔جسمانی سجدہ جہاں موقع ملے کرے یا گھر جا کر کرے۔ سجدہ تلاوت میں قبلہ رو ہونا ضروری نہیں نہ باوضو ہونا ضروری ہے۔اگر ایک ہی آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کی جائے تو بھی ایک سجدہ ہی کافی ہے۔احادیث میں سجدہ تلاوت کے لئے کئی ایک دعائیں آنحضرت ﷺ سے مروی ہیں۔عام طور پر یہ دعائیں زیادہ رائج ہیں جو تسبیحات مسنونہ کے علاوہ ہیں۔**اللّٰھم لک سجد سوادی وبک اٰمن فؤادی ۔ اللّٰھم ارزقنی علماً ینفعنی وعملاً یرفعنی** ۔ اے اللہ !میری آنکھیں تیرے لئے سجدہ ریز ہیں اور میرا دل تجھ پر ایمان لاتا ہے۔اے اللہ !مجھے ایسا علم دے جو مجھے نفع دے اور ایسے عمل کی توفیق دے جس سے میرا رفع ہو۔ دوسری مشہور دعا یہ ہے۔ **سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہٖ وقوتہٖ فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین**۔ میرا چہرہ سجدہ ریز ہے اس ذات

کے لئے جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی خاص قدرت و طاقت سے اسے سننے اور دیکھنے کی قوت عطا کی۔ پس برکت والا ہے اللہ جو بہترین خالق ہے۔

فقہ احمدیہ میں یہ دعا بھی درج ہے جو حدیث سے لی گئی ہے **سجدتُ لک روحی وجنانی ۔یاحی یاقیوم برحمتک نستغیث**۔ میری روح اور میرا دل تیرے حضور سجدہ ریز ہے ۔اے زندہ و قائم خدا ! تیری رحمت کا واسطہ دے کر ہم تجھ سے مدد کے طالب ہیں۔

یادر ہے کہ آیاتِ سجدہ والی تمام سورتیں مکی ہیں۔

☆☆☆

بقیہ آیت:۳۲۔اخراجِ ریح سے وضو ٹوٹنے میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ تا مسجد کا تقدس قائم رہے۔ مجالس اور اجتماعات کی فضا جو پہلے ہی اژدھام کے تنفس کی وجہ سے ایک حد تک خراب ہوجاتی ہے بلا روک ٹوک اخراجِ ریح سے مزید مکدر نہ ہونے پائے۔ بسیار خوری سے بھی علاوہ دیگر نقصانات کے اخراجِ ریح کا بھی امکان ہے اس لئے اس سے منع فرمایا۔ ہر نماز میں تازہ وضو کرنے میں بھی فضیلت ہے کیونکہ وضو سے پہلے باتھ روم سے فراغت حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح عبادت کے دوران وضو ٹوٹنے کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔

بقیہ آیت:۹۵۔حضور نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بارشوں سے قحط دور ہوا۔اس قحط کے دوران آنحضرت ﷺ نے ۵۰۰ دینار بھی اہل مکہ کی امداد کے لئے بھجوائے۔(بخاری کتاب التفسیر۔سورۃ الدخان حدیث نمبر ۴۴۴۷ المبسوط للسرخسی جلد ۱۰ صفحہ ۹۲)

بقیہ آیت:۱۵۸۔جیسا کہ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپؐ کے بعد ہمیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے بارے میں قرآن میں کوئی واضح حکم نہ ہو اور نہ ہی آپؐ کے کسی ارشاد کا علم ہو تو پھر ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا! میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرو اور ان کے ساتھ مشاورت کرو۔ صرف اکیلی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرنا۔(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۰ سورۃ الشوریٰ اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۶۵)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ سِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشَرَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انفال۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی چھہتر آیات اور دس رکوع ہیں

یہ ابتدائی مدنی سورۃ ہے جب کہ جنگوں سے واسطہ پڑا۔ اس کا نزول جنگ بدر کا زمانہ یعنی ۲ ہجری ہے۔ اس میں مومنوں کو جنگ کی تحریض دلائی گئی ہے۔

سورۃ الاعراف میں کفار کو بتدریج پکڑنے اور زیر کرنے کا ذکر تھا۔اس کی پہلی کڑی جنگ بدر تھی جس کے حالات اِس سورۃ میں تفصیلاً بتائے نیز جنگ اور اس کے بعد کے بعض اہم امور کے متعلق ضروری مسائل بیان فرمائے ، جن میں مالِ غنیمت کی منصفانہ تقسیم سرفہرست ہے کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے لئے کوئی خاص قانون رائج نہیں تھا بلکہ اکثر جھگڑے تک نوبت پہنچتی تھی۔

پچھلی سورتوں میں انبیاء کی تکذیب، ان پر اور ان کے متبعین پر شدائد و مظالم کی وجہ سے مکذبینِ انبیاء پر عذابِ استیصال کا تفصیلاً ذکر تھا۔ آنحضرت ﷺ رحمتہ للعالمین تھے آپؐ نے فرمایا! میری امت عذاب استیصال سے مامون رہے گی۔یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر عذاب ، آپؐ اور آپؐ کے متبعین پر اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت اور انعام و اکرام کا ذکر ہے اس سورۃ میں سب سے پہلی کفر شکن جنگ کا بیان ہے جو جنگ بدر تھی جس میں کفار کے قریباً تمام بڑے بڑے سردار واصلِ جہنم ہوئے،انہیں شکست فاش ہوئی اور ان کی کمر ٹوٹ گئی۔مسلمانوں کو باوجود بے سروسامانی کے اپنے سے تین گنا زیادہ ، سامانِ حرب سے لیس لشکرِ جرار پر محض خدا کے فضل و احسان اور الٰہی نوشتوں کے مطابق فتح عظیم حاصل ہوئی اور یہ فتح یقیناً آنے والی فتوحات اور کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔اس جنگ نے یہ ثابت کردیا کہ جن کے ساتھ خدائی تائید و نصرت ہو انہیں عددی برتری کی ضرورت ہے نہ اسلحہ کے انباروں کی، بلکہ وہ ہر مادی قوت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق غنیمتوں کے تو کہدے غنیمتیں اللہ اور رسول کیلئے ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ

پس ڈرو اللہ سے اور اصلاح کرو آپس میں اور اطاعت کرو اللہ کی اور

رَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ② اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ

رسول کی اس کے اگر ہو تم مومن سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

جب ذکر کیا جائے اللہ کا ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر

۱۔ شروع کرتاہوں اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والااور باربار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔**انفال۔نفلٌ** سے ہے۔معنی اصل سے زیادہ کے ہیں۔اسی سے نوافل ہیں جو فرض عبادت سے زیادہ ہیں۔ مراد مالِ غنیمت ہے جو ثوابِ جہاد کے علاوہ زائد انعام ہے۔اہل توریت کے لئے عام طور پر مالِ غنیمت حرام تھا۔اس لئے کہ ان کے انبیاء مخصوص اقوام کی طرف آئے۔ان کے لئے بعض قواعد کے تحت مخصوص غنائم ہی حلال تھے۔ تمام دنیا کے غنائم حلال نہیں تھے ، جبکہ اسلام تمام دنیا کے لئے آیااور تمام دنیا کے غنائم مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ مشرکینِ مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل مالِ غنیمت لشکر میں مساوی تقسیم کردیتے یا جس کے ہاتھ جو لگتا وہی مالک متصور ہوتا ، لیکن اِسلامی قوانین کی رو سے یہ مال حلال ہے ، مگر ایک ضابطہ کے تحت اور یہ مال اللہ اور اس کے رسول کا ہے کیونکہ یہ اسی کے فضل سے ملااور اسی کی مِلک ہے۔کوئی مجاہد ازخود اس کا حقدار نہیں۔ پہلے پورا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا امیرلشکر کی خدمت میں پیش ہو پھر وہ اپنی صوابدید و فراست اور حکمِ الٰہی کے تحت جس طرح چاہیں تقسیم کریں۔ خواہ سب کو برابر دیں ،خواہ کسی کو خاص حسن کارکردگی کی وجہ سے حصہ غنیمت کے علاوہ مزید انعام سے نوازیں ۔آپؐ نے اپنا حصہ ہمیشہ قومی بہبود کے کاموں پر خرچ کیا۔ آیت ۴۲ میں تفصیلی احکام ہیں کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہو جو سماجی فلاح و بہبود ملکی و عسکری ضروریات کے لئے مختص ہو اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں لیکن اس میں بھی لچک کی گنجائش رکھی اور نبی یا خلیفہَ وقت کی صوابدید پر

اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۳﴾ الَّذِیۡنَ

آیات اس کی وہ بڑھادیتی ہیں انہیں ایمان میں اور اپنے رب پر وہ بھروسہ کرتے ہیں وہ جو کہ

یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ

قائم کرتے ہیں نماز اور اس سے جو دیا ہم نے اُنھیں وہ خرچ کرتے ہیں یہ لوگ ہی

ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ

مومن ہیں سچے ان کے لیے رُتبے ہیں پاس رب کے ان کے اور

چھوڑا۔ مالِ غنیمت کے ساتھ ہی تقویٰ کا حکم دیا کہ جنگ یا مالِ غنیمت تمہارا مطمحِ نظر نہ ہو کیونکہ اسلامی جنگوں کی غرض توسیع مملکت یا مال غنیمت نہیں۔ یا تو یہ دفاعی جنگیں ہوتی ہیں یا ان کا مقصد آزادیٔ فکر و عمل، اعلائے کلمتہ اللہ اور مظلوموں کی دادرسی ہوتا ہے۔ فرمایا مالِ غنیمت کی فکر نہ کرو بلکہ ان مالوں سے کمزور ایمان والوں میں جو کمزوریاں، خرابیاں اور جھگڑے پیدا ہوں گے، ان کی فکر کرو۔ جن میں سب سے اوّل باہمی تعلقات کی اصلاح ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''اپنی باہمی عداوتوں اور کینوں کی اصلاح کرو۔'' (نورالدین صفحہ ۱۸ دیباچہ) غرض مالِ غنیمت ہو یا کوئی اور امر، خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ وہ جو فیصلہ فرمائیں سرِ تسلیم خم کردو، اگر تم واقعی مومن ہو۔

۳۔۴۔ **وجل**۔ وہ خوف ہے جو جلال وہیبت کی وجہ سے شامل حال ہو۔

یہ سورۃ حق و باطل کی پہلی جنگ یعنی جنگِ بدر کے وقت نازل ہوئی۔ اس میں تسمیہ کے بعد کی ابتدائی تین آیات میں مومنینِ کامل کی وہ تمام صفات تفصیلاً بیان فرمائیں جن سے آراستہ ہو کر ایک مجاہد میدانِ جنگ میں نکلتا ہے۔ پہلے تقویٰ، باہمی اصلاح اور خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ اب مزید صفات بیان فرمائیں جن کے بعد کسی جھگڑے یا ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے ہر حق سے دستبردار ہونے کو تیار ہو جاتا ہے۔ فرمایا ذکرِ الٰہی سن کر ان مومنین کے دل خوفِ خدا سے پگھل جاتے ہیں۔ تلاوتِ آیاتِ قرآنی ان کے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتی ہے۔ خُدا پر توکل کرنے والے کبھی دنیوی مال کے حریص نہیں ہوتے۔ اِن باطنی صفات کے بعد ظاہری صفات کا ذکر کیا کہ نماز کو اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرنے والے ہمیشہ خدا کے حضور رہتے ہیں اور جو اپنا مال خود دوسروں کو بانٹنے والے ہوں وہ کب مال کی وجہ سے جھگڑیں گے۔ پس یہی وہ ہتھیار تھے جن سے مزین ہو کر مدینہ کے چند نہتے، ناتجربہ کار، فنونِ حرب سے ناواقف سرفروش، عرب کے سب سے جنگجو کہنہ مشق قبیلے قریش کے زرہ پوش سرداروں سے ٹکرا گئے۔ یہی وہ

مَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۵﴾ کَمَاۤ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ

بخشش ہے اور رزق ہے عزت والا جیساکہ نکالا تجھے تیرے رب نے گھر سے تیرے

بِالۡحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِہُوۡنَ ﴿۶﴾

ساتھ حق کے اور یقیناً ایک فریق مومنوں میں سے البتہ ناپسند کرنے والے تھے

ہتھیار تھے جو جنگ اور امن ہر دو زمانوں میں مومنین کامل کے لئے کامیابی کے ضامن رہے۔

۵۔ تفسیر بحرمحیط میں اس آیت کی تشریح اس طرح ہے کہ پہلی آیات میں بیان کردہ مومنینِ کامل کی باطنی صفات یعنی ایمان، خوف خدا، توکل علی اللہ (آیت ۳) کے مقابل اس آیت میں درجات عالیہ کا وعدہ فرمایا۔ آیت: ۴ میں بیان کردہ ظاہری اعمال نماز (روزہ وغیرہ) کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے اور مال خرچ کرنے کا صلہ رزق کریم ہے۔

۶۔ **خــروج** جنگ کے لئے نکلنے پر بولا جاتا ہے۔ پہلی آیات میں مومنینِ کامل کی صفات بیان فرما کر واضح کردیا کہ مومن کا اصل کام انہیں صفات سے خود کو متصف کرنا ہے۔ یہاں کَمَآ کا لفظ لما کے معنوں میں استعمال ہوا۔ (بحرمحیط) یعنی تجھے تیرے گھر سے اللہ نے جنگ کے لئے اسی لئے نکالا کہ تجھے ان تمام انعامات سے نوازے جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور یہ نکلنا حق تھا یعنی ہر لحاظ سے مناسب اور حکمِ الٰہی کے تحت تھا گویا آپؐ کسی غلطی پر نہیں تھے۔ آپؐ کے مدینہ سے نکلنے کو خدا کی طرف منسوب کیا کہ تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے نکالا گویا آپؐ کی ہر حرکت و سکون خدائی احکام کے تابع تھی۔

یہ مدینہ سے جنگ کے لئے نکلنا کوئی اچانک امر نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے ایک المناک داستان تھی جس کی تفصیل احادیث میں اس طرح ملتی ہے کہ مکہ کی سرزمین آنحضرت ﷺ پر تنگ کر دی گئی اور بظاہر کہیں جائے پناہ نہ رہی تو حج کے موقع پر مدینہ سے آنے والے چند افراد آپؐ کا دعویٰ نبوت سن کر خفیہ طور پر آپؐ سے ملے کیونکہ وہ یہودِ مدینہ سے ایک عظیم نبی کی آمد کی خبر سن چکے تھے، جس کے ساتھ حکومت اور غلبے کا وعدہ تھا۔ اِن افراد نے سوچا کہ کیوں نہ ہم پہلے ایمان لا کر ان نعمتوں کے وارث بنیں۔ وہ بیعت کرکے مدینہ لوٹے تو ان کی تبلیغ سے اگلے حج کے موقع پر مزید افراد بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر اگلے سال یعنی نبوت کے بارھویں سال حج کے موقع پر مدینہ کے بہتر افراد آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرکے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلائی اور مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ کی

طرف ہجرت کرنے لگے۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کفار کی آنکھوں میں دھول جھونک کر معجزانہ طور پر رات کی تاریکی میں ان کے نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور عام راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے راستہ سے ہوتے ہوئے مع حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک غلام اور رہبر کے مدینہ بخیرت پہنچنے میں کامیاب ہوئے ،یہ تمام واقعات احادیث میں تفصیلاً درج ہیں (بخاری باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ المدینۃ بروایت حضرت عائشہؓ) آپؐ نے مدینہ پہنچتے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر خدائی فراست سے اردگرد کے یہود اور مشرک قبائل سے معاہدے فرمائے (ابن جریر بروایت عکرمہؓ) تاریخ عالم میں یہ سب سے پہلے تحریری معاہدے ہیں جو نبی ٔ امّی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کئے۔بعض نے حلیف بننا پسند کیا اور بعض نے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا اور اسلام ان میں آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔کفارِ مکہ نے آپؐ کے بچ نکلنے پر سخت پیچ و تاب کھایا اور مدینہ میں آپؐ کو ایک دن بھی سُکھ کا سانس نہ لینے دیا۔عبداللہ بن ابی بن سلول سے مل کر آپؐ کے خلاف سازباز کرتے۔ ان کے چھاپہ مار دستے مدینہ کے نواح میں خوف و ہراس پھیلانے اور لوٹ مار کرنے آتے رہتے اور بھیڑ بکری جو ہاتھ لگتا لے کر چلتے بنتے۔ان کی سرکوبی کے لئے آنحضرتﷺ بھی چھوٹے چھوٹے دستے بھیجتے رہتے لیکن ان دستوں نے ان کا کبھی کوئی نقصان نہیں کیا۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رئیس مدینہ ، عمرہ کے لئے مکہ گئے تو ابو جہل نے انہیں روکا۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ اگر تم ہمیں حج اور عمرہ سے روکو گے تو ہم اس تجارتی شاہراہ سے جو مدینہ کے قریب سے گزرتی ہے تمہیں روکیں گے۔یہ ایک کھلا چیلنج تھا۔یہ تجارتی شاہراہ یمن سے شام تک جاتی اور اہل مکہ کی قریباً اڑھائی لاکھ دینار یعنی موجودہ حساب سے قریبا پینتالیس کروڑ روپے سالانہ کی تجارت اسی شاہراہ سے ہوتی تھی۔انہیں دنوں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے آرہا تھا۔جس کے ساتھ چالیس مسلح محافظ تھے۔اس میں قریباً تمام اہل مکہ نے مال لگایا ہوا تھا۔ابن عقبہ کے مطابق اس میں پچاس ہزار دینار کا مال تھا(موجودہ حساب سے قریباً نو کروڑ روپے)ابوسفیان نے اہل مکہ کو اطلاع بھجوائی کہ احتیاطاً ایک نفری بھیجی جائے تاکہ مدینہ کے کسی دستے سے مڈھ بھیڑ ہونے کی صورت میں کوئی خطرہ نہ ہو اور خود احتیاطاً عام راستہ سے ہٹ کر ساحلی راستہ سے مدینہ سے خاصی دور نکل آیا۔اہل مکہ جو پہلے ہی بپھرے بیٹھے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے انہوں نے ایک ہزار کا لشکر جرار تیار کیا جس میں قریش کے قریباً تمام جنگجو سردار شامل تھے۔گویا انہوں نے اپنی تمام طاقت میدان جنگ میں جھونک دی۔ان میں چھ سو جوان زرہ بکتر سے لیس تھے۔ رسالے میں سو کا گھڑسوار دستہ تھا۔سات سو اونٹ اور بے شمار سامان حرب ساتھ تھا۔یہ کیل کانٹے سے لیس لشکر

ابوجہل کی کمان میں مجاہدین اور اہل مدینہ کو سبق سکھانے اور انہیں نیست و نابود کرنے بڑے کروفر اور متکبرانہ انداز سے مدینے کی طرف روانہ ہوا۔قریش نے اس لشکر میں ان مسلمانوں کو بھی زبردستی شامل کیا جو ابھی ہجرت نہیں کر سکے تھے۔چنانچہ اس میں آپؐ کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؐ کے چچا ابو طالب کے بیٹے طالب اور عقیل بھی شامل تھے۔گانے بجانے والی لونڈیاں بھی ساتھ تھیں۔راستہ میں اس لشکر کو قافلے کے بخریت پہنچنے کی اطلاع مل گئی لیکن یہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تلا ہوا تھا۔ لہٰذا سفر جاری رکھا اور سات منزل یعنی قریباً اڑھائی سو میل کا سفر طے کرکے بدر کے میدان میں پہنچا۔ادھر آنحضرتﷺ کو مدینہ میں اس لشکر کی روانگی کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ ۱۲ رمضان بروز ہفتہ بحکمِ خدا صحابہؓ کی ایک جماعت کو لے کر تیزی سے روانہ ہوئے۔کسی تیاری کا وقت نہیں تھا۔جہاد کا عام اعلان بھی نہیں ہوا۔اس لئے بہت سے صحابہ جہاد سے محروم رہے۔ آپؐ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر تین تین صحابہ باری باری سوار ہوتے۔آپؐ کے اونٹ میں شریک حضرت ابو لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔صرف دو یا تین گھوڑے تھے۔چھ مجاہدین کے پاس زرہیں تھیں۔راستہ میں آپؐ نے لشکر کی گنتی کروائی تو ۳۱۳ تھے۔ آپؐ نے اس تعداد کو مبارک فال اور فتح کا اشارہ سمجھا اور فرمایا کہ یہی تعداد اصحاب طالوت کی تھی۔ راستہ میں ہی آپؐ کو قافلہ کے گزر جانے اور لشکر کفار کے بدر میں پڑاؤ کی اطلاع ملی۔آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔اس موقع پر مہاجرین میں سے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے وہ تاریخی الفاظ کہے جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔آپ نے فرمایا یارسول اللہﷺ! آپؐ کو جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے حکم ملا ہے اس پر عمل درآمد فرمائیں۔ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ یارسول اللہﷺ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک ہماری لاشوں پر سے نہ گزرے۔اسی طرح انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ہر حال میں آپؐ کی طاعت اور ساتھ دینے کی قسم کھائی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو دین حق کے ساتھ بھیجا۔ اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم اس میں کود جائیں گے اور ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا (بخاری کتاب المغازی قصۃ غزوۃ بدر براویت طارق بن شہابؓ) آپؐ نے ان کی تقاریر سے اظہارِ خوشنودی فرمایا اور کہا خدا کی قسم میں گویا اپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں اور ایک ایک کی قتل گاہ کی نشاندہی فرمائی۔کہ یہ

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ

جھگڑتے تھے تجھ سے بارہ میں حق کے بعد اس کے کہ وہ کھل چکا تھا گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى

طرف موت کی اور وہ دیکھتے ہیں اور جب وعدہ کرتا تھا تم سے اللہ ایک کا

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

دو جماعتوں میں سے کہ وہ ہے تمہارے لیے اور تم چاہتے تھے کہ نہ

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

شوکت والی (فوج) ہو تمہارے لیے اور چاہتا تھا اللہ کہ حق کر دکھائے حق کو

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ

ساتھ اپنی باتوں کے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ حق کر دکھائے حق کو اور

ابو جہل کی اور یہ فلاں فلاں کی قتل گاہ ہے اور پھر اسی طرح واقعات پیش آئے (تفسیر مظہری) ان تمام اقوال سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مجاہدینِ خدا کی راہ میں سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ اگر ان میں سے چند ایک کمزور مجاہدین نے اس امر کو ناگوار جانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اب تک ان کی تربیت اسی انداز سے ہوئی تھی کہ خونریزی انہیں قطعاً ناپسند تھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقابلہ قافلے سے نہیں بلکہ ایک جنگجو لشکر سے تھا ورنہ گھبرانے کی کیا ضرورت تھی اور اس ناگواری کے باوجود انہوں نے خدائی آواز پر لبیک کہا اور میدانِ کارزار میں کود پڑے۔

۷۔ ابھی اصحابِ رسول ﷺ کے اقوال بیان ہوئے ہیں کہ کس طرح وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شہادت کو سینہ سے لگانے کے لئے بے قرار تھے۔ یہاں بعض کمزور ایمان مومن مراد لئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اہل مدینہ زراعت پیشہ تھے، جنگجو قوم نہیں تھی۔ اِن کا ایک لشکرِ جرار سے مقابلہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ تاہم میدان جنگ میں انہوں نے بزدلی نہیں دکھائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوریوں کو معاف فرما دیا۔

۸۔ **شوکة**۔ قوت۔ شوکت۔ لفظی معنی کانٹے کے ہیں۔ مُراد ہتھیار۔ **غیر ذات الشوکة** کمزور۔

اس آیت سے وحی خفی یا وحی متلو کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں کسی ایسے وعدے کا ذکر نہیں۔ پس وحی خفی کے ذریعہ آپ کو غزوہ بدر سے پہلے علم ہو گیا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک کے ساتھ آپؐ کی مڈھ بھیڑ ہوگی اور انشاء اللہ فتح ہوگی لیکن خدائی مصلحت نے اس بات کو اخفا میں رکھا کہ مقابلہ کس سے ہوگا۔ بعض کمزور صحابہؓ اپنی فطری صلح جو طبیعت، دشمن کے مقابلہ میں اپنی جنگی کمزوری

يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹﴾ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ

باطل کر دکھائے باطل کو اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم جبکہ فریاد کرتے تھے تم

رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ

اپنے رب سے پس اس نے قبول کی (دعا) تمہارے لیے کہ میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ساتھ ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ

فرشتوں آگے پیچھے آنے والوں کے اور نہیں بنایا تھا اس کو اللہ نے مگر خوشخبری اور

اور آنحضرت ﷺ کی معیت کی وجہ سے خون خرابہ نہیں چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ قافلہ سے مقابلہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک معمولی جھڑپ ہوتی لیکن خود قافلہ پر حملہ کرنے اور لوٹ کھسوٹ کا خیال انہیں ہرگز نہیں آسکتا تھا کیونکہ اسلام نے لوٹ کھسوٹ تو درکنار کبھی لڑائی میں پہل کی بھی اجازت نہیں دی۔ قافلہ سے لڑائی کا یہی تصور ان کے ذہن میں آسکتا تھا کہ اہل قافلہ اگر مسلمانوں کے کسی گشتی دستہ یا خود مسلمانوں کے لشکر سے اس گھمنڈ میں الجھ پڑیں کہ وہ لشکر اسلام کے مقابلہ میں زیادہ مسلح ہیں اور انہیں مکہ سے کمک پہنچ رہی ہے تو یقیناً انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت ہوگی۔ لشکر کفار کی روانگی کی خبر مجاہدین کے چلنے سے پہلے مدینہ پہنچ گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ اور اکابر صحابہؓ جانتے تھے کہ مقابلہ لشکرِ کفار سے ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ گذشتہ صحائف کی اور قرآنی پیشگوئیوں کو پورا کرکے سچ کو سچ کر دکھائے۔ کافروں کی بیخ کنی بھی لشکر کفار سے نبرد آزما ہوئے بغیر ممکن نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ نے آٹھ سال لڑائیاں کیں مگر دشمن کو کبھی آپؐ کے حملہ کا علم نہیں ہوا جبکہ آپ کو ہمیشہ دشمن کے حملہ کا پہلے سے علم ہو جاتا تھا۔ آپ کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے۔

۹۔ تاکہ وہ اس طرح دین حق کو سچا ثابت کر دکھائے اور باطل کو مٹا دے۔ خواہ مجرموں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار گزرے۔ چنانچہ مومنین کا لشکر تین منزل یعنی قریباً چھتیس کوس کا سفر طے کر کے سولہ رمضان کو بدر کے میدان میں پہنچا اور سترہ رمضان کو حق و باطل کی پہلی جنگ میدان بدر میں لڑی گئی۔

۱۰۔ **تستغیثون**۔ غوث مدد اور غیث بارش ہے۔ **استغاثہ** مدد طلب کرنا اور بارش طلب کرنا ہے۔ **تستغیثون**۔ تم فریاد کرتے ہو۔ **مردفین**۔ ردف۔ پیچھے آنے والے۔ اسی سے ردیف ہے۔ متابعین بھی مراد ہوتے ہیں یعنی ایک کے بعد ایک آنے والے۔

جنگ احد کے ذکر میں سورۃ آل عمران آیت ۱۲۲ تا ۱۲۵ میں تین آیات کو لفظ اذ سے شروع کر کے مسلمانوں پر انتہائی نامساعد حالات میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و احسان فرمائے

لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

تاکہ مطمئن ہوں ساتھ اسکے دل تمہارے اور نہیں مدد مگر پاس سے اللہ کے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً

یقیناً اللہ عزت والا حکمت والا ہے جبکہ وہ ڈھانکتا تھا تم پر اونگھ کو بطور امن کے

تھے ،وہ انہیں یاد دلائے اور تین ہزار کفار کے مقابلہ میں تین ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری دی۔ یہاں بھی ان تین آیات کو اذ سے شروع کر کے اپنی ان عنایاتِ بے پایاں کا ذکر کیا جو جماعتِ مجاہدین پر نہایت کسمپرسی کی حالت میں نازل ہوئیں اور جنگ کا پانسا پلٹ دیا۔ اس کی تفصیل سورۃ آل عمران آیت ۱۴او ۱۵امیں درج ہے کہ کس طرح میدانِ جنگ میں ایک طرف کفار کی زرہ بکتر میں ڈوبی ہوئی ایک ہزار جنگجو بہادروں کی فوج تھی جس کا پیشہ ہی سپہ گری تھا۔ دوسری طرف ۳۱۳ قریباً نہتے بھوکے پیاسے بے سرو سامان مجاہدین تھے جن میں انصار دو حصہ سے زیادہ تھے جو زراعت پیشہ تھے اور فن حرب سے قریباً نابلد تھے۔ یہاں اس دعا کا ذکر ہے جو ان حالات کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر سے قبل فتح و نصرت کے لئے مانگی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کا وعدہ فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بخاری میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آنحضرت ﷺ قبلہ رخ ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے کہ الٰہی تو اپنے وعدے پورے فرما۔ اگر اہل حق کی یہ جماعت آج ماری گئی تو روئے زمین پر کوئی تیرا نام لیوا نہ رہے گا۔ (بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر) آپؐ اتنی گریہ و زاری سے دعا فرمارہے تھے کہ ردا مبارک کندھے سے گرگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اٹھا کر کندھے پر ڈالی اور ہاتھ تھام کر عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! بس کیجئے آپؐ کی دعا خدا نے قبول کرلی۔ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حق و باطل کی یہ پہلی جنگ اس چھوٹے سے خیمے میں لڑی گئی جہاں اللہ کا ایک عاجز بندہ نہایت گریہ و زاری اور خشوع و خضوع سے اپنے مولا سے مناجات کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری دی۔ (ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الانفال)

۱۱۔ بے شک آنحضرت ﷺ کو پہلے سے فتح کی خوشخبریاں مل چکی تھیں لیکن میدان جنگ کی دردمیں ڈوبی ہوئی دعا سے اللہ تعالیٰ نے فتح کی بشارت اور فرشتوں کے نزول اور تائید کی خبر دی

مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

طرف سے اپنی اور اتارتا تھا تم پر بادل سے پانی تاکہ پاک کرے تم کو اس کے ذریعہ اور

يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

دور کرے تم سے تکلیف شیطان کی اور تاکہ مضبوطی ڈالے دلوں پر تمہارے

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۲﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

اور ثابت کرے اسکے ذریعہ (تمہارے) قدموں کو جبکہ وحی کرتا تھا رب تیرا طرف فرشتوں کی

تاکہ تمہارے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو اور اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنگ بدر میں تائید ایزدی کے بغیر فتح ناممکن تھی۔ خواہ یہ تائید فرشتوں کے ذریعہ مومنین کے دلوں میں سکون پیدا کر کے ہوئی یا کفار کے دلوں میں رعب پیدا کر کے (آیت ۱۳) یا فرشتوں نے حکمِ ایزدی سے کسی اور رنگ میں مدد کی۔ لیکن فرشتے تو وسائط ہیں، اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہے وہ کامل غلبے والا ہے۔ پس اپنے کمزور بندوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے۔ وہ حکیم ہے اس کے ہر کام میں گہری حکمت ہے۔ جنگوں میں فرشتوں کی مختلف تعداد کا مدد کے لئے آنا اور یہ کہ واقعی فرشتے ظاہر ہوئے یا نہیں۔ آل عمران آیت ۱۲۵تا۱۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲۔ دوسرے رکوع میں بتایا کہ بدر کی فتح خدا کے فضل و احسان اور بحکم خدا فرشتوں کی تائید سے ہوئی۔ **نعاس**۔ اونگھ۔ **ربط** ۔باندھنا مراد قوت دینا۔

اذ سے آیت شروع کر کے خدائی تائیدات یاد دلائیں۔ میدانِ جنگ میں جب کہ لشکر آمنے سامنے ہوں اونگھ کا آنا ناممکن ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے ہاں جنگ احد میں شدید جنگ کے بعد دشمنوں کے بھاگ جانے کے بعد تھکے ہارے مجاہدین کو نیند آنا ثابت ہے۔ بعض روایات میں تھکا دینے والے لمبے سفر کے بعد جنگ بدر کی پہلی رات مومنین کا اطمینان سے سونا ثابت ہے تاکہ صبح تازہ دم ہو جائیں حالانکہ لشکر کفار کا ظاہری طاقت و دبدبہ ان کی نیندیں اڑانے کے لئے کافی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں جنگ بدر کی پہلی رات ہم میں سے کوئی نہ تھا جو سویا نہ ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز رہے۔ امام راغبؒ نے نعاس کے معنی سکون کے بھی کئے ہیں جب کہ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بارش پہلے ہوئی اور نعاس بعد میں۔ گویا شدید ضرورت کے وقت بارش ہوجانے سے اللہ تعالیٰ کا مومنین پر فضل و احسان دیکھ کر دلوں کو سکون اور اطمینان ہوا۔ اس وقت بارش کا ہونا مومنین کی تائید میں دوسرا واقعہ

اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ

یقیناً میں ساتھ ہوں تمہارے پس مضبوط رکھو ان لوگوں کو جو ایمان لائے ضرور ڈالوں گا میں دلوں میں

الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ

ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رُعب پس مارو اوپر گردنوں کے اور

اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ

مارو ان کے ہر پورے پر (اور) یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی

تھا۔ بارش بھی چونکہ فرشتے ہی بحکم الٰہی برساتے ہیں، اس لئے یہ بھی تائید ملائکہ ہی تھی۔ مقام بدر میں کفار نے پہلے پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مومنین کے لئے پینے اور وضو کے لئے پانی کی سخت قلت تھی نیز مومن ریتلی جگہ پر تھے جہاں پاؤں ریت میں دھنستے تھے۔اس وقت بارش رحمت خداوندی سے کم نہ تھی۔ جس سے انسانوں اور جانوروں کے لئے پینے کا پانی میسر آ گیا اورظاہری طہارت یعنی نہانے دھونے اور وضو کا انتظام بھی ہوگیا تا کہ تازہ دم ہوجائیں۔یقیناً گرمی کی شدت میں بھی کمی آ گئی ہوگی۔ روحانی پانی کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہر مشکل میں مومنوں کے دلوں سے شیطانی وساوس دور کر کے طہارت و پاکیزگی ،تقویتِ قلب اور ثباتِ قدم کا باعث بنتا ہے۔

شیطانی ناپاکی دور کرنے سے مراد ان شیطانی خیالات کا دور ہونا تھا کہ عددی کمی اور جنگی کمزوری کے ساتھ پانی کے لئے بھی ترسے اور جگہ بھی جنگی لحاظ سے مناسب نہ ملی۔ پس بارش نے ان شیطانی وساوس کو بھی دور کر دیا اور دلوں کو بھی مزید تقویت ملی اور یک دم پانسا پلٹ گیا۔ مومنین کی طرف کی ریتلی زمین بارش سے دب کر جنگ کے لئے نہایت موزوں ہوگئی اور قدم بھی خوب مضبوطی سے جمنے لگے جب کہ یہی بارش کفار کے لئے پھسلن کا سبب ہوئی۔ کیوں کہ اُدھر مٹی کی وجہ سے کیچڑ اور پھسلن ہوگئی۔

۱۳۔ **پھراذ** کے لفظ سے مومنوں کو اپنے فضل واحسان یاد دلائے اورعین میدان جنگ میں مومنین کی تائید میں ملائکہ کا تیسرا فعل بیان فرمایا کہ جب ملائکہ کو حکم ہوا کہ مومنوں کو ثابت قدمی عطا کرو۔ثباتِ قلبی بھی مراد ہے۔ کفار کے دلوں میں مومنوں کا رعب طاری کرنا بھی بحکم خدا ملائکہ کا ہی کام تھا جو دلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ مومنوں کے اس رعب کی کیفیت جو کفار کے دلوں پر طاری تھا اس حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ کفار نے عمر بن وہب جمحی کو اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔اس نے واپس آ کر بتایا کہ '' لشکر بہت معمولی ہے ، تعداد بھی بہت کم ہے ،اسلحہ اور گھوڑے

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور رسول کی اسکے اور جو مخالفت کرے گا اللہ کی اور رسول کی اس کے تو یقیناً اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۴﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

سخت دینے والا ہے سزا یہ ہے پس چکھو اسے اور یقیناً کافروں کے لیے

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ

عذاب ہے آگ کا اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب ملو تم

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۶﴾ وَمَنْ

لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا لشکر باندھ کر تو نہ پھیرو ان سے پیٹھیں اور جو

يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

پھیرے گا انکی طرف اس دقت پیٹھ اپنی سوائے ہنر کرنیوالوں کے جنگ کا یا پکڑنے والے کے

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

طرف کسی جماعت کے تو یقیناً وہ لوٹا ساتھ غضب کے اللہ کے اور ٹھکانا اس کا جہنم ہے

بھی نہ ہونے کے برابر ہیں ۔جنگجو افراد بھی گنتی کے ہیں لیکن اونٹوں پر سوار زندہ انسان نہیں بلکہ موتیں ہیں''۔(بخاری کتاب المغازی قصہ غزوہ بدر)یعنی وہ مرجائیں گے لیکن جھکیں گے نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فرمایا جنگ میں اپنی فطری شرافت اور ہمدردی کی وجہ سے ان کفار کا ہرگز کوئی لحاظ نہ رکھو ،جو تمہیں نیست و نابود کرنے آئے ہیں۔ان کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور پر ضربیں لگاؤ۔ گویا مقصد ان کی قوت کو کمزور کرنا ہو نہ کہ ان کا استیصال کرنا۔

۱۴۔ **شاقُّوا** ۔ شقّ۔ بمعنی شگاف۔ پھٹنا۔شقاق۔ مخالفت ۔انہوں نے مخالفت کی۔

تلوار کا جواب تلوار سے اس لئے دیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سخت مخالفت کی اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ گویا باوجود مادی اسباب کی برتری اور عددی قوت کے کفار کی شکست کی وجہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت تھی۔

۱۵۔اللہ تعالیٰ کی سزا اسی طرح ہوتی ہے پس اسے چکھو۔ گویا یہ دنیوی عذاب تو صرف تمہیں مزا چکھانے کے لئے تھا۔ ورنہ کافرین کے لئے اصل عذاب تو آگ کا عذاب ہے۔

۱۶۔۱۷۔ **زحفًا** ۔ زحف۔ بچوں کی طرح گھسٹ کر آہستہ چلنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ لشکر کی نقل و حرکت بھی آہستہ ہوتی ہے اس لئے دشمن سے مڈھ بھیڑ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۷﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ
اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانا پس نہیں قتل کیا تم نے انہیں ولیکن اللہ نے قتل کیا انہیں
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ
اور نہیں پھینکا تو نے (کنکروں کو) جبکہ پھینکا تُو نے ولیکن اللہ نے پھینکا اور تاکہ وہ عطا کرے
الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
مومنوں کو طرف سے اپنی انعام اچھا یقیناً اللہ خوب سننے والا

مرادلڑائی۔ **متحرّفاً**۔ حرف ۔ کنارہ یاطرف ۔ چال چلنے والا۔ **متحیّزا**۔ حوز۔ ایک چیز کا دوسری سے مل جانا۔ ملنے والا۔

اب تک میدانِ بدر میں جو کچھ ہوا وہ محض خدا تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں کا کام تھا۔فتح کی خوشخبری دے کر دلوں میں سکینت پیدا کرنا، کفار کی قوت وشوکت کے باوجود رات کو نیند سے تازہ دم ہو جانا، اچانک بارش سے میدانِ کار زار کانقشہ بدل جانا۔مومنوں کے دلوں کو قوت اور قدموں کو ثبات بخشنا اور کفار کے دلوں میں مومنوں کا رعب طاری ہو جانا۔اب جنگ کا زریں اصول بتایا جو مومنوں کی شجاعت و جوانمردی اور قوتِ ایمانی کا آئینہ دار تھا۔یعنی اس تمام خدائی نصرت و تائید کے باوجود خواہ حالات کیسے ہی مخدوش ہوں ثابت قدمی اور صبرو استقلال سے ڈٹ کرمقابلہ کرنااور ہرگز پیٹھ نہ دکھانا۔ کیونکہ میدان جنگ میں کسی ایک سپاہی کے بھاگنے سے عام بھگدڑاور بددلی پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔پس پیٹھ پھیرنے کی صورت میں خدائی عذاب کے مورد ٹھہروگے۔سوائے اس کے کہ کسی جنگی چال کے تحت کسی دوسری طرف جانا پڑے یاکسی اپنے دستے سے ملنا مقصود ہو۔جیساکہ حضرت عبداللہ بن عمرضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے جنگ سے بھاگ کر مدینہ پناہ لی اور آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضرہوکر اعتراف جرم کیا۔آپؐ نے بجائے ناراضگی کے ہمیں تسلی دی کہ تم تو ٹھکانے پر تازہ دم ہونے اور تقویت حاصل کرنے آئے ہو۔میں تمہارا ٹھکانا، مددگار اور پناہ ہوں۔ (ترمذی فضائل الجھاد) آیت: ۶۶، ۶۷میں تفصیل بیان فرمائی کہ کن حالات میں میدان چھوڑنے کی اجازت ہے۔ ورنہ ایک مجاہد غازی ہے یا شہید اور اسلامی جنگ میں بھگوڑوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۸۔ **بــلآءً** ۔ آزمانا۔نعمت ۔ بلاء کالفظ دکھ اورسکھ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں طرح آزماتا ہے۔

میدان جنگ میں جو کچھ ہوا وہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کاخاص فضل و احسان تھا۔فرمایا اگرتم

عَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
خوب جاننے والا ہے۔ بات یہی ہے اور یقیناً اللہ کمزور کرنیوالا ہے تدبیر کافروں کی

نے کفار کاقتل کیا تو ایسا محض خداتعالیٰ کی خاص توفیق سے ممکن ہوا ورنہ تم میں اتنی طاقت تھی نہ کوئی اور ظاہری وجہ۔میدان جنگ کی ہوا تمہارے مخالف تھی۔کفار کے مقابلہ میں ایک اورتین کی نسبت ، جنگی ہتھیار نہ تجربہ کار فوج، پینے کو پانی اور نہ لڑنے کے لئے مناسب جگہ ۔غرض ہر چیز تمہارے حق میں ناسازگار تھی۔پس کس نے کفار کی بیخ کنی کی؟یہ خدائی ہاتھ تھاجس نے غیب سے تمہاری مدد کی۔جب کفارنے شدید دباؤ ڈالاتو عجیب معجزہ رونماہوا۔آنحضرتﷺ نے مٹھی بھرکنکریاں کفار کی طرف پھینکیں اور **شاھت الوجوہ** کہا۔یعنی دشمنوں کے منہ بگڑ گئے۔(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۲۸۔۶۳۵ حالات بدر)ان کنکریوں کی کیاحیثیت تھی۔یہ خدائی اعجازتھا کہ ان مٹھی بھرکنکریوں نے ایک تیزآندھی کی صورت اختیار کی اور ایک ہزار فوج کی آنکھوں میں گھس گئیں جب کہ ان میں سے چھ سو کفار زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے تھے۔تصرفِ الٰہی سے آندھی کارخ کفار کی طرف تھااس لئے ان کے تیروں کی رفتار کمزور پڑگئی اور مسلمانوں کے تیروں کی قوتِ پرواز تیزہوگئی۔ پس ان میں بھگدڑمچ گئی اورمومنوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور خدائی مدد اور فرشتوں کی تائید سے اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے اورجنگ کا پاسا پلٹ گیا۔ستر کفارقتل ہوئے اور ستر ہی قید ہوئے۔ باقی بہت ساسامان چھوڑکرمیدان جنگ سے بھاگ گئے اورمسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی(بخاری کتاب المغازی و کتاب الجھاد) فرمایا یہ سب اس لئے ہواکہ وہ اپنی طرف سے مومنوں کو ایک اچھی آزمائش میں مبتلاکرے۔گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی آزمائش تھی جومومنوں کے حق میں بہتر ثابت ہوئی نیز اس لئے کہ اس نے تیری الحاح میں ڈوبی ہوئی دعائیں سنیں۔وہ اپنے بندوں کے حالات کوخوب جانتاہے۔اس آیت نے مومنوں کے دلوں سے عجب و انانیت کو یکسرمٹا دیا اور قیامت تک کے لئے ایک سبق دیاکہ خدائی انعامات کوخواہ وہ فتح و نصرت کے رنگ میں ہوں یا مادی آسائش کی صورت میں یا کسی کی ذاتی عقل و دانش یاحسن وقوت کے نتیجہ کے طور پر ہوں،کبھی بھی اپنی ذاتی قابلیت کی طرف منسوب نہ کرنا۔تمام دینی و دنیوی انعامات صرف اورصرف خدائی فضل و احسان کے مرہون منت ہیں کہ اس نے اپنے بندے کو اس قابل سمجھا اور توفیق عطافرمائی۔ پس بندے پر ہر حال میں اپنے رب کا شکر واجب ہے نہ کہ کسی کامیابی پرفخروغرور۔

۱۹۔یہ تو سب تمہارے لئے ہوچکا لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت صرف بدرتک محدودنہیں وہ

إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوْا

اگر فتح چاہتے ہو تم تو یقیناً آئی ہے تمہارے پاس فتح اور اگر باز آجاؤ تو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ

یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر لوٹو تم تو ہم بھی لوٹیں گے اور ہرگز نہیں کام آئے گی تمہارے

فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

جماعت تمہاری کچھ بھی اور اگرچہ زیادہ ہو اور یقیناً اللہ ساتھ ہے مومنوں کے

ع ۹ / ۱۶

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اس کے اور مت پھرو

عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا

اس سے اور تم سنتے ہو اور نہ ہو مانند ان لوگوں کے جنھوں نے کہا

ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے۔وہ اسی طرح کفار کی تمام تدبیروں کو ناکام کر کے انہیں ذلیل و مغلوب اور مومنوں کو مظفر و منصور کرے گا۔

۲۰۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت ابو جہل اور اکابرین مکہ نے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ اس لشکر کو کامیاب کر جو تیرے نزدیک زیادہ ہدایت پر ہے اور جو دین افضل ہے اسے فتح یاب کر۔ (مظہری) فرمایا جو خدائی فیصلہ تم چاہتے تھے وہ تو ہو چکا۔حق کو فتح ہوئی اور باطل نے شکست کھائی۔یہ بھی مراد ہے کہ مومنین فتح کی دعا کیا کرتے تھے جو قبول ہوئی۔اب یہ خوب واضح ہونے کے بعد کہ حق پر کون تھا تم اپنی شرارتوں سے باز آجاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ہاں اگر تم نے انہی افعال کا اعادہ کیا اور لشکر کشی کی تو یاد رکھو اللہ بھی اسی فیصلے کو دہرائے گا۔ گویا یہ ایک لازمی تقدیر ہے جو ہمیشہ جاری رہے گی۔ یعنی تمہارے نصیب میں پھر شکست و نامرادی اور مومنوں کے لئے فتح و کامرانی ہوگی اور تمہارا بڑے سے بڑا لشکر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا کیوں کہ اللہ کی معیت مومنوں کے ساتھ ہے۔ پورے عرب کو اس تحدی سے چیلنج دینا صرف ایک نبی کا ہی کام ہے اور پھر یہ پیشگوئی اسی طرح حرف بحرف پوری ہوئی اور کفار نے ہر جنگ میں منہ کی کھائی۔ یہاں تک کہ جنگ احزاب میں پورے عرب کو اکھٹا کر کے لے آئے اور نامراد لوٹے۔

۲۱۔اس رکوع میں مومنوں کو فلاح کی راہیں بتائیں جن میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سرفہرست ہے جو فتح کی ضامن بنی۔جب تک مسلمانوں میں یہ روح رہی وہ دنیا پر غالب رہے۔پس اس فتح نے یہ ثابت کر دیا کہ عددی کمی، اسلحہ کی شدید قلت اور ہر طرح سے ناموافق

سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

سنا ہم نے حالانکہ وہ نہیں سنتے یقیناً بدتر سب جانوروں سے نزدیک

اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَوْ عَلِمَ

اللہ کے بہرے گونگے ہیں وہ جو کہ نہیں عقل کرتے اور اگر جانتا

اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۚ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

اللہ ان میں کوئی بھلائی تو ضرور سنوا دیتا انہیں اور اگر (اب) سنوا دے انہیں تو ضرور پھر جائیں

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا

اور وہ اعراض کرنیوالے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو بات مانو

حالات کے باوجود، یہ خدا اور رسول کی اطاعت تھی جس نے فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ فتح کے بعد کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ اب رسول کی بات ماننے میں تامل کرو یا روگردانی کرو۔ **عنه** کی ضمیر رسول کی طرف جاتی ہے گویا بدر کے بعد ایسا موقع آ سکتا ہے کہ رسول تمہیں بلائے اور تم روگردانی کرو۔ایسا جنگ اُحد اور خاص طور پر جنگ حنین میں ہوا کہ اللہ کا رسول ﷺ بلا رہا تھا اور تم بھاگے جا رہے تھے (مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ حنین) حالانکہ رسول ﷺ کی آواز سن رہے تھے غرض دل نہ چاہتے ہوئے بھی امام کے حکم پر لبیک کہنا ہی اصل اطاعت ہے۔

۲۲۔ ایسا سننا جو سرسری ہو درحقیقت سننا نہیں کہلاتا۔ سننے کے معنی توجہ سے سننا، سمجھنا، خوب غور و فکر کرنا اور پھر اس سچائی کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کے ہیں۔

۲۳۔ **الدَّوَآبّ** ۔ **دابة**۔ کی جمع ہے۔ زمین پر چلنے والے تمام جاندار۔ عرف عام میں جانوروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار عقل سے کام لینے کو کہا۔جو عقل سے کام نہیں لیتے اور سوچتے سمجھتے نہیں، انہیں تمام جانوروں سے بدتر بہرے اور گونگے کہا۔ انہیں شروع قرآن میں **صمٌّ بكمٌ عميٌ** کہا گیا، جو باوجود کانوں کے حق کے شنوا نہ ہوئے اور باوجود زبان کے حق بات ان کے منہ سے جاری نہ ہوئی۔جانوروں سے بدتر اسی لئے ہیں کہ صاحب عقل ہوتے ہوئے عقل سے کام نہ لیا۔ خدا نے انہیں احسن تقویم بنایا لیکن وہ عقل کے اندھے طاعت الٰہی سے نکل کر اسفل سافلین تک جا پہنچے۔

۲۴۔اگر علم الٰہی کے مطابق ان میں کچھ بھی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور قرآن سننے کی توفیق دیتا اور انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی لیکن افسوس یہ خیر و بھلائی سے یکسر تہی دست ہیں۔

لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اللہ کی اور رسول کی جب کہ وہ بلائے تمہیں اس بات کیلئے جو زندہ کرے تم کو اور جان لو کہ

اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اللہ حائل ہو جاتا ہے درمیان آدمی اور دل کے اس کے اور بات یہ ہے کہ طرف اسکی تم اکٹھے کئے جاؤ گے

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ

اور ڈرو اس فتنہ سے کہ نہیں پہنچے گا ہرگز ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے

خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۶﴾ وَاذْكُرُوْٓا

صرف اور جان لو کہ یقیناً اللہ سخت ہے سزا دینے میں اور یاد کرو

اس لئے اگر تو انہیں قرآن سنا بھی دے تو یہ ہرگز توجہ نہیں کریں گے اور بے رخی سے منہ پھیر لیں گے۔

۲۵۔ **حول**۔ ہر قسم کی مالی و جسمانی طاقت۔ حیلہ۔ تدبیر۔ حائل ہونا۔ پھرنا۔ چونکہ سورج سال بھر پھرتا اور اپنی گردش پوری کرتا ہے اس لئے سال کے معنی بھی دیتا ہے۔ **یحول**۔ وہ حائل ہوتا ہے۔

پہلے بتایا کہ کفار اللہ اور رسول کی بات سننے کو تیار نہیں۔ اب مومنین سے خطاب ہے کہ اللہ اور رسول کی بات سنو اور ان کا حکم مانو جب وہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے بلائے۔ دَعَا واحد کا صیغہ ہے۔ رسول کا بلانا مراد ہے۔ پس رسول کا حکم جس رنگ میں بھی ہو اسے بجا لانا اس پر عملدرآمد کرنا عین زندگی ہے۔ ایمان و ہدایت اور عمل صالح کی طرف بلائے تو یہ تمہاری روحانی زندگی ہے اور یہی مقصد حیات ہے۔ جہاد کی طرف بلائے تو جہاد میں قوموں کا احیا بھی ہے اور شہید کے لئے دائمی زندگی بھی۔ پس ثابت ہوا کہ رسول روحانی مُردوں کو زندہ کرنے آتے ہیں نہ کہ حقیقی مُردوں کو جب کہ نصاریٰ اور بہت سے مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حقیقی مردوں کا زندہ کرنا منسوب کرتے ہیں جو نص صریح کے خلاف ہے۔

فرمایا اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے گویا نہایت قریب ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (قٓ :۱۷) پس اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روحانی زندگی پاؤ اور انعام الٰہی کے حق دار بنو۔ ورنہ یاد رکھو کہ نافرمانی کی صورت میں یہاں بھی ذلت اٹھاؤ گے اور وہاں بھی جہاں تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔

۲۶۔ اس فتنہ سے بچو یعنی اس عذاب سے ڈرو جو ظالموں کے لئے ہی خاص نہیں بلکہ اس

اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ

جب تم تھوڑے تھے کمزور سمجھے جاتے تھے ملک میں تم ڈرتے تھے

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ

کہ اچک لیں گے تم کو لوگ پس جگہ دی اس نے تم کو اور مدد کی تمہاری ساتھ اپنی مدد کے اور

رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

دیں تم کو پاک چیزیں تاکہ تم شکر کرو اے لوگو جو

اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ

ایمان لائے ہو نہ خیانت کرو اللہ کی اور رسول کی اسکے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں کی اور

کی لپیٹ میں ہر خاص و عام آئیں گے۔ گویا دعوتِ الی اللہ کا حکم دیا کہ ہدایت کو صرف اپنے تک محدود نہ رکھو کہ ہم چند نفوس نے اطاعت رسول کا حق ادا کر دیا بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سب کو شامل کرو۔ تاکہ عوام الناس ظلم سے ہاتھ روکیں اور ایک پرسکون معاشرہ وجود میں آئے۔ ورنہ ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے جو بہت سخت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جو لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یا تو تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سخت عذاب سے دوچار کر دے گا پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں ہوں گی۔ (ترمذی)

۲۷۔ **یتخطّفکم۔ خطف**۔ اُچکنا۔ **اٰوٰی**۔ پناہ دی۔

تبلیغ حق کے عام حکم کے بعد انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائیں کہ جب تم سرزمین مکہ میں تھوڑے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ پھر اس نے اپنے احسان سے تمہیں مدینہ میں پناہ دی اور جنگ بدر میں اپنی خاص نصرت سے تمہیں فتحیاب کیا۔ اور غنائم تم پر حلال کئے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ مومن کی شکر گزاری اطاعتِ خدا و رسول میں مضمر ہے۔ پس جب کہ تمہاری قلیل تعداد اور ظاہری کمزوری جنگ بدر میں مانع نہیں ہوئی تو تبلیغ حق میں بھی مانع نہیں ہونی چاہیئے۔

۲۸۔ اطاعتِ خدا و رسول ہی اس رکوع کا خاص موضوع ہے۔ اپنی نعمتیں یاد دلا کر نصیحت

أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ
تم جانتے ہو اور جان لو کہ مال تمہارے اور اولاد تمہاری

فِتْنَةٌ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٩﴾ يٰٓأَيُّهَا
آزمائش ہیں اور یقیناً اللہ وہ ہے کہ پاس اس کے اجر ہے بڑا اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا
لوگو جو ایمان لائے ہو اگر ڈرو تم اللہ سے وہ بنائے گا تمہارے لیے امتیاز (تم میں اور تمہارے

ع ۳ / ۱۷

فرمائی کہ اگر تم نے خدا اور رسول کی اطاعت کا حق ادا نہ کیا تو تم ان کی خیانت کرنے والے بنو گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اپنی امانتوں سے خیانت کرنے لگو گے جبکہ تمہیں اس خیانت کا علم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق یہ ہے کہ تمام امور میں رضائے باری تعالیٰ مقدم رکھو۔ رسول کی اطاعت رسول کے تمام احکام کو شرح صدر سے بجا لانا، رسول کی عزت و احترام کرنا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں پر فضیلت دینا ہے۔ امانت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تشریح کے لئے دیکھیں (سورۃ النساء آیت ۵۹) اللہ کا رسول اور اس کی کتاب بھی تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ ان کے حقوق کے معاملہ میں بھی خیانت سے بچو۔ مال یا مالِ غنیمت کی خیانت، فرائض و امانت میں یا کسی کی عزت و آبرو اور راز میں خیانت، یہ سب ایک دوسرے کی حق تلفی ہے۔ گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کرنا ہے۔ پس اپنی تمام خداداد صلاحیتوں، طاقتوں اور جو کچھ خدا نے تمہیں عطا کیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع صحیح طور پر خرچ کرنا اور اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کرنا ہی امانتوں کا حق ادا کرنا اور ان میں خیانت نہ کرنا ہے اور یہ تمہیں خوب کھول کر بتایا جا چکا ہے۔

۲۹۔ مال اور اولاد جو اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں انہیں آزمائش اس لئے کہا کیوں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی کا سبب یہی دونوں چیزیں ہیں۔ پس اگر اللہ کی رضا کو ان پر ترجیح دو گے تو یاد رکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے پاس ایک بہت بڑا اجر ہے۔ مال اور اولاد آزمائش اس لئے بھی ہیں کیونکہ جہاد میں مال اور اولاد کی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ امن میں بھی دینی ضروریات اور اشاعتِ دین کے لئے مال و اولاد ہی کام آتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! کہ مال کا لفظ مائل سے لیا گیا ہے جس کی طرف طبعاً توجہ اور رغبت ہو۔ چونکہ مرد عورت کی طرف طبعاً توجہ کرتا ہے۔ اس لئے اس کو مال میں داخل فرمایا۔ پس مال اور اولاد کے ساتھ بیوی بھی آزمائش ہے جس کی محبت میں انسان اپنے فرائض سے

وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
غیر میں) اور دُور کردیگا تم سے بدیاں تمہاری اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٠﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ
بڑے فضل والا ہے اور جب تدبیر کرتے تھے تیرے متعلق وہ لوگ جنہوں نے

غفلت برتتا ہے اور کئی دوسری نافرمانیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء)

۳۰۔ **فرقان** ۔ امتیاز جو حق و باطل میں فرق کردے ۔ امتیازی نشان۔

اس رکوع میں ایک عظیم خوشخبری دی یعنی فتح مکہ، جب مسلمان خانہ کعبہ کے متولی بنائے جائیں گے لیکن اس کے لئے تقویٰ کی شرط رکھی۔

جب مال و منال اور بیوی بچوں کی محبت اطاعتِ رسول میں مانع نہیں ہوگی اور تم حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر کے تقویٰ کے اعلیٰ مقام کو حاصل کر لو گے تو اس کا اجر تمہیں فرقان کی صورت میں ملے گا۔ جس کا ایک جلوہ تم یوم بدر میں دیکھ چکے ہو۔ اسے یوم فرقان کہا۔ (آیت ۴۲) کیونکہ وہ ایک ایسی فتح تھی جس نے حق و باطل میں کھلا کھلا فرق ظاہر کر دیا۔ اب فتوحات کے دروازے تمہارے لئے کھولے جائیں گے جو فتح مکہ اور اس کے بعد جب تک اطاعت امیر کی روح تم میں قائم رہے گی اور تقویٰ کی راہوں پر چلتے رہو گے، کبھی بند نہیں ہوں گے۔ فرقان تو ہر وہ چیز ہے جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ پس تمہیں روحانی فرقان یعنی ایسا نورِ فراست اور عقل و بصیرت عطا ہوگی کہ تم حق و باطل میں تمیز کر سکو گے۔ روحانی فرقان سے روح القدس بھی مراد ہے جو تمہیں غیروں سے ممتاز کر دے گی اور بتا دے گی کہ خدا کس کے ساتھ ہے اور تم نورِ الہام، اجابت دعا اور کرامات سے نوازے جاؤ گے۔ اس وقت کوئی فرقہ سوائے جماعت احمدیہ کے کشوف و الہام کا دعویدار نہیں۔ روحانی فرقان کے علاوہ دنیوی فرقان بھی کھلا کھلا نظر آئے گا یعنی دنیوی طور پر بھی ممتاز مقام حاصل کرو گے اور دنیا کی عزتیں اور حکومتیں تمہارے پاؤں چومیں گی اور دنیوی علوم کے دروازے تمہارے لئے کھولے جائیں گے۔ فرقان کے علاوہ خدا کا فضل و احسان تم پر یہ ہوگا کہ تمہیں ان نیکیوں کی توفیق ملے گی جن سے تمہارے تمام گناہ محو ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے گا نیز اپنے فضل سے اور کیا کیا نعمتیں تمہیں عطا کرنے والا ہے۔ اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔

۳۱۔ **یثبتوک** ۔ ثبات ۔ ایک مکان میں قائم کرنا۔ مراد محصور کرنا۔ **مکر** ۔ مخفی تدبیر اچھی ہو یا بری۔ **خیرالماکرین** ۔ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر۔

كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَ

کفر کیا کو قید کریں تجھے . یا قتل کریں تجھے یا نکال دیں تجھے اور

يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۱﴾

وہ تدبیر کرتے تھے اور تدبیر کرتا تھا اللہ (بھی) اور اللہ بہتر ہے سب تدبیر کرنے والوں سے

مومنوں پر خدائی انعامات کا ذکر ہوا تو ساتھ ہی ان خاص انعامات کو یاد دلایا۔جب آنحضرت ﷺ اپنے ربّ کی خاص تائید سے کفار کی تمام تدبیروں پر پانی پھیر کر اور ان کے محاصرے سے نکل کر بخیرت مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔یہ تمام واقعات بخاری باب الھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ بروایت عائشہؓ اور دیگر مستند احادیث سے لئے گئے ہیں۔رؤسائے قریش کے کانوں میں بھنک پڑگئی تھی کہ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ ہجرت کرنے والے ہیں چنانچہ تمام سردارانِ مکہ ابوجہل ، ابوسفیان ، امیہ بن خلف، عتبہ اور شیبہ وغیرہ دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے کہ آپؐ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا ملک بدر کر دیں۔دارالندوہ میں اکٹھے ہونے والے گیارہ سردار ان مکہ میں سے آٹھ میدان بدر میں واصل جہنم ہوئے۔انبیاء کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کے خلاف بھی یہی تدبیریں ہوئیں۔آج بھی جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے ان مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔غرض ابوجہل کی رائے پر قتل کا فیصلہ ہوا اور ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان اس کام کے لئے تجویز ہوا تاکہ کسی ایک قبیلہ پر فرد جرم عائد نہ ہو۔چنانچہ اس ارادے سے قاتلوں نے گھر کا محاصرہ کرلیا۔جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ان کے منصوبے سے آگاہ فرمادیا اور آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا۔آپؐ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنے بستر پر لٹا کر کفار کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو لے کر معجزانہ طور پر شدید آندھی میں مکہ سے نکل گئے اور ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا کر بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ہی کرشمہ تھا کہ کھوجی سردارانِ قریش کے ہمراہ عین غار ثور کے اوپر کھڑے ہیں (ذرا جھک کر دیکھتے تو آپؐ نظر آجاتے) اور کہتے ہیں کہ یا تو محمد ﷺ اس غار میں ہیں یا آسمان پر چڑھ گئے کیونکہ آپؐ کے نشانِ پا آگے نہیں جاتے اور ایک معمولی مکڑی کے جالے نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے۔پھر یہ خدائی تدبیر ہی تھی کہ سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹوں کے لالچ میں آپؐ کے تعاقب میں آپؐ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔تین دفعہ اس نے آپؐ پر حملے کا ارادہ کیا لیکن تینوں دفعہ اس کا گھوڑا گھٹنے تک ریت میں دھنس گیا اور وہ ہیبتِ رسول سے کلمہ پڑھ کر اور کسریٰ کے کنگنوں کے ملنے کی خوشخبری لے کر واپس لوٹا۔(بخاری باب الھجرۃ النبی

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری کہتے ہیں یقیناً سن لیں ہم نے اگر

نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

ہم چاہیں تو کہیں ہم مانند اس کی نہیں ہے یہ مگر کہانیاں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا

پہلوں کی اور جب کہا انہوں نے اے اللہ اگر ہے یہ

هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً

ہی حق (دین) پاس سے تیرے تو برسا ہم پر پتھر

مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۳﴾ وَمَا كَانَ

آسمان سے یا لا ہمارے پاس کوئی عذاب دردناک اور نہیں ہے

صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ ذکر سراقہ بروایت عائشہؓ) بعد ازاں بدر کے میدان میں خدائی تدبیروں نے ان کی تدبیروں کی جو دھجیاں اڑائیں اس کی تفصیل ابھی ابھی گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر جھوٹ ، فساد اور ظلم سے پاک ہوتی ہے جبکہ منکرین کی تدابیر میں اس قسم کی تمام باتیں شامل ہوتی ہیں اور پھر ناکام ہوتے ہیں۔پس تدبیر اللہ تعالیٰ کی ہی غالب ہوئی جو بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

۳۲۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنی تدبیروں کا حشر دیکھ کر سبق سیکھتے اور باز آتے لیکن ڈھیٹ بن کر کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔کون سی خاص بات ہے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسے پرانے قصے گھڑ سکتے ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی چیلنج کے باوجود ایک بھی ایسی آیت نہ بنا سکے۔بعض نے کوشش کی اور بُری طرح ناکام ہوئے۔ان کے نمونے تاریخ میں ملتے ہیں۔مضامین میں گہرائی نہ ربط نہ حکمت و معرفت اور نہ غیب کی خبریں۔مسیلمہ کذاب نے بھی ایسی ناکام کوشش کی اور ذلیل ہوا۔

۳۳۔ جب انہیں مخالفین انبیاء کا انجام بتایا، جسے یہ پرانے قصے کہتے ہیں تو کہتے کہ اگر یہ حق ہے تو پھر ہم پر ویسا عذاب کیوں نہیں لے آتا۔اس کا جواب اگلی آیت میں ہے۔یہ وہی دعا ہے جو ابوجہل نے بدر کے لئے روانگی سے قبل بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر مانگی تھی اور بدر کے دن ہی اس عذاب کو پالیا اور مٹھی بھر کنکریاں اعجازِ خداوندی سے پتھروں کی طرح ان پر برسیں اور پتھروں کا عذاب بھی چکھ لیا۔

۳۴۔ہمیشہ سے سنت اللہ یہی ہے کہ جب تک انبیاء اور ان کے متبعین کفار میں رہتے ہیں

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

اللہ کہ عذاب دے انہیں جبکہ تو ان میں ہو اور نہیں ہے اللہ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ

عذاب دینے والا انہیں جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں اور کیا ہے ان کیلئے کہ نہ عذاب دے انہیں

اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا

اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے اور نہیں

كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ

ہیں وہ حقیقی متولی اس کے نہیں حقیقی متولی اس کے سوائے متقیوں کے ولیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ

اکثر ان کے نہیں جانتے اور نہیں ہے نماز ان کی پاس

ان کی دعائے نیم شبی ان عذابوں کے درمیان روک بنی رہتی ہے لیکن جونہی ان میں سے یہ پاک وجود نکل جاتے ہیں تو انہیں عذاب آ پکڑتا ہے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی مکہ میں ایک گروہ ضعیف وکمزور مسلمانوں کا موجود تھا جو استغفار کرنے والے تھے۔ اس لئے کفار کو عذاب ،مکہ سے نکال کرمیدان بدر میں دیا گیا۔اس لئے بھی کہ آپؐ مثیل موسیٰؑ تھے اور جس طرح فرعون کو امرا و وزراء سمیت مصر سے نکال کر پانی میں غرق کیا اسی طرح ابو جہل کو مع صنادید مکہ، مکہ سے نکال کر میدان بدر کی تپتی ہوئی ریت میں غرق کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیارا نکتہ بیان فرمایا کہ جب تک محمد ﷺ محمدیوں میں ہوں ان پر عذاب نہیں آ سکتا یعنی جب تک اہل اسلام اپنے پیارے ہادی کے نقش قدم پر چلے اور آپؐ کے نصائح پر عمل کیا ان پر کبھی عذاب نہیں آیا۔ (فصل الخطاب (ایڈیشن دوم) حصہ اوّل صفحہ ۱۵۲ ۔ ۱۵۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ استغفار عذابِ الٰہی اور عذابِ شدیدہ کے لئے سپر کا کام دیتا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۲۷ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱) وہ تضرع کرنے والوں پر رحمت سے رجوع فرماتا ہے ۔ یہاں تک کہ وعید کی پیشگوئیاں بھی ٹل جاتی ہیں ۔ فرمایا صدقہ و استغفار ردِ بلا ہے اگر چند پاک نفوس بھی کسی بستی میں ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب سے بچائے رکھتا ہے۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۱۹۔۲۰ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

۳۵۔ یہاں تیسری وجہ بتائی جو خدائی عذاب کی محرک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گھر اس کے بندوں کی عبادت کے لئے کھلا رہنا چاہیئے لیکن تم اس کے ٹھیکیدار بن کر مومنوں کو حج وعمرہ سے روک رہے ہو اور خدائی عذاب کو دعوت دے رہے ہو۔ جب کہ تم اس کی محافظت اور تولیت کے اہل بھی

الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

خانہ کعبہ کے سوائے سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے پس چکھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ

بسبب اسکے کرتے تم کفر کرتے یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا وہ خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

اپنے مال تاکہ روکیں راہ سے اللہ کی پس ضرور خرچ کریں گے ان (مالوں) کو

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ۥ وَالَّذِيْنَ

پھر (یہ مال) ہونگے ان پر حسرت پھر وہ مغلوب کئے جائیں گے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۷﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ

کفر کیا طرف جہنم کی اکٹھے کئے جائیں گے تاکہ جدا کردے اللہ ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

پاک سے اور رکھ دے خبیث کو اس کے بعض کو بعض پر

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۚ اُولٰٓئِكَ

پھر ڈھیر کردے اُسے سب کو پھر کردے اُسے جہنم میں یہ لوگ

نہیں۔ کیونکہ اس کے حقیقی متولی صرف متقین ہیں اور تم اس حقیقت سے بے خبر ہو۔ یہاں فتح مکہ کی پیشگوئی فرمائی کہ اس کے محافظ و متولی ہمیشہ متقین ہوں گے جو مومنوں کو خانہ کعبہ سے نہیں روکیں گے۔ **یَصُدُّوْن** مضارع کا صیغہ ہے یعنی روکتے ہیں اور روکیں گے۔ یہ موجودہ زمانہ کے لئے تنبیہ ہے جب کہ خانہ کعبہ سے ایک کلمہ گو فرقہ کو روکا جا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ ۶ ہجری کو عمرہ کی غرض سے تشریف لے گئے لیکن آپؐ کو خانہ کعبہ سے روکا گیا۔

۳۶۔ خانہ کعبہ خداتعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے تم اس کے متولی کس طرح ہوسکتے ہو ، جبکہ تمہاری روحانی حالت اس قدر پست ہوچکی ہے کہ لغوحرکات یعنی ننگے ہوکر سیٹیاں اور تالیاں بجا کرطواف کرنے کو عبادت سمجھتے ہو۔ پس اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو۔ آپؐ رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپؐ کے مخالفین عذابِ استیصال سے بچائے گئے۔ جنگوں سے ان کے اکابرین مارے گئے اور ان کا زور ٹوٹا۔ آخر اہل مکہ پر یہ عذاب ۸ ہجری میں فتح مکہ کی صورت نازل ہوا۔

۳۷۔ یہاں ان کے موردِ عذاب ہونے کی پانچویں وجہ بیان فرمائی کہ یہ اپنا مال راہ خدا سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ غزوہ بدر میں شدید جانی اور مالی نقصان اٹھانے کے بعد اہل مکہ نے فیصلہ کیا کہ وہ تمام منافع مسلمانوں کے خلاف آئندہ جنگ میں جھونک دیا جائے گا جو اس

ع ۹ ۱۸

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا
ہی نقصان پانیوالے ہیں تو کہدے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اگر وہ باز آجائیں

يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ
بخش دیا جائیگا ان کو جو پہلے ہو چکا اور اگر وہ لوٹیں گے تو یقیناً گزر چکی ہے

تجارتی کمپنی سے حاصل ہوا جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے ایک بڑا منافع لے کر لوٹی تھی۔تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ تمام منافع جنگ اُحد کی تیاری میں صرف ہوا۔(ابن سعد جلد دوم)
اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو تسلی دی اور کفار کی مغلوبیت کی پیشگوئی فرمائی کہ آئندہ بھی اس تعلق میں جتنا مال چاہیں خرچ کرلیں سوائے حسرت و افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔بلکہ پھر اسی طرح مغلوب ہوں گے۔یہ پیشگوئی خاص اُس وقت کے لئے نہیں تھی بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہے اور خاص طور پر موجودہ زمانہ کے لئے ہے جب کہ یہود و نصاریٰ کروڑوں روپیہ اسلام کے خلاف خرچ کر رہے ہیں لیکن یہ سب رائیگاں جائے گا اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ مغلوب ہوں گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کرکے لے جائے جائیں گے۔خواہ یہ دنیوی جہنم ہو یا اخروی۔ افسوس آج اسلام کے بعض نام لیوا بھی اشاعتِ اسلام پر مال خرچ کرنے کی بجائے لوگوں کو احمدیت سے روکنے کے لئے مال خرچ کر رہے ہیں جو ان کے لئے حسرت کا موجب ہوگا۔

۳۸۔ **یرکم** ۔رکم۔ ایک چیز کو دوسرے کے اوپر رکھ کرجمع کرتے جانا۔ **سحابٌ مرکومo**(الطور:۴۵) تہ بہ تہ بادل۔ **ثم یجعلہ رکامًا**(النور:۴۴) پھر ان (بادلوں کو) تہ بہ تہ بنادیتا ہے۔

کفر و اسلام کی جنگ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ کسی نہ کسی رنگ میں ہمیشہ جاری رہے گی۔ اسلام کے خلاف روپیہ پانی کی طرح بہتا رہے گا۔لیکن نتیجہ یہی نکلے گا کہ خبیث و طیب کی تمیز ہو جائے گی۔کھرے اورکھوٹے الگ ہوتے رہیں گے اورخبیث لوگوں کے گروہ ہمیشہ اکٹھے کرکے جہنم میں پھینکے جائیں گے۔یہ تو ان کی اخروی سزا ہوگی۔دنیوی سزا بھی کچھ کم دردناک نہیں ہوگی۔دنیا میں جب بھی اکٹھے ہوکراسلام کے خلاف کھڑے ہوں گے۔ ناکامی و نامرادی ان کا مقدر ٹھہرے گی۔ مالی اور جانی نقصان اٹھاکرہمیشہ حسرتوں کی آگ میں جلتے رہیں گے ۔یہی لوگ دنیا و آخرت میں گھاٹا پانے والے ہیں۔

جب تک مسلمانوں میں اسلام کی روح رہی اور انہوں نے اکٹھے ہوکر کفر کا مقابلہ کیا۔نتیجہ انہی کے حق میں رہا۔جب خدا اور رسول کی اطاعت سے نکل گئے امر بالمعروف اور

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ
سنت پہلوں کی اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ ہو

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ
فساد اور ہو جاتے دین سب کا سب اللہ کیلئے پھر اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً

اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا
اللہ اسے جو وہ کرتے ہیں خوب دیکھنے والا ہے اور اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۱﴾
یقیناً اللہ دوست ہے تمہارا کیا ہی اچھا ہے دوست اور کیا ہی اچھا ہے مددگار

نہی عن المنکر سے آنکھیں پھیرلیں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی تو کفر کے مقابلہ میں منہ کی کھائی۔

۳۹۔**مضت**۔ وہ گزرچکی۔

اس رکوع میں بتایا کہ مسلمانوں کا جنگ بدر کے لئے نکلنا خدائی تقدیر تھی ورنہ اگر انہیں کفار کی طاقت کا صحیح علم ہوتا تو جرأت نہ کرتے۔یہ اور اس کی متصل آیت دونوں سورہ بقرہ میں گزرچکی ہیں۔ ان کی اہمیت کی وجہ سے حالات کے پیش نظر معمولی لفظی تبدیلی سے انہیں دہرایا۔ تشریح کے لئے سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳تا۱۹۴۔

کفار کو تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ بدر کی ہزیمت کے بعد بھی جنگ سے رک جائیں ، صلح کی طرح ڈالیں۔اپنی اصلاح کرلیں اور شرارتوں سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی پچھلی خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ یعنی کفر کی حالت میں بھی اپنی اصلاح کرنا اللہ تعالیٰ کی معافی کا موجب بن جاتا ہے اور عذاب ٹل جاتا ہے۔اگر باز نہ آئے اور انہی افعال کااعادہ کیا تو پہلوں کی سنت ان کے سامنے ہے جو کچھ عاد وثمود اورفرعون و نمرود کے ساتھ ہوا، ان کے ساتھ بھی ہوگا۔

۴۰۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو اس حد تک مقابلہ کی اجازت ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے۔کیونکہ اسلامی جنگوں کامقصد ہی ظلم کو روک کر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھنا ہے۔جہاں بلالحاظ مذہب و ملت سب کے لئے عدل و انصاف مہیا ہو۔یعنی مسلمان ہونے کی وجہ سے کسی کو دکھ نہ دیاجائے۔ امن و امان پیدا ہو جائے ، جوشخص جس مذہب کو اختیارکرناچاہے اسے مذہبی آزادی ہو ۔دین کاقبول کرنا خداکی خاطر ہو نہ کہ کسی جبر کی وجہ سے کیونکہ **لااکراہ فی الدین** ۔ پس اگر وہ دین کے معاملہ میں زیادتیوں اور دخل اندازیوں سے بازآجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھتا ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
اور جان لو کہ جو غنیمت پاؤ تم کوئی چیز بھی یقیناً اللہ کیلئے ہے پانچواں حصہ اسکا
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ
اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتامٰی اور مساکین اور
ابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
مسافر کے لیے اگر ہو تم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا ہم نے
عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَ
اپنے بندہ پر بروز فیصلہ کے جس روز کہ مل گئے تھے دو لشکر اور
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا
اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے جبکہ تم کنارے ورلے پر تھے

یعنی ان سے بے خبر نہیں تشریح کے لئے سورہ البقرہ آیت ۲۱۸۔

۴۱۔ اگر وہ معاہدہ امن کے بعد اس سے پھر جائیں اور شرارتیں شروع کر دیں تو تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے دھوکہ دیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے۔وہ بہترین حامی اور بہترین مددگار ہے اوراس کا حامی و مددگار ہونا تم جنگ بدر میں دیکھ چکے ہو۔

۴۲۔ آیت ۲ میں مالِ غنیمت خدا اور اس کے رسول کا حق بتایا کہ اس زعم میں بتلانہ ہوں کہ یہ تمہاری کسی تدبیر یا قوتِ بازو کا نتیجہ ہے۔خدا کے فضل و احسان سے تم اس کے وارث بنے۔ اسی کا مال ہے جس طرح چاہے تقسیم کرے۔یہاں ایک عام اصول بتادیا کہ چار حصے لشکر اسلامی میں تقسیم ہوں اورایک حصہ آنحضرت ﷺ پر، آپؐ کے اہل و عیال اور قرابت داروں پر اور عام یتامیٰ و مساکین اور مسافروں پر خرچ ہو۔آپؐ اپنا حصہ بقدرِ کفاف لیتے جس سے بمشکل گزارہ ہوتا۔فتح خیبر کے موقع پر آپؐ نے فرمایا! کہ میرے لئے **خمس** ہے لیکن وہ تمہاری بہبود کے لئے تمہاری طرف ہی لوٹ جاتا ہے۔(بخاری کتاب الصدقات بروایت حضرت عائشہؓ) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تین تین دن ہمارے گھر آگ نہ جلتی ، کھجور کھالیتے یا کبھی کسی انصاری کے گھر سے بکری کا دودھ آجاتا(بخاری کتاب الاطعمۃ) یہ اس وقت کا حال ہے جب کہ آپؐ پورے عرب کے بادشاہ تھے۔ہر صفت آپؐ میں درجہ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔سخاوت کا یہ حال تھا کہ اکثر مسجد نبوی میں مالِ غنیمت کے ڈھیر لگے ہوتے جن میں سونا چاندی اور ہر ضرورت کی چیز ہوتی۔آپؐ شام سے پہلے پہلے سب کچھ تقسیم کر کے خالی ہاتھ اٹھ جاتے۔(صحیحین بروایت حضرت انسؓ) آپ کو ہر شخص اپنے سے زیادہ محتاج و مستحق نظر آتا۔اس دور کے

وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ
اور وہ کنارے پرلے پر اور قافلہ پیچھے تھا تم سے اور
لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ
اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور اختلاف کرتے تم مقررہ وقت میں ولیکن تاکہ فیصلہ کرے
اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ
اللہ اس معاملہ کا جو تھا کیا جانے والا تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہوا دلیل کے ساتھ

قومی لیڈروں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو سب کچھ سمیٹ کر اپنے گھروں کو بھر لیتے ہیں اور قوم کی زبوں حالی سے ان کی آنکھیں بند رہتی ہیں۔قرابتداروں میں آپؐ کے سب سے قریب آپؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔انہوں نے گھریلو کام کاج اور محنت و مشقت میں کمزوری محسوس کرتے ہوئے ایک لونڈی کی درخواست کی جسے آپؐ نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ اصحاب صفہ تم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔اسلامی تاریخ اوراحادیث سے ثابت ہے کہ یہ اسلامی وراثت جیسا قانون نہیں تھا بلکہ اس میں لچک تھی۔نبی کریم ﷺ اور خلفاء حالات کے مطابق اپنی صوابدید سے جس طرح چاہتے خرچ کرتے۔جیسا کہ بعد میں افواج کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔تو کل مالِ غنیمت زکوٰۃ اور جزیہ وغیرہ بیت المال میں جمع ہونے لگا جو دینی اخراجات، ملکی فلاح و بہبود اور عسکری ضروریات کے لئے خرچ ہوتا۔

اسلام سے پہلے مال غنیمت کو سپاہی اپنا ذاتی مال سمجھتے تھے۔ جسے اپنی جان کی بازی لگا کر قوتِ بازو سے حاصل کیا ہوتا تھا لیکن اسلام نے تمام جاہلانہ رسوم کے ساتھ اسے بھی ختم کیا اور سپاہی کے حصہ میں غرباء و مساکین کا حصہ بھی رکھا۔وہ سپاہی جو اپنے حصے سے ایک سوئی تک چھوڑنے کو تیار نہ ہوتے تھے ،یوم بدر کے موقع پر ایک خدائی آواز پر اپنے تمام مال سے دستبردار ہوگئے کہ سب اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔اللہ کے لئے ہے یعنی دینی ضروریات کے لئے ہے۔یہاں یوم بدر کو بطور دلیل پیش کیا۔جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تم جان گئے کہ فتح میں صرف خدائی ہاتھ تھا۔**انزلنا** میں نصرتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کا نزول آپؐ پر خاص طور پر بدر کے دن ہوا۔ پس نہ فتح میں تمہارا ہاتھ تھا نہ اس مال کے تم حقدار ہو۔ اس لئے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت خرچ کرنا تمہیں گراں نہیں گزرنا چاہیئے ۔ اللہ قادر ہے کہ ایسے بے شمار مال تمہیں دلائے۔

۴۳۔**عدوۃ**۔ عدو۔ تجاوز۔(وادی کا) کنارہ۔**الدنیا** ۔قریب ۔ مراد مدینہ سے قریب۔

وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۳﴾

اور زندہ رہے جو زندہ رہا دلیل کے ساتھ اور یقیناً اللہ بہت خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ

جبکہ دکھاتا تھا تجھے وہ لوگ اللہ خواب میں تیری تھوڑے اور اگر دکھاتا تجھے وہ لوگ

كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ

بہت سے تو ضرور پھسل جاتے تم اور ضرور آپس میں جھگڑتے تم معاملہ (جنگ) میں ولیکن اللہ نے بچا لیا

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۴﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ

یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کی بات کو اور جب دکھاتا تھا تمہیں وہ لوگ جبکہ

بالعدوة الدّنیا (وادی کے)ورلے کنارے پر۔ **قصوٰی**۔ قصی ۔بعید۔ مسجد الاقصیٰ (سورۃ بنی اسرائیل:۲) مراد دور کا کنارہ ۔ پرلے کنارے پر۔ **الرکب** ۔قافلہ (جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے آرہاتھا)۔ **اسفل** ۔نیچے۔ ساحل سمندر کی طرف۔

جنگ بدر کے ذکر میں کئی نصائح اور قوانین بیان فرمانے کے بعد پھر اصل موضوع کی طرف رجوع فرمایااور محاذِ جنگ کا نقشہ پیش کیا کہ جب اسلامی لشکر میدان کے ورلے کنارے پر تھا اور لشکر کفار پرلے کنارے پر اور قافلہ نچلی طرف۔یعنی ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا گویا یاد دلایا کہ کوئی چیز بھی تمہارے حق میں نہیں تھی۔ فرمایا کہ اگر تم دونوں گروہ کسی قرار داد کے تحت لڑنے کا ارادہ رکھتے اور یہ جنگ باقاعدہ منصوبے (Plan) کے تحت لڑی جاتی تو بھی مسلمان اپنی قلت اور کفار ہیبت رسول کی وجہ سے اس کا وقت معین کرنے میں اختلاف کرتے۔اس طرح یہ جنگ وقوع پذیر ہی نہ ہوتی لیکن خاص خدائی تقدیر سے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ دونوں فریق کو لڑنا پڑا اور یہ سب اچانک اس لئے ہوا کہ فریقین کو غور وفکر کا موقع ہی نہ ملے اور جو خدائی فیصلہ مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے اور جو پیشگوئیاں اس جنگ کے متعلق تھیں وہ پوری ہوں۔ پس کھلی کھلی دلیل کی رو سے جس کی ہلاکت کا جواز ہو وہی ہلاک ہو اور کھلی کھلی دلیل کی رو سے جسے زندہ رہنا چاہئے وہی زندہ رہے۔یہ کوئی دنیوی جنگ نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد حق و باطل میں تمیز کرنا تھا کہ ہر شخص پر کھل جائے کہ خدائی تائیدونصرت کس کے ساتھ ہے اور خدائی غضب کا شکار کون ہے پس یہ فیصلہ سمیع علیم کا ہے جس کے فیصلے میں کسی بھول چوک کا شائبہ نہیں۔

۴۴۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں لشکرِ کفار کم دکھایا گیا اس میں فتح کی بھی خوشخبری تھی اور مومنین کے حوصلے بڑھانا بھی مقصود تھا۔ فرمایا کہ اگر تجھے وہ کثیر تعداد میں دکھائے

الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ

ملے تم نظروں میں تمہاری تھوڑے سے اور تھوڑے دکھاتا تھا تم کو نظروں میں انکی

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۵﴾ ع

تاکہ فیصلہ کردے اللہ معاملہ کا جو تھا کیا جانے والا اور طرف اللہ لوٹائے جاتے ہیں سب معاملات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب ملو تم کسی جماعت سے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو

اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اللہ کو بہت تاکہ تم کامیاب ہو اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اس کے

جاتے تو اے مومنو! تم ضرور کمزوری دکھاتے اور لڑائی کے معاملہ میں آپس میں جھگڑتے کہ کوئی لڑنے کو تیار ہوتا اور کوئی نہ ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سب باتوں سے بچا لیا کیوں کہ وہ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ یعنی اپنے بعض بندوں کی کمزوریوں سے واقف ہے۔

۴۵۔ نہ صرف خواب میں بلکہ عین میدانِ کارزار میں مومنین کو کفار کم کرکے دکھائے گئے اور کفار کو مومن بہت کم نظر آئے۔ درحقیقت خاص تصرفِ الٰہی سے میدان جنگ کا نقشہ اس طرح تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو پوری طرح دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ اس میں حکمت یہی تھی کہ جنگ ہو اور الٰہی نوشتے پورے ہوں۔

عرب میں لشکر کا اندازہ لشکر کے لئے ذبح ہونے والے جانوروں سے لگایا جاتا تھا اور عام طور پر سو آدمیوں کے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح ہوتا تھا۔ابو جہل کو پتہ چلا کہ اسلامی لشکر کے لئے روزانہ ایک اونٹ ذبح ہوتا ہے تو اس نے اندازہ لگایا کہ سو سے زیادہ آدمی نہیں۔حالانکہ اونٹوں کی کمی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا تھا۔ آنخضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ لشکر کفار میں روزانہ دس اونٹ ذبح ہوتے ہیں تو آپؐ نے اندازہ لگایا کہ ہزار کا لشکر ہے ۔تفسیر کے لئے دیکھئے سورۃ آل عمران آیت ۱۴۔

۴۶۔اس رکوع میں مسلمانوں کو جنگ کے تعلق میں وہ سنہری اصول بتائے جو جنگ اور امن دونوں میں مشعل راہ ہیں ۔ فرمایا دینی اور دنیوی لحاظ سے مظفرومنصور ہونا چاہتے ہو تو مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ ثابت قدم رہنے کا طریقہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔گویا ذکر سے ثبات حاصل کرو تا کامیاب ہوجاؤ۔ دعائیں تو مومن ہمیشہ ہی کرتا ہے اوراس کی دعائیں بفضل تعالیٰ ہر وقت ہی مقبول ہیں لیکن مشکلات اور جہاد کے وقت کی دعا کو جب کہ گھمسان کا رن پڑا ہو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ (ابو داؤدؒ بروایت حضرت سہل بن سعدؓ)

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ

اور نہ آپس میں جھگڑو ورنہ پھسل جاؤ گے اور جاتی رہے گی ہوا تمہاری اور صبر کرو یقیناً

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے اور نہ ہو مانند ان لوگوں کے جو نکلے اپنے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

گھروں سے فخر کے طور پر اور دکھانے کیلئے لوگوں کے اور روکتے ہیں راہ سے اللہ کی

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور اللہ اس پر جو وہ کرتے ہیں احاطہ کیے ہوئے ہے اور جبکہ خوبصورت کیے ان کیلئے شیطان نے

۴۷۔ صبر یہ ہے کہ اپنے دکھ کو ہمت سے برداشت کرے۔ اس کا اظہار سوائے اپنے رب کے کسی سے نہ کرے۔ دوسرا نیکیوں پر مداومت اختیار کرے۔ تیسرا جنگوں میں ثابت قدم رہے، کسی صورت پیٹھ نہ دکھائے۔ خدا اور رسول کی اطاعت تو ہر حال میں فرض ہے لیکن میدانِ جنگ میں بدرجہ اُولیٰ فرض ہے تاکہ تم تنازعات سے بچو۔ میدانِ جنگ میں امیر کے حکم کی خلاف ورزی بعض اوقات پوری فوج کو تباہی کے سمندر میں دھکیل دیتی ہے۔ پس اگر اپنے اندر طاقت پیدا کرنا چاہتے ہو تو آپس کے جھگڑے اور اختلافات ختم کرو ورنہ یاد رکھو کہ اتحاد و تنظیم سے جو تمہاری ہوا بندھی تھی وہ نکل جائے گی۔ تم میں بزدلی پیدا ہو جائے گی تمہارا رعب جاتا رہے گا اور دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ پس خلاف طبع امور امیر سے سرزد ہوں یا عام سپاہی سے آپس میں مت جھگڑو بلکہ نظرانداز کر دو اور صبر کرو۔ صبر کا پھل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت تمہارے شامل حال ہو جائے گی۔

پس خدا کے فضل و احسان سے مشکلات میں ثابت قدمی، ذکرالٰہی، اطاعت خدا و رسول، اتحاد و تنظیم، صبر و توکل اور جذبۂ ایمانی، یہی وہ ہتھیار تھے جن سے مزین ہو کر مومن پہاڑوں سے ٹکرا گئے اور انہیں ریزہ ریزہ کر دیا۔

۴۸۔ **بطرًا** ۔ اترانا۔ مسلمانوں کی صفات کے مقابلہ میں کفار کے خصائل کا ذکر کیا کہ اہل مکہ ابوجہل کی کمان میں بڑے متکبرانہ انداز سے اپنی قوت و شوکت اور سازو سامان کی نمائش کرتے ہوئے جنگ کے لئے نکلے۔ حالانکہ ابوسفیان نے قافلہ کے دور نکل جانے اور لشکر کو واپس لوٹ آنے کا پیغام دیا لیکن ابوجہل نے کہا کہ ہم بدر پر جا کر اپنی فتح کا جشن منائیں گے اور محفل ناؤ نوش اور رقص و سرود منعقد کریں گے اور عرب پر اپنی دھاک بٹھائیں گے۔ فرمایا ان کا مقصد اللہ کی

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

اعمال ان کے اور کہا نہیں کوئی غالب تم پر آج ان لوگوں میں سے اور یقیناً

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

میں حمایتی ہوں تمہارا پھر جب ایک دوسرے کو دیکھا دو جماعتوں نے تو وہ پھر گیا اپنی ایڑیوں کے بل اور کہا

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ

یقیناً میں بیزار ہوں تم سے، یقیناً میں دیکھتا ہوں جو نہیں دیکھتے تم یقیناً میں ڈرتا ہوں اللہ سے

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ ع

اور اللہ سخت ہے سزا دینے میں جبکہ کہتے تھے منافق اور وہ لوگ کہ

راہ سے روکنا تھا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی عنقریب سزا دینے والا ہے۔ مومنین کو تنبیہ فرمائی کہ کبھی مادی طاقت پر غرور و تکبر نہ کرنا۔ تمہاری جنگوں کا مقصد خدا کی راہ میں آسانی پیدا کرنا ہو۔ نہ کہ اس راہ سے لوگوں کو روکنا۔

۴۹۔ **جار**۔ ہمسایہ۔ ساتھی۔ **نکص** ۔ پیچھے ہٹنا۔ لوٹ جانا۔

شیطان ہمیشہ انسانوں کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھے کر کے دکھاتا ہے اور دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، لیکن انسانی شکل میں آ کر دھوکا دینا ثابت نہیں سوائے اس کے کہ کسی کو کشفی آنکھ سے نظر آئے۔ قرآن کریم نے اکثر شیطان صفت انسانوں کو شیطان کہا۔ یہاں بھی سراقہ بن مالک سردار بنی بکر بن کنانہ کو شیطان کہا جو اپنا دستہ کفار کی حمایت میں لایا تھا لیکن جب ابو جہل نے اسے اسلامی لشکر کا جائزہ لینے بھیجا تو اس نے کہا کہ لشکر بہت معمولی ہے تعداد بھی بہت کم ہے اسلحہ اور گھوڑے بھی برائے نام ہیں لیکن اونٹوں پر سوار زندہ انسان نہیں بلکہ موتیں ہیں۔ یہ مر جائیں گے مگر واپس نہیں لوٹیں گے۔ گویا اس نے اپنی ذہانت اور جنگی تجربہ سے جانچ لیا کہ یہ لوگ سر پر کفن باندھ کر آئے ہیں۔ ان کے پائے ثبات میں ہرگز لغزش نہیں آئے گی۔ اس پر مومنین کے جرأت و حوصلہ اور قوتِ ایمانی سے اور ہیبتِ خدا و رسول سے ایسی دہشت طاری ہوئی کہ عین جنگ سے پہلے اپنا دستہ لے کر واپس چلا گیا۔ حالانکہ پہلے شہ دینے اور ڈینگیں مارنے والوں میں پیش پیش تھا۔ یہ سراقہ بن مالک بن جعشم نہیں تھا جس نے ہجرت کے موقع پر سو سرخ اونٹوں کے لالچ میں آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا۔ مگر آپؐ سے اتنا مرعوب ہوا کہ امن کا پروانہ لکھوا کر اور کسریٰ کے کنگنوں کے ملنے کی خوشخبری لے کر لوٹا۔ (بخاری باب الهجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة ذکر سراقہ بروایت حضرت عائشہؓ)

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

دلوں میں جن کے بیماری تھی کہ دھوکا میں ڈالا ان (مسلمان) لوگوں کو دین نے انکے حالانکہ جو بھروسہ رکھے

عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى

اللہ پر تو یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے اور کاش دیکھے تو جبکہ وفات دیں گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ

ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا فرشتے وہ ماریں گے چہروں پر ان کے اور

اَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا

پیٹھوں پر ان کی اور (کہیں گے) چکھو عذاب جلنے کا یہ بسبب اسکے ہے

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۲﴾

جو آگے بھیجا ہاتھوں نے تمہارے اور یقیناً اللہ نہیں ہے ہرگز ظالم بندوں پر

۵۰۔اس رکوع میں کفار کی عہد شکنیوں کا ذکر کیا لیکن مومنوں کو ہر صورت میں ایفائے عہد کی تاکید فرمائی نیز عہد شکنی کی صورت میں جنگی اصول بتلائے۔

چونکہ کفار خود غرور و سرمستی میں سرشار جنگ کے لئے نکلے تھے۔اس لئے مومنوں کے متعلق بھی ان کا یہی نظریہ تھا کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کردیا ہے یعنی اسلام کی غلبہ کی پیشگوئیوں نے انہیں دھوکا میں رکھا ہوا ہے ورنہ کبھی ہمارے مقابلہ میں نہ نکلتے۔حالانکہ مومنین نے اگر لشکر کفار سے لڑائی کی جرأت کی تو اس کی وجہ صرف خدا پر توکل تھا اور خدا پر توکل کرنے والا جانتا ہے کہ وہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔کیونکہ وہ غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت کے بغیر نہیں۔

۵۱۔کفار کی متکبرانہ روش کے مقابلہ میں اگر تم ان کی اُس وقت کی حالت کا تصور کرو جب ملائکہ میدان جنگ میں یا عام حالات میں بوقت موت ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر ضربیں لگارہے ہوں گے اور انہیں آخرت کے عذاب کی خبریں بھی دے رہے ہوں گے جو جلنے کا عذاب ہوگا۔گویا کفار کی شکست و ذلت دنیا تک محدود نہیں ہوگی بلکہ اصل دکھ اور رسوائی تو مرنے کے وقت اور آخرت میں ہوگی۔پس کفار کا عذاب موت کے وقت ہی شروع ہوجائے گا۔

۵۲۔لفظی معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ ظلم نہیں کرتا لیکن گرامر کی رو سے جب نفی کسی مبالغہ کے صیغہ پر آئے تو اس کے منفی معنی میں اسی قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے۔فرمایا اس ذلت اور عذاب کی وجہ تمہارے اپنے اعمال بد ہیں جو تم نے آگے بھیجے ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ادنیٰ سا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

(ان کا دستور ہے) مانند دستور فرعونیوں کے اور ان لوگوں کے جو پہلے تھے ان سے انہوں نے کفر کیا آیات کا

اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ

اللہ کی پس پکڑا انہیں اللہ نے بسبب گناہوں کے ان کے یقیناً اللہ قوت والا (اور) سخت ہے

الْعِقَابِ ﴿۵۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا

سزا دینے میں یہ اس لیے ہے کہ اللہ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کو جو انعام کی اس

عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

نے کسی قوم پر یہاں تک بدل دیں وہ اسے جو دلوں میں ہو ان کے اور یقیناً اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

خوب جاننے والا ہے مانند دستور فرعونیوں کے اور ان لوگوں کے جو پہلے تھے ان سے

۵۳۔ **الداب**۔ مسلسل چلنا۔ **وسخر لکم الشمس والقمر دآئبین** (۱۴۔۳۴) سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا جو ایک قانون یا دستور کے تحت چل رہے ہیں۔یہاں مراد طریق کار اور اسلوب ہے۔ **کداب ال فرعون**۔ان کا طریق بھی قوم فرعون کے طریق کی طرح ہے جس پر وہ ہمیشہ چلتے رہے۔فرمایا ان کفار کے طریق وہی ہیں جو قوم فرعون اور ان سے پہلوں یعنی قوم عاد و ثمود کے طریق تھے۔پس جو سلوک ان مکذبین سے ہوا وہی ان سے ہوگا۔ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑلیا۔یہی حشر ان کا بھی ہونے والا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں ایک باریک نکتہ بیان فرمایا کہ بسا اوقات قومیں ذنوب میں مبتلا ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نہیں پکڑتا۔جب انبیاء آتے ہیں اور وہ انکار اور باغیانہ رویہ اختیار کرتی ہیں تو اپنے گناہوں کے سبب پکڑی جاتی ہیں گویا ان کی پکڑ محض انکار کی وجہ سے نہیں۔ پکڑ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ہاں انبیاء کا انکار اس پکڑ کا محرک بن جاتا ہے۔

۵۴۔اگر پہلی قوموں کو اپنی نعمتوں سے محروم کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا کا قانون ہمیشہ سے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں میں تبدیلی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ کوئی قوم خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے اور اپنے حالات نہ بدل دے۔گویا جب کوئی قوم خود نعمائے الٰہی کو فراموش کرنے پر تل جائے۔بجائے شکر و عدل کے ناشکری اور بے انصافی کو اپنا شیوہ بنالے اور ان نعمتوں کی اہل نہ رہے تو اللہ بھی حکومت و نبوت اور دوسری نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے ہاں اگر توبہ کریں تو وہ سمیع علیم ہے سب کچھ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ

تکذیب کی انہوں نے آیات کی اپنے رب کی پس ہلاک کر دیا ہم نے ان کو بسبب گناہوں کے ان کے اور غرق کر دیا ہم نے

اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

فرعونیوں کو اور سب کے سب تھے ظالم یقیناً بدترتمام جانداروں سے

عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ

نزدیک اللہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ نہ ایمان لائیں گے یعنی وہ لوگ

عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ

کہ عہد کیا تو نے ان سے پھر وہ توڑتے ہیں عہد ہر دفعہ اور

هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ

وہ نہیں تقویٰ کرتے پس اگر پاوے انہیں لڑائی میں تو بھگا دے

کداب ال فرعونَ والی دو آیتوں کے درمیان اس آیت کو رکھ کر قوموں کے عروج و زوال کی داستان رقم کر دی۔ بقول شاعر ؎

خدانے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

۵۵۔ آیت ۵۳ کو معمولی فرق سے مزید واضح فرمایا اور بطور خاص بتلایا کہ ان تمام ہلاک ہونے والے مکذبین، میں قدر مشترک ان کا ظالم ہونا تھا گویا ظالم کو خدا دنیا میں ہی پکڑتا ہے۔

۵۶۔ **الدّوآبّ**۔ ہر مخلوق جو زمین پر چلتی ہے۔تمام جاندار۔

چونکہ اکثر کفار نے اپنی زندگی کا مقصد جانوروں کی طرح محض کھانے پینے اور چند سفلی خواہشات تک محدود رکھا اور مقصد حیات کو بھول گئے ۔ اس لئے فرمایا کہ یہ مخلوق میں بدترین ہیں اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ان چھ یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو آخر تک ایمان نہیں لائے اور بطور پیشگوئی تھی ورنہ کفار میں سے اکثر ایمان قبول کرتے رہے اور آخر پورا عرب مسلمان ہوگیا۔ پس یہ بطور پیشگوئی ہے مضارع کا صیغہ ظاہر کر رہا ہے کہ آئندہ بھی ایسے شقی القلب پیدا ہوتے رہیں گے جن پر یہ آیت اطلاق پاتی رہے گی۔

۵۷۔۔ان بدترین خلائق میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن سے تم نے جب بھی عہد کیا وہ ہر بار اس عہد کو توڑتے ہیں اور اپنے عہد کی کوئی رعایت نہیں رکھتے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آتے ہی مشرکین مدینہ، یہودِ مدینہ

بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ

ان کے ذریعہ ان لوگوں کو جو پیچھے ہیں ان کے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اگر خوف ہو تجھے

مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

طرف سے کسی قوم کی خیانت کا تو پھینک دے (عہد) ان کا طرف انکی برابری پر یقیناً اللہ

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والوں کو اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

ع ۱۰ / ۳

اور اردگرد کے قبائل سے باقاعدہ لکھ کر معاہدے کئے۔یہ تاریخ میں پہلے تحریری معاہدے ہیں جنہیں ایک امیؐ نے لکھوایا۔ جن میں خاص طور پر یہود قبائل بنو قریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع شامل تھے۔ جن کی رو سے آنحضرت ﷺ کو اپنا حکم تسلیم کرنا اور مشرکین مکہ اور دوسرے مخالفینِ رسول کے خلاف آنحضرت ﷺ کی مدد کرنا بطور خاص تھا لیکن یہود نے ہر جنگ میں عہد شکنی کی۔ نہ صرف مشرکین مکہ کو جنگ کے لئے اکسایا بلکہ ہر جنگ میں درپردہ ان کی مدد کی۔فرمایا کہ وہ ڈرتے نہیں یعنی جو سزا ان کو ملنے والی ہے اس سے بے خبر ہیں۔چنانچہ یہودی لیڈر کعب بن اشرف جو دراصل فتنہ کی جڑ تھا مارا گیا اور یہود قبائل اپنی مسلسل غداریوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے۔جو آخر تک درپے پیکار رہے اور ہتھیار نہ ڈالے انہیں ان کی اپنی خواہش کے مطابق ان کے اپنے منتخب ثالث کے فیصلہ سے توریت کے احکام کے مطابق سزا دی گئی۔(تمام واقعات مستند احادیث سے لئے گئے ہیں)

۵۸۔ **ثقف** ۔پایا۔**شَرّد**۔ تو بھگادے۔ **شرّدبھم**۔ ایسی سزا جو دوسرے کو بھگادے ۔

جنگ کے مزید اصول بتائے کہ جو صلح کے عہد و پیمان کرنے کے بعد بار بار اسے توڑتے ہیں اور کفار سے مل کر لڑنے آتے ہیں تو ان کا علاج یہ ہے کہ تم بھی ان کا ہرگز لحاظ نہ کرو اور میدان جنگ میں جب بھی ان پر قابو پاؤ تو ایسی عبرتناک سزا دو کہ خود بھی بھاگ جائیں اور اس سزا کی وجہ سے جو ان کے پیچھے لشکر ہیں وہ بھی بھاگ جائیں اور منتشر ہو جائیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور عہد شکنی سے باز آئیں۔یہ ظلم نہیں بلکہ لوگوں کو ظلم سے بچانا ہے کہ چند کو سختی سے سزا مل جائے اور پچھلے بچ جائیں۔

۵۹۔اگر کسی قوم سے کوئی صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے تو اس کے خلاف کوئی جنگی کاروائی خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اس لئے اگر تجھے کسی قوم کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو کہ وہ عہد شکنی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔تو ان کا عہد ان کی طرف

سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

سبقت لے گئے یقیناً وہ نہیں عاجز کریں گے اور تیار کرو ان کے لیے جتنی طاقت رکھو تم

مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ

مضبوطی سے اور گھوڑے باندھنے سے ڈراؤ گے تم اسکے ذریعہ دشمن کو اللہ کے

وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ

اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو سوائے ان کے نہیں جانتے تم انہیں

اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ جانتا ہے انہیں اور جو خرچ کرو تم کوئی چیز بھی راہ میں اللہ کی

برابر پھینک دو۔ برابر کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح جیسے انہوں نے پھینکا۔گویا دونوں فریق سمجھ جائیں کہ وہ معاہدہ کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ پس کسی بھی معاندانہ کاروائی کرنے سے پہلے معاہد قوم کو آگاہ کرنا ضروری ہے کہ اب ہمارا معاہدہ منسوخ ہے۔اُسے کسی دھوکے میں رکھنا خیانت ہے۔ برابر کے ساتھ عہد کو پھینکنا یہ بھی ہے کہ اگر وہ بعض پہلوؤں سے عہد پر قائم نہیں رہے تو تم پورا عہد نہیں توڑ سکتے۔ جتنا عہد انہوں نے توڑا ہے تم بھی اسی کے برابر عہد سے پیچھے ہٹ سکتے ہو۔

۶۰۔اس رکوع میں مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر طرح تیار و چوکس رہنے کی تلقین فرمائی لیکن بھروسہ صرف اللہ پر ہی ہوگا کہ وہی آپؐ اور مومنین کے لئے کافی ہے۔

بڑی بڑی مہذب قوموں کی جنگ میں بھی یہ جائز سمجھا جاتا ہے کہ تنسیخ معاہدہ کا اعلان کئے بغیر دھوکے سے اچانک دشمن پر بے خبری میں یلغار کی جائے اور نقصان پہنچایا جائے۔جب کہ اسلام نے جنگ میں بھی ہر قسم کی عہد شکنی سے منع فرمایا۔اس سے قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ اس طرح تو دشمن جب چاہے گا بغیر تنسیخ معاہدہ کے اعلان کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرے گا اور وہ اس قانون کی پابندی میں مارے جائیں گے۔ فرمایا کفار ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ اس طرح عہد شکنی اور دھوکہ دہی سے وہ مسلمانوں پر سبقت لے گئے ہیں۔ وہ ہرگز مسلمانوں کو عاجز اور بے بس نہیں کرسکیں گے۔ کیوں کہ فتح خدا انہی کو دے گا جو میدان جنگ میں بھی ہر قسم کی عہد شکنی سے پاک ہوں گے۔ خواہ وہ وقتی طور پر قدرے نقصان بھی اٹھالیں۔

۶۱۔**ربط**۔باندھنا۔**رباط الخیل**۔گھوڑے باندھنا یا بندھے ہوئی گھوڑے۔مراد سرحدوں کی حفاظت۔محض حفاظت کے لئے بھی آتا ہے۔جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار بھی رباط ہے۔(مسلم کتاب الطہارت باب فضل

يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا

پورا پورا دیا جائیگا (اس کا اجر) طرف تمہاری اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے اور اگر وہ جھکیں

لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

صلح کے لیے تو تُو بھی جُھک جا اس کیلئے اور بھروسہ کر اللہ پر یقیناً وہی خوب سننے والا

اسباغ الوضوء علی المکارہ) گویا سرحدوں کی حفاظت کی طرح نماز کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

اس آیت میں دشمن کے مقابلہ اور اچانک حملہ کی صورت میں مجاہدین کے لئے جہاں تک ممکن ہوسکے دو چیزوں کی تیاری کا حکم ہے۔پہلی تیاری کا تعلق طاقت و قوت سے ہے۔اس میں مجاہدین کی بھرتی ، ان کی فنون جنگ سے واقفیت ، جنگی مشقیں، ان کے لئے جدید سامانِ حرب اور سامانِ رسد وغیرہ شامل ہے۔دوسری تیاری سرحدوں پر گھوڑے باندھنے سے ہے گویا سرحدوں پر قلعے اور چھاؤنیاں قائم کرنا اوران کی حفاظت کرنا ہے اس طرح سرحدوں پر چاک و چوبند اور مستعد رہنے سے تم دشمن کے اچانک حملوں سے محفوظ ہوجاؤ گے۔ جنگیں سرحدوں تک محدود رہیں گی اور دشمن کو ملک کے اندر گھس کر لڑائی کا موقع نہیں ملے گا اور معصوم عوام دشمن فوج کے مظالم کا شکار نہیں ہوں گے۔جنگی تیاری میں خاص طور پر گھوڑوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ جانور جنگ میں جتنا اس وقت کار آمد تھا آج بھی ہے۔ کوئی فوج رسالہ کے بغیر مکمل نہیں۔ پس سرحدوں کی حفاظت سے دشمنانِ خدا تمہارے دشمن اور دوسرے آنے والے دشمن بھی، جن کا ابھی تمہیں علم نہیں، مرعوب ہوں گے اور حملے کی جرأت نہیں کریں گے۔قیصرو کسریٰ اور دوسرے دشمنان اسلام کی طرف اشارہ ہے۔ان تمام جنگی تیاریوں کا مقصد قتال نہیں بلکہ حفاظت اور دفاعی تدابیر ہیں۔افسوس ان تمام تدابیر کو پس پشت ڈال کر تمام اسلامی مملکتیں ایک ایک کرکے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔(بقیہ سورۃ کے آخر میں)

احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح و مہدیؑ کے زمانے میں قلمی جہاد ہوگا تلوار کا جہاد رک جائے گا۔جانی قربانی کی بجائے مالی قربانی ہوگی۔ اس قلمی جہاد میں مخالفین کے مقابلہ میں دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی ضرورت ہوگی۔ پس جہاد، تلوار کا ہو یا قلم کا اس کی ضروریات کے لئے جو بھی خرچ کرو گے۔ وہ تمہیں پورا پورا لوٹایا جائے گا۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں بھی اور مسیح موعود کے زمانہ میں بھی راہ خدا میں بہت معمولی مالی قربانی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں بلکہ کروڑوں سے نوازا اور آخرت کا اجر الگ ہے۔

۶۲۔ **الجناح**۔ پرند کے بازو۔ ایک جانب۔ یہاں مراد ایک طرف جھکنا ہے۔ جناح

الْعَلِيْمُ ﴿۶۲﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ

خوب جاننے والا ہے اور اگر وہ (لوگ) ارادہ کریں کہ دھوکا دیں تجھ کو تو یقیناً کافی ہے تجھ کو

اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَلَّفَ

اللہ وہ جس نے تائید کی تیری ساتھ اپنی مدد کے اور ساتھ مومنوں کے اور الفت ڈالی

بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ

درمیان ان کے دلوں کے اگر خرچ کرتا تُو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب نہ

اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ

الفت ڈال سکتا درمیان دلوں کے ان کے ولیکن اللہ نے الفت ڈالی درمیان ان کے یقیناً وہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

غالب (اور) حکمت والا ہے اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور (انکو) جنہوں نے پیروی کی تیری

گناہ کے معنی دیتا ہے کیونکہ گناہ بھی حق سے دوسری جانب جھکنے کا نام ہے۔

اگر تمہاری تیاریوں کی وجہ سے دشمن مرعوب ہو جائے جو تمہارا اصل مقصد تھا اور صلح کی طرف مائل ہوجائے تو تم بھی صلح کا ہاتھ بڑھاؤ یعنی اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں تو تم بھی صلح کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو جو تمہاری دعاؤں کو خوب سننے والا اور تمہارے حالات کو خوب جاننے والا ہے اور یہ اندیشہ نہ کرو کہ کہیں دشمن کی جنگی چال نہ ہو۔ پس اسلامی جنگوں کا مقصد دفاع تھا نہ کہ دشمن کو کچل کر تباہ کرنا۔

۶۳۔۶۴۔ اگر ان کا ارادہ عہد شکنی کر کے تجھے دھوکہ دینے کا ہے تو یاد رکھ اللہ تجھے کافی ہے۔ جس نے اپنی خاص مدد اور مومنوں کے ذریعہ تجھے قوت بخشی۔ بیشک مدد تو اللہ تعالیٰ کی ہی تھی لیکن بندوں کی کوششوں کا پردہ بھی درمیان میں رہنے دیا اور ان کے دلوں میں ایسی الفت ڈال دی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے صدیوں کی خانہ جنگیوں، باہمی عداوتوں اور رنجشوں کو بھلا کر ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔ ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا کرنے کے لئے اگر تم دنیا جہان کا مال بھی خرچ کر دیتے تو بھی یہ الفت پیدا نہ کر سکتے یہ صرف غالب اور حکمت والے خدا کا ہی احسان ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہزاروں کو ایک راہ پر جمع کرنا اوران میں وحدت والفت پیدا کردینا، خدا کے فضل کے سوا کہاں ممکن ہے۔(الحکم ۱۴ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸) حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ عظیم الشان کامیابی ہے کہ ایک قوم میں جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھی، ایسی محبت الٰہی کا پیدا کردینا کہ وہ مرنے کو تیار

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۵﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ

مومنوں میں سے اے نبی ترغیب دے مومنوں کو

عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

لڑائی کی اگر ہوں گے تم میں سے بیس صبر کرنے والے

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا

وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں ایک سو وہ غالب آئیں گے

اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۶﴾

ایک ہزار پر ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ

اب تخفیف کردی اللہ نے تم سے اور جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ

ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ

اگر ہوں گے تم میں سے ایک ہزار غالب آئیں گے وہ دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور

ہوجائے۔ خود آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی کو ظاہر کرتا ہے۔(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۳)

۶۵۔ مفسرین نے لکھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے پہرے پر متعین صحابہؓ کو فارغ کردیا اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دشمن کی دھوکہ بازیوں اور ریشہ دوانیوں سے پہنچنے والے تمام نقصانات سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔

بے شک ظاہری حفاظت کے سامان اور مادی انتظامات بھی ازبس ضروری ہیں مگر ان پر بھروسہ نہ کر۔ بھروسہ اللہ پر ہی کر۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تجھے اللہ کافی ہے اور ان کو بھی کافی ہے جنہوں نے مومنوں میں سے تیری پیروی کی۔ مفسرین نے لکھا کہ یہ آیت میدانِ بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ اور مومنوں کی تقویت کا باعث ہوئی۔

۶۶۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ کفار کی تعداد سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دس گنا دشمن پر بھی غالب کرے گا۔ آخر میں بتایا کہ قیدی اور مال غنیمت کے لئے باقاعدہ جنگ کی شرط ہے۔

حرّض ۔ تحریض دلانا۔ **حرّض باب** تفعیل سے ہے جس میں شدت کا پہلو پایا جاتا

ہے یعنی بار بار رغبت دلا۔ زور سے تحریک کر۔

یہ جنگ کی تحریض کسی جارحانہ کاروائی یا قتل و غارت کے لئے نہیں تھی بلکہ ایک ایسی قوم کو اپنی دفاع کے لئے تیار کرنے کا حکم تھا جو تیرہ سال تک ظلم کی چکی میں پستی رہی مگر اسے تلوار کا جواب تلوار سے دینے کی اجازت نہیں تھی۔ تیرہ سالہ صبر و برداشت کی اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کے مزاج کو ایسا بنا دیا تھا کہ وہ بڑی سے بڑی زیادتی پر بھی عفو و درگزر سے کام لینے کے عادی ہوگئے تھے۔ اس لئے بطور خاص ان کو جنگ کی تحریض کی ضرورت تھی۔ اپنے سے دس گنا پر فتح و نصرت کا وعدہ جنگ بدر میں دیا گیا۔ جب کہ آنحضرت ﷺ کی معیت حاصل تھی اور یہ جنگ اور اس میں فتح الٰہی نوشتوں کے مطابق تھی۔ تاہم یہ آئندہ جنگوں کے لئے بطور پیشگوئی بھی تھا۔ غرض جنگ بدر نہایت بے سروسامانی میں لڑی جانے والی پہلی باقاعدہ جنگ تھی جس میں بغیر کسی اعلان جنگ یا جنگی تیاری کے چند قریباً نہتے، فنون حرب سے ناواقف جانفروش اپنے سے تین گنا، عرب کی منجھی ہوئی سامانِ حرب سے لیس فوج سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پس عین میدانِ جنگ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ مسلمان اپنے سے دس گنا فوج پر غالب رہیں گے۔ بہت بڑی خوشخبری تھی۔ جس سے مومنوں کے حوصلے بہت بلند ہوگئے۔ فرمایا بیس مومن دو سو پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ سو مومن ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ تاہم یہ نہیں کہا کہ ایک مومن دس پر غالب آ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اصولاً جتنی تعداد کم ہوتی جائے گی اتنی ہی طاقت کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تعداد میں تکرار کی وجہ امام رازیؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ عموماً آنحضرت ﷺ کے فوجی دستوں کی تعداد بیس سے سو تک ہی ہوتی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بطور قاعدہ خوب وضاحت فرما دی کہ مومن اپنے سے دس گنا دشمن پر بھی غالب آ سکتے ہیں لیکن صبر و استقامت شرط ہے۔ اس لئے کہ کفار سمجھ سے کام نہیں لیتے اور بت پرستی نے ان کی دماغی صلاحیتوں کو مسخ کر دیا ہے اور وہ محض انتقام اور نفرت کے جذبہ کے تحت لڑتے ہیں۔ جب کہ مومن نورِ ایمان سے منور ہیں اور ان کی دماغی صلاحیتیں بیدار ہیں اور وہ خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ مسلمان آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی آزمائشوں کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن چکے تھے پھر مسلسل جنگی تجربوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور وہ دس گنا چھوڑ اپنے سے سو گنا تک بڑی قیصر و کسریٰ کی طاقتوں سے ٹکرا گئے اور انہیں شکست فاش دی۔

۶۷۔ **الـٰئن**۔ اب۔ اس وقت۔ سردست۔

اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ

اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے نہیں ہے شایان کسی نبی کے کہ ہوں اس کیلئے

آیت ۱۶، ۱۷ میں میدان جنگ سے بھاگنے کی قطعاً ممانعت فرمائی تھی۔ سوائے چند ایک استثنائی صورتوں کے۔ یہاں تخفیف فرمائی اور بطور قانون وضاحت فرمائی کہ خواہ مومنوں میں کتنی ہی کمزوریاں ہوں صابر مومن اپنے سے دگنے دشمن کے مقابلہ میں غالب آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگا نہیں۔ ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ (روح البیان) جنگ بدر کے موقع پر ان آیات کا نزول مومنوں کے لئے تقویت قلب کا باعث ہوا کیونکہ انہیں کفار اپنے سے دگنے نظر آئے حالانکہ وہ تین گنا تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار ملائکہ کو مدد کے لئے بھیجا اور آنحضرت ﷺ کی کفار پر پھینکی ہوئی چند کنکریوں نے بھی ایک عظیم معجزہ دکھایا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۲۸۔۶۳۵ حالاتِ بدر)

الـٰئن سے نئے ایمان لانے والے مومنوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو نہ ایمان کے اعلیٰ مقام پر تھے اور نہ انہیں جنگی تجربہ تھا۔ جیسا کہ جنگ حنین میں ہوا۔ تاہم ایک مومن کے مقابل دو کفار کی صورت میں میدانِ جنگ سے بھاگنے کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں) اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ بیشک تم میں اپنے سے بہت بڑی جماعت سے جنگ کی صلاحیت ہے مگر سردست تم میں کمزوریاں ہیں۔ یہ کمزوری وفا اور اخلاص میں نہیں تھی نہ قربانیوں میں تھی۔ کمزوری یہ تھی کہ سخت مشقت اور غربت کے حالات سے گزر رہے تھے۔ مناسب سامان جنگ تھا نہ تربیت یافتہ مجاہدین۔ مہاجرین بیشک فنونِ حرب سے واقف تھے لیکن انصار بنیادی طور پر زراعت پیشہ تھے اور جنگی رموز سے کماحقہٗ واقف نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدائی جنگوں میں شہداء میں انصار کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ جنگِ احد کے شہداء میں چھ مہاجر اور چونسٹھ انصار تھے۔ غربت اور فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ مجاہدین نے بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوتے تھے۔ انہی حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی اور ان میں صلاحیت کے ہوتے ہوئے بھی ان سے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ تاہم اپنے سے دگنے دشمن پر طاقت اب بھی تھی۔

صابرین کے لئے اللہ تعالیٰ کی معیت کا وعدہ ہے۔ نصرت الٰہی صبر کرنے والوں پر نازل

أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ

قیدی یہاں تک کہ خوب خون بہائے زمین میں تم چاہتے ہو اسباب

الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٨﴾

دُنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ

اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے جو گذر چکا (ہے) تو ضرور پہنچتا تم کو اس میں جو لیا تم نے عذاب

ہوتی ہے۔خواہ وہ مشکلات میں اور میدان جنگ میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں یا احکام شرعیہ میں ثابت قدمی دکھائیں۔بہرحال خدا ان کے ساتھ ہے۔جس کے ساتھ خدا ہو اسے اور کیا چاہئے۔

۶۸۔ **یثخن ۔ ثخن** ۔ موٹا یا سخت ہونا۔غالب ہونا۔**اثخان فی القتل**۔ بہت خونریزی کرنا۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ سوائے دو فوجوں کی شدید جنگ کے قیدی بنانا قطعاً ناجائز ہے۔ جنگ بدر میں ستر کفاربطور قیدی پکڑے گئے۔جن میں آپؐ کے چچاحضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اورحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عقیلؓ بھی تھے ۔آپؐ نے مشورہ طلب کیاتو حضرت ابو بکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں آپ کی قوم ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا۔حضرت عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کرنے کا مشورہ دیا تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکررضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پسندفرمائی اورفی قیدی چالیس اوقیہ فدیہ لے کرچھوڑدیا۔ ۴۰ اوقیہ قریباًچارصد روپیہ ہے۔اس وقت یہ ایک غلام کی کم از کم قیمت تھی جو آج کے چار لاکھ سے کم نہیں۔جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے یہ فدیہ کافی سمجھا گیا کہ دس دس لڑکوں کولکھنا پڑھنا سکھادیں یہ آپ کی علم دوستی کی دلیل تھی۔ قرآن کریم نے کہیں بھی قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔اس تعلق میں تمام روایات نص قرآنی کے خلاف ہیں۔

یہاں پھر کمزور مومنوں کے اس خیال کی تردید فرمائی جو قافلہ سے مقابلہ کرنے کا خیال لے کر نکلے تھے۔ فرمایا قافلہ سے لڑائی کی صورت میں تم ہرگز کسی کو قیدی نہیں بنا سکتے تھے کیونکہ وہ دو فوجوں کی جنگ نہیں تھی۔ جن کمزور مومنوں کو قافلہ سے لڑائی کی صورت میں مال غنیمت کا لالچ تھا ان کی بھی توبیخ فرمائی کہ تم دنیوی مال چاہتے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر آخرت ہے جو جنگ بدر سے ممکن تھی اور تمہارا یہ غلبہ بھی غالب وحکیم خدا کا احسان ہے۔

عَظِيمٌ ﴿٦٩﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ

بڑا پس کھاؤ اس سے جو غنیمت حاصل کیا تم نے حلال طیب اور تقویٰ کرو اللہ کا

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي

یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اے نبی تو کہدے ان (لوگوں) کو جو

أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا

تمہارے ہاتھوں میں ہیں قیدیوں میں سے اگر جانے گا اللہ دلوں میں تمہارے بھلائی

يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

تو دیگا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا تم سے اور بخشش دے گا تم کو اور اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا

بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور اگر وہ ارادہ کریں خیانت کا تیری تو یقیناً خیانت کی انہوں نے

۶۹۔ چونکہ فدیہ کے جواز کا صریح حکم اللہ کی طرف سے تمہیں پہلے مل چکا تھا۔اس لئے اگر ایسا حکم ملے بغیرتم فدیہ لیتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ٹھہرتے۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز یہ بھی مراد ہے کہ اگر یہ تقدیرلکھی ہوئی نہ ہوتی کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی ہرصورت غالب آئیں گے تو ایسی باتیں سرزد ہوسکتی تھیں جو ساری قوم کے لئے عذاب کاموجب بن جاتیں جیساکہ آئندہ ہونے والی جنگوں میں بعض صحابہؓ سے غلطیاں ہوئیں۔ جنگ احدمیں بعض تیراندازوں کی غلطی سے مسلمانوں کو شدید تکلیف پہنچی۔اگر خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر کام نہ کرتی تو سرداران مکہ کے لئے مسلمانوں کا استیصال کچھ مشکل نہ تھا۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۷۰۔پس جو کچھ تمہیں مالِ غنیمت میں حلال و طیب ملے اسے کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ کھانے سے مراد زیراستعمال لانا بھی ہے۔شروع سورت میں مال غنیمت کے تعلق میں تقویٰ کا حکم دیااب سورت کے اختتام پر مال غنیمت کے ملنے پر پھرتقویٰ کا حکم دیا تاکہ دنیوی نعمتوں کے حصول سے تقویٰ میں کمزوری نہ آئے۔پس اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے وہ ضرور تمہاری کمزوریوں کو معاف فرمائے گا اور رحم فرمائے گا۔(تشریح کے لئے آیت ۲ ملاحظہ فرمائیں)

۷۱۔ سورۃ کے آخری رکوع میں کفار کے حملہ کی صورت میں مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد کرنافرض قرار دیاہے۔ سوائے اس کے کہ کفار سے عہد ہو۔ قیدیوں میں تبلیغ اسلام کی طرف بھی اشارہ ہے نیزاس آیت سے واضح ہے کہ اسلام نے قیدیوں سے کس قدرحسن سلوک روا رکھنے کی تاکید فرمائی، فدیہ میں معمولی رقم لے کربھی ان کی دلجوئی فرمائی کہ اتنی سی رقم بھی تمہیں شاق نہ

اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾
اللہ کی پہلے پس اس نے قابو پایا ان پر اور اللہ خوب جاننے والا ہے حکمت والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ
یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا ساتھ اپنے مالوں کے اور

اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ
اپنی جانوں کے راہ میں اللہ کی اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں کہ

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا
بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اور جو لوگ ایمان لائے اور نہیں ہجرت کی

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَ
نہیں ہے تمہارے لیے ذمہ داری ان کی کچھ بھی یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور

اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى
اگر مدد مانگیں وہ تم سے دین میں تولازم ہے تم پر مدد دینا سوائے مقابلہ

قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
میں ایسی قوم کے کہ درمیان تمہارے اور درمیان ان کے عہد ہے اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو

گزرے۔اگر تم میں خیر یعنی ایمان واخلاص کی رمق بھی ہوگی اور تم ایمان لے آئے یا محض آئندہ جنگوں میں ہی کنارہ کش رہے تو اللہ تعالیٰ اس معمولی رقم کے بدلہ تمہیں مالِ کثیر سے نوازے گا۔ جیسا کہ آئندہ وقوع میں آیا اور قبول اسلام کی صورت میں تو تمام پچھلے گناہوں سے مغفرت کا وعدہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

۲ ۷۔اگر وہ تجھ سے عہد شکنی کرکے دوبارہ لڑنے آئیں تو کچھ عجب نہیں کیوں کہ وہ اس سے پہلے خدا سے عہد شکنی اور خیانت کے مرتکب ہو چکے ہیں۔جس کی پاداش میں پکڑے گئے۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت ،بندگان خدا پر ظلم وستم اور ان سے جنگ تھی تا کہ خدا کا نام مٹادیں۔یہاں آنخضرت ﷺ کے ساتھ خیانت کو اللہ کے ساتھ خیانت کہا جیسا کہ فرمایا **وما رميت اذ رميت ولٰكن اللّٰه رمٰى** ۔ پس عہد شکنی کی صورت میں دوبارہ پکڑے جائیں گے۔ اللہ علیم وحکیم ہے وہ تمہارے ارادوں سے بھی واقف ہے اور اپنی حکمت سے انہیں توڑنا بھی جانتا ہے۔

۳ ۷۔آنخضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔پس اسلامی قانون کی روسے جب بھی ایسے حالات پیدا ہوں تو ہجرت فرض ہوگی۔ہجرت کا مفہوم وطن

بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ
خوب دیکھنے والا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اگر نہ تم کرو یہ

تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
ہوگا فتنہ زمین میں اور فساد بڑا اور جو لوگ ایمان لائے اور

چھوڑنے کے علاوہ اخلاقی اور روحانی کمزوریوں کو ترک کرنا بھی ہے۔پس اسلامی ریاست کے باشندے اور وہاں ہجرت کرکے آنے والے مومن مہاجرین بوجہ اپنی جانی و مالی قربانیوں کے ایک دوسرے کے دلی دوست اور مددگار ہوں گے۔

جن چند مومنوں نے باوجود قدرت کے محض دنیوی مفاد کی خاطر ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت اسلام کو عددی قوت کی بھی اشد ضرورت تھی،وہ کفار کے مظالم سہتے رہے اور اسلامی ارکان پر کماحقہٗ عمل پیرا ہونے سے معذور رہے بلکہ کفار کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ایسے مومنوں کی مدد و حمایت اسلامی ریاست پر فرض نہیں ہوگی۔نہ ان کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم کی اجازت ہے کیونکہ دلی دوستیاں بعض اوقات قومی راز فاش کرنے کا موجب بھی بنتی ہیں۔یہاں ایک عام اصول بھی بتادیا کہ کسی غیراسلامی ریاست میں رہتے ہوئے جنگ کرنے یا فتنہ وفساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔اگر مذہبی آزادی پر پابندیاں ہیں تو اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو اور برداشت کرو۔جیسا کہ آنخضرت ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی کا نمونہ تمہارے سامنے ہے۔اگر ایمان کو بچانا مشکل ہے تو ہجرت کرجاؤ۔ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد کے طالب ہوں۔ مثلاً ان کو زبردستی ہجرت سے روک رکھا ہو یا اسلامی فرائض کی ادائیگی پر تشدد کا نشانہ بناتے ہوں تو ایسی صورت میں اِن مظلوم مسلمانوں کی مدد بھی فرض ہوگی۔البتہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس کا تم سے صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو کیوں کہ اسلام میں معاہدہ کی پابندی مقدم ہے۔اسی قانون کے تحت صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آنخضرت ﷺ نے ابو جندلؓ کی مدد سے معذوری کا اظہار فرمایا۔

۴ ۷۔جس طرح مومن ایک دوسرے کے دوست ومددگار ہیں اسی طرح کفار بھی ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔**الّا تفعلوهُ**۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔اس میں ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جو اس سے پہلے خاص طور پر متصل آیت میں گزرے۔یعنی مومنین کی باہمی امداد واعانت ، مظلوم کی پکار پر اس کی مدد کو پہنچنا، اپنے معاہدات کی پابندی،

هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

ہجرت کی اور جہاد کیا راہ میں اللہ کی اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

یہ لوگ ہی مومن ہیں سچے ان کے لیے بخشش ہے اور رزق ہے

كَرِيْمٌ ﴿۷۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا

عزت والا اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی اور جہاد کیا

مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

ساتھ (مل کر) تمہارے تو یہ لوگ تم میں سے ہیں اور رشتہ دار بعض ان کے زیادہ قریبی ہیں

بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

نسبت بعض کے کتاب میں اللہ کی یقیناً اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے

غیر اسلامی ریاست میں امن سے رہنا اور فتنہ و فساد پیدا نہ کرنا۔ اگر تکالیف برداشت نہ کرسکو اور ایمان نہ بچا سکو یا نبی یا خلیفۂ وقت کا حکم ہو، تو ہجرت فرض ہوگی۔ اگر ان احکام پر عمل نہیں کروگے تو زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی۔

اس چھوٹی سے آیت میں عدل و انصاف اور امن عالم کے لئے بنیادی اصول بتائے اور بتایا کہ اگر ان پر کاربند رہو گے تو دنیا میں ایک پر امن معاشرہ کی بنیاد رکھنے والے ہوگے۔ پس ان پر عمل کرتے ہوئے مومن جب تک سیسہ پلائی دیوار کی طرح ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہے، مظلوموں کی پکار پر ان کی مدد کو پہنچتے رہے جیسا کہ ''یا حجاج'' کی صدا بلند کرنے والی ایک مسلمان بیٹی کی آواز پر مسلمانوں کا لشکر جرار ظالم ہندوستانی ڈاکوؤں اور قزاقوں اور ان کے سرپرستوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انتہائی ظالم اور سنگدل سمجھا جانے والا حجاج بن یوسف کو اس کے دربار میں جب ایک بیٹی کی فریاد سے آگاہ کیا گیا تو اس نے برجستہ کہا ''لبیک'' میں آرہا ہوں اور پھر اس کا لشکر جرار اپنی اس بیٹی کو جہاز کے دیگر تمام مسافروں سمیت آزاد کروا لایا۔ بلکہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ آج ابو غریب جیل سے مسلمان مظلوم عورتوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا سننے والا کوئی حجاج بن یوسف نہیں جو ان کی پکار کا جواب دے اور کوئی محمد بن قاسم نہیں جو ان حوا کی مظلوم بیٹیوں کو درندوں کے چُنگل سے چھڑا لائے۔ غرض جب تک مسلمان اپنے معاہدوں کے پابند رہے اور فتنہ و فساد سے مجتنب رہے۔ اس وقت تک دنیا کے لئے امن کے پیامبر رہے اور جب دوستی و اعانت کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو

گئے اور ان احکام کو پس پشت ڈال کر مظلوموں کی دادرسی سے آنکھیں موندلیں اور معاہدوں کی دھجیاں اڑائیں تو اس فتنہ و فساد کا مظاہرہ بعد میں آنے والی اسلامی زوال پذیر سلطنتوں میں اظہر من الشمس تھا۔ جب کہ کفار آج بھی مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

۷۵۔ انصار اور مہاجرین کو سچے مومنین کے خطاب سے نوازا اور انہیں مغفرت اور عمدہ رزق کی خوشخبری دی گویا جن کمزور مومنوں نے ہجرت نہیں کی جس کے نتیجہ میں وہ جہاد فی سبیل اللہ میں شریک نہیں ہوسکے، ان کے لئے یہ وعدے نہیں۔

۷۶۔ **اولوا الارحام** ۔ رحم والے ۔ رحمی رشتہ دار۔

اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت و جہاد میں شامل ہوئے وہ تمہارے دینی بھائی ہیں لیکن وراثت میں شریک نہیں کیوں کہ رحمی رشتہ دار کتابِ الٰہی کے بموجب دوسروں کی نسبت زیادہ قریبی ہیں۔ ہاں رحمی رشتوں میں بھی بعض کے زیادہ حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر قریباً اسّی مہاجرین اور اتنے ہی انصار میں مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا۔ انصار نے مہاجر بھائیوں کو اپنی املاک تک کے نصف میں شریک ہونے کی پیش کش کی اور بے حد احسان کا سلوک کیا۔ اس سے بعض کو یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال ہوا کہ یہ ایک دوسرے کی وراثت میں بھی شریک ہوں گے۔ لہٰذا اس آیت سے وضاحت فرمائی کہ رشتہ داروں کے حقوق بہرحال مقدم ہیں۔ تقسیم وراثت رشتہ داری کے اسلامی اصولوں پر ہی ہوگی۔ اگر وہ ایمان نہیں لائے تو بھی ان کے حقوق قائم رہیں گے اور صلہ رحمی کے حقدار ہوں گے۔

☆☆☆

بقیہ آیت: ۶۱۔ رباط کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر مرنے والے کا عمل (اس کی موت کے ساتھ ہی) ختم کر دیا جاتا ہے سوائے اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں رباط کرتے ہوئے فوت ہو۔ اس کا عمل اس کے لئے قیامت تک بڑھایا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے امن پاجاتا ہے۔ (ترمذی۔ کتاب فضائل الجہاد) حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایک دن کا رباط ہزار دن کی عبادت سے بہتر ہے سوائے اس دن کے جو منازل میں گزارا۔ (ترمذی۔ نسائی)

ماخذ مصادر

تفاسیر

تفسیر ابن کثیر

تفسیر ابن جریر

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی۔ روح المعانی۔ النجم الثاقب

تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جسے جناب نورالحق منیر صاحب نے مرتب کیا

تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ’’ حقائق القرآن‘‘

تفاسیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعودؓ تفسیر صغیر و تفسیر کبیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا قرآن کریم اردو ترجمہ ، آپ کے خطبات جمعہ ، رمضان المبارک کے درسِ قرآن ، مجالس عرفان اور خاص طور پر MTA کی ترجمۃ القرآن کلاسز۔

احادیث

جامع صحیح بخاری

صحیح مسلم

موطا امام مالک

جامع ترمذی

سنن ابوداؤد

سنن نسائی

سنن ابن ماجہ

مسند احمد بن حنبل

مسند دارمی

دار قطنی

بیہقی

الدر المنثور

کنزالعمال

بحارالانوار

جامع الصغیر للسیوطی

تصانیف حضرت مسیح موعود علیہ اسلام

تذکرہ

کشتی نوح

ازالہ اوہام

اسلامی اصول کی فلاسفی

تذکرۃ الشہادتین

حقیقت الوحی

روحانی خزائن

ملفوظات

مسیح ہندوستان میں

لغت

لغت کے لئے زیادہ تر امام راغب اسفہانی کی المفردات فی غریب القرآن سے استفادہ کیا گیا

تاج العروس

لسان العرب

اقرب الموارد

دیگر بزرگان سلسلہ کی کتب

حیات نور الدین

حیاتِ قدسی

تحدیث نعمت

حوادثاتِ طبعی یا عذاب الٰہی

ایک مردِ خدا

سلسلہ جماعت احمدیہ کے جرائد و رسائل۔ الحکم ،الفضل، ریویو آف ریلیجنز اور دیگر بزرگان سلسلہ کی تفاسیر و کتب اور تحریرات۔ عربی ادب کے شہ پارے۔ (جناب صوفی محمد اسحاق)اصحاب کہف کے صحیفے(جناب شیخ عبدالقادر سابق سوداگرمل)

بائبل و دیگر کتب

عہدنامہ قدیم وعہدنامہ جدید(بائبل)

طالمود

ہندوؤں کی بعض مذہبی کتب گیتا

رامائن

بھوشیا پران

بدھ مت کے بنیادی مذہبی لٹریچر ’’ تری پٹک‘‘ سے استفادہ کیا گیا ہے

دورِ جدید کے بعض مغربی مفکرین کی بعض تصانیف سے بھی استفادہ کیا گیا ہے

بعثتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قبل کے بعض بزرگان کی تصانیف جیسے کشف المحجوب وغیرہ

☆☆☆

پرنٹرز: لاہور آرٹ پریس 15- نیوانارکلی لاہور، ہیلو:7357513
کمپوزنگ منصور احمد صدیقی راولپنڈی
طبع دوم ۲۷ ستمبر ۲۰۰۸ء